جملہ حقوق بحق ضیاء القرآن پبلی کیشنز محفوظ ہیں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

مطبع ________ تخلیق مرکز پرنٹرز لاہور

کتابت ________ اقبال اختر عبد الرحمٰن ناصر۔ خوشی محمد ناصر

متن ________ بشکریہ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ کراچی

فوٹوگرافی ________ حاجی رحیم بخش (ایف آر پروسیسنگ)

تعداد ________ تین ہزار

تاریخ طباعت ________ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ

ناشر ________ ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور

فہرست مضامین

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱	سُورۃ النّجم	۵
۲	سُورۃ القمر	۴۹
۳	سُورۃ الرحمٰن	۶۳
۴	سُورۃ الواقعہ	۸۴
۵	سُورۃ الحدید	۱۰۴
۶	سُورۃ المجادلہ	۱۳۳
۷	سُورۃ الحشر	۱۵۵
۸	سُورۃ الممتحنہ	۱۸۹
۹	سُورۃ الصف	۲۰۸
۱۰	سُورۃ الجُمعہ	۲۲۷
۱۱	سُورۃ المنافقون	۲۳۳
۱۲	سُورۃ التغابن	۲۵۹
۱۳	سُورۃ الطلاق	۲۷۱
۱۴	سُورۃ التحریم	۲۹۱
۱۵	سُورۃ الملک	۳۰۸
۱۶	سُورۃ القلم	۳۲۷
۱۷	سُورۃ الحاقہ	۳۳۵
۱۸	سُورۃ المعارج	۳۵۷
۱۹	سُورۃ نوح	۳۶۱
۲۰	سُورۃ الجنّ	۳۸۳
۲۱	سُورۃ المزمل	۳۹۹
۲۲	سُورۃ المدثر	۴۱۳
۲۳	سُورۃ القیامہ	۴۲۸
۲۴	سُورۃ الدھر	۴۴۰
۲۵	سُورۃ المرسلٰت	۴۵۱
۲۶	سُورۃ النبأ	۴۶۳
۲۷	سُورۃ النّزعٰت	۴۷۷
۲۸	سُورۃ عبس	۴۸۹
۲۹	سُورۃ التکویر	۴۹۸
۳۰	سُورۃ انفطار	۵۰۷
۳۱	سُورۃ المطففین	۵۱۳
۳۲	سُورۃ انشقاق	۵۲۲
۳۳	سُورۃ البروج	۵۲۷
۳۴	سُورۃ الطارق	۵۳۴
۳۵	سُورۃ الاعلیٰ	۵۳۹
۳۶	سُورۃ الغاشیہ	۵۴۷
۳۷	سُورۃ الفجر	۵۵۳
۳۸	سُورۃ البلد	۵۶۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۹	سُورۃ الشمس	۵۶۰	۵۲	سُورۃ الھمزہ	۶۵۶
۴۰	سُورۃ الیل	۵۷۶	۵۳	سُورۃ الفیل	۶۶۰
۴۱	سُورۃ والضحیٰ	۵۸۳	۵۴	سُورۃ قریش	۶۶۱
۴۲	سُورۃ الانشراح	۵۹۵	۵۵	سُورۃ الماعون	۶۶۷
۴۳	سُورۃ التین	۶۰۳	۵۶	سُورۃ الکوثر	۶۸۲
۴۴	سُورۃ العلق	۶۰۹	۵۷	سُورۃ الکافرون	۶۹۱
۴۵	سُورۃ القدر	۶۱۷	۵۸	سُورۃ النصر	۶۹۷
۴۶	سُورۃ البیّنہ	۶۲۳	۵۹	سُورۃ لہب	۷۰۱
۴۷	سُورۃ الزلزال	۶۳۰	۶۰	سُورۃ اخلاص	۷۰۹
۴۸	سُورۃ العٰدیات	۶۳۶	۶۱	سُورۃ الفلق والناس	۷۱۹
۴۹	سُورۃ القارعہ	۶۴۱	۶۲	تحقیقات لغویہ	۷۳۹
۵۰	سُورۃ التکاثر	۶۴۶	۶۳	تحقیقات نحویہ	۷۴۹
۵۱	سُورۃ والعصر	۶۵۱	۶۴	فہرست مطالب	۷۵۰

تحقیقاتِ لغویہ

	سورۃ	حاشیہ نمبر
ا ——		
أشِر	۵۴	۲۱
انام	۵۵	۱۰
الآء	۵۵	۱۳
المومن	۵۹	۳۵
آن	۵۵	۴۴
اجاج	۵۶	۲۷
یأن	۵۷	۲۱
الامیین	۶۲	۲
یؤفکون	۶۳	۸
انی	۶۳	۸
مؤتفکت	۶۹	۸
ارائک	۷۶	۱۹
استبرق	۷۶	۲۰
اسرھم	۷۶	۲۴
ابّاً	۸۰	۱۹
الاخدود	۸۵	۴
آنیۃ	۸۸	۳
ابابیل	۱۰۵	۴
احد	۱۱۲	۱
مؤتفکۃ	۵۳	۳۹
ازفت الآزفۃ	۵۳	۵۴

	سورۃ	حاشیہ نمبر
استبرق	۵۵	۳۸
ب ——		
تبوّؤا	۵۹	۱۷
باری	۵۹	۳۷
بطائن	۵۵	۳۸
بُسّت	۵۶	۵
منبثًا	۵۶	۵
تبارک	۶۷	۱
تبتّل	۷۳	۹
بشر	۷۴	۱۸
بَرِق	۷۵	۷
بصیرا	۷۵	۱۱
باسرۃ	۷۵	۱۹
ابرار	۷۶	۸
بعثرت	۸۱	۴
بیّنۃ	۹۸	۱
ابتر	۱۰۸	۳
ت ——		
مترفین	۵۶	۱۹
ترائب	۸۶	۴
متربہ	۹۰	۱۰

	سورۃ	حاشیہ نمبر
ث		
یتفوکو	۹۰	۵
ثبات	۹۹	۸
لایستثنون	۹۸	۱۱
ثجاجا	۷۸	۱۲
ثبورا	۸۴	۹
ج		
الجآن	۵۵	۱۵
الجوار	۵۵	۲۰
جنا	۵۵	۳۹
الجلاء	۵۹	۹
الجبّار	۵۹	۳۵
بمجنون	۹۸	۲
جزوع	۷۰	۱۴
جمن	۷۲	۳
الجواری	۸۱	۱۱
جمّا	۸۹	۱۵
جید	۱۱۱	۹
ح		
المحتضر	۵۴	۲۱
یحادون	۵۸	۱۰
الحشر	۵۹	۴
حاجۃ	۵۹	۱۹
حور	۵۵	۳۶
یحموم	۵۶	۱۵

	سورۃ	حاشیہ نمبر
لستحوذ	۵۸	۲۷
حواریون	۶۱	۱۴
حمّلوا	۶۲	۹
تحلّۃ	۶۶	۳
حسیر	۶۷	۶
حاصب	۶۷	۲۱
حلّاف	۶۸	۹
حرد	۶۸	۱۳
الحاقۃ	۶۹	۱
حسوما	۶۹	۴
تحرّوا	۷۲	۱۴
لن تحصوہ	۷۳	۱۹
احقابا	۷۸	۲۰
حدائق	۷۸	۲۴
الحافرۃ	۷۹	۹
احوی	۸۷	۹
الحجر	۸۹	۳
حامیہ	۱۰۱	۹
الحطمۃ	۱۰۴	۴
حاسد	۱۱۳	۵
خ		
خشعا	۵۴	۹
خالق	۵۹	۳۷
مخضود	۵۶	۱۴
مستخلفین	۵۷	۸

	سورۃ	حاشیہ نمبر
ضال	۵۷	۲۹
خشب مسندة	۶۳	۵
خاسئًا	۶۷	۶
خُلُق	۶۸	۴
د		
دنیٰ فتدلّیٰ	۵۳	۹
دُسُرٍ	۵۴	۱۶
الدهان	۵۵	۳۱
مدهامتان	۵۵	۴۴
مدهنون	۵۶	۳۵
مدینین	۵۶	۳۹
الدنیا	۶۷	۷
تُدهن	۶۸	۷
سلسلة ذرعها	۶۸	۲۱
دُكّتا	۶۹	۱۱
دانیه	۶۹	۱۶
أدرٰی	۷۴	۴۴
مُدّثّر	۷۴	۱
الدهر	۷۶	۱
دهاقا	۷۸	۲۴
دحاها	۷۹	۲۱
دسّٰها	۹۱	۱۰
دمدم	۹۱	۱۳
یدُعّ	۱۰۷	۲

	سورۃ	حاشیہ نمبر
ذ		
ذلول	۶۷	۱۹
ذرأ	۶۷	۳۱
ذا غصّة	۷۳	۱۲
ذُلّلت	۷۶	۱۴
ر		
رآه	۵۳	۲۴
الرّحمٰن	۵۵	۱
ریحان	۵۵	۱۲
رفرف	۵۵	۴۷
رُجّت	۵۶	۳
تربّصتم	۵۷	۱۹
رهبانیة	۵۷	۳۴
رکاب	۵۹	۱۰
رجومًا	۶۷	۸
رابیة	۶۹	۹
ترجون	۷۱	۱۱
رهقًا	۷۲	۷
رتّل	۷۳	۳
الرّجز	۷۴	۵
سأرهقه	۷۴	۱۳
رهینة	۷۴	۲۸
التّراقی	۷۵	۱۷
مرصاد	۷۸	۱۸
رادفة	۷۹	۷

	سُورة	حاشیہ نمبر
رَین	۸۳	۴
رحیق	۸۳	۷
الروح	۹۷	۳
ز ــــــ		
زاغ	۵۳	۱۸
مزدجر	۵۴	۶
ازدجر	۵۴	۱۲
زَنِیمٌ	۶۸	۸
زعیمٌ	۶۹	۱۷
المزّمّل	۷۳	۱
زمهریر	۷۶	۱۶
زرابی	۸۸	۶
زبانیة	۹۶	۹
زُلْزِلَت	۹۹	۱
زُرْتُمْ	۱۰۲	۲
س ــــــ		
سامدون	۵۳	۵۷
سُعُرٌ	۵۴	۲۱
سُلْطان	۵۵	۲۷
مسکوب	۵۶	۱۲
سموم	۵۶	۱۵
مَسْبُوقِین	۵۶	۲۱
سَبّح	۵۷	۱
السّلام	۵۹	۳۵
اسفار	۶۲	۶

	سُورة	حاشیہ نمبر
سائحات	۶۶	۸
اَسْلَمْتُمْ	۶۹	۱۷
اِسْمَع	۷۲	۲
یَسْلُکْهُ	۷۲	۱۶
سَبْحًا	۷۳	۹
سُدًی	۷۵	۲۲
سُنْدُس	۷۶	۲۰
سباتًا	۷۸	۷
سرابًا	۷۸	۱۷
سُیِّرَتْ	۷۸	۱۷
السابقات	۷۹	۳
الساهرة	۷۹	۱۲
سَمْکَهَا	۷۹	۱۹
سفَرَة	۸۰	۹
سجّین	۸۳	۳
مسغبه	۹۰	۱۰
سَجٰی	۹۳	۲
لَنَسْفَعًا	۹۶	۹
ش ــــــ		
الشّعریٰ	۵۳	۲۷
شِرب	۵۴	۲۱
اشیاعکم	۵۴	۲۵
شواظ	۵۵	۲۸
مشئمة	۵۶	۶
الشّح	۵۹	۲۰

	سُورۃ	حاشیہ نمبر
شکور	۴۲	۲۶
شهيقا	۶۷	۱۰
شركاء	۶۸	۱۷
الشوىٰ	۷۰	۱۲
شطط	۷۲	۵
شامخات	۷۷	۱۲
شتّى	۹۲	۲
الم نشرح	۹۴	۱
شانئ	۱۰۸	۳
ص		
صاحب	۵۳	۲
المصور	۵۹	۳۷
صلصال	۵۵	۱۳
يصدّعون	۵۶	۹
صدّوا	۶۳	۳
صغت	۶۶	۵
صُفّت	۶۷	۲۳
الصريم	۶۸	۱۱
صرصر	۶۹	۶
صبّا	۸۰	۱۶
الصاخة	۸۰	۱۷
المصيطر	۸۸	۹
ض		
ضلّ	۵۳	۲
ضيزىٰ	۵۳	۲۱

	سُورۃ	حاشیہ نمبر
الضنين	۸۱	۱۷
ضريع	۸۸	۵
ضحىٰ	۹۱	۱
ضحىٰ	۹۳	۱
تضليل	۱۰۵	۳
ط		
طغىٰ	۵۳	۱۸
طمسنا	۵۴	۲۲
طلح	۵۶	۱۲
طباقا	۶۷	۵
طائف	۶۸	۱۱
طاغية	۶۹	۵
اطوارا	۷۱	۱۴
طرائق	۷۲	۱۰
طُمست	۷۷	۳
مستطيرا	۷۶	۱۱
الطامة	۷۹	۲۳
طارق	۸۶	۱
طغىٰ	۹۱	۶
ظ		
يظاهرون	۵۸	۱
ظهير	۶۶	۷
ع		
عسر	۵۴	۱۱
تعاطىٰ	۵۴	۲۱

	سُورۃ	حاشیہ نمبر		سُورۃ	حاشیہ نمبر
عقر	۵۴	۲۱	للعصرات	۷۸	۱۴
العصف	۵۵	۱۲	العشار	۸۱	۴
اعلام	۵۵	۲۰	عَسْعَس	۸۱	۱۲
عبقری	۵۵	۲۱	عاملة	۸۸	۲
عربا	۵۶	۱۳	عماد	۸۹	۵
العزیز	۵۷	۲	العقبه	۹۰	۹
العزیز	۵۹	۳۵	العٰدیات	۱۰۰	۱
یعلم	۵۸	۳۲	عیشة	۱۰۱	۴
عدوّی	۶۰	۱	والعصر	۱۰۳	۱
عصم الکوافر	۶۰	۲۲	عصفٍ	۱۰۵	۵
نعاقبتم	۶۰	۲۳	اعطینا	۱۰۸	۱
تعاسرتم	۶۵	۱۸	غ		
عتوّ	۶۷	۲۷	غوی	۵۳	۲
عظیم	۶۸	۳	غَرور	۵۷	۱۹
معتدٍ	۶۸	۸	تغابن	۶۴	۱۱
عتلّ	۶۸	۸	غسلین	۶۹	۲۱
عاتیة	۶۹	۶	غدقًا	۷۲	۱۵
مَعارج	۷۰	۲	غسّاقًا	۷۸	۲۱
کالعھن	۷۰	۴	غُلبًا	۸۰	۱۲
	۱۰۱	۳	غثاءً	۸۷	۶
عزین	۷۰	۲۵	غاشیة	۸۸	۱
عجبًا	۷۲	۳	مغیرات	۱۰۰	۱
معاذیر	۷۵	۱۱	غاسق	۱۱۳	۳
عبوسًا	۷۶	۱۳	ف		
عمّ	۷۸	۲	فخّار	۵۵	۱۴

	سورة	حاشیہ نمبر
سنفرغ	۵۵	۲۶
افنان	۵۵	۳۶
تفکهون	۵۶	۲۵
فتنتم	۵۷	۱۹
تفسحوا	۵۸	۲۰
أفاء	۵۹	۱۰
فخور	۵۷	۲۹
فتنة	۶۰	۱۱
تفاوت	۶۷	۲
فتور	۶۷	۶
نفور	۶۷	۱۰
مفتون	۶۸	۵
فجاجًا	۷۱	۱۵
فاقرة	۷۵	۱۶
فرجت	۷۷	۳
فراتا	۷۷	۱۲
مفازاً	۷۸	۲۳
منفکین	۹۸	۱
الفلق	۱۱۳	۱
ق		
قاب قوسین	۵۳	۱۰
اقنی	۵۳	۳۶
القدوس	۵۹	۳۵
قفینا	۵۷	۳۳
تقسطوا	۶۰	۱۵

	سورة	حاشیہ نمبر
القارعة	۶۹	۳
قطوفها	۶۹	۱۶
تقوّل	۶۹	۲۲
الاقاویل	۶۹	۲۳
قدداً	۷۲	۱۰
القاسطون	۷۲	۱۳
اقوم قیلا	۷۳	۵
قسورة	۷۴	۳۶
قمطریرا	۷۶	۱۳
قواریر	۷۶	۱۶
قضبًا	۸۰	۱۶
اقتحم	۹۰	۹
قدر	۹۷	۱
قیّمة	۹۸	۳
قیّمة	۹۸	۶
قدحًا	۱۰۰	۱
القارعه	۱۰۱	۱
ک		
کاشفه	۵۳	۵۲
اکمام	۵۵	۱۱
کبتوا	۵۸	۱
المتکبر	۵۹	۳۵
اکواب	۵۶	۹
کأس	۵۶	۹
کأس	۷۶	۸

	سُورۃ	حاشیہ نمبر
کفرنابکم	۶۰	۷
یکفر	۶۶	۱۲
کرّتین	۶۷	۶
کُبّار	۷۱	۱۷
کثیب	۷۳	۱۳
الکُبَر	۷۴	۲۵
کِفاتاً	۷۷	۱۲
کلّا	۷۸	۳
کِذّابا	۷۸	۲۲
کواعب	۷۸	۲۴
کُوّرت	۸۱	۱
انکدرت	۸۱	۲
کُشطت	۸۱	۹
الکُنّس	۸۱	۱۱
کادح	۸۴	۶
الکبد	۹۰	۳
اکرم	۹۶	۳
کنود	۱۰۰	۲
التکاثر	۱۰۲	۱
کیـد	۱۰۵	۳
الکوثر	۱۰۸	۱
کفوًا	۱۱۲	۴
ل ـــــ		
لمم	۵۳	۳۳
الواح	۵۴	۱۶

	سُورۃ	حاشیہ نمبر
لبثوا	۶۷	۲۷
مُلتحدا	۷۲	۲۰
لواحة	۷۴	۱۸
لوامة	۷۵	۲
لقّی	۷۶	۱۵
لمّا	۸۹	۱۴
لُبدا	۹۰	۵
الھمھا	۹۱	۸
لُمزة	۱۰۴	۱
م ـــــ		
مِرّة	۵۳	۶
تُمارونه	۵۳	۱۳
تتمارٰی	۵۳	۵۱
مستقر	۵۴	۳
تماروا	۵۴	۲۲
الملك	۵۹	۲۵
مارج	۵۵	۱۵
مَرَج	۵۵	۱۸
مقتا	۶۱	۳
تمیّز	۶۷	۱۰
تمور	۶۷	۲۱
ممنون	۶۸	۳
مهین	۶۸	۸
مشّاء بنمیم	۶۸	۸
المهل	۷۰	۷

	سورة	حاشیہ نمبر		سورة	حاشیہ نمبر
منوع	۷۰	۱۳	نطفه	۷۵	۲۳
یمطی	۷۵	۲۰	نطفة	۷۶	۲
امشاج	۷۶	۲	نسفت	۷۷	۳
ممددة	۱۰۴	۷	النذر	۷۷	۱۰
الماعون	۱۰۷	۷	النازعات	۷۹	۱
مسد	۱۱۱	۶	الناشطات	۷۹	۲
ن ــــــ			نخرة	۷۹	۱۰
نذر	۵۴	۷	فلیتنافس	۸۳	۸
نکو	۵۴	۸	ناصبة	۸۸	۲
نجم	۵۵	۵	نمارق	۸۸	۶
نجوی	۵۸	۱۳	النجدین	۹۰	۱۸
المنشآت	۵۵	۲۰	انقض	۹۴	۲
نحاس	۵۵	۲۸	فانصب	۹۴	۵
نضاختان	۵۵	۳۴	نادیة	۹۶	۹
منضود	۵۶	۱۲	نقعًا	۱۰۰	۱
انشاء	۵۶	۱۳	لَیُنْبَذَنّ	۱۰۴	۳
المنفقون	۶۳	۱	نفثٰت	۱۱۳	۴
مناقب	۶۷	۱۹	و ــــــ		
نشور	۶۷	۲۷	وضعها	۵۵	۱۰
ن	۶۸	۱	موضونة	۵۶	۹
نفر	۷۲	۲	ولدان مخلدون	۵۶	۹
ناشئة	۷۳	۵	توعظون	۵۸	۵
انکالا	۷۳	۱۲	اوجفتم	۵۹	۱۰
ناقور	۷۴	۸	وَدُّوا	۶۸	۷
نذیراً	۷۴	۲۶	وتین	۶۹	۲۳

	سُورۃ	حاشیہ نمبر		سُورۃ	حاشیہ نمبر
وقارا	۷۱	۱۱	وسواس	۱۱۴	۶
وطأ	۷۳	۵	ط ———		
وبیلا	۷۳	۱۵	ھوی	۵۳	۱
وزر	۷۵	۹	ھوی	۵۳	۳۹
〃	۹۴	۲	مھطعین	۵۴	۱۰
اولیٰ لک فاولیٰ	۷۵	۲۲	عنھمر	۵۴	۱۴
ویل	۷۷	۴	مھیمن	۵۹	۳۵
وھاجا	۷۸	۱۱	الھیم	۵۶	۱۹
واجفۃ	۷۹	۸	ھمّاز	۶۸	۸
الاوتاد	۸۹	۸	ھلوع	۷۰	۱۴
مؤصدۃ	۹۰	۱۴	مھیلا	۷۳	۱۳
مؤصدۃ	۱۰۴	۸	ھل	۷۶	۱
موریات	۱۰۰	۱	ھمزۃ	۱۰۴	۱
موازین	۱۰۱	۴	ی ———		
تواصوا	۱۰۳	۴	میمنۃ	۵۶	۹
وقب	۱۱۳	۳	———		

بمنّہ تعالیٰ و فضلہ تم الشروع العظیم الحمد للہ رب العلمین
والصلوٰۃ والسلام علی رحمۃ للعلمین وعلی الہ و اصحابہ اجمعین

محمد کرم شاہ
دربار شریف بھیرہ

۱۵ صفر المظفر سنہ ۱۴۰۰ھ
۴ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء

تحقیقاتِ نحویہ

	سورۃ	حاشیہ نمبر
حکمۃ بالغۃ فما تغن النذر	۵۴	۷
خشعا ابصارھم	۵۴	۹
ما اصحاب المیمنۃ	۵۶	۶
ما اصحاب المشئمۃ	۵۶	۶
والسابقون السابقون	۵۶	۶
الا قیلا سلاما سلاما	۵۶	۱۱
لئلا یعلم اھل الکتاب	۵۷	۳۷
تلقون الیھم بالمودۃ	۶۰	۲
ان کنتم خرجتم جھادا فی سبیلی	۶۰	۳
تسرون الیھم بالمودۃ	۶۰	۴
آخرین منھم لما یلحقوا بھم	۶۲	۴
خیرا لانفسکم	۶۴	۲۳
قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا	۶۵	۲۵
صالح المؤمنین	۶۶	۶
الذی خلق الموت والحیاۃ	۶۷	۳
الذی خلق سبع سموت	۶۷	۵
فسحقا لاصحاب السعیر	۶۷	۱۴
ھاؤم اقرءوا کتابیہ	۶۹	۱۵
اقم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ	۷۳	۲
تبتل الیہ تبتیلا	۷۳	۸
ھو خیرا و اعظم اجرا	۷۳	۲۵

	سورۃ	حاشیہ نمبر
ومن خلقت وحیدا	۷۴	۹
لا اقسم بیوم القیامۃ	۷۵	۱
من نطفۃ امشاج	۷۶	۲
کانت قواریرا قواریرا من فضۃ	۷۶	۱۶
کلا سیعلمون	۷۸	۳
جزاء وفاقا	۷۸	۲۲
جزاء من ربک عطاء حسابا	۷۸	۲۵
رب السموت والارض	۷۸	۲۶
ما ادرٰک ما علیون	۸۳	۶
قتل اصحاب الاخدود النار	۸۵	۵
لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد	۹۰	۱
ناقۃ اللہ وسقیھا	۹۱	۱۲
ان سعیکم لشتی	۹۲	۲
البینۃ ۝ رسول من اللہ	۹۸	۲
دین القیمۃ	۹۸	۶
لایلف قریش الفھم	۱۰۶	۱
فذلک الذی یدع الیتیم	۱۰۷	۲
ولا انتم عابدون ما اعبد	۱۰۹	۵
تبت یدا ابی لھب وتب	۱۱۱	۱
حمالۃ الحطب	۱۱۱	۵

فہرست مطالب

اللہ جلّ مجدہٗ

	سورۃ	آیت
توحید		
اُس کے سوا اور کوئی خدا نہیں	۵۹	۲۲
. . . .	۵۹	۲۳
. . . .	۶۴	۱۳
. . . .	۷۳	۹
وہی ایک خدا ہے رہنا	۱۱۲	۱ تا ۴ مع حواشی
زمین و آسمان کی ہر چیز اُسی کی تسبیح کرتی ہے	۵۷	۱
. . . .	۵۹	۲۴
زمین و آسمان کی ہر چیز اُسی کی پاکی بیان کرتی ہے	۶۱	۱
. . . .	۶۲	۱
. . . .	۶۴	۱
اللہ تعالٰے کے اسمائے حُسنٰی	۵۹	۲۲،۲۳،۲۴
اُس کی ذات بڑی برکتوں والی ہے	۶۷	۱
اللہ ہمیشہ رہے گا۔ وہ ذوالجلال والاکرام ہے۔	۵۵	۲۷
اُس کے سوا ہر چیز فانی ہے	۵۵	۲۶

	سورۃ	آیت
دلائلِ توحید		
شمس و قمر حساب کے مطابق گردش میں ہیں	۵۵	۵
سورج کو روشنی اور گرمی کا منبع بنایا	۷۸	۱۳
ستارے اور درخت اسی کو سجدہ کرتے ہیں	۵۵	۶
اُسی نے آسمان کو بلند کیا اور میزانِ عدل قائم کیا۔	۵۵	۷
اُسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔	۶۴	۳
وہی ساتوں آسمانوں اور زمین کا خالق ہے ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے	۶۵	۱۲
آسمانوں کی ایسی تخلیق فرمائی کہ تلاشِ بسیار کے باوجود ان میں تمہیں کوئی عیب نظر نہیں آئے گا۔	۶۷	۳،۴
آسمانوں کو ستاروں سے آراستہ کیا	۶۷	۵
ستاروں کو دیکھو بنایا	۶۷	۵
زمین کو اُسی نے نرم بنایا۔ تم اس کی سطح پر چلتے ہو اُس کے خوانِ کرم سے اپنا رزق کھاتے ہو۔	۶۷	۱۵

	سُورۃ	آیت
کیا زمین سے پہلے آسمان کی تخلیق ہوئی	۷۹	۳۰ حاشیہ
آسمان، پہاڑ، زمین سب اس کی قدرت کی جلوہ گاہیں ہیں	۸۸	۱۸، ۱۹، ۲۰
اُسی نے زمین کو بچھونا بنایا اور پہاڑوں کو میخیں۔	۷۸	۶ - ۷
اُسی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔	۷۸	۱۲
قطرۂ آب سے انسان کو اللہ ہی نے پیدا کیا۔	۵۶	۵۷ - ۵۸ ۵۹
اُسی نے انسان کو حسنِ صورت سے نوازا	۶۴	۳
اُسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے سمع، بصر اور قلب کی نعمتیں بخشیں۔	۶۷	۲۳
اُسی نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا ہے اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے	۶۷	۲۴
اُسی نے انسان کو حقیر قطرۂ آب سے پیدا کیا۔	۷۷	۲۰ تا ۲۳
انسانی تخلیق میں قدرتِ الٰہی کی حکمتیں	۸۰	۱۸ تا ۲۲
انسان کی بقا اور نشوونما کے لیے دسترخوانِ نعمت بچھا دیا	۸۰	۲۴ تا ۳۲
انسان کے مویشیوں کے لیے چارے کا انتظام فرمایا۔	۸۰	۳۲

	سُورۃ	آیت
زمین، پھل، اناج، بھوسہ، پھول اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں	۵۵	۱۰-۱۱-۱۲
کھیتوں کو وُہی اُگاتا ہے	۵۶	۶۳ تا ۶۷
میٹھا پانی وُہی برساتا ہے	۵۶	۶۸ تا ۷۰
آگ اسی نے پیدا فرمائی ہے	۵۶	۷۱-۷۲
اُس کی توحید کے متعدد تکوینی دلائل	۷۸	۶ تا ۱۶
- - - - - - -	۷۹	۲۷ تا ۳۳
دو دریاؤں کا پانی میلوں ساتھ ساتھ بہتا چلا جاتا ہے لیکن برزخ کے باعث مل نہیں سکتا	۵۵	۱۹-۲۰
ان سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں	۵۵	۲۲ مع حاشیہ
بڑے سمندری جہاز سطحِ آب پر تیرتے چلے جاتے ہیں۔	۵۵	۲۴
ہر چیز اس کے درِ کرم پر سوالی ہے ہر روز وہ نئی شان سے تجلی فرماتا ہے	۵۵	۲۹ مع حاشیہ
فضا میں پرندوں کی پرواز اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں	۶۷	۱۹
اونٹ کی طرف دیکھو اسے کیسا بنایا	۸۸	۱۷
اُسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا۔	۶۱	۹
اُسی نے اُمیوں میں ایک جلیل القدر رسول مبعوث فرمایا۔	۶۲	۲

صفاتِ الٰہی

علمِ الٰہی

	سورۃ	آیت
ان کے سارے اعمال صحائف میں مرقوم ہیں	۵۴	۵۲
ہر چھوٹی بڑی چیز ان میں لکھی ہے	۵۴	۵۳
اللہ تعالیٰ مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتا ہے	۵۶	۸۵
وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)	۵۷	۳
. . . .	۵۸	۷
. . . .	۶۴	۱۱
. . . .	۶۵	۱۲
زمین میں جو داخل ہوتا ہے اور جو نکلتا ہے آسمان سے جو نازل ہوتا ہے اور جو عروج کرتا ہے اُسے وہ جانتا ہے۔	۵۷	۴
وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہوتا ہے	۵۷	۴
جو تم کرتے ہو اُسے دیکھ رہا ہے	۵۷	۴
وہ سینے کے رازوں کو جاننے والا ہے	۵۷	۶
جو تم کرتے ہو اُس سے خبردار ہے (بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ)	۵۷	۱۰
. . . .	۶۳	۱۱
. . . .	۵۸	۱۱
. . . .	۵۸	۱۳
جو تم کرتے ہو اُس سے خبردار ہے (بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ)	۵۹	۱۸
. . . .	۶۴	۸
اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے	۵۸	۱
اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کون اس کے رسولوں کی امداد کرتا ہے	۵۷	۲۵
تمام اعمال کو گن رکھا ہے	۵۸	۶
وہ ہر چیز پر گواہ ہے	۵۸	۶
زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے	۵۸	۷
. . . .	۶۴	۴
وہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے	۶۴	۴
. . . .	۸۷	۷
وہ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے	۶۴	۴
اگر وہ تین ہوں تو چوتھا وہ ہوتا ہے اگر وہ پانچ ہوں تو چھٹا وہ ہوتا ہے الخ	۵۸	۷
وہ غیب و شہادت کا جاننے والا ہے	۵۹	۲۲
. . . .	۶۴	۱۸
جو تم کرتے ہو وہ دیکھ رہا ہے	۶۰	۳
. . . .	۶۲	۶
. . . .	۶۰	۱۹
وہ علیم و حکیم ہے	۶۰	۱۰
. . . .	۶۶	۲

	سورۃ	آیت
وُہ علیم و حکیم ہے	۷۶	۳۰
تم آہستہ بات کرو یا بلند آواز سے وُہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے	۶۷	۱۳
وُہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے اور لطیف خبیر ہے	۶۷	۱۴
جو گمراہ ہیں وُہ اُن کو بھی جانتا ہے اور جو ہدایت یافتہ ہیں وُہ اُن سے بھی واقف ہے	۵۳	۳۰
" " " " " " " "	۶۸	۷
وُہ ظالموں کو خُوب جانتا ہے	۶۲	۷
جب تم شکمِ مادر میں تھے اللہ اس وقت بھی تمھیں جانتا تھا	۵۳	۳۲
وُہ متقیوں کو بھی جانتا ہے	۵۳	۳۲
ان کا رب اُس دن اُن سے خُوب باخبر ہو گا	۱۰۰	۱۱

رحمت و مغفرتِ الٰہی

	سورۃ	آیت
وُہ رحمٰن ہے، اُسی نے قرآن سکھایا	۵۵	۱-۲
اُس کی شانِ رحمانیت	۵۵	ا کا حاشیہ
اُس کی نعمتوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا	۵۵	۱۳
زمین و آسمان کی ہر چیز اُس کے در کرم پر سوالی ہے	۵۵	۲۹
ہر روز وُہ ایک نئی شان سے تجلّی فرماتا ہے	۵۵	۲۹
اس کا نام بڑی برکت والا، وُہ عظمت والا احسان فرمانے والا ہے	۵۵	۷۸
اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ رؤف رحیم ہے	۵۷	۹
یہ اللہ کا فضل ہے وُہ جسے چاہتا ہے	۵۷	۲۱

	سورۃ	آیت
عطا کرتا ہے	۵۷	۲۱
اللہ فضل عظیم کا مالک ہے	۵۷	۲۱
اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے	۵۷	۲۸
" " " " "	۵۸	۱۲
" " " " "	۶۰	۷
" " " " "	۶۰	۱۲
فضل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے	۵۷	۲۹
وُہ صاحبِ فضل عظیم ہے	۵۷	۲۹
" " " " "	۶۲	۴
اللہ تعالیٰ عفوّ غفور ہے	۵۸	۲
وُہ رحمٰن، رحیم	۵۹	۲۲
اللہ تعالیٰ غنی حمید ہے	۶۰	۶
اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے۔ اسی پر ہم نے توکّل کیا ہے	۶۷	۲۹
انسان کی کمزوری کے پیشِ نظر شب بیداری میں تخفیف کر دی	۷۳	۲۰ مع حاشیہ
وُہ اہل التقویٰ اور اہل المغفرۃ ہے	۷۴	۵۶
آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے	۵۳	۳۲
وُہ غفور، ودود اور عرشِ مجید کا مالک ہے	۸۵	۱۴-۱۵
راہنمائی کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے	۹۲	۱۲

وُہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے

	سورۃ	آیت
ہر چیز کو اندازے سے پیدا فرمایا	۵۴	۴۹
" " " " " " "	۶۵	۳

	سُورۃ	آیت
وُہ بادشاہ ہے۔ قادرِ مطلق ہے	۵۴	۵۵
انسان کو اسی نے پیدا فرمایا	۵۵	۳
قطرۂ آب سے انسان کی تخلیق اسی کا شاہکار ہے	۵۶	۵۷ تا ۵۹
انسان کو پیدا کیا اور اسے حسن و جمال کا مرقع بنا دیا۔	۶۴	۳
اپنے رب کا نام لے کر پڑھیئے جس نے سب کو پیدا فرمایا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے تخلیق کیا	۹۶	۱
جس نے قلم کو ذریعہ علم بنایا	۹۶	۴
انسان کو اس کا علم دیا جس کو وُہ نہیں جانتا	۹۶	۵
اسی نے موت کو تمہارے لیئے مقرر فرمایا	۵۶	۶۰
موت و حیات کا وُہی خالق ہے	۶۷	۲
آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے	۵۷	۲-۵
آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا	۵۷	۴
وُہ الملک القدوس ہے	۵۹	۲۳
	۶۲	۱
وُہی خالق، باری اور مصوّر ہے	۵۹	۲۴
زمین اور آسمان کے خزانے اسی کے ہیں	۶۳	۷
ملک اور حمد اسی کے لیے ہے	۶۴	۱
آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔	۶۴	۳
ساتوں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا	۶۵	۱۲
اس کے احکام کا ان میں ہر وقت نزول ہوتا رہتا ہے	۶۵	۱۲

	سُورۃ	آیت
سب بادشاہی اُسی کے دستِ قدرت میں ہے	۶۷	۱
سات آسمانوں کو اوپر نیچے پیدا کیا۔	۶۷	۳
وُہ مشرق و مغرب کا رب ہے اُسے اپنا کارساز بنائیے۔	۷۳	۹
وُہی پیدا کرنے والا وُہی لوٹانے والا ہے	۸۵	۱۳
جو چاہتا ہے کرتا ہے (فعّال لما یرید)	۸۵	۱۶
ہر چیز کو اُسی نے پیدا کیا پھر اسے درست کیا۔ اس کا اندازہ مقرر کیا۔ پھر اُسے راہِ راست دکھائی۔	۸۷	۲-۳
جانوروں کے لیے چارہ پیدا کیا	۸۷	۴-۵
اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے	۹۵	۸
دُنیا و آخرت سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے	۵۳	۲۵
زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کی ہے	۵۳	۳۱
اُسی نے نر اور مادہ کو منی سے پیدا کیا	۵۳	۴۵-۴۶
ہر چیز پر قادر ہے		
وُہی ہنساتا وُہی رُلاتا ہے	۵۳	۴۳
وُہی زندہ کرتا اور مارتا ہے	۵۳	۴۴
وُہی دوسری بار پیدا فرمائے گا	۵۳	۴۷
وُہی غنی کرتا ہے وُہی مفلس بناتا ہے	۵۳	۴۸
وُہی شعریٰ ستارے کا رب ہے	۵۳	۴۹ مع خلاصہ
اُسی نے عاد، ثمود اور قوم نوح کو برباد کیا	۵۳	۵۰، ۵۱، ۵۲

	سورۃ	آیت
اُس کا ہر حکم چشمِ زدن میں پُورا ہو جاتا ہے	۵۴	۵۰
وُہ مَلِیکٌ مُقتَدِر ہے	۵۴	۵۵
وہ عزیز و حکیم ہے	۵۷	۱
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۵۹	۲۴
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۱	۱
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۲	۱
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۲	۳
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۴	۱۸
وُہی زندہ کرتا ہے وُہی مارتا ہے	۵۷	۲
ہر چیز پر قادر ہے	۵۷	۲
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۴	۱
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۶	۸
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۷	۱
دن کو رات میں، رات کو دن میں داخل کرتا ہے	۵۷	۶
اللہ تعالیٰ مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے	۵۷	۱۷
وُہ قوی عزیز ہے	۵۷	۲۵
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۵۸	۲۱
وُہ چاہے تو تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا کر دے	۶۰	۷
کفار کی کوششوں کے باوجود اللہ اس دین کو روشن رکھے گا (واللہ متم نورہ)	۶۱	۸
اس نے اپنے رسول کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ سب دینوں پر اس دینِ حق کو غالب کر دے	۶۱	۹

	سورۃ	آیت
ہم چاہیں تو ان سے بہتر قوم لا سکتے ہیں	۷۰	۴۱
آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے		

اللہ تعالیٰ کن سے محبت کرتا ہے

	سورۃ	آیت
اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے	۶۰	۸
ان مجاہدوں سے محبت کرتا ہے جو صف باندھ کر باطل سے جنگ کرتے ہیں	۶۱	۴

وُہ کن سے محبت نہیں کرتا

	سورۃ	آیت
مغرور اور شیخی باز سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا	۵۷	۲۳
جو خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اُن سے بھی محبت نہیں کرتا	۵۷	۲۴

وُہ کسے ہدایت نہیں دیتا

	سورۃ	آیت
جو حق سے رُوگردانی کرے اللہ اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے	۵۷	۲۴
وُہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا	۶۱	۵
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۳	۶
وُہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا	۶۱	۷
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۲	۵

متفرق

	سورۃ	آیت
وُہی اوّل، وُہی آخر، وُہی ظاہر وُہی باطن ہے	۵۷	۳

	سورۃ	آیت		سورۃ	آیت
وہ غنی حمید ہے	۵۷	۲۴	اللہ تعالیٰ شکور حلیم ہے	۶۴	۱۷
〃 〃 〃	۶۴	۶	قیامت کے روز دیدار الٰہی	۷۵	۲۳ مع حاشیہ
وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے	۶۲	۱۱	ذکر الٰہی سے قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے	۷۳	۱۹ مع حاشیہ
جب وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کو ڈھیل نہیں دیتا	۶۳	۱۱	سب نے لوٹ کر ہماری طرف آنا ہے	۸۸	۲۵
			سب کا حساب ہم خود لیں گے	۸۸	۲۶

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبوت و رسالت

	سورۃ	آیت
اللہ تعالیٰ معجزات اور کتاب دے کر رسول مبعوث کرتا ہے تاکہ وہ عدل قائم کریں	۵۷	۲۵
اس مقصد کی تکمیل کے لیے انھیں لوہے کا ڈنڈا (قوت مادی) بھی عطا فرماتا ہے	۵۷	۲۵ مع حاشیہ
آخر کار اللہ اور اس کے رسولوں کو ہی غلبہ حاصل ہوتا ہے	۵۸	۲۱
دین حق غالب ہونے کے لیے آیا ہے	۶۱	۹
نبی کریم کی بعثت کے مقاصد۔ تلاوت آیات تزکیہ قلوب، تعلیم کتاب و حکمت	۶۲	۲
نبی اللہ زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں	۶۲	۹ کا حاشیہ
اگر نبی خود کلام گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے تو اس کی رگ جان کاٹ دی جائے	۶۹	۴۶
ابتدائی احکام۔ آٹھئے، لوگوں کو ڈرائیے، اللہ کی بڑائی بیان کیجئے	۷۴	۲ تا ۷
آپ لوگوں کو نصیحت کیا کریں۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ سمجھ جائے گا، بدبخت دور رہ جائے گا	۸۸	۲۱-۲۲
ما ضل صاحبکم وما غوی	۵۳	۲
آپ اپنی مرضی سے بات ہی نہیں کرتے	۵۳	۳-۴

رحمت و خلق عظیم

	سورۃ	آیت
حضرت اوس بن صامت پر ظہار کا کفارہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رافت و شفقت	۵۸	۴ مع حاشیہ
مسلمان عورتوں کے لیے استغفار کا حکم (واستغفر لھن)	۶۰	۱۲
حضرت حاطب سے لغزش اور حضور کا درگزر	۶۰	۱
فیضان نبوت فضل الٰہی ہے جس کو چاہتا ہے اسے اس سے سرفراز فرماتا ہے	۶۲	۴
حضور اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتے ہیں	۶۵	۱۱
رحمت فراواں کے باعث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقین پر سختی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے (واغلظ علیھم)	۶۶	۹
حضور خلق عظیم کے مالک ہیں خلق کی تعریف اور دیگر مباحث اسی آیت کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔	۶۸	۴
کفار نے نزول عذاب کی دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک میرا حبیب تم میں ہے میں عذاب نازل نہیں کروں گا	۷۰	۱ کا حاشیہ

	سورۃ	آیت
آپ صبر جمیل فرمایئے	۷۰	۵
اے حبیب! آپ کفار کی دل آزاریوں پر صبر فرمائیں	۷۳	۱۰، ۱۱
حضور کی شفاعت گنہگاروں کے لیے حق ہے۔ اس کا منکر اس سے محروم ہو گا	۷۴	۴۸ کا حاشیہ
فقراء سے حضور کی محبت	۸۰	۱ تا ۱۰
اپنی امت کی مغفرت کے لیے دعائیں	۹۳	۵ مع حاشیہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے پچاس دن پہلے ابرہہ کی لشکر کشی اور اس کی تباہی کا واقعہ پیش آیا	۱۰۵	۱ تا ۵
قریش پر احسان کہ ان کے دلوں میں تجارت کی الفت پیدا کر دی اور انہیں فاقہ کشی سے خوشحالی بخشی اور فتنہ و فساد سے امان دی	۱۰۶	۱ تا ۴
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی امت کے لیے استغفار کا حکم	۱۱۰	۳
شانِ مصطفوی		
معجزہ شق القمر اس کا نقلی و عقلی ثبوت	۵۴	۱ مع حاشیہ
حضور جن و انس کے نبی ہیں	۵۵	۵۱ کا حاشیہ
حضور کا معراج پر تشریف لے جانا	۵۵	۳۲ کا حاشیہ
اپنے عظیم پروردگار کی آپ تسبیح بیان کیا کیجیے	۵۶	۹۶ کا حاشیہ
حضور سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دیا کرو	۵۸	۱۲

	سورۃ	آیت
حضرت عیسیٰ نے حضور کا نام (احمد) بتا کر آمد کی بشارت دی	۶۱	۶
نامِ نامی احمد کا مفہوم تفصیل حاشیہ	۶۱	۶ مع حاشیہ
کفار چراغِ مصطفوی کو بجھانا چاہتے ہیں لیکن اللہ اسے روشن رکھے گا	۶۱	۸
اللہ نے اپنے رسول کو نورِ ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو سب دینوں پر غلبہ حاصل ہو	۶۱	۹
فیضانِ نبوت، تلاوت آیات، تزکیہ قلوب، تعلیم کتاب و حکمت	۶۲	۲
قیامت تک آنے والے امتی فیضانِ نبوت سے فیض یاب ہوتے رہیں گے (وآخرین منهم لما يلحقوا بهم)	۶۲	۳ مع حاشیہ
جمعہ کے روز بکثرت درود شریف پڑھنے کا حکم اور عقیدۂ حیات النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام	۶۲	۹ کا حاشیہ
عزت اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور مومنین کے لیے ہے	۶۳	۸
فی کل ارض آدم کآدم ونوح کنوح ونبی کنبیکم یہ حدیث موضوع ہے اس کا راوی کذاب ہے	۶۵	۱۲ کا حاشیہ
پیار بھی ہے اور عتاب بھی دونوں کی مٹھاس ناقابل بیان ہے (لم تحرم ما احل اللہ لک)	۶۶	۱ مع حاشیہ
اس آیت کا شانِ نزول	۶۶	۴ حاشیہ
اللہ آپ کا مددگار ہے	۶۶	۱

	سُورۃ	آیت
جبریل، نیک مومن اور فرشتے آپ کے خدمت گار ہیں	۶۶	۴
اللہ چاہے تو اپنے حبیب کو ہر صفت موصوف دوسری بیویاں عطا فرما دے	۶۶	۵
قلم کی قسم! آپ مجنون نہیں ہیں	۶۸	۲
آپ کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے	۶۸	۳
گستاخ رسالت کو کن بُرے القاب سے یاد کیا گیا ہے	۶۸	۱۰ تا ۱۶
کفار کی نظر بد سے حضور کی حفاظت	۶۸	۵۱
حضور کا وجود سارے جہانوں کے لیے وجہ عزّ و شرف ہے	۶۸	۵۲
رافع بن عمیر کا اسلام۔ ایک جن نے ان کی راہنمائی کی	۷۲	۶ کا حاشیہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عبد اللہ ہیں	۷۲	۱۹
یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ سے خطاب	۷۳	۱
سحر خیزی کی تلقین	۷۳	۲ تا ۷
آپ کو گواہ بنا کر بھیجا گیا ہے	۷۳	۱۵
یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کا خطاب، دثار اور اس کے معانی	۷۴	۱ حاشیہ
حدیث لولاک لما خلقت الافلاک	۷۸	۲۶ حاشیہ
حدیث شفاعت	۷۸	۳۸ حاشیہ
بڑی شان والا فرشتہ آپ کے پاس	۸۱	۱۹ - ۲۰
قرآن لے کر آیا ہے		۲۱
آپ مجنون نہیں ہیں	۸۱	۲۲
آپ نے اس فرشتہ کو دیکھا ہے	۸۱	۲۳

	سُورۃ	آیت
مکہ کی قسم کہ آپ اس میں بس رہے ہیں	۹۰	۱ - ۲
رخِ انور کی قسم، گیسوئے عنبرین کی قسم	۹۳	۱ - ۲
نہ آپ کو چھوڑا نہ ناراض ہوا	۹۳	۳
ہر آنے والی گھڑی پہلی سے بہتر ہے	۹۳	۴
آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے	۹۳	۵ مع حواشی
آپ کو یتیم پایا تو آپ کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دی	۹۳	۶ مع حاشیہ
وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى، ضالاً کی تشریح	۹۳	۷ مع حاشیہ
آپ کو عیالدار پایا اور غنی کر دیا اس کی تشریح	۹۳	۸
آپ کا فقر اختیاری تھا	۹۳	۸ حاشیہ
یتیم پر سختی نہ کیجیے	۹۳	۹
سائل کو نہ جھڑکیے	۹۳	۱۰
کار ہمہ بدست ہمت و کرامت او	۹۳	۱۰
بالفعل۔ حضور کی شانِ جود و سخا	۹۳	۱۰ حاشیہ
حدیث العق۔ ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔		
تحدیث نعمت	۹۳	۱۱
اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (حضور کے علوم و معارف کا بیان)	۹۴	۱ مع حاشیہ
ہم نے آپ کا بوجھ اٹھا لیا	۹۴	۲ - ۳
ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا	۹۴	۴ مع حاشیہ
اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے سب کو پیدا کیا	۹۶	۱ - ۲

	سورۃ	آیت
آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کو ذریعہ علم بنایا جس نے انسان کو علم سکھایا	۹۶	۳، ۴، ۵
حضور کی ولادت کے سال ابرہہ کو شکست دی اور کعبہ کی حفاظت فرمائی	۱۰۵	۱ تا ۵
ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا	۱۰۸	۱
کوثر کی تشریح اور اس کے مطالب	۱۰۸	۱ کا حاشیہ
فصل لربک سے حضور کی امتیازی شان کا بیان	۱۰۸	۲ کا حاشیہ
آپ کا دشمن ابتر ہے	۱۰۸	۳
حضور کے طفیل ناقص نعمتوں کی تکمیل	۱۱۰	۳
بارگاہ رسالت کے گستاخ ابولہب اور اس کی بیوی کا دردناک انجام گستاخوں پر غضب الٰہی	۱۱۱	۱ تا ۵
معراج شریف		
تابندہ ستارے (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی قسم	۵۳	۱
وہ وحی کے بغیر بولتے ہی نہیں	۵۳	۳-۴
آپ کو تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے	۵۳	۵-۶
دنیٰ فتدلیٰ کا مفہوم	۵۳	۸ کا حاشیہ
قاب قوسین او ادنیٰ کی تشریح	۵۳	۹
وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی (خدا اور محبوب کا بیان)	۵۳	۱۰ مع حاشیہ
آنکھ نے جو دیکھا دل نے اس کی تصدیق فرمائی	۵۳	۱۱

	سورۃ	آیت
اس پر تمہارا جھگڑنا بے سود ہے	۵۳	۱۲
سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دوبارہ دیکھا	۵۳	۱۳-۱۴-
- - - - - -		۱۵-۱۶
آنکھ نہ درماندہ ہوئی نہ حد سے بڑھی	۵۳	۱۷
کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لیلۃ المعراج کو دیدار الٰہی کیا۔ مفصل بحث	۵۳	۱۷ کا حاشیہ
حضور نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں	۵۳	۱۸
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا علم		
اللہ تعالیٰ ہی نے حضور کو قرآن اور اس کا بیان سکھایا	۵۵	۲، ۴
تعلیم الٰہی سے علوم کے سمندر موجزن ہو گئے	۵۵	۴ مع حاشیہ
بیان سے مراد علم ماکان و مایکون ہے	۵۵	۴ مع حاشیہ
حضرت عکاشہ ان ستر ہزار میں سے ہیں جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے (ارشاد نبوی)	۵۶	۴۹ کا حاشیہ
حضور روز حشر اپنی امت کو پہچان لیں گے	۵۷	۱۲ حاشیہ
علم نبوت بتعلیم الٰہی	۶۲	۲ حاشیہ
ماکان و مایکون کا علم عطا ہوا	۶۸	۱ حاشیہ
قل ان ادری اقریب الآیۃ میں درایت کی نفی ہے۔ درایت کی تحقیق	۷۲	۲۵ حاشیہ
عالم الغیب فلا یظہر۔ الآیۃ	۷۲	۲۶
غیب کی تحقیق۔ حضور کا علم غیب باعلام اللہ تعالیٰ ہے	۷۲	۲۶ حاشیہ
آپ غیب بتانے میں بخیل نہیں	۸۱	۲۴ مع حاشیہ

	سورۃ	آیت
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اپنے حبیب کو خود پڑھایا ہے	۸۰	۶ - ۷
حضور کو قرآن کی تعلیم دینے والا اللہ ہے	۵۳	۵ - ۶
فرمایا: اے علی! پچھلوں میں سب سے زیادہ بدبخت آپ کا قاتل ہے	۹۱	۱۲ حاشیہ
حضور کا علم (الم نشرح لک صدرک)	۹۴	۱
علم اللوح والقلم سطر من سطور علمہ ونہر من بحور علمہ (ملا علی قاری)	۹۶	۴ مع حاشیہ
مالم یعلم سے اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ایسے علوم سکھائے کہ جن کا احاطہ عقل نہیں کر سکتی	۹۶	۵ حاشیہ
حضور کو علوم الاولین والآخرین عطا فرمائے	۹۶	۵
إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ	۱۰۸	۱
کیا حضور اجتہاد کیا کرتے تھے؟	۵۳	۴ حاشیہ

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت

	سورۃ	آیت
سنت نبوی بیان قرآن ہے۔ اور وہ بھی تعلیم الٰہی ہے	۵۵	۴
اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو	۵۹	۱۳
اطاعت رسول کا حکم	۶۴	۱۲
کتابت حدیث کا حکم، اکتب فما خرج منی الا الحق	۵۳	۴ حاشیہ
جو اللہ کا رسول تمہیں دے اسے پکڑ لو جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ	۵۹	۷
جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا ذلیل ہوگا	۵۸	۲۰
منکرین سنت کا اعتراض اور اس کا جواب قرآن کا بیان بھی منزل من اللہ ہے	۷۵	۱۶ تا ۱۹

اظہار عبودیت

	سورۃ	آیت
اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کرو کسی گنہگار ناشکرگزار کی پیروی مت کرو	۷۶	۲۴
عبس وتولیٰ عتاب کی حکمت	۸۰	۱ تا ۱۰ مع حواشی
فصل لربک وانحر	۱۰۸	۲
جب فتح و نصرت نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے	۱۱۰	۳

اِسلام

	سُورۃ	آیت
اسلام		
صحابہ کرام کس طرح اور کن اُمور پر بیعت اسلام کیا کرتے تھے	۵۷	۸ کا حاشیہ
دلوں میں خشوع پیدا کرنے کی ضرورت	۵۷	۱۶ احاشیہ
اسلام میں رہبانیت کا مقام	۵۰	۲۷ حاشیہ
اسلام میں رہبانیت نہیں ہے	۷۳	۸
کفار اللہ کے نور (اسلام) کو بجھانا چاہتے ہیں لیکن یہ روشن رہے گا	۶۱	۸
توبہ نصوح کرنے کا حکم اور اس کے ثمرات	۶۶	۸
اسلام کا نظام عبادات انسان کی فطری کمزوریوں کی اصلاح کرکے اس کی کایا پلٹ دیتا ہے	۷۰	۱۹ تا ۳۵
کسی پر کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا	۵۳	۳۸
لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى۔ اس کا صحیح مفہوم، اس کی غلط تاویلیں اور ان کی تردید	۵۳	۳۹
ایصالِ ثواب کی تفصیلی بحث	۵۳	۳۹ کا حاشیہ
اسلامی اخلاق و آداب		
اپنی خودستائی مت کرو	۵۳	۳۲
ہر شخص کو اپنی جدوجہد کی پوری جزا ملتی ہے	۵۳	۴۰۔۴۱

	سُورۃ	آیت
نیکی کے کاموں اور تقوے کے لیے مشورے کیا کرو	۵۸	۹
مسلمانوں کو اللہ پر توکل کرنا چاہیئے	۵۸	۱۰
مجلس میں کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل کر بیٹھ جایا کرو	۵۸	۱۱
جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو	۵۸	۱۱
جس کو بخل (شح) سے بچایا گیا اس نے فلاح پائی	۵۹	۹
" " " " " " " " " "	۶۴	۱۶
وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں	۶۱	۱
یہ چیز اللہ کی ناراضگی کا باعث ہے	۶۱	۳
اللہ پر توکل اہل ایمان کا شیوہ ہے	۶۴	۱۳
خوشی میں شکر، مصیبت میں صبر، مومن کا طرۂ امتیاز ہے	۶۴	۱۱ احاشیہ
عفوو درگزر سے اللہ کی رحمت ملتی ہے	۶۴	۱۴
جو اللہ پر توکل کرتا ہے وہ اس کے لیے کافی ہے	۶۵	۳ مع حاشیہ
اولاد کی حسن تربیت کا حکم	۶۶	۶ حاشیہ
سحر خیزی کی ترغیب	۷۳	۷ کا حاشیہ
مسلمان تاجر ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کریں	۷۳	۲۰ حاشیہ

	سورۃ	آیت
زیادہ بدلے کے لیے احسان مت کرو لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ	۷۴	۶
صبر و تحمل کی وصیت کرنا	۹۰	۱۷
جو شخص سخاوت، تقویٰ اور تصدیقِ حق کو اپنا شعار بنا لیتا ہے راہِ فطرت اُس کے لیے آسان ہو جاتی ہے	۹۲	۵-۶-۷
جو بخل کرتا ہے اور بے پروا بنتا ہے وہ خلافِ فطرت طریقہ کا دلدادہ بن جاتا ہے	۹۲	۸-۹-۱۰
تمہاری کوششیں مختلف قسم کی ہیں	۹۲	۱ تا ۴
جب ایک کام سے فارغ ہو تو فوراً دوسرا	۹۴	۷

	سورۃ	آیت
کام شروع کر دو۔ بے کار مت رہو	۹۴	۷
حضرت فاروقِ اعظمؓ کا ارشاد۔ مومن مشکل پسند ہوا کرتا ہے	۹۴	۷ حاشیہ
ہلاکت ہے اس کے لیے۔ جو ہر دم طعنے دیتا ہے پس پشت عیب جوئی کرتا ہے مال جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ مال اُسے لافانی بنا دے گا	۱۰۴	۱-۲-۳

انبیاء علیہم السلام

ابراہیم علیہ السلام

	سورۃ	آیت
ہم نے ابراہیمؑ کو رسول بنا کر بھیجا اور اس کی نسل کو بھی نبوت و کتاب سے سرفراز فرمایا	۵۷	۲۶
دشمنانِ اسلام سے قطع تعلقی میں حضرت ابراہیمؑ کے اسوہ پر عمل کرو	۶۰	۴

صالح علیہ السلام

	سورۃ	آیت
قومِ ثمود نے آپ کو جھٹلایا	۵۴	۲۳
ہم اپنے جیسے بشر کی اطاعت نہیں کریں گے	۵۴	۲۴
دیگر اعتراضات	۵۴	۲۵
اونٹنی	۵۴	۲۶
ان کا دردناک انجام	۵۴	۲۷ تا ۳۱
ثمود نے قیامت کو جھٹلایا۔ ان کا انجام	۶۹	۴-۵
ثمود جنہوں نے چٹانوں کو تراشا اپنی بدکاریوں کے باعث تباہ ہو گئے	۸۹	۹-۱۱-۱۲-۱۳
قومِ ثمود نے سرکشی کی۔ اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ تباہ کر دیئے گئے	۹۱	۱۱ تا ۱۵

	سورۃ	آیت
عیسیٰ علیہ السلام		
آپ کو انجیل عطا کی۔ آپ کے ماننے والوں کے دلوں میں رأفت و رحمت کے جذبات ودیعت کیے۔	۵۷	۲۷
آپ کی اُمت میں رہبانیت کا آغاز اس کے اچھے بُرے نتائج اسلام میں رہبانیت کا حکم تحریک رہبانیت کی تاریخ پر ایک نظر	۵۷	۲۷ مع حواشی
آپ نے حضورؐ کی آمد کا مژدہ دیا۔ اور نام بھی احمد بتایا	۶۱	۶
انجیل برنباس کے بارے میں تحقیق اور اس کے حوالہ جات	۶۱	۶ حاشیہ
آپ صرف بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے	۶۱	۶ حاشیہ
آپ کی دعوت من انصاری الی اللہ حواریوں کا جواب نحن انصار اللہ	۶۱	۱۴
حضرت مریم بنت عمران، آپ کی عصمت حضرت عیسیٰؑ کی ولادت، کلمات الٰہی پر آپ کا ایمان، آپ فرمانبردار بندوں میں سے تھیں	۶۶	۱۲
ابرہہ عیسائی تھا جس نے کعبہ شریف پر لشکر کشی کی اور تباہ ہوا	۱۰۵	آتا ۵ مع حواشی
لوط علیہ السلام		
آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا	۵۴	۳۳

	سورۃ	آیت
ان کا دردناک انجام	۵۴	۳۴
آلِ لوط پر اللہ تعالیٰ کا احسان	۵۴	۳۵،۳۴
آپ کے مہمانوں پر دست درازی کا قصد اور انجام	۵۴	۳۸،۳۷، ۳۹
لوط علیہ السلام کی بیوی، اُس کی خیانت اور انجام	۶۶	۱۰
موسیٰ وہارون علیہما السلام		
فرعون کا جھٹلانا اور غرق ہونا	۵۴	۴۲-۴۱
آپ نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) سے فرمایا تم مجھے کیوں اذیت دیتے ہو	۶۱	۵
حضرت آسیہ زوجہ فرعون کی استقامت اور دعا	۶۶	۱۱ مع حاشیہ
وادی طوی میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے ندا دی اور فرعون کی ہدایت کے لیے بھیجا اور اس کو تبلیغ کرنے کا طریقہ سکھایا	۷۹	۱۵ تا ۲۰
فرعون کا انکار۔ انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ اور اس کا انجام	۷۹	۲۱ تا ۲۶
فرعون کو ذی الاوتاد کہنے کی وجہ	۸۹	۱۰ مع حاشیہ
اس کی تباہی کی وجہ	۸۹	۱۱،۱۲،۱۳
نوح علیہ السلام		
قوم نے جھٹلایا، جھڑکا، مجنون تک کہا	۵۴	۹
آپ کی بد دعا	۵۴	۱۰
موسلا دھار بارش اور طوفان کی آمد	۵۴	۱۱-۱۲

مضمون	سورۃ	آیت
آپ کا کشتی میں سوار ہونا اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں روانہ ہونا	۵۴	۱۳-۱۴
ہم نے نوح کو رسول بنا کر بھیجا اور نبوت و کتاب سے اس کی نسل کو بھی سرفراز کیا	۵۷	۲۶
حضرت نوح کی بیوی۔ اس کی خیانت اور انجام	۶۶	۱۰
حضرت نوح کو ان کی قوم کی طرف ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہے	۷۱	۱
آپ کا نسب نامہ۔ آپ کے آباء سب مومن تھے	۷۱	۱ حاشیہ
آپ کا وعظ	۷۱	۲-۳-۴
بارگاہِ الٰہی میں آپ کی فریاد	۷۱	۵-۶-۷
	۷۱	۲۱
آپ کا وعظ۔ اس میں عقلی اور تکوینی دلائل	۷۱	۸ تا ۲۰
کفار کے لیے بد دعا کہ ان کا نام و نشان مٹا دے	۷۱	۲۶
ان پانچ بتوں کی تحقیق جن کی عبادت قوم نوح کیا کرتی تھی	۷۱	۲۳ مع حاشیہ
آپ کی اپنے بیٹے، اپنے والدین اور اہل ایمان کے لیے دعا	۷۱	۲۸
ہود علیہ السلام		
قوم عاد نے آپ کو جھٹلایا	۵۴	۱۸
قوم کا دردناک انجام	۵۴	۱۹-۲۰
عاد نے قیامت کو جھٹلایا	۶۹	۴
ان پر سات رات آٹھ دن آندھی چلتی رہی جس نے ان کو تباہ کر دیا	۶۹	۶-۷-۸
قوم عاد ارم ذات العماد۔ ان کا جو انجام ہوا کیا تم اسے جانتے ہو	۸۹	۶-۷-۸
یونس علیہ السلام		
یونس علیہ السلام کا واقعہ۔ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم نے ان کی چارہ سازی کی۔ انہیں چن لیا اور نیکوں میں شامل کر لیا۔	۶۸	۴۸ تا ۵۰

انسان

اس کی عظمت کا قرآنی تصور

موضوع	سورۃ	آیت
انسان کو الرحمٰن نے پیدا فرمایا	۵۵	۳
اسے قرآن اور اس کا بیان سکھایا	۵۵	۲-۴
انسان کو مٹی اور جان کو آگ سے پیدا کیا	۵۵	۱۴-۱۵
تخلیق آدم کے تدریجی مراحل	۵۵	۱۴ مع حاشیہ
جنات کے وجود اور ان کے مکلف ہونے کا ثبوت	۵۵	۱۵ حاشیہ
اے جن و انس تم زمین و آسمان کی سرحدوں سے سلطان کے بغیر نہیں نکل سکتے	۵۵	۳۳
سلطان کی تشریح	۵۵	۳۳ کا حاشیہ
آیات نازل فرمائیں تاکہ تم سمجھو	۵۷	۱۷
اہل علم و ایمان کے درجات کو بلند فرماتا ہے	۵۸	۱۱
انسان کو چاہیے کل کی فکر کرے	۵۹	۱۸
جو خدا فراموش ہوتا ہے وہ خود فراموش ہوتا ہے	۵۹	۱۹
انسان کو حسن و جمال کا مرقع بنایا	۶۴	۳
مغبون کون ہے	۶۴	۹ حاشیہ
بعض بیویاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہو	۶۴	۱۴
مال و اولاد فتنہ ہے	۶۴	۱۵

موضوع	سورۃ	آیت
مقدور بھر تقویٰ اختیار کرو	۶۴	۱۶
جسے بخل سے بچا لیا گیا وہ فلاح پا گیا	۶۴	۱۶
موت و حیات سے تمہاری آزمائش مقصود ہے	۶۷	۲
انسان کی تربیت میں خوف الٰہی کا بڑا حصہ ہے	۶۷	۱۲ مع حاشیہ
انسان کو سمع، بصر اور قلب کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا	۶۷	۲۳
قلم اور ما یسطرون کی قسم کھا کر علم کی عزت افزائی فرمائی	۶۸	۱
انسان کی فطری کمزوریاں اور ان کی اصلاح کا اسلامی طریقہ	۷۰	۱۹ تا ۳۵
انسان کو مہمل نہیں چھوڑ دیا جائے گا	۷۵	۳۶
انسان اپنے اعمال میں گروی ہے	۷۴	۳۸
ہر انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے جب وہ قابل ذکر چیز نہ تھا	۷۶	۱
انسان کو عقل و فہم کی جو نعمتیں بخشی گئی ہیں اس سے مقصد اس کی آزمائش ہے	۷۶	۲-۳
تخلیق انسان اور اس پر گوناگوں نوازشات	۸۰	۱۸ تا ۳۲
ما غرک بربک الکریم جس نے تجھ پر بے حساب انعامات کیے	۸۲	۶ تا ۸
قیامت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے	۸۲	۹

	سُورۃ	آیت
غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں	۸۲	۹
ہر شخص اپنے نیک یا بد اعمال کی انجام دہی میں کوشاں رہتا ہے۔ موت کے بعد اس کا پورا اجر یا سزا اسے ملتی ہے	۸۴	۶
ہر انسان کے لیے محافظ مقرر کر دیئے گئے ہیں	۸۶	۱ تا ۴
انسان کی تخلیق اس پانی سے ہوتی ہے جو صلب اور ترائب کے درمیان میں سے نکلتا ہے	۸۶	۵-۶-۷
یخرج من بین الصلب والترائب کی تشریح	۸۶	۷ کا حاشیہ
انسان کو کبھی انعامات سے آزمایا جاتا ہے اور کبھی آلام و مصائب سے	۸۹	۱۵-۱۹
دولت کی کثرت اللہ کی رضا اور قلت اس کی ناراضگی کا معیار نہیں ہے	۸۹	۱۶ حاشیہ
انسان کو محنت و مشقت کی زندگی گزارنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے	۹۰	۴
انسان پر اللہ تعالیٰ کے احسانات:- دو آنکھیں، زبان، دو ہونٹ نیز نیکی کی دشوار گھاٹی میں اوپر چڑھنے کی ہدایت بخشی	۹۰	۸ تا ۱۱
انسان کے شایان شان افعال:- غلام کو آزاد کرنا یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانا کتنی قسمیں کھا کر فرمایا:-	۹	۱۲ تا ۱۶

	سُورۃ	آیت
جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا۔ جس نے اس کو آلودہ کیا نامراد ہو گیا۔	۹۱	۱ تا ۱۰
لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم احسن تقویم کی تفصیلی بحث	۹۵	۱ تا ۵
انسان دولت کی محبت میں بہت سخت ہے وہ بڑا ناشکرا ہے ان دو باتوں کا وہ خود گواہ ہے	۱۰۰	۶-۸
سب انسان خسارے میں ہیں بجز ان کے جن میں یہ چار صفات ہوں۔ ایمان، عمل صالح، حق اور صبر کی وصیت	۱۰۳	۱-۲-۳
اُوامر		
وزن کو انصاف کے ساتھ قائم رکھو	۵۵	۹
ہر معاملہ میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو	۵۵	۹ حاشیہ
اپنے عظیم پروردگار کی پاکی بیان کرو	۵۶	۷۴
" " "	۵۶	۹۶
اللہ اور رسول پر ایمان لے آؤ اور ان مالوں سے خرچ کرو جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے	۵۷	۷
مغفرت اور جنت کی طرف تیزی سے آگے بڑھو	۵۷	۲۱
تقویٰ اختیار کرنے کا حکم، دوگنا رحمت اور نور کی نوید	۵۷	۲۸
نیکی اور تقویٰ کے لیے مشورے کیا کرو	۵۸	۹

	سورۃ	آیت
اللہ سے ڈرتے رہا کرو	۵۸	۹
	۵۹	۱۸
اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ	۶۱	۱۴
اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ	۶۲	۱۰
موت سے پہلے اللہ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کر لو ورنہ پچھتاؤ گے	۶۳	۱۰
جتنا تمہاری طاقت ہے اتنا اللہ سے ڈرو	۶۴	۱۶
اپنے آپ کو، اپنے اہل و عیال کو آتش دوزخ سے بچاؤ	۶۶	۶
اپنے رب کے نام کا ذکر کرو وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا	۷۳	۸
اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کا حکم	۸۷	۱
اے قریش! اس گھر کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں رزق اور امن دیا	۱۰۶	۳-۴
اے حبیب! جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرے اس سے رخ انور پھیر لیجئے	۵۳	۲۹

بنی اسرائیل

	سورۃ	آیت
قبیلہ بنی نضیر کی غداری اور جلاوطنی	۵۹	۲
ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ ان کے قلعے ان کی حفاظت کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں	۵۹	۲
وہ خدا سے زیادہ تم سے ڈرتے ہیں	۵۹	۱۳
یہ بزدل ہیں۔ کھلے میدان میں تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے	۵۹	۱۴
وہ بظاہر متحد نظر آتے ہیں بحقیقت متفرق ہیں	۵۹	۱۴
موسیٰ علیہ السلام کو اذیت رسانی	۶۱	۵
حضرت عیسیٰ کے بتانے کے باوجود انہوں نے حضور کو ماننے سے انکار کر دیا اور سحر مبین کہا	۶۱	۶
جنہیں تورات دی گئی لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا ان کی مثال گدھے کی ہے جس پر کتابوں کا انبار لدا ہو	۶۲	۵
اگر تمہارا یہ دعویٰ درست ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو تو موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے	۶۲	۶
وہ اپنے کرتوتوں کے پیش نظر یہ تمنا ہرگز نہ کریں گے	۶۲	۷
اہل کتاب دلائل کے باوجود فرقوں میں بٹ گئے ہیں	۹۸	۴
حالانکہ انہیں حکم ملا تھا کہ وہ خلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ یہی سچا دین ہے	۹۸	۵
یہ جہنمی ہیں۔ یہ شر البریۃ ہیں	۹۸	۶

جبر و قدر

	سورۃ	آیت
جو مصیبت پہنچتی ہے وہ پہلے لکھی جا چکی ہے	۵۷	۲۲

	سورۃ	آیت
جو نہ ملے اس پر رنجیدہ نہ ہو۔ جو ملے اس پر اترا و مت	۵۷	۲۳
جب وہ ٹیڑھے ہوتے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا	۶۱	۵
کرتوتوں کے باعث دلوں پر مہر لگ جاتی ہے	۶۳	۳
انسان اور اُس کی صلاحیتوں کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ان کو استعمال کرنا انسان کا کام ہے	۶۴	۲
اُنہوں نے منہ پھیرا۔ اللہ اُن سے بے نیاز ہو گیا	۶۴	۶
اللہ کے علم کے بغیر کوئی مصیبت نہیں پہنچتی	۶۴	۱۱
مصائب میں تسلیم و رضا کی کیفیت ایمان سے پیدا ہوتی ہے	۶۴	۱۱
جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے	۷۴	۳۱ مع حاشیہ
جس کو اللہ چاہتا ہے وُہ نصیحت قبول کرتا ہے	۷۴	۵۶
ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ	۷۶	۳۰
اعمالِ بد سے آئینۂ دل زنگ آلود ہو جاتا ہے	۸۳	۱۴

جہاد

	سورۃ	آیت
حسب توفیق جنگ کے وقت مالی قربانی کی ترغیب	۵۷	۷ مع حاشیہ
انبیاء کو معجزات و کتب کے علاوہ لوہے کا ڈنڈا بھی بخشا تاکہ معاشرہ کے سرکش افراد کی سرکوبی کر کے عدل قائم کریں	۵۷	۲۵ مع حاشیہ
قبیلۂ بنی نضیر کی جلا وطنی اس کے اسباب سامانِ حرب اور مضبوط قلعوں کے باوجود ان کی مرعوبیت مدینہ طیبہ سے ان کا خروج تفصیلات آیت ہٰذا کے حواشی میں دیکھیں	۵۹	۲
ان کا یہ انجام اللہ اور اُس کے رسُول کی مخالفت کے باعث ہُوا	۵۹	۴
جو درخت جنگ میں حارج ہوں اُنہیں بے شک کاٹ دو	۵۹	۵
دیگر آداب جنگ	۵۹	۵ حاشیہ
اموالِ فئی کون کون سے ہیں۔ ان کا حکم	۵۹	۶ مع حاشیہ
اموالِ فئی کے مصارف	۵۹	۷
کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء (دولت اغنیاء ہی میں نہ گھومتی رہے) متعلقہ مسائل کی تفصیل ان آیات کے حواشی میں ملاحظہ فرمائیں۔	۵۹	۷
یہود ہی بڑے بزدل ہیں۔ کھلے میدان میں تم سے جنگ نہیں کریں گے	۵۹	۱۴
بظاہر متحد ہیں در حقیقت منتشر ہیں	۵۹	۱۴
اسلامی جہاد کی خصوصیت کہ وُہ صرف راہِ خدا میں ہوتا ہے	۶۱	۴

آیت	سورۃ	
۴	۶۱	جہاد کا طریقہ یہ ہے کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر لڑو
۱۰-۱۱	۶۱	وہ تجارت جو عذاب الیم سے نجات دیتی ہے۔ ایمان باللہ اور مالی جہاد فی سبیل اللہ
۱۲	۶۱	اس کی برکت سے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جنت ملے گی
۱۳	۶۱	مزید برآں فتح و کامرانی ارزانی ہوگی
۹	۶۶	کفار و منافقین کے ساتھ جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو
۱ تا ۵	۱۰۰	مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم

جن

آیت	سورۃ	
۱۵	۵۵	جن کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے
۱۵ مع حاشیہ	۵۵	جنات کے وجود اور ان کے مکلف ہونے کا ثبوت
۳۳	۵۵	اے جن و انس تم زمین و آسمان کی سرحدوں سے سلطان کے بغیر نہیں جا سکتے
۱ تا ۱۹	۷۲	انسانوں کی طرح جنات بھی دعوت اسلام کے مخاطب ہیں جنوں کا قرآن سن کر مسلمان ہونا واپس جا کر اپنی قوم کو ہدایت کی دعوت دینا ان کا وعظ
۸-۹	۷۲	شہاب ثاقب سے جنات کی سرکوبی
۱۱	۷۲	جنات میں سے بعض نیک ہیں اور بعض برے
۱۴-۱۵	۷۲	جنات میں سے بعض مسلمان ہیں اور بعض کافر

دعائیں

آیت	سورۃ	
۵۵ حاشیہ	۵۴	وہ دعا جو قبول ہوتی ہے
۴ حاشیہ	۵۷	وسعت اور افلاس سے نجات کی دعا
۱۰ مع حاشیہ	۵۹	پچھلوں کو پہلوں کے لیے دعا مانگنا چاہیے اس سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے
۴-۵	۶۰	ابراہیمی دعا
۳ حاشیہ	۶۵	مشکلات کے لیے وظیفہ
۸	۶۶	صحابہ کی دعا۔ اتمم لنا نورنا واغفرلنا
۵۱ حاشیہ	۶۸	نظر بد کا تعویذ اور دم
۱۴ حاشیہ	۸۷	دعا مانگنے کا طریقہ: پہلے اللہ کی تعریف کرو پھر اس کے حبیب پر درود شریف پڑھو پھر دعا مانگو (احادیث نبوی)
۸ حاشیہ	۹۰	ایک دعا جو حضور صحابہ کو یاد کرایا کرتے تھے
۱۱ حاشیہ	۹۳	گم شدہ چیز کی بازیابی کی دعا
[illegible]	۱۱۳	مقبول دعا
۱ تا ۵ مع حواشی	۱۱۳	ہر چیز کے شر سے پناہ کی دعا رات کی تاریکی کے شر سے پناہ کی دعا جادو منتر کرنے والیوں کے شر سے پناہ کی دعا شر حاسد سے پناہ کی دعا
۱ تا ۶ مع حواشی	۱۱۴	شیاطین جن و انس کے شر سے پناہ کی دعا

سیاسیات

	سورۃ	آیت
اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست مت بناؤ	۶۰	۱
دشمن کی جاسوسی کرنے والے کا حکم	۶۰	حاشیہ آیت بالا
اگر وہ کافر تم پر قابو پالیں تو تمہیں ہر طرح کی اذیت پہنچائیں	۶۰	۲
جو کفار تم سے برسر پیکار نہیں ان پر بے شک احسان کرو	۶۰	۸
البتہ جو کافر تم سے برسر پیکار ہیں جنہیں گھر دل سے نکالا ہے ان کو دوست نہ بناؤ ورنہ ظالم بن جاؤ گے	۶۰	۹
جب دشمن پر مکمل فتح حاصل ہو جائے تو غرور و تکبر نہ کرو بلکہ اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کرو	۱۱۰	۲
شریعت اسلامیہ میں قانون سازی کا حق	۵۸	۵
سلاطین کو خلاف شرع قانون بنانے کی اجازت نہیں	۵۸	۵ حاشیہ
حکومت کو قانون سازی کا کہاں کہاں حق ہے	۵۸	۵
کسی پر کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا	۵۳	۳۸

شرک اور اس کا بطلان

	سورۃ	آیت
اللہ تعالیٰ پاک ہے ان سے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں	۵۹	۲۳
مساجد میں اللہ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو	۷۲	۱۸
میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا	۷۲	۲۰
اللہ کے اذن کے بغیر میں نہ ضرر پہنچا سکتا ہوں نہ فائدہ	۷۲	۲۱
مجھے اللہ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا	۷۲	۲۲
لات، عزیٰ اور منات بتوں کے تفصیلی حالات	۵۳	۱۹-۲۰ مع حواشی
اپنے لیے بیٹے، خدا کے لیے بری بیٹیاں، کتنی ظالمانہ تقسیم ہے	۵۳	۲۱-۲۲
یہ محض فرضی نام ہیں کوئی حقیقت نہیں	۵۳	۲۳
شرک کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ کبیرہ گناہوں کی تفصیل	۵۳	۳۲ مع حاشیہ
نوٹ: وہ تمام دلائل جو توحید کے ثبوت کے لیے اس کتاب میں مذکور ہیں ان سے شرک کا بطلان بھی ہوتا ہے		

شریعت اسلامیہ

	سورۃ	آیت
شریعت اسلامیہ کی خصوصیات		
جو قانون سازی کا حق اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں انہیں رسوا کر دیا جاتا ہے	۵۸	۵ مع حاشیہ
سلاطین کو خلاف شرع قانون بنانے کی اجازت نہیں	۵۸	۵ حاشیہ
حکومت کو قانون سازی کا کہاں کہاں حق ہے	۵۸	۵ حاشیہ
مانع حکم اور منکر حکم میں فرق	۵۸	۱۲ حاشیہ

	سورۃ	آیت
جو اللہ کی حدوں کو توڑتا ہے وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے	۶۵	۱
اسلامی نظامِ عبادات کی برکت سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے	۷۰	۱۹ تا ۳۵
کسی پر کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں لادا جائے گا	۵۳	۳۸
ہر شخص کو وہی ملتا ہے جس کے لیے وہ سعی کرتا ہے	۵۳	۳۸
۲۔ نماز		
نماز ادا کرنے کا حکم	۵۸	۱۳
نمازِ جمعہ کی فرضیت	۶۲	۹
دیگر متعلقہ مسائل	۶۲	حاشیہ آیت ۹
نماز پر دوام	۷۰	۲۳
صبح و شام ذکرِ الٰہی میں مشغول رہو	۷۶	۲۵-۲۶
۳۔ زکوٰۃ (صدقات)		
راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب	۵۷	۷ مع حاشیہ
جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے رہا ہے جس کے بدلے اسے کئی گنا ملے گا	۵۷	۱۱
صدقہ دینے والے مرد و زن۔ ان کو کئی گنا ملے گا	۵۷	۱۸
ان کے لیے اجرِ کبیر ہے	۵۷	۱۸
زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۸	۱۳
ان کے اموال میں سائل و محروم کا حق ہے	۷۰	۲۴-۲۵
۴۔ جرائم و عقوبات		
دشمن کی جاسوسی کرنا	۶۰	۱ کا حاشیہ

	سورۃ	آیت
۵۔ ظہار		
اسلام میں ظہار کا پہلا واقعہ۔ اس کا حکم	۵۸	ات حاشیہ
بیوی کو اپنی ماں کہنا بُری بات ہے اور جھوٹ ہے	۵۸	۲
اس طرح وہ تمہاری ماں نہیں بن جاتی	۵۸	۲
ظہار کی تعریف ظہار کا کفارہ تفصیلات	۵۸	۳ مع حواشی
۶۔ مہاجر عورت		
جب کوئی عورت ہجرت کر کے آئے تو اس کا امتحان لو اگر وہ دل سے ایمان لائی ہے تو اسے واپس نہ کرو	۶۰	۱۰
وہ اب کفار کے لیے حلال نہیں	۶۰	۱۰
مہاجر عورت کے امتحان کا طریقہ	۶۰	حاشیہ آیت مذکورہ
مومن اور کافر کے درمیان ازدواج کی ممانعت	۶۰	۱۰
مہاجر عورت کی عدت کا حکم	۶۰	آیت ۱۰ حاشیہ ۲۱
ان کے ساتھ نکاح کا حکم	۶۰	۱۰
کافر عورتوں کو مسلمان بھی آزاد کریں	۶۰	۱۰
ان عورتوں کے مہر کا مسئلہ	۶۰	۱۰
۷۔ طلاق		
طلاق مباح ہے لیکن از حد ناپسندیدہ اسے ابغض الحلال کہا گیا ہے اس سے عرش کانپ جاتا ہے	۶۵	۱ کا حاشیہ

	سُورۃ	آیت
طلاق دینے کا اسلامی طریقہ، اس کی حکمت حضرت ابن عمر کا حالت حیض میں طلاق دینا اور حضور کی ناراضگی	۶۵	۱ حاشیہ
طلاق کی قسمیں سنی اور بدعی اور ان کی تشریح	۶۵	۲
۹۔ عِدّت		
عدت کے احکام، مدت عدت کا نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ ہے اثناء عدت میں زوجین میں سے کوئی فوت ہو جائے تو وراثت کا حکم اثناء عدت میں نکاح باطل ہے عدت گزرنے کے بعد عورت آزاد ہے	۶۵	متعلقہ حواشی
عدت گزرنے سے پہلے طے کر لو کہ اس سے رجوع کرنا ہے یا نہیں بصورت ثانی اسے عمدگی سے رخصت کر دو	۶۵	متعلقہ حواشی
دونوں صورتوں میں گواہ بنانا افضل ہے یہ نصیحت ان کے لیے ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں	۶۵	متعلقہ حواشی

	سُورۃ	آیت
جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو، ان کی عدت کا حکم	۶۵	۴ مع حاشیہ
حاملہ عورت کی عدت کا حکم	۶۵	۴ مع حاشیہ
عدت گزارنے والی عورتوں کے متعلق اعمال اور ان کا حکم	۶۵	۴ مع حاشیہ
انہیں تنگ کرنے کے لیے مت ستاؤ	۶۵	۶
۹۔ نفقہ۔ سکنیٰ	۶۵	۶
بیوہ جو حاملہ ہو اس کے نفقہ اور سکنیٰ کا حکم	۶۵	۶ حاشیہ
مطلقہ اپنے بچے کو دودھ پلائے تو وہ اجرت لینے کی حقدار ہے دیگر متعلقہ مسائل	۶۵	۶ حاشیہ
وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے	۶۵	۷
شیطان		
شیطان پہلے بڑے مکر و فریب سے انسان کو کفر اور گناہ کے گڑھے میں گراتا ہے۔ پھر اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے اور اس کا تماشا دیکھتا ہے	۵۹	۱۶

صحابہ کرام اہل بیت عظام اُمّتِ مسلمہ

	سورۃ	آیت
صحابہ کرام السابقون السابقون ہیں	۵۶	۱۰
یہی حضرات مقرب ہیں اور جنت نعیم میں ہیں	۵۶	۱۱-۱۲
ابتداء میں ان کی تعداد زیادہ بعد میں کم	۵۶	۱۳-۱۴
ان کی عزت افزائیاں	۵۶	۱۵ تا ۲۶
حضرت عکاشہ ان ستر ہزار میں سے ہیں جن سے حساب نہیں لیا جائے گا	۵۶	۳۹ کا حاشیہ
صحابہ کی سجدہ گاہوں اور مزارات کی قسم	۵۶	۷۵ حاشیہ
جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا بعد میں آنے والے ان کے ہمسر نہیں ہو سکتے	۵۷	۱۰
ان کا درجہ بہت بڑا ہے (اولئک اعظم درجۃ)	۵۷	۱۰
فتح کے بعد خرچ کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کو بھی ان کا اجر ملے گا	۵۷	۱۰
حضرت صدیقؓ کا عبا، کو کانٹوں سے کانٹنا، رضائے الٰہی کو نوید حاملین عرش کا یہی لباس زیب تن کرنا	۵۷	۱۱ حاشیہ
حضرت ابو دحداح کی شان ایثار۔ یہ آیت سن کر باغ قیمتی باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا	۵۷	۱۱ حاشیہ
حضرت فاروق اعظمؓ کا ایک بڑھیا کی باتیں دیر تک کھڑے سنتے رہے	۵۸	۱ حاشیہ
سیدنا علی المرتضیٰؓ کے سوالات حضورؐ کے جوابات	۵۸	۱۲ حاشیہ
اہل ایمان دشمنان اسلام سے محبت نہیں کر سکتے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا قریبی رشتہ دار	۵۸	۲۲
جنگ کے میدان میں صحابہ کا اپنے کافر رشتہ داروں کو قتل کرنا	۵۸	حاشیہ کی آیت بالا
ان کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا گیا ہے۔ روح منہ سے ان کی تائید، جنت کا مژدہ، اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی	۵۸	۲۲
یہی اللہ کا لشکر ہیں اور یہی غالب ہیں	۵۸	۲۲
حضرت صدیقؓ نے چھٹے پہل جام شہادت نوش کرنے کی اجازت طلب کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا انت منی بمنزلۃ سمعی وبصری۔ تو میرے کانوں اور آنکھوں کی جا بجا ہے	۵۸	حاشیہ آیت بالا
مہاجرین اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طالب ہیں	۵۹	۸
اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ اولئک ھم الصادقون۔ یہی سچے ہیں	۵۹	۸
انصار کا اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے ایثار	۵۹	۹

	سُورۃ	آیت
انصار کے ایثار کی چند مثالیں	۵۹	۹ حاشیہ
اولٰئک ھم المفلحون یہی دونوں جہانوں میں کامیاب ہیں	۵۹	۹
گزشتہ مسلمانوں کے لیے دُعائے مغفرت رافضی یہود و نصاریٰ سے ایک قدم آگے ہیں۔ حاشیہ نمبر ۲۲	۵۹	۱۰
رافضیوں کا صحابہ پر اعتراض ، اور اس کا ردّ	۵۹	۱۱
شیخین کی خلافت کی بشارت	۶۶	۲ حاشیہ
تفسیر مجمع البیان کا حوالہ	۶۶	۲ حاشیہ
حضرت صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو توبہ کا حکم (اس سے ناراضگی نہیں)	۶۶	۴
جو لوگ حضور کے ساتھ ایمان لائے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ روز حشر رسوا نہیں کرے گا	۶۶	۸
اُن کا نور روزِ حشر اِن کے آگے پیچھے پھیل رہا ہوگا	۶۶	۸
ان کی دُعا	۶۶	۸
حضرت آسیہ زوجہ فرعون کی استقامت اور دُعا	۶۶	۱۱ مع حاشیہ
حضرت مریمؑ	۶۶	۱۲
سیجنبھا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی۔ یہ آیات صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئیں	۹۲	۱۷ تا ۲۱

عورت

	سُورۃ	آیت
زمانۂ جاہلیت کے ایک رواج (ظہار) کے بارے میں قرآن کا فیصلہ	۵۸	۱ مع حاشیہ
اسلام میں ظہار کا پہلا واقعہ		
بیوی کو اپنی ماں کہنا بُری بات ہے اور جھوٹ	۵۸	۲
اس طرح وُہ تمہاری ماں نہیں بن جاتی	۵۸	۲
ظہار کی تعریف		
ظہار کا کفارہ	۵۸	۳
تفصیلی احکام		
تفصیلی بحث		
مندرجہ ذیل عناوین شریعت اسلامیہ کے عنوان کے ضمن میں ملاحظہ فرماتے جائیں		
۲. دارالحرب سے ہجرت کر کے آنے والی مسلمان خاتون		
۴. طلاق		
۸. عدت		
۹. نفقہ سب کی ملاحظہ فرمائیں		
عورتوں کی بیعت کی اجازت		
ان کی بیعت کے مقاصد	۶۰	۱۲ مع حاشیہ
ان کی بیعت کا طریقہ		
بچیوں کے ساتھ محبت اور ان کی عزت کرنے کی ترغیب (احادیث)	۸۱	۸ کا حاشیہ

قرآن کریم

	سورۃ	آیت
نصیحت قبول کرنے والے کے لیے	۵۴	۱۷، ۲۲، ۳۲
قرآن آسان بنا دیا گیا ہے		۴۰
قرآن کریم رحمٰن نے سکھایا ہے	۵۵	۲
مواقع النجوم کی قسم کھا کر فرمایا یہ قرآن کریم ہے	۵۶	۷۷
اسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں	۵۶	۷۹
اسے رب العالمین نے اتارا ہے	۵۶	۸۰
قرآنی آیات اپنے بندہ پر اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں تاکہ وہ اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو نور کی طرف لے آئے	۵۷	۹
اگر قرآن کریم پہاڑ پر اترتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا	۵۹	۲۱
ایمان لاؤ قرآن پر جو نور ہے	۶۴	۸
قرآن کریم سب کے لیے وجہ شرف ہے	۶۸	۵۲
قرآن نہ کسی شاعر کا قول ہے نہ کسی کاہن کا	۶۹	۴۱-۴۲
بلکہ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے	۶۹	۴۳
اگر آپ خود گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتے تو رگ دل کاٹ دی جاتی	۶۹	۴۴-۴۵-۴۶
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن یاد کرانا پھر اس کا مفہوم سمجھانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے	۷۵	۱۶ تا ۱۹
قرآن نصیحت ہے جس کا جی چاہے نصیحت قبول کرلے	۷۴	۵۴-۵۵

	سورۃ	آیت
قرآن کریم نصیحت ہے	۷۶	۲۹
قرآن کریم نصیحت ہے جس کا جی چاہے نصیحت قبول کرے	۸۰	۱۱-۱۲
قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا	۷۶	۲۳
شانِ قرآن	۸۰	۱۳ تا ۱۶
قرآن کریم کو ایک جلیل القدر فرشتہ لے کر آیا ہے	۸۱	۱۹-۲۰-۲۱
یہ ذکر للعالمین ہے	۸۱	۲۷
یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں	۸۵	۲۱-۲۲
قرآن کریم قول فصیل ہے ہنسی مذاق نہیں	۸۶	۱۱ تا ۱۴
قرآن کریم ہم نے لیلۃ القدر میں نازل کیا	۹۷	۱
لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے	۹۷	۲-۳
وجہ تسمیہ یہ کس مہینہ کی کونسی رات ہے	۹۷	مع حواشی
اس میں فرشتے نازل ہوتے ہیں	۹۷	۴-۵

دیگر آسمانی کتب

	سورۃ	آیت
حضرت عیسیٰؑ نے تورات کی تصدیق کی	۶۱	۶
موجودہ اناجیل کی تدوین و ترتیب تفصیلات حواشی میں ملاحظہ فرمائیں	۶۱	۶ حاشیہ
برناباس کی شخصیت اور اس کی انجیل کی علمی اور تاریخی حیثیت پر تفصیلی بحث	۶۱	۶ حاشیہ
انجیل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی متعدد بشارتیں	۶۱	۶ حاشیہ

	سورۃ	آیت
صحف ابراہیم و موسیٰ میں بھی وہی ہدایات ہیں جو اس قرآن کریم میں ہیں کہ آخرت اس دنیا سے بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے	۸۷	۱۸-۱۹

قیامت

	سورۃ	آیت
قیامت بالکل قریب آگئی ہے	۵۴	ابع حاشیہ
اس کی دلیل	۵۴	۱
روز قیامت آسمان پھٹ جائے گا اور اس کا رنگ سرخ ہو جائے گا	۵۵	۳۷
اس کے گناہ کے بارے میں کسی جن و انس سے نہ پوچھا جائے گا۔ وہ خود ہی جواب دہ ہوگا	۵۵	۳۹
مجرموں کا حال	۵۵	۴۱ تا ۴۴
قیامت ضرور واقع ہوگی کوئی جھٹلا نہ سکے گا	۵۶	۱-۲
قیامت کسی کو ذلیل اور کسی کو سرفراز کرے گی	۵۶	۳
وقوع قیامت کا ہولناک منظر	۵۶	۴-۵-۶
قیامت کے روز اول و آخر سب جمع کیے جائیں گے	۵۶	۴۹-۵۰
قیامت کے روز تمہیں پیدا کرنا مشکل نہیں	۵۶	۶۱،۶۲،۶۳
روز قیامت رشتہ دار اور اولاد کام نہ دے گی	۶۰	۳
کفار کا انکار قیامت اور اس کی پرزور تردید	۶۴	۷
قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ	۶۴	۹
کفار پوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی؟ آپ فرمائیے اس کا علم اللہ کے پاس ہے	۶۷	۲۵-۲۶

	سورۃ	آیت
قرب قیامت کے وقت کفار کی حالت	۶۷	۲۷
قیامت آکر رہے گی۔ الحاقہ	۶۹	۱-۲-۳
قیامت پر ایمان اصلاح کا ضامن ہے	۶۹	حاشیہ آیت بالا
جب صور پھونکا جائے گا تو زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا۔	۶۹	۱۳ تا ۱۶
فرشتے ہر طرف کھڑے کر دیئے جائیں گے	۶۹	۱۷
آٹھ فرشتے عرش الٰہی کو اٹھائے کھڑے ہوں گے	۶۹	۱۷
قیامت کے روز آسمان اور پہاڑوں کی حالت	۷۰	۸-۹
کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو نہیں پوچھے گا	۷۰	۱۰
وہ چاہے گا کہ اپنے بچوں، بیوی بلکہ سب کو بطور فدیہ دے دے اور خود چھوٹ جائے لیکن ناممکن	۷۰	۱۱ تا ۱۸
قسمیں کھا کر بتایا کہ قیامت ضرور آنے گی	۷۵	۱-۲
انسان کا یہ خیال باطل ہے کہ وقوع قیامت ناممکن ہے	۷۵	۳-۴
قیامت کے انکار کی وجہ	۷۵	۵
وقوع قیامت کے وقت کا منظر	۷۵	۶ تا ۹
اس روز کفار کے لیے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی	۷۵	۱۰-۱۱-۱۲
انسان کو اس کے اعمال سے آگاہ کیا جائے گا	۷۵	۱۳
انسان ہزار بہانے بنائے اسے حقیقت حال کا علم ہے	۷۵	۱۴-۱۵

	سُورۃ	آیت
اہلِ ایمان کے چہرے تر و تازہ ہوں گے	۷۵	۲۲-۲۳
بدکاروں کے چہروں پر نحوست برس رہی ہوگی	۷۵	۲۴-۲۵
جس نے انسان کو قطرۂ آب سے بنایا اُس کو دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے	۷۵	۳۷ تا ۴۰
جب صُور پھونکا جائے گا تو کفار کے لیے وہ بڑا سخت دن ہوگا	۷۴	۸-۹-۱۰
روزِ قیامت بہت بڑی آفت ہے	۷۴	۳۲ تا ۳۶
پانچ قسمیں کھا کر بتایا کہ قیامت ضرور آئے گی	۷۷	۱ تا ۷
قیامت کا ہولناک منظر	۷۷	۸ تا ۱۴
اُس روز جھٹلانے والوں کی تباہی ہوگی	۷۷	۱۵
جہنم کا ہولناک منظر	۷۷	۲۹ تا ۳۳
روزِ قیامت یوم الفصل ہے مجرموں سے قوتِ گویائی سلب کر لی جائے گی	۷۷	۳۵ تا ۳۹
قیامت کے بارے میں ان کے شکوک اور اُن کا رد	۷۸	۱ تا ۵
وقوعِ قیامت پر تکوینی دلائل	۷۸	۶ تا ۱۶
وقوعِ قیامت کے لیے ایک وقت مقرر ہے	۷۸	۱۷
منظرِ قیامت	۷۸	۱۸ تا ۲۰
عذابِ قیامت	۷۸	۲۱ تا ۳۰
قیامت ضرور آئے گی	۷۹	۱ تا ۵
وقوعِ قیامت پر کفار کا اظہارِ حیرت	۷۹	۱۰ تا ۱۲
جب قیامت برپا ہوگی انسان کو اپنے سارے اعمال یاد آجائیں گے	۷۹	۳۵
روزِ حشر انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بچوں سب سے بھاگے گا	۸۰	۳۴ تا ۳۶
کتنے چہرے خوش و خرم مسکراتے ہوں گے	۸۰	۳۸-۳۹
کئی چہرے غبار آلود اور سیاہ ہوں گے	۸۰	۴۰-۴۱
وقوعِ قیامت کا منظر	۸۰	۳۳
سورج اور ستارے بے نور، پہاڑ محوِ گردش، سمندر کے شعلے (اس کی وجہ)	۸۱	۱ تا ۶
زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ اُسے کیوں زندہ درگور کیا گیا تھا	۸۱	۸
جو کچھ اُس نے کیا روزِ قیامت عیاں ہو جائے گا	۸۲	۱ تا ۵
کئی قسمیں کھا کر فرمایا قیامت ضرور آئے گی	۸۹	۱ تا ۵
جب قیامت برپا ہوگی اُس وقت انسان کی آنکھ کھلے گی لیکن بے سود	۸۹	۲۱ تا ۲۴
وقوعِ قیامت کا منظر	۹۹	۱ تا ۵
روزِ قیامت لوگ گروہ در گروہ نکلیں گے۔ جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی اُسے اس کا اجر ملے گا جس نے ذرہ برابر گناہ کیا ہوگا اُسے اُس کی سزا ملے گی	۹۹	۶-۷-۸
سخت کڑک، لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ اُون کی مانند ہوں گے	۱۰۱	۱ تا ۹
اُس روز جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ خوش و خرم ہوگا	۱۰۱	۶

	سورۃ	آیت
ان کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہ دوزخ میں ہوں گے	۱۰۱	۸-۹
قیامت کے منکر یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ سنگدلانہ سلوک کرتے ہیں نماز میں سستی اور ریاکاری ان کا شعار ہے	۱۰۷	۱ تا ۷

کفار و مشرکین

	سورۃ	آیت
ان کے عقائد		
ان کے اطوار		
عبرتناک انجام		
کفار معجزات دیکھ کر منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے	۵۴	۲
وحی کی تکذیب، ہوائے نفس کی پیروی ان کا شیوہ ہے	۵۴	۳
روز قیامت ان کی حالت زار	۵۴	۷-۸
کفار کس غلط فہمی میں مبتلا ہیں	۵۴	۴۳-۴۴
انہیں یقیناً شکست ہوگی	۵۴	۴۵
روز قیامت ان کا حال زار	۵۴	۴۷-۴۸
اصحاب المشئمہ	۵۶	۹
ان کی حالت زار	۵۶	۴۱ تا ۴۴
اس کی وجہ	۵۶	۴۵-۴۶
وہ منکرین قیامت تھے	۵۶	۴۷
اس کی سزا	۵۶	۵۱ تا ۵۶
ان کی بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ ان کے مقدر میں تکذیب قرآن کے سوا کچھ نہیں	۵۶	۸۱-۸۲
مکذبین کا انجام	۵۶	۹۲،۹۳-۹۴
اے کفار تمہارے ایمان نہ لانے کی وجہ کیا ہے؟	۵۷	۸
کفار کے لیے دردناک عذاب ہے	۵۸	۴
جو اللہ اور رسول کی حدوں کو توڑتے ہیں انہیں ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے	۵۸	۵
کفار کے لیے رسواکن عذاب ہے	۵۸	۵
اگر کفار تم پر غلبہ پائیں تو تمہاری تخریب کریں	۶۰	۲
بڑا ظالم ہے جو اللہ پر افترا باندھتا ہے	۶۱	۷
یہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں لیکن کامیاب نہ ہوں گے	۶۱	۸
کفار نے اپنے کفر کی سزا پالی	۶۴	۵
انہوں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا انہوں نے منہ پھیرا اللہ بھی ان سے بے نیاز ہو گیا	۶۴	۶
اللہ اور اس کے رسول کے نافرمانوں کو سخت سزا دی جائے گی	۶۵	۸
کفار کا کوئی عذر مقبول نہ ہوگا	۶۶	۷
کفار کے لیے جہنم	۶۷	۶
کفار کا دوزخ میں پھینکا جانا اور دیگر ہولناک مناظر	۶۷	۷-۸-۹
کفار کا اعتراف کہ ہم خطاکار تھے	۶۷	۱۰-۱۱
کفار اللہ کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے	۶۷	۱۶-۱۷
گزشتہ برباد شدہ قوموں سے عبرت حاصل کرو	۶۷	۱۸
کیا ان کے پاس ایسا لشکر ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا سکے؟	۶۷	۲۰

	سُورۃ	آیت
اگر وُہ رزق بند کرلے تو وُہ کیا کریں گے	۶۷	۲۱
کفار منہ اوندھا کیے ہوئے چلے جارہے ہیں	۶۷	۲۲
کفار کو تنبیہ کہ انہیں عذاب سے کون بچائے گا	۶۷	۲۸
کفار تمنا کرتے ہیں کہ آپ نرمی اختیار کریں تاکہ وُہ بھی شدت ترک کردیں	۶۸	۹
ایسے کافر کے پیچھے چلنے سے ممانعت جس میں یہ عیوب ہوں	۶۸	۱۰ تا ۱۶
باغ والے کفار کی تباہی کا تذکرہ	۶۸	۱۷ تا ۳۳
کیا کفار کے پاس کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہے کہ سارے کام ان کی منشاء کے مطابق ہوں گے	۶۸	۳۶ تا ۴۱
کفار کو روز قیامت سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے گا لیکن وُہ سجدہ نہ کرسکیں گے	۶۸	۴۳
کفار کو بصورت استدراج بھی سزا دی جاتی ہے	۶۸	۴۴ مع حاشیہ
جن اقوام نے رسولوں کی مخالفت کی انہیں سختی سے پکڑ لیا گیا	۶۹	۹ - ۱۰
کفار کے بائیں ہاتھ میں اُن کا نامۂ عمل دیا جائے گا	۶۹	۲۵
ان کا واویلا	۶۹	۲۵ تا ۲۹
حکم ہوگا اسے پکڑو اور زنجیروں میں جکڑ کر جہنم رسید کردو	۶۹	۳۰ تا ۳۲
کیونکہ نہ یہ اللہ پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین	۶۹	۳۳، ۳۴
کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیا کرتا تھا	۶۹	۳۳، ۳۴
اس کا آج کوئی دوست نہیں۔ اس کا کھانا غسلین ہے	۶۹	۳۵-۳۶ ۳۷
کفار جس عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں وُہ بالکل ثابت ہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا	۷۰	۱-۲
روز قیامت پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا	۷۰	۴
ان کو کھیل کود میں مگن رہنے دیں	۷۰	۴۲ تا ۴۴
قوم نوح کے رئیس لوگوں کو کہتے اپنے بتوں کو ہرگز نہ چھوڑنا خصوصاً وَدّ، سواع، یغوث اور نسر کو	۷۱	۲۳
بت پرستی کا آغاز اور رواج	۷۱	۲۳ حاشیہ
ان پانچ بتوں کی مزید تحقیق	۷۱	" "
عذاب قبر کا ثبوت قرآن و سنت سے	۷۱	۲۵
ان کی اولاد کے بارے میں آپ کا علم کہ سب گمراہ پیدا ہوں گے	۷۱	۲۷
اپنی موت کے وقت کفار کی حالت	۷۵	۲۶ تا ۳۰
نہ قرآن کی تصدیق کی۔ نہ نماز ادا کی بلکہ جھٹلایا اور منہ موڑ لیا	۷۵	۳۱ تا ۳۲
اس کی تباہی قریب آگئی	۷۵	۳۴-۳۵
اگر تم کفر کرتے رہے تو روز حشر کیسے بچو گے	۷۳	۱۷-۱۸
ولید بن مغیرہ کے بارے میں غضب کا اظہار	۷۴	۱۱ تا ۲۳
وُہ واقعہ جو قہر الٰہی کا باعث بنا	۷۴	۱۸ کا حاشیہ

	سورۃ	آیت
وہ کہتا ہے کہ قرآن جادو ہے یہ جادوگری ہے	۷۴	۲۴-۲۵
اس کو دوزخ میں پھینکا جائے گا	۷۴	۲۶ تا ۲۹
کفار کے لیے شفاعت نہیں	۷۴	۴۸
کفار ان گدھوں کی طرح ہیں جو شیر کو دیکھ کر بھاگے جا رہے ہیں	۷۴	۴۹-۵۰ ۵۱
کفار ایمان لانے کے لیے شرائط پیش کرتے ہیں	۷۴	۵۲
کفار کے لیے جہنم کی آگ، طوق و سلاسل	۷۶	۴
یہ لوگ آجل نعمتوں کو پسند کرتے ہیں اور آخرت کی نعمتوں کو نظر انداز کرتے ہیں	۷۶	۲۷
سرکشوں اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا	۷۹	۳۷-۳۸ ۳۹
ناشکرا انسان ہلاک ہو گا	۸۰	۱۷
وہ اپنی تخلیق پر غور کیوں نہیں کرتے	۸۰	۱۸ تا ۲۲
صرف سرکش اور بدکار ہی قیامت اور قرآن کا انکار کرتے ہیں	۸۳	۱۱، ۱۲، ۱۳
انہیں دیدار الٰہی سے محروم کر دیا جائے گا	۸۳	۱۵
پھر انہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا	۸۳	۱۶-۱۷
جس کتاب میں کفار کے اعمال ہوں گے اسے سجین کہا جاتا ہے	۸۳	۷-۸
اہل ایمان کا مذاق اڑانا ان کا دستور ہے	۸۳	۲۹ تا ۳۱
ان کا نامہ عمل انہیں پس پشت دیا جائے گا	۸۴	۱۰
اس پر اس کا شور و غوغا	۸۴	۱۱، ۱۲، ۱۳
اصحاب الاخدود تباہ ہو گئے، ان کے لیے ابدی عذاب	۸۵	۱ تا ۷
مسلمانوں پر ان کی ناراضگی کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے	۸۵	۸-۹
کفار مکر و فریب کر رہے ہیں میں انہیں ناکام بناؤں گا	۸۶	۱۵
روز قیامت کفار کی حالت زار	۸۸	۱ تا ۷
بدبخت آگ میں جلیں گے	۹۲	۱۴، ۱۵، ۱۶
انسان جب اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے تو سرکشی کرنے لگتا ہے	۹۶	۶-۸
ابوجہل کی گستاخانہ حرکت اور اس کو تنبیہ	۹۶	۹-۱۰
اگر وہ ہدایت قبول کرتا تو کتنا اچھا ہوتا	۹۶	۱۱-۱۲
اگر وہ ان گستاخیوں سے باز نہ آیا تو ہم اس کو اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے	۹۶	۱۵ تا ۱۹
کفار و مشرکین کفر کو نہیں چھوڑیں گے کیا وہ نہیں جانتے کہ قیامت کے روز قبروں کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ اور سینے کے راز آشکار ہوں گے	۱۰۰	۹-۱۰
مال زیادہ کرنے کی ہوس نے تمہیں غافل کر دیا ہے	۱۰۱	۱ تا ۵
ہلاکت ہے طعنے دینے والوں کے لیے پس پشت عیب جوئی کرنے والوں کے لیے	۱۰۴	۱
جو مال جمع کرتا ہے اور اسے گن گن کر رکھتا ہے	۱۰۴	۲

	سورۃ	آیت
خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اُسے لافانی بنا دے گا	۱۰۴	۳
اس کے لیے حطمہ ہے حطمہ کی توضیح	۱۰۴	۴ تا ۹
کعبہ پر ابرہہ کی لشکرکشی اور ابابیل سے اس کی بیخ کنی (تفصیلات)	۱۰۵	۱ تا ۵
کفار کو بتادیا کہ نہ پہلے میں نے تمہارے بتوں کی پوجا کی نہ آئندہ کروں گا اسی طرح تم کو بھی میرے معبود برحق کی عبادت کی توفیق نصیب نہ ہوئی ہے نہ ہوگی	۱۰۹	۱ تا ۶
مشرکوں نے بتوں کے فرضی نام رکھ چھوڑے ہیں جن کی کوئی سند نہیں	۵۳	۲۳
یہ محض ظن اور ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں	۵۳	۲۳
کفار کے لیے شفاعت نہیں	۵۳	۲۶ مع حاشیہ
مشرکین فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں	۵۳	۲۷
یہ محض ظن کے پیروکار ہیں	۵۳	۲۸
اور ظن کوئی فائدہ نہیں دیتا	۵۳	۲۸
کفار کے اخلاق و اطوار	۵۳	۳۲،۳۳،۳۴
معاشیات		
تولنے میں زیادتی اور کمی کی ممانعت	۵۵	۷-۹ مع حواشی
والارض وضعها للانام سے "اشتراکیت" کا نظریہ ثابت کرنا غلط ہے	۵۵	۱۰ حاشیہ

	سورۃ	آیت
دولت کی فراوانی کبھی سرکشی و طغیان کا باعث بھی بن جاتی ہے	۵۶	۴۵
جو اموال تمہارے پاس ہیں ان میں تم اللہ کے نائب ہو	۵۷	۷
جو لوگ راہِ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں ان کے لیے اجر کبیر ہے	۵۷	۷
جو لوگ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں وہ اللہ کو قرض حسن دیتے ہیں	۵۷	۱۱
جو لوگ راہ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں ان کے لیے اجر کبیر ہے	۵۷	۱۸
دنیوی زندگی لہو و لعب ہے۔ زینت، مال اور اولاد کی کثرت پر تفاخر ہے	۵۷	۲۰
اس کی مثال	۵۷	۲۰
ما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور	۵۷	۲۰
مال فئی کی تعریف اس کے مصارف	۵۹	۶-۷ مع حواشی
مال غنیمت اسلامی اقتصادیات کا زریں اصول کہ دولت اغنیا ہی میں گھومتی نہ رہے	۵۹	۷
اسلامی بیت المال اس کے ذرائع آمدن اور مصارف تفصیلی بحث	۵۹	۷ مع حاشیہ
نماز جمعہ کے بعد کسب معاش کے لیے زمین میں پھیل جاؤ	۶۲	۱۰

	سورۃ	آیت
کسبِ معاش کو اللہ کا فضل قرار دیا	۶۲	۱۰
اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا تمہارے لیے بہتر ہے	۶۴	۱۶
بخل سے بچنے کی ترغیب	۶۴	۱۶
راہِ خدا میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ گویا اسے قرض دے رہے ہو جو کئی گنا کرکے واپس کیا جائے گا	۶۴	۱۷
جو مساکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا ایسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ کر دوزخ رسید کیا جائے گا	۶۹	۳۳، ۳۴
کسبِ رزق حلال کو جہاد کے برابر درجہ دیا گیا	۷۳	۲۰ مع حاشیہ
احتکار (ذخیرہ اندوزی) سے نفرت	۷۳	۲۰
راہِ خدا میں خرچ کرنے کا ثواب	۷۳	۲۰
دوزخی کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے	۷۴	۴۲، ۴۳، ۴۴
کم تولنے اور کم ناپنے سے سخت ممانعت اور ایسے لوگوں کے لیے تباہی کی پیشین گوئی	۸۳	۱-۲-۳
انہیں قیامت کے خوفناک دن سے ڈرنا چاہیے	۸۳	۴-۵-۶
یتیموں کی تکریم نہ کرنا، غریب کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینا، مال سے بے پناہ محبت انسان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل کردیتی ہے	۸۹	۱۷ تا ۲۰

	سورۃ	آیت
اعمالِ خیر:- غلام کو آزاد کرنا، یتیم و غریب کو کھانا کھلانا	۹۰	۱۳ تا ۱۶
سیدنا علی بیت المال کے در و دیوار سے کہتے گواہ رہنا میں نے تمہیں حق کے ساتھ بھرا اور حق کے ساتھ خالی کیا	۹۹	۴ حاشیہ
قریش کے دلوں میں تجارت کی الفت پیدا کردی۔ یوں انہیں خوشحال بنادیا	۱۰۶	۱ تا ۴
یتیموں کو دھکے دے کر نکالنا، ہمسایوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینا، استعمال کی چیزوں کو روکے رکھنا۔ یہ قیامت پر ایمان نہ ہونے کی نشانی ہے	۱۰۷	۱ تا ۷
لیس للانسان الا ما سعی۔ اس آیت سے اشتراکیوں کا غلط استدلال	۵۳	۳۹ کا حاشیہ

مومنین اور متقین

	سورۃ	آیت
باغات اور نہریں	۵۴	۵۴
اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں شرفِ باریابی اور دیگر اعزازات	۵۴	۵۵ مع حاشیہ
اولیاء اللہ کو جب فرشتے جنت کی طرف چلنے کی دعوت دیں گے تو کہیں گے کہ ہمارا مقصود تو اللہ تعالیٰ ہے	۵۴	۵۵ حاشیہ
جو اللہ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اسے دو جنتیں ملیں گی	۵۵	۴۶

	سورۃ	آیت
ان دو جنتوں کے تفصیلی حالات	۵۵	۴۸ تا ۵۹
ان کے علاوہ انہیں دو اور باغ ملیں گے ان کی تفصیل	۵۵	۶۲ تا ۷۶
اصحاب المیمنۃ (دائیں بازو والے)	۵۶	۸
اصحاب الیمین کی عزت افزائیاں	۵۶	۲۷ تا ۳۸
مقربین کی عزت افزائی	۵۶	۸۸-۸۹
اصحاب یمین پر مہربانیاں	۵۶	۹۰-۹۱
اہل ایمان جب قبروں سے اُٹھیں گے تو ان کا نور ایمان آگے اور دائیں جانب ضوفشاں ہوگا	۵۷	۱۲
کیا ابھی وہ گھڑی نہیں آئی کہ اہل ایمان کے دل ذکر الٰہی کے لیے خشوع کریں	۵۷	۱۶ مع حاشیہ
اہل کتاب کی طرح نہ ہو جاؤ کہ وقت گزرنے کے ساتھ ان کے دل سخت ہو جائیں	۵۷	۱۶
جو اللہ اور رسول پر ایمان لائے وہ صدیق و شہید ہے	۵۷	۱۹
نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو	۵۸	۹
گناہ، ظلم اور نافرمانی کے بارے میں مشورہ کی ممانعت	۵۹	۹
اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور اہل علم کے درجات کو بلند فرما دے گا	۵۸	۱۱
اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول کے مخالفین سے محبت نہیں کرتے خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہوں	۵۸	۲۲
ایسے لوگوں پر انعامات الٰہی	۵۸	۲۲
اے مومنین! اللہ سے ڈرو، کل کی فکر کرو	۵۹	۱۸
خدا فراموش نہ ہو ورنہ خود فراموش بن جاؤ گے	۵۹	۱۹
اہل جنت اور دوزخی برابر نہیں ہو سکتے	۵۹	۲۰
اللہ کے دشمنوں کو اپنا دوست مت بناؤ	۶۰	۱
ان کی میٹھی باتوں پر مت جاؤ وہ سنگدل ظالم ہیں	۶۰	۲
تمہارے رشتہ دار اور اولاد تمہیں نفع نہ پہنچائے گی	۶۰	۳
اہل ایمان و عمل کی جزا، تکفیر سیئات اور دخول جنت	۶۴	۹
ایمان سے تسلیم و رضا کی کیفیت نصیب ہوتی ہے	۶۴	۱۱
مومن اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں	۶۴	۱۳
اے اہل ایمان! کئی بیویاں اور کئی بچے تمہارے دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہو	۶۴	۱۴
مال و اولاد بڑی آزمائش ہیں	۶۴	۱۵
جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی نجات کی راہ بنا دیتا ہے اور وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے گمان نہیں ہوتا	۶۵	۲-۳
جو اللہ پر توکل کرتا ہے وہ اسے کافی ہے	۶۵	۳
جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے کام کو آسان بنا دے گا۔	۶۵	۴

	سورۃ	آیت
جو تقویٰ اختیار کرے گا اس کی برائیوں کو محو کر دیا جائے گا اور اسے بڑا اجر ملے گا	۶۵	۵
اہل ایمان ہی اہل خرد ہیں	۶۵	۱۰
جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجر کبیر ہے	۶۷	۱۲
متقین کے لیے جنت نعیم ہے	۶۸	۳۴
مسلمان اور کافر یکساں نہیں	۶۸	۳۵-۳۶
اہل ایمان کو ان کے نامہ ہائے عمل دائیں ہاتھوں میں دیے جائیں گے۔ ان کی خوشی	۶۹	۱۹ تا ۲۴
جذب الٰہی اور شیخ کامل کی توجہ کے بغیر فنائے قلب کے مقام تک رسائی ممکن نہیں	۷۰	۴ حاشیہ
شیخ کامل کی توجہ سے وہ مقام ملتا ہے جو ہزار سالہ عبادات و ریاضت سے نہیں ملتا	۷۳	۸ کا حاشیہ
ابرار کے لیے جنت کی نعمتیں	۷۶	۵-۶
ابرار کی صفات حمیدہ۔ وہ نذر پوری کرتے ہیں اور قیامت سے ڈرتے ہیں۔	۷۶	۷
اللہ کی محبت کے لیے وہ مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں	۷۶	۸-۹-۱۰
اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے شر سے بچائے گا	۷۶	۱۱
دیگر انعامات	۷۶	۱۱ تا ۲۲

	سورۃ	آیت
متقین پر عنایات	۷۸	۳۱ تا ۳۴
مدبرات امر میں وہ شامل ہیں	۷۹	۵
ان کی قبور کی زیارت کی وجہ سے زائرین کی مشکلیں حل ہوتی ہیں	۷۹	۵ کا حاشیہ
اللہ کے مقبولوں کو روز قیامت کوئی حزن نہ ہو گا	۷۹	۹ حاشیہ
جو اللہ کی جناب میں حاضر ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو سرکشی سے روکتا رہا اس کا مقام جنت ہے	۷۹	۴۰-۴۱
ہوائے نفس سے بچنے کا طریقہ۔ شیخ کامل کا دامن مضبوطی سے پکڑے۔	۷۹	۴۰ کا حاشیہ
جس کتاب میں ابرار کے اعمال محفوظ ہیں اس کا نام علیین ہے	۸۳	۱۸-۱۹-۲۰
علیین کی مزید تحقیق	۸۳	حاشیہ آیت والا
ابرار پر مزید عنایات	۸۳	۲۲ تا ۲۸
ان کو نامہ عمل دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ خوشی خوشی واپس لوٹیں گے	۸۴	۷-۸-۹
اہل ایمان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے	۸۴	۲۵
جو تزکیہ نفس کرتا ہے۔ اپنے رب کا ذکر کرتا ہے۔ نماز ادا کرتا ہے۔ وہ کامیاب ہو گا	۸۷	۱۴-۱۵
اہل ایمان کے شگفتہ چہرے اور دیگر بے شمار انعامات	۸۸	۸ تا ۱۶
نفس مطمئنہ کو بشارتیں (ارجعی الی ربک)	۸۹	۲۷-۲۸-۲۹-۳۰
متقی اور سخی آگ سے بچ جائیں گے	۹۲	۱۷ تا ۲۰

	سُورۃ	آیت
حضرت غوث اعظم کا ارشاد وقدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللّٰہ	۹۳	۱۱ حاشیہ
ایمان والوں کے لیے اجر غیر ممنون ہے	۹۵	۶ مع حاشیہ
اہلِ ایمان خیر البریہ ہیں انہیں جنت ملے گی	۹۸	۷-۸
اللّٰہ ان سے راضی اور وہ اللّٰہ سے راضی	۹۸	۸
یہ سعادت اُسے ملتی ہے جو اللّٰہ سے ڈرتا ہے	۹۸	۸
مُرشد کامل کی توجہ سے مُریدوں کے فطری نقائص اور خامیاں بھی دُور ہو جاتی ہیں	۱۱۰	۳ کا حاشیہ

مُنافقین

	سُورۃ	آیت
روزِ قیامت منافق کہیں گے۔ اے اہلِ ایمان، ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلو تاکہ تمہارے نورِ ایمان میں ہم بھی یہ فاصلہ طے کریں۔ ان کا جواب	۵۷	۱۳
منافق پکاریں گے کیا دُنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے مسلمانوں کا جواب	۵۷	۱۴
آج ان سے اور کفار سے کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا	۵۷	۱۵
مُنافقین گناہ، ظلم اور رسُول کی نافرمانی کے لیے سرگوشیاں کرتے ہیں حالانکہ انہیں روکا گیا ہے	۵۸	۷
منافقین کی دلی ہمدردیاں کفّار کے ساتھ ہیں	۵۸	۱۴ حاشیہ
وُہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں	۵۸	۱۴
ان کے لیے شدید عذاب تیار ہے	۵۸	۱۵
اُنہوں نے قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اس طرح وُہ لوگوں کو اسلام سے روکتے ہیں	۵۸	۱۶
ان کے مال اور ان کی اولاد اُنہیں عذابِ الٰہی سے بچا نہ سکے گی	۵۸	۱۷
یہ قیامت کے دن بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے	۵۸	۱۸
شیطان نے ان پر تسلط جما رکھا ہے اور یادِ خُدا سے اُنہیں غافل کر دیا ہے	۵۸	۱۹
یہی لوگ حزب الشیطان ہیں	۵۸	۱۹
منافقین نے بنی نضیر کو کہلا بھیجا کہ وُہ ہرگز مدینہ نہ چھوڑیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں تمہارے ساتھ مریں گے اکٹھے یہاں سے نکلیں گے	۵۹	۱۱
وُہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ وُہ پرلے درجے کے جھوٹے اور بزدل ہیں	۵۹	۱۲
منافقین اور یہود کی مثال ایسی ہے جیسے شیطان اور انسان	۵۹	۱۶-۱۷
منافق زبانی حضُور کی رسالت کی گواہی دیتے۔ اللّٰہ تعالیٰ ان کی تکذیب فرماتا ہے	۶۳	۱
اپنی قسموں کو اُنہوں نے ڈھال بنا رکھا ہے	۶۳	۲
ان کے کرتوتوں کے باعث ان کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی	۶۳	۳
ان کے ظاہر خوشنما، باتیں بڑی دلچسپ۔ لیکن خود بے کار	۶۳	۴

	سُورۃ	آیت
پہلے درجے کے بُزدل	۶۳	۴
یہ دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہیے	۶۳	۴
طلبِ مغفرت کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے سے انکار	۶۳	۵
جو تیری بارگاہ میں حاضر نہ ہوگا اُس کو بخشا نہیں جائے گا	۶۳	۶
عبداللہ بن اُبی کا کہنا کہ مسلمانوں کی روٹی اور چندہ بند کردو۔ یہ خود ہی تتر بتر ہوجائیں گے	۶۳	۷ حاشیہ
منافقین بے سمجھ ہیں	۶۳	۷
منافق کہتے ہیں مدینہ جاکر عزّت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ اس کا رد	۶۳	۸

نواہی

	سُورۃ	آیت
اپنی خودستائی مت کرو	۵۳	۳۲
تولنے میں زیادتی مت کرو	۵۵	۸
کم مت تولو	۵۵	۹
گناہ، ظلم اور رسُول کی نافرمانی کے بارے میں خفیہ مشوروں کی ممانعت	۵۸	۹
اللہ کے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ	۶۰	۱
اَے ایمان والو جن پر اللہ ناراض ہے انھیں دوست نہ بناؤ	۶۰	۱۳
تمھیں اموال و اولاد ذکرِ الٰہی سے غافل نہ کردیں۔	۶۳	۹

سرٹیفکیٹ

میں نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اور امعان نظر سے پڑھا ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

ابو الفیض محمد عبدالکریم
خطیب جامع مسجد خانقاہ ڈوگراں
ضلع شیخوپورہ

ابوالفیض محمد عبدالکریم
ابدالوی چشتی

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف سُورۃ النجم

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام النجم ہے جو اس کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں تین رکوع باسٹھ آیتیں، ۳۶۰ کلمے اور ۱۴۰۵ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: حضرات حسن بصری، عکرمہ، عطاء، جابر اور دیگر علماء کے نزدیک یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے مدنی ہونے کا قول محض غلط ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے ہی اول سورۃ اعلنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ۔ یعنی یہ پہلی سورۃ ہے جس کو حضور نے مکہ مکرمہ میں علانیہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔ جب آخری آیت کی تلاوت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ ریز ہوئے تو سامعین پر محویت کا ایسا عالم طاری تھا کہ مومن اور مشرک سب کے سب سجدے میں گر گئے۔ ان لوگوں میں وہ کافر بھی تھے جو قرآن سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے لیکن جب حضور نے حرم شریف میں اس کی تلاوت شروع کی تو اس کے اسلوب بلیغ نے ان کو یوں وارفتہ کر دیا کہ مخالفت کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور وہ اس کو سننے میں محو ہو گئے۔

سورۂ والنجم کے سالِ نزول کے بارے میں بعض مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ یہ سورت نبوت کے پانچویں سال ماہ رمضان میں نازل ہوئی اسکی دلیل انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ یہ سورۃ جب نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف میں مجمع عام میں اسکی تلاوت فرمائی اور جب اس کی آخری آیت تلاوت کی فاسجدوا للہ واعبدوا تو حضور نے بھی سجدہ کیا اور اس محفل میں مسلمان اور کافر جتنے حاضرین تھے سب سربسجود ہو گئے۔ اس سے یہ بات عام ہو گئی کہ تمام اہل مکہ مشرف با سلام ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ افواہ حبشہ میں ہجرت کر کے جانے والے مسلمانوں تک بھی جا پہنچی جو ماہ رجب میں ہجرت کر کے وہاں پہنچے تھے ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ ان میں سے بعض تو حبشہ میں ہی سکونت پذیر رہے لیکن بعض نے فیصلہ کیا کہ جب اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں تو ظلم و ستم کا وہ دور ختم ہو گیا ہو گا، اس لیے جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے کے بجائے ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے وطن واپس چلے جائیں چنانچہ وہ ماہ شوال میں مکہ پہنچے لیکن یہاں وہی کفر و شرک کی ظلمت چھائی ہوئی تھی اور مسلمانوں پر حسب سابق ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ اب ان لوگوں کے لیے اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ وہ مکہ میں سے کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوں یا اس طرح چوری چھپے اپنے شہر میں داخل ہوں کہ کسی کافر کو ان کی واپسی کی خبر تک نہ ہو اس واقعہ سے ان مصنفین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ نبوت کے پانچویں سال ماہ شوال سے پہلے نازل ہو چکی تھی چنانچہ انہوں نے ماہ رمضان کو اس کے نزول کا مہینہ متعین کیا ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ استدلال کئی وجوہ سے ناقابل تسلیم ہے۔

اس سورت کے مضامین اس قول کی تردید کرتے ہیں کہ اس کا نزول بعثت کے پانچویں سال میں ہوا کیونکہ اس کی ابتدائی آیات میں معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے خصوصاً عند سدرۃ المنتہیٰ عندہا جنۃ الماویٰ یہ دو آیتیں اس امر کی دلالت

کرتے ہیں کہ اس سورت کے ابتدائی حصہ میں ان احوال کا بیان ہے جو سفرِ معراج میں پیش آئے کیونکہ بلا اختلاف الروایات وہاں جبرئیل امین کا دیدار ہوا ہو یا رویتِ باری کا شرف حاصل ہوا ہو یہ رویت بہر حال سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر ہوئی اور سدرۃ المنتہیٰ پر حضور کی معراج کی رات میں تشریف آوری ہوئی ہے اس سے پہلے نہیں ہوئی اور معراج کے بارے میں محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال یا ڈیڑھ سال قبل وقوع پذیر ہوا اس لیے وہ سورت جس میں ایسا واقعہ مذکور ہے جو نبوت کے دسویں یا گیارھویں سال رونما ہوا۔ اس سورت کا نزول نبوت کے پانچویں سال کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ جو اس قول کی تردید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت کی شہرہ آفاق کتاب میں مہاجرینِ حبشہ کے حالات بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حتیٰ کہ تمام مہاجرین کے اسماء اور ان کے قبائل کے نام بھی بالترتیب درج کیے ہیں وہ آخر میں لکھتے ہیں: ذکر طلع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الذین خرجوا الی ارض الحبشۃ اسلام اھل مکۃ فاقبلوا لما بلغھم من ذلک حتی اذا دنوا من مکۃ بلغھم ان ما کانوا تحدثوا بہ من اسلام اھل مکۃ کان باطلا۔ (سیرت ابن ہشام صہ ۳۸۰ ج ۱)

یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ اصحاب جو سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے انہیں یہ اطلاع ملی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر وہ واپس لوٹے لیکن جب وہ مکہ کے نزدیک پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع جھوٹی تھی۔ اس روایت میں نہ تو علامہ مذکور نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضور نے سورۃ النجم کی تلاوت کی اور اسے سن کر تمام کفار نے سجدہ کیا اس وجہ سے یہ افواہ مہاجرین حبشہ کو ملی تھی اور نہ انہوں نے مہاجرین کی واپسی کے لیے نبوت کے پانچویں سال کے ماہ شوال کو متعین کیا ہے۔ اگر یہ روایت قابلِ اعتنا ہوتی تو علامہ مذکور نے جنہوں نے تمام تفصیلات کا احاطہ کیا تھا ان دونوں چیزوں کا تذکرہ بھی ضرور کرتے۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے ہجرتِ حبشہ کا مفصل حال نقل کیا ہے۔ اس میں بھی واپسی کے بارے میں سورۃ النجم کے نزول کا کوئی ذکر نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب سورۃ النجم نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف کے صحن میں ایک مجمع عام کے سامنے اس کی تلاوت کی اور آیتِ سجدہ کی تلاوت کے بعد حضور نے خود بھی سجدہ کیا اور تمام حاضرین نے جن میں مسلمان کافر جن و انس سب شامل تھے۔ اس روایت میں نہ حبشہ کے مہاجرین کی واپسی کا ذکر ہے اور نہ پانچویں سال کا تذکرہ ہے۔

امام مسلم، ابوداؤد، نسائی اور دیگر مستند محدثین نے اسی طرح کی روایات نقل کی ہیں۔ وہ روایت جس میں سورۃ النجم کی تلاوت اور تمام حاضرین کے سربسجود ہونے کے ساتھ ساتھ نبوی میں مہاجرین حبشہ کی واپسی کا بھی تذکرہ ہے اس میں تلک الغرانیق العلی والے من گھڑت اور بے ہودہ قصے کا بیان بھی ہے جس کی علماء محققین نے شدت سے تکذیب بھی کی ہے اور عقلی و نقلی دلائل سے اس کی تردید بھی کی ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے سورۃ حج کی آیت ۵۲ کا حاشیہ ضیاء القرآن جلد سوم صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۷۔

اس لیے وہ روایت عقلاً اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے سورۃ النجم کے نزول کے لیے نبوت کا پانچواں سال متعین کیا جائے۔ بیشک حبشہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں لیکن اس کی وجہ یہ نہ تھی جو اس روایت میں بیان کی گئی ہے بلکہ اس کا باعث یہ امر تھا کہ اہل مکہ سے ذرا تنگی کے بعد دو ایسی ہستیاں مشرف باسلام ہو گئی تھیں جن کی قوت و شجاعت اور ہیبت سے سارا کفر خائف اور ترساں رہتا تھا یعنی

حضرت سیدنا حمزہ اور حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے مشرف باسلام ہونے سے مسلمانوں کی بے بسی اور بیکسی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اب وہ کھلے بندوں حرم کعبہ میں عبادت کیا کرتے اور با جماعت نماز ادا کرتے۔ اس خوش کن تبدیلی کے باعث یہ افواہ گرد و نواح کے قبائل میں پھیل گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں اور یہ افواہ حبشہ کے مہاجرین نے بھی سنی نیز حبشہ میں بھی خانہ جنگی کے شعلے بھڑکنے لگے تھے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے خلاف آئے روز بغاوتیں شروع ہو گئی تھیں۔ ان وجوہات کے باعث مسلمانوں نے مکہ واپس آنے کا عزم کیا لیکن جب وہ مکہ پہنچے تو یہاں حالات ان کی توقعات کے بالکل برعکس تھے اس لیے ان میں سے جو یہاں کسی کی پناہ لے کر آرام کی زندگی بسر کر سکتے تھے وہ وہیں رک گئے اور اکثر حبشہ واپس چلے گئے۔ شیخ محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت کی کتاب خاتم النبیین میں اس افواہ کی ایک اور وجہ بھی تحریر کی ہے جو قرین قیاس ہے کہ عمرو بن عاص جب نجاشی کو اس بات پر برانگیختہ کرنے میں ناکام رہا کہ وہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکل جانے کا حکم دے تو انہیں اپنی یہ ناکامی بہت گراں گزری۔ انہوں نے یہ چال چلی کہ اس خبر کو حبشہ میں اپنے کارندوں کے ذریعے مشہور کر دیا کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح مسلمان خود بخود اپنے وطن واپس چلے آئیں گے اور ہم ان کو دبوچ لیں گے اور ظلم و ستم سے جس طرح چاہیں گے اس کا بھرکس نکال دیں گے۔

بہرحال اس افواہ کے مشہور ہونے کی کوئی اور وجہ تو ہو سکتی ہے لیکن یہ وجہ ہرگز نہیں ہو سکتی جو اس روایت پر اعتماد کرنے والے مصنفین نے ذکر کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مضامین: اس سورت میں سب سے پہلے ان الزامات کی تردید کی گئی ہے جو کفار حضور عالم پر عائد کیا کرتے تھے کبھی کہتے یہ راہ راست سے بھٹک گئے ہیں بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں اپنی ساری قوم کی تکذیب کرتے ہیں اور جو کلام پڑھ کر سناتے ہیں اسے خود گھڑ کر لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ پہلی آیتوں میں قسم اٹھا کر ان الزامات کی تردید فرما دی۔ ما ضل صاحبکم وما غوی... الخ۔ ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ نہ یہ خود ان آیتوں کو گھڑتے ہیں اور نہ سنی سنائی باتیں کرتے ہیں بلکہ جو ذات انہیں یہ کلام بلاغت نظام سکھاتی ہے اسکا انہوں نے دیدار بھی کیا ہے۔ بات تنہا سنی نہیں بلکہ دید تک جا پہنچی ہے اسلئے کفار کا اس کلام کے بارے میں شک و شبہ کرنا سراسر حماقت ہے اس کے بعد کفار کو خطاب فرمایا کہ جن خداؤں کی تم پوجا کرتے ہو ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ ان کی حقانیت ثابت کرنے کیلئے نہ تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی دلیل ہے۔ تم اپنے نفس کی خواہشات کے اس قدر مغلوب ہو کہ تمہارا نفس جو کہتا ہے اسی کو حق یقین کر لیتے ہو تم نے کبھی ان باتوں میں بچاؤ کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی کہ تم خود سوچ لو کیا تمہارے خدا اس قابل ہیں کہ ان کی پرستش کی جائے؟ تمہارے سامنے ہے حق باطل بن جائے گا اور تمہارا انکار سے حق مٹ جائے گا تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم نفس کی اندھی پیروی کو ترک کر دو اور حقیقت شناس بن کر حق کے رخ زیبا کو دیکھو اور پہچانو۔

اسکے باوجود کفار اپنے آپ کو ہدایت یافتہ یقین کئے ہوئے تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ جو لوگ ان کے راستے سے ہٹ گئے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو بہتر جانتا ہے کہ کون کس حال میں ہے؟ کون گم کردہ راہ ہے؟ اور کس کے دل کو نور ہدایت سے منور کر دیا گیا ہے؟

بعد ازاں چند ایسے احکام کا ذکر کیا جو قرآن کریم کے نزول سے ہزاروں سال پہلے نازل ہونے والے صحیفوں میں مندرج تھے جو حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئے تاکہ اہل مکہ جنہیں ابراہیمی نسبت پر بڑا فخر و ناز ہے انہیں معلوم ہو جائے کہ نبی کریم کوئی نیا دین اور زندگی کے لئے کوئی نظام لے کر نہیں آئے بلکہ سابقہ انبیاء کی دعوت دے رہے ہیں جن کی دعوت پہلے انبیاء دیتے رہے ہیں بالخصوص حضرت ابراہیم خلیل اللہ جن کی تم اولاد ہو جن کے تعمیر کردہ کعبہ کی مجاوری کے باعث تم حال بنتے ہو اور لوگ فرط عقیدت سے تمہاری راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں۔

آخر میں بطور نتیجہ فرمادیا کہ ان سچائیوں کا انکار کرنے والے تم پہلے لوگ نہیں ہو تم سے پیشتر بھی کئی بدنصیب قوموں نے ان کو ماننے سے انکار
کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تباہ کر دی گئیں۔ اگر تمہارا بھی یہی وتیرہ رہا تو سن لو اس کا نتیجہ بھی مختلف نہ ہوگا۔ اس نصیحت پر اس سورت کا اختتام ہوتا ہے
کہ اے منکرینِ رسالت! کلام الٰہی سن کر تم غرور و نخوت سے اکڑتے ہوئے بڑی بے پرواہی سے گزر جاتے ہو۔ یہ مہلت کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں۔ سمجھ
داری کرو۔ ورنہ تمہارا کچھ حال نہ ہوگا تمہاری نجات اسی میں ہے کہ تمام معبودانِ باطل سے رشتہ توڑ کر اپنے حقیقی خالق و حقیقی معبود کی عبادت میں مصروف ہو جاؤ

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | وَسِتُّوْنَ اٰيَةً وَثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ النجم مکی ہے اس میں | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ | ۶۲ آیات اور تین رکوع ہیں

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

قسم ہے اس روشن ستارے کی جب وہ نیچے اترے۔ نہیں بھٹکا تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی (منزل حق سے) بھٹکا اور نہ بہکا ۲ اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی

۱۔ آیت کے الفاظ کا مفہوم پہلے ذہن نشین کر لیجیے۔ النجم، مطلق ستارہ کو بھی کہتے ہیں اور النجم ذکر کر کے اس سے ثریا (پروین) مراد لینا بھی اہل عرب میں عام مروج ہے۔ یہاں دونوں معنی لیے جا سکتے ہیں۔ هَوٰی، یہ مادہ دو بابوں میں مستعمل ہوتا ہے باب علم یعلم: هَوِیَ یَهْوٰی۔ اس وقت اس کا معنی محبت کرنا ہوتا ہے۔ هَوًا و اَحَبَّهٗ۔ دوسرا باب ضرب یضرب۔ هَوٰی یَهْوِیْ جیسے یہاں مذکور ہے۔ اس صورت میں یہ دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے نیچے گرنا اور بلند ہونا۔ چنانچہ هوی الشیئ اسقط من علو الی اسفل۔ ارتفع وصعد۔ جب کوئی چیز اوپر سے نیچے گرے تب بھی کہتے ہیں هوی الشیئ اور جب کوئی چیز نیچے سے بلندی کی طرف جائے اس وقت بھی کہتے ہیں هوی الشیئ البتہ مصدر دونوں حالتوں میں الگ الگ ہوگا۔ نیچے گرنے کے معنی میں ہو تو کہیں گے هَوٰی یَهْوِیْ هُوِیًّا اور بلند ہونے کے معنی میں ہو تو کہیں گے هَوٰی یَهْوِیْ هَوِیًّا۔

ستارہ رات کے اندھیرے میں روشنی بھی بہم پہنچاتا ہے۔ فضا کو بھی اپنی تابانی سے حسن و زینت بخشتا ہے۔ لق و دق صحرا میں مسافر ستاروں ہی سے اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ ستارہ جب آسمان کے وسط میں ہو تو اس وقت وہ راہنمائی نہیں کر سکتا اس لیے صرف النجم کی قسم نہیں اٹھائی بلکہ اس کی خاص حالت کی جب وہ طلوع ہو رہا ہو یا ڈھل رہا ہو کیونکہ رہنمائی کا فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے هو النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وهويه نزوله من السماء ليلة المعراج وجوّز على هذا ان يراد بهويه صعوده عليه الصلوٰة والسلام الى منقطع الاين۔ (روح المعانی)

یعنی النجم سے مراد ذات پاک مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء ہے۔ اِذَا هَوٰی سے مراد حضور کا شب معراج آسمان سے واپس زمین پر نزول فرمانا ہے۔ اس کے بعد آلوسی فرماتے ہیں کہ اذا هوٰی سے یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ حضور کا شب معراج وہاں تک عروج کرنا جہاں مکان کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں۔

قرآن کریم کی وہ مقدار جو یکمرتبہ نازل ہوا اس کو بھی نجم کہتے ہیں۔ بعض علماء نے یہاں النجم سے بھی قرآن کریم کا نازل شدہ حصہ مراد لیا ہے۔ قیل اراد به القرآن المنجم المنزل قدرا فقدرا۔

یہاں النجم مقسم بہ ہے۔ اس کا جو معنی لیا جائے وہاں خاص مناسبت پائی جاتی ہے جو اہل نظر پر عیاں ہے۔

۲۔ یہ جواب قسم ہے۔ آیت کے کلمات کی تحقیق پہلے سماعت فرمائیے۔ آیت میں صاحبکم سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۝۴ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ

خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے۔ بڑے دانا نے

کی ذات بابرکات ہے۔ صاحب کا معنی سید اور مالک بھی ہے کہتے ہیں صاحب البیت، گھر کا مالک اور اس کا معنی ساتھی اور رفیق بھی ہے لیکن صرف ایسے ساتھی کو صاحب کہا جاتا ہے جس کی رفاقت اور سنگت کثیر ہو۔ لا یقال الا لمن کثرت ملازمتہ (مفردات)۔ علامہ راغب ضلال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الضلال العدول عن الطریق المستقیم ویضادہ الھدایۃ ویقال الضلال لکل عدول عن المنھج عمدا کان او سھوا یسیرا کان او کثیرا (مفردات) سیدھے راستے سے روگردانی کو ضلال کہتے ہیں۔ اس کی ضد ہدایت ہے بعض نے مزید تشریح کی ہے کہ راستہ سے روگردانی دانستہ ہو یا بھول کر، ہو تھوڑی ہو یا زیادہ ہو اس کو ضلال کہتے ہیں اور فاضل موصوف غوی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الغی جھل من اعتقاد فاسد (مفردات) یعنی وہ جہالت جو باطل عقیدہ کی وجہ سے ہو۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں: الغوایۃ ھی الخطاء فی الاعتقاد خاصۃ والضلال اعم منھا یتناول الخطاء فی الاقوال والافعال والاخلاق والعقائد (روح البیان) عقیدہ کی غلطی کو غوایۃ کہتے ہیں اور ضلال عام ہے۔ یہ اقوال، افعال، اخلاق اور عقائد کی غلطی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب توحید کی دعوت کا آغاز کیا اور اہل مکہ کو کفر و شرک سے باز آنے کی تبلیغ شروع کی تو اہل مکہ نے کہنا شروع کیا کہ آپ گمراہ ہو گئے ہیں، اپنی قوم کا راستہ چھوڑ دیا ہے ان کا عقیدہ بگڑ گیا ہے۔ خالق کائنات نے ان کے اس الزام کی پہلے قسم کھائی پھر ان کے الزام کی تردید کی۔ فرمایا ان کے قول، عمل اور کردار میں گمراہی کا نام و نشان تک نہیں۔ ان کے عقیدہ میں کوئی غلطی اور کجی نہیں اور اے اہل مکہ! ذرا اپنے حبیب کی کتاب حیات کھول کر ان کے سامنے رکھ دی کہ یقین کوئی ایسی بات ہے جو دیانت و غیرت سے اگر چالیس سال خاموش ہو گئے ہیں اور اب نبوت کا دعویٰ شروع کر دیا ہے۔ تم ان کے ماضی سے ان کے خاندانی پس منظر سے ان کے اطوار و احوال سے اور سیرت و کردار سے اچھی طرح واقف ہو۔ ان کا بچپن تمہارے سامنے گزرا۔ ان کا عہد شباب اسی ماحول میں اور تمہارے اسی شہر میں بسر ہوا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ اور تمہارے سامنے کاروبار بھی کیا ہے۔ سماجی، قومی اور ملکی مسائل میں ان کی فراست کے تم چشم دید گواہ ہو۔ ان کی کتاب زیست کا کون سا باب ہے جو تم سے پوشیدہ ہے کون سا ورق ہے جو تم سے مخفی ہے جب ان کی ساری زندگی شبنم کی طرح پاکیزہ، پھول کی طرح شگفتہ اور آفتاب کی طرح بے داغ ہے تو تمہیں ان پر ضلالت و غوایت کے الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ کتنا دلنشین اور کتنا مدلل انداز بیان ہے۔

نیز اس آیت سے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ اس آیت میں ضال کا معنی گمراہ نہیں بلکہ کسی کی محبت میں سرگرداں اور حیران ہونا ہے جو اس لفظ کا دوسرا معنی ہے۔ تحقیق سورۃ والضحیٰ میں ملاحظہ فرمائیے۔

۳۔ پہلی آیت کی مزید تاکید کی جا رہی ہے یعنی کوئی غلط راستہ اختیار کرنا یا کسی باطل عقیدہ کو اپنانا تو بڑی دور کی بات ہے ان کا تو یہ عالم ہے کہ خواہش نفس سے لبوں کو جنبش بھی نہیں دیتے ان کی زبان پر کوئی ایسی بات آتی ہی نہیں جس کا محرک ان کی ذاتی خواہشات ہوں۔

۴۔ ھو کا مرجع قرآن کریم ہے۔ یہ آیت ایک سوال کا جواب ہے۔ جب وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں تو پھر جو کلام یہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں وہ کیا ہے؟ اس کا جواب دیا یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اور جیسے وحی نازل ہوتی ہے ایسے وہ اسی

طرح لوگوں کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں۔ اس میں سر مو تغیر و تبدل ناممکن ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ نطق کا مرجع صرف قرآن کریم نہیں بلکہ قرآن کریم اور جو بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان فیض ترجمان سے نکلتی ہے وہ سب وحی ہے۔ وحی کی دو قسمیں ہیں: جس کے معانی اور کلمات سب منزل من اللہ ہوں اسے وحی جلی کہتے ہیں جو قرآن کریم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور جس کے معانی کا نزول تو من جانب اللہ ہو لیکن ان کو الفاظ کا جامہ حضور نے خود پہنایا ہو اسے وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے جیسے احادیث طیبہ۔ بعض علماء نے ان آیات کے پیش نظر حضور کے اجتہاد کا انکار کیا ہے یعنی حضور کوئی بات اپنے اجتہاد سے نہیں کرتے۔ بلکہ جو ارشاد ہوتا ہے وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے لیکن جمہور فقہاء نے حضور کے اجتہاد کو تسلیم کیا ہے اور ساتھ ہی تصریح کر دی ہے کہ یہ اجتہاد بھی باذن اللہ ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود ہی اس اجتہاد کی پاسبانی کرتا ہے۔ حضور جو بات بطور اجتہاد فرماتے ہیں وہ بھی منشاء خداوندی ہوا کرتی ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ان اللہ اذا سوغ له علیه الصلوٰۃ والسلام الاجتھاد کان الاجتھاد وما یسند الیه وحیا لا نطقا عن الھوی۔ (روح المعانی)

کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا یہ واقعہ منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں میرا یہ دستور تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتا وہ لکھ لیا کرتا۔ قریش کے بعض احباب نے مجھے اس سے منع کیا اور کہنے لگے کہ تم حضور کا ہر قول لکھ لیا کرتے ہو۔ حالانکہ حضور انسان ہیں کبھی غصے میں بھی کوئی بات فرما دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے لکھنا بند کر دیا۔ بعد میں اس کا ذکر بارگاہ رسالت میں ہوا اور میں نے سلسلہ کتابت بند کرنے کی وجہ بیان کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا خَرَجَ مِنِّي اِلَّا الْحَقُّ۔ اے عبداللہ! تم میری ہر بات کو لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی۔ اس مسئلہ پر مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمائیے فقیر کی تصنیف سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

ف اس آیت سے لے کر لقد رای من آیات ربه الکبری تک کی تفسیر میں علمائے کرام میں اختلاف ہے۔ ایسی روایات موجود نہیں جن سے صراحۃً پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہ میں بھی ان آیات کے بارے میں اختلاف موجود تھا جہاں تک آیات کی نصوص کا تعلق ہے ان سے دونوں مفہوم اخذ کیے جا سکتے ہیں اور کوئی ایسی حدیث مرفوع بھی موجود نہیں جو ان آیات کے مفہوم کو متعین کر دے اور نہ ایسے ارشاد نبوی کی موجودگی میں ایسا اختلاف سرے سے رونما ہی نہ ہوتا۔ اسی طرح بعد میں آنے والے علمائے کرام ان آیات کے بارے میں دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ اپنی دیانتدارانہ تحقیق کی روشنی میں ہر ایک یہ حق تو رکھتا ہے کہ ان دو اقوال میں سے کوئی ایک قول اختیار کر لیں لیکن کسی کو یہ حق ہرگز نہیں کہ دوسرے قول کے قائلین کے بارے میں کسی بدگمانی کا شکار ہوں۔

یہ فقیر پہلے عام مفسرین کی رائے کے مطابق ان آیات کی تشریح پیش کرے گا اور اس کے بعد دوسرے مکتب فکر کی تحقیق پیش کی جائے گی۔ قارئین کرام اس کے بعد خود فیصلہ کر لیں کہ کس فریق کا قول زیادہ قرین صواب ہے۔

عام مفسرین کے نزدیک شدید القوی سے مراد حضرت جبرئیل ہیں یعنی جبرئیل امین نے حضور کو قرآن کریم سکھایا۔ جبرئیل کے شدید القوی ہونے میں کسی کو کیسے شک ہو سکتا ہے جو چشم زدن میں سدرۃ المنتہیٰ سے فرش زمین پر پہنچ جاتے ہیں جو وحی کے بار گراں کا متحمل ہو، جس نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھیڑا، پھر انہیں آسمان کی بلندیوں تک اٹھایا، پھر انہیں اوندھا کر کے پھینک دیا، ایسی ہستی کی قوت و طاقت کا کیا کہنا

فَاسْتَوٰى ۝٦ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝٧ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝٨ فَكَانَ قَابَ

پھر اس نے (بلندیوں کا) قصد کیا[۸] اور وہ سب سے اونچے کنارہ پر تھا[۹] پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا[۱۰] یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر یا

[۶] مِرَّۃ، اصل میں رسی کو بٹنے اور بل دے کر پختہ اور مضبوط بنانے کو کہتے ہیں۔ اصلہا من شدۃ فتل الحبل (قرطبی) اسی لیے ذو مرۃ کا معنی ذو قوۃ یعنی طاقتور اور زور آور کیا گیا ہے۔ یہ لفظ جسمانی اور ذہنی دونوں قوتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے حکیم اور دانا کو بھی ذو مرۃ کہتے ہیں۔ وقال قطرب، تقول العرب لکل جزل الرای حصیف العقل ذو مرۃ (قرطبی)

شدید القوٰی سے حضرت جبرئیل کی جسمانی قوتوں کا بیان ہے اور ذو مرۃ سے ان کی دانشمندی اور عقلمندی کا ذکر ہے۔ جن کی وساطت سے تمام انبیائے کرام کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی بے کم و کاست نازل ہوتی رہی اور پوری دیانتداری سے اس امانت کو ادا کرتے رہے اس کی دانشمندی اور فرزانگی کے بارے میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔

[۸] فاستوٰی کا فاعل بھی جبرئیل امین ہیں۔ مطلب یہ ہے فاستقام علی صورتہ الحقیقیۃ التی خلقہ اللہ تعالیٰ علیہا۔ یعنی جبرئیل امین اپنی حقیقی شکل میں نمودار ہوئے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو کر پیش ہوں۔ اوائل نبوت کا زمانہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار حرا کے باہر تشریف فرما ہیں مشرقی افق پر جبرئیل اپنے چھ سو پروں سمیت نمودار ہوئے۔ آپ کے وجود سے آسمان کے شرقی غربی کنارے بھر گئے۔ علماء کرام کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے چھ سو پروں سے صرف دو پر ہی پھیلائے تھے۔ انبیائے کرام میں سے صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہی جبرئیل کو اپنی اصلی شکل میں دیکھا۔

فاستوٰی کا ایک اور مطلب بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ای فاستوی القرآن فی صدرہ۔ یعنی جو قرآن جبرئیل نے آپ کو سکھایا وہ آپ کے سینہ مبارک میں قرار پکڑ گیا۔ اب اس کے بھول جانے کا کوئی امکان نہیں۔

[۹] ھُوَ کا مرجع بھی جبرئیل امین ہیں۔ اَلْاُفُق اس کنارے کو کہتے ہیں جہاں آسمان و زمین آپس میں ملتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اَلْاَعْلٰی، بلند تریں۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جبرئیل آسمان کے شرقی کنارے پر جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوئے۔

[۱۰] دَنٰی اور تَدَلّٰی دونوں فعلوں کا فاعل بھی جبرئیل امین ہیں۔ دَنٰی کا معنی ہے قریب ہونا اور تَدَلّٰی کا معنی کسی بلند چیز کا نیچے کی طرف اس طرح لٹکنا کہ اس کا تعلق اپنی اصلی جگہ سے بھی قائم رہے۔ جب ڈول کو کنوئیں میں لٹکایا جائے اور اس کی رسی لٹکانے والے نے پکڑ رکھی ہو تو کہتے ہیں اَدْلٰی دَلْوَہٗ۔ اسی طرح پھلوں کے وہ گچھے جو شاخوں سے لٹک رہے ہوتے ہیں ان کو بھی دوالی کہتے ہیں۔ الدوالی، التمر المعلق کعناقید العنب۔ جو شخص پلنگ پر بیٹھا ہو اور اپنی ٹانگیں لٹکائے ہو اس کے بارے میں بھی کہتے ہیں، دَلّٰی رِجْلَیْہِ مِنَ السَّرِیْرِ۔ (روح المعانی)

علامہ قرطبی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اصل التدلی، النزول الی الشیء حتی یقرب منہ۔ اس صورت میں آیت

قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝٩ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝١٠ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ

اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا ۱۰ پس وحی کی اللہ نے اپنے محبوب بندے کی طرف جو وحی کی ۱۱ نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا

مَا رَاٰى ۝١١ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝١٢ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝١٣

چشم مصطفیٰ نے ۱۲ تو کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا ۱۳ اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا ۱۴

کا مفہوم ہو گا کہ جبرئیل جو اپنی اصلی شکل میں اپنے چھ سو پروں سمیت شرقی افق پر نمودار ہوتے تھے، وہ حضور کے نزدیک آئے اور افق کی بلندیوں سے نزول کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بالکل قریب ہو گئے۔

۱۰ جبرئیل امین، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کس قدر قریب ہو گئے اس کو اس آیت میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ قاب کا معنی مقدار اور اندازہ ہے۔ قوسین، قوس (کمان) کا تثنیہ ہے۔ نہایت قرب کو بیان کرنے کے لیے اہل عرب یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ دو قبیلوں کے سردار جب اپنی باہمی دوستی کا اعلان کرنا چاہتے تو وہ اپنی اپنی کمانوں کو ملا دیتے کھینچا شدہ کمانوں میں ایک تیر رکھ کر دونوں سردار اس کو چھوڑتے۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہوتا کہ یہ دونوں سردار متحد و متفق ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی کسی نے حملہ کیا یا زیادتی کی تو دونوں مل کر اس کے مقابلے میں سینہ سپر ہوں گے۔

بعد میں یہ الفاظ کامل یگانگت اور اتحاد کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیے جانے لگے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جبرئیل، رسول کریم کے بالکل نزدیک آ گئے جس طرح دو ملی ہوئی کمانیں ایک دوسرے کے نزدیک ہوتی ہیں۔ اَوْ اَدْنٰی کہہ کر مزید قرب کی طرف اشارہ کر دیا کہ دو کمانوں میں قرب کے باوجود کچھ فاصلہ اور مغایرت باقی رہتی ہے یہاں تو اس سے بھی زیادہ قرب تھا۔ آیت میں اَوْ تشکیک کے لیے نہیں بلکہ بَلْ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس طرح وارسلناہ الی مائۃ الف او یزیدون یعنی بل یزیدون (مظہری)

۱۱ اَوْحٰی کا فاعل بھی جبرئیل ہے۔ عَبْدِہٖ کی ضمیر کا مرجع بالاتفاق اللہ تعالیٰ ہے یعنی جبرئیل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ بعض نے پہلے اَوْحٰی کا فاعل جبرئیل اور دوسرے اَوْحٰی کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ اس وقت آیت کا ترجمہ ہو گا جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو وحی کی جو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل پر وحی کی تھی۔

۱۲ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب جبرئیل امین کو ان کی اصلی شکل میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھا تو دل نے اس کی تصدیق کی کہ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں یہ ایک حقیقت ہے۔ واقعی یہ جبرئیل ہے جو اپنی اصلی صورت میں نظر آ رہا ہے۔ یہ نظر کا فریب نہیں، نگاہوں نے دھوکا نہیں کھایا کہ حقیقت کچھ اور ہو اور نظر کچھ آ رہا ہو۔ بسا اوقات کسی کو اس صورت حال سے ضرور واسطہ پڑا ہو گا کہ آنکھوں کو تو کچھ نظر آ رہا ہے لیکن دل اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہاں ایسی صورت حال نہیں ہے آنکھیں جبرئیل کو دیکھ رہی ہیں اور دل تصدیق کر رہا ہے کہ واقعی یہ جبرئیل ہے۔ دل کو یہ عرفان اور ایقان کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿١٤﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿١٥﴾ اِذْ يَغْشَى

سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ۱۵ اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے ۱۶ جب سدرہ پر

السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿١٦﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ

چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا ۱۷ نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفےٰ) اور نہ (حدِ ادب سے) آگے بڑھی ۱۸ یقیناً انہوں نے اپنے

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور نفسانی شکوک و شبہات سے بالکل محفوظ رکھا ہے جس طرح ان کو جانب اللہ اپنی نبوت پر یقین محکم ہوتا ہے، اس بارے میں انہیں قطعاً کوئی تردد نہیں ہوتا اسی طرح ان پر جو وحی اتاری جاتی ہے، جو فرشتے ان کی طرف بھیجے جاتے ہیں، جن انوار و تجلیات کا انہیں مشاہدہ کرایا جاتا ہے، ان کے بارے میں انہیں ذرا تردد نہیں ہوتا۔ یہ علم اور یقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کا یقین حسب مراتب انسانوں بلکہ حیوانات کو بھی مرحمت ہوتا ہے۔ جیسے اپنے انسان ہونے کے بارے میں قطعاً کوئی تردد نہیں۔ بطخ کے بچے کو انڈے سے نکلتے ہی یہ عرفان بخشا جاتا ہے کہ وہ پانی میں تیر سکتا ہے، چنانچہ وہ بلا تامل پانی میں کود جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ﷺ افتمارونہ: المراء سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے جھگڑنا، بحث و تکرار کرنا۔ من المراء وھو المجادلۃ۔ یعنی اے کفار! تم میرے رسول سے اس بات پر جھگڑتے ہو جس کا مشاہدہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ یہ تمہاری سراسر زیادتی ہے۔

ﷺ تم تو اس بات پر جھگڑ رہے ہو کہ میرے رسول نے جبرئیل کو ایک بار بھی دیکھا ہے یا نہیں، حالانکہ انہوں نے جبرئیل کو دوسری مرتبہ بھی دیکھا ہے۔

ﷺ دوسری بار دیکھنے کی جگہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ دوسری دید سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہوئی۔ سدرۃ عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ منتہیٰ، آخری کنارہ، آخری سرحد۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ بیری کا وہ درخت جو مادی جہان کی آخری سرحد ہے۔ اس کے بارے میں کتاب و سنت میں جو کچھ ہے ہم اس کو بلا تاویل تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ وہ درخت کیسا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی شاخوں، پتوں اور پھلوں کی نوعیت کیا ہے؟ ہمیں ان کی ماہیت معلوم نہیں اور نہ ان کی ماہیت جاننے میں ہمارا کوئی دینوی اور اخروی مفاد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو خود بیان فرما دیتا۔ یہ ان اسرار میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔

۱۶ ﷺ ماوی، اسم ظرف ہے۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان قرار پکڑتا ہے، آرام کرتا ہے۔ اس جنت کو جنت الماوی کیوں کہا گیا ہے، علمائے کرام نے اس کی متعدد توجیہیں ذکر کی ہیں۔ شہداء کی روحیں یہاں تشریف فرما ہیں۔ جبرئیل اور دیگر ملائکہ کی یہ رہائش گاہ ہے۔ پرہیزگار اہل ایمان کی روحیں یہاں ٹھہرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ﷺ یعنی جن انوار و تجلیات کے ہجوم نے سدرہ کو ڈھانپ لیا، ان کو بیان کرنے کے لیے نہ کسی لغت میں کوئی لفظ موجود ہے اور نہ اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کسی میں طاقت ہے۔ یہ جس طرح ذکر و بیان سے ماوراء ہے، اسی طرح فہم و ادراک کی رسائی سے بھی بالاتر

ہے۔ اس دلآویز منظر کی تصویر کشی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ یہ کہہ دیا جائے اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى

۱۸ علامہ جوہری نے زاغ کے دو معنی لکھے ہیں۔ الزیغ ــ المیل وقد زاغ یزیغ وزاغ البصر ای کلّ (صحاح) یعنی کسی چیز کا دائیں بائیں مڑ جانا، ادھر ادھر ہو جانا۔ اس کو بھی زیغ کہتے ہیں۔ اس معنی کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ سرورِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ اپنے مقصود کی دید میں محو رہی۔ ادھر ادھر دائیں بائیں کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ دوسرا معنی ہے نگاہ کا درماندہ ہو جانا۔ جیسے دوپہر کے وقت انسان سورج کو دیکھنے کی کوشش کرے تو آنکھ سورج کی روشنی کی تاب نہیں لا سکتی اور چندھیا جاتی ہے فرمایا ہمارے محبوب کی آنکھیں ان انوار کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر چندھیا نہیں گئیں، درماندہ ہو کر بند نہیں ہو گئیں بلکہ جی بھر کر ان کا دیدار کیا

وما طغیٰ سے اپنے حبیب کی چشمِ پاک کی دوسری شان بیان کی گئی ہے۔ طغیٰ کہتے ہیں حد سے تجاوز کر جانا۔ طغی یطغی ویطغو ای جاوز الحد (صحاح)

یہاں تک ہم نے ایک مکتبِ فکر کے مطابق ان آیات کی تشریح کی ہے۔ اس ضمن میں الفاظ کی لغوی تحقیق بھی کافی حد تک ہو گئی ہے۔ ان کے اعادے کی چنداں ضرورت نہیں پڑے گی۔

دوسرے مکتبِ فکر کے علمائے اعلام کے سرخیل امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان حضرات نے ان آیات کی جو تفسیر بیان کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

علّمہ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ شدید القویٰ اور ذو مرّۃ اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جو زبردست قوتوں والا ہے اس نے اپنے نبی کریم کو قرآن کریم کی تعلیم دی۔ جس طرح الرحمٰن علّم القرآن میں صراحۃً مذکور ہے۔

فاستوی کا فاعل نبی کریم ہیں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قصد فرمایا جب کہ آپ سفرِ معراج میں افقِ اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکان کی سرحدوں کو پار کرتے ہوئے لامکان میں رب العزت کے قریب ہوئے اور وہاں ثمّ دنا فتدلّیٰ سجدہ ریز ہو گئے۔ پس اتنے قریب ہوئے جتنا دو کمانیں قریب ہوتی ہیں جب انہیں ملایا جاتا ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ قریب۔ اس حالتِ قرب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے پر وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ اس عالم ناز میں صفاتی تجلیات اور ذاتی انوار کا جو مشاہدہ بے تاب نگاہوں نے کیا، دل نے اس کی تصدیق کی اور تمہارا یہ جھگڑا کہ یہ دیکھا وہ نہیں دیکھا محض بے سود ہے۔ دکھانے والے نے جو دکھانا تھا دکھا دیا دیکھنے والے نے جو دیکھنا تھا وہ جی بھر کے دیکھ لیا۔ اب تم بے مقصد بحثوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ یہ نعمت دیدار فقط ایک بار نصیب نہیں ہوئی بلکہ اترتے ہوئے دوسری بار بھی نصیب ہوئی۔ یہ دیدار شریف سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا۔

اس بندۂ تقصیر کے نزدیک یہی قول راجح ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ عبد کی عبد سے ملاقات کو اس اہتمام اس تفصیل اور اس کیف انگیز اسلوب سے بیان نہیں کیا جاتا۔ اگر یہاں حضور کی جبرئیل امین سے ملاقات کا ذکر ہوتا تو ایک آیت ہی کافی تھی۔ کیف انگیز انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عبدِ کامل کی اپنے معبودِ برحق کے ساتھ ملاقات کا ذکر ہے۔ یہاں ایک طرف عشق ہے لیاقت ہے سرافگندگی ہے اور دوسری طرف حسن ہے، شانِ صمدیت ہے اور شاہی بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ حضور کی ملاقات جبرئیل سے بھی بے شک بڑے فائدے کی حامل ہے لیکن حضور کے لیے باعثِ ہزار سعادت و وجہِ فضیلت فقط اپنے محبوبِ حقیقی کی ملاقات ہے۔ ان آیات کو

ایک مرتبہ پھر پڑھیے۔ آپ کا وجدان اسلوب بیان کی رعنائیوں پر جھوم جھوم اٹھے گا

نیز کفار کا اعتراض یہ تھا کہ جو کلام آپ پڑھ کر انہیں سناتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ یا یہ خود گھڑ کر لاتے ہیں یا انہیں کوئی اگر سکھا پڑھا جاتا ہے۔ اس کی تردید اسی طرح ہونی چاہیے کہ فرمایا جائے یہ کلام نہ انہوں نے خود گھڑا ہے نہ کسی نے انہیں سکھایا ہے بلکہ اس خالق کائنات نے انہیں اس کی تعلیم دی ہے جو بڑی قوتوں والا ہے اور حکیم و دانا ہے۔ اس کے علاوہ انتشار ضمائر کی وجہ سے ذہن میں جو پریشانی پیدا ہوتی ہے اور جو قرآن کے معیار فصاحت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ اس سے رستگاری کا صرف یہی راستہ ہے کہ حضرت حسن بصری کے قول کو تسلیم کیا جائے۔

ان تمام وجوہ ترجیح کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو وہ احادیث صحیحہ جن میں واقعات معراج کا بیان ہے وہ اس مفہوم کی تائید کے لیے کافی ہیں۔ میں یہاں فقط دو احادیث نقل کرنے پر اکتفا کروں گا اور ان کا بھی فقط وہ حصہ جس سے ان آیات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

امام مسلم اپنی صحیح میں ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں جس کا وہ حصہ درج ذیل ہے جس کا ہمارے مدعا سے تعلق ہے

". . . . . ثم عرج بنا الى السماء السابعة فاستفتح جبرئيل فقيل من هذا قال جبرئيل قيل ومن معك قال محمد صلى الله تعالى عليه وسلم قيل وقد بعث اليه قال قد بعث اليه ففتح لنا فاذا انا بابراهيم عليه الصلوة والسلام مسندا ظهره الى البيت المعمور واذا هو يدخله كل يوم سبعون الف ملك لا يعودون اليه ثم ذهب بي الى السدرة المنتهى فاذا ورقها كآذان الفيلة واذا ثمرها كالقلال قال فلما غشيها من امر الله ما غشى تغيرت فما احد من خلق الله يستطيع ان ينعتها من حسنها فاوحى الى ما اوحى ففرض على خمسين صلوة في كل يوم وليلة فنزلت الى موسى عليه السلام فقال ما فرض ربك على امتك قلت خمسين صلوة قال ارجع الى ربك فاسئله التخفيف فان امتك لا يطيقون ذلك فانى قد بلوت بنى اسرائيل وخبرتهم قال فرجعت الى ربى فقلت يا رب خفف على امتى فحط عنى خمسا فرجعت الى موسى فقلت حط عنى خمسا قال ان امتك لا يطيقون ذلك فارجع الى ربك فاسئله التخفيف قال فلم ازل ارجع بين ربى وبين موسى عليه السلام حتى قال يا محمد انهن خمس صلوات كل يوم وليلة لكل صلوة عشر فذلك خمسون صلوة ومن هم بحسنة فلم يعملها كتبت له حسنة فان عملها كتبت له عشرا ومن هم بسيئة فلم يعملها لم تكتب شيئا فان عملها كتبت سيئة واحدة قال فنزلت حتى انتهيت الى موسى عليه السلام فاخبرته فقال ارجع الى ربك فاسئله التخفيف فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت قد رجعت الى ربى حتى استحييت منه"

(مسلم شریف جلد اول ص ۹۱)

". . . . . پھر مجھے اور جبرئیل کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا جبرئیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ آواز آئی کون ہے؟ کہا میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہیں پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا ہاں۔ پس دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔ بیت المعمور *

مقدس مقام ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن دوبارہ انہیں یہ سعادت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا (فقط مجھے لے جایا گیا) اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور پھل مٹکوں کے برابر ہیں۔ حضور نے فرمایا پھر جب ڈھانپ لیا اس سدرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نے ڈھانپ لیا تو وہ اتنا خوبصورت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن و جمال کو بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی میری طرف جو وحی فرمائی اور مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ میں وہاں سے اُتر کر موسیٰ کے پاس گیا۔ انہوں نے پوچھا فرمائیے آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا اپنے رب کی طرف واپس جائیے اور تخفیف کی التجا کیجیے آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکتی میں نے بنی اسرائیل کو آزما کر دیکھا ہے۔ چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹا اور عرض کی اے پروردگار! میری امت پر تخفیف فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے پانچ کم کر دیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

چنانچہ میں بار بار اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب! یہ تعداد میں تو پانچ ہیں لیکن حقیقت میں پچاس ہیں۔ (اپنے حبیب کی امت پر مزید کرم کرتے ہوئے فرمایا) آپ کے امتیوں میں سے جس نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس ارادہ پر عمل نہ کیا تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دوں گا اور اگر اس پر عمل بھی کیا تو دس نیکیاں لکھوں گا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اس نے اس برائی کو کیا تو اس کے بدلے ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اس کے بعد میں اتر کر موسیٰ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا پھر اپنے رب کے پاس جائیے اور تخفیف کے لیے عرض کیجیے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کئی بار اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوا ہوں اب مجھے شرم آتی ہے۔"

اس حدیث کے خط کشیدہ جملوں کو دوبارہ غور سے پڑھیے۔ حقیقت حال روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ ساتویں آسمان تک تو جبرئیل ساتھ گئے۔ یہاں تک کے لیے صیغہ جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی رہی۔ اس کے آگے جبرئیل کی حدِ پرواز ختم ہو گئی اور حضور کو اکیلے لے جایا گیا۔ اس لیے ذُھِبَ بِیْ میں واحد متکلم کی ضمیر استعمال کی گئی۔ پھر فاوحی الی ما اوحی اور فاوحی الی عبدہ ما اوحی میں جو یکسانیت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ وحی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس مقام پر وحی کی جا رہی ہے جہاں جبرئیل امین کی مجال نہیں۔ پھر عرض کا قائل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب ملاقات ہوتی ہے تو وہ بارگاہِ الٰہی میں واپس لوٹنے کا مشورہ دیتے ہیں جبرئیل کے پاس نہیں۔ حضور فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب کی بارگاہِ عزت و جلال میں شرف باریابی حاصل کرتا رہا۔ دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحی ما کذب الفؤاد ما رایٰ ۔ ۔ ۔ ولقد راٰہ نزلۃ اُخریٰ ان کلماتِ طیبات میں آپ جتنا غور کریں گے حقیقت آشکارا ہوتی چلی جائے گی۔

نویں مرتبہ جب بارگاہ رب العزت میں حاضری ہوئی تو صرف پانچ نمازیں ہی معاف نہیں کیں بلکہ مزید کرم یوں فرمایا کہ اے حبیب! تیری امت کا کوئی فرد اگر نیکی کا ارادہ کرے گا تو اسے ایک ثواب دیا جائے گا اور اگر عمل کرے گا تو دس نیکیاں اس کے نامۂ عمل میں لکھوں گا لیکن اگر برائی کا ارادہ کرے گا تو اس کے نامۂ عمل میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب گناہ کر بیٹھے گا تو فقط ایک گناہ لکھا جائے گا۔ قربان جائیے انسان اللہ تعالیٰ کے محبوب کی نیازمندیوں پر اور قربان جائیے انسان اس کے رب کریم کی بندہ نوازیوں پر۔

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر میں پانچ نمازیں ہی فرض کی جائیں گی تو پھر پہلے پچاس فرض

کرنے میں کونسی حکمت ہے۔ اس میں بھی اپنے بندوں کو اپنے محبوب کے احسان کا احساس دلانا مقصود ہے کہ یہ سارا لطف و کرم اس محبوب کریم کے صدقے تم پر ہوا ہے۔ اگر اس کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو تمہارے کندھوں پر یہ بارِ گراں لاد دیا جاتا۔ اس کے بعد یہ چیز بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب نے تخفیف کے لیے التجا کی تو ایک بار ہی پینتالیس نمازیں کیوں نہ معاف کر دی گئیں؟ اس راز کو صرف اہلِ محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بہت ہی پسند ہے کہ میرا حبیب مانگتا جائے "میں دیتا جاؤں" وہ بار بار دامنِ طلب پھیلاتا جائے اور میں اس کو بھرتا جاؤں۔ اس بار بار کے مانگنے اور بار بار کے دینے میں جو لذت و سرور ہے اس سے مرکز کوئی لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر حاضر ہونے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اب اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میری امت ایسی نالائق ہے اور ایسی ناشکر گزار ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں پانچ بار بھی اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہیں ہو گی۔ ہم غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا فرض ہے کہ حدیث کے اس آخری جملے کو کبھی فراموش نہ کریں۔

اب آئیے ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے:

" . . . . ثم مررت بابراهيم عليه السلام فقال مرحبا بالنبي الصالح والابن الصالح قال قلت من هذا قال هذا ابراهيم قال ابن شهاب واخبرني ابن حزم ان ابن عباس وابا حبة الانصاري يقولان قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم عرج بي حتى ظهرت لمستوى اسمع فيه صريف الاقلام قال ابن حزم وانس بن مالك قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ففرض الله على امتي خمسين صلوة قال فرجعت بذلك حتى امر بموسى عليه السلام فقال موسى ماذا افترض ربك على امتك قال قلت فرض عليهم خمسين صلوة قال لي موسى فراجع ربك فان امتك لا تطيق ذلك قال فراجعت ربي فوضع شطرها الخ

(مسلم شریف صفحہ ۹۳، مشکوٰۃ شریف متفق علیہ)

ترجمہ: " . . . . حضور فرماتے ہیں پھر میں ابراہیم کے پاس سے گزرا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے نبی صالح مرحبا! اے فرزندِ ارجمند خوش آمدید! میرے پوچھنے پر جبرئیل نے بتایا یہ ابراہیم ہیں۔ ابن شہاب کہتے ہیں مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابو حبہ انصاری کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں سے مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے مجھے اقلامِ تقدیر کے چلنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ ابن حزم اور انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب میں لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے بتایا ان پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاؤ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ چنانچہ میں اپنے رب کے حضور میں لوٹ کر گیا اور کچھ حصہ معاف ہوا . . . الخ"

ان خط کشیدہ جملوں کو ذرا غور سے پڑھیے۔ کیا جس مقام کا یہاں ذکر ہے وہاں جبرئیل موجود تھے؟ کیا ان کی رسائی وہاں ممکن تھی؟ کیا نمازوں کی فرضیت میں جبرئیل واسطے تھے یا بار بار کی تخفیف میں کوئی اور واسطہ تھا؟ اب یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے کہ آپ علمہ شدید القویٰ سے لے کر ما زاغ البصر و ما طغیٰ تک کی آیات کو جبرئیل پر منطبق کرتے ہیں یا ان احوال و واقعات پر جو زبانِ رسالت

سے ان احادیث صحیحہ میں ذکر کیے گئے ہیں۔

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔

اس مقام پر انہی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علماء مفسرین نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ کیا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج دیدار الٰہی نصیب ہوا یا نہیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے پیروکار اس طرف گئے ہیں کہ شب معراج دیدار الٰہی نصیب نہیں ہوا۔ لیکن حضرت ابن عباس و دیگر صحابہ، تابعین اور ان کے ہمنواؤں کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دولت دیدار سے مشرف فرمایا۔ آیئے فریقین کے پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین!

جہاں تک امکان رویت کا تعلق ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔ اگر محال ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے، کیونکہ انبیاء کو اس کا علم ہوتا ہے کہ فلاں چیز ممکن ہے اور فلاں چیز محال اور ممتنع۔ محال اور ممتنع کے بارے میں سوال کرنا درست ہی نہیں ہوتا۔

پہلے ہم وہ دلائل پیش کریں گے جن سے رویت باری کا انکار کرنے والے استدلال کرتے ہیں:

۱۔ عن ابن مسعود فی قولہ تعالیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ وفی قولہ ما کذب الفواد ما رای وفی قولہ لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ۔ رای جبریل علیہ السلام لہ ستمائۃ جناح (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبرئیل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔

۲۔ ما کذب الفواد ما رای۔ قال ابن مسعود رای رسول اللہ جبریل فی حلۃ من رفرف قد ملأ ما بین السماء والارض۔ (رواہ الترمذی)

ابن مسعود نے اس آیت کی یوں تشریح کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو ایک ریشمی حلہ (پوشاک) میں دیکھا کہ آپ نے آسمان و زمین کے مابین خلا کو پر کر دیا۔

۳۔ وللترمذی والبخاری فی قولہ تعالیٰ لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ۔ قال ابن مسعود رای رفرفا اخضر سد افق السماء

ترمذی اور بخاری نے اس آیت کے ضمن میں لقد رای الآیۃ میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ حضور نے سبز رفرف کو دیکھا جس نے آسمان کے افق کو ڈھانپ دیا تھا۔

۴۔ عن الشعبی قال لقی ابن عباس کعبا بعرفۃ فسألہ عن شیء فکبر حتی جاوبتہ الجبال فقال ابن عباس انا بنو ہاشم فقال کعب ان اللہ قسم رؤیتہ وکلامہ بین محمد وموسیٰ وکلم موسیٰ

مرتین و رآہ محمد مرتین قال مسروق فدخلت علی عائشة فقلت هل رأی محمد ربه فقالت لقد تکلمت بشیء قف له شعري قلت رویدا ثم قرأت لقد رأی من آیات ربه الکبری فقالت أین تذهب بک إنما هو جبریل من أخبرک أن محمدا رأی ربه ...... فقد أعظم الفریة ولکنه رأی جبریل ولم یره في صورته إلا مرتین مرة عند سدرة المنتهی ومرة في أجیاد قد سد الأفق. (رواه الترمذي)

شعبی کہتے ہیں عرفہ کے میدان میں ابن عباس نے کعب سے ملاقات کی اور ان سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت کعب نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کی گونج پہاڑوں میں سنائی دی۔ ان کی حیرت کو دیکھ کر ابن عباس نے کہا کہ ہم بنو ہاشم ہیں۔ ہمارا تعلق خاندان نبوت سے ہے۔ ہم کوئی معمولی آدمی نہیں کہ آپ میرے سوال کو ٹال دیں۔ تو کعب نے کہا، گویا یہ حضرت ابن عباس کے سوال کا جواب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد اور موسیٰ کے درمیان تقسیم کر دیا۔ موسیٰ سے دو مرتبہ کلام فرمایا اور محمد مصطفیٰ نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا علیہم السلام۔ مسروق کہتے ہیں یہ سن کر میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال پوچھا کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ بولیں تم نے ایسی بات کی ہے جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے عرض کی مادر محترم ذرا ٹھہریے۔ پھر میں نے یہ آیت پڑھی لقد رأی الآیة۔ آپ نے فرمایا تم کدھر جا رہے ہو۔ اس سے مراد تو جبرئیل ہے۔ جو شخص تمہیں یہ خبر دے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے اس نے بہت بڑا بہتان باندھا ہے۔ بلکہ حضور نے جبرئیل کو دیکھا اور اس کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ایک بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک بار اجیاد کے پاس کہ اس نے سارے افق کو ڈھانپ لیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں۔ عن مسروق قال کنت متکئا عند عائشة فقالت یا أبا عائشة ثلاث من تکلم بواحدة منهن فقد أعظم علی الله الفریة قلت ما هن قالت من زعم أن محمدا رأی ربه فقد أعظم علی الله الفریة قال وکنت متکئا فجلست فقلت یا أم المؤمنین أنظریني ولا تعجلیني ألم یقل الله تعالی ولقد رآه بالأفق المبین ولقد رآه نزلة أخری فقالت أنا أول هذه الأمة سأل عن ذلک رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فقال إنما هو جبریل علیه السلام لم أره علی صورته التي خلق علیها غیر هاتین المرتین رأیته منهبطا من السماء سادا عظم خلقه ما بین السماء والأرض وقالت أولم تسمع أن الله عز وجل یقول لا تدرکه الأبصار وهو یدرک الأبصار وهو اللطیف الخبیر۔ أولم تسمع أن الله یقول وما کان لبشر أن یکلمه الله إلا وحیا أو من وراء حجاب أو یرسل رسولا الآیة (مسلم)

ترجمہ: مسروق سے مروی ہے انہوں نے کہا میں اُم المؤمنین کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ نے فرمایا اے مسروق اے ابو عائشہ! ان کی کنیت ہے، تین چیزیں ہیں جس نے ان میں سے کسی کے ساتھ تکلم کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے کہا جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا۔ میں ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی اے اُم المؤمنین! میری طرف دیکھیے۔ جلدی نہ کیجیے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے

محوو نہیں فرمایا، ولقد رآہ بالافق المبین کہ آپ نے اسے افق مبین میں دیکھا اور دوبارہ دیکھا آپ نے جواب دیا اس امت سے میں پہلا ہوں جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا، حضور نے فرمایا وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان کو ان کی اصلی شکل میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ . . . . . اے مسروق! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر کہ آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں، وہ آنکھوں کو پالیتا ہے۔ وہ لطیف و خبیر ہے۔

اور کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا وما کان لبشر الآیۃ کسی انسان کو یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پس پردہ یا کوئی فرشتہ بھیجے۔ (مسلم)

۵۔ روی الشیخان قال مسروق قلت لعائشۃ این قولہ ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی قالت ذاک جبرئیل کان یاتیہ فی صورۃ الرجل وانہ اتاہ فی ھذہ المرۃ فی صورتہ التی ھی صورتہ فسد الافق۔ (مشکوٰۃ شریف)

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی بھی یہ رائے تھی کہ حضور نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ حضرت عائشہ بھی اس بارے میں بڑی متشدد تھیں۔ انہوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے دو آیتوں سے استدلال بھی کیا ہے۔

اب ان لوگوں کے دلائل سماعت فرمائیے جو دیدار الٰہی کے قائل ہیں:

۱۔ عن ابن عباس ما کذب الفؤاد ما رای ولقد رآہ نزلۃ اخری قال رآہ بفؤادہ مرتین۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار اپنے دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ کیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں قال ابن عباس رای محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربہ قال عکرمۃ قلت الیس اللہ یقول لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار قال ویحک ذاک اذا تجلی بنورہ الذی ھو نورہ وقد رای ربہ مرتین۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا عکرمہ (آپ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ آپ نے فرمایا افسوس تم بے سمجھے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے۔ حضور نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "ابن عمر در یں مسئلہ مراجعت بسوئے کرد و پرسید کہ ھل رای محمد ربہ پس جواب گفت رآہ پس ابن عمر تسلیم نمود و تقاضا براو تردد و انکار نرفتہ"۔ (اشعۃ اللمعات جہارم صفحہ ۴۳۲)

ترجمہ: حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس سے اس مسئلہ کے بارے میں رجوع کیا اور پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ پس ابن عباس نے جواب دیا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ حضرت ابن عمر نے ان کے اس قول کو تسلیم کیا اور تردد و انکار کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

۲۔ علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں مندرجہ ذیل روایات نقل کرتے ہیں:

روی ابن خزیمہ باسناد قوی عن انس قال رای محمد ربہ و بہ قال سائر اصحاب ابن عباس وکعب الاحبار والزہری وصاحبہ معمر۔

ترجمہ: ابن خزیمہ نے قوی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح ابن عباس کے شاگرد، کعب احبار، زہری اور معمر کہا کرتے تھے۔

۳۔ اخرج النسائی باسناد صحیح وصححہ الحاکم ایضا من طریق عکرمۃ عن ابن عباس اتعجبون ان تکون الخلۃ لابراہیم والکلام لموسیٰ والرؤیۃ لمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یہ روایت نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اور حاکم نے بھی صحیح سند کے ساتھ عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے۔ آپ کہا کرتے کہ کیا تم لوگ اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت کا مقام ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور کلام کا شرف موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور دیدار کی سعادت محمد رسول اللہ کے لیے ہو۔

۴۔ امام مسلم حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں: قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھل رأیت ربک قال نور انی اراہ۔ اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ نُورٌ اَنّٰی اَرَاہُ۔ دوسرا نُورٌ اِنِّیْ اَرَاہُ۔ پہلی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا: ابوذر کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ سراپا نور ہے، میں نے اسے دیکھا۔

۵۔ مسلم کے اسی صفحے پر ایک روایت ہے: عن عبد اللہ بن شقیق قال قلت لابی ذر لو رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لسألتہ فقال عن ای شیء کنت تسألہ قال کنت اسألہ ھل رأیت ربک قال ابوذر قد سألتہ فقال رأیت نورا کہ میں نے نور دیکھا ہے۔ یہ روایت بھی دوسری توجیہ کی تائید کرتی ہے۔

۶۔ حکی عبد الرزاق عن معمر عن الحسن انہ حلف ان محمدا رأی ربہ (عمدۃ القاری ص۱۹۰ جلد ۱۹) کہ حسن بصری اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔

۷۔ واخرج ابن خزیمہ عن عروہ بن زبیر اثباتہا۔ عروہ بن زبیر سے ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی رؤیت کے قائل تھے۔

۸۔ علامہ ابن حجر نے امام احمد کے بارے میں لکھا: فروی الخلال فی کتاب السنۃ عن المروزی قلت لاحمد انہم یقولون ان عائشۃ قالت من زعم ان محمدا رأی ربہ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ فبای شیء یدفع قولہا قال

فقول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأیت ربی، قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکبر من قولها (فتح الباری صفحہ ۴۹۴ جلد ۸)

ترجمہ: مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں ام المومنین یہ کہا کرتی تھیں کہ جس نے یہ کہا کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالٰی پر بڑا بہتان باندھا ہے۔ تو حضرت عائشہ کے اس قول کا کیا جواب دیا جائے؟ آپ نے فرمایا حضور کے اس ارشاد کے ساتھ رأیت ربی کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عائشہ کے قول کا جواب دیں گے اور حضور کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد حضرت عائشہ کے قول سے بہت بڑا ہے۔

یہ مختلف اقوال ہیں جو قائلین رویت کی طرف سے بطور استدلال پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں جلیل صحابہ مثلاً ابن عباس، کعب احبار، انس، ابی ذر کے علاوہ کبار تابعین عروہ بن زبیر، حسن بصری، عکرمہ جیسے اکابر تابعین بھی موجود ہیں اور حضرت امام احمد کا قول بھی آپ سن چکے ہیں۔ ان اقوال کے علاوہ متعدد احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔

ان تمام دلائل کو بالتفصیل پیش کرنے کے بعد علامہ نووی لکھتے ہیں:

اذا صحت الروایات عن ابن عباس فی اثبات الرویۃ وجب المصیر علی اثباتها فانها لیست مما یدرک بالعقل ویؤخذ بالظن فانما یتلقی بالسماع ولا یستجیز احد ان یظن بابن عباس انہ تکلم بھذہ المسئلۃ بالظن والاجتهاد [illegible]

ثم ان ابن عباس اثبت شیئا نفاہ غیرہ والمثبت مقدم علی النافی۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے جب صحیح روایات ثبوت کو پہنچ گئیں کہ انہوں نے ایسا کہا ہے تو اب ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ آپ نے اتنی بڑی بات محض اپنے قیاس اور ظن کی بنا پر کہی ہو۔ یقیناً انہوں نے کسی مرفوع حدیث کی بنا پر ایسا کہا ہوگا۔ نیز ابن عباس ایک چیز کو ثابت کر رہے ہیں، دوسرے حضرات نفی کر رہے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ مثبت کا قول نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام کو علامہ نووی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں

الحاصل ان الراجح عند اکثر العلماء ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رای ربہ بعینی راسہ لیلۃ الاسراء۔ وھذا مما لاینبغی ان یتشکک فیہ کہ حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علما کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالٰی کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ نووی نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت صدیقہ نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں کی بلکہ محض اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیا ہے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیح مسلم جس کی شرح علامہ نووی کر رہے ہیں اسی کے اگلے صفحہ پر یہ حدیث مرفوع موجود ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ میں نے ولقد راٰہ بالافق المبین اور ولقد راٰہ نزلۃ اخری کے بارے میں حضور سے پوچھا تو حضور نے فرمایا وہ جبریل امین تھے۔ جب مسلم میں یہ حدیث موجود ہے تو حیرت ہے کہ شارح مسلم علامہ نووی نے کیسے انکار کیا۔

علامہ ابن حجر کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ نے ولقد راٰہ بالافق المبین کے بارے میں حضور

سے استفسار کیا۔ تو حضور نے فرمایا کہ وہ جبرئیل ہیں۔ اور یہ بلاشبہ درست ہے کیونکہ یہ آیت سورۂ تکویر کی ہے اور وہاں حضرت جبرئیل کا ہی ذکر ہے۔ ارشاد ہے وانہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین وما صاحبکم بمجنون ولقد راٰہ بالافق المبین۔ یہ سارا ذکر جبرئیل امین کا ہے۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش کی تو آپ آسمان کے افق پر نمودار ہوئے۔ وہ افق جہاں جبرئیل نمودار ہوئے تھے اسے افق مبین کہا گیا ہے لیکن یہاں جس افق کا ذکر ہو رہا ہے وہ هو بالافق الاعلیٰ ہے۔ آسمان اور زمین کے افق کو افق مبین تو کہہ سکتے ہیں لیکن افق اعلیٰ وہ ہوگا جو تمام آفاق سے بلند تر ہو یعنی فلک الافلاک کا کنارہ۔ اس لیے امام نووی کا قول ہی درست ہے کہ شب معراج نفی رویت کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر و تشریح سے فارغ ہونے کے بعد دیدار الٰہی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کو یوں بیان کرتے ہیں:

وانا اقول برؤیتہ صلی اللہ علیہ وسلم ربہ سبحانہ وتعالیٰ وبدنوہ سبحانہ علی الوجہ اللائق (روح المعانی)

اور میں یہ کہتا ہوں کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حضور کو قرب الٰہی نصیب ہوا۔ لیکن اس طرح جیسے اس کی شان کبریائی کے لائق ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا جاتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا؟ تو آپ جواب میں فرماتے:

راٰہ راٰہ حتی ینقطع نفسہ (روح المعانی)

ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔

مولانا سید انور شاہ صاحب اس مسئلے پر مفصل بحث کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

ولکنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشرف برؤیتہ تعالیٰ ومن علیہ بہ وتفضل علیہ سواہ و اعاض علیہ من اضعافہ فوق رآہ کما قال احمد رحمہ اللہ مرتین الا انہ راٰہ کما یری الحبیب الی الحبیب والعبد الی مولاہ لا یمکنہ ان یکف عنہ نظرہ ولا ہو یستطیع ان یشخص الیہ بصرہ وہو قولہ تعالیٰ ما زاغ البصر وما طغیٰ۔ (فیض الباری شرح البخاری)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دولت سرمدی سے آپ کو نوازا اور اپنے فضل و احسان سے حضرت افزائی فرمائی۔ پس حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ جس طرح امام احمد نے فرمایا ہے مگر یہ دیدار ایسا تھا جیسے حبیب اپنے حبیب کا دیدار کرتا ہے۔ نہ وہ آنکھیں جدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ اس میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ ٹکٹکی باندھ کر محبوب کے دیدار کو دیکھتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے ما زاغ البصر وما طغیٰ۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات کی جلد چہارم میں اس مسئلے کی تحقیق کرتے ہوئے اسی قول کو پسند فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔ والعلم عند اللہ علیٰ ذالک۔

أٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ

رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ ۱۹؎ (اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات و عزیٰ کے بارے میں ۲۰؎ اور منات کے بارے میں جو

۱۹؎ آیاتِ کبریٰ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والمراد بالآيات العجائب الملكوتية التي رآها في ليلة المعراج في مسيره وعوده من البراق والسموات والانبياء والملائكة والسدرة المنتهى وجنة المأوى۔ (تفسیر مظہری)

یعنی آیاتِ کبریٰ سے مراد عالم ملکوت کی وہ عجیب و غریب چیزیں ہیں جن کا مشاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفر معراج پر جاتے ہوئے اور واپسی کے دوران میں کیا جیسے براق، سماوات، انبیاء، فرشتے، سدرۃ المنتہیٰ، جنت الماویٰ وغیرہ۔

پھر علامہ مذکور فرماتے ہیں اگرچہ کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی بہت بڑی نشانی ہے ان اشیاء کو آیاتِ کبریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات کے ساتھ جن مخصوص تجلیات کا تعلق ہے اور اللہ کی رحمتوں اور برکات کا نزول جس کثرت سے ان پر ہوتا ہے وہ کسی دوسری آیت کو نصیب نہیں۔

۲۰؎ خداوند ذوالجلال کی صفات کمال کے بیان کے بعد اب مشرکین کو زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ بہت افسوس کی بات ہے کہ اس حی و قیوم، قادر و حکیم خدا کو چھوڑ کر تم بے جان مجسموں کی پوجا پاٹ میں اپنی عمر برباد کر رہے ہو۔ اگرچہ کفارِ عرب بے شمار بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، تین سو ساٹھ بت تو صرف کعبہ میں رکھے ہوئے تھے، مگر یہاں ان تین دیویوں کا نام لے کر ان کا ذکر کیا جن کی جزیرۂ عرب میں بڑی کثرت سے پرستش ہوتی تھی۔ قربانی کے جانور لا کر ان کے لیے ذبح کیے جاتے تھے اور نذرانوں کے ڈھیر لگتے تھے۔

پہلے ہم ان بتوں کی وجہ تسمیہ، ان کے مخصوص مقامات اور جو قبائل ان کے خاص طور پر معتقد تھے ان کا ذکر کریں گے بعد میں آیات کی تشریح کی جائے گی۔

لات: قتادہ کہتے ہیں کہ لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا جس کا استھان طائف میں تھا۔ اس شعر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

وفرت ثقيف الى لاتها　　　بمنقلب الخائب الخاسر

یعنی بنو ثقیف خائب اور خاسر ہو کر بھاگتے ہوئے اپنے لات کے پاس لوٹ آئے۔

بنو ثقیف اس کے بڑے معتقد تھے۔ جب ابرہہ کا لشکر کعبہ کو گرانے کے قصد سے مکہ جاتے ہوئے طائف سے گزرا تو انہوں نے اسے رہبر مہیا کیے اور دیگر سہولتیں بہم پہنچائیں تاکہ وہ ان کے معبود لات کے استھان کو منہدم نہ کرے۔

لات کے مادہ کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک "تا" اس کا حرف اصلی ہے۔ اس کے اصل حروف ل۔ی۔ت یا ل۔و۔ت ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا اصل لوی یلوی ہے جس کا معنی جھکنا اور مڑنا ہے، کیونکہ اس کے

پرستار اس کے اردگرد بیٹھ کر لگایا کرتے اور جھک جھک کر اس کو سجدے کیا کرتے تھے آداب بجالایا کرتے تھے اس لیے اس کو لات کہا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لتّ یلتّ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ستو میں گھی وغیرہ ڈال کر تیار کرنا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص حجاج کے لیے ستو اسی طرح تیار کیا کرتا تھا۔ اس کے مر جانے کے بعد جس چٹان پر بیٹھ کر وہ یہ کام کیا کرتا تھا اس کی پرستش شروع ہو گئی۔ کہتے ہیں یہ شخص طائف کا رہنے والا تھا۔

لیکن پہلے ان تمام توجیہات سے علامہ راغب کی تحقیق زیادہ دلپسند ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

واصل اللات، الله، فحذفوا منه الهاء وادخلوا التاء فيه وانثوه تنبيها على قصوره عن الله وجعلوه مختصا بما يتقرب به الى الله تعالىٰ في زعمهم (مفردات)

ترجمہ: اس کا اصل اللہ ہے۔ ہ کو حذف کر دیا اور اس کے آخر میں تا داخل کر دی گئی تاکہ یہ مونث بن جائے اور اس چیز پر دلالت کرے کہ اس کا درجہ اللہ سے کم ہے۔ وہ اپنے گمان میں اسے تقرب الی اللہ کا ذریعہ خیال کیا کرتے تھے۔

عُزّیٰ: اس کا ماخذ عزت ہے یہ اعزّ کی تانیث ہے۔ سوق عکاظ کے قریب وادی نخلہ میں حراض نامی ایک بستی تھی عزیٰ کا مندر اس جگہ تھا۔ بنو غطفان اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک یہ بنی شیبان کی دیوی تھی جو بنی ہاشم کے حلیف تھے۔ قریش اور دوسرے قبائل اس کی زیارت کے لیے آیا کرتے۔ قربانی کے جانور یہاں لا کر ذبح کرتے اور نذرانے چڑھائے جاتے۔ تمام دوسرے بتوں سے زیادہ اس کی عزت و تکریم کی جاتی۔

مَنات: اس کا مندر قدید کے مقام پر تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان بحر احمر کے کنارے ایک آبادی ہے۔ یثرب کے اوس و خزرج کے علاوہ بنو خزاعہ بھی اس کے بہت معتقد تھے۔ کعبہ کی طرح اس کا حج بھی کیا جاتا۔ قربانی کے جانور بھی اس کے لیے ذبح کیے جاتے۔ حج کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد جو لوگ اس کا حج کرنا چاہتے وہ وہیں سے لبیک لبیک کے نعرے لگاتے ہوئے قدید کی طرف چل پڑتے۔

اگرچہ ان بتوں کے مخصوص مندر مختلف مقامات پر تھے جس طرح آپ پڑھ آئے ہیں۔ لیکن ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ انہی ناموں کے بت کعبے میں بھی رکھے ہوتے تھے اور دوسرے بتوں کے ساتھ ان کی وہاں بھی پوجا پاٹ کی جاتی تھی۔ علامہ ابو حیان اندلسی نے "بحر محیط" میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اُحد کے میدان میں ابو سفیان نے بڑے فخر سے کہا تھا: لنا العزّٰی ولا عزّٰی لکم کہ ہمارے لیے تو عزیٰ دیوی ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔ نیز افرایتم میں خطاب کی ضمیر کا مرجع قریش مکہ ہیں۔

قال ابو عبيدة كانت بالكعبة ايضا واستظهر ابو حيان انها ثلاثتها كانت فيها قال: لان المخاطب في قوله افرايتم هم قريش۔ (روح المعانی)

ان بتوں کی پوجا کرنے والوں کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے (معاذ اللہ) اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہ بت جنیات کا مسکن ہیں اور یہ جنیات بھی اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ بعض کا یہ خیال تھا کہ یہ بت فرشتوں کے ہیکل ہیں اور یہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ (نعوذ باللہ)

الْأُخْرَىٰ ﴿٢٠﴾ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ﴿٢١﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴿٢٢﴾

تیسری ہے۔ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ

نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے

من ذالک۔

ان باتوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب آیت کا معنی سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

پہلا کلمہ افرأیتم ہے۔ اس پر غور کیجیے۔ ہمزہ استفہام انکار کے لیے ہے۔ فا تعقیب کے لیے ہے

فالمعنی اعقیب ماسمعتم من آثار کمال عظمۃ اللہ فی ملکہ وملکوتہ وجلالہ وجبروتہ واحکام قدرتہ ونفاذ امرہ فی الملأ الاعلیٰ وتحت الثریٰ وما بینہما رأیتم ھذہ الاصنام مع غایۃ حقارتہا بنات لہ تعالیٰ۔ (روح المعانی وغیرہ)

یعنی ملک اور ملکوت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کے جلال و جبروت، اس کی محکم قدرت اور آسمان و زمین میں اس کے احکام کی تنفیذ کے آثار دیکھنے سننے کے بعد بھی تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ حقیر و ذلیل بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ تم خود سوچو اس سے بڑھ کر کوئی حماقت اور نادانی ہو سکتی ہے۔

بعض کتب تفسیر میں یہاں ایک روایت لکھ دی گئی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف کے صحن میں کفار کے مجمع کے سامنے یہ سورت تلاوت فرمائی تو اس آیت کے بعد حضور کی زبان سے یہ جملہ نکلا (العیاذ باللہ)

تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ

یہ جملہ سن کر مشرکین کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ روایت سراسر لغو، باطل، موضوع اور جھوٹ کا پلندا ہے۔ اس پر سیر حاصل بحث ضیاء القرآن سورۃ الحج کی آیت ۵۲ کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۱۔ مشرکین کو کہا جا رہا ہے کہ تمہاری حماقت کی بھی کوئی حد ہے۔ اپنے لیے تو تم لڑکا پسند کرتے ہو۔ کسی کے گھر میں بیٹی پیدا ہو جائے تو اس کے ہاں ماتم بپا ہو جاتا ہے۔ اور جو خالق کائنات ہے جسے نہ بیٹے بیٹیوں کی ضرورت ہے نہ خواہش ہے۔ اس کے لیے تم بیٹی اور بد تر ہے اس کے لیے تم نے بیٹیاں ہی تجویز کر لی ہیں۔

تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ۔ نحو و لغت کے امام الکسائی لفظ ضیزیٰ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یقال ضاز یضیز ضیزا وضاز یضوز ضوزا وضار یضار ضارا اذا ظلم وتعدی وبخس انتقص قال امرؤ القیس ۔

ضازت بنو اسد بحکمھم اذ یجعلون الراس کالذنب

بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ

ان کے بارے میں کوئی سند ۴۲ نہیں اتاری۔ یہ لوگ محض گمان کی اور جو ان کے نفس چاہتے ہیں ۴۴

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝۲۳ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۝۲۴

حالانکہ آگئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت ۴۵ کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔

یہ مادہ تین باب پر آتا ہے ضَرَبَ یَضْرِبُ، نَصَرَ یَنْصُرُ اور مسموع العین۔ اس کا معنی ہے ظلم کرنا، زیادتی کرنا، کسی کے حصہ میں کمی کرنا۔ امرؤ القیس کہتا ہے: "بنو اسد نے اپنا فیصلہ کرتے ہوئے بڑی زیادتی کی ہے کہ انہوں نے سر کو دم کی مانند بنا دیا ہے۔" (قرطبی)

ضیزیٰ کا اصلی وزن فُعلیٰ ہے مثل طُوبیٰ اور حُبلیٰ۔ لیکن یٰ کی وجہ سے اس کے ماقبل کو کسرہ دے دیا۔

یعنی تمہاری یہ تقسیم عدل و انصاف سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتی۔ عقلِ دخرد بھی اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ تم بڑے دانا اور زیرک ہو، بڑے عادل اور منصف ہو، لیکن تمہاری زبان سے بات ایسی نکلتی ہے جس کو سن کر عقلِ سلیم سر پیٹ لیتی ہے اور عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

۴۲ یہ دیویاں اور دیوتا جن کو تم اپنا معبود اور مسجود یقین کیے ہوئے ہو، ان میں الوہیت کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ تمہارے من گھڑت نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے بغیر کسی معقول دلیل کے تجویز کیے ہیں۔ اگر تمہارے پاس کوئی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی سند موجود ہے تو ہمیں بھی دکھاؤ۔

۴۳ نہ ان کے پاس کوئی آسمانی نوشتہ ہے جس سے معلوم ہو کہ ان پتھر کے اصنام میں الوہیت کی ادنیٰ سی کوئی جھلک بھی پائی جاتی ہے، نہ عقلِ سلیم اس کو ماننے کے لیے تیار ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے، ان بتوں کو اپنا خدا بنا لے جو ان کے کسی کاریگر نے کسی دھات سے ان کی آنکھوں کے سامنے گھڑے ہیں یا کسی ماہر سنگتراش نے کسی پتھر سے تراشے ہیں، جو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں، نہ چل پھر سکتے ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ کفار جو دنیا کے معاملات میں بڑے زیرک ہیں، کیوں ایسا کرتے ہیں۔ بتادیا کہ یہ سب کچھ ان کے ظن و تخمین کی تخیل کاریاں ہیں اور ان کے نفوس کی خواہشات ہیں جن کی وہ پیروی کر رہے ہیں۔ ایسی چیزوں کو معبود ماننے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا جو بزعم خویش ان کی مصیبتوں کو ٹال دیں اور اگر بفرضِ محال قیامت قائم ہو جائے تو ان کی شفاعت کی ذمہ داری قبول کر لیں۔ ایسے خداؤں کو وہ ماننے کے لیے تیار ہیں اور ان کے لیے قربانی کے جانور ذبح کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن ایسے خدا کو ماننا جو احکام صادر کرے، ایسے احکام جو ان کے ذاتی مفاد کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتے ہیں، ایسے احکام جو ان کی بساطِ عیش و طرب کو الٹنے کا موجب بن سکتے ہیں، جو ان کی آزادی پر قدغن لگا دیتے ہیں۔ ایسے خدا کی خدائی وہ تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

حقیقت میں وہ ان بتوں کے پجاری نہیں بلکہ خواہشاتِ نفس کے پرستار ہیں۔ ایسے لوگوں سے یہ توقع عبث ہے

ع
۵
۵

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ۝۲۵ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ

پس اللہ کے لیے ہی ہے آخرت اور دنیا ۲۵ اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت

شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝۲۶

کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے ۲۶

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝۲۷

بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں۔

کہ وہ عقل و خرد سے صحیح کام لیں گے اور اللہ کے رسولوں کی دعوت کو غور سے سنیں گے۔

۲۳ یتبعون کی ضمیر سے حال ہے یعنی اللہ کی طرف سے ان کی رہنمائی کے لیے ایسا رسول کامل تشریف لے آیا ہے جو اپنے نورانی ارشادات سے ان کے دلوں کی تاریک دنیا کو منور کر رہا ہے۔ ان کے پاس قرآن جیسی کامل کتاب بھی ہے لیکن یہ بد نصیب اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے اور رذیل خواہشات کی دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں۔ آیت میں الھدیٰ سے مراد یا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے یا اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

۲۵ آیت میں الانسان سے مراد یا تو کافر ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ ان کفار نے ان بتوں سے جو طرح طرح کی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں کہ یہ بت ان کو رزق وافر اور اولادِ نرینہ دیں گے اور اگر بالفرض قیامت برپا ہو گئی تو وہ ان کو خدا کے عذاب سے چھڑا لیں گے یہ محض فریب اور دھوکہ ہے ان کی یہ توقعات کبھی پوری نہیں ہوں گی۔ یا الانسان سے مراد عام انسان بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ ایسا نہیں ہوا کرتا کہ انسان جو چاہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے۔ کچھ امیدیں بر آتی ہیں اور کچھ پوری نہیں ہوتیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کے اذن سے ہو رہا ہے اور عالمِ آخرت میں جو کچھ ہو گا اس کے حکم سے ہو گا۔ دونوں جہانوں کی بادشاہی اسی کے لیے مخصوص ہے۔

۲۶ کفار کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے جس میں وہ بری طرح مبتلا تھے وہ سمجھتے تھے کہ ان کی یہ دیویاں اور دیوتا قیامت کے روز ان کی شفاعت کریں گے اور عذابِ جہنم سے انہیں بچا لیں گے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان بے جان بتوں کی تو حیثیت ہی کیا ہے کہ وہ ہماری جناب میں ان اطفروں کی شفاعت کے لیے لب کشائی کی جرأت کر سکیں۔ فرشتے جو نورانی مخلوق ہیں اور ہر وقت ہماری عبادت اور اطاعت میں مشغول رہتے ہیں ان کی بھی یہ مجال نہیں کہ جس کی چاہیں خود بخود شفاعت کریں اور اس کو بخشوا کر جنت میں پہنچا دیں بلکہ فرشتے بھی اس وقت شفاعت کریں گے جب ہم انہیں اس

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ

حالانکہ انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں ہے ۲۷ وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ اور ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام

مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا

نہیں آسکتا ۲۸ پس آپ رخ انور پھیر لیجیے اس (بدنصیب) سے جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اور نہیں خواہش رکھتا

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ

مگر دنیوی زندگی کی ۲۹ یہ ہے ان کا مبلغ علم ۳۰ بیشک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے جو

کی اہانت دیں گے اور فقط ان کے لیے شفاعت کریں گے جو شفاعت کے اہل ہوں۔ جن بدبختوں کی موت کفر پر ہوئی وہ تو اس قابل ہی نہیں کہ ان کی شفاعت کی جائے۔ شفاعت تو گنہگار اہل ایمان کے لیے ہے۔ جب فرشتے بھی کفر و شرک پر مرنے والوں کی شفاعت نہیں کر سکتے تو یہ بت تمہاری نجات کا سبب کیونکر بن سکتے ہیں؟

۲۷ جو لوگ فرشتوں کو مونث خیال کرتے ہیں اور انہیں خدا کی بیٹیاں بتاتے ہوتے ہیں اور اس لیے ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہتے ہیں اور ان سے طرح طرح کی توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں ان کی ان لغزشوں اور غلطیوں کا ایک ہی سبب ہے کہ وہ قیامت کے وقوع پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس لیے ان میں ذمہ داری کا احساس بالکل ختم ہو گیا ہے۔ کسی چیز کو مانتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اسے ماننے کی کوئی ٹھوس دلیل ہے یا اگر کسی چیز کا انکار کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ کسی اللہ کے نبی نے انہیں انکار کا حکم دیا ہے یا ان کی عقل سلیم نے اس کے انکار کا فیصلہ کیا ہے بلکہ جب ترنگ میں آئے کسی چیز کو مان لیا اور جب چاہا کسی چیز کا انکار کر دیا۔ احساس ذمہ داری کا فقدان ہے اسی سبب سے انہوں نے عقل و خرد سے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بغیر کسی دلیل اور تحقیق کے انہوں نے فرشتوں کو مونث بنا ڈالا ہے اور پھر ان پر خدا کی بیٹیاں ہونے کی تہمت لگا دی ہے۔

۲۸ حقیقی علم کا سرچشمہ تو نبی کی ذات ہوتی ہے جسے بارگاہ الٰہی سے براہ راست علم و عرفان کی دولت عطا فرمائی جاتی ہے۔ نبی کی ذات سے تو انہیں بغض ہے۔ وحی کے چشمہ صافی سے سیراب ہونے کی تو انہیں توفیق ہی نہیں۔ ان کے پاس لے دے کے ظن و تخمین کے گھوڑے ہیں جن پر سوار ہو کر وہ وہم و گمان کے ریگزاروں میں خاک اڑاتے پھرتے ہیں۔ اس لیے زندگی کی بنیادی سچائیوں تک یہ رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور بھاگ دوڑ میں عمر برباد کر دیتے ہیں اور انہیں حقیقت کا سراغ نہیں ملتا۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کے طائر فکر کی پرواز بڑی اونچی ہے۔ ان کی جھولی چمکتے موتیوں سے بھری ہوئی ہے حالانکہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

جو بھٹک گیا اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے جس نے راہ راست پائی ۳۱ اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو

اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا

ان کی نیکیوں کا ۳۲ جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر

۲۹۔ آیت میں ذکر سے مراد قرآن مجید بھی ہو سکتا ہے، حضور کے مواعظ حسنہ اور نصائح جلیلہ بھی اور مطلق ذکر الٰہی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ جن کے سامنے ہماری کتاب کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں لیکن وہ ان کی طرف التفات نہیں کرتے ہمارا رسول انہیں وعظ و نصیحت کرتا ہے تو اس کے سننے کے لیے بھی وہ تیار نہیں ہوتے یا جہاں میرے بندے میرے ذکر کی شمع روشن کیے بیٹھے ہوتے ہیں، وہاں سے بھی وہ دور بھاگتے ہیں نیز دنیوی زندگی کی لذتوں اور زیب و آرائش میں وہ یوں کھوئے ہوئے ہیں کہ عاقبت کے بارے میں انہوں نے غور و فکر کرنے کی زحمت کبھی گوارا نہیں کی۔ رات دن دولت سمیٹنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اے حبیب! اس قماش کے لوگ ہرگز اس لائق نہیں کہ آپ ان کے لیے متفکر ہوں۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیجیے۔ انہیں وادیٔ ضلالت میں دھکے کھانے دیجیے۔ اگر قعر مذلت میں چھلانگ لگانے کا یہ لوگ قصد کر چکے ہیں تو انہیں مت روکیے۔ جب اپنے کرتوتوں کا انجام دیکھیں گے تو خود بخود ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

۳۰۔ ان کے علم کی رسائی یہاں تک ہی ہے۔ ان کی عقل کی آنکھ دنیوی لذتوں سے ماورا کچھ دیکھ ہی نہیں سکتی اس کے علاوہ وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتے۔ ان دون ہمتوں اور کم نظروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے۔

۳۱۔ جو لوگ کفر و شرک کے مرتکب ہیں اور اس کے باوجود دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی راہ حق پر گامزن ہیں، جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہی درست ہے، جس منزل پر وہ پہنچنے کے لیے کوشاں ہیں وہی انسانی زندگی کی صحیح منزل ہے اور جنہوں نے اسلام کی دعوت قبول کر لی ہے، انہیں مارا پیٹا جاتا ہے۔ طرح طرح کے دکھ پہنچائے جاتے ہیں لیکن اے حبیب! وہ تیرا دامن چھوڑنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ ان اہل حق کو یہ لوگ نادان اور گم کردہ راہ سمجھتے ہیں۔ یہ سراسر ان کی زیادتی ہے اور ان کی بھول ہے۔ کون گمراہ ہے، کون ہدایت یافتہ ہے، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا جو سب سے زیادہ علم والا ہے اور اسی کا فیصلہ صحیح اور آخری ہو گا۔

۳۲۔ وہ ذات پاک جو گمراہ اور ہدایت یافتہ کو جانتی ہے، جس کی بادشاہی کا پرچم آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی پستیوں میں لہرا رہا ہے، اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بدکاروں کو ان کی بدکاریوں کی سزا دے اور نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں

اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ

شاذ و نادر۔ بلاشبہ آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے ٣٢ وہ اس وقت سے تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں پیدا کیا

کی جزا دے۔

٣٢۔ یہ آیت الذین احسنوا کا بدل ہے یا عطف بیان ہے یا صفت ہے۔ یہاں مضارع کا صیغہ اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ اجتناب کے تجدد اور استمرار پر دلالت کرے۔ وہ ہمیشہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہتے ہیں۔

گناہ کبیرہ اور فاحشہ کے مفہوم کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں جن میں سے چند پیش کیے جاتے ہیں:

کبائر الاثم سے مراد شرک ہے کیونکہ یہ تمام کبیرہ گناہوں سے بڑا اور گھناؤنا گناہ ہے اور فاحشہ سے مراد زنا ہے جو بے حیائی کی انتہا ہے۔

مقاتل کہتے ہیں ہر گناہ جس کی سزا آتش جہنم ہے وہ کبیرہ ہے اور جس کی سزا کوئی شرعی حد ہے وہ فاحشہ ہے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ارشاد ہے کہ کبیرہ گناہ سات ہیں۔ صحیحین کی اس حدیث سے بھی آپ کے ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے:

اجتنبوا السبع الموبقات الاشراک باللہ تعالیٰ والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ تعالیٰ الا بالحق واکل مال الیتیم واکل الربوٰ والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المومنات۔

ترجمہ: سات برباد کرنے والی چیزوں سے اجتناب کیا کرو۔ شرک باللہ، جادو، قتل بے گناہ، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، میدان جنگ سے بھاگنا، پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔

گناہ کبیرہ کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ کسی میں ان کی تعداد پانچ، کسی میں سات، کسی میں چودہ اور کسی میں پچیس مذکور ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ کام جس سے کتاب و سنت کی صریح نص سے منع کیا گیا ہو یا اس کے لیے کوئی حد شرعی مقرر ہو یا جس کی سزا جہنم بتائی گئی ہو یا جس کے مرتکب کو لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہو یا جس پر عذاب کے نزول کی خبر دی گئی ہو ایسے تمام بڑے کبیرہ گناہ ہیں۔ ان کے علاوہ جو دوسرے گناہ ہیں انہیں گناہ صغیرہ کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار اور شریعت کے کسی فرمان کا استخفاف اور تحقیر کا شمار بھی کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔

اللمم کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: اللمم مقاربۃ المعصیۃ ویعبر بہ عن الصغیرۃ ویقال فلان یفعل کذا لمما ای حینا بعد حین (مفردات)

یعنی معصیت کے قریب ہونے کو لمم کہتے ہیں۔ گناہ صغیرہ کو بھی لمم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نیز جو کام کبھی کبھی کیا جائے اس کو بھی لمم کہتے ہیں۔

قال ابو اسحٰق الزجاج: اصل اللمم والالمام مایعملہ الانسان المرۃ بعد المرۃ ولا یتعمق فیہ ولا یقیم علیہ یقال

الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ

پیدا کیا اور جب کہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں پس اپنی خودستائی نہ کیا کرو۔

هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿۳۲﴾ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿۳۳﴾ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَ

وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے ۳۴ کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جس نے روگردانی کی ۳۵ اور تھوڑا سا مال دیا پھر

الممت به انا زرته وانصرفت عنه (قرطبی)

یعنی زجاج کہتے ہیں کہ لمم اور المام اس کام کو کہتے ہیں جو کبھی کبھی کیا جائے اور اس میں تعمق نہ کیا جائے اور اس پر ہمیشگی نہ کی جائے۔ جب تو کسی آدمی کی ملاقات کے لیے جائے اور مل کر فوراً واپس چلا جائے تو کہتے ہیں الممت به

عرب شاعر کا ایک شعر بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔

الممت فحیت ثم قامت فودعت فلما تولت کادت النفس تزهق

ترجمہ: وہ تھوڑی دیر کے لیے آئی، اس نے سلام کیا، پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے الوداع کہا۔ جب اس نے پیٹھ پھیری تو قریب تھا کہ روح پرواز کر جائے۔

آیت کے ان کلمات کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں سے گریزاں رہتے ہیں، بے حیائی کے کاموں سے دور بھاگتے ہیں، الا یہ کہ کبھی کبھی ان سے کوئی غلطی صادر ہو جاتی ہے تو فوراً اس سے دامن کش ہو جاتے ہیں۔ اے محبوب! آپ کا رب انہیں اپنی مغفرت کے وسیع دامن میں چھپا دے گا۔ بے شک آپ کے رب کی مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے۔

۳۴ بعض کم ظرف لوگ اپنی نیکیوں پر اترانے لگتے ہیں، اپنی پارسائی اور پرہیزگاری کے قصے جھوم جھوم کر بیان کرتے ہیں۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔ یہ خودنمائی اور خودستائی ان کے سارے اعمالِ حسنہ کا بیڑا غرق کر دیتی ہے۔ اس لیے منع فرمایا جا رہا ہے کہ لوگوں پر اپنے تقویٰ اور نیکی کا رعب جمانے کی عادت ترک کر دو۔ کیونکہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے جو تمہارے ظاہر اور باطن کو خوب جانتا ہے۔ صرف آج سے ہی نہیں بلکہ اس وقت سے جب تمہارا نطفہ رحمِ مادر میں قرار پانے کے بعد اپنی تکمیل کے مراحل طے کر رہا تھا، بلکہ اس سے بھی ہزاروں سال پہلے جب تمہارے باپ آدم کا خمیر مٹی سے تیار کیا جا رہا تھا اور تمہارا ہیولیٰ ان کی پشت میں ودیعت کیا جا رہا تھا۔ جو خدا تمہیں ابتدائے آفرینش سے جانتا ہے اس کے سامنے شیخی بگھارنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ وہ خود جانتا ہے کہ تم میں سے متقی اور پرہیزگار کون ہے اور فسق و فجور کی آلائشوں سے کون آلودہ ہے۔ تمہارے بتانے کی اسے حاجت نہیں۔ اگر وہ تمہاری لغزشوں پر فوری گرفت نہیں کرتا یا تمہارے جرائم کا پردہ فاش نہیں کرتا تو یہ محض اس کا لطف و کرم ہے۔ اس میں تمہاری پاکبازی کا کوئی دخل نہیں۔

۳۵ بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت ولید ابن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ولید حضور علیہ الصلوٰۃ

اَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ

کنجوس بن گیا ۳۶ کیا اس کے پاس علم غیب ہے اور وہ دیکھ رہا ہے ۳۷ کیا وہ آگاہ نہیں ہوا جو

والسلام کی خدمت عالیہ میں اکثر حاضر ہوتا اور آیات قرآنی سنتا کرتا تھا نہیں سن کر وہ بے اختیار کہہ اٹھتا کہ بخدا یہ کلام تو بڑا سریع ہے اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہیں۔ اس کی رونق و شگفتگی دل موہ لینے والی ہے۔ نہ یہ جادو ہے اور نہ شعر۔

اس کے احباب اور رشتہ داروں کو جب ان باتوں کا پتہ چلا تو انہیں یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں وہ اسلام قبول کرنے کا برملا اعلان نہ کر دے چنانچہ اس کا ایک بے تکلف دوست اس کے پاس گیا اور اسے بڑی لعنت ملامت کی کہ تم اپنے آباء و اجداد اور اپنے بزرگوں کے مذہب کو چھوڑ رہے ہو اور ایک نیا دین اختیار کر رہے ہو۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے عذاب قیامت سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ اس دوست نے کہا کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم اتنا مال مجھے دے دو تو قیامت کے روز میں تمہارے حصے کا عذاب بھی اپنے سر پر اٹھا لوں گا۔ چنانچہ ولید نے اسلام لانے کا ارادہ ترک کر دیا اور جس مال کا وعدہ اس ضامن سے کیا تھا اس میں سے کچھ تو اسے دے دیا بقیہ دینے سے مکر گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم کو فرماتے ہیں کہ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے حق قبول کرنے سے منہ پھیر لیا۔ پھر اپنے ضامن کو پورا معاوضہ بھی نہ دیا۔ یہ شخص کتنا احمق ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ روز حساب کوئی شخص اس کے حصے کا عذاب برداشت کرے گا اس کے ساتھ ساتھ یہ کتنا بڑا بخیل ہے کہ جتنا مال دے کر اپنی جان بخشی کروانے کا اس نے سودا کیا تھا وہ بھی اس نے پورا ادا نہیں کیا حماقت اور بخل دونوں عیب اس میں پائے جاتے ہیں۔

۳۶ اَكْدٰى۔ علامہ راغب لکھتے ہیں اَلْكُدْيَةُ صَلَابَةٌ فِى الْاَرْضِ يُقَالُ حَفَرَ فَاَكْدٰى اِذَا وَصَلَ اِلٰى كُدْيَةٍ و استعير ذٰلك للطالب المخفق والمعطى المقلّ (مفردات)

ترجمہ: زمین کھودتے ہوئے اگر پتھریلی تہہ آجائے تو عرب کہتے ہیں حَفَرَ فَاَكْدٰى اس نے زمین کھودی اور نیچے سے چٹان نکل آئی۔ بطور استعارہ ناکام طلبگار اور تھوڑا دینے والے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

علامہ فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں، اَكْدٰى۔ بَخِلَ اَوْ قَلَّ خَيْرُهٗ اَوْ قَلَّلَ عَطَاءَهٗ۔ بخل کرنا، نیکی کی بھلائی کا کم ہونا، کسی کی عطا کا قلیل ہونا۔ المنجد میں ہے اَكْدٰى اَكْدَاءً۔ بَخِلَ فِى الْعَطَاءِ۔ اس نے دینے میں بخل سے کام لیا۔

۳۷ یعنی اس نے جو یہ خیال کر لیا کہ فلاں شخص قیامت کے روز اس کے اس جرم کے بدلے میں اس کا عذاب اپنے سر لے لے گا کیا اس کے پاس غیب کا ایسا علم ہے جس کے باعث اس کو اپنے اس سودا بازی کے درست ہونے کا یقین ہو گیا ہے۔

صُحُفِ مُوْسٰی ۝۳۶ وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ۝۳۷ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۝۳۸ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝۳۹ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ

موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجا لائے ۳۸ کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۳۹ اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے ۴۰ اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد

۳۸ اگر اس نے سابقہ آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو اسے اپنی اس غلط اندیشی کا علم ہو جاتا۔ صحف، صحیفہ کی جمع ہے۔ صحف موسیٰ سے مراد تورات ہے جو متعدد اسفار پر مشتمل ہے۔ یہ محرف شکل میں آج بھی موجود ہے۔ صحف ابراہیم سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس وقت اس کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ اس کے اہم مضامین کے بارے میں قرآن کریم نے جو کچھ بتایا ہے۔ صحف ابراہیم کا ذکر قرآن کریم میں دو مقامات پر آیا ہے۔ ایک اس مقام پر، دوسری مرتبہ سورۃ الاعلیٰ کی آخری آیت میں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی صحیفے نازل ہوتے تھے۔ ان دو مقامات پر ان تعلیمات کا اشارۃً ذکر کر دیا جو ان میں مندرج تھیں۔

۳۹ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے یہ قانون رائج تھا کہ اگر ایک شخص کسی کو قتل کرتا تو قاتل کی سزا اس کے باپ، اس کے بیٹے، اس کے بھائی اور اس کی بیوی یا اس کے غلام کو بھی دی جاتی۔ ان میں سے کسی کو پکڑ کر قتل کر دیا جاتا۔

قال البغوی عن عکرمۃ عن ابن عباس قال کانوا قبل ابراھیم علیہ السلام یاخذون الرجل بذنب غیرہ وکان الرجل یقتل بقتل ابیہ وابنہ واخیہ وامرأتہ وعبدہ۔

جب آپ مبعوث ہوئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا:

الا تزر وازرۃ وزر اخری کہ کسی کا گناہ کسی دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔ یوں اس ظالمانہ قانون کا قلع قمع ہوا۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ کسی سابق رسول کی شریعت کا یہ مسئلہ تھا، بلکہ یہ ان کے دور جاہلیت کا ایک رواج تھا جو صدیوں سے ان میں چلا آرہا تھا اور کبھی کبھی کوئی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا تھا۔ بعینہ اس طرح جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر کسی غریب قبیلے کا غلام یا عورت طاقتور قبیلے کے کسی فرد کو قتل کر دیتی تو طاقتور قبیلہ بطور قصاص اس قاتل غلام یا عورت کو قتل کرنے پر مطمئن نہ ہوتا بلکہ عورت کے بجائے ان کے کسی مرد اور غلام کے بجائے ان کے کسی آزاد مرد کو قتل کیا جاتا۔ الحر بالحر والعبد بالعبد الآیۃ نازل ہوئی تو جاہلیت کے اس ظالمانہ دستور کا خاتمہ ہوا۔

بظاہر بعض آیتیں اور حدیثیں اس آیت سے متعارض معلوم ہوتی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے من سن سنۃ سیئۃ فلہ وزرھا ووزر من عمل بھا الی یوم القیامۃ۔ اخرجہ احمد ومسلم من حدیث جریر بن عبد اللہ۔

یعنی امام احمد اور مسلم نے جریر بن عبداللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص بُرا طریقہ رائج کرتا ہے اس پر اس کا بوجھ بھی لادا جائے گا اور قیامت تک جو لوگ اس طریقے کو اختیار کریں گے، ان کا بوجھ بھی اس پر لادا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے گناہ کا بوجھ بھی کسی پر لادا دیا جاتا ہے، حالانکہ آیت اس کی نفی کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ چونکہ یہ شخص قیامت تک آنے والے بدکاروں کی بدکاری کا سبب بنتا ہے، اس لیے وہ ان بدکاریوں میں شریک ہے اسی کی سزا اسے ملے گی۔ یہ نہیں کہ ان بدکاروں کو کوئی سزا نہ دی جائے گی اور ان سب کی سزا اس شخص کو دی جائے گی۔

دوسری حدیث ہے جس کے راوی ابن عمر ہیں۔ اذا انزل اللّٰہ بقوم عذابا اصاب العذاب من کان فیہم ثم بعثوا علی اعمالھم (متفق علیہ)

یعنی جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرتا ہے تو اس قوم کے تمام افراد (نیک و بد) اس عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں پھر قیامت کے دن وہ اپنے اعمال کے مطابق قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ عذاب ان لوگوں پر بھی نازل ہوتا ہے جو مجرم نہیں ہوتے، حالانکہ آیت اس کی تردید کرتی ہے، تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے جو لوگ ان جرائم کا ارتکاب نہیں کیا کرتے تھے، لیکن مجرموں کو منع بھی نہیں کرتے تھے بلکہ خاموشی سے ان گناہوں کو دیکھتے رہتے تھے، ان کی یہ خاموشی ان کا گناہ تھا جس کی وجہ سے وہ اس عذاب میں مبتلا کیے گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث جو سنن اربعہ میں مروی ہے اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھتے ہیں اور ظلم سے اس کا ہاتھ نہیں پکڑ لیتے قریب ہے ان پر بھی عذاب نازل ہو گا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب انسان فوت ہوتا ہے اور اس کے رشتہ دار ماتم کرتے ہیں تو ان کے ماتم کرنے کے گناہ کا عذاب اس میت کو دیا جاتا ہے۔

یہ حدیث بھی اس آیت کے منافی ہے۔ اس کے بارے میں علما فرماتے ہیں کہ میت کو اس وقت عذاب ہو گا جب یا تو وہ وصیت کر جاتے کہ مجھ پر ماتم کرنا یا اسے معلوم تھا کہ اس کے گھر والے اس کے مرنے پر ماتم کریں گے اور اس نے ان کو منع نہیں کیا تب یہ عذاب اس کے اپنے گناہ کا ہو گا۔

بہرحال اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں جو یہ حکم نازل ہوا تھا وہ شریعت محمدیہ میں بھی باقی ہے۔ کسی کے گناہ کے بدلے میں کسی دوسرے کو سزا نہیں دی جائے گی ہر شخص اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔ ۴۰ یہ حکم صحف موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام میں بھی موجود تھا اور شریعت اسلامیہ میں بھی یہ قانون باقی ہے۔ لیکن بعض کج فہموں نے اس آیت کو ایسے معانی پہنائے ہیں جس سے متعدد دوسری آیات کی تردید اور تکذیب ہوتی ہے اس لیے ہمیں ضرورت ہے کہ ان باطل معانی کا جائزہ لینا چاہیے اور اس کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ یہ طریقہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں کہ ایک آیت کی ایسی من مانی تشریح کی جائے جس سے متعدد آیات کی تغلیط ہوتی ہو۔

اشتراکی ذہنیت رکھنے والے جو محنت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں

کہ ہر انسان صرف اسی چیز کا حقدار ہے جو اس نے اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کی ہو۔ اور اپنے اس نظریے کو قرآن کریم کی اس آیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ہمیں ان سے کسی بحث کی ضرورت نہ تھی، ہر شخص اپنی پسند کے مطابق جس نظریے کو چاہے اپنائے۔ ہمیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے لیکن اپنے من گھڑت نظریات کو قرآن کی طرف منسوب کرنا ایک ایسی زیادتی ہے جس پر خاموش رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ ہم ان صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن کریم کی متعدد آیات میں میراث کے احکام مذکور نہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد اولاد کو جو جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ ورثہ میں ملتی ہے کیا اس میں ان کی محنت اور کوشش کا کوئی دخل تھا۔ ایسی جائیداد کا قرآن نے انہیں کامل مالک ٹھہرایا ہے۔ معصوم بچیاں یا شیر خوار بچے جنہوں نے کسی طرح بھی اس جائیداد کے بنانے میں کوئی حصہ نہیں لیا، وہ بھی وارث ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ، صدقات، ہبہ کوئی شخص کسی مستحق کو دیتا ہے تو مستحق اس کا کامل مالک بن جاتا ہے۔ اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے۔ حالانکہ اس نے اس مال کے کمانے میں ایک قدم تک نہیں اٹھایا۔ آیت کا یہ خود ساختہ مفہوم اختیار کر کے کیا یہ لوگ ان صدہا آیات پر قلم تنسیخ پھیر دیں گے جن میں میراث، وصیت، زکوٰۃ، صدقات اور ہبہ کے احکام مذکور ہیں۔

ان اشتراکی اذہان کے علاوہ ایک اور فرقہ گزرا ہے جو تاریخ اسلام میں معتزلہ کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ کسی کے عمل کا ثواب کسی دوسرے انسان کو نہیں پہنچ سکتا۔ ہر شخص کو انہی اعمال کا اجر ملے گا جو اس نے خود کیے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی اس آیت میں تصریح کی گئی ہے کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔

ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر کسی کا عمل کسی کے لیے نفع بخش نہیں ہے تو قرآن کریم کی متعدد آیات میں مسلمانوں کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور متعدد آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرشتے مسلمانوں کے گناہوں کی بخشش کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ کئی ایسی آیتیں ہیں جن میں انبیائے کرام نے اپنے والدین، اپنی اولاد اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بخشش کی دعائیں مانگی ہیں۔ اگر استغفار اور دعاؤں کا میت کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تو پھر ان لاحاصل کاموں میں انبیاء اور ملائکہ کیوں وقت ضائع کرتے رہے اور ہمیں مسلمان بھائیوں کے لیے دعائے مغفرت کا کیوں حکم دیا گیا ہے۔ ساری امت مسلمہ نماز جنازہ ادا کرتی ہے اس میں کسی فرقہ کی تخصیص نہیں۔ یہ نماز جنازہ بھی دعائے مغفرت ہے۔ اگر یہ بے سود اور لاحاصل ہے تو اس تکلف کو بجا لانے کا اسلام نے کیوں حکم دیا۔ معتزلہ کے اس مفہوم کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو قرآن کریم کی کثیر التعداد آیتیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لیے امت کا اجماع اس بات پر ہے کہ ہم اپنے اعمال کا ثواب اپنے والدین اور دوسرے مومنین کو پہنچا سکتے ہیں اور اس سے انہیں فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ اصولی طور پر تو تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے جس کا خلاصہ ہدیہ ناظرین ہے:

عبادات کی کئی قسمیں ہیں۔ خالص بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ، تلاوت قرآن۔ خالص مالی عبادات جیسے صدقات وغیرہ۔ مالی اور بدنی عبادات کا مرکب جیسے حج وغیرہ۔

امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ خالص بدنی عبادات کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا، البتہ عبادات کی دوسری دو قسموں کا ثواب دوسرے کو پہنچ سکتا ہے لیکن احناف کا مسلک یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ہر نیک عمل کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا

ہے خواہ اس نیک عمل کا تعلق عبادت کی کسی قسم سے ہو نماز، روزہ، تلاوت قرآن، ذکر، صدقہ، حج، عمرہ جو نیک عمل بھی وہ کرے اس کے بارے میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کر سکتا ہے الٰہی اس کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا اس بارے میں اتنی کثرت سے صحیح احادیث موجود ہیں کہ کوئی مسلمان ان کے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

یہاں ہم ان میں سے چند احادیث ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

۱۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریۃ وعلم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ (رواہ مسلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، بجز تین اعمال کے کہ ان کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

پہلے دو کام تو ایسے ہیں جن میں اس شخص کا بھی کچھ عمل دخل ہے، لیکن لڑکے کی دعا لڑکے کا اپنا فعل ہے۔ اس سے بھی میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۲۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیرفع الدرجۃ للعبد الصالح فی الجنۃ فیقول یا رب انی لی ھذہ فیقول باستغفار ولدک لک (رواہ طبرانی)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں کسی عبد صالح کے درجے کو بلند فرما دیتا ہے۔ وہ بندہ پوچھتا ہے یا رب! میرا درجہ کیسے بلند ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیرے لڑکے نے تیرے لیے استغفار کی، اس کی برکت سے تیرا درجہ بلند ہوا۔

۳۔ عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی قبرہ الا شبہ الغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او ولد او صدیق ثقۃ واذا الحقتہ کانت احب الیہ من الدنیا وما فیھا وان اللہ لیدخل علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال وان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم (رواہ بیہقی والدیلمی)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے کی طرح ہوتی ہے جو فریاد کر رہا ہوتا ہے اور اس چیز کا منتظر ہوتا ہے کہ اس کے باپ، اس کی ماں یا لڑکے یا باوفا دوست کی دعا اسے پہنچے اور جب وہ دعا اسے پہنچتی ہے تو اس کی قدر و منزلت اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعاؤں کی برکت سے قبر والوں پر رحمت کے پہاڑ بھیجتا ہے اور مرے ہوؤں کے لیے دوستوں کا تحفہ یہ ہے کہ وہ ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کریں۔

۴۔ عن عائشۃ ان رجلا قال یا رسول اللہ ان امی افتلتت نفسھا ولم توص واظنھا لو تکلمت تصدقت فھل لھا اجر ان تصدقت عنھا قال نعم (متفق علیہ)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں اچانک فوت ہو گئی اور کوئی وصیت نہ کر سکی۔ میرا خیال ہے اگر اسے

ہوتا تو ضرور صدقہ دیتی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے اس کا اجر ملے گا۔ حضور نے فرمایا بے شک۔

۵۔ عن ابن عباس ان سعد بن عبادة توفيت امه وهو غائب عنها فقال يا رسول الله صلى الله عليك وسلم ان امي ماتت وانا غائب فهل ينفعها ان تصدقت عنها قال نعم قال فاني اشهدك ان حائطي صدقة عنها۔ (رواه البخاري)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سعد ابن عبادہ کی والدہ نے وفات پائی تو آپ موجود نہ تھے جب واپس آئے تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی یا رسول اللہ! میری والدہ نے میری غیر حاضری میں وفات پائی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے کوئی نفع پہنچے گا تو حضور نے فرمایا ہاں پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کی حضور آپ گواہ رہیں میں نے اپنا باغ اس کی طرف سے صدقہ کر دیا۔

۶۔ عن انس سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من اهل بيت يموت منهم ميت فيتصدقون عنه بعد موته الا اهداها له جبرائيل على طبق من نور ثم يقف على شفير القبر فيقول يا صاحب القبر العميق هذه هدية اهداها اليك اهلك فاقبلها فيدخل عليه فيفرح بها ويستبشر ويحزن جيرانه الذين لا يهدى اليهم شيء (رواه الطبراني في الاوسط)

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص کسی گھر سے فوت ہوتا ہے اور گھر والے اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو جبرئیل ایک نور کے تھال پر اسے رکھتے ہیں پھر اس کی قبر کے دہانے پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں اے گہری قبر کے رہنے والے! یہ وہ تحفہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تیری طرف بھیجا ہے اسے قبول کر۔ اس کی خوشی اور مسرت کی کوئی حد نہیں رہتی اور اس کے پڑوسی جن کی طرف کوئی ہدیہ نہیں بھیجا جاتا وہ بڑے غمناک ہوتے ہیں۔

۷۔ عن انس قال جاء رجل الى النبي صلى الله عليه وسلم قال ان ابي مات ولم يحج حجة الاسلام فقال أرأيت لو كان على ابيك دين كنت تقضيه عنه قال نعم قال فانه دين عليه فاقضه (رواه البزار والطبراني بسند حسن)

حضرت انس فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور اس نے حج نہیں کیا۔ حضور نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہاں ادا کرتا حضور نے فرمایا یہ حج بھی اس پر قرض ہے۔ اس کو ادا کرو۔

۸۔ عن علي رضي الله تعالى عنه من مر على المقابر وقرأ قل هو الله احد احدى عشرة مرة ووهب اجره للاموات اعطي من الاجر بعدد الاموات (رواه ابو محمد السمرقندي)

ابو محمد سمرقندی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ جو شخص قبرستان میں سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل شریف پڑھ کر اہل قبرستان کو بخشے تو جتنے لوگ وہاں دفن ہوں گے ان کی تعداد کے برابر اسے ثواب ملے گا۔

۹۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قرأ فاتحۃ الکتاب وقل ھو اللّٰہ احد والھٰکم التکاثر ثم قال انی جعلت ثواب ما قرأت من کلامک لاھل المقابر من المؤمنین والمؤمنات کانوا شفعاء لہ الی اللّٰہ۔ (رواہ ابو القاسم سعد بن علی)

ابوالقاسم سعد بن علی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورہ فاتحہ، قل شریف اور الھٰکم التکاثر پڑھے پھر یہ کہے کہ الٰہی میں نے تیرے کلام سے جو پڑھا ہے اس کا ثواب اس مقبرہ کے مومن مردوں اور عورتوں کو بخشتا ہوں۔ تو یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی شفاعت کریں گے۔

۱۰۔ عن انس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من دخل المقبرۃ فقرأ سورۃ یٰس خفف اللّٰہ عنھم۔ (اخرجہ عبد العزیز صاحب الخلال بسندہ)

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں داخل ہوتا ہے اور سورۃ یٰس پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل قبور پر تخفیف کر دیتا ہے۔

کثیر التعداد احادیث میں سے یہ چند مرفوع احادیث ہیں جو اوپر نقل کی گئی ہیں۔ صحابہ کرام کا بھی اسی پر تعامل تھا۔

حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد آپ کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے غلام آزاد کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبد الرحمٰن وفات پا گئے تو حضرت عائشہ نے ان کے لیے غلام آزاد کیا اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ وفات کے بعد یہ چیز انہیں نفع پہنچائے گی۔

مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے وفات پانے والوں کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: قال الحافظ شمس الدین ابن عبد الواحد مازالوا فی کل مصر یجتمعون ویقرؤن لموتاھم من غیر نکیر فکان ذلک اجماعا۔

ترجمہ: حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد کہتے ہیں ہر شہر میں مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنے فوت شدگان کے لیے قرآن کریم کی قرأت کرتے ہیں اور کبھی کسی عالم نے اس پر اعتراض نہیں کیا گویا اس بات کا اجماع ہے۔

۱۱۔ اخرج الخلال عن الشعبی کانت الانصار اذا مات لھم المیت اختلفوا الی قبرہ یقرؤن القرآن۔

امام شعبی سے مروی ہے کہ انصار کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی آدمی فوت ہوتا تو وہ اس کی قبر پر جایا کرتے اور وہاں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے۔

۱۲۔ وفی الاحیاء عن احمد بن حنبل قال اذا دخلتم المقابر فاقرؤا بفاتحۃ الکتاب والمعوذتین وقل ھو اللّٰہ احد واجعلوا ذلک لاھل المقابر فانہ یصل الیھم۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ فاتحہ اور تینوں آخری قل پڑھو، پھر اس کا ثواب

يُرٰى ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿٤١﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿٤٢﴾ وَ

نظر آجائے گا ۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ۲۲ اور یہ کہ سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے ۲۳ اور

قبرستان والوں کو پہنچاؤ۔ وہ انہیں پہنچے گا۔

جب اس کثرت سے ایصال ثواب کے بارے میں احادیث موجود ہیں تو پھر اس کا انکار کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ لیکن آیت کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔

حضرت ابن عباس کا ارشاد ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے :

والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم۔

یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرتی رہی تو ہم درجات اور مراتب میں ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آباؤ اجداد کی نیکیاں اولاد کے مراتب کو بلند کر دیتی ہیں۔ بعض نے اس آیت کی توجیہ کی ہے کہ یہاں الانسان سے مراد کافر ہے کہ کفار کو کسی کی نیکیاں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں، لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو الجھن خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ایصال ثواب سے صرف اس شخص کو نفع پہنچتا ہے جو ایمان کی حالت میں فوت ہوا ہو۔ جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اسے قطعاً کوئی نفع نہیں پہنچتا، تو معلوم ہوا کہ یہ سارے اعمال صالحہ جن کا ثواب ایک مومن کو پہنچایا جاتا ہے درحقیقت اس کے ایمان کے درخت کا پھل ہیں اور ایمان کا درخت اس شخص کی اپنی سعی کا نتیجہ ہے تو گویا یہ ساری چیزیں اس کی ذاتی کوشش میں شمار ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنے ایمان کے درخت کی اعمال صالحہ سے آبیاری کرتے رہتے ہیں اور گناہوں کی ژالہ باری سے اس کو بچائے رکھتے ہیں ان کا پھل بھی زیادہ لگتا ہے اور لوگ کثرت سے ان کی ارواح کو ایصال ثواب کرتے ہیں۔ اولیائے کرام کے مزارات پر فاتحہ پڑھنے والوں کا ہجوم اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ان مقبول ترین بندوں نے ایمان کا جو درخت لگایا اور عمر بھر اپنے گریۂ سحری سے اسے سینچتے رہے اس کی بہار اور اس کا جوبن قابل دید ہے۔

ارشاد ربانی ہے مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا۔

کہ کلمہ طیبہ کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں پاتال تک چلی گئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ درخت ہر لحظہ پھل دے رہا ہے۔

اس مسئلہ کے دیگر مباحث ضیاء القرآن سورۂ النحل کی آیت ۱۱۵ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

(نوٹ: اس آیت کی تشریح میں ایصال ثواب کے بارے میں جو احادیث درج کی گئی ہیں اور جو آثار نقل کیے گئے ہیں وہ تفسیر مظہری سے ماخوذ ہیں۔)

۲۲ ہر انسان اپنی زندگی کے لمحات کو کن مقاصد کے لیے صرف کر رہا ہے اور اپنی ساری قوتیں اور توانائیاں ان کے

أَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿٤٣﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿٤٤﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ

یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے ۴۳ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے ۴۴ اور یہ کہ اسی نے پیدا فرمائیں

حصول کے لیے وقف کیے ہوتے ہیں، قیامت کے روز ان کی پوری طرح جانچ پڑتال کی جائے گی اور اس کے مقاصد اور اس کی نیت کے مطابق اس کی جدوجہد کے نتائج برآمد ہوں گے اس لیے آج اپنے اعمال کا خود احتساب کیا کرو تاکہ قیامت کے روز تمہیں نادم اور شرمسار نہ ہونا پڑے۔

۴۱؎ ہر شخص کو اس کے اعمال اور اس کی مساعی کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اگر وہ زندگی بھر نفس کی خواہشات کی تکمیل میں لگا رہا۔ کبھی اپنے رب کی یاد اور عبادت کا اسے خیال نہ آیا تو اس کا بدلہ ملے گا اور جو شخص اپنے کریم پروردگار کی رضا حاصل کرنے کے لیے مصروف رہا مصائب و آلام کی پروا کیے بغیر تسلیم و رضا کی راہ پر قدم بڑھاتا رہا تو اس کی جو پذیرائی ہوگی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

۴۲؎ ہر چیز کو روز حشر اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ کوئی شخص کہیں چھپ نہیں سکے گا اور کوئی شخص کہیں بھاگ کر روپوش نہیں ہو جائے گا۔

بعض حضرات نے اس کا دوسرا مفہوم بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ منتہیٰ مصدر میمی ہے اس کا معنی انتہا ہے یعنی فکر انسانی حقائق اشیاء کے میدان میں سرگرم سیر رہتا ہے لیکن جب حرم ذات تک پہنچ جاتا ہے تو پھر رک جاتا ہے۔ اس سے آگے قدم مارنے کی اسے مجال نہیں ہوتی۔

وقيل المعنى انه عزوجل منتهى الافكار فلا تزال الافكار تسير في بيداء حقائق الاشياء وماهياتها والاحاطة بما فيها حتى اذا وجهت الى حرم ذات الله عزوجل وحقائق صفاته وقفت وحرنت وانتهى سيرها.

حضرت ابن عباس کی روایت اس قول کی تصدیق کرتی ہے:

قال مر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على قوم يتفكرون في الله فقال تفكروا في الخلق ولا تفكروا في الخالق فانكم لن تقدروه. (ابن ماجه)

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو ذات الٰہی میں غور و فکر کر رہے تھے تو حضور نے انہیں ارشاد فرمایا مخلوق میں تو بے شک غور و فکر کیا کرو لیکن ذات خالق کو اپنی سوچ کا موضوع مت بناؤ کیونکہ یہ چیز تمہاری طاقت اور قدرت سے ماورا ہے۔

حضرت ابوذر سے بھی اسی سے ملتی جلتی حدیث منقول ہے:

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم تفكروا في خلق الله ولا تفكروا في الله فتهلكوا. (روح المعاني)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ کی مخلوق میں تو غور و فکر کیا کرو لیکن اس کی ذات میں فکر نہ کیا کرو ورنہ

الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ﴿٤٥﴾ مِنْ نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿٤٦﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ

دونوں قسمیں نر اور مادہ (وہ بھی) ایک بوند سے جب ٹپکتی ہے اور یہ کہ اسی (اللہ تعالیٰ) کے ذمہ

النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿٤٧﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ﴿٤٨﴾ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ

ہے دوسری بار پیدا فرمانا ۴۵ اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور مفلس بناتا ہے ۴۶ اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا

الشِّعْرَىٰ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ﴿٥٠﴾ وَثَمُودَ فَمَا أَبْقَىٰ ﴿٥١﴾ وَقَوْمَ

رب ہے ۴۷ اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عاد اولیٰ (قوم ہود) کو ۴۸ اور ثمود کو بھی پس کسی کو نہ چھوڑا۔ اور ہلاک کیا قوم

ہلاک ہو جاؤ گے۔

۴۴ چاہے تو کسی کو خوش کر کے ہنسا دے اور چاہے تو کسی کو غم و اندوہ میں مبتلا کر کے اسے رلا دے۔ مسرتیں اور غم اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ عقل مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسی کی بندگی کا قلادہ گلے میں ڈال کر اس کے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ اسی سے خوشی کی بھیک مانگو اور حزن و ملال سے اسی کی پناہ طلب کرو۔ اس کے در کو چھوڑ کر ادھر ادھر خوشیوں کی تلاش میں بھٹکتے پھرنا محض جہالت اور نادانی ہے۔

۴۵ موت و حیات بھی اسی کے دست قدرت میں ہے۔ منی کی بوند ایک جیسی ہوتی ہے۔ وہ اپنی حکمت سے کسی سے نر پیدا کرتا ہے اور کسی سے مادہ۔ جو خالق اتنی طاقت اور قوت کا مالک ہے اس کے لیے قطعاً یہ امر مشکل نہیں کہ وہ قیامت کے روز تمہارے بکھرے ہوئے ذروں کو جمع کر کے ان میں نئی زندگی پھونک دے۔

۴۶ اللہ تعالیٰ کی ایک دوسری شان بیان فرمائی جا رہی ہے۔ مال و دولت کے خزانے بھی اسی کے قبضہ میں ہیں۔ چاہے تو کسی کو مالا مال کر دے اور اسے بے حساب رزق عطا فرما دے اور چاہے تو کسی کو مفلس اور کنگال کر دے۔ دو پارہ نان کے لیے ترستا ہے اور اسے وہ بھی نصیب نہ ہو۔ یہ اس کی حکمت کے کرشمے ہیں۔ ان میں کیا اسرار پنہاں ہیں ان کی حقیقت سے وہی خوب واقف ہے۔ اقنیٰ کے کئی اور معانی بھی بتلائے گئے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کا وہی معنی یہاں زیادہ مناسب ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔

۴۷ ایک نہایت روشن ستارہ ہے جو جوزا کے بعد طلوع ہوتا ہے اس کو شعریٰ کہتے ہیں۔ شعریٰ نام کے دو ستارے ہیں۔ ایک کو شعریٰ عبور اور دوسرے کو شعریٰ غمیصاء کہتے ہیں۔ اساطیر عرب میں ہے کہ یہ دونوں سہیل ستارہ کی بہنیں ہیں۔ بعض عربی خرافات میں یوں مذکور ہے کہ سہیل اور شعریٰ دونوں میاں بیوی تھے۔ سہیل نیچے کی طرف ڈھل گیا اور یمانی ہو گیا۔ شعریٰ اس کی بیوی کہکشاں کو عبور کر کے اس کے پیچھے پیچھے آ گئی۔ اس لیے اسے الشعریٰ العبور کہتے ہیں۔ اور دوسری روتی رہ گئی اس لیے اس کو الشعریٰ الغمیصاء کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام کلب الجبار بھی ہے کیونکہ یہ جوزا جسے جبار کہا جاتا ہے اس کے پیچھے پیچھے کتے کی طرح چلتا ہے۔

نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ ۝ وَالْمُؤْتَفِكَةَ

نوح کو ان سب سے پہلے۔ وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ اور (لوط کی) الٹی ہوئی بستی کو بھی

أَهْوَىٰ ۝ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ۝ هَٰذَا

پٹخ دیا ۴۹ پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا ۵۰ پس (اے سننے والے) تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا ۵۱ یہ

اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام ستاروں کا رب ہے لیکن اسے خصوصیت سے رب الشعریٰ کہا گیا ہے کیونکہ بقول سدی حمیر اور خزاعہ کے قبیلے اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے جس نے اس کی عبادت شروع کی اس کا نام ابو کبشہ ہے۔ عرب کے دوسرے قبائل اگرچہ اس کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے لیکن اس کی عزت و تکریم کرنے میں سب شریک تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ شعریٰ کائنات میں بہت موثر کردار ادا کرتا ہے۔

شعریٰ ستارے کے انگریزی میں کئی نام ہیں۔ اسے SIRIUS ، DOG STAR اور CANIS MAJORIS بھی کہا جاتا ہے انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں SIRIUS کے عنوان کے ضمن میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ یہ ستارہ مجموعہ نجوم میں روشن ترین ستارہ ہے۔ سورج سے بھی اس کی روشنی اکیس گنا زیادہ ہے اور حجم میں بھی یہ سورج سے بڑا ہے۔ اس کی سطح کا درجہ حرارت بھی کافی زیادہ ہے۔ زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ اعشاریہ چھ (۸.۶) نوری سال ہے۔ قدیم مصری اس کو بہت مقدس مانتے تھے کیونکہ جس موسم میں یہ طلوع ہوتا اس وقت دریائے نیل میں سیلاب کی آمد آمد ہوتی۔ تمام علاقہ سیراب ہو کر سرسبز و شاداب ہو جاتا۔ مصریوں کا ایک عرصہ دراز تک یہی عقیدہ رہا کہ شعریٰ ستارہ کے طلوع کے باعث مصر میں خوشحالی کا دور دورہ ہوتا ہے اس لیے وہ اسے ہر قسم کی سرسبزی اور شادابیوں کا خالق یقین کرتے تھے اور اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا جلد ۲۰)

ہوسکتا ہے کہ اہل عرب میں اس کی عبادت کا تصور مصر ہی سے آیا ہو۔

۴۷ عاد اولیٰ سے مراد عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد ہے۔ اسے اولیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی کے بعد سب سے پہلے اس قبیلے پر عذاب نازل ہوا۔ ان کی طرف ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا لیکن جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر زور دار جھکڑ بھیجا جس نے ان کو برباد کر کے رکھ دیا۔ ان میں سے فقط وہی لوگ بچے جو حضرت ہود پر ایمان لائے تھے۔ انہیں کی اولاد کو عاد الآخرہ کہا جاتا ہے۔

ثمود جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور قوم نوح جب ان کی نافرمانیاں اور معصیت شعاریاں انتہا کو پہنچ گئیں تو ان کو بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔

۴۹ اس سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہے جن کی بستیوں کو جڑوں سے اکھیڑ کر اوپر اٹھایا گیا اور اوندھا کر کے ان کو زمین پر دے مارا گیا۔ اس کا مادہ اِفْکٌ ہے۔ عرب کہتے ہیں افکہ ای قلبہ وصرفہ یعنی اس نے کسی چیز کو الٹ پلٹ کر پھینک دیا۔ المؤتفکۃ

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ

یہ ڈرانے والا (رسول) ہے اگلے ڈرانے والوں کی طرح ۔ ۵۲ قریب آنے والی قریب آگئی ۔ ۵۳ اللہ کے سوا اس کوئی

اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَ

ظاہر کرنے والا نہیں ۔ ۵۴ بھلا کیا تم اس بات سے تعجب کر رہے ہو ۔ ۵۵ اور بے شرموں کی طرح ہنس رہے ہو اور

بهم ای انقلبت وصار عالیها سافلها

اَهْوٰی ، ای خسف بهم ، یعنی پہلے اٹھایا اور پھر زور سے الٹا دیا تاکہ وہ زمین میں دھنس جائے۔

۵۰ قوم لوط کی بستیاں زمین میں دھنس گئیں اور بحر مردار کا پانی ان پر چھا گیا اور ان کو موجوں نے ڈھانپ لیا۔ ابھی تک بحر مردار کے پانی میں یہ بستیاں ڈوبی ہوئی ہیں، سمندر کا پانی ان پر چھایا ہوا ہے۔

۵۱ تتماریٰ ، تشکک وتجادل (مظہری) تتمارٰی کے دو معنی ہیں۔ کسی چیز میں شک کرنا اور جھگڑا کرنا۔ سامعین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ عاد، ثمود، قوم نوح کیوں عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دی گئیں۔ ان کا یہی تو جرم تھا کہ وہ اللہ کی نعمتوں میں شک کرتے تھے۔ انہیں یہ یقین نہ تھا کہ ان انعامات سے انہیں ان کے رب نے سرفراز کیا ہے۔ بلکہ وہ بتوں کو بھی اس میں شریک سمجھتے تھے اور جب ان کے انبیاء انہیں اس غلط فہمی سے نجات کا راستہ بتاتے تو یہ ان سے جھگڑتے۔ ان کو جھٹلاتے، ان پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے۔ ان کا مذاق اڑاتے وہ اپنے کیے کی سزا پا گئے۔ اے سننے والے! کیا تو بھی یہی روش اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ایسے دردناک عذاب اور عبرتناک انجام کے لیے تمہیں بھی تیار رہنا چاہیے۔

جن انبیاء اور اقوام کا یہاں ذکر ہوا ہے ان سب کا تعلق ابراہیم علیہ السلام کے ماقبل زمانے سے ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہاں تک جو مضامین بیان ہوئے ہیں وہ صحف ابراہیم میں ہوں اور انہیں یہاں ذکر کر دیا گیا ہو۔ کیونکہ ان میں ہدایت کا جو درس ہے، حاملینِ قرآن کے لیے بھی اسی طرح مفید ہے جس طرح امت ابراہیمی کے لیے مفید تھا۔

۵۲ ھذا کے مشار الیہ کے بارے میں تین قول ہیں۔ (۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہو گا کہ پیغمبر اسلام بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہیں۔ (۲) قرآن کریم یعنی یہ قرآن بھی پہلی آسمانی کتابوں کی طرح ڈرانے والا ہے۔ ۳۔ یہ واقعات جو تمہیں سنائے گئے ہیں، گزشتہ برباد ہونے والی قوموں کے حالات ہیں۔

۵۳ علامہ جوہری صحاح میں ازف کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ازف الترحل یازف ازفا دنا وافد۔ کوچ کے وقت کا قریب ہونا۔ بتایا جا رہا ہے کہ قیامت لمحہ بہ لمحہ قریب سے قریب تر ہو رہی ہے۔ تمہاری موت کی گھڑی بھی نزدیک آتی جا رہی ہے اور کسی کو معلوم نہیں کہ کس لمحے تمہاری زندگی کا چراغ بجھ جائے گا۔ اس لیے لیت ولعل میں قیمتی وقت ضائع نہ کرو۔ ابھی جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ مہلت کی گھڑیاں اچانک ختم ہو جائیں اور پھر تمہیں کف افسوس ملنا پڑے۔

لَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا ﴿٦٢﴾

اور روتے نہیں ہو ۵۶ اور تم نے کھیل مذاق بنا رکھا ہے ۵۷ پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی عبادت کیا کرو ۵۸

۵۴ کشف کا معنی ظاہر کرنا، کسی چھپی ہوئی چیز سے پردہ ہٹا دینا۔ یعنی قیامت کو ظاہر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جب وہ چاہے گا اس کو آشکارا کر دے گا اور برپا ہو جائے گی۔ علامہ قرطبی نے اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں ای لیس لہا من دون اللہ من یؤخرھا او یقدمھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی مؤخر کر سکتا ہے اور نہ مقدم کر سکتا ہے۔

۵۵ یہاں تعجب سے مراد وہ تعجب ہے جو کسی چیز کو ناقابلِ تسلیم خیال کرتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ کفار کو سرزنش کی جا رہی ہے کہ میرا رسول ایسی کتاب لے کر تمہارے پاس تشریف لایا ہے جس کی ہر آیت سے ہدایت کے انوار پھوٹ رہے ہیں۔ تمہیں تو اس کی قدر کرنی چاہیے تھی اور ایک لحظہ ضائع کیے بغیر اس پر ایمان لے آنا چاہیے تھا۔ الٹا تم اس کی ہدایات پر اظہارِ حیرت و تعجب کر رہے ہو۔ گویا یہ کوئی ایسی باتیں ہیں جو تمہارے نزدیک تسلیم کرنے کے قابل ہی نہیں۔

۵۶ تمہیں تو چاہیے تھا کہ گزشتہ برباد ہونے والی قوموں کے حالات پڑھ کر تم خوفِ الٰہی سے روتے اور اپنی گزشتہ لغزشوں پر آنسوؤں کے دریا بہا دیتے۔ الٹا تم بے حیاؤں کی طرح ہنس رہے ہو۔

۵۷ علامہ راغب سمد کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ السامد اللاھی الرافع رأسہ۔ جو شخص غفلت سے سر اٹھا کر چلا جا رہا ہو اسے سامد کہتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس کے کئی اور معانی بیان کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس کا معنی لاھون، معرضون کیا ہے یعنی غفلت سے منہ موڑنے والے۔ عکرمہ نے آپ سے یہ معنی بھی نقل کیا ہے وھو الغناء بلغة حمیر۔ گانے بجانے کو سمود کہتے ہیں۔ حضور حبیب انہیں قرآن کریم پڑھ کر سناتے تو وہ گانے بجانے میں مشغول ہو جاتے تاکہ یہ پاک کلام انہیں سنائی نہ دے مبادا اس کی تاثیر سے وہ اپنے باطل عقائد کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔

قال الضحاک سامدون شامخون متکبرون۔ وفی الصحاح سمد سمودا رفع رأسہ تکبرا۔

۵۸ یہ سورۃ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حرمِ کعبہ میں مشرکین کے مجمعِ عام میں پڑھ کر سنائی۔ سامعین پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو آیت پڑھی تو سب کے سب سجدہ میں گر گئے۔ سامعین جن میں کفار اور مشرکین کی بھی بہت بڑی تعداد تھی سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے۔ امیہ بن خلف بھی وہاں موجود تھا اس نے نیچے سے مٹی اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھا اور اسی پر ماتھا رکھ دیا۔ کہنے لگا میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

کفار کی خرمستیوں اور غفلت شعاریوں کو بیان کرنے کے بعد اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ تم عجز و نیاز سے اپنے پروردگار کی جناب میں سجدہ ریز ہو جاؤ۔ تمام باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو جو عبادت کے لائق ہے۔ یہی معراجِ انسانیت ہے ـــــــ یہی وہ سب سے اونچی چوٹی ہے جس پر رسائی حاصل کرنے سے انسان اپنی منزلِ مراد پر پہنچ جاتا ہے۔

یہ آیت سجدہ ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس آیت کی تلاوت کرنے والے اور اسے سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔ امام مالک کے نزدیک یہاں سجدہ واجب نہیں۔ اگر اپنی مرضی سے کوئی کرلے تو ٹھیک ہے۔ امام مالک جب یہ آیت تلاوت کرتے تو خود سجدہ کیا کرتے۔

احناف کے پاس اس سجدے کے وجوب کی کئی دلیلیں ہیں۔ ایک تو یہی روایت جو ابھی مذکور ہوئی کہ حرم شریف میں حضور نے اس سورۃ کی تلاوت فرمائی اور خود بھی سجدہ کیا اور سامعین بھی سجدہ ریز ہو گئے۔

اس کے علاوہ موطا میں امام مالک نے حضرت عمر کا یہ فعل نقل کیا ہے کہ آپ نے صبح کی نماز میں سورہ النجم پڑھی پھر سجدۂ تلاوت کیا۔ پھر اٹھے اور سورۃ زلزال پڑھی پھر رکوع کیا۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رحمۃ للعلمین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

قد فرغت من تسوید هذه السطور بعد الساعة الثامنة صباح يوم الجمعة المبارك۔

وانا مسجون فی سجن مدیریۃ سرگودھا ۶ مایو سنۃ ۱۹۷۷م

ویغنی الی احب من احماق قلبی ان تکون کلمۃ اللہ هی العلیا وکلمۃ الذین کفروا السفلی۔

ربنا هب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
القمر

نام : پہلی آیت میں القمر کا کلمہ ہے یہی اس کا نام ہے۔ اس میں تین رکوع، پچپن آیتیں، تین سو بیالیس کلمے اور ایک ہزار چار سو تینتیس حروف ہیں۔

نزول : اس کے نزول کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب انشقاق قمر کا معجزہ رونما ہوا اور یہ معجزہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پانچ سال پہلے منیٰ کے میدان میں ظہور پذیر ہوا۔

مضامین : آئے روز وہ ایسے معجزات کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے جن کو دیکھنے کے بعد کوئی سلیم الطبع انسان حضور کی رسالت کا انکار نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن عقل کے اندھے ان کو جادو کہہ کر ٹال دیا کرتے۔ آخر کار ایک شان کی فرمائش پر شق قمر کا معجزہ دکھایا گیا۔ مکہ کے سارے باشندے منیٰ کے کھلے میدان میں حاضر تھے۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ حضور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے انگلی کا اشارہ کیا۔ اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ چاند کا کرّہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوا کہ اس کا ایک حصہ پہاڑ کے اس طرف اور دوسرا دوسری طرف چلا گیا ہے۔ پھر وہ آناً فاناً جڑ گیا۔ کفار یہ دیکھ کر تصویر حیرت بن گئے اُن کے پاس حضور کی رسالت کے انکار کا اب کوئی عذر باقی نہ رہا۔ لیکن اس کے ماننے میں ابوجہل وغیرہ کو مزاحمت یہ جادوگر ہے اس کا جادو آسمان پر بھی اثر کرتا ہے۔

اُن کے اس طرح انکار سے حقیقت تو مسخ نہیں کی جا سکتی۔ آخر اُنہوں نے اس چیز کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا کہ اتنا بڑا کرہ جو ان کی زمین سے کئی گنا بڑا ہے پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اگر یہ کرہ پھٹ سکتا ہے تو دوسرے کرے کیوں پھٹ نہیں سکتے۔ یہی تو قیامت ہے جس کا وہ انکار کیا کرتے ہیں۔ بتا دیا کہ ان کے انکار کی وجہ کوئی عقلی استدلال نہیں بلکہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اور کیونکہ ان کا عشرت پسند نفس یہ چاہتا ہے کہ قیامت کبھی نہ آئے اس لیے یہ قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ ان بدنصیبوں کو اس وقت ہوش آئے گا جب قیامت کے دن فرشتے ان کو ہانک کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جا رہے ہوں گے۔ اس کے بعد ان کے سامنے چند گزشتہ قوموں کے احوال بیان کیے گئے کہ کس طرح انہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا۔ ان کی دعوت کا مذاق اڑایا۔ اپنی ظاہری قوت کے باعث ظلم و تشدد اور فسق و فجور کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن جب مہلت کی مقررہ مدت ختم ہو گئی تو عذاب خداوندی آیا اور ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔

ہر قوم کے حالات ذکر کرنے کے بعد ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر کی آیت کو دہرایا گیا جس سے قارئین کو تنبیہ کی گئی کہ قرآن کوئی معموں کی کتاب نہیں جس کو سمجھنا ان کے بس سے باہر ہو یہ تو ایک مکمل اور واضح کتاب ہے جو شخص بھی خلوص نیت سے اس کو سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لیے اس کو سمجھنا آسان ہوگا۔

گزشتہ قوموں کی بربادی کے قصے بیان کرنے کے بعد کفار مکہ کو مخاطب کیا جا رہا ہے کہ کیا تمہیں کوئی سرخاب کے پر لگے ہیں کہ تم جو کچھ کرتے رہو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا؟ کیا تمہارے پاس اللہ کا لکھا ہوا کوئی وعدہ ہے کہ تم حرم خلیل میں اگر تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کرتے رہو گے تو تمہیں معاف کر دیا جائے گا۔ اگر تمہیں اپنی جمعیت اور اپنے جنگجو بہادروں کی قوت پر ناز ہے تو کان کھول کر سن لو کہ تم اور تمہارے لاؤ لشکر اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

ہم نے تمہارے تمام اعمال کو لکھ رکھا ہے۔ روز محشر تم اپنی غلط کاریوں اور کرتوتوں کا انکار نہیں کر سکو گے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۷۷-۴-۲۱

سورۃ القمر مکیۃ وھی خمس وخمسون آیۃ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وثلاث رکوعات

سورۃ قمر مکی ہے اس کی ۵۵ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ آیات اور ۳ رکوع ہیں

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا

قیامت قریب آگئی ہے[1] اور چاند شق ہو گیا[2] اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں

[1] حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس اثنا میں سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا تو رحمت عالم نے فرمایا ما بقی من الدنیا فیما مضی الا مثل ما بقی من ھذا الیوم فیما مضی یعنی دنیا کی مقررہ مدت میں سے اب اتنی قدر وقت باقی ہے جتنا آج کے دن سے سورج غروب ہونے میں باقی ہے۔ یعنی کافی زمانہ گزر گیا اب وقوع قیامت میں تھوڑی مدت باقی رہ گئی ہے۔ حضرت سہل ابن سعد کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا بعثت انا والساعۃ ھکذا واشار باصبعیہ السبابۃ والوسطی حضور نے اپنی دو انگلیوں سبابہ اور وسطی سے اشارہ کیا اور فرمایا میری بعثت اور قیامت یوں ملی ہوئی ہیں۔ اس آیت میں بھی یہی بتایا کہ قیامت برپا ہونے کا اللہ تعالیٰ نے جو وقت متعین کیا ہے وہ اب قریب آلگا ہے۔ زیادہ عرصہ گزر چکا اب تھوڑا وقت باقی ہے۔

[2] تم لوگ وقوع قیامت کا انکار کرتے ہو۔ تمہیں بڑا تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح یہ سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا۔ آسمان پہاڑ ستارے اتنی بڑی بڑی قوی ہیکل چیزیں کہاں جائیں گی۔ دیکھو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اگر چاند دو ٹکڑے ہو سکتا ہے تو باقی تمام چیزیں خواہ کتنی ہی بڑی ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ بھی ٹوٹ پھوٹ سکتی ہیں۔

علامہ قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مشرک اکٹھے ہو کر حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایئے۔ حضور نے فرمایا ان فعلت تؤمنون۔ اگر میں ایسا کر دوں تو کیا ایمان لے آؤ گے وہ بولے ضرور۔ اس رات کو چودھویں تاریخ تھی۔ اللہ کے پیارے رسول نے اپنے رب سے عرض کی کہ کفار نے جو مطالبہ کیا ہے اسے پورا کرنے کی قوت دی جائے۔ چنانچہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مشرکوں کا نام لے لے کر فرما رہے تھے یا فلان، یا فلان اشھدوا۔ اے فلاں اے فلاں اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور اس بات پر گواہ رہنا۔ تمہاری فرمائش پوری ہو گئی۔ حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کفار نے جب اس عظیم معجزہ کو دیکھا تو ایمان لانے کے بجائے انہوں نے کہا ھذا سحر ابن ابی کبشۃ یہ ابی کبشہ کے بیٹے کی نظر بندی کا اثر ہے۔ اس نے تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ چند روز تک باہر سے قافلے آنے والے ہیں۔ ہم ان سے پوچھیں گے۔ اس جادو کی حقیقت خود بخود کھل جائے گی جب وہ قافلے کر آئے اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا فلاں رات کو چاند کو شق ہوتے تم نے دیکھا ہے۔ سب نے اس کی تصدیق کی لیکن اس کے باوجود کفار مکہ کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

یہ معجزہ ہجرت سے پانچ سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ بڑے جلیل القدر صحابہ نے اسے روایت کیا ہے جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ سیدنا علی مرتضیٰ، انس، ابن مسعود، حذیفہ، جبیر ابن مطعم، ابن عمر، ابن عباس وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں والاحادیث الصحیحۃ فی الانشقاق کثیرۃ۔ یعنی شق قمر کے بارے میں صحیح احادیث بکثرت ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے انہیں متواتر بھی کہا ہے۔ شارح مواقف کی بھی یہی رائے ہے۔

امام تاج الدین سبکی ابن حاجب کی المختصر کی شرح میں لکھتے ہیں الصحیح عندی ان انشقاق القمر متواتر منصوص علیہ فی القرآن مروی فی الصحیحین وغیرھما من طرق شتی بحیث لا یمتری فی تواترہ (روح المعانی) علامہ سبکی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک انشقاق قمر متواتر ہے اور قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے۔ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی اتنی سندوں سے مروی ہے کہ اس کے تواتر میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

بعض قصہ گو قسم کے لوگوں نے اس واقعہ پر مضحکہ خیز اضافے کیے ہیں کہ چاند حضور کے گریبان میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا۔ علماء نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ سراسر باطل ہے۔

کثیر التعداد صحیح احادیث کے باوجود بعض لوگ اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ واقعہ وقوع قیامت کے وقت ظہور پذیر ہوگا۔ انشق اگرچہ ماضی کا صیغہ ہے لیکن یہاں مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور لغت عرب میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ ان کے انکار کی کئی وجوہات ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو ساری دنیا میں اس کی دھوم مچی ہوتی اس زمانہ کے مورخ اپنی تاریخوں میں اس کا ذکر کرتے۔ علم نجوم کے ماہرین اپنی تصنیفات میں اس کو ظہور پذیر واقعہ نقل کرتے۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ چونکہ یہ واقعہ شام ہوا تھا اس لیے جزیرۂ عرب کے مغرب میں جو ممالک تھے وہاں اس وقت دن تھا لہٰذا وہاں تو دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز یہ واقعہ رات کو پیش آیا اور اچانک پیش آیا لوگوں کو کیا خبر تھی کہ ایسا واقعہ رونما ہونے والا ہے تاکہ وہ پہلے آہی سے اس کا انتظار کرتے۔ رات کو دنیا سو رہی ہوگی کسی کو کیا خبر کہ آن کی آن میں کیا وقوع پذیر ہو گیا۔ اگر کوئی اس وقت جاگ بھی رہا ہو تو ممکن ہے وہ کسی اور کام میں مشغول ہو اور اس نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی ہو یا توجہ کی ہو اور اس نے دیکھا بھی ہو لیکن اس کو وہم سمجھا ہو۔ غرضیکہ بیسیوں احتمالات ہو سکتے ہیں۔ اتنے احتمالات کی موجودگی میں ہم صحیح روایات سے ثابت شدہ واقعہ کو کس طرح غلط کہہ سکتے ہیں۔

علامہ سلیمان ندوی نے اپنی کتاب خطبات مدراس میں لکھا ہے کہ ابھی ابھی سنسکرت کی ایک پرانی کتاب ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ مالابار کے راجہ نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

بعض لوگ اس وجہ سے اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں کہ اتنا بڑا کرہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے اور وہ دونوں ٹکڑے اگر جڑ جائیں یہ ناممکن ہے۔ لیکن جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اسے ناممکن کہنا مشکل ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک کرہ کے اندر آتش فشاں مادہ ہو اور وہ اس طرح سے پھٹے کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں۔ لیکن مرکز کی مقناطیسی قوت اس طاقت ور ہو کہ وہ ان دونوں ٹکڑوں کو پھر سے یکجا کر دے۔ ہمیں ان تکلفات کی تب ضرورت پیش آتی جب خود بخود چاند کے پھٹنے کا واقعہ رونما ہوتا۔ جب ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝٢ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝٣

یہ بڑا زبردست جادو ہے ۔ ۲ اور انہوں نے جھٹلایا (رسول خدا کو) اور پیروی کرتے رہے اپنی خواہشات کی ۔ اور ہر کام کے لیے ایک انجام ہے ۔ ۳

نے اپنے محبوب کی رسالت کی تصدیق کے لیے چاند کو دو ٹکڑے کیا تو اب کسی کو شک کی مجال نہیں رہتی کیونکہ جس خالق حکیم نے اس چاند کو بنایا ہے وہ اسے توڑ بھی سکتا ہے اور ٹکڑے ٹکڑے بھی کر سکتا ہے ۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ انشقاق قمر دوبارہ قیامت کے وقت ہوگا قرآن کا سیاق و سباق ان کی اس توجیہہ کو قبول نہیں کرتا کیونکہ ان سیروا آیة والا جملہ صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے انشقاق قمر دیکھا ۔۔۔۔ اتنے عظیم الشان اور محیر العقول معجزہ کا مشاہدہ کیا ۔۔۔ لیکن پھر بھی ایمان لانے سے انکار کر دیا ۔ یہ کلام اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ شق قمر ہو چکا ہو ۔ واللہ علی کل شیء قدیر ۔

۲ انہوں نے اس معجزہ کا خود مطالبہ کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ معجزہ انہیں دکھایا جائے تو وہ ضرور ایمان لائیں گے ۔ لیکن جب یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا تو ان کو ایمان کی توفیق نہ ہوئی ۔ الٹا کہنے لگے یہ ایک بڑا زبردست جادو ہے ۔

مستمر کے دو معنی بتائے گئے ہیں ۔ قال ابو العالیہ والضحاک محکم قوی شدید وھو من المرة وھی القوة ۔ ابو العالیہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ یہ مرۃ جس کا معنی قوت ہے ، سے ماخوذ ہے ۔ اس کا معنی ہے مضبوط طاقتور ۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کا جادو بڑا مؤثر اور طاقتور ہے ۔ زمین پر ہی نہیں آسمانی چیزوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے ۔ لیکن قتادہ ، مجاہد اور دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے ذاھب من قولھم مر الشیء واستمر اذا ذھب (قرطبی) اس کا معنی ہے گزر جانے والا ۔ جب کوئی چیز گزر جائے اور گم ہو جائے تو عرب کہتے ہیں مر الشیء واستمر ۔

دوسری صورت میں اس جملہ کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ اپنے دوستوں کو تسلی دینے لگے کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ۔ پلک جھپکنے میں قمر ٹھیک ہو گیا ۔ یہ آنی فانی چیز ہے ۔ لوگ اس کو جلد ہی بھول جائیں گے ۔ ہمارے بتوں کی خدائی کو ایسے جادو سے کوئی خطرہ نہیں ۔

۳ اس سے پتہ چلتا ہے جب تک انسان ہٹ دھرمی کی روش کو ترک نہ کرے ، اتنا بڑا معجزہ بھی اس کی ہدایت کا سبب نہیں بن سکتا ۔ ہدایت ایسی چیز نہیں جو طالب کو پیش کر دی جائے ۔ یہ تو متاع عزیز ہے ، صرف اسی کو بخشی جاتی ہے جو اس کے حصول کے لیے بے تاب ہو ۔

جب کفار ایمان لانے کے لیے تیار ہی نہ ہوئے تو انہیں نعمت ایمان سے آخر کیوں سرفراز کیا جاتا ۔ انہوں نے تو دل میں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر بھی ایمان نہیں لائیں گے ۔ عقل کا چراغ انہوں نے گل کر دیا تھا اور غور و تدبر کا دروازہ انہوں نے سختی سے بند کر دیا تھا ۔ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب ہو جانے یہ سنت الٰہی کے خلاف ہے ۔ اسی لیے انہوں نے اس کے باوجود اللہ کے رسول کی تکذیب کی اور رشد و ہدایت کی روش کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل میں لگ گئے ۔

۴ یعنی ہر کام کا کوئی نہ کوئی انجام ہے ۔ جو ایمان لائے گا اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرے گا اس کا انجام یہ ہوگا کہ اولئک ھم المفلحون کا تاج اس کے سر پر سجا دیا جائے گا اور جس شخص نے کفر و ضلال کو اختیار کیا ، نفس و شیطان کا غلام بنے رہا ، اس کا

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝٤ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا

اور بے شک آچکی ہیں ان کے پاس (پہلی قوموں کی بربادی کی) اتنی خبریں جن میں بڑی عبرت ہے ۔ یہ خبریں انتہائی حکمت (پر مبنی) ہیں پس نہ فائدہ دیا ڈرانے والوں

تُغْنِ النُّذُرُ ۝٥ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝٦

نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا ۔ پس آپ منہ پھیر لیجئے ان سے ۔ جس روز بلانے والا (انہیں) بلائے گا ایک ناگوار چیز کی طرف

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ

(خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی ۔ نکلیں گے قبروں سے یوں لگیں گے جیسے وہ پراگندہ ٹڈیاں

انجام یہ ہو گا اولئک ہم الخاسرون کے زمرہ میں اسے داخل کر دیا جائے گا۔ علامہ قرطبی نے اس کا معنی کیا ہے ای کل عمل عامل علہ للخیر مستقر بالمه فی الجنة والشر مستقر باعله فی النار۔ یعنی ہر عمل اپنے عامل کو کسی خاص ٹھکانے پر پہنچا دے گا عمل نیک لوگوں کو جنت میں لے جائے گا اور عمل بد دوزخ میں۔

ف ان کو راہ راست پر لانے کی یہ پہلی کوشش نہیں۔ گزشتہ گمراہ قوموں کے عبرت ناک انجام سے انہیں بار بار خبردار کیا گیا ہے۔ یہ واقعات اتنے عبرت انگیز تھے کہ اگر ان کے کان حق نیوش ہوتے تو انہیں کسی مزید تنبیہ کی ضرورت نہ رہتی۔

مزدجر۔ ازدجر سے ہے۔ اس کا معنی ہے طرد ۔ سائق ایہ بلند آواز سے کسی کو کسی کام سے باز رکھنا اور مرکز یعنی یہ واقعات انہیں سختی سے منع کر رہے ہیں کہ تم گمراہی کی یہ روش چھوڑ دو۔

ف پہلی آیت میں جو ما ہے اس کا یہ بدل ہے۔ یعنی وہ چیزیں ان کو باز رکھنے والی بھی ہیں اور سراپا حکمت بھی تھیں۔ بدل من ما فاعل جاء او خبر لمبتدا محذوف ای هو۔ یا هو مبتدائے محذوف کی یہ خبر ہے۔

نذر۔ یا نذیر کی جمع ہے یعنی آپ سے پہلے بھی کئی انبیاء تشریف لائے۔ یا مصدر ہے اور اس کا معنی ڈرانا ہے۔

ف اے حبیب! آپ ان کے ایمان نہ لانے سے غم زدہ نہ ہوں بلکہ ان سے اپنا رخ انور ہی پھیر لیں۔ انہیں خوب لگ پتہ چل جائے گا اس وقت جب انہیں ایک بلانے والا ایسی چیز کی طرف بلائے گا جو انہیں از حد ناگوار ہو گی۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ الداعی اسرافیل علیہ السلام یقف علی صخرة بیت المقدس یقول ایتہا العظام النخرة والعروق المتمزقة والاشعار المتقطعة ان اللہ یأمرکن ان تجمعن لفصل الخطاب (مظہری) یعنی اسرافیل علیہ السلام بیت المقدس کی چٹان پر کھڑے ہو کر کہیں گے اے بوسیدہ ہڈیو! اے پھٹے ہوئے جوڑ والے گوشت کے ٹکڑو اور بکھرے ہوئے بالو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اکٹھے ہو جاؤ اور فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو جاؤ۔ نکر۔ فظیع خوفناک یعنی قیامت کا دن۔

ف لفظ خشع کی تحقیق کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں خشع واختشع وتخشع ۔ رمی ببصره نحو الارض

مُنْتَشِرٌ ۝ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝٨

بکھری ہوئی۔ دوڑتے ہوئے بھاگے جا رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف [10] کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے [11]

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝٩

جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے یعنی انہوں نے جھٹلایا ہمارے بندے کو اور کہا یہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑکا بھی گیا [12]

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝١٠ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَاۗءِ بِمَاۗءٍ

تو پکارا آپ نے اپنے رب کو کہ میں عاجز آ گیا ہوں (ان لوگوں سے) بدلہ لے [13] پھر ہم نے کھول دیے آسمان کے دروازے موسلا دھار

وتعصیہ و خشوع صوتہ۔ نگاہیں نیچی کرلینا آنکھیں بند کرلینا اور آواز کا آہستہ ہو جانا۔ خشعا جمع ہے۔ اس کا واحد خاشع ہے۔ یخرجون میں ھم ضمیر کا حال ہے اس لیے منصوب ہے۔

[10] ابن منظور کہتے ہیں ھطع واھطع اقبل مسرعا خائفا لایکون الا مع خوف (لسان العرب) یعنی ڈر کے مارے تیزی سے کسی کی طرف جانا۔ ھطع اس تیزی کو کہتے ہیں جس میں خوف بھی پایا جاتا ہو۔ مقصد یہ ہے کہ جب بلانے والا انہیں بلائے گا تو ان کی مجال نہیں ہوگی کہ اس پکار پر سستی کریں بلکہ سینوں میں دل خوف سے دھڑک رہے ہوں گے پھر بھی کشاں کشاں دوڑے چلے جا رہے ہوں گے۔ ان آیات میں ان کے قبروں سے نکلنے اور وہاں سے بھاگنے کی منظر کشی کی جا رہی ہے۔ یعنی جب وہ قبروں سے باہر نکلیں گے تو شرم سے آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ترساں و لرزاں بھاگتے ہوئے بلانے والے کی طرف جا رہے ہوں گے۔ یوں معلوم ہوگا جیسے ٹڈیوں کا ایک بہت بڑا لشکر ایک سمت میں اڑتا چلا جا رہا ہے۔

[11] اس وقت کا فر کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا خوفناک اور ہولناک ہے۔ عسر۔ ای یوم شدید الھول عبوس قمطریر۔ لیکن اس روز قیامت کے دن کے پاس صرف اس کا رونا شروع ہوگا۔ اے کافرو! اگر وہ سخت دن آنے کا ادراک ہے۔ اس دن افسوس کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ آج ہی چشم ہوش وا کرو۔ آج ہی میرے رسول کا دامن پکڑ لو۔

[12] یہاں سے چند گزشتہ قوموں کے عبرت ناک انجام کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ ان کے مفصل حالات مختلف مقامات پر پہلے گزر چکے ہیں۔ تفصیلات کے لیے ادھر رجوع کیا جائے۔ یہاں صرف مشکل کلمات کی تشریح یا کوئی نئی چیز مذکور ہوئی ہے تو اس کی وضاحت پر اکتفا کیا جائے گا۔ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی قوم کو کفر و شرک اور بدکاریوں سے روکا تو ان کم بختوں نے صرف ان کو جھٹلایا ہی نہیں، صرف انہیں دیوانہ ہی نہیں کہا بلکہ ان کو بری طرح جھڑکتے اور دھمکیاں بھی دیتے کہ اگر تم نے اپنے وعظوں کا سلسلہ بند نہ کیا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ ازدجر۔ ای انتھروہ و زجروہ و تواعدوہ لئن لم تنتہ یا نوح لتکونن من المرجومین۔ انہوں نے انہیں سختی سے جھڑکا اور دھمکی دی کہ اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں رجم کر دیا جائے گا۔

[13] نوسو سال سے زیادہ عرصہ آپ ان کو وعظ و نصیحت کرتے رہے لیکن ان کی حالت اور بگڑتی گئی اور ان کی شرارت

مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ

کے ساتھ ﷲ اور جاری کر دیے ہم نے زمین سے چشمے پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لیے جو پہلے مقرر ہو چکا

قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً

تھا ۔ﷴ اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر ۔ چلتی جاتی تھی وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ۔ یہ

لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ فَكَيْفَ

(طوفان) بدلہ تھا اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا اور ہم نے رہنے دیا اس (واقعہ) کو ایک نشانی پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ۔ سو کیسا (خوفناک)

كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے ۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول

اور زیادہ تیز ہوتی گئی تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی الٰہی میں مغلوب ہوں ، تو میری مدد فرما یا ان سے انتقام لے۔

ﷲ منهمر ، المنصب المتدفق ۔ موسلا دھار اور بڑی قوت سے پانی گرنے لگا ۔ زمین کی تہ میں جو پانی کے سمندر پنہاں تھے انہیں حکم ملا وہ جگہ جگہ سے چشموں کی طرح بہہ نکلے۔

ﷴ ادھر زمین اپنے پانی کے ذخائر کو انڈیل رہی تھی ادھر آسمان سے پانی کا سیلاب امڈا آرہا تھا ۔ دونوں پانی یکجا ہوتے تو سارا علاقہ زیر آب آگیا ۔ اونچے اونچے مکانات ، بلند ٹیلے ، بلکہ پہاڑ بھی غرقاب ہوگئے اور اس مجرم قوم کو تباہ کرنے کا جو فیصلہ کیا گیا تھا پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

ﷸ نوح علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق لکڑی کے لمبے لمبے تختے چیر کر اور انہیں میخوں کیلوں اور مضبوط رسیوں سے جوڑ کر جو کشتی تیار کی تھی اس میں آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سوار ہوگئے۔

الواح جمع ہے لوح کی ، لکڑی کے تختے ۔ دُسُر ، اس کا واحد دسار ہے ، اس کا معنی المسمار یعنی میخ یا کیل ہے۔

ﷹ بے شک کشتی بڑی مضبوط تھی لیکن طوفان بڑا شدید تھا اور اس میں اٹھنے والی لہریں بڑی خطرناک تھیں کشتی کا ان کی زد سے بچ نکلنا آسان نہ تھا ۔ فرمایا کشتی ہماری حفاظت میں چل رہی تھی ۔ ہم خود اس کی نگہبانی فرما رہے تھے ۔ اس لیے اسے کوئی خطرہ نہ تھا وہ بلا دقت ان طوفانی موجوں میں اٹھلاتی اتراتی تیرتی چلی جا رہی تھی۔

ﷺ ہم نے اس طوفان کی یاد کو تازہ رکھا ۔ لوگ نسلاً بعد نسل ایک دوسرے کو بتاتے گئے ۔ واقعہ نگاروں نے اسے اپنی کتابوں میں تحریر کیا تاکہ آنے والے لوگ اس کو سن کر نصیحت قبول کریں ۔ ترکنا ھا کی ضمیر واقعہ کی طرف ہے ۔ یرید ھذہ الفعلۃ

مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا

کرنے والا؟ جھٹلایا عاد نے بھی تو کیسا خوفناک تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے ان

عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنزِعُ النَّاسَ

پر مسلط کر دی سخت آندھی ایک دائمی نحوست کے دن میں ۲۰ وہ اکھاڑ کر پھینک دیتی لوگوں

كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَ

کو گویا وہ ٹنڈ ہیں اکھڑی ہوئی کھجور کے۔ پس کیسا سخت تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔

عبرة (قرطبی) بعض علماء نے اس ضمیر کا مرجع کشتی کو بتایا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں ابقاها الله بباقردى من ارض الجزيرة عبرة وآية۔ اللہ تعالیٰ نے اسے باقی رکھا اور وہ سرزمین جزیرہ کے باقردی گاؤں میں ہزاروں سال تک رہی یہاں تک کہ جب مسلمانوں نے اس علاقہ کو فتح کیا اس وقت بھی اس کے آثار باقی تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن ایک آسان سی کتاب ہے ہر کوئی اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ قرآن آسان ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نصیحت قبول کرنے اور ہدایت پانے کے لیے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتا ہے ہم اس کے لیے اس کتاب مقدس کو آسان کر دیتے ہیں۔ اس کی فہم کو نور فراست سے روشن کر دیتے ہیں۔ اس کے ذہن کو جلا اور اس کے فکر کو بالغ نظری بخش دیتے ہیں۔ عروس حق الفاظ کا نقاب خود اٹھا دیتی ہے۔ لیکن جو ہدایت پذیری کے لیے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اس کو اس نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ وہ تو اسے ختم کر کے رکھ دیتا ہے اور قرآن کے الفاظ اس سے گفتگو ہی نہیں کرتے۔ اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ سمجھنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ مجرم کو اس کے جرم کی سزا دی جائے۔ قاتل کو تختہ دار پر لٹکا دیا جائے۔ اس وقت وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس نے غلط کام کیا تھا اسی کی سزا میں اس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا جا رہا ہے۔ سمجھ تو انسان اس طرح جاتا ہے اور خوب سمجھ جاتا ہے لیکن سمجھنے اور سمجھانے کا یہ انداز بڑا سخت اور تلخ ہے اور سمجھنے والے کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ سمجھانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے جو قرآن نے اختیار کیا ہے۔ وہ لوگ جو گمراہ ہیں اور نافرمانیوں میں اپنی عمر برباد کر رہے ہیں ان کے سامنے بڑے موثر پیرایہ میں اس فعل بد پر مرتب ہونے والے المناک نتائج سے اس گم کردہ راہ کو قبل از وقت آگاہ کر دیا جائے اور اس کے سامنے ایسے واقعات کے ڈھیر لگا دیے جائیں جن سے اسے یقین ہو جائے کہ اگر وہ اپنے کرتوتوں سے باز نہ آیا تو اس کا بھی یہی حال ہو گا۔ ہر شخص خود فیصلہ کر لے کہ قرآن کا انداز افہام و تفہیم آسان ہے یا عذاب کے شکنجہ میں جکڑے جانے کے بعد کسی کی آنکھ کھل جانے کو آسان ہے۔

۲۰ قوم عاد نے اپنے نبی کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ آخر کار ان پر تیز جھکڑ کا عذاب بھیجا گیا۔ تند و تیز بے رحم جھونکے انہیں اٹھاتے اور اٹھا کر انہیں زمین پر پٹخ دیتے۔ ان کے لمبے تڑنگے بھاری بھرکم لاشے دیکھ کر یوں لگتا کہ یہ کھجور کے ٹنڈ ہیں جنہیں کسی تیز آندھی نے جڑ سے

لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۲۲ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝۲۳

بےشک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝۲۴ ءَاُلْقِيَ

پس وہ کہنے لگے کیا ایک انسان جو ہم میں سے ہے وہ بھی اکیلا ہے ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کیا اتاری گئی

الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝۲۵ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ

ہے وحی اس پر ہم سب میں سے (یہ) کیونکر ممکن ہے، بلکہ وہ بڑا جھوٹا شیخی باز ہے۔ کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا

الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝۲۶ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ

جھوٹا شیخی باز ہے۔ ہم بھیجنے والے ہیں ایک اونٹنی ان کی آزمائش کے لیے پس (اے صالح!) ان کے انجام کا انتظار کرو

وَاصْطَبِرْ ۝۲۷ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝۲۸

اور صبر کرو۔ اور انہیں آگاہ کر دیجیے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان۔ سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں ۲۱ ع

اکھاڑ لیے اور زمین پر دے مارا ہے۔

فی یوم نحس مستمر۔ علامہ سید محمود آلوسی نے یہاں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ بہت سی ایسی روایات اور اقوال نقل کیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فلاں دن مبارک ہے اور فلاں دن منحوس۔ فلاں دن یہ کام کرنا چاہیے اور فلاں دن یہ کام۔ آخر میں فرماتے ہیں اس قسم کی تمام روایات صحیح سند سے ثابت نہیں بلکہ بعض تو بالکل ساقط الاعتبار اور موضوع ہیں۔ ان کا آخری جملہ نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ وقصارى القول ما شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن ولا دخل في ذلك للوقت ولا لغيره یعنی المختصر حقیقت یہ ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ وقت کو یا کسی اور چیز کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ پھر فرماتے ہیں نعم لبعض الاوقات شرف کیوم الجمعة وشهر رمضان وغيرهما (روح المعانی)۔ ہاں بعض اوقات برکت اور شرف والے ہوتے ہیں جیسے جمعہ کا دن یا رمضان کا مہینہ۔

۱۳۔ یہاں سے قوم ثمود کی بدبختی کا ذکر ہو رہا ہے۔ جب صالح علیہ السلام نے انہیں آکر توحید کی دعوت دی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور کہنے لگے اگر ہم اس کی بات کو مان لیں پھر تو ہم راہ راست سے بھٹک جائیں گے اور ارد گرد کے قبائل ہمیں دیوانہ اور احمق کہیں گے۔ ایک آدمی ہماری طرح بشر ہے پھر ہماری قوم کا ایک فرد ہے اور اس کے ساتھ کوئی جتھہ بھی نہیں۔ ایسے شخص کو نبی مان لینا

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾

پس ثمودیوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قدار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں۔ دیکھو کیسا تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾

ہم نے بھیجی ان پر ایک ہیبت ناک چنگھاڑ پس وہ اس طرح چور چور ہو گئے جیسے روندی ہوئی خاردار باڑھ۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ

بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ قوم لوط نے بھی جھٹلایا تھا

بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾

ڈرانے والوں کو۔ ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی ہوا سوائے لوط کے گھرانے کے ہم نے ان کو بچا لیا سحری کے وقت۔

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ

یہ خاص احسان تھا ہماری طرف سے۔ اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں جو شکر کرتا ہے۔ اور بے شک ڈرایا تھا انہیں (لوط علیہ السلام) نے ہماری پکڑ

بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ

سے لیکن جھگڑنے لگے ڈرانے کے بارے میں ۳۲ اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو

وہ کیسی گمراہی اور نادانی ہے۔ سُعُر کا معنی جنون ہے (لسان العرب)۔ ان گستاخوں نے آپ پر ایمان لانے سے ہی انکار نہیں کیا بلکہ بدزبانی کی حد کر دی۔ کہنے لگے یہ کذاب اشر ہے۔ کذاب مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے بڑا جھوٹا یعنی سب سے بڑا جھوٹا۔ اَشِر: بطر، وہ شخص جو ایسے کمال کا دعویٰ کرے جو اس میں نہ پایا جائے۔ جو بغیر استحقاق کے بڑا بننے کی کوشش کرے۔

شرب: پانی کی باری۔ فتعاطی: تناول، کسی کام کو کرنا۔ عقر: کونچیں کاٹ دینا۔ المحتظر: باڑہ کے لیے جو دیوار یا جنگلوں سے بنائی جاتی ہے اسے حظیرہ کہتے ہیں۔ اس باڑہ بنانے والے کو المحتظر کہتے ہیں۔ یہ جب خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں تو ان کو ہشیم کہتے ہیں۔ ہشیم المحتظر فرما کر یہ بتایا کہ جیسے خشک کانٹے دار ٹہنیاں روندی جانے کے بعد ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں ان کی بھی یہی حالت تھی۔

سورۃ الاعراف اور سورۃ ہود میں یہ واقعہ تفصیل سے گزر چکا ہے۔ ضیاء القرآن جلد دوم ملاحظہ فرمائیے۔

۳۲ تماروا: جھگڑا کرنا اور شک کرنا دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ راودوا: بہلانا، پھسلانا۔ طمسنا: طمس کہتے ہیں کسی چیز کا

أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ

تو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ ۔ پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب

مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ

نازل ہوا ۔ تو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ اور بیشک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے

فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا

پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ۔ اور آئے آل فرعون کے پاس ڈرانے والے ۲۳ انہوں نے جھٹلایا ہماری ساری آیتوں کو

فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم

پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا جیسے کوئی زبردست قوت والا پکڑتا ہے ۔ کیا تمہاری قوم کے کفار بہتر ہیں ان سے یا تمہارے لیے

بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ

معافی لکھ دی گئی ہے آسمانی نوشتوں میں ۔ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب رہے گی ۔ عنقریب پسپا ہو گی

الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ

یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے ۲۴ بلکہ ان کے وعدہ کا وقت روز قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک

نام ونشان مٹا دیا۔ جب ان کی قوم کو پتہ چلا کہ چند خوش شکل نوجوان لوط علیہ السلام کے پاس آئے ہیں تو وہ ناچتے ہوئے آ دھمکے۔ پہلے بہت پیار سے ان کو ورغلانا چاہا کہ وہ ان نوجوانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ بعد میں بالکل ہی بے قابو ہو گئے تو ان کی آنکھوں کو سلب کر لیا گیا یا جبریل نے پر مارا اور ان کی آنکھوں کا نام ونشان تک باقی نہ رہا، سارا چہرہ سپاٹ ہو گیا گویا یہاں کبھی کوئی آنکھ تھی ہی نہیں۔

لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی تفصیل تذکرہ ضیاء القرآن جلد اول اور دوم میں ملاحظہ فرمائیے۔

۲۳ یہی حال فرعون اور اس کی قوم کا بھی ہوا۔

۲۴ اے اہل عرب! تم سے پہلے جن قوموں نے دنیا میں تکذیب کی، ان کے ساتھ گستاخانہ سلوک کیا، ان قوموں کو جس انجام بد سے دوچار ہونا پڑا وہ تم سن چکے ہو۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسا آثار نظر نہیں آتا کہ تم اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو رہے ہو۔ کیا تم اس گھمنڈ میں ہو کہ ہم کچھ بھی کرتے رہیں ہم سے باز پرس نہیں ہوگی۔ تمہاری اس خام خیالی کی آخر کیا وجہ ہے۔ کیا تمہارے کافر پہلے کافروں سے بہتر ہیں؟ ان کا لحاظ

وقف لازم

وَاَمَرُّ ۝۴۶ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝۴۷ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي

اور تلخ ہے۔ بے شک مجرم گمراہی اور پاگل پن کا شکار ہیں۔ اس روز انہیں گھسیٹا جائے گا

النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝۴۸ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ

آگ میں منہ کے بل (انہیں کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک

بِقَدَرٍ ۝۴۹ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ۝۵۰ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ

اندازے سے۔ اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے ۵۰ اور بے شک ہم نے ہلاک کر دیا

اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۵۱ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝۵۲ وَ

جو تمہارے ہم مشرب تھے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ اور ہر چیز جو انہوں نے کیا ہے ان کے نامۂ اعمال میں درج ہے اور

کیا جائے گا یا تم نے کسی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے عرب کے کفار کچھ بھی کرتے رہیں ہم انہیں کچھ بھی نہیں کہیں گے یا تم اس زعم میں ہو کر تم بڑے جنگجو اور بہادر ہو۔ تمہاری جمعیت اور نفری بہت زیادہ ہے۔ پہلی قومیں بزدل اور کمزور تھیں اس لیے خدا کے غضب نے انہیں آکر دبوچ لیا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب کچھ گزند نہیں پہنچا سکتا۔ یہ تینوں باتیں سراسر غلط ہیں۔ عنقریب جب اسلام کے شیروں سے تمہارا مقابلہ ہوگا تو تمہارے لشکر کو بڑی عبرت ناک شکست ہوگی اور تم وہاں سے دُم دبا کر بھاگ نکلو گے۔ چنانچہ بدر کے میدان میں یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں سمجھ نہ سکا کہ وہ کونسا لشکر ہے جو پسپا ہو کر بھاگے گا لیکن جب روز بدر میں نے حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کو زرہ زیب تن فرمائے ہوئے دیکھا اور اپنے رب سے یہ التجا کرتے سنا اللھم ان قریشا جاءتک تحادک وتحاد رسولک بفخرھا وخیلائھا فاحنھم الغداۃ ثم قال سیھزم الجمع ویولون الدبر فعرفت تاویلھا یا اللہ! یہ قریش ہیں تجھ سے اور تیرے رسول سے جنگ کرنے کے لیے بڑے فخر و غرور سے آئے ہیں۔ الٰہی کل انہیں ہلاک کر دے۔ پھر حضور نے یہ آیت پڑھی سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ اس وقت مجھے اس آیت کا مصداق معلوم ہوا۔ (قرطبی)

۵۰ ہم ایک بار ہی حکم دیں گے اور چشم زدن میں اس کی تکمیل ہو جائے گی۔ لمح کہتے ہیں تیزی سے دیکھنا النظر بالعجلۃ۔ اشیاعکم، قرطبی لکھتے ہیں اشباھکم فی الکفر من الامم الخالیۃ۔ یعنی گزری ہوئی امتوں میں سے جو عقیدہ اور عمل میں تمہاری مثل تھے۔ مستطر: مکتوب۔

كُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿٥٤﴾

ہر چھوٹی اور بڑی بات (ان کے نامۂ اعمال میں) لکھی ہوئی ہے۔ بیشک پرہیزگار باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے۔

فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے۔

آخر میں اپنے مقبول بندوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ وہ جنتوں میں ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے جہاں بہتی ہوئی شفاف اور صاف شفاف پانی کی نہریں ہوں گی۔ اواخر آیات کی رعایت کی وجہ سے لفظ واحد ذکر کیا ہے، لیکن مراد انہار ہے۔

مقعد: بیٹھنے کی جگہ۔ صدق: موزوں، پسندیدہ۔ یہاں موصوف صفت کی طرف مضاف ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مدح المکان بالصدق فلا یقعد فیہ الا اہل الصدق یعنی اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو صفت صدق سے موصوف فرمایا ہے اس لیے وہاں اہل صدق ہی کو بیٹھنے کی جگہ ملے گی۔ اس نشست گاہ کو مقعد صدق اس لیے فرمایا گیا ہے وھو المقعد الذی یصدق اللہ تعالیٰ مواعید اولیاءہ بانہ یبیح عز وجل لہم النظر الیٰ وجہہ الکریم (روح المعانی) کہ یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے ساتھ جو وعدے فرمائے ہیں وہ پورے فرمائے گا۔ اس وقت ان عاشقان دلفگار کو اذن عام ہوگا کہ اے آتش عشق میں جلنے والو! اے شوق دید میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے والو! محبوب ازل اپنے رخ زیبا سے پردہ اٹھا رہا ہے آنکھیں اٹھاؤ اور سیر ہو کر شاہد رعنا کا دیدار کرو۔

علامہ قرطبی خالد بن معدان سے نقل کرتے ہیں: ہمیں یہ خبر پہنچی کہ قیامت کے روز دو فرشتے مومنین کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے یا اولیاء اللہ انطلقوا اے اللہ کے دوستو تشریف لے چلیے۔ وہ پوچھیں گے کدھر؟ فرشتے کہیں گے جنت کی طرف۔ اہل ایمان جواب دیں گے: انکم تذہبون بنا الی غیر بغیتنا اے ملائکہ! تم ہمیں ادھر تو نہیں لے جارہے جو ہماری آرزو و تمنا تھی۔ فرشتے پوچھیں گے تمہاری آرزو کیا تھی؟ فیقولون مقعد صدق عند ملیک مقتدر، ہم تو قدرت والے بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات مسجد میں گیا۔ کچھ وقت گزرا تو مجھے خیال آیا کہ صبح ہوگئی ہے لیکن ابھی رات ہے۔ وہاں میرے سوا کوئی دوسرا نہ تھا، میں پھر سو گیا۔ میں نے اپنے پیچھے کوئی حرکت سنی میں گھبرا گیا۔ میں نے سنا کوئی کہہ رہا ہے: ایہا المتلئ قلبہ فرقا لا تفرق وقل اللہم انک ملیک مقتدر ما تشاء من امر یکون ثم سل ما بدا لک۔ قال فما سالت اللہ تعالیٰ شیئا الا استجاب لی۔ یعنی اے شخص جس کا دل خوف سے بھر گیا ہے مت گھبرا، ایک چلے یہ کہہ: اللہم انک ملیک مقتدر ما تشاء من امر یکون اے اللہ! تو بادشاہ ہے بڑی قدرت والا ہے جو کام تو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ یہ کہنے کے بعد جو تیرے جی میں آئے وہ مانگ۔ سعید کہتے ہیں جو بھی میں اپنے رب سے مانگتا ہوں وہ مجھے عطا فرماتا ہے۔

یہ لکھنے کے بعد علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: انا اقول (میں کہتا ہوں) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ناچیز بندہ بھی عرض کرتا ہے:

اللہم انک ملیک مقتدر ما تشاء من امر یکون فاسعدنی فی الدارین وکن لی ولا تکن علی وانصرنی علی من عادانی و اعتدی من ھم الدین وقہر الرجال وشماتۃ الاعداء وصل اللہم وسلم علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ والحمد للہ رب العالمین۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سورۃ الرحمٰن

نام: اس مبارک سورۃ کا پہلا کلمہ الرحمٰن ہے، یہی اس کا نام ہے۔ نیز اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانیت کی تجلیاں ہر سو جلوہ طراز ہیں، اس لیے اس سورت کے مضامین سے یہ نام بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے اس کا نام "عروس القرآن" بھی مروی ہے۔

اس میں تین رکوع، چھتر یا اٹھتر آیتیں، تین سو اکیاون کلمے، ایک ہزار چھ سو چھتیس حروف ہیں۔

نزول: اگرچہ چند حضرات نے اسے مدنی سورتوں میں شمار کیا ہے لیکن اکثر علماء تفسیر کی یہی رائے ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اس کے مضامین بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ روایاتِ صحیحہ میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔ علامہ قرطبی اس سورت کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

"حضرت عروہ ابن زبیر سے مروی ہے کہ ایک روز صحابہ کہنے لگے کہ قریش نے آج تک قرآن کو سنا نہیں، لیکن یونہی اس کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ہمت کرکے اور بلند آواز سے ان کو قرآنِ حکیم سنائے تو کتنا اچھا ہو۔ حضرت ابن مسعود نے کہا یہ سعادت میں حاصل کروں گا۔ صحابہ نے کہا تمہارا سنانا مناسب نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں کمزور اور ضعیف سمجھ کر زدوکوب کریں۔ کسی ایسے آدمی کو یہ فریضہ انجام دینا چاہیے جس کا قبیلہ زور آور ہو تاکہ اس کے خوف سے کوئی کافر اس پر دست درازی نہ کر سکے۔ لیکن ابن مسعود نے ان کی ایک نہ سنی۔ اٹھے مقامِ ابراہیم کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ اور اپنی شیریں آواز سے بلند آواز میں سورۃ الرحمٰن کی تلاوت شروع کر دی۔ قریش جو اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے پہلے تو انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ بعد میں جب انہیں پتہ چلا کہ یہ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں تو اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے قریب آکر انہیں مارنا شروع کیا۔ بڑی بیدردی سے انہیں پیٹا یہاں تک کہ ان کا چہرہ زخمی ہو گیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں اس واقعہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

نخلہ کے مقام پر جب جنات کا ایک گروہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے گزرا تو اس وقت حضور نمازِ صبح میں اسی سورت کی تلاوت کر رہے تھے اور یہ واقعہ بھی ہجرت سے پہلے کی زندگی کا ہے۔ ان روایات صحیحہ کے بعد اس کے نزول کے بارے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

مضامین : اسمائے حسنیٰ میں سے الرحمٰن کے ساتھ اس سورۃ کا آغاز ہو رہا ہے۔ الرحمٰن رحمت و لطف کی ان وسعتوں اور بلندیوں کو شامل ہے جن کا تصور کرنا بھی ہمارے حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ انسان کو اس نے پیدا فرمایا، اس میں ایسی صلاحیتیں ودیعت کیں اور ایسی استعدادوں کی تخم ریزی کی جن میں سے بعض کا تعلق اس کی روحانی بالیدگی اور ارتقاء سے ہے اور بعض کا تعلق اس کی مادی زندگی کی نشوونما سے ہے۔

پہلے اس نعمت کو بیان کیا جس کا تعلق اس کے قلب و روح سے ہے۔ یعنی قرآن کریم کا علم اور اس کے اظہار و بیان کی قوت۔ اس کے بعد آسمانی اور زمینی ان نعمتوں کا ذکر کیا جو انسان کی غذا اور اس کی صحت کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس کے ضمن میں چند احکامات بھی ارشاد فرمائے۔ ساتھ ساتھ اپنی شانِ کبریائی کا بھی تذکرہ کر دیا۔

نوعِ انسانی کے ساتھ ایک دوسری نوع کا ذکر بھی یہاں خصوصیت سے کیا گیا ہے جسے جن کہا جاتا ہے ان دونوں کے مادۂ تخلیق میں جو فرق ہے وہ بھی بتا دیا اور فبای الاء ربکما تکذبٰن کے بار بار تکرار سے اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا کہ قرآن کے مخاطب صرف انسان ہی نہیں بلکہ جنات بھی ہیں اور جب وہ قرآن کے احکام پر عمل کرنے کے مکلف ہیں تو واضح ہو گیا کہ وہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور حضور جن و انس دونوں کے نبی ہیں۔

دوسرے رکوع میں جن و انس میں سے جو سرکش افراد ہیں ان کے انجام کے بارے میں بڑی وضاحت سے بتا دیا اور آخری رکوع میں بڑے روح پرور انداز سے ان انعامات اور احسانات کا تذکرہ کر دیا جو مولائے کریم جن و انس میں سے اپنے نیک اور فرماں بردار بندوں پر فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نافرمانی سے بچائے اور اپنے ہر قسم کے عذاب سے پناہ دے۔ اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کی توفیق مرحمت فرمائے اور محبت کی دولت سے مالا مال کرے۔ اور اپنے ان سعادت مند بندوں میں شامل کرے جن پر وہ راضی ہے۔ اللّٰھم تقبّل منّا و انت اکرم المسئولین بجاہ حبیبک رحمۃ للعالمین۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۳۰ - ۴ - ۷۷

سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَسَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَثَلٰثُ رُکُوْعَاتٍ

سورۂ رحمٰن مدنی ہے اس میں ۷۸ آیات اور ۳ رکوع ہیں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ﴿۴﴾

رحمٰن نے سکھایا (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن ۲ے پیدا فرمایا انسان (کامل) کو ۳ے (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا

لے اس سورۂ مبارکہ میں ان تمام روحانی اور جسمانی، دنیوی اور اخروی نعمتوں کا ذکر تفصیل سے ہو رہا ہے جن سے جن و انس کو ابتدائے آفرینش سے سرفراز فرمایا گیا، سرفراز فرمایا جا رہا ہے یا عالم آخرت میں سرفراز فرمایا جائے گا۔ اس لیے اس کی ابتدا الرحمٰن سے ہوئی جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ از حد مہربان بہت ہی رحمت فرمانے والا جس کا دستر خوان جود و کرم اتنا کشادہ ہے کہ مومن و کافر، مطیع و عاصی، اپنے اور بیگانے کسی نہ کسی صورت میں مستفید ہو رہے ہیں اور جس کا دامن رحمت اتنا وسیع ہے کہ نقطہ پر دیکھنے والی ہی نہیں بلکہ ازل تا ابد سب اس کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔

حضرت امام غزالی الرحمٰن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الرحمٰن : العطوف علی العباد بالایجاد اولًا و بالهدایة الی الایمان واسباب السعادة ثانیا والاسعاد بالاخرة ثالثا والانعام بالنظر الی وجهه الکریم رابعًا

یعنی الرحمٰن اپنے بندوں پر از حد لطف و عنایت فرمانے والا۔ اس کا پہلا احسان تو یہ ہے کہ پیدا فرمایا۔ دوسرا لطف یہ ہے کہ پیدا کرنے کے بعد وادیٔ ضلالت میں آوارہ بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ دیا بلکہ حق کی طرف رہنمائی فرمائی اور اسباب سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔ تیسری ذرہ نوازی یہ کرے گا کہ یوم حشر ان کی مغفرت فرمائے گا اور غایت رحمت کا ظہور اس وقت ہو گا جب عاشقان زار کو، محبان دلفگار کو، مشتاقان دیدار کو شرف دیدار سے مشرف فرمائے گا۔

نیز کفار کے ایک سوال کا جواب بھی ہے۔ انہوں نے جب اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں الرحمٰن سنا تو کہنے لگے ۔ الرحمٰن کون ہے۔ ہم تو اس کو نہیں جانتے۔ بتا دیا کہ الرحمٰن وہ ہے جس کی شان رفیع تم اس سورۂ مبارکہ میں سنو گے۔

۲ے اپنے بے شمار انعامات میں سے سب سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا کیونکہ یہی وہ آفتاب ہے کہ جب مطلع حیات پر طلوع ہوتا ہے تو زندگی کی شب دیجور صبح سعادت سے آشنا ہوتی ہے۔ انسان جب اس کی ہدایات کو خضر راہ بناتا ہے تو شرف انسانی کی منزل تک پہنچ پاتا ہے۔ یہی وہ صحیفۂ رشد و ہدایت ہے کہ جس کے باعث انسان کا رشتہ اپنے خالق کریم سے جڑ رہتا ہے۔

عَلَّمَ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے یعنی کس کو سکھایا اور کیا سکھایا۔ یہاں دوسرا مفعول تو ذکر کر دیا کہ قرآن کی تعلیم دی لیکن پہلا مفعول کہ کس کو تعلیم دی مذکور نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مفعول اتنا عیاں ہے کہ عدم ذکر کے باوجود کسی کو اس کے بارے میں تردد نہیں ہو سکتا اور وہ ہے ذات پاک محمد مصطفیٰ حبیب کبریا علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء حضور کے سوا علوم قرآنیہ

ہے جتنا کچھ حصہ کسی کو ملا ہے وہ سب حضور کے واسطے اور حضور کے طفیل ملا ہے۔

ذرا غور فرمائیے! متعلم محمد ابن عبد اللہ روحی وقلبی فداہ ہے اور معلم خود خالق ارض وسما ہے۔ شاگرد وہ کہ کائنات ہے اور استاد عالم الغیب والشہادۃ ہے اور پڑھایا کیا جا رہا ہے؟ قرآن . . . کون سا قرآن؟ جو سراپا رحمت ہے، جو مجسم ہدایت ہے جو نور علیٰ نور ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جس کا ذکر اس کتاب مبین میں موجود نہ ہو) اس تعلیم سے جو بحر بے پایاں کنار رسالت مآب کے سینہ بے کینہ میں موجزن ہوا اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

خلیفۃ اللہ فی الارض آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا اور خلیفۃ اللہ فی العالم کے بارے میں فرمایا عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ . . . .

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

۳؎ اس سے نعمت ایجاد کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہاں انسان سے مراد نوع انسانی ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابن عباس سے یہ قول بھی منقول ہے کہ الانسان سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ قال ابن عباس ایضا وابن کیسان الانسان ھٰھنا یراد بہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (قرطبی)

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں جاز ان یقال خلق الانسان یعنی محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علمہ البیان یعنی القرآن فیہ بیان ما کان وما یکون من الازل الی الابد۔ یعنی یہ درست ہے کہ یہاں انسان سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور علمہ البیان سے قرآن مراد ہو جس میں ما کان وما یکون جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے ازل سے ابد تک کا بیان ہے۔

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں فعلی ھٰذہ الجملتان الاخیرتان بیان وتفصیل للاولیٰ واھذا المرید ترک العاطف منہما وکلاھما العدل متعلقۃ بالرحمٰن یعنی جب الانسان سے حضور کی ذات والا صفات مراد ہو اور علمہ البیان سے بھی حضور کو بیان کی تعلیم ہو تو یہ دونوں آیتیں پہلی آیت کی تفصیل ہوں گی یعنی جس کو قرآن کا علم دیا ہے اسی انسان کی پیدائش اور اسی کو بیان سکھانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ الرحمٰن مبتدا ہے اور یہ تینوں جملے اور وگر سے اس کی خبریں۔ علامہ خازن، علامہ بغوی اور دیگر مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی قول نقل کیا ہے۔

خلق الانسان میں الانسان سے مراد اگر نوع انسانی ہو اور علمہ البیان میں بھی اسی کو بیان کی تعلیم کا ذکر ہو تو اس میں بھی الرحمٰن کی شان رحمانیت کا روشن ظہور ہے۔ لیکن آپ خود سوچیے! الانسان سے مراد اگر وہ باعث تخلیق کائنات فخر آدم وبنی آدم ہو جسے خداوند کریم نے رحمۃ للعالمین کے دلنواز لقب سے مشرف فرمایا ہے اور علمہ البیان سے مراد بیان حقیقت اور اظہار اسرار کی وہ بے پناہ صلاحیت ہو جو شان نبوت کا خاصہ ہے تو شان رحمانیت کی ضیا باریوں کا کیا عالم ہو گا

یہ بھی بتا دیا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول اور برگزیدہ بندے کو قرآن سکھایا اور خود ہی اسے بیان قرآن کی تعلیم دی۔ ۵

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۙ﴿۵﴾ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءَ

سورج اور چاند حساب کے پابند ہیں سے اور (زمین پر) بچھنے والی بوٹیاں اور درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں سے اور آسمان اسی

رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾ وَاَقِيْمُوا

نے بلند کیا سے اور میزان (عدل) قائم کی سے تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو۔ اور وزن کو

قرآن دس نہ خود گوئی ہے اور نہ اس کا بیان خود ساختہ ہے۔ قرآن بھی اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور اس کا بیان بھی اسی نے سکھایا ہے۔ اب جو شخص آیات قرآنی کو وہ معانی پہناتا ہے جو سنت نبوی کے خلاف ہیں تو وہ صرف سنت کا انکار نہیں کر رہا بلکہ قرآن کے بیان قداوندی سے روگردانی کر رہا ہے۔

سے ان مہربانیوں کے ذکر کے بعد جن سے عالم روحانیت کے در و بام جگمگا رہے ہیں اب اس شمس و قمر کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے ہماری یہ مادی دنیا اکتساب نور کر رہی ہے۔ فرمایا کہ یہ سورج اور یہ چاند مقررہ حساب کے مطابق حرکت کر رہے ہیں۔ یہ منزلیں اور بروج ان کے لیے مقرر ہیں نہ ان سے تجاوز کرتے ہیں اور نہ روگردانی۔ اپنے مدار میں مصروف سیر ہیں۔ کیا مجال کہ سرمو وائیں بائیں سرکیں یا الٹ پھر کی بھی تقدیم و تاخیر ہو۔ قال ابن عباس وقتادة ای یجریان بحساب فی منازل لا یعدوانہا ولا یحیدان عنہا اسی نظام کی پابندی کے باعث وقت پر موسم بدلتے ہیں۔ مدت پر دن طلوع ہوتا ہے اور رات آتی ہے۔ یہ ہر روز مقررہ وقت پر ان کا طلوع و غروب ہوتا ہے اسی لیے تم ماہ و سال کا حساب کر سکتے ہو۔ اگر اس نظام میں ذرا سا خلل بھی آ جائے تو ساری کائنات چشم زدن میں درہم برہم ہو جائے نظام شمسی میں جو باقاعدگی اور نظم و ضبط ہے کیا یہ اللہ کی شان رحمانیت کا ظہور نہیں ہے؟ یقیناً ہے۔

سے شجر اس درخت کو کہتے ہیں جس کا تنا ہو اور نجم ان جڑی بوٹیوں کو کہتے ہیں جن کا تنا نہ ہو جیسے ترکاریاں، بیلیں وغیرہ النجم ما لا ساق لہ والشجر ما لہ ساق۔

سجود سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینا ہے۔ اصل السجود فی اللغة الاستسلام والانقیاد للہ عزوجل یعنی قضائے عظیم کرنے جس طرح ایک ضابطہ پر سختی سے کاربند ہیں اسی طرح ہماری زمین کے درخت اور مادی جڑی بوٹیاں بھی قانون الٰہی کی پابند ہیں۔ اگر النجم سے مراد ستارے لیے جائیں تو یہ بھی درست ہے ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

سے آسمان کو اللہ تعالیٰ نے ہی بلند کیا ہے۔ نہ یہ ملے میں بیجان کے باعث تو ر کر معرض وجود میں آیا ہے اور نہ کسی اور دیوی دیوتا نے اس کی تخلیق کی ہے۔ اس کی موجودہ ساخت میں بھی اللہ تعالیٰ کی شان رحمانیت جلوہ نما ہے۔

سے علامہ آلوسی اس جملہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای شرع العدل وامر بہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی عدل کا قانون بنایا اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا اسی عدل کے باعث نظام کائنات بار حسن و خوبی قائم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے بالعدل قامت السمٰوات والارض۔ اور یہاں عدل کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور اس کی ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا

الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿٩﴾ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴿١٠﴾

ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ ۸ اور تول کو کم نہ کرو ۹ اور اس نے زمین کو پیدا کیا ہے مخلوق کے لیے ۱۰

ہے جو اس کے مناسب تھی۔ ان کی بقا اور نشو و نما کے لیے ایسے وسائل مہیا کر دیے ہیں جن کی انہیں ضرورت تھی نیز ابو جعفر طبری اور اکثر علماء نے وضع المیزان کا یہی مفہوم منقول ہے۔ کئی علماء نے یہاں بھی میزان سے ترازو مراد لیا ہے یعنی جس نے آسمان کو بلند کیا اسی نے ترازو بھی بنایا ہے تاکہ تمہیں دین میں عدل و انصاف ملحوظ رہے۔

۸ جب ہم ایک ایسی کائنات میں رہتے ہو جہاں عدل و انصاف کی فرمانروائی ہے اور ہر اعلیٰ و ادنیٰ چیز قانون اور ضابطہ کی پابند ہے تو اے اولادِ آدم! تم پر بھی ضروری ہے کہ اپنے قول و عمل میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو۔

علامہ راغب اصفہانی نے وزن کے لفظ کے ماتحت اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ هذا اشارة الى مراعات المعدلة في جميع ما يتحراه من الافعال والاقوال۔ مجاہد اور دیگر علمائے تفسیر نے اس آیت کا یہ معنی بتایا ہے کہ وزن کرو تو انصاف کے ساتھ۔ نہ دیتے وقت کم تولو اور نہ لیتے وقت زیادہ تولو۔

۹ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کاروباری دیانت کا سبق دیا ہے اور ان ہدایات پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بھی اس کی شانِ ربانیت کا ایک ظہور ہے۔ جس معاشرہ میں لین دین میں دیانت داری ختم ہو جاتی ہے۔ بددیانتی اور لوٹ کھسوٹ کا رواج ہو جاتا ہے وہ معاشرہ زیادہ دیر تک پھل پھول نہیں سکتا۔ وہ ایسے اخلاقی اور معاشی بحرانوں میں پھنس جاتا ہے جن سے اس کا نکلنا ممکن نہیں رہتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہی ہے کہ اس نے ہمیں اس راہ پر قدم اٹھانے سے روک لیا جو بربادی کی راہ ہے۔

۱۰ علامہ راغب وضعها کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں الوضع هنا الايجاد والخلق یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس طرح بنایا ہے کہ اس میں ہر جاندار آرام اور سکون سے اپنی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ہوا، روشنی، پانی، آگ، اشیائے خورد و نوش، آسائش و آرام کے دیگر لوازمات یہاں فراہم کر دیے گئے ہیں تاکہ ہر چیز اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کر سکے اور طبعی مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔ الانام قال ابن عباس وغيره للحيوان كله۔ قال الحسن الانس والجن۔ ابن عباس فرماتے ہیں ہر جاندار کو انام کہتے ہیں۔

بعض لوگ اشتراکیت کی عینک سے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اور جب بھی اس کی آیات سے اشتراکی تعلیمات ثابت کرتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے ٹھوکر کھائی۔ انہوں نے لغتِ عرب کے ساتھ زیادتی کرتے ہوئے انام کو انسان کا مترادف قرار دیا اور کہا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین سب انسانوں کے لیے مشترک ہے اور چونکہ ہر ملک کی حکومت وہاں کے باشندوں کی نمائندہ ہوتی ہے اس لیے زمین کی ملکیت کے حقوق صرف حکومت کو حاصل ہیں۔ اس طرح یہ لوگ قرآن کی آیات پر زیادتی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں شرماتے۔ انام سے مراد انسان، حیوان، چرند، پرند، مور و ملخ سب جاندار چیزیں ہیں۔

فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ

اس میں گوناگوں پھل ہیں اور کھجوریں غلافوں والی ۱۱ اور اناج بھی بھوسے والا

وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٣﴾ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ

اور خوشبودار پھول ۱۲ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۱۳ پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی

۱۱ الاکمام، جمع ہے کِمّ کی۔ اس سے مراد وہ غلاف ہے جو قدرتی طور پر پھلوں پر چڑھا ہوتا ہے تاکہ ان کی رس بھری ان کا نرم گودا ضائع نہ ہو جائے۔ موسمی تغیرات اس کو خراب نہ کر دیں۔ مکھیاں اور مچھر اس کو گندا نہ بنا دیں۔ جس مولائے کریم نے تمہاری خوراک کے قدرتی اسباب کو اتنی خوبصورتی سے پیک کر دیا ہے اور ان کو ہر طرح کے بیرونی مضر اثرات سے بچا رکھا ہے تاکہ جب تمہارے منہ میں کھجور کا دانہ یا آم کی کوئی قاش پہنچے تو وہ بالکل پاک صاف اور تازہ ہو۔ کیا اس کی شانِ رحمانیت کا تم انکار کر سکتے ہو۔

۱۲ الحَبّ، اناج کے دانے۔ العصف، گندم اور جو کے پودے کے پتے جو بھوسہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ الریحان: طرح طرح کے خوشبودار پھول یعنی جو اجناس پیدا کیے ہیں ان کا کچھ حصہ تمہارے کھانے کے کام آتا ہے۔ ان کا کچھ حصہ تمہارے جانوروں کی خوراک بنتا ہے اور کہیں رنگ برنگے پھول کھلے ہیں جو تمہاری افسردہ طبیعت کو تازگی اور شگفتگی بخش رہے ہیں۔ الغرض جدھر بھی تم دیکھو اور جو چیز بھی دیکھو اس کی رحمت کے جلوے تمہیں نظر آئیں گے۔

۱۳ آلاء جمع ہے۔ اس کا واحد اَلْیٌ، اِلْیٌ و اِلَیٌ ہے۔ اس کا معنی ہے النعمة یعنی۔ (لسان العرب)

سورت کے آغاز سے لے کر یہاں تک بڑی بڑی عظیم الشان نعمتوں کو شمار کیا۔ ان میں ایسی نعمتیں بھی ہیں جن پر ہماری روحانی اور اخروی زندگی کی کامیابی کا انحصار ہے۔ بعض وہ ہیں جن سے ہماری یہ دنیوی زندگی طرح طرح کی راحتوں اور آسائشوں سے بہرہ مند ہوتی ہے۔ بعض وہ ہیں جن میں ہماری مرضی اور رائے کو دخل نہیں نیز عدل و انصاف کے بارے میں ایسے احکام بھی ہیں جن سے ہمیں امن و سکون میسر آ سکتا ہے۔ ان نعمتوں کے ذکر کرنے کے بعد اب جنوں اور انسانوں کو کہا جا رہا ہے کہ تم ہماری ان بے شمار نعمتوں میں سے کس کس کا انکار کرو گے۔

حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے پوری سورۃ الرحمٰن کی تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم بالکل گم سم ہو کر بیٹھے رہے۔ تم سے تو جنوں نے بہتر جواب دیا۔ جب بھی میں یہ آیت پڑھتا فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، تو وہ جواب میں کہتے وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے اور سب تعریفیں تیرے لیے ہیں۔

ہم پر ضروری ہے کہ جب ہم یہ سورۃ سنیں اور جب بھی یہ آیت پڑھی جائے تو اس کے جواب میں ہم بھی یہ کہیں۔

صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِأَيِّ

مٹی سے ٹھیکری کی مانند ۔ ۱۴ اور پیدا کیا جان کو آگ کے خالص شعلے سے ۔ ۱۵ پس اے (انس و جاں)

۱۴ یہاں انسان سے مراد بالاتفاق آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ ہی کی تخلیق بلاواسطہ صلصال سے ہوئی۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔

پہلے مٹی (تراب) لی گئی۔ پھر اس میں پانی ملا کر گارا تیار کیا گیا جسے طین کہا گیا پھر وہ گارا کچھ عرصہ یونہی پڑا رہا۔ یہاں تک کہ اس میں چکناہٹ اور لیس پیدا ہو گئی۔ اسے طین لازب فرمایا گیا۔ اسی طرح کچھ عرصہ وہ گارا اور پڑا رہا تو اس میں بو پیدا ہو گئی اور اس کی رنگت سیاہی مائل ہو گئی۔ اسے حمأ مسنون کہا گیا۔ پھر وہ لیس دار اور بدبودار گارا خشک ہو گیا اور وہ یوں بجنے لگا جس طرح پکا ہوا ٹھیکرا بجتا ہے۔ اس کے بعد اس کو بشریت کا جامہ پہنایا گیا۔ پھر اس میں اپنی خاص روح پھونکی گئی۔ اب وہ آدم تھا جس کی عظمت و شان کے آگے ملائکہ سجدہ ریز ہو گئے۔

قرآن کریم میں ان تدریجات کا یوں ذکر کیا گیا ہے،

كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ (آل عمران ۵۹) بَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ (السجدہ ۷) إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ (الصافات ۱۱) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ (الحجر ۲۶) خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔

کیونکہ ان آیات میں تخلیق آدم کے مختلف مدارج کو بیان کیا گیا ہے اس لیے ان میں کوئی تضاد نہیں۔ پھر تخلیق آدم کے بعد نسل انسانی کی تخلیق ایک قطرۂ آب سے ہوئی جو رحم مادر میں قرار پکڑ کر مختلف مرحلے طے کرتا ہوا انسانی شکل میں پیدا ہوتا ہے۔

۱۵ جانّ جنوں کے پہلے باپ کا نام ہے۔ جس طرح آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی اسی طرح جان کی تخلیق خالص آگ سے ہوئی۔ پھر جنوں کی نسل کو چلانے کے لیے توالد و تناسل کا وہی نظام یہاں بھی جاری ہے جو انسانوں میں ہے۔ مارج کہتے ہیں خالص آگ کو جس میں دھوئیں کا نام و نشان نہ ہو۔ قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں صراحۃً بتا دیا کہ انسان اور جن دو مختلف نوعیں ہیں۔ ایک کا اصل مٹی ہے اور دوسرے کا اصل آگ ہے۔ اب جو لوگ جنات کو الگ نوع تسلیم نہیں کرتے بلکہ نوع انسانی کے بعض افراد کو جن کہنے پر بضد ہیں، وہ قرآن کریم کی ان آیتوں کو بار بار پڑھیں۔

اس سے کئی اور مسائل بھی معلوم ہو جاتے ہیں کہ جس طرح انسان باشعور اور با اختیار ہونے کے باعث احکام شرعی کی بجا آوری کا مکلف ہے اسی طرح جنات بھی باشعور اور با اختیار ہیں اور احکام شرعیہ کی بجا آوری ان پر بھی ضروری ہے۔

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح بنی نوع انسان کی طرف نبی بن کر تشریف لائے ہیں اسی طرح جنات کے لیے بھی نبی ہیں نیز فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ میں ضمیر تثنیہ کا مرجع جن و انس دونوں ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات مادہ سے مجرد نہیں۔ بلکہ انسان کے خاکی پیکر کی طرح ان کا آتشی پیکر ہے۔ وفی الآیۃ رد علی من زعم ان الجن نفوس مجردۃ۔

اَلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ۱۶ وہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے۔ ۱۷ پس اے جن و انس!

اَلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں۔ ان کے درمیان آڑ ہے، آگے نہیں

لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ

بڑھتے ہیں۔ ۱۸ پس اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان ـــــ سے موتی

۱۶ اے انسان! تیری اصل مٹی ہے۔ دیکھ تیرے رب نے اس مشت خاک کو کتنا حسین پیکر بخشا ہے اور اس میں بے شمار خوبیاں پیدا کر دی ہیں۔ آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتے ہیں، زبان کلام کرتی ہے، دل تمام جسم میں خون پہنچاتا ہے۔ تیرے کام سر انجام دینے کے لیے خودکار آلات نصب کر دیے ہیں۔ تیرے شکم میں نظام ہضم کو کیسی مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا ہے۔ یہی حال جنات کا ہے۔ ان کو بھی خصوصی حواس اور بے پایاں قوتیں بخشی گئی ہیں۔ اے جن و انس! تم بتاؤ کہ تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت پر ناشکری کرو گے۔

۱۷ موسم گرما کا مشرق اور ہے اور موسم سرما کا مشرق اور۔ اسی طرح دونوں کے مغرب بھی الگ الگ ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر دن کا مشرق و مغرب الگ ہے۔ وہ مشرقین و مغربین کا ہی رب نہیں بلکہ وہ تو رب المشارق والمغارب ہے۔

خود ہی بتاؤ مشرقین

و مغربین میں کس کی خدائی کا پرچم لہرا رہا ہے اور کس کے حکم کے آگے ہر چیز سرافگندہ ہے۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ اگر سال بھر ایک ہی مشرق اور ایک ہی مغرب ہوتا تو نہ موسم بدلتے اور نہ ہر موسم کے ساتھ مخصوص پھل، اناج اور دیگر چیزیں پیدا ہوتیں۔ تمہاری زراعت، تمہاری باغبانی بلکہ صنعت و حرفت کی ترقی کے امکانات بالکل محدود ہو کے رہ جاتے اور تمہاری راتیں بے کیف اور تمہارے دن اتنے بوجھل ہوتے کہ تم شاید زندگی کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکتے۔ بتاؤ تم اپنے رب کی کس نعمت کا انکار کرتے ہو۔

۱۸ جب آپ کسی جانور کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیں تو کہا جاتا ہے مرجت الدابة۔ اسی لیے چراگاہ کو عربی زبان میں مرج کہتے ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں پانی میٹھے اور کھاری کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اپنی اپنی کی گزرگاہوں میں بہتے چلے جا رہے ہیں۔ لگتا ہے کہ یہ آپس میں مل بھی جاتے ہیں لیکن ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے۔ قدرت نے ان دونوں کے درمیان ایک ایسی رکاوٹ قائم کر دی ہے جو دکھائی نہیں دیتی لیکن مضبوط اتنی ہے کہ انہیں آپس میں گڈمڈ نہیں ہونے دیتی۔ میٹھا پانی الگ اور کڑوا الگ سیلوں ایک ساتھ بہتا چلا جاتا ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مراد آباد سے ہم مینی تال کے لیے روانہ ہوئے۔ ریلوے کا آخری سٹیشن شاید کاٹھ گودام تھا۔ رات وہاں بسر کی اور شوق سیاحت میں

وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ

اور مرجان ۲۰ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۔ اور اسی کے زیرِ فرمان ہیں وہ جہاز جو سینۂ دریا

فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ كُلُّ مَنْ ع ۱۱

پہاڑوں کی مانند بلند نظر آتے ہیں ۲۱ پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۲۲ ہر چیز جو زمین پر ہے

فیصلہ کیا کہ یہاں سے پیدل سیر و سیاحت کرتے ہوئے نیتی تال جائیں گے۔ راستہ میں ہم نے دو مختلف وادیوں سے دو نالے آتے ہوئے دیکھے۔ ایک کا رنگ نیلا تھا اور دوسرے کا رنگ سفید۔ وہ ایک جگہ آکر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور کئی فرلانگ تک ہم اس کے کنارے کنارے چلتے گئے۔ دونوں پانی یکجا بہنے کے باوجود آپس میں خلط ملط نہ ہوتے۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔ سمندر میں سفر کرنے والے لوگوں نے عجیب عجیب انکشافات کیے ہیں کہ سمندر میں جہاں کھاری پانی ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے اس کے عین وسط میں میٹھے پانی کے قطعات ہوتے ہیں۔ بحری سفر کرنے والے ان سے اپنے ذخائر بھر لیتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ضیاء القرآن جلد سوم سورۃ فرقان: ۵۳) اے جن وانس! تم کہاں تک اپنے رب کریم کی نعمتوں کا انکار کرتے رہو گے اور اس کے کس کس انعام کی ناشکری کرو گے۔

۲۰ میٹھا اور کھاری پانی جہاں ملتا ہے وہاں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ جن کو تم زینت و آرائش کے لیے کام میں لاتے ہو۔ مختلف بیماریوں میں دوا کا کام بھی دیتے ہیں۔ اور بھی ان سے طرح طرح کے تم فائدے اٹھاتے ہو۔ لؤلؤ، بڑا موتی۔ مرجان، مونگا اور چھوٹے موتی کو بھی مرجان کہتے ہیں۔

۲۱ جوار، السفن الکبار جمع جاریۃ۔ یعنی بڑی کشتیاں اس کا واحد جاریۃ ہے۔ المنشئات، السفن المرفوعۃ الشرع۔ وہ کشتیاں جن کے بادبان بلند کر دیے جاتے ہیں۔ اعلام جمع ہے علم کی۔ اس کا معنی ہے پہاڑ۔ یعنی سمندروں میں پہاڑوں کی مانند بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز تمہیں تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دیکھو کس شان سے سطح آب پر وہ اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ سب اس خالق حقیقی کے تابع فرمان ہیں۔ اسی خالق حکیم نے پانی میں یہ خوبی پیدا کر دی ہے کہ وہ لاکھوں ٹن بوجھ اٹھائے رہتا ہے۔ اسی نے ایسی چیزیں پیدا فرمائی ہیں جن سے کشتیاں اور جہاز بنتے ہیں۔ بھاری بھرکم ہونے کے باوجود وہ ڈوبتے نہیں بلکہ تیرتے چلے جاتے ہیں اور اسی نے انسان کو وہ سمجھ عطا فرمائی جس سے اس نے جہاز سازی کی صنعت میں کمال حاصل کیا۔

۲۲ اللہ تعالیٰ اگر ایسی چیزیں پیدا نہ فرماتا جو پانی پر تیر سکتی ہیں یا پانی میں یہ صلاحیت نہ ہوتی کہ اس میں آسانی سے جہاز رانی ہو سکے بلکہ وہ ارل کی طرح ہر چیز اس میں دھنستی چلی جاتی تو کیا دور دراز ملکوں میں جن کے درمیان بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل جیسے سمندر حائل ہیں تمہاری آمد و رفت ممکن ہو سکتی یا تم ایک ملک کی مصنوعات اور خوردنی اجناس دوسرے ممالک میں لے جا سکتے؟ کیا یہ سب اس کی رحمت کے کرشمے نہیں۔ اے جن وانس! چشم ہوش کھولو۔ اپنے خالق و مالک کو پہچانو اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ انکار اور ناشکری کی راہ پر کب تک چلتے رہو گے۔

عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ

فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے ۲۲ پس (اے جن و انس!)

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۲۳ مانگتے ہیں اس سے (اپنی حاجتیں) سب آسمان والے اور زمین والے ۲۴ ہر روز وہ ایک نئی

هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ

شان سے تجلی فرماتا ہے ۲۵ پس (اے جن و انس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے تمہاری طرف

۲۲ اگر کسی کو عزت و جاہ حاصل ہو، اگر کسی کے پاس دولت و ثروت کی فراوانی ہو، اگر اسے کسی محدود علاقہ میں اقتدار و اختیار مل جائے تو اسے اکڑنا نہیں چاہیے۔ اپنے رب کریم کو بھول کر شیطان سے یارانہ نہیں گانٹھ لینا چاہیے۔ اسے یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ خود اور اس کا جاہ و حشم، اس زمین پر جو کچھ اسے دکھائی دے رہا ہے سب فانی ہے۔ سب نے مٹ جانا ہے۔ بقا صرف وجہ رب ذوالجلال والاکرام کا حصہ ہے۔ وجہ: الوجود الباری تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات۔ حضرت انس سے مروی ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الظوا بیاذا الجلال والاکرام یعنی دعا مانگتے وقت یاذا الجلال والاکرام ضرور کہا کرو۔

۲۳ زندگی نعمت ہے مگر فنا اور موت بھی نعمت ہے۔ ان سے پوچھیے جو کسی اذیت ناک بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ رات کو قرار ہے نہ دن کو چین۔ ہر وقت درد سے تڑپتے رہتے ہیں۔ ان بوڑھوں سے پوچھیے جن کی لمبی عمر ان کے لیے وبال جان بن گئی۔ نہ آنکھیں دیکھتی ہیں، نہ زبان بولتی ہے، نہ پاؤں چلتے ہیں، نہ ہاتھ میں دم ہے۔ معدہ کمزور، جگر بے کار اور دل بیمار ہے۔ حواس نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ انسان اپنے اہل و عیال کے لیے بھی ایک ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت بوجھ بن کر رہ گیا ہے۔ کیا ان کے لیے موت کی آغوش امید افزا اور راحت بخش نہیں۔ نیز موت تو وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان مصائب و آلام کی اس دنیا سے چھٹکارا حاصل کر کے عالم آخرت کی ابدی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے اور اہل محبت تو کہتے ہیں الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب کہ موت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے۔

۲۴ زمین و آسمان میں جو چیز ہے نوری ہو یا خاکی، آبی ہو یا ناری، بڑی ہو یا چھوٹی، عزیز ہو یا حقیر بلا استثنا سب کے سب اس کے دربار گہر بار میں اپنے سوال کا دامن پھیلائے ہوئے ہیں اور اس کے جود و کرم پر آس لگائے بیٹھے ہیں۔ بیمار صحت مانگ رہا ہے، بھوکا رزق مانگ رہا ہے۔ طالب علم گوہر علم کے لیے جھولی پھیلائے ہے۔ دولت کے طالب کا دیم و زر مانگ رہے ہیں اور ارباب صدق و اخلاص اس کی رضا مانگ رہے ہیں۔ کون ہے جو وہاں سائل نہیں، کون ہے جو اس در کا گدا نہیں۔

۲۵ مخلوق کا تو یہ حال ہے اور خالق اپنی مخلوق کی احتیاجوں کو پورا کر رہا ہے اور ان کی درخواستوں کو قبول فرما رہا ہے۔ کسی کو تخت سلطانی بخشا جا رہا ہے، کسی کو منصب علم عطا ہو رہا ہے۔ کسی کے سینہ میں چراغ معرفت فروزاں کیا جا رہا ہے اور کسی کو لختِ دل کی نعمت بخشی جا رہی ہے

الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ

اے جن وانس کے گروہو۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اے گروہ جن و انس!

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا

اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ۔

کوئی پیدا ہو رہا ہے کوئی مر رہا ہے، کوئی بن رہا ہے، کوئی بگڑ رہا ہے۔ کہیں غضب کی چیرہ دستیاں ہیں اور کہیں ابر رحمت برس رہا ہے کسی کو نوازا جا رہا ہے اور کسی کو اس کی پیہم ناشکر گزاریوں کے باعث اپنی نعمتوں سے محروم کیا جا رہا ہے۔ ہر لمحہ اس کی شان کا ظہور ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ کسی بادشاہ نے اپنے وزیر سے اس آیت کا مفہوم پوچھا۔ وہ بتا نہ سکا اور کل تک کی مہلت طلب کی اور بڑا افسردہ اور پژمردہ گھر آیا۔ اس کا ایک سیاہ فام غلام تھا اس نے پوچھا میرے آقا آپ پریشان کیوں ہیں؟ اس نے پریشانی کی وجہ بتائی غلام نے کہا آپ مجھے سلطان کے پاس لے چلیں میں اسے اس آیت کا مفہوم بتاؤں گا۔

وہ غلام جب سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ گویا ہوا: ایها الامیر! شانه ان یولج اللیل فی النهار ویولج النهار فی اللیل ویخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ویشفی سقیما ویسقم سلیما ویبتلی معافا ویعافی مبتلا ویعز ذلیلا و یذل عزیزا ویفقر غنیا ویغنی فقیرا۔

یعنی اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ وہ بیمار کو صحت یاب اور صحت یاب کو بیمار کرتا ہے۔ آرام و عافیت والے کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اور جو مصیبت میں مبتلا ہے اس کو آرام و سکون عطا فرماتا ہے۔ وہ ذلیل کو عزت بخشتا ہے اور عزت والے کو ذلیل کرتا ہے۔ وہ غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی بناتا ہے۔ بادشاہ نے یہ سن کر اسے قلمدانِ وزارت سونپ دیا۔ غلام نے کہا یا مولائی ھذا من شان اللہ تعالیٰ میرے آقا یہ بھی میرے اللہ تعالیٰ کی ایک شان ہے۔

عبداللہ ابن طاہر نے حسین ابن فضل کو بلایا اور کہا کہ جب یہ بات مسلّم ہے کہ ان القلم جف بما ھو کائن الی یوم القیامۃ کہ قیامت تک جو کچھ وقوع پذیر ہونے والا ہے وہ لکھا جا چکا ہے اور قلم اب خشک ہو چکا ہے یعنی اب مزید کچھ نہیں لکھا جانے کا تو پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے کل یوم ھو فی شان حسین نے برجستہ جواب دیا: شئون یبدیھا لا شئون یبتدیھا۔ یعنی شان سے مراد ازل میں طے شدہ فیصلوں کا اظہار اور نفاذ ہے نہ کہ نئے فیصلوں کا آغاز۔

لکھا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بہت مصروف ہے۔ بڑی کٹھن مہمات درپیش ہیں۔ بڑے اہم معاملات تصفیہ طلب ہیں۔ تم سے نمٹنے کے لیے اس کے پاس وقت نہیں جب ان مہمات سے فراغت ہو گی تو پھر تم سے باز پرس فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات اس سے بالاتر ہے کہ کوئی کام اسے یوں مشغول کر دے کہ وہ دوسرے کام کرنے سے معذور

لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يُرْسَلُ

(نہیں) نکل سکتے بجز سلطان کے، اور وہ تم میں مفقود ہے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ بھیجا جائے گا

ہو جائے۔ یہاں فرغ بمعنی قصد مستعمل ہوا ہے جیسا کہ علامہ ابن منظور کہتے ہیں۔ سنفرغ لکم ایها الثقلان قال ابن الاعرابی ای سنعمد لکم واحتج بقول جریر فرغت الی العبد المقید فی الحجل قال معنی فرغت قصدت وفی حدیث ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افرغ الی اضیافک ای اعمد واقصد (لسان العرب) کہ سنفرغ کا معنی توجہ کرنا، قصد کرنا ہے۔ جریر کے مصرع میں فرغت بمعنی قصدت ہے اور حضرت صدیق کے اس قول افرغ الی اضیافک کا معنی ہے اپنے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو۔ نیز عرب جب کسی کو دھمکی دیتے ہیں تو کہتے ہیں اذا افرغ الیک ای اقصدک کہ میں اب تیری طرف متوجہ ہوں گا اور تیری خبر لوں گا۔ اور ثقلان سے مراد جن و انس ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں گناہوں سے بوجھل ہونے کی وجہ سے انہیں ثقلان کہا گیا ہے۔ لانھما مثقلان بالذنوب۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ابھی تو ہم نے تمہیں غور و فکر کرنے، سوچنے اور اپنی اصلاح کر لینے کی مہلت دے رکھی ہے۔ تم گناہ کرتے ہو، نافرمانی کرتے ہو، ہم درگزر کر دیتے ہیں۔ لیکن جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی یا دار العمل سے تم دار الجزاء میں پہنچ جاؤ گے اس وقت ہم تمہاری طرف متوجہ ہوں گے۔ پھر دیکھیں گے کون بچ نکلتا ہے۔ یہ ان کی سرکشی کی جزا بیان کر رہا ہے۔

۲۷۔ جنات کو اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے اس لیے یہاں ان کا ذکر صراحت سے کیا اور انسانوں سے پہلے کیا یعنی اگر تم غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ تمہیں کوئی نہیں پکڑ سکتا یا اگر تمہیں پکڑنے کے لیے کوئی فرشتہ آیا تو تم کنی کترا کر دوسری طرف نکل جاؤ گے اور ہماری دسترس سے باہر چلے جاؤ گے تو اس غلط خیال کو اپنے دل سے نکال دو۔ تم زمین و آسمان سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتے۔ جب حشر کے میدان میں تمہیں لا کر کھڑا کیا جائے گا تو ساتوں آسمانوں کے فرشتے تمہارے ارد گرد گھیرا ڈال لیں گے۔ کیا ان سات گھیروں کو توڑ کر تم نکل کر کہیں جا سکو گے۔ ساتھ ہی فرمادیا کہ اس گھیرے کو توڑنے کے لیے تو سلطان (قوت و طاقت) چاہیے، تم کمزور و ناتواں کب یہ حلقہ توڑ سکتے ہو۔

عارف باللہ مولانا پانی پتی فرماتے ہیں۔ سلطان سے مراد ربانی طاقت، میری قوت ہے۔ یعنی ویسے تو زمین و آسمان کے دائرہ کو توڑ کر نکلنا ممکن نہیں۔ البتہ میری قوت کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ ان حد بندیوں سے باہر نکل سکتا ہے۔ کما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفذ بجسدہ لیلۃ المعراج من السموات السبع الی سدرۃ المنتہی والصوفی ینفذ من دائرۃ الامکان الی مدارج القرب بحول اللہ وقوتہ (مظہری)

یعنی جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج اپنے جسم اطہر کے ساتھ ساتوں آسمانوں سے پار تشریف لے گئے اور صوفی دائرہ امکان سے مدارج قرب تک نفوذ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قوت سے کرتا ہے۔

عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ

تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں شلہ پھر تم اپنا بچاؤ نہیں کر سکو گے ۲۹ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب

رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٦﴾ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾

کی کون کون نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۳۰ پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو سرخ ہو جائے گا جیسے رنگا ہوا سرخ چمڑا ۳۱

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ

پس تم اپنے رب کی کون کون نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں

وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ

نہ پوچھا جائے گا ۳۲ پس تم اپنے رب کی کون کون نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ پہچان لیے جائیں گے مجرم

۲۸ اگر اس روز تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو تم پر آگ کا خالص شعلہ اور کالا دھواں چھوڑا جائے گا وہ آگے قدم نہیں بڑھنے دے گا۔ شواظ۔ اللھب الذی لا دخان فیہ وہ شعلہ جس میں دھوئیں کا نام ونشان نہ ہو۔

نحاس الدخان الذی لا لھب فیہ۔ وہ دھواں جس میں شعلہ نہ ہو۔ نحاس کا دوسرا معنی پگھلا ہوا تانبا بھی ہے۔

۲۹ پھر تم اپنی مدد بھی نہ کر سکو گے یا تم ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکو گے۔ نہ جن انسانوں کی نہ انسان جنوں کی۔

۳۰ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے بدکاروں کو بروقت ان کے انجام بد سے خبردار کر دیا تاکہ اگر وہ بچنا چاہیں تو بروقت توبہ کرلیں۔

۳۱ وقوع قیامت کے وقت آسمان کی کیفیت بیان کی جارہی ہے۔ وردۃ، گلاب کا پھول جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ الدھان، رنگا ہوا سرخ چمڑا۔

۳۲ یعنی جس شخص نے گناہ کیا ہے اس سے باز پرس ہوگی، کسی اور انسان یا جن کو اس کا جواب دہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ قال ابو العالیہ لا یسئل غیر المجرم عن ذنب المجرم۔

اس آیت کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ ضرورت نہیں ہوگی کہ وہ مجرم سے پوچھے کہ اس نے یہ جرم کیا ہے کیونکہ وہ تو پہلے ہی جانتا ہے بلکہ اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تو نے ایسا کیوں کیا۔

بِسِيمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اپنے چہروں سے ۔ تو انہیں پکڑ لیا جائے گا پیشانی کے بالوں سے اور ٹانگوں سے ۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں

تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ

کو جھٹلاؤ گے ۔ یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم ۔ وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم

بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ وَلِمَنْ خَافَ

اور کھولتے پانی کے درمیان جو انتہا درجہ گرم ہوگا ۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۔ اور جو ڈرتا رہا اپنے

مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

رب کے حضور کھڑا ہونے سے اس کے لیے دو باغ ہیں گے ۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۔ دونوں باغ بہت شاخوں والے ہوں گے ۔

۴۳ فرشتے دور سے دیکھ کر ہی مجرم کو پہچان لیں گے ۔ ان کے چہرے سیاہ اور ان کی آنکھیں خوف سے نیلی ہوں گی ۔ انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا ۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جہنم جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا اور جس کا تم انکار کیا کرتے تھے ۔

۴۴ جہنم اور حمیم کے درمیان سرگرداں پھرتے رہیں گے ۔ جہنم کے دہکتے انگاروں اور لپکتے ہوئے شعلوں سے تنگ آجائیں گے اور پیاس کی شدت کے باعث پانی پانی کہیں گے تو انہیں کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا ۔ شدید پیاس کے باعث اسے ہونٹوں کے قریب لے جائیں گے تو اس کی حدت ہونٹوں کو جلا کر رکھ دے گی ۔ آنٍ ، حار بالغ من الحرارة اقصاھا ۔ وہ پانی جو انتہا درجہ گرم ہو ۔

۴۶ یہاں مقام اگر اسم ظرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو اس جگہ سے ہر وقت خائف و لرزاں رہتے ہیں جہاں کھڑا کر کے ان سے حساب لیا جائے گا اور اگر اسے مصدر میمی بنایا جائے تو پھر اس کے دو مفہوم ہوں گے ۔ ایک یہ کہ جو لوگ ہر وقت اس بات سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ ان کا رب ان کی نگرانی کر رہا ہے ۔ وہ ان کے افعال و اقوال سے پوری طرح باخبر ہے ۔ وہ ڈرتے ہیں کہ کوئی ایسی بھول نہ ہو جائے جس کے باعث ان کا رب ان سے ناراض ہو جائے ۔ دوسرا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں ۔

علامہ سے منقول ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز قیامت کے بارے میں سوچنے لگے میزان ، جنت ، دوزخ وغیرہ واقعات ہائلہ پر غور کرتے کرتے لرز اٹھے اور کہنے لگے اے کاش میں چارہ ہوتا کوئی جانور آکر مجھے چر لیتا یا میں پیدا ہی نہ ہوتا ۔ ہول قیامت اور اللہ تعالیٰ کے جلال کا تصور کر کے بے قرار ہو گئے ۔ اس وقت یہ آیتیں اتریں کہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کو

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں ہوں گی شک وہ نہیں اپنے ہم واس اتقا اپنے

اللہ تعالیٰ ایک نہیں کئی کئی جنتیں عطا فرمائے گا۔

جنت سے یہاں اس کا لغوی معنی باغ اور گلستان ہی مناسب ہے یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ڈرتے زندگی بسر کرتے ہیں انہیں جنات عدن میں دو دو باغ عطا فرمائے جائیں گے۔ ایک وہ جس میں ان کا رہائشی محل ہو گا جہاں وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہیں گے۔ دوسرا وہ جہاں ان کی عام نشست ہو گی۔ دوست احباب سے ملاقاتیں ہوں گی۔ نشاط وطرب کی محفلیں منعقد ہوں گی اور یتنازعون فیہا کاسا لا لغو فیہا ولا تاثیم کا دلکش سماں ہو گا۔

علامہ بغوی نے ایک بڑی پیاری حدیث نقل کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من خاف ادلج ومن ادلج بلغ المنزل الا ان سلعة اللہ غالیة الا ان سلعة اللہ الجنة۔

جس مسافر کو راہزنوں کا ڈر ہوتا ہے وہ سوتا نہیں رات بھر چلتا رہتا ہے اور جو رات بھر چلتا رہتا ہے وہ اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ خبردار اللہ تعالیٰ کا سامان بہت گراں ہے۔ سن لو اللہ تعالیٰ کا سامان جنت ہے۔

یہاں سے ان دو باغوں کی توصیف شروع ہے۔ ان دونوں باغوں کے درخت بڑے شاخدار ہوں گے ان شاخوں پر سبز سبز پتے، ان میں خوبصورت پھول اور لذیذ پھل بڑی بہار دکھا رہے ہوں گے۔

مذکر کے لیے ذَوَا استعمال ہوتا ہے جو اصل میں ذَوَیَا ہے۔ مؤنث کے لیے ذات جو اصل میں ذوات ہے۔ تخفیف کے لیے واؤ گرا دی اور ذوا اور ذات ہو گیا۔ قاعدہ ہے تثنیہ لفظ کو اپنے اصل کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ ذات کا جب تثنیہ بنایا گیا تو ذواتا ہو گیا۔ افنان جمع ہے۔ اس کا واحد فَنَن ہے جس کا معنی ہے شاخ۔ بعض نے افنان کو فن کی جمع کہا ہے۔ اس وقت افنان کا معنی ہو گا الوان الفاکہة وانواع الاشجار والثمار۔ یعنی وہ جنت ایسے ہوں گے جن میں رنگ رنگ کے پھل قسم قسم کے درخت لہلہا رہے ہوں گے۔ ہر باغ میں چشمے جاری ہوں گے۔ پانی کی فراوانی ہو گی۔

ہر پھل کی دو قسمیں ہوں گی۔ ایک وہ جسے تم جانتے ہو۔ اسے دیکھا بھی ہو گا چکھا بھی ہو گا لیکن اسی پھل کی ایک قسم جو جنت میں ہی پائی جاتی ہے تمہارے لیے بالکل نئی ہو گی۔

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ

اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بستروں پر جن کے استر تافتہ دبیز کے ہوں گے ۳۸

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ

اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا ۳۹ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ

نیچی نگاہوں والی (حوریں) ہوں گی جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے ۴۰ پس تم

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ

اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یہ گویا یاقوت اور مرجان ہیں ۴۱ پس تم

۳۸۔ وہ لوگ جنہوں نے ڈرتے ڈرتے اپنی ساری عمر گزار دی تعمیل احکام میں بڑے مطمئن اور پرسکون ہوں گے۔ بستر لگے ہوں گے جن کا استر تافتہ دبیز کا ہوگا۔ ان میں بے مثل چمک اور گداز ہوگا یہ لوگ ان پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ہر فکر سے دور، ہر اندیشہ سے بے نیاز۔ بطائن بطانۃ کی جمع ہے۔ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو اوپر کی طرف لگاتے ہیں۔ استبرق ریشم کا نہایت عمدہ کپڑا، دیباج، تافتہ دبیز۔

۳۹۔ جنا اسم ہے بمعنی وہ پھل جو چنا جاتا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ وہاں پھلدار درختوں کی شاخیں جھکی ہوں گی کہ ان کو توڑنا بالکل آسان ہوگا۔ کھڑے بیٹھے لیٹے جس حالت میں بھی آپ ان سے محظوظ ہونا چاہیں گے وہ بالکل آپ کے منہ کے قریب جھک آئیں گے۔

۴۰۔ ان باغات میں جو محلات اور مکانات ان جنتیوں کے لیے بنائے گئے ان میں ایسی عورتیں ہوں گی جو شرم و حیا کا پیکر ہوں گی۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی وہ اپنے شوہروں کے بغیر کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گی۔ باشرم و باحیا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اتنی پاکدامن اور عفت مآب ہوں گی کہ آج تک انہیں کسی جن و انس نے چھوا تک نہ ہوگا۔

۴۱۔ ان کے جسم یاقوت کی طرح سرخ ہوں گے اور ان کے جسم مرجان کی طرح سفید اور شفاف ہوں گے۔
آپ ذرا غور فرمائیں ان کے ظاہری حسن و جمال کے ذکر سے پہلے قرآن کریم نے ان کی شان عفت و حیا کا ذکر فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کا حقیقی جمال اور اس کی سچی دلربائی اس کی پاکدامنی اور اس کی آنکھوں کا شرمیلا پن ہے۔

گھر میں آب گہر کے سوا کچھ اور نہیں
ہے

یہ جو آج کل خضرۃ القدس ہے یعنی گوشت کے ڈھیر بنا کر اسپنج۔ اس کی طرف کھڑے ہو کر جا سکتے ہیں اور اس کو اپنا

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾

پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ؎۶۰ کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے

شرط لگا کر زور سے ہینگ سکتے ہیں، لیکن ایک شریف النفس اور بااخلاق آدمی کو تو اس سے بدبو آئے گی۔ اس کی سڑاند سے اس کا دماغ پھٹنے لگے گا۔

دنیا میں بھی امت مصطفوی کی بہو بیٹیوں کو عفت و حیا کے زیور سے آراستہ ہونا چاہیے۔

یہ قاصرات الطرف کون ہوں گی؟ وہ نیک بیبیاں جو دنیا میں اللہ کے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، وہی جنت میں ان کے ملاپ کی ترشت بنیں گی۔ ان کے علاوہ انہیں حوریں بھی دی جائیں گی۔ نیز وہ مسلمان عورتیں جو کسی کے نکاح میں نہ تھیں یا جن کے خاوند جہنم رسید کیے گئے ان کو بھی جنتی مردوں کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا۔ یہی حال مومن جنوں اور بالایمان جنیوں کے ساتھ بھی ہوگا۔

علامہ قرطبی مختلف اقوال لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ والذی یغلب علی الظن ان الانسیات یصلحن للانسیین والجن یصلحن للجنیین والحور (روح المعانی)

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! دنیا کی بیویاں افضل ہوں گی یا جنت کی حوریں؟ حضورؐ نے فرمایا نساء الدنیا افضل من الحور العین کفضل الظهارة علی البطانة۔ یعنی دنیا کی عورتیں جنتی حوروں سے افضل ہوں گی جس طرح ابرہ استر سے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسے؟ حضور نے فرمایا بصلوٰتھن وصیامھن وعبادتھن اپنی نمازوں، اپنے روزوں اور اپنی عبادات کے باعث وہ افضل ہوں گی۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو نورانی بنائے گا ان کے جسم ریشم سے نرم، ان کے چہرے سفید، ان کے لباس سبز اور ان کے زیورات سونے کی طرح زرد۔ ان کی انگوٹھیاں موتیوں کی اور ان کی کنگھیاں سونے کی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نہال ہو کر کہیں گی الا نحن الخالدات فلا نموت ابدا، الا ونحن الناعمات فلا نبأس ابدا طوبیٰ لمن کنا له وکان لنا۔ کان کھول کر سنو! ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں۔ ہمیں موت نہیں آئے گی سن لو! ہم نازک اندام ہیں اور خوبصورت ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ جس کے حصہ میں ہم آئیں گی اور وہ ہمارے حصہ میں آئے گا۔

؎۶۰ یعنی جس نے بندہ ہوتے ہوئے اپنے بندگی کے حقوق کو حسن و خوبی سے انجام دیا کیا خداوند عالم اپنی شان بندہ نوازی میں کوئی کمی باقی رہنے دے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہ کرے گا اور اس کا اجر دینے میں بخل سے کام نہ لے گا۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوچھا هل تدرون ما قال ربکم کیا تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ قالوا اللہ ورسوله اعلم تو صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں حضور نے فرمایا یقول هل جزاء من انعمت علیه بالتوحید الا الجنة۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو میں نے نعمت توحید

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

والی) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور ان دو کے علاوہ دو اور باغ بھی ہیں ۴۳ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا

جھٹلاؤ گے۔ دونوں نہایت سرسبز وشاداب ۴۴ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں

عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ

دو چشمے جوش سے ابل رہے ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے ہوں گے

وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ

اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت

حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾

والیاں ہوں گی ۴۵ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ حوریں پردہ دار خیموں میں ۴۶

سرفراز فرمایا گیا جنت کے بغیر بھی اس کی کوئی جزا ہو سکتی ہے۔

۴۳ جن دو باغوں کا ذکر پہلے ہوا ان سے کم درجے کے دو باغ اور ہیں۔ بعض علما کا خیال ہے کہ انہیں خوش نصیبوں کو یہ دو باغ بھی مرحمت فرمائے جائیں گے اور بعض کا یہ خیال ہے کہ پہلے جن دو باغوں کا ذکر گزرا وہ سابقین و مقربین کے لیے ہیں اور یہ دو باغ جو ان سے کم درجہ کے ہیں اہل الیمین کو دیے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ و رسولہ اعلم۔

۴۴ یعنی یہ دو باغ بھی بڑے سرسبز وشاداب ہوں گے۔ مدھآمتٰن اس سبزہ کو کہتے ہیں جو سیاہی مائل ہو۔ ان باغوں میں چشمے ہوں گے جن سے پانی پھوٹ پھوٹ کر بہہ رہا ہوگا۔ النضخ: فوران الماء پانی کا زور سے ابلنا۔

۴۵ ان میں بھی حوریں ہوں گی اخلاق کے اعتبار سے بھی بے مثال اور حسن و جمال میں بھی بے نظیر۔ خیرات، خیرات الاخلاق حسان الوجوہ یعنی جن کے اخلاق بہترین اور چہرے خوبصورت ہوں گے۔

۴۶ حُور جمع ہے اس کا واحد حوراء ہے۔ ھی الشدیدۃ بیاض العین والشدیدۃ سوادھا یعنی جس کی آنکھ کا سیاہ حصہ بہت زیادہ سیاہ ہو اور سفید حصہ بہت ہی زیادہ سفید ہو۔ مقصورات فی الخیام فرما کر ان کے باحیا اور باشرم ہونے کا ذکر فرما دیا کہ وہ آوارہ پھرنے والیاں نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے خیموں میں جلوہ افروز رہتی ہیں۔ ان کے ظاہری اور باطنی

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾ لَمۡ یَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَ

پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان کو ان سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور

لَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾ مُتَّکِـِٕیۡنَ عَلٰی رَفۡرَفٍ

نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسندوں پر

خُضۡرٍ وَّ عَبۡقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾

جو از حد نفیس، بہت خوبصورت ہوں گے۔ پس (اے انسانو اور جنو!) تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

حسن و جمال سے ان کے خیموں کا گوشہ گوشہ معطر اور منور ہے۔ ان کے گھر کی فضا خوشی اور مسرت سے معمور رہتی ہے۔

٧٦۔ رفرف کے کئی معنے بیان کیے گئے ہیں۔ سبز رنگ کی ریشمی چادر جو بستر پر بچھائی جاتی ہے اور تکیہ جس پر ٹیک لگائی جاتی ہے۔ الرفرف ضرب من البسط وقیل الوسائد۔ (کشاف) اور علامہ قرطبی نے رفرف کے بہت سے معانی بیان کیے ہیں۔ ایک معنی یہ بھی لکھا ہے وقد قیل ان الرفرف شیء اذا استوی علیه صاحبه رفرف به واهوی به کالمرجاح یمینا وشمالا و رفعا وخفضا یتلذذ مع انیسه۔ رفرف ایک ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر جب انسان بیٹھتا ہے تو کبھی وہ اوپر جاتی ہے کبھی نیچے، کبھی دائیں کبھی بائیں۔ وہ جنتی اپنی مونس و ہمدم کے ساتھ بیٹھا لطف اندوز ہو رہا ہوگا۔ لطف و مسرت کے لحاظ سے یہ معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عبقری، ثیاب منقوشة تبسط۔ پھولدار نقش و نگار والے قالین۔ ایسا قالین خود ہی بڑا خوبصورت ہوتا ہے لیکن اس کی خوبصورتی اور نفاست کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حسان (بہت خوبصورت) فرمایا ہے۔

علامہ جوہری اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں العبقر موضع تزعم العرب انه من ارض الجن ثم نسبوا الیه کل شیء تعجبوا من حذقه او جودة صنعته وقوته۔ (صحاح) یعنی عبقر ایک موضع کا نام ہے جس کے بارے میں عرب کا گمان ہے کہ وہ جنات کی سرزمین ہے۔ پھر ہر چیز جس کی ذہانت و مہارت یا اس کی بناوٹ کی عمدگی اور نفاست یا اس کی قوت و زور سے متعجب ہوتے ہیں تو اس کو عبقر کی طرف منسوب کر کے عبقری کہہ دیتے ہیں۔

سوچیے اگر یہ چند روزہ زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری میں انسان گزار دے اور اس کے بدلے میں ان عدیم النظیر اور لازوال روحانی اور جسمانی لذتوں اور مسرتوں سے اسے نوازا جائے تو یہ بڑا سستا سودا ہے۔ کتنا خوش بخت ہے وہ جس نے زندگی کو اس کاروبار میں صرف کیا۔ اس سورہ پاک میں الرحمٰن کی شان رحمانیت کے آپ نے کتنے دل موہ لینے والے مظاہر دیکھے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے اپنے محبوب رحمۃ للعالمین کے طفیل اس روسیاہ کو اس کے ان بے

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

اے حبیب! بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام، بڑی عظمت والا، احسان فرمانے والا ۲۵

گو اس کی رفیقۂ حیات کو اور اہل و عیال اور دوست احباب کو اپنی ان حقیقی اور سرمدی نعمتوں سے مالا مال فرمانے آمین ثم آمین!
صلی اللہ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

بیشک اس سورت کا آغاز کتنا دل آویز تھا اور اس کا اختتام کتنا نغمہ پرور اور نشاط انگیز ہے۔ فرمایا جارہا ہے اے محبوب!
تیرے رب کا نام پاک کتنا برکت والا ہے۔ تیرے اس پروردگار کا نام جو بڑی عظمت والا اور بڑے احسان فرمانے والا ہے۔

اللھم تبارک اسمک وتعالیٰ جدک وجل ثناؤک ولا الٰہ غیرک۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلیٰ والدیّ وان اعمل صالحاً ترضاہ واصلح
لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔

اللھم صل وسلم وبارک علیٰ حبیبک ومحبوبک وصفیک ونبیک خاتم الانبیاء وسید
الوریٰ وعلیٰ آلہ الطیبین واصحابہ الکرام وعلینا وعلیٰ سائر امتہ معہ یارب العالمین
یاذالجلال والاکرام آمین۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃ الواقعہ

نام : اس کی پہلی آیت میں "الواقعۃ" کا کلمہ ہے یہی اس کا نام ہے۔ اس سورۃ میں تین رکوع چھیانوے آیتیں، تین سو اٹھتر کلمے اور ایک ہزار سات سو تین حروف ہیں۔

نزول : حضرت حسن بصری، عکرمہ، جابر اور عطاء کے نزدیک یہ تمام کی تمام مکہ میں نازل ہوئی البتہ حضرت ابن عباس کا ایک قول یہ ہے کہ اس کی چند آیات مدنی ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ یہ بتمامہا مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

علامہ سیوطی نے "الاتقان" میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ترتیب نزول یہ لکھی ہے پہلے سورۃ "طٰہٰ" پھر "الواقعہ" اور اس کے بعد "الشعراء"

حضرت فاروق اعظم سنہ نبوی میں ایمان لائے۔ یہ سورۃ اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی کیونکہ جب آپ نے اپنے بہنوئی اور بہن کو زدوکوب کیا تو آپ کی بہن کا سر پھٹ گیا اور اس کا خون بہنے لگا۔ اس سے آپ کا دل بہت متاثر ہوا۔ آپ نے کہا مجھے وہ کتاب دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ آپ کی ہمشیرہ فرمانے لگیں "اے عمر! تم مشرک ہو اور مشرک ناپاک ہوتا ہے۔" وَاِنَّهٗ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ اور اس صحیفہ کو صرف پاک ہی ہاتھ لگا سکتا ہے۔ یہ جملہ اسی سورت کی ایک آیت لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۷۹ میں مذکور ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت حضرت عمر کے ایمان لانے سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

مضامین : جس زمانہ کے ساتھ اس سورت کے نزول کا تعلق ہے اس وقت صرف تین باتیں زیر بحث تھیں توحید، قرآن اور قیامت۔

وقوع قیامت کے بارے میں اُن کا انکار از بس شدید تھا۔ وہ اسے محال اور خلاف عقل یقین کرتے تھے اس لیے وہ سورتیں جو اس زمانہ میں نازل ہوئیں اُن میں قیامت کے بارے میں ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی گئی ہے۔

اس سورۃ کا آغاز وقوع قیامت کے ذکر سے ہو رہا ہے نیز بتایا کہ اس روز نوع انسانی تین گروہوں میں بانٹ دی جائے گی۔ دائیں طرف والے، بائیں طرف والے اور سبقت لے جانے والے۔

پہلے رکوع میں بڑی تفصیل سے السابقون اور اصحاب الیمین کے حالات ذکر کیے گئے ہیں۔ دوسرے رکوع میں

(اصحاب الشمال (بائیں طرف والے) کی خستہ حالی کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ جسے پڑھ کر دل پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر ۵۷ سے دوسرے رکوع کے اختتام تک اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے دلائل ایسے رنگ میں پیش کیے گئے ہیں جن کو تسلیم کرنے سے وہ بھی گریز نہیں کر سکتے۔

آخری رکوع میں قرآن کریم کی حقانیت اور کلام الٰہی ہونے پر دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ "مواقع النجوم" کی قسم اٹھا کر سامعین کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ جس حسین نظم و نظام، بے مثال باقاعدگی اور ہم رنگی کا مشاہدہ تم کواکب کی دنیا میں کر رہے ہو اسی طرح کا بے مثل نظم و نسق اور ہر آیت کی دوسری آیت سے وابستگی تمہیں قرآن حکیم میں بھی نظر آئے گی۔ لیکن اس کے معانی اور معارف تک رسائی ہر شخص کا نصیب نہیں۔ وہ لوگ جن کا دل پاک، نگاہ پاک اور نیت پاک ہوتی ہے عروس معنی فقط ان کے لیے اپنے رخ زیبا سے نقاب سرکاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ تم اس چشمہ شیریں سے سیراب ہوتے اپنی پیاس بجھاتے اپنے گلستان حیات کی آبیاری کرتے تم نے اسے جھٹلانا شروع کر دیا ہے اور روز و شب جھٹلاتے ہی رہتے ہو۔ کیا تمہارا مقدر میں صرف انکار اور تکذیب ہی ہے۔ صد حیف! تمہاری اس نادانی پر۔

آیات: ۸۳ تا ۸۶ میں انہیں موت کی یاد دلا کر جھنجھوڑ دیا کہ کب تک بدمست و مخمور رہو گے؟ کیا اس وقت تک بے سدھ پڑے رہو گے جب فرشتہ اجل آ کر تمہاری شہ رگ پر اپنا آہنی ہاتھ رکھ دے؟

سورت کے اختتام سے پہلے پھر گزشتہ تین طبقوں کے حالات کو بالاختصار دہرا دیا۔

خصوصیت: اس سورۃ کی ایک خصوصیت کے بیان میں چند احادیث مذکور ہیں۔ قارئین کے لیے ان کا مطالعہ خیر و برکت کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لیے انہیں یہاں درج کر رہا ہوں۔

۱۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من قرأ سورۃ الواقعۃ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابدا (البیہقی وغیرہ)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھتا ہے اسے فاقہ ہرگز نہیں آئے گا۔

۲۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ سورۃ الواقعۃ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابدا (ابن عساکر)

ترجمہ: حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھتا ہے، اسے کبھی فاقہ نہ ہو گا۔

۳۔ عن انس رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال سورۃ الواقعۃ سورۃ الغنی فاقرؤھا وعلموھا اولادکم (ابن مردویہ)

ترجمہ: حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سورۃ الواقعہ دولت و ثروت کی

سورۃ ہے۔ اسے خود بھی پڑھا کرو اور اسے اپنی اولاد کو بھی تعلیم دو۔

عن انس عن رسول الله صلی الله علیه و سلم علموا نساءکم سورة الواقعة فانها سورة الغنی (الدیلمی۔ هکذا من الدر المنثور)

ترجمہ: حضرت انسؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اپنے گھر کی مستورات کو یہ سکھاؤ (یعنی یاد کراؤ) کیونکہ یہ دولت و ثروت کی سورۃ ہے۔

علامہ قرطبی نے یہاں ایک بڑا عجیب مکالمہ نقل کیا ہے جو حضرت عثمان اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان ہوا۔ حضرت ابن مسعود جب آخری مرتبہ بیمار ہوئے تو حضرت عثمان اُن کی بیمار پرسی کے لیے ان کے ہاں تشریف لے آئے اور پوچھا:

"ما تشتکی؟" آپ کو کیا بیماری ہے؟

آپ نے کہا: "ذنوبی" مجھے اپنے گناہوں کی بیماری ہے۔

پھر حضرت عثمان نے پوچھا: "فما تشتھی؟" آپ کیا چاہتے ہیں؟

اُنھوں نے جواب دیا: "رحمۃ ربی" میں اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں۔

پھر آپ نے کہا: "افلا ندعو لك طبيبا"؟ کیا ہم آپ کے لیے کوئی حکیم نہ بلائیں؟

اُنھوں نے کہا: "الطبيب امرضنی" حکیم نے ہی مجھے بیمار کیا ہے۔

پھر حضرت عثمان نے پوچھا: "افلا نامرلك بعطائك؟" کیا ہم آپ کو آپ کا ماہانہ عطیہ ادا کرنے کا حکم نہ دیں؟

آپ نے کہا: "مجھے اس کی ضرورت نہیں"۔

آپ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے کہا: "آپ کی وفات کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا"

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے جواب میں کہا: "کیا آپ کو یہ فکر ہے کہ میری وفات کے بعد میری بچیاں بھوک اور افلاس کا شکار ہوں گی، ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھا کریں اور میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورۃ واقعہ کی تلاوت کرتا ہے اُسے کبھی بھی بھوک اور افلاس سے واسطہ نہیں پڑے گا"

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا۔

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَّ تِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّ ثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الواقعہ مکی ہے اور اس میں ۹۶ آیتیں اور ۳ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳

جب قیامت برپا ہو جائے گی لے نہیں ہو گا جب یہ برپا ہو گی اسے کوئی جھٹلانے والا سے کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلند کرنے والی سے

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَكَانَتْ هَبَآءً

جب زمین تھر تھر کانپنے لگی سے اور ٹوٹ پھوٹ کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر غبار بن کر بکھر

لے قرآن کریم میں قیامت کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ الصاخۃ۔ الطامۃ۔ الآزفۃ۔ اسی طرح اس کا ایک نام الواقعۃ بھی ہے کیونکہ یہ ضرور وقوع پذیر ہو گی۔ کوئی ایسی طاقت نہیں جو اسے روک سکے۔ اس لیے اسے الواقعۃ کہا گیا ہے۔

سے زجاج نے کاذبۃ کا یہ معنی بیان کیا ہے ای لا یردھا شیئ۔ یعنی کوئی چیز اس کو رد نہیں کر سکتی کسی میں ایسی طاقت نہیں ہے جو اسے وقوع پذیر ہونے سے روک سکے۔

ثوری نے اس کا یہ مفہوم ذکر کیا ہے۔ لیس لوقعتھا احد یکذب بھا۔ یعنی جب یہ وقوع پذیر ہو جائے گی تو کوئی شخص بلکہ نہیں کر سکے گا کسی میں یہ جرأت نہ ہو گی کہ اس کے واقع ہونے کو جھٹلا سکے۔ اس کا ایک اور معنی بھی بتایا گیا ہے۔ ان قیامھا جد لا ھزل لہ یعنی قیامت کا رونما ہونا کوئی مذاق نہیں بلکہ یہ سچی بات ہے۔

کفار قیامت کا انکار کیا کرتے تھے اور یہ سمجھتے کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا ناممکن ہے۔ وہ ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ یہ زمین یہ فلک یہ چاند یہ تارے سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لیے قرآن کریم نے حتمی انداز میں یہ بتا دیا کہ تم لاکھ انکار کرو قیامت ضرور برپا ہو گی۔ تم سب مل کر بھی اسے روکنا چاہو تو اسے روک نہیں سکو گے۔ تم آج انکار کر رہے ہو کل جب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لو گے تو تم اس کو جھٹلا نہیں سکو گے۔

سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں خفضت اعداء اللہ فی النار و رفعت اولیاء اللہ فی الجنۃ یعنی قیامت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو آتش جہنم میں نگونسار کرے گی اور اولیاء اللہ کو جنت میں سر بلند و سرفراز کرے گی۔

سے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں الرجۃ۔ الحرکۃ الشدیدۃ۔ شدید حرکت۔ مفسرین لکھتے ہیں۔ ترج کما یرتج

مُّنْبَثًّا ﴿۶﴾ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ

جائیں گے ۶ اور (اس وقت) تم لوگ تین گروہوں میں بانٹ دیئے جاؤ گے ۷ سو (ایک گروہ) دائیں ہاتھ والوں کا ہو گا، کیا شان ہو گی دائیں ہاتھ

الْمَيْمَنَةِ ﴿۸﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ

والوں کی ۸ اور (دوسرا گروہ) بائیں ہاتھ والوں کا ہو گا، کیا (خستہ) حال ہو گا بائیں ہاتھ والوں کا ۹ اور (تیسرا گروہ) سبقت لے جانے والے تو آگے ہی آگے بڑھنے

السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ

والوں کا ۱۰ (اس روز بھی) آگے آگے ہوں گے یہی مقرب (بارگاہ) ہیں ۱۱ عیش و سرور کے باغوں میں ۱۲ ایک بڑی جماعت

الصبی فی المھد حتی یتھدم کل ما علیھا۔ یعنی بچہ جس طرح جھولے میں ہلایا جاتا ہے کبھی اوپر اٹھتا ہے کبھی نیچے جھکتا ہے۔ اسی طرح زمین بھی اضطراراً جھولے کی طرح جھولے گی یہاں تک کہ اس کے اوپر جو کچھ ہے مکانات، درخت، پہاڑ سب گر پڑیں گے اور ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

ـ۵ کسی چیز کا ٹوٹ پھوٹ جانا، ریزہ ریزہ ہو جانا۔ بس الشیئ اذا فتتہ قال الفراء صارت دقیقا۔ فراء کہتے ہیں کسی چیز کا پس کر آٹے کی طرح باریک ہو جانا۔

روشن دان سے جب دھوپ اندر داخل ہوتی ہے تو اس میں غبار کے جو ذرے اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں ان کو ھباء کہتے ہیں۔ منبث، منتشر، پراگندہ۔

ـ۷ ازواج کا معنی یہاں اصناف ہے۔ جب کسی چیز کے مقابلے میں دوسری چیز ذکر کی جاتی ہے تو اسے زوج کہتے ہیں۔ ای اصنافا کل صنف یکون او یذکر مع صنف آخر زوج (مظہری)

اس روز لوگوں کو تین گروہوں میں بانٹ دیا جائے گا۔ پہلا گروہ اصحب المیمنۃ، دوسرا اصحاب المشئمۃ اور تیسرا السابقون۔

میمنۃ: یا تو یمین سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے دایاں ہاتھ کیونکہ ان نیک بختوں کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں لے جائیں گے یا ان کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا یا اس لیے کہ ان کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب تھیں اس لیے انہیں اصحاب المیمنۃ کہا گیا ہے۔ یا یہ یمن سے ماخوذ ہے جس کا معنی یمن و برکت والا۔ کیونکہ ان کی ساری زندگی اپنے رب کریم کی بندگی میں بسر ہوئی، اس کو یاد میں ان کے رات دن کٹتے تھے، اس کو راضی کرنے کے لیے وہ جد و جہد کرتے رہے۔ ایسے لوگوں سے بڑھ کر یمن و برکت والا کون ہو سکتا ہے؟ اس لیے اصحاب المیمنۃ کہا گیا۔

اصحاب المشئمۃ: اس کی وجہ تسمیہ میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ یا تو یہ شؤمی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے بایاں ہاتھ کیونکہ

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ

پہلوں سے ۱۳؎ اور قلیل تعداد پچھلوں سے ۱۴؎ ان پلنگوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے ۱۵؎ تکیہ لگائے ہوئے

عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ

ہوں گے ان پر آمنے سامنے ۔ گردش کر رہے ہوں گے ان کے اردگرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے ۔ (پانی سے بھرے) پیالے

ان بدبختوں کو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر جہنم رسید کیا جائے گا یا ان کے تحریر کئے گناہوں کا پلندہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا اس لیے کہ ان کی روحیں آدم علیہ السلام کے بائیں ہاتھ تھیں۔ اس لیے اصحاب المشئمۃ کہا گیا۔ یا یہ شوم سے ماخوذ ہے جس کا معنی نحوست اور بدبختی ہے۔ بے شک جن لوگوں نے اپنی ساری عمر نافرمانی اور غفلت میں بسر کی ان سے بڑا منحوس اور بدبخت کون ہو سکتا ہے۔

اب ذرا ما اصحاب المیمنۃ کی ترکیب پر غور فرمائیے۔ اصحاب المیمنۃ مبتدا ہے۔ ما مبتدائے ثانی اصحاب المیمنۃ خبر مبتدا اپنی خبر سے مل کر خبر ہوا مبتدائے اول کی۔ ما استفہامیہ برائے تعجب ہے۔ یعنی دائیں ہاتھ والوں کی عظمت شان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ یہی کیفیت اصحاب المشئمۃ کی ہے۔

السابقون: آخر میں تیسری قسم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی ان کے مدارج عالیہ اور ان پر جو فضل و کرم کیا جانے والا ہے اس کو بھی بیان کر دیا۔ السابقون کا معنی ہے سبقت لے جانے والے۔ اس سے مراد وہ ازلی سعادت مند ہیں جنہیں جب دعوت حق دی گئی تو انہوں نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ جب بھی انہیں کسی کار خیر کی طرف بلایا گیا یہ اپنے ساتھیوں سے چار قدم آگے ہی دکھائی دیئے۔ دین کی سربلندی کے لیے اگر ان کے مال کی ضرورت پڑی تو سب کچھ لا کر قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ اگر جان کی ضرورت ہوئی تو بصد مسرت سر بکف میدان میں حاضر ہو گئے۔ غرضیکہ نیکی اور بھلائی کے ہر کام میں یہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ان کی تعریف رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان کلمات سے فرمائی ہے۔

انہ قال السابقون الذین اذا اعطوا الحق قبلوہ واذا سئلوہ بذلوہ وحکموا للناس کحکمہم لانفسہم۔

یعنی جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا تو انہوں نے بلا تامل قبول کر لیا۔ جب مال اور جان کی قربانی دینے کو کہا گیا تو انہوں نے ہر چیز پیش کر دی اور جب وہ حکومت کی مسند پر بیٹھے تو لوگوں کے ساتھ انہوں نے وہی سلوک کیا جو وہ اپنے لیے پسند کرتے تھے۔

السابقون مبتدا ہے اور دوسرا السابقون اس کی تاکید اور اولئک المقربون اس کی خبر ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہلا السابقون مبتدا اور الف لام جنسی اور دوسرا خبر ہے اور الف لام عہدی ہے۔ اولئک المقربون جملہ مستانفہ ہے اور ما شانہم کا جواب ہے۔

۱۳؎ یعنی امت کے اولیں دور میں ایسے جانباز دل اور سرفروشوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گی اور بعد میں آنے والے اوقات میں ان کی تعداد گھٹتی جائے گی۔

وَأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ﴿١٩﴾

آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام لیے ہوئے۔ نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾ وَ

اور میوے بھی پیش کریں گے جو وہ پسند کریں گے۔ اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ رغبت کریں گے۔ اور

حُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾ جَزَاءً بِمَا كَانُوا

حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں ایسے موتیوں کی مانند جو چھپا کے رکھے ہوں۔ یہ اجر ہوگا ان نیکیوں کا جو وہ

معلوم ہوا کہ عہد نبوت میں جن لوگوں نے اس منبع فیض سے کسب فیض کیا اور اس آفتاب ہدایت سے اپنے دل کی دنیا کو منور کیا، جنہوں نے اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کی جبکہ اسلام قبول کرنا مصائب و آلام کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ جنہوں نے اللہ کے رسول کے لیے اپنے گھر بار اور وطن اور عیال کو چھوڑ دیا اور حبیب کریم کے نگاہ پرجوت کی وہ کس پرورش حاصل ہو گئے۔ یہ اس مقدس سعیدہ کے موتیوں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا پایاں نازل ہوتا ہے۔ افسوس ہے ان کم فہم لوگوں پر جو ان نفوس قدسیہ کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے ہیں جن کی توصیف اور ثنا سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ۔ اے لوگو! میرے صحابہ کو سب و شتم مت کرو۔ اگر تم کوہ احد کے برابر سونا بھی خرچ کر دو تو ان کے ایک مد یا نصف مد غلہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

شہ لیکن آخری زمانہ میں ایسے سعادت مندوں کی تعداد گھٹتی جائے گی۔ انہیں اپنی اخروی زندگی کو بہتر بنانے کے بجائے اپنی دنیوی زندگی کو پر کشش اور آرام دہ بنانے کی فکر زیادہ ہو گی۔

شہ آیات نمبر ۱۵ تا ۲۴ کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ صرف مشکل الفاظ کی تشریح پر اکتفا کیا جائے گا۔

موضونۃ: منسوجۃ بالذہب والجواہر۔ یعنی ایسے پلنگ جو سونے کی تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے اور جگہ جگہ موتی اور جواہر سے انہیں مرصع کر دیا گیا ہوگا۔ متقابلین: ایک دوسرے کی طرف رخ کیے ہوئے ہوں گے۔ ولدان مخلدون: ایک ہی کیفیت پر ہمیشہ رہیں گے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان پر بڑھاپے کے آثار ظاہر نہیں ہوں گے۔ یہ وہ بچے ہوں گے جن کے ماں باپ مشرف باسلام نہ ہوئے تھے اور بچپن ہی میں وفات ہو گئے۔ ان کو اہل جنت کا خادم بنا دیا جائے گا۔ جب اہل ایمان کے کم سن بچے تو انہیں ان کے ماں باپ کے ساتھ مقامات بلند میں رکھا جائے گا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اکواب: جمع کوب کی بمعنی بے گول پیالہ۔ اباریق: جمع ابریق کی آفتابہ۔ کاس: شراب سے بھرا ہوا پیالہ۔ صداع: سر درد۔ نزف: مدہوشی۔

يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ﴿٢٥﴾ إِلَّا قِيلًا سَلٰمًا

کرتے رہے تھے۔ وہ نہیں سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں سلے بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی

سَلٰمًا ﴿٢٦﴾ وَأَصْحٰبُ الْيَمِينِ ۙ مَآ أَصْحٰبُ الْيَمِينِ ﴿٢٧﴾ فِي سِدْرٍ

آواز آئے گی سلے اور دائیں ہاتھ والے، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی سلے بے خار

مَّخْضُودٍ ﴿٢٨﴾ وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ ﴿٢٩﴾ وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ﴿٣٠﴾ وَمَآءٍ مَّسْكُوبٍ ﴿٣١﴾

بیریوں میں اور کیلے کے گچھوں میں اور لمبے لمبے سایوں میں اور پانی کے آبشاروں میں

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ﴿٣٤﴾

اور پھلوں کی بہتات میں نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا اور بستر بچھے ہوں گے اونچے اونچے تختوں پر۔

سلہ اہل جنت کو یہ شرف بھی بخشا جائے گا کہ وہاں کوئی ایسی گفتگو ان کے لیے بار گوش نہ ہوگی جو لغو اور بیہودہ ہو اور نہ ہی وہاں کذب بیانی، غیبت، گلہ شکوہ، دشنام پر مشتمل کوئی گفتگو ہوگی جو سراسر گناہ ہے۔

سلہ ان کی گفتگو خیر ہی خیر ہوگی۔ وہ اس طرح کی بات چیت کریں گے جس سے باہمی محبت و پیار میں اضافہ ہو۔ فضا کیف و سرور سے معمور ہو جائے۔ دلوں کے غنچے کھل اٹھیں۔ بیگانگی اور وحشت کا نام تک نہ ہو۔

قیلا: یسمعون کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور سلما یقولون محذوف کا مقولہ ہے۔ سلما سے مراد خیر ہے یعنی اچھی باتیں۔ قیلا منصوب بیسمعون۔ وسلما سلما منصوبان بالقول ای انھم یقولون الخیر۔

سلہ یہاں سے ان نوازشات و انعامات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن سے اصحاب الیمین کو نوازا جائے گا۔ آیات نمبر ٢٧ تا ٤٠ کا مضمون واضح ہے۔ صرف مشکل الفاظ کی تشریح کی جائے گی۔

سدر: بیری کا درخت۔ مخضود: جس پر کانٹے نہ ہوں۔ بیری کی ایسی قسمیں بھی ہیں جن کا پھل بڑا شیریں اور خوشبودار ہوتا ہے۔ پھر جو بیری جنت میں ہوگی اس کی نفاست اور عمدگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ طلح: کیلا۔ منضود: تہ بہ تہ، یعنی اس پر پھلوں کے گچھے تہ بہ تہ لٹکے ہوں گے۔ ظل ممدود: وہ سایہ جو دور تک پھیلا ہوا ہو۔ جنت میں ایسے درخت بھی ہوں گے کہ اگر ایک درخت کے سایہ میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے تو وہ ختم نہ ہوگا۔

ماء مسکوب: ایسا پانی جو ہمیشہ بہتا رہے۔ مقطوعة: جنت کے پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ سال میں ایک مرتبہ وہ درخت پر نظر آئیں اور سال کے باقی مہینے وہ پھلوں سے خالی رہیں، بلکہ وہ درخت ہمیشہ پھلوں سے لدے رہیں گے۔

إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾

ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو عجیب طریقہ سے ۱۳ پس ہم نے بنایا انہیں کنواریاں۔ دل و جان سے پیار کرنے والیاں، ہم عمر۔

لِّأَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿٤٠﴾

یہ سب نعمتیں اصحاب یمین کے لیے مخصوص ہوں گی۔ ایک بڑی جماعت اگلوں سے اور ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے ہوگی ۱۴

جونہی آپ ایک پھل توڑیں گے اس کی جگہ دوسرا فوراً موجود ہوگا۔

دوسری خوبی ان میں یہ ہوگی کہ ان کو توڑنے میں کوئی دقت یا رکاوٹ نہ ہوگی۔ جب آپ کا جی چاہے گا اونچی ٹہنیوں پر لگے ہوئے خوشے آپ کے ہونٹوں کے قریب ہو جائیں گے۔

۱۳ یہاں اہل جنت کی نیک بیویوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی جب وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ان کی خلقت بالکل بدلی ہوئی ہوگی۔ اگرچہ دنیا میں وہ خوش شکل نہ تھیں، موت کے وقت وہ بالکل بوڑھی ہو گئی تھیں لیکن جب جنت میں داخل ہوں گی تو بھرپور جوانی ہوگی، مجسم حسن و رعنائی ہوں گی اور کنواری بنا کر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں اس آیت کی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عرض کرنے پر حضور نے فرمایا یا ام سلمہ۔ ھن اللواتی قبضن فی الدنیا عجائز شمطاً عمشاً رمصاً جعلھن اللہ بعد الکبر اتراباً علی میلاد واحد فی الاستواء۔ اے ام سلمہ ان سے مراد وہی بیویاں ہیں۔ اگرچہ وفات کے وقت وہ بالکل بوڑھی تھیں، ان کے بال سفید تھے، ان کی بینائی کمزور تھی، آنکھیں میلی کچیلی رہتی تھیں لیکن جب وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ساری ہم عمر ہوں گی۔

عُرُباً: ان کی دو صفتیں یہاں بیان کی ہیں۔

عرب: اس کا واحد عروبہ ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں۔ فالعروب التی تبین محبتھا لزوجھا بشکل وغنج وحسن کلام یعنی وہ عورت جو ناز و ادا اور خوش گفتاری سے اپنی محبت کا اظہار اپنے خاوند سے کرے۔ یہ عورت کی ایسی صفت ہے جس میں اس کی نسوانیت کی ساری خوبیاں سمٹ آتی ہیں۔ حسین و جمیل بھی ہو، ناز و ادا والی بھی ہو، خوش گفتار بھی ہو اور بیٹھی گھر بھی اور اپنے خاوند کو دل سے چاہنے والی بھی ہو اور اپنی چاہت کو چھپانے والی نہ ہو بلکہ اس کا اظہار کرنے والی ہو۔

صاحب لسان العرب اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ المرأۃ الضحاکۃ وقیل ھی المتحببۃ الی زوجھا والمطھرۃ لہ وقیل ھی العاشقۃ لہ۔ اتراب: ہم عمر۔

۱۴ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم جمیعاً من امتی یعنی اس امت کا اول و آخر مراد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی اور ان میں سے اسی صفیں امت محمدیہ کی ہوں گی۔ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و سلام۔ امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم باہر تشریف لائے اور

وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ﴿٤٢﴾

اور بائیں ہاتھ والے کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی ملے (وہ) ہوں گے جھلسا دینے والی لو اور کھولتے ہوئے پانی میں

وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ﴿٤٣﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ ﴿٤٤﴾ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ

اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے نہ وہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ بے شک یہ لوگ پہلے

ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿٤٥﴾ وَ کَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ﴿٤٦﴾

بڑے عیش و عشرت میں تھے ملے اور اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر

فرمایا آج میرے سامنے ساری امتیں پیش کی گئیں۔ ایسے نبی بھی میرے سامنے سے گزرے جن کے ساتھ صرف ایک امتی تھا کسی کے ساتھ دو اور بعض کے ساتھ ایک گروہ اور بعض ایسے نبی تھے جن کے ساتھ ایک امتی بھی نہ تھا۔ پھر میں نے ایک جم غفیر دیکھا جس نے آسمان کے کنارے کو گھیر لیا تھا۔ کہا گیا یا رسول اللہ یہ آپ کی امت ہے۔ مع ھؤلاء سبعون الفا یدخلون الجنۃ بغیر حساب۔ ان میں ستر ہزار آپ کے وہ غلام ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ کے ایک صحابی جن کا نام عکاشہ ابن محصن تھا آگے بڑھے اور عرض کیا امنھم انا یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے رسول کیا میں ان میں سے ہوں؟ قال نعم فرمایا ہاں تو ان میں سے ہے۔ فقام آخر فقال امنھم انا؟ فقال سبقک بھا عکاشۃ۔ پھر ایک اور اٹھا اور عرض کیا کیا میں ان میں سے ہوں۔ آپ نے فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمارا حشر بھی اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں کرے اور ہم گناہگاروں کو شفیع المذنبین کی شفاعت نصیب کرے۔ آمین ثم آمین۔

ملے یہاں سے ان بدنصیبوں کا حال زار بیان کیا جا رہا ہے جنہیں قیامت کے روز ان کے اعمالنامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

مشکل الفاظ کی تشریح ملاحظہ ہو: السموم: جھلسا دینے والی لو۔ حمیم: سخت کھولتا ہوا پانی۔ یحموم: الدخان، جہنم کا دھواں شدید السواد: جہنم کا سخت سیاہ دھواں۔ لا کریم: لا خیر فیہ۔ جس میں ان کے لیے کوئی آرام اور سکون نہ ہوگا۔

قاعدہ ہے کہ جب انسان کو گرم لو جھلس دیتی ہے تو وہ پیاس محسوس کرتا ہے۔ ٹھنڈے پانی کی خواہش کرتا ہے اور گھنے سائے کی طرف بھاگتا ہے لیکن یہ بدبخت جب آتش جہنم میں جھونکے جائیں گے اور پیاس کی شدت سے تلملانے لگیں گے تو انہیں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے بجائے گرم اور کھولتا ہوا پانی ملے گا اور جب کسی گھنے سائے میں پناہ لینا چاہیں گے تو بجز جہنم سے اٹھتے ہوئے سیاہ دھوئیں کے سایہ کے اور کوئی سایہ انہیں نصیب نہ ہوگا۔ اب خود ہی ان کی حالت زار کا اندازہ لگا لیجیے۔

ملے وہ اس اندوہناک انجام سے کیوں دوچار ہوئے اس کی وجوہات بیان کی جا رہی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ مترف

وَكَانُوا يَقُولُونَ ۙ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا

اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ

لَمَبْعُوثُونَ ﴿٤٧﴾ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿٤٨﴾ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ﴿٤٩﴾

زندہ کیے جائیں گے۔ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (زندہ کیا جائے گا) آپ فرمائیے بیشک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی

لَمَجْمُوعُونَ ۙ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا

سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے پہچانے دن میں۔ پھر تمہیں اے گمراہ ہونے

الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ﴿٥١﴾ لَآكِلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَقُّومٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِئُونَ

والو! اے جھٹلانے والو! تم کھاؤ گے زقوم کے درخت سے۔ پس تم بھرو گے

مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٥٣﴾ فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿٥٤﴾ فَشَارِبُونَ

اس سے اپنے پیٹوں کو۔ پھر پیو گے اس پر کھولتا پانی۔ اس طرح پیو گے جیسے

تھے۔ المترف۔ المتنعم المتوسع فی ملاذ الدنیا وشھواتھا (لسان العرب) یعنی ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔ دنیا کی لذتوں اور نفس کی خواہشوں میں وہ اپنا سارا وقت ضائع کرتے تھے۔ انہیں نہ کبھی خدا یاد آیا اور نہ ان کے دلوں میں کبھی حاجت مند لوگوں کی امداد کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ساری عمر انہوں نے عیش و عشرت میں برباد کر دی۔ ان کی تباہی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ شرک پر مصر تھے انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کے روشن نشانات دکھلائے گئے لیکن وہ اپنے عقیدۂ شرک پر اڑے رہے۔ حنث عظیم گناہ عظیم کو کہتے ہیں اور اس سے مراد شرک ہے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ قیامت کے منکر تھے۔ ان وجوہات کے باعث انہیں یہ دردناک سزا بھگتنی پڑی۔

الھیم۔ اس کا واحد اھیم ہے اور اس کی مونث ھیماء۔ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پیاس کی ایسی بیماری میں مبتلا ہو کر جتنا پانی پی جائے اس کی پیاس نہ بجھے۔ الابل العطاش التی لا تروی بداء یصیبھا۔ [illegible] اور [illegible] نے اس کا یہی معنی بتایا ہے۔ ھیم الارض السھلۃ ذات الرمل۔ ریتلی زمین جسے جتنا سیراب کیا جائے وہ خشک ہی رہتی ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں کو بھوک اتنا ستائے گی کہ یہ زقوم کا بدبودار اور کڑوا اور بدذائقہ کھانے پر مجبور ہو جائیں گے اور پیاس کی شدت کا یہ حال ہوگا کہ پینے کے لیے انہیں کھولتا ہوا پانی ملے گا جس سے ہونٹ اور منہ جل جائے گا۔ انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی لیکن وہ اس کھولتے ہوئے پانی کو پیاسے اونٹ کی طرح پیتے چلے جائیں گے۔

شُرْبَ الْهِيْمِ ۝ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ

جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن۔ ۵۲ ہم نے ہی پیدا کیا ہے تمہیں پس تم

فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ

قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے ۵۳ بھلا دیکھو تو جو (نطفہ) تم ٹپکاتے ہو ۵۴ (ذرا بتاؤ) کیا تم اس کو (انسان بنا کر) پیدا کرتے

۵۲ یہ لوگ آج رنگ برنگے لذیذ کھانے کھاتے ہیں۔ مہر دن ان کے دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے جاتے ہیں۔ کبھی انہوں نے یہ بھی سوچا ہے کہ قیامت کے دن ان پر کیا بیتے گی۔ انہیں کھانے کے لیے کیا ملے گا اور پینے کے لیے کیا دیا جائے گا۔

۵۳ مشرکین اور منکرین قیامت کو طرح طرح کے دلائل پیش کر کے سمجھایا جا رہا ہے کہ وہ شرک سے باز آجائیں، توحید باری پر ایمان لے آئیں اور یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو ضرور بالضرور برپا کرے گا۔

یہاں سے پہلی دلیل شروع ہوتی ہے کہ تم خوب جانتے ہو کہ تم عدم محض تھے ہم نے تم کو نیست سے ہست کیا۔ اگر ہم تم کو عدم سے موجود کر سکتے ہیں تو تمہارے مرنے کے بعد تم کو از سر نو پیدا کر دینا ہمارے لیے کیا مشکل ہے۔ جو ابتدا کر سکتا ہے، اعادہ مشکل نہیں ہو سکتا۔

۵۴ دیکھئے کہ پیدائش میں انسان کا تو بس اتنا دخل ہے کہ وہ منی کا قطرہ شکم مادر میں ٹپکا دیتا ہے۔ انسان کا مادہ تولید ایسے ان گنت نہایت باریک جرثوموں پر مشتمل ہوتا ہے جن میں مادہ کے بیضہ سے ملنے اور عمل تخلیق سرانجام پانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ باہر ادہ کروڑوں جرثومے ضائع ہو جاتے ہیں اور عمل تخلیق رونما نہیں ہوتا۔ کس کا دست قدرت ان بے شمار جرثوموں میں سے ایک جرثومہ کا انتخاب کرتا ہے اور پھر اس کو عورت کے بیضہ سے جا کر ملا دیتا ہے۔ پھر رحم کے ایک تنگ و تاریک گوشہ میں اس کو قرار بخشتا ہے۔ پھر اس میں آہستہ آہستہ حتمل کو دنگ کر دینے والے تغیرات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں زندگی کی ہنستی زندہ دنشنے لگ جاتی ہے۔ پھر اس میں مختلف اعضا نمودار ہونے لگتے ہیں۔ اس کے دل و دماغ میں صلاحیتوں اور قابلیتوں کا ایک سمندر سمو دیا جاتا ہے۔ وہی قطرہ آب، یہ جان جرثومہ نو ماہ کے بعد جب باہر قدم رکھتا ہے تو اس کا گول مٹول چاند سا چہرہ اور اس کے خدوخال دل کو موہنے لگتے ہیں۔ اے کفار! سچ سچ بتاؤ، اس قطرہ آب کو یہ قد دیا، یہ رنگ کس نے مرحمت فرمایا۔ یہ چمکتی ہوئی آنکھیں، یہ ہونٹ، یہ زبان، یہ ناک، یہ کان اور دیگر معنوی خوبیاں کس کا انعام ہیں۔ کیا اس میں بچے کے باپ کا یا اس کی ماں کا کوئی عمل دخل ہے۔ کیا تمہارے یہ بے بس اور بے جان خداؤں نے اس میں کوئی کارنامہ انجام دیا ہے۔ کیا انہیں فطرت کے حیطۂ امکان میں یہ بات ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس قادر و ذو الجلال کا انکار کیا جائے یا اس کے ساتھ کسی دیوی دیوتا کو شریک کیا جائے۔ پھر ذرا اس پر بھی غور کرو کہ جس خدا کی قدرت و حکمت کا یہ عالم ہے، کیا مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے مشکل ہے۔

أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ

ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم ہی نے مقرر کی ہے تمہارے درمیان موت اور ہم اس سے

بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٠﴾ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا

عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو

لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾

تم نہیں جانتے اور تمہیں اچھی طرح علم ہے اپنی پہلی پیدائش کا پس تم (اس میں) کیوں غور و خوض نہیں کرتے

ہم نے ہی تم کو نیست سے ہست کیا ہے۔ ہم نے ہی تمہارے لیے موت کا وقت مقرر کر دیا ہے۔ تمہاری پیدائش اور موت دونوں ہمارے قبضہ میں ہیں۔ اگر تم میرے احکام کی خلاف ورزی کرو یا میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ تو اس سے بڑھ کر اور حماقت کیا ہو سکتی ہے۔

جب ہم چاہیں گے قیامت کے روز تمہیں پھر زندہ کر دیں گے۔ کوئی ایسی طاقت نہیں جو ہمیں ایسا کرنے سے روک دے۔ مسبوقین۔ مغلوبین۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے اگر ہم تم کو فنا کر دیں اور تمہاری جگہ تمہاری جگہ اور لوگ لے آئیں تو ہم ایسا کرنے کی پوری قدرت رکھتے ہیں۔

اور ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ تمہاری خلقت کو بالکل بدل دیں۔ تمہاری قد و قامت، تمہاری رنگت، تمہارے خد و خال یکسر مختلف ہوں۔ جو صلاحیتیں اب تمہارے اندر موجود ہیں ان کے برعکس اور صلاحیتیں تمہیں ودیعت کر دیں۔ اب بھی ہم نے اپنی مرضی سے جیسا چاہا پیدا فرما دیا اور اگر ہم تمہاری موجودہ حالت میں رد و بدل کرنا چاہیں تو ہمیں کوئی روک نہیں سکتا۔

نیک لوگ اگر اس دنیوی زندگی میں خوبصورت نہ تھے لیکن قیامت کے دن ان کے چہرے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ ان کے حسن کا نکھار، دلوں کو لبھا رہا ہو گا اور گناہ گاروں کے چہروں پر نحوست برس رہی ہو گی۔ انہیں دیکھ کر طبیعت میں دہشت پیدا ہو گی۔

تم اپنی پہلی پیدائش کے بارے میں تو جانتے ہو کہ کس طرح ایک جرثومہ سے تمہارا آغاز ہوا اور کس طرح تمہیں مرتبہ کمال تک پہنچایا گیا۔ اگر تم ذرا غور و تدبر کرو گے تو تمہیں یہ باور کرنے میں ذرا تردد نہ ہو گا کہ تمہارا خالق تمہارے مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ﴿٦٤﴾

کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے جو تم بوتے ہو ٦٢ (ذرا یہ بتاؤ) کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہی اس کو اگانے والے ہیں۔

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾

اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا بنا دیں پھر تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ ٦٣ (اور کہو) ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب گئے

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَرَءَيْتُمُ ٱلْمَآءَ ٱلَّذِى تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنتُمْ

بلکہ ہم تو (بالکل) ہی بڑے بدنصیب۔ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے پانی جو تم پیتے ہو ٦٤ ذرا یہ بتاؤ کیا تم

أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ ٱلْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ

نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری

٦٢ توحید باری اور وقوع قیامت پر ایک دوسری دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ کھیتی باڑی کے متعلق تمہیں تفصیل علم ہے تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ زمین میں ہل چلاؤ اور اس میں بیج ڈال دو۔ اس کے بعد اس کے پک کر تیار ہونے تک جو مراحل ہیں تغیرات وقوع پذیر ہوتے ہیں کیا اس میں تمہارا بھی کوئی دخل ہے۔ پھر ان کے لیے جتنی حرارت، خنکی، روشنی، ہوا، رطوبت وغیرہ عوامل کی ضرورت ہوتی ہے ان کو مناسب مقدار میں اور بروقت کون مہیا کرتا ہے۔ کیا تمہارے بتوں، دیوی دیوتاؤں میں یہ قدرت ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کیوں کرتے ہو۔ نیز جو ذات اس دانے کو جو زمین میں گل جاتا ہے اس کو پھر ایک نئی آن دے دیتا بناتی ہے کیا اس کے لیے مشکل ہے کہ وہ انسان کو خاک میں ملنے کے بعد نئی زندگی عطا فرمائے۔

٦٣ اگر ہم چاہیں تو تمہاری کھیتوں کو خس و خس کر کے رکھ دیں۔ نہ وہ انسانوں کی خوراک بن سکیں اور نہ حیوانات کے لیے چارہ کا کام دے سکیں۔ تم نے زراعت کو نفع بخش بنانے کے لیے کافی روپیہ خرچ کیا تھا۔ اعلیٰ بیج منگوائے، اسموں خریدا تھا کھاد فراہم کی تھی۔ آب پاشی کے لیے بڑے مصارف برداشت کیے تھے۔ تمہیں یہ توقع تھی کہ بڑی آمدنی ہوگی، لیکن غریب کا پتہ نہ چلا۔ اس وقت تم حسرت و یاس سے کف افسوس ملتے رہو گے اور کہو گے ہائے افسوس! ہماری لاگت بھی ضائع ہو گئی۔ افسوس! ہم بڑے بدنصیب ثابت ہوئے۔

تفکهون : تندمون (لسان العرب) یعنی نادم ہو گے

٦٤ انسان صرف بھوک ہی محسوس نہیں کرتا اسے پیاس بھی لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس طرح ہم نے تمہاری خوراک کا انتظام فرمایا ہے اسی طرح تمہاری پیاس بجھانے کے لیے پانی کی فراہمی بھی ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہوئی ہے۔ ذرا غور کرو جو پانی تم کنووں، چشموں اور دریاؤں سے پیتے ہو یہ کہاں سے آتا ہے۔ یہی کہ بادل گھر کر آتے ہیں، بارش برستی ہے کچھ پانی دریاؤں میں بہنے لگتا ہے، کچھ مقدار

أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ ءَأَنتُمْ

کھاری ٦٧ پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے ٦٨ کیا تم نے غور سے دیکھا ہے اس آگ کو جو تم سلگاتے ہو ٦٩ (درخت رگڑ کر) کیا تم نے

أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِـُٔونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَ

اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے ہی بنایا ہے اس کو نصیحت اور

تالابوں میں بھر جاتا ہے اور اس کا اکثر حصہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور وہ زیر زمین پانی کے ذخائر جمع ہو جاتے ہیں جن کو مختلف طریقوں سے تم کشید کرتے ہو۔ الغرض ہر قسم کے پانی کا اصلی سرچشمہ بارش ہے۔ بھلا بتاؤ اس میں کسی چیز کی کوئی مداخلت ہے۔ یہ لبالب بھرے ہوئے سمندر کس نے بنائے ہیں۔ سورج کی جو کرنیں ان پانیوں کو بخارات میں تبدیل کر دیتی ہیں وہ کس کی ہیں۔ پھر ہوائیں کس کے حکم سے ان بخارات کو اٹھا کر مناسب بلندی پر پہنچا دیتی ہیں۔ وہ برودت جو ان بخارات کو پانی میں تبدیل کرتی ہے وہ کون مہیا کرتا ہے۔ پھر کس کے حکم سے بادل ایک مقررہ مقدار میں بارش برساتے ہیں۔ جب یہ ساری کارروائی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہی ہے تو پھر اس کا انکار یا کسی کو اس کی خدائی میں شریک کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

٦٧ اجاج سخت کھاری کو کہتے ہیں۔ علامہ آلوسی یہاں سے اپنی ایک اور حکمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ بارش ان بخارات سے بنتی ہے جو سمندروں کے پانی سے اٹھتے ہیں۔ سمندروں کا پانی کھاری نمکین ہوتا ہے۔ نیز اس میں ایک خاص قسم کی بدبو اور سڑاند بھی ہوتی ہے۔ لیکن جب بارش برستی ہے تو اس کے پانی میں نہ سمندر کا کھاری پن پایا جاتا ہے اور نہ اس بدبو کا کہیں نام و نشان ہوتا ہے۔ بلکہ صاف اور شفاف آب زلال ان بادلوں سے ٹپکتا ہے۔ ذرا سوچو سورج کی کرنوں کو کس نے یہ سلیقہ سکھایا کہ جب پانی کشید کرو تو اس کی نمکینی اور بدبو کو مت کشید کرو۔ صرف خالص پانی کے اجزا کو بخارات میں تبدیل کرنا۔ اگر یہ اہتمام نہ کیا جاتا تو جہاں بارش کا کھاری پانی برستا وہاں ساری زمین شور اور ناقابل کاشت ہو جاتی۔ میٹھے پانی کے جو ذخیرے پہلے سے موجود تھے وہ بھی استعمال کے قابل نہ رہتے۔ انسانی زندگی تو کجا حیوانی اور نباتاتی زندگی کے آثار بھی مٹ جاتے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

٦٨ کفران نعمت تو تمہیں زیب نہیں دیتا۔ آؤ اپنے رب کا شکر ادا کرو تاکہ وہ اپنے احسانات سے تمہیں مزید مالا مال کرے۔

٦٩ انسانی تمدن کی ترقی اور معاشرہ کی بہبود میں آگ کو جتنا دخل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس سے گرمی حاصل کی جاتی ہے۔ اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اس سے طرح طرح کے کھانے پکائے جاتے ہیں۔ صنعت و حرفت میں اس سے کام لیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر آگ کا وجود نہ ہوتا تو زندگی کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توجہ اپنی اس گرانقدر نعمت کی طرف مبذول کرا رہا ہے۔

عرب میں دو درخت تھے۔ ایک کا نام مرخ تھا اور دوسرے کا نام عفار۔ مرخ کو اوپر اور عفار کو نیچے رکھ کر جب رگڑا جاتا تو اس سے پانی کے قطرے ٹپکتے جن سے آگ نکلنے لگتی۔ اوپر والی لکڑی (مرخ) کو زند کہا جاتا اور نیچے والی لکڑی (عفار) کو زندہ کہا جاتا۔ اس درخت سے مراد وہ سارے درخت بھی ہو سکتے ہیں جو ایندھن کا کام دیتے ہیں۔

مَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ

فائدہ مند مسافروں کے لیے ۳ سو تو اے حبیب! تسبیح کیجئے اپنے رب عظیم کے نام کی ۳۱ پس میں قسم کھاتا ہوں ان تاروں کی جہاں

النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾

وہ ڈوبتے ہیں ۳۳ اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا

۳۰ مقوی اس زمین کو کہتے ہیں جو بنجر، اجاڑ ہو اور آبادی سے بہت دور ہو۔ القواء هي الارض القفر الخالية البعيدة من العمران۔ اقوا کا معنی ہے ایسی بنجر اجاڑ زمین میں فروکش ہونا۔ اسی لیے مسافر کو مقوی کہتے ہیں کیونکہ لمبا اوقات سفر میں انہیں ایسے مقامات پر فروکش ہونا پڑتا ہے جہاں پانی، ایندھن وغیرہ دستیاب نہیں ہوتا۔

اگرچہ آگ مقیم اور مسافر سب کے لیے مفید ہے لیکن ایک مسافر کے لیے اس کی افادیت بہت زیادہ ہے نیز دیہاتی رکھیاں اور اس میں جب آگ جلتی ہے تو اس کی روشنی میلوں تک دکھائی دیتی ہے۔ کئی راہگیر جن کی کوئی پناہ نہیں ہوتی آبادی کے اس نشان کو دیکھ کر وہاں آجاتے ہیں۔ عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ رات کے وقت اپنے ڈیرہ کی اونچی جگہ الاؤ روشن کر دیتے تھے بھولے بھٹکے مسافر وہاں آجاتے اور وہ ان کی خاطر مدارات کرتے۔ عرب کا ایک شاعر اپنی سخاوت کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

وما الخمدت ناري لنا دون طارق

وما ذمنا في النازلين نزيل

یعنی آدھی رات کو آنے والا مسافر ہماری آگ کو بجھا ہوا نہیں پاتا اور ہمارے یہاں ہماری مذمت نہیں کیا کرتے۔

۳۱ اے حبیب! اپنے عظمت والے رب کی پاکی بیان کر جس کی قدرت، حکمت، رحمت اور علم کے گن آگے شواہد پیش کیے گئے ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ہر قسم کے نقص، ضعف اور عیب سے پاک ہے۔

۳۲ یہاں "لا" نفی کے لیے نہیں بلکہ تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے جس طرح لئلا یعلم اهل الكتب میں لا زائدہ للتاکید ہے۔ اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ لام قسم کے لیے ہے۔ اس میں اشباع کی وجہ سے الف بڑھ گیا جیسے اعوذ باللہ من العقراب۔ مواقع، موقع کی جمع ہے۔ قتادہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات ہیں کیونکہ ان کا غروب ہونا اللہ تعالیٰ کی توحید اور ان اجرام سماوی کے فانی ہونے کا ثبوت ہے اور قتادہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مواقع النجوم سے مراد ان کی منزلیں اور ان کی مداریں ہیں۔ انها منازلها ومجاريها۔

بعض علماء نے مواقع النجوم کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ نجوم سے مراد صحابہ کرام اور مواقع سے مراد ان کی سجدہ گاہیں ہیں جہاں وہ اپنے رب کے حضور میں سر بسجود ہوا کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک مواقع سے مراد ان کی قتل گاہیں ہیں جہاں وہ جہاد اکبر یا جہاد اصغر میں جام شہادت نوش کرنے کے بعد استراحت فرما ہیں۔ ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں لو النجوم

فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ

ایک کتاب میں جو محفوظ ہے ۳۳؎ اس کو نہیں چھوتے مگر وہ جو پاک ہیں ۳۴؎ یہ اتارا گیا ہے رب العالمین

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُوْنَ

کی طرف سے۔ کیا تم اس قرآن کے بارے میں کوتاہی کرتے ہو ۳۵؎ اور (اس کی بجائے) لوگوں سے جھٹلانے اپنا

نجوم الصحابة وهو اقتهامهم بعد هم او مقابرهم. علامہ اسماعیل حقی کہتے ہیں وقيل النجوم الصحابة والعلماء الهادون ومواقعهم القبور۔ (روح البیان)

۳۳؎ قسم اس بات پر اٹھائی جا رہی ہے کہ یہ کتاب جادو، شعر اور اساطیر کہیں نہیں جیسے کفار گمان کرتے ہیں بلکہ یہ کتاب کریم ہے۔ اسے کریم کہنے کی متعدد وجوہات ہیں۔ کریم عند الله۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ بڑی مکرم و معظم ہے۔ قیل کریم لانه يدل على مكارم الاخلاق ومعالى الامور وشرائف الافعال۔ یہ کریم ہے کیونکہ یہ مکارم اخلاق کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اعلیٰ مقاصد کی رغبت دلاتی ہے اور پسندیدہ افعال پر اکساتی ہے۔ وقيل كريم لانه من عند كريم بواسطة الكرام الى اكرم الخلق۔ یہ کریم ہے کیونکہ یہ رب کریم کی طرف سے اتری ہے، کرامت والے فرشتے اسے لے کر نازل ہوتے ہیں اور اکرم الخلق پر نازل ہوئی ہے۔ کتاب مکنون: لوح محفوظ۔

۳۴؎ یہاں لا اگرچہ نافیہ ہے لیکن نہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اس عزت والی کتاب کو طہارت کی حالت میں ہی چھونا چاہیے۔ فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت نہ اسے چھو سکتی ہے اور نہ اسے پڑھ سکتی ہے۔ اور کوئی شخص بے وضو ہو تو پڑھ سکتا ہے لیکن مصحف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ البتہ اگر اس کے اوپر کوئی غلاف ہے تو پھر ہاتھ لگا سکتا ہے۔ بچے جو تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کے لیے باوضو ہونا ضروری نہیں۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس کے لطائف و معارف، اسرار و رموز اور شاہدِ حقیقی تک رسائی کی سعادت ہر کس و ناکس کو نہیں بخشی جاتی بلکہ یہ صرف ان نفوس قدسیہ کا حصہ ہے جن کا ظاہر و باطن، جن کا دل اور ذہن ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہے۔ اس صورت میں لا نفی کا ہوگا۔

۳۵؎ قرآن کریم کی صفات جلیلہ ذکر کرنے کے بعد کفار کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اے کفار! تمہاری طرف ایسی جلیل القدر کتاب نازل کی گئی ہے اور تم اسے اہمیت ہی کوئی نہیں دیتے۔ اس کے روشن دلائل سنتے ہو اور آیات بینات دیکھتے ہو لیکن اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں مدهنون ای متهاونون

رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ﴿٨٣﴾ وَأَنْتُمْ

یہی نصیب بنا رکھا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے ۳۵؎ پس تم کیوں لوٹا نہیں دیتے جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت

حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَٰكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿٨٥﴾

(اس کے) پاس بیٹھے دیکھ رہے ہوتے ہو ۳۷؎ اور ہم (اس وقت بھی) تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے ۳۸؎

فَلَوْلَآ إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُونَهَآ إِنْ كُنْتُمْ

پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی روح)

صَٰدِقِينَ ﴿٨٧﴾ فَأَمَّآ إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ

اگر تم سچے ہو ۳۹؎ پس وہ (مرنے والا) اگر اللہ کے مقرب بندوں سے ہوگا تو اس کے لیے راحت، خوشبودار غذائیں اور

۳۵؎ چاہیے تو یہ تھا کہ اس نعمت عظمیٰ سے جی بھر کر فائدہ اٹھاتے۔ اپنے دلوں کو نور معرفت سے منور کرتے۔ زندگی کا ہر لمحہ اس کے ارشادات کے مطابق بسر کرتے۔ لیکن تمہاری بدقسمتی کی کوئی حد نہیں کہ اس احسان عظیم سے تمہیں یہ حصہ ملا کہ تم نے اس کا انکار کر دیا۔ خوش نصیب لوگ اللہ کی رحمت کے خزانوں سے جھولیاں بھر بھر کر لے گئے اور تم کفر و انکار کی دلدل میں پھنسے رہے۔

۳۶؎ انہیں اپنی قوت اور جوانی، اپنی سلطنت اور سلطانی اور دولت کی فراوانی پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اسی لیے تو میرے حبیب رسول کی باتوں کو توجہ سے نہیں سنتے اور میرے اس کلام پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ ان کا یہ گھمنڈ سراسر بے جا ہے۔ ذرا وہ بتائیں کہ ان کا اکلوتا بیٹا دم توڑ رہا ہو، وہ خود اس کے پاس بیٹھے ہوں، کیا ان میں یہ بس ہے کہ وہ آگے بڑھ کر نکلتی ہوئی روح کو بدن میں واپس کر دیں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

انسان کی بے بسی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہے کہ وہ اپنے لخت جگر کو بھی موت کے پنجہ سے چھڑا نہیں سکتا۔

۳۸؎ اگرچہ تم سرہانے بیٹھے ہو، اگرچہ تم نے اسے اپنی گود میں اٹھا رکھا ہے لیکن جو قرب ہمیں اس سے حاصل ہے وہ تمہیں میسر نہیں۔ ہم اپنی قدرت، علم اور قربت کے اعتبار سے اس سے بہت زیادہ قریب ہیں لیکن تم اس قرب کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہو۔

۳۹؎ آیت میں غیر مدینین کا لفظ غور طلب ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں: الدین: الذل والمدین: العبد والمدینة: الامة المملوکة کانهما اذلهما العمل۔

یعنی دین کا معنی سرافگندگی اور تابعداری ہے۔ غلام کو مدین اور کنیز کو مدینہ کہتے ہیں کیونکہ وہ دونوں اپنے مالک کے

وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٩٠﴾ فَسَلَٰمٌ

سرور والی جنت ہوگی ستگ اور اگر وہ اصحاب یمین (کے گروہ) سے ہوگا تو اسے کہا جائے گا

لَّكَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٩١﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُكَذِّبِينَ

تمہیں سلام ہو اصحاب یمین کی طرف سے۔ اور اگر (وہ مرنے والا) جھٹلانے والے گمراہوں

ٱلضَّآلِّينَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٩٣﴾ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ﴿٩٤﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ

سے ہوگا۔ تو اس کی مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی۔ اور داخل ہونا پڑے گا بھڑکتے دوزخ میں۔ بیشک (جو بیان ہوا) یہ

حَقُّ ٱلْيَقِينِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾ ع

یقیناً حق ہے۔ پس اے حبیب! پاکی بیان کیجیے اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت والا ہے ستگ

رکوع ۱۴

حکم کے سامنے سرافگندہ ہوتے ہیں اور اس کے حکم سے انہیں سرتابی کی مجال نہیں ہوتی۔ اس کے بعد علامہ ابن منظور لکھتے ہیں وقول تعالیٰ فلولا ان کنتم غیر مدینین اے غیر مملوکین۔ اس آیت کا فراء کہتے ہیں کہ غیر مدینین کا معنی ہے غیر مملوکین یعنی اگر تم کسی کے زیر فرمان اور تابع حکم نہیں بلکہ اپنی مرضی کے مالک ہو جو جی میں آئے وہ کر گزرتے ہو تو پھر گلے تک آئی ہوئی روح کو اپنے اختیار اور قدرت سے واپس کیوں نہیں لوٹا دیتے۔ تمہاری اسی آرزو ہے کہ تمہارا پیارا زندہ رہے۔ تم نے اس کی صحت کے لیے بڑے جتن کیے ہیں۔ قابل ترین طبیبوں سے علاج کرایا ہے۔ اس کے باوجود تم اپنے بیٹے کو بچا نہیں سکتے۔ تم سے زیادہ بے بس اور کون ہو سکتا ہے۔ قدرت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔

ستگ اس کے بعد اب متوفی کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگر وہ مقربین کے زمرہ میں سے ہے تو اس کا اعزاز و اکرام کس طرح کیا جائے گا۔ اگر وہ اصحاب الیمین میں سے ہے تو اس کی پذیرائی یوں ہوگی اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہے تو اس کی درگت یوں بنے گی۔ یہ جو کچھ تمہیں بتایا جا رہا ہے یہ حق ہے، یہ سچ ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

ستگ اے حبیب! اپنے عظمت والے رب کی پاکی بیان کرو۔ تو اس کی صفت ربوبیت کا شایان شان ہے جس طرح اس کی عظمت و کبریائی کا بیان تو کر سکتا ہے اس طرح اور کوئی نہیں کر سکتا۔ حضرت داؤد کی تسبیح سن کر تو صرف پرندے اور وحشت جبل اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہنے لگے تھے۔ اے حبیب! جب آپ اپنے رب جلیل کی تسبیح بیان کریں گے تو آسمانوں کی بلندیاں بھی

کی وسعتیں، سمندروں کی وسعتیں اور فضاؤں کی بے کرانیاں اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی تحمید و تمجید، اس کی تسبیح و تہلیل سے گونج اٹھیں گی۔

◎

سُبحان ربی العظیم سُبحان ربی الاعلیٰ

لا الٰہ الا انت سُبحانک انی کنت من الظالمین

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک
ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر۔

اللھم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فیّ حکمک عدل فیّ قضاءک
اسئلک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک او استاثرت
بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذھاب
ھمی وغمی بجاہ حبیبک المصطفیٰ ورسولک المرتضیٰ ونبیک المجتبیٰ الذی علمنا ھذا الدعاء اللھم
صل وسلم وبارک علیہ وعلیٰ الہٖ واصحابہ من الصلوات ازکاھا ومن التسلیمات اسناھا ومن البرکات
اوفاھا الیٰ یوم الدین یا ذا الجلال والاکرام۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سورۃ الحدید

نام : اس سورت کی پچیسویں آیت میں "وانزلنا الحدید" کا جملہ ہے۔ اسی سے اس کا نام الحدید رکھا گیا ہے اس میں چار رکوع، انتیس آیتیں، پانچ سو چوالیس کلمے اور دو ہزار چار سو چھہتر حروف ہیں۔

نزول : باتفاق علماء یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : اس کی آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول غزوۂ احد اور صلح حدیبیہ کے درمیانی عرصہ میں ہوا جبکہ اسلام اور کفر کی جنگ بڑے نازک اور فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی۔ بدر اور احد کی جنگیں مسلمانوں اور صرف کفار مکہ کے درمیان تھیں۔ دیگر عرب قبائل جو مکہ کے دور و نزدیک آباد تھے وہ ان دو جنگوں میں شریک نہیں تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ یہ کشمکش مکہ کے باشندوں کے دو گروہوں تک محدود ہے۔ اس میں انہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ اہل مکہ بھی یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ بیمار و درماندہ اور غریب الدیار مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے ان کے اپنے نبرد آزما جوان کافی ہیں انہیں کسی دوسرے قبیلہ سے امداد کی درخواست کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن بدر کی غیر متوقع شکست فاش نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ اس کا انتقام لینے کے لیے کفار مکہ نے جس مہم کا پروگرام بنایا تھا اس میں انہوں نے اپنے تمام مادی وسائل اور افرادی قوت کو جھونک دیا۔ ابوسفیان جو اس بپھرے ہوئے لشکر کا سالار تھا جس کی تعداد تین ہزار تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کا لشکر مسلمانوں کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔ جب احد پہاڑ کی ترائی میں اس کا مقابلہ مٹھی بھر مسلمانوں سے ہوا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ مسلمانوں نے پہلے حملہ میں ہی ان کو میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اگر مسلمانوں کے تیر اندازی دستہ سے غلطی سرزد نہ ہوتی تو جنگ احد کا نتیجہ ان کے لیے بدر سے کہیں زیادہ حوصلہ شکن اور تباہ کن ہوتا۔ ابوسفیان اگرچہ اپنے لشکر کو بچا لانے میں کامیاب ہو گیا لیکن اپنی مکمل فتح اور مسلمانوں کو کلیۃً مٹا دینے کے جو ارادے لے کر وہ گیا تھا اس میں اسے بری طرح ناکامی ہوئی۔ اب اہل مکہ کو پتہ چل گیا کہ وہ جلاوطن مسلمانوں سے تنہا نہیں لڑ سکتے۔ اس لیے انہوں نے مختلف قبائل کے پاس اپنے وفد بھیجے اور اپنے تعلقات کی دہائی دے کر انہیں مسلمانوں کے خلاف امداد کی دعوت دی۔

مسلمانوں کے لیے صورت حال اب مزید خطرناک اور پریشان کن ہو گئی۔ اب انہیں اپنے بچاؤ اور اپنی جان سے عزیز تر اسلام کی بقا کے لیے پہلے سے بھی کہیں زیادہ جانی اور مالی قربانیاں پیش کرنے کی ضرورت تھی۔ اب ان کے مدمقابل صرف اہل مکہ نہ تھے بلکہ ان کی جنگ جزیرہ عرب کے سارے مشرک قبیلوں سے چھڑ گئی تھی۔

ان حالات میں یہ سورت نازل ہوئی۔ اس میں انہیں کوئی حکم دینے سے پہلے خداوند قدوس کی صفات کمال اور شان کبریائی سے متعارف کرایا پھر انہیں اسلام کی سربلندی کے لیے بڑی فیاضی سے اپنے مال خرچ کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی انہیں یہ بات بھی سمجھا دی کہ یہ مال و متاع جو آج تمہارے پاس ہے کل کسی اور کی ملکیت تھا۔ کیا معلوم وہ روز بعد یہ تم سے لے کر کسی اور کو دے دیا جائے۔ تم اس کے حقیقی مالک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مالک ہے تم اس کے نائب ہو۔ اس کے نام کو بلند کرنے کے لیے اگر اس مال کو خرچ کرنے کا موقع آئے تو اسے غنیمت جانو تمہیں اس کا اجر ملے گا۔

آیت نمبر ۱۰ میں بتا دیا کہ حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہیں گے۔ اسلام کے دشمن ہمیشہ اسی طرح گرجتے اور غراتے نہیں رہیں گے مسلمانوں کی کمزوری کی کیفیت بھی عارضی ہے۔ اللہ کے فضل سے حالات بدل جائیں گے۔ باطل کی قوت کو کچل کر رکھ دیا جائے گا۔ کفر کے سرغنے مسلمانوں کا نام سن کر لرزنے لگیں گے۔ اس وقت اسلام کو تمہاری مالی اعانت کی اتنی ضرورت نہیں رہے گی جتنی آج ہے۔ اس وقت جو تم خرچ کرو گے اس کا جو تمہیں اجر ملے گا بعد کے حالات میں تمہیں اتنا اجر نہیں ملے گا۔ اس لیے بجلی کی تیزی سے بدلنے والے حالات سے فائدہ اٹھاؤ جو بن آتا ہے خرچ کر لو۔ ایسی قیمتی گھڑیاں شاید تمہیں پھر ہاتھ نہ آئیں۔ ساتھ ہی یہ بھی سمجھا دیا کہ جو تم خرچ کر رہے ہو وہ ضائع نہیں ہو رہا بلکہ یوں سمجھو کہ تم اللہ کو قرض دے رہے ہو وہ کئی گنا بڑھا کر تمہیں واپس کرے گا۔ اس کے علاوہ تم بہت بڑے اجر کے مستحق قرار پاؤ گے۔

قیامت کے روز ایسے سخی فدا کار اہل ایمان کے آگے آگے اور دائیں طرف نور ہی نور ہوگا اور انہیں فردوس بریں میں داخل ہونے کی خوشخبریاں دی جائیں گی۔

اس کے بعد منافقوں کے بارے میں بتایا کہ یہ بظاہر مسلمان بننے کے دعویدار تھے لیکن اللہ کی راہ میں نہ جان لڑانے کا جذبہ ان کے دل میں تھا اور نہ دولت خرچ کرنے کا شوق۔ قیامت کے روز وہ اپنے گناہوں کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہوں گے۔ اہل ایمان سے نور کی ایک کرن کی بھیک مانگیں گے لیکن ان کی یہ التجا مسترد کر دی جائے گی۔

آیت نمبر ۱۶ سے اہل ایمان کو ذکر الٰہی کی ترغیب دلائی جا رہی ہے اور ان کی غفلت کشی پر انہیں جھڑکا جا رہا ہے کہ تم بھی اہل کتاب کی طرح نہ ہو جانا جن پر کتاب نازل ہوئی پہلے تو وہ بڑی سرگرمی سے اس پر عمل پیرا ہوئے لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے دل پتھر کی طرح سخت ہوتے گئے۔

اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا کہ ہر شخص صدیقین اور شہداء کے زمرہ میں داخل نہیں ہو جاتا بلکہ پہلے ایمان کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں۔ جانی و مالی قربانیاں پیش کرنی پڑتی ہیں تب یہ شرف نصیب ہوتا ہے۔

اہل نفاق اور اہل ایمان کے درمیان زندگی کے بارے میں جو بنیادی تفاوت ہے اس کو بڑے مؤثر انداز میں بتایا اور ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کر دی کہ تمہاری جدوجہد کا مقصد مغفرت اور جنت کا حصول ہونا چاہیے۔

ایک اور حقیقت سے بھی اپنے بندوں کو خبردار کر دیا کہ سب کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے جو تمہیں ملنا ہے اور جو نہیں ملنا اس کے بارے میں اٹل فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ اس لیے اگر کوئی نعمت ملے تو خوشی سے بے قابو نہ ہو جایا کرو اور اگر کوئی

تکلیف پہنچے تو افسردہ اور مایوس نہ ہو جایا کرو۔ لوگوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو رسول مبعوث فرمائے ہیں، اُن کے بارے میں بتا دیا کہ انھیں روشن دلیلیں مرحمت فرمائیں۔ اپنی آسمانی کتاب سے نوازا۔ عدل کا ترازو بھی عطا کیا تاکہ وہ مخلوقِ خدا کو اس کا جائز حصہ پورا پورا ادا کریں۔ ان عطیات کے علاوہ لوہا نازل کیا تاکہ اس سے سرکشوں کی سرکوبی کی جاسکے۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی امداد کے لیے سر بکف میدانِ جہاد میں قدم رکھتا ہے۔

آخری رکوع میں مسلمانوں کو ہوشیار کیا کہ تم سے پہلے انبیا تشریف لائے اور لوگوں کو دعوتِ حق پہنچائی۔ اُن کے بعض اُمتیوں نے اطاعت کا حق ادا کیا اور بعض اس سعادت سے محروم رہے۔ اب تمہاری باری ہے، دیکھنا تم اس میں بازی ہار نہ جانا۔ ایمان کی شمع کو ہر طوفان میں روشن رکھنا۔ تقویٰ کو اپنا شعار بنانا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نور مرحمت فرمائے گا جس کی روشنی میں تم شاہراہِ حیات پر بے خوف و خطر بڑھتے چلے جاؤ گے۔ تمہارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

اہلِ کتاب کا یہ خیال سراسر بے حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے وہ اجارہ دار ہیں۔ نہیں اُس کے فضل و کرم کے خزانے اُس کے اپنے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ تم بھی اُس ذوالفضل العظیم کے سامنے دامن پھیلاؤ پھر دیکھو اُس کی نوازشات کی بارش کیسے برستی ہے؟

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۱-۵-۷۷

سُورَةُ الْحَدِيدِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحدید مدنی ہے اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — آیتیں ۲۹ اور رکوع ۴ ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے [1] اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے [2] اسی کے لیے ہے بادشاہی

[1] تسبیح کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے منزہ اور پاک سمجھنا جو اس کی شایان شان نہیں۔ انسان کا اعتقاد بھی ہو، وہ اپنے قول سے بھی اس کا اقرار کرے اور اس کا عمل بھی اس کی شہادت دے رہا ہو۔ التسبیح علی المشہور تنزیہ اللہ تعالیٰ اعتقادا وقولا وعملا عما لا یلیق بجنابہ سبحانہ (روح المعانی)

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ ان کا خالق اور مالک ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے۔ ان میں سے ذوی العقول کی شہادت تو قولاً ہے۔ فرشتے، انسان اور جنات کہہ رہے ہیں سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ البتہ غیر ذوی العقول اپنی زبان حال سے اپنے پیدا کرنے والے کی عظمت و کبریائی بیان کر رہے ہیں۔ لیکن زجاج کا قول یہ ہے کہ ہر چیز اپنی زبان سے قولاً اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے ورنہ اس آیت کا کیا معنی ہو گا وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ یعنی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے لیکن تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اگر زبان حال سے تسبیح مراد ہو تو پھر اس کے ادراک نہ کرنے کا کوئی مطلب نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں زمزمہ سنج ہوا کرتے تھے تو پہاڑوں کے پتھر اور سنگریزے بھی ان کے ساتھ مل کر اپنے رب کی پاکی بیان کیا کرتے تھے۔ یہ خصوصیت تب ہی پائی جا سکتی ہے جب وہ زبان قال سے تسبیح کریں۔

علامہ آلوسی اسی رائے کو پسند کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

نفس ناطقہ اور ادراک انسان کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ حیوانات اور جمادات کو بھی ان کے حسب حال یہ نعمتیں بخشی گئی ہیں۔

وھو مبنی علی ثبوت النفوس الناطقۃ والادراک بانواعہا للحیوانات والجمادات علی ما یلیق بکل۔ (روح المعانی)

صوفیائے کرام کا مسلک بھی یہی ہے۔

یہاں سورۃ حدید نیز سورۃ الحشر اور الصف کی ابتداء سَبَّحَ صیغہ ماضی سے کی گئی ہے لیکن سورۃ جمعہ اور تغابن کا افتتاح یُسَبِّحُ مضارع سے کیا گیا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کسی زمانہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ پہلے بھی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی رہی ہے اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو گا۔

[2] کائنات کا ذرہ ذرہ آخر اس کی پاکی کیوں بیان نہ کرے؟ اس کی حمد کے گیت کیوں نہ گائے۔ ایک وہی تو ہے جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ خبر اور مبتدا دونوں کو معرفہ ذکر کر کے حصر کی طرف اشارہ کر دیا۔ عزیز: اس قادر اور زبردست کو کہتے ہیں جس کا کوئی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ

آسمانوں اور زمین کی۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ۳ وہی

الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ هُوَ

اوّل، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن۔ اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۴ وہی

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت

الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ

حکومت پر۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے

مقابلہ کر سکے۔ جس کے فرمان کو کوئی ٹال نہ سکے۔ العزیز القادر الغالب الذی لا یمتنع عنه ولا یدافعه شیء۔ اس کی قدرت بے مثال کا یہ عالم ہے کہ ہر چیز کو جس شکل و صورت جس قد و قامت اور جن مقاصد کی انجام دہی کے لیے پیدا فرما دیا اس میں آج تک کسی قسم کا رد و بدل نہیں ہو سکا۔ انا کل شیء خلقناہ بقدر کے جلوے ہر چھوٹی بڑی چیز میں نظر آ رہے ہیں۔ لیکن یہ قوت، یہ بے کراں قدرت اندھی نہیں ہے کہ ترنگ میں آئی تو برباد کر دیا کسی چیز کو نیست و نابود کر دیا۔ جس کو چاہا ذلیل کر دیا، موج میں آئے تو نا مستحق کو عزت و سرفرازی بخش دی، نہیں۔ اللہ تعالیٰ عزیز ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔ اس کا کوئی کام، اس کا کوئی حکم، اس کا کوئی فیصلہ حکمت کے بغیر نہیں اور اسی میں اس گلشن کائنات کی بقا اور ہمیشہ بہار ہونے کا راز مضمر ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ قوی و قادر ہونے کے باوجود رحمت و رافت کا برتاؤ کرتا ہے۔ وہ غلط کاروں کو فوراً انتقام کی چکی میں نہیں پیس دیتا بلکہ ان کے ساتھ تحمل اور حلم کا سلوک کرتا ہے۔ تمام عمر سرکشی اختیار کرنے والا جب بھی اس کے در رحمت پر آ کر گر پڑتا ہے تو وہ اس کو اپنے دامن رحمت میں ضرور جگہ دے دیتا ہے۔

۳۔ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور ان میں حکومت و فرمانروائی بھی اسی کی ہے۔ فنا اور بقا اسی کے اختیار میں ہے۔ ہر چیز اس کے فرمان کے سامنے بے چون و چرا سرافگندہ ہے۔

۴۔ اس آیت کی تشریح خود حضور رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ یہ دعا ہے جو حضور اپنے بستر استراحت پر لیٹے ہوئے اکثر مانگا کرتے تھے۔ قرض کی ادائیگی اور بھوک سے نجات کے لیے یہ دعا اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ آپ بھی اس دعا کو یاد کر لیں۔ رات کو اگر سوتے ہوئے آنکھ کھل جائے تو یہ دعا مانگ لیں۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقول وھو مضطجع

مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے ؎ اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو ؎ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

تم کرتے ہو اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى وَمُنَزِّلَ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ۔

اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کے رب! اے عرش عظیم کے رب! اے ہمارے رب! اے ہر چیز کے رب! اے دانے اور گٹھلی کو چیرنے والے! اے تورات، انجیل اور فرقان کو نازل فرمانے والے! میں تجھ سے ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی کو تو پکڑے ہوئے ہے۔ اے اللہ! تو اول ہے پس تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں۔ تو آخر ہے پس تیرے بعد کوئی چیز نہیں۔ تو ظاہر ہے تجھ سے برتر اور کوئی نہیں۔ تو باطن ہے تجھ سے مخفی اور کوئی نہیں۔ ہمارا قرض ادا فرما دے اور ہمیں فقر و افلاس سے غنی کر دے۔

انت الباطن فليس دونك شيء کا مطلب ہے کہ تیری کنہ اور حقیقت پر کوئی آگاہی حاصل نہیں کر سکتا۔

؎ ھو الذی خلق السموٰت الخ کی تشریح متعدد مقامات پر پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

؎ يعلم ما يلج یہاں سے خالق ارض و سما کے علم محیط کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ صرف کلیات کا جاننے والا نہیں بلکہ جزئیات کا بھی عالم ہے۔ صرف بڑی بڑی چیزوں سے وہ باخبر نہیں بلکہ حقیر سے حقیر اور باریک سے باریک چیز سے بھی آگاہ ہے۔ جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے بیج ہو، بارش کا کوئی قطرہ ہو، ویسے کوئی چیز اس میں چھپا دی جائے، کسی مردہ کو اس میں دفن کیا جائے، ویسے کوئی چیز گل سڑ کر اس میں تحلیل ہو جائے۔ وہ ان تمام چیزوں سے باخبر ہے۔ اسی طرح زمین سے جو چیز نکلتی ہے پانی کا چشمہ ہو، زمین سے اگنے والے درخت ہوں، کھیت ہوں، معدنیات ہوں، قدرتی گیس ہو، پٹرول ہو، وہ بخارات ہوں، غرضیکہ جو چیز زمین سے نکلتی ہے اس پر بھی وہ مطلع ہے۔ اسی طرح آسمان سے جو چیز اترتی ہے فرشتے ہوں، وحی ہو، احکام الٰہی ہوں، اشعۂ نور ہو، بارش ہو، غرضیکہ جو چیز اوپر سے نیچے نازل ہوتی ہے وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اسی طرح جو چیزیں نیچے سے عالم بالا کی طرف صعود کرتی ہیں ملائکہ ہوں، اعمال حسنہ ہوں، اہل ایمان کی روحیں ہوں، کچھ بھی ہو ان کا بھی اسے کماحقہ علم ہے۔

؎ وہ عرش پر بھی جلوہ فرما ہے اور تم سے بھی الگ اور بے تعلق نہیں۔ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ اپنے علم اور قدرت سے تمہارا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ صوفیا نے معیت سے ایسی معیت مراد لی ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ معیۃ غیر متکیفۃ۔

الْأُمُورُ ۝ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَهُوَ

جائیں گے۔ داخل فرماتا ہے رات (کا کچھ حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا کچھ حصہ) رات میں اور وہ

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم

خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر ﷺ اور خرچ کرو اس کی راہ میں ان مالوں سے

علامہ اسماعیل حقی نے یہاں بڑی پیاری بات لکھی ہے۔ اہل ذوق کی آنکھیں اقلب سے ٹھنڈی کرنے کے لیے۔ ق التاویلات النجمیۃ وھو معکم لا بالمعیۃ المفہومۃ للعوام والخواص ایضاً۔

اے عجیب کی گنجد در بیاں ۔ نے زماں دارد نہ ہرگز نے مکاں

بل بالمعیۃ المذوقۃ بالذوق الکشفی الشہودی ای انا معکم بحسب مراتب شہودکم ان کنتم فی مشہد القمر انا معکم بالفعل الذاتی ما تقدم وما تأخر منکم۔ (اس کے ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ اہل دل خود ہی سمجھ لیں)

ک کبھی ایمان لانے کی دعوت ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو نعمت ایمان سے محروم ہیں اور کبھی ان لوگوں کو بھی دعوت ایمان دی جاتی ہے جو ایمان تو لے آئے ہوتے ہیں لیکن ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے میں غفلت اور سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسلام کو سربلند کرنے کے لیے اگر کسی مالی اور جانی قربانی کی انہیں دعوت دی جاتی ہے تو وہ شوق اور آمادگی ان میں نظر نہیں آتی جو ایمان کا تقاضا ہے۔ یہ آیات غزوۂ تبوک کے موقع پر ایسے ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ یہ غزوہ عرب کے کسی قبیلے کے خلاف نہ تھا نہ کہ قریش کے خلاف تھا بلکہ رومی سلطنت کے خلاف تھا جو مدینہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو ملیامیٹ کر دینے کے منصوبے بنا رہی تھی تیس ہزار کا لشکر جرار لے کر حضور پیش قدمی کرتے ہوئے رومی علاقہ میں تبوک کے مقام پر آکر خیمہ زن ہوئے تھے۔ ایسی مہم کو سرانجام دینے کے لیے جتنے سرمایہ کی ضرورت تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، عثمان غنی اور دیگر اکابر صحابہ نے ایثار و فدائیت کے ایسے ایسے مظاہرے کیے کہ انہیں پڑھ کر آج بھی ایمان تازہ ہو جاتا ہے لیکن بعض ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمان تو تھے مگر اللہ کی راہ میں مال پیش کرنا ان کے لیے بڑا جان جوکھوں کا کام تھا ان کو بیدار کرنے کے لیے انہیں بھی دعوت ایمان دی جا رہی ہے اور جو عہد وہ پہلے کر چکے ہیں، وہ یاد دلایا جا رہا ہے تاکہ آزمائش کے اس وقت میں وہ ناکام نہ ہو جائیں۔

علامہ ابو حیان الاندلسی لکھتے ہیں، امر تعالیٰ عبادہ المومنین بالثبات علی الایمان والدوام والنفقۃ فی سبیل اللہ۔ قال الضحاک نزلت فی غزوۃ تبوک۔ (البحر المحیط)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم فرما رہے ہیں کہ وہ ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کریں۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی۔

مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۖ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۷

جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور راہِ خدا میں خرچ کرتے رہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے ۞

۞ اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ انداز بیان ایسا ہے کہ انسان میں معمولی سا شعور بھی ہو تو وہ خوشی سے سب کچھ لٹانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہے وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ۔ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو مال آج تمہارے قبضہ میں ہے تم اس کے حقیقی مالک نہیں ہو۔ اس کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہے اس نے تم پر اپنا فضل و کرم فرمایا اور ان تمام چیزوں میں تمہیں اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کر دیا۔ حقیقی مالک وہ ہے۔ تم اس کے خلیفہ ہو۔ اب یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ مالک حکم دے اور نائب اس کی بجا آوری میں پس و پیش کرے۔

یہاں یاد رہے کہ جن اموال میں اس نے تمہیں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے جب وہ ارشاد فرمائے تو فوراً اس مال کو خرچ کر دو۔ تمہیں جنت میں اس کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی۔ ای جعلکم سبحانہ خلفاء عنہ عزوجل فی التصرف فیہ من غیر ان تملکوہ حقیقۃ

اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے یہ مکان، یہ زمین، یہ نوادرات کسی اور کے تصرف میں تھے۔ وہ انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اب یہ چیزیں تمہارے قبضہ اور تصرف میں ہیں۔ تم نے بھی ایک روز یہاں سے رختِ سفر باندھنا ہے۔ اس وقت یہ چیزیں کسی اور کے تصرف میں چلی جائیں گی جتنے عرصہ کے لیے تمہیں ان چیزوں کا مالک بنایا گیا ہے تم اس سے فائدہ اٹھاؤ اور انہیں اس طرح خرچ کرو کہ تمہارا اجر دو گنا تم پر راضی ہو جائے جب یہ چیزیں تمہارے قبضہ سے نکل جائیں گی تو پھر کچھ نہ کر سکو گے۔ او جعلکم خلفاء عن من کان قبلکم فیما کان بایدیھم فانتقل لکم (روح المعانی)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حکیمانہ انداز میں یہ سبق اپنے صحابہ کو خوب ذہن نشین کرا دیا تھا۔ مطرف اپنے باپ عبداللہ سے ذکر کرتے ہیں رضی اللہ عنہما۔ قال انتھیت الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو یقول الھکم التکاثر یقول ابن آدم مالی مالی وھل لک من مالک الا ما اکلت فافنیت او لبست فابلیت او تصدقت فامضیت وما سوی ذلک فذاھب وتارکہ للناس (مسلم) عبداللہ کہتے ہیں میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور فرما رہے تھے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ تمہیں مال کی کثرت نے غافل کر دیا ہے۔ انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ اے انسان! تیرے مال میں سے تیرا حصہ کچھ نہیں مگر اس کے جو تو نے کھا لیا اور ختم کر دیا یا پہن لیا اور اسے پرانا کر دیا یا صدقہ کیا اور راہِ آخرت کے لیے بطور زادِ راہ بھیج دیا۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ جانے والا ہے اور تو لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔

ایک روز ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دنبہ ذبح کیا۔ اس کا ایک بازو رکھ لیا اور باقی سب مسکینوں میں بانٹ دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاشانۂ اقدس میں تشریف لائے تو پوچھا کوئی چیز اس سے بچی ہے۔ ام المومنین نے عرض کی ما بقی منھا الا کتفھا۔ باقی سب ختم ہو گیا ہے صرف ایک بازو بچا ہے۔ اس مرتبہ کا بل نے ارشاد فرمایا بقی کلھا غیر کتفھا

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ

آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ اس کا رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر ۔ سلہ

قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى

اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو ۔ سلہ وہی ہے جو نازل فرماتا ہے اپنے (محبوب)

عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ

بندہ پر روشن آیتیں تاکہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت

بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ

ساتھ بڑی شفقت فرمانے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے راہ خدا میں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی

لے ماشاء اللہ! جو تم نے راہ خدا میں دیا وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔ تم تو صرف وہ یاد رہو گا جو تم نے اپنے لیے رکھا ہے۔ یہ تھا وہ ذہن جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیار فرمایا تھا۔

سلہ علامہ ابو حیان لکھتے ہیں یہ استفہام زجر و توبیخ کے لیے ہے یعنی کیف لا تثبتون علی الایمان۔ تم کیوں ایمان پر ثابت قدم نہیں رہتے حالانکہ اللہ کا رسول تمہیں اس کی طرف بار بار بلا رہا ہے اور تمہیں دلائل اور براہین سے سمجھا رہا ہے۔ انسان زبان سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اگر آزمائش کے وقت وہ صدق و یقین کا مظاہرہ کرنے سے قاصر رہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کا ایمان ناقص ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنے ایمان کو مستحکم بنانے کا جو زریں موقع اسے نصیب ہوا اس سے پورا فائدہ اٹھائے اور اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو گا کہ حبیب اللہ کا پیارا حبیب دعوت دے رہا ہے جس کے نورانی بیان سے شک و شبہ کی تاریکیاں چھٹ رہی ہیں، حق اپنی پوری تابانیوں سے جلوہ نما ہے۔ جس نے اس زریں موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اس سے بڑھ کر بدنصیب کون ہو گا۔

سلہ جب تم نے اسلام قبول کیا تھا اس وقت بھی رسول نے تم سے پختہ وعدہ لیا تھا کیا وہ تمہیں یاد نہیں رہا۔ ایسے پختہ وعدہ کے بعد بجائے تم قدم قدم پر تذبذب کا مظاہرہ کرتے ہو۔ کچھ تو ہوش کرو۔ اس میثاق کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں بھی ہے واذکروا نعمۃ اللہ علیکم و میثاقہ الذی واثقکم بہ اذ قلتم سمعنا و اطعنا۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت تم پر کی ہے اور اس پختہ وعدہ کو یاد کرو جو تم نے اس کے ساتھ کیا جب تم نے کہا تھا ہم نے تیرا حکم سنا اور ہم نے تیری اطاعت کی۔ حضرت عبادہ ابن صامت نے اس میثاق کو تفصیل سے ذکر کیا ہے جو بیعت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم لیا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں بایعنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی السمع فی النشاط والکسل وعلی النفقۃ فی العسر والیسر وعلی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر

مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ

آسمانوں اور زمین کا وارث ہے ۔ ۱۲؎ تم میں سے کوئی برابری نہیں کرسکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہ خدا میں)

الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ

مال خرچ کیا اور جنگ کی ۱۳؎ ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا

وعلی ان نقول فی اللہ تعالیٰ ولا نخاف لومۃ لائم ۔ (مسند امام احمد)

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم حضور کے ہر فرمان کی تعمیل کریں گے نشاط کی کیفیت ہو یا کسل مندی کی حالت۔ ہم اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کریں گے خواہ ہم تنگ دست ہوں یا خوش حال۔ ہم نیکی کا حکم دیں گے برائی سے روکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سچی بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خائف نہ ہوں گے۔

۱۲؎ اس آیت میں پھر اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ دل کھول کر راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرو اور اس بات کی ذرا پرواہ نہ کرو کہ تمہاری اولاد کا کیا بنے گا۔ تمہاری زندگی کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی۔ تمہارا معاملہ اپنے رب کریم کے ساتھ ہے۔ زمین و آسمان کے سارے خزانے اس کے دست قدرت میں ہیں۔ ہر چیز کا مالک وہ ہے وہ بڑا غنی ہے۔ اس کی غیرت ہرگز برداشت نہیں کرتی کہ اس کی راہ میں گھر بار لٹانے والا کسی غیر کا دست نگر ہو۔ وہ خزانہ غیب سے اسے اس طرح فراواں رزق دیتا ہے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔

۱۳؎ یہاں ایک فقرہ محذوف ہے۔ عبارت یوں ہونی چاہیے تھی۔ لا یستوی من انفق قبل الفتح وقاتل ومن انفق بعد الفتح وقاتل یعنی برابر نہیں ہو سکتا وہ شخص جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی اور جس نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جنگ کی۔ لیکن مضمون چونکہ بالکل واضح تھا اس لیے اس فقرہ کو حذف کر دیا۔ فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ بعض نے صلح حدیبیہ بھی مراد لیا ہے۔ فتح سے پہلے حالات بڑے نازک اور مخدوش تھے۔ ہر لمحہ یہ خطرہ تھا کہ کفار کا سیلاب آئے گا اور گلشن اسلام کو بہا کر لے جائے گا۔ ان تشویشناک اور غیر یقینی حالات میں جن لوگوں نے دل کھول کر اپنے مال پیش کیے اور ذوق و شوق سے اپنی جانیں قربان کیں ان کے پیش نظر فقط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا تھی۔ کسی قسم کی مالی یا سیاسی منفعت کا گمان تک نہ تھا نیز اس وقت قربانیوں کی ضرورت شدید تھی اور قربانی دینے والے چند لوگ تھے۔ فتح مکہ کے بعد حالات یکسر پلٹ گئے۔ اب اسلام ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے ابھر رہا تھا اس کے جاں نثاروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اس کے دشمنوں کی قوت گھٹتی جا رہی تھی۔ مالی وسائل میں بھی قابل قدر اضافہ ہو رہا تھا۔ اس لیے جن لوگوں نے بے بسی کے عالم میں اپنے آقا کو راضی کرنے کے لیے اور محض حق کو سربلند کرنے کے لیے اپنے مال بھی خرچ کیے اور جانیں بھی پیش کیں بعد میں آنے والے ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔

اس آیت میں ان مہاجرین و انصار کے متعلق زبان قدرت یہ اعلان فرما رہی ہے۔ اولٰئک اعظم درجۃ۔ ان کا درجہ

وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰ ع ۱۷

اور جنگ کی، دونوں کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خوب باخبر ہے ۱۳

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ

کون ہے جو دے اپنا مال، اللہ تعالیٰ کو بطور قرضہ حسنہ ۱۴ اور اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھاتا جائے اس کے مال کو اس کے لیے اور اس کے علاوہ

بڑا اونچا ہے۔ ان کا مقام بڑا بلند ہے۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ
عنہم کی قربانیاں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی توصیف فرما رہا ہے۔ قرآن ان کی عظمت کی گواہی دے رہا ہے۔ اب جو لوگ ان
پاک بزرگوں کی عظمت شان کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ الٹا ان پر زبان طعن دراز کرتے ہیں، وہ ذرا سوچیں اور خود ہی بتائیں کہ ان صحابہ کرام
کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حق ہے یا ان کا فیصلہ۔ ہم خدا کی بات مانیں، قرآن کی شہادت کو سچ سمجھیں یا ان کی بات کو۔ یہاں پر
علماء تفسیر نے ایک بڑا ایمان افروز واقعہ لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر تھا۔ حضرت ابوبکر
صدیق بھی وہاں بیٹھے تھے۔ آپ نے عبا پہنی ہوئی تھی اور اس کو آگے باندھا ہوا تھا۔ جبریل امین آئے اور عرض کیا یا نبی اللہ مالی
اری ابابکر علیہ عباءۃ قد خللھا فی صدرہ بخلال۔ اے اللہ کے نبی! یہ کیا بات ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں ابوبکر نے
ایسی عبا پہنی ہوئی ہے جسے سامنے سے کانٹوں سے ٹانکا ہوا ہے۔ حضور نے فرمایا اس نے اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا ہے۔ جبریل
نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کا سلام ابوبکر کو پہنچائیں اور ان سے پوچھیں کیا وہ اس تنگدستی پر خوش
ہیں یا ناراض۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق کو سلام پہنچایا اور یہ سوال پوچھا۔ اس پیکر تسلیم و رضا نے کتنا پیارا جواب دیا۔ عرض
کیا: اسخط علی ربی۔ انی عن ربی لراض، انی عن ربی لراض، انی عن ربی لراض۔ یعنی میں اپنے رب پر کیسے ناراض ہو سکتا ہوں۔ میں
اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے
کہ میں تجھ پر راضی ہوں جس طرح تو مجھ پر راضی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رو پڑے۔ حضرت جبریل نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! اس
خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، تمام حاملین عرش اسی قسم کی عبائیں پہنے ہوئے ہیں اور اسی طرح سے خلال کیے
ہوئے ہیں جس طرح کہ آپ کے اس یار نے کیا ہے۔ (قرطبی و دیگر کتب تفسیر)

۱۳؎ یہ فرما کر اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ فتح مکہ کے بعد جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں مالی اور جانی قربانیاں دیں، وہ
رائیگاں جائیں گی بلکہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ ان کو بھی درجے عالیہ پر فائز کرے گا۔ سچی نیت کے مطابق
ان کے اعمال کا انہیں ثواب ملے گا۔ کسی کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہو گی۔ واللّٰہ بما تعملون خبیر فرما کر قیامت تک آنے والے
مخلصین کی دلجوئی فرما دی۔

۱۴؎ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب ایک نئے انداز سے دی جا رہی ہے۔ فرمایا اللہ کی راہ میں جو مال تم

أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١١﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ

اسے شاندار اجر بھی ملے گا ۔ جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ تیز تیز چل رہا ہوگا ان کا نور ان کے

أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی ۔ (انہیں کہا جائے گا) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا بہہ رہی ہیں جن کے نیچے

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يَقُولُ

نہریں ، تم ہمیشہ وہاں رہو گے ۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے ۔ جس روز کہیں گے

خرچ کرو گے اس کی حیثیت قرض کی ہوگی ۔ جسے قرض دیا جاتا ہے اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس کو واپس ادا کرے ۔ اسی طرح راہ خدا میں جو تم خرچ کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ قرض ہوگا وہ اسے ضرور لوٹائے گا ۔ یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے ۔ اللہ تعالیٰ کو مطلق قرض دینے کی ترغیب نہیں دلائی گئی بلکہ قرضہ حسنہ دینے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور قرضہ حسنہ تب ہوگا جب اس میں بقول علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ یہ شرائط پائی جائیں : حلال مال ہو ، اعلیٰ درجہ کی چیز ہو ، خود بھی اس کی اشد ضرورت ہو ، پوشیدہ طور پر دے ، احسان نہ جتائے ، اذیت نہ پہنچائے ، مقصد رضائے الٰہی ہو جتنا بھی خرچ کرے اسے تھوڑا خیال کرے ۔ ان آیات کو سن کر صحابہ کرام پر کیا اثر ہوتا تھا اس کا اندازہ آپ اس ایک واقعہ سے لگا سکتے ہیں :

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو الدحداح حاضر خدمت ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتا ہے ۔ حضور نے فرمایا ہاں ۔ وہ بولے اپنا دست مبارک مجھے دکھائیے ۔ انہوں نے حضور کا ہاتھ پکڑا اور گزارش کی میں نے اپنا یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیا ۔ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے ۔ ان کی بیوی اور بچے اسی میں رہائش پذیر تھے ۔ حضرت ابو الدحداح یہ کرنے کے بعد اپنے باغ کی طرف آئے اور باہر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو آواز دی اے ام دحداح کی ماں ! اس نے جواب دیا لبیک ۔ ۔ فرمایا اخرجی فقد اقرضته ربی عزوجل ۔ اس باغ سے بال بچے لے کر نکل آؤ ۔ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے ۔ اس نیک بخت بیوی نے جب یہ سنا تو پکار اٹھیں ، ربح بیعك یا ابا الدحداح اے دحداح کے باپ تم نے بڑا نفع والا سودا کیا ہے ۔ خود بھی باہر نکل آئیں ۔ اپنے بال بچے اور سازو سامان کو بھی وہاں سے نکال دیا ۔ بکتب عشق و ارشاد کے یہی وہ طلبہ تھے جن پر ان کے استاد کو بھی ناز تھا اور ان کے خالق کو بھی ناز تھا ۔ ان کے کارناموں کے باعث انسانیت کا سر آج بھی اونچا ہے ۔

ﮩﮯ ۔ جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک ملے گا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اس کے علاوہ اجر عظیم بھی ۔

ﮩﮯ اہل ایمان قبروں سے نکل کر جب حشر کے میدان میں تشریف لائیں گے تو ان کی عجیب شان ہوگی ۔ ان کے آگے

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ

منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے ، ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمہارے نور سے۔

قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ

انہیں کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور وہاں نور تلاش کرو پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان

بھی نور ہوگا ان کے دائیں جانب بھی نور ہوگا یہ نور ہر شخص کی قوت ایمان اور اعمال حسنہ کے مطابق ہوگا۔ اس دنیا میں جس قدر کسی نے ایمان کی پختگی کا مظاہرہ کیا ہوگا جس قدر اس نے نیکیاں کی ہوں گی اسی نسبت سے اس کا نور ضوفشاں ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے کہ بعض مومن ایسے ہوں گے جن کے نور سے مدینہ اور عدن کی طویل مسافت جگمگا رہی ہوگی۔ بعض کے نور سے مدینہ اور صنعاء کا درمیانی علاقہ روشن ہو رہا ہوگا بعض کا نور اس سے کم ہوگا اور بعض کے نور سے صرف ان کے قدم رکھنے کی جگہ روشن ہوگی۔

ان من المومنین من یضیء نورہ کما بین المدینۃ وعدن ابین الی صنعاء ودون ذالک حتی یکون منھم من لا یضیء نورہ الا موضع قدمیہ۔ (قرطبی)

آیت کا مطلب یہ نہیں کہ صرف آگے اور دائیں طرف نور ہوگا اور بائیں طرف اور پیچھے اندھیرا ہوگا بلکہ مقصد یہ ہے کہ نور آگے اور دائیں طرف ہوگا لیکن اس کی روشنی چاروں طرف ہوگی۔

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روز قیامت سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور سب سے پہلے مجھے ہی سجدہ سے سر اٹھانے کا اذن ملے گا۔ میں آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھوں گا اور ساری امتوں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! امتوں کے اس ہجوم میں حضور اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے۔ فرمایا اعرفھم محجلون من اثر الوضوء ولا یکون لاحد من الامم غیرھم واعرفھم یؤتون کتبھم بایمانھم واعرفھم سیماھم فی وجوھھم واعرفھم بنورھم یسعی بین ایدیھم یعنی میں ان کو پہچان لوں گا ان کے ہاتھ اور پاؤں وضو کے اثر سے چمک رہے ہوں گے۔ یہ چیز کسی دوسری امت میں نہ پائی جائے گی۔ میں انہیں پہچان لوں گا کیونکہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ میں ان کو اس نشانی سے پہچانوں گا جو ان کے چہروں میں ہوگی۔ میں انہیں اس نور سے پہچانوں گا جو ان کے سامنے ضوفشانی کر رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہم غریبوں پر بھی یہ کرم فرمائے۔ آمین۔

بُشْرٰىكُمُ : فرشتے آگے بڑھ کر انہیں جنت کا مژدہ سنائیں گے۔

بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿١٣﴾

ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہو گا۔ اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہو گا

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ

منافق پکاریں گے اہل ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے بے شک! لیکن تم نے اپنے آپ کو خود فتنوں میں ڈال دیا اور

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَ

ہماری تباہی کا انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ کا فرمان آپہنچا اور

غَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿١٤﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ

دھوکہ دیا تمہیں اللہ کے بارے میں شیطان (دغاباز) نے۔ پس آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ

منافق مرد اور منافق عورتیں جو اس دنیا میں اپنے آپ کو بڑے زیرک اور چالاک سمجھتے ہیں قیامت کے روز ان کی حالت دیدنی ہو گی۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا نجات کے سارے راستے بند۔ اس سراسیمگی اور بے چارگی کے عالم میں وہ اہل ایمان کو کہیں گے ذرا اپنی روشنی میں ہمیں بھی تو چلنے دو۔ ذرا اپنا نورانی چہرہ ہماری طرف بھی تو کرو۔ تاکہ اس تاریکی سے ہم رستگاری حاصل کر سکیں۔ انہیں کہا جائے گا پیچھے لوٹ کر جاؤ اور وہاں سے نور تلاش کرو۔ جب وہ پیچھے مڑیں گے تو ان کے درمیان اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی اس کے دروازوں کی اندرونی جانب جو جنت کی طرف ہو گی وہ رحمت والی ہو گی اور باہر والی جانب جو دوزخ کی طرف ہو گی وہ عذاب والی ہو گی۔

جب دیوار کھینچ دی جائے گی تو اہل جنت منافقوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے تو وہ زور زور سے انہیں پکاریں گے اے بندگان خدا! اے غلامان مصطفیٰ! کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہیں رہتے تھے ہم تو آپس میں بڑے گہرے دوست بھی تھے۔ باہمی رشتہ داریاں بھی تھیں۔ آج ہم سے تم نے یوں منہ موڑ لیا ہے جیسے کبھی شناسائی ہی نہ تھی۔

اہل ایمان انہیں جواب دیں گے بے شک تم بظاہر ہمارے ساتھ تھے لیکن تمہیں خوب علم ہے کہ تمہارے باطن میں کیا پنہاں تھا۔ یہاں منافقین کی ان خصلتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ان کی تباہی کا باعث بنیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ان کلمات میں سنجیدگی سے غور کریں اور پھر اپنا جائزہ لیں کہ کہیں منافقین کی کوئی خصلت ہم میں تو نہیں پائی جاتی۔

پہلی بات جو منافقین کو کہی جائے گی وہ یہ ہے فتنتم انفسکم علامہ راغب اس کا معنی کرتے ہیں اوقعتموھا فی بلیۃ وعذاب۔ یعنی تم نے اپنے نفسوں کو ابتلاء اور عذاب میں پھینک دیا صاحب لسان العرب لکھتے ہیں استعملتموھا فی الفتنۃ۔

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۵

کفار سے۔ تم سب کا ٹھکانا آتش جہنم ہے۔ وہ تمہاری رفیق ہے اور بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی 'ت

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لیے کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الٰہی کے لیے اور اس سچے کلام

تم نے اپنے آپ کو فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں استعمال کیا۔ منافقین دنیا میں اسی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔ اسلام پر جب کبھی کوئی مشکل گھڑی آئی تو انہوں نے اسلام کی مشکلات میں اضافہ کرنے میں اپنے سارے وسائل صرف کر دیے۔ . . . . . دوسری بات جو انہیں کہی جائے گی وہ یہ ہے وتربصتم یعنی کفر و اسلام کی کشمکش جب عروج پر تھی تمہارا فرض تھا کہ تم شرح صدر سے بے پروا ہو کر اپنی قسمت اسلام کے ساتھ وابستہ کر دیتے توحید و رسالت کی جو شہادت تم نے زبان سے دی تھی تم پر لازم تھا کہ اپنے عمل سے اس کو سچا کر دکھاتے لیکن تم انتظار کرتے رہے کہ دیکھیے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ پانسہ کس کے حق میں پلٹتا ہے۔ بحثق اور مصلحت بینی، ایمان اور موقع پرستی دو متضاد چیزیں ہیں۔ تربص کا ایک معنی ذخیرہ اندوزی بھی کیا گیا ہے۔ لسان العرب میں ہے للتربص المحتکر۔ علامہ جوہری بھی کہتے ہیں للتربص، المحتکر (صحاح) ذخیرہ اندوزی کرنے والا اس انتظار میں رہتا ہے کہ جب جنس بازار میں نایاب ہو جائے اور اس کا نرخ بڑھ جائے اس وقت وہ اسے فروخت کرے۔

تیسرا نقص جس میں وہ ملوث تھے وہ ارتبتم سے بیان کیا گیا۔ یعنی ساری عمر تم شک میں مبتلا رہے۔ اسلام قبول کر لینے سے جو یقین اور اذعان دل میں پیدا ہو جاتا ہے اس سے تم محروم رہے۔ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں، کیا قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے، کیا قرآن کی یہ بات سچی ہے کہ اللہ کی راہ میں جو لوگ جان دے دیتے ہیں وہ مر جانے کے باوجود مردہ نہیں بلکہ زندہ جاوید ہیں اسلام کی سربلندی کے لیے مال خرچ کرنے سے انسان مفلس و نادار نہیں ہوتا بلکہ تونگر و غنی بن جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں تمہیں جنہیں تم شک کی نظر سے دیکھتے رہے اور اسی شک کے باعث تم اس عزیمت سے عمر بھر محروم رہے جو بندہ مومن کی خصوصیت ہے۔ آخر میں انہیں بتایا کہ جھوٹی امیدوں اور کھوکھلی توقعات نے تمہیں ہمیشہ دھوکا میں رکھا۔ شیطان بھی تمہیں گناہوں پر اکساتا رہا۔ اس کی طفل تسلیوں میں تم یوں مگن رہے کہ اپنی اصلاح کا تمہیں کبھی خیال ہی نہ آیا یہاں تک کہ موت نے تمہارا رشتہ حیات کاٹ کر رکھ دیا۔ غرور سے مراد شیطان ہے۔

۱۵؎ کفار اور منافقین دونوں ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لیے دونوں کی سزا کی نوعیت یکساں ہے۔ نہ اس کے لیے بخشش ہے نہ اس کے لیے مغفرت۔ ھی مولٰکم ای ھی اولٰی بکم یعنی تمہارے لیے آگ ہی مناسب مقام ہے۔

مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ

حق کے لیے جو اترا ہے۔ اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے پس لمبی

لکھ یأنی، اس کے دو مادے ہیں اور معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ آنی یانی اور آن یئین۔ دونوں کا معنی قریب حان ہے۔ قریب ہونا، نزدیک ہونا۔

جب تک دل میں کمال عجز ونیاز پیدا نہ ہو تو ایمان کا لطف آتا ہے نہ عبادات میں مزہ آتا ہے۔ جب تک دل اس احساس سے لبریز نہ ہو کہ کہاں خالق ارض وسما اور کہاں یہ بندۂ حقیر جیسے تھا! اس کی شان کبریائی اور اس کے عظمت وجلال پر جب نگاہیں جم کر رہ جاتی ہیں اس وقت دل اپنی ذات نظر آتی ہے نہ اپنی حسنات۔ اسی وقت دل میں درد محبت اٹھتا ہے۔ اسی وقت آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ یہی وہ گھڑی ہوتی ہے جب اس پر احسان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام کی نمازیں، ان کی عبادتیں، ان کی تلاوتیں ہمیشہ اس رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی تھیں۔ اس ارشاد سے اسی نعمت کے حصول کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے۔ اس آیت کی تاثیر سے کئی گم کردہ راہ، راہ ہدایت پر گامزن ہو گئے کئی غفلت میں ڈوبے ہوئے ذکر وفکر کی لذتوں سے آشنا ہو گئے اور کئی ہجر وفراق کے مارے مژدۂ وصال سے بہرہ ور ہو گئے۔ حضرت فضیل ابن عیاض علماء وصوفیاء دونوں گروہوں کے سرخیل ہیں۔ ان کی تقدیر کو اسی آیت نے بدل دیا۔ جوانی کے ایام میں ایک عورت کے دام عشق میں اسیر ہو گئے۔ بڑی مشکل سے اس نے ایک رات ملاقات کی اجازت دی۔ وقت مقررہ پر وہ شوق سے وارفتہ قدم اٹھائے ادھر جا رہے تھے کہ کہیں سے یہ صدا فردوس گوش بنی۔ کوئی پڑھ رہا تھا۔ الم يأن للذين آمنوا ان تخشع قلوبهم لذكر الله۔ یہ سنتے ہی ان کے قدم رک گئے۔ ہوا وہوس کا جو طوفان اٹھ آیا تھا وہ سہم گیا۔ اسی وقت واپس مڑ گئے اور سچے دل سے توبہ کی اور مقام ولایت پر فائز ہوئے۔

احمد ابن ابی الحواری کہتے ہیں میں بصرہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا کہ میں نے ایک خوفناک چیخ سنی۔ مڑ کر دیکھا تو ایک شخص کو بے ہوش گرا ہوا پایا۔ میں نے پوچھا کیا معاملہ ہے۔ لوگوں نے بتایا کوئی شخص یہ آیت پڑھ رہا تھا الم یأن الخ۔ اس آدمی نے جب یہ آیت سنی تو غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ ہم آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ وہ آدمی ہوش میں آ گیا اور یہ اشعار پڑھنے لگا

اما آن للهجران ان یتصرما ۔۔۔ وللغصن غصن البان ان یتبسما

وللعاشق الصب الذی ذاب وانحنی ۔۔۔ الم یأن ان یبکی علیه ویرحما

یعنی کیا ابھی ہجر کے خاتمہ کا وقت نہیں آیا۔ کیا ابھی وہ گھڑی نہیں آئی جبکہ بان کی ٹہنی مسکرانے لگے۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ عاشق محب جو گھل گیا ہے اور جھک گیا ہے اس پر رحم کیا جائے۔ یہ اشعار پڑھے، پھر غش کھا کر گرا اور محبوب حقیقی کے وصال سے مشرف ہو گیا۔

اسی لیے مرشد اپنے مرید کو ایسا وظیفہ تلقین کرتا ہے جس سے دل میں گداز پیدا ہو۔ دل کی سختی دور ہو جائے۔ انسان اپنی

عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿١٦﴾ اعْلَمُوا أَنَّ

مدت گزر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی ۲۲ جان لو کہ

اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ

اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد۔ ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں تمہارے لیے اپنی نشانیاں تاکہ تم

تَعْقِلُونَ ﴿١٧﴾ إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا

سمجھو ۲۳ بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض

حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ

حسنہ دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے گا ان کے لیے (ان کا مال) اور ان کے لیے فیاضانہ اجر ہوگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے

عاجزی اور اپنے محبوب حقیقی کی عظمت اور جلالت شان سے پوری طرح آگاہ ہو جائے تاکہ بارگاہ صمدیت سے جب انوار و تجلیات الطاف و احسانات کی بارش ہو رہی ہو تو اسے اپنا کمال یا استحقاق نہ سمجھے بلکہ اسے محض اپنے مولا کریم کا لطف و احسان یقین کرے یہی کمال بندگی ہے۔ یہی معراج عبدیت ہے۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین میں سالک راہ کو اسی کی تلقین کی گئی ہے۔

۲۲ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے جن لوگوں نے براہ راست فیضان حاصل کیا تھا ان کے دلوں میں عجز و نیاز پیدا ہو گیا تھا لیکن جب عرصہ دراز گزر گیا، عہد رسالت کے برکات اور اثرات آہستہ آہستہ ماند پڑتے گئے تو بعد میں آنے والے لوگوں کے دل سخت ہوتے گئے فسق و فجور کی طرف طبیعت راغب ہوتی گئی۔ اپنے آباء و اجداد کی اتباع و اقتداء کو دشوار اور بے کار خیال کر کے انہوں نے ترک کر دیا اور گناہوں کی رنگینی دنیا میں کھو کر رہ گئے۔

۲۳ خوب جان لو اللہ تعالیٰ مردہ زمینوں پر ابر رحمت برساتا ہے اور انہیں زندہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح دل کی بنجر زمینوں پر جب کسی اللہ کے مقبول بندے کی نظر رحمت پڑتی ہے تو وہاں بھی ذکر و عبادت کے گلستان آباد ہو جاتے ہیں، یاد الٰہی کے پھول کھلنے لگتے ہیں اور انوار کی تجلیاں مسکرانے لگتی ہیں۔

درِ عارف نسیم صبح دم ہے

اسی سے رشتۂ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیب آئے میسر

شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ

رسولوں پر وہی (خوش نصیب) اللہ کی جناب میں صدیق اور شہید ہیں۔ ان کے لیے (مخصوص)

اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اجر اور ان کا (مخصوص) نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ تو

ع ۱۸ الْجَحِيْمِ ۝١٩ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّ

دوزخی ہیں۔ خوب جان لو! کہ دنیوی زندگی محض کھیل، تماشا اور دل لگی، آرائش ہے اور

تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ

آپس میں (حسب و نسب پر) اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا ہے ۲۴؎ اس کی مثال (ایسی) ہے جیسے

۲۴؎ لوگ دنیوی زندگی پر اس قدر فریفتہ ہیں کہ انہیں اپنی عاقبت سنوارنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ وہ اس کے لیے بڑی بڑی تکلیف بخوشی برداشت کرتے ہیں۔ اس کے لیے قانون شکنی، ملت فروشی، وطن سے غداری کے ارتکاب سے بھی باز نہیں آتے۔ اس آیت میں ان کی اس کم ظرفی اور کم عقلی پر انہیں متنبہ فرمایا جا رہا ہے۔ دنیوی زندگی کے دامن میں جو رنگین کھلونے ہیں ان میں سے ایک ایک کا ذکر کر دیا اور پھر انسان کو جھنجھوڑا اور اس سے دریافت کیا کہ ان کھلونوں میں سے کوئی کھلونا اتنا قیمتی ہے کہ اسے اس کی زندگی کا ماحصل قرار دیا جا سکے۔ اگر نہیں تو پھر قرین دانشمندی یہ ہے کہ وہ اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرے۔ فرمایا دنیوی زندگی لہو و لعب ہے، لہو و لعب سے جو بچوں کا کام ہے، زینت و آرائش سے جو عورتوں کا شیوہ ہے، تفاخر و تکاثر سے جس میں احمق اور نادان ہی اپنے آپ کو مشغول رکھ سکتے ہیں۔

اے بندۂ مومن تیری زندگی بڑی قیمتی ہے۔ اسے بچوں کی طرح لہو و لعب میں برباد مت کر۔ تیری ذات خود بڑی حسین و جمیل ہے۔ تجھے ان عارضی آرائشوں کی کیا ضرورت ہے۔ ع

حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را

تجھے اپنے آباء و اجداد پر، اپنے حسب و نسب پر فخر کرنا زیب نہیں دیتا۔ تجھے ہر وقت اپنے اعمال حسنہ میں اضافہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے تاکہ تیرے حسن عمل سے تیری ذات ہی نہیں، تیری بستی ہی نہیں بلکہ تیرا سارا ملک اور ہر نوع انسانی اس سے فیض یاب ہو سکے۔ دولت کے انبار اور اولاد کی کثرت انسان کی عزت میں اضافہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہی معزز ہوتا ہے جس کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہو۔ اس کے علاوہ ساری چیزیں فانی ہیں۔ چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے۔

أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۖ

بارش ہے اور وہ مال کثیر ہے کہ کسانوں کو اس کی شادابی و سرسبزی خوش کرتی ہے پھر وہ خشک ہونے لگتی ہے تو اسے دیکھے گا کہ اس کا رنگ زرد پڑ گیا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے ۲۵

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَ

منکروں کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہوگا اور فرمانبرداروں کے لیے اللہ کی بخشش اور اس کی خوشنودی ہوگی ۲۶

مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ

اور نہیں ہے دنیوی زندگی مگر نرا دھوکہ ۲۷ تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت

انسان کو چاہیے کہ اپنے عمل سے ایسے چراغ روشن کرے جن سے وہ اندھیری رات منور ہو جائے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی پیاری حدیث ہے ارشاد ہے۔ من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه کہ مسلمان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر غیر ضروری چیز کو نظر انداز کرتا چلا جائے۔

۲۵ دنیوی زندگی کی حقیقت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا جا رہا ہے۔ بارش برستی ہے تو فصلیں لہلہانے لگتی ہیں۔ ان کی سرسبزی اور شادابی کو دیکھ کر کسان کا دل خوشی سے بھر جاتا ہے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس کی تازگی ماند پڑنے لگتی ہے۔ وہ خشک ہونے لگتی ہے۔ اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑتی ہے۔ یہی حال انسان کی دنیوی زندگی کا ہے۔ جب عہد شباب کا آغاز ہوتا ہے تو انسان کا چہرہ دلکش، جسم قوت و توانائی سے بھرپور، انگ انگ سے زندگی پھوٹ پھوٹ کر باہر نکل رہی ہوتی ہے جب یہ بڑھاپے کی طرف بڑھتا ہے تو رنگت ڈھل جاتی ہے چہرے پر جھریاں نمودار ہو جاتی ہیں ہاتھ پاؤں میں رعشہ آ جاتا ہے، آنکھوں کی قوت باقی نہیں رہتی۔ دل میں شیرانگنی کے ولولے سو جاتے ہیں۔ آخر کار ضعف کی وجہ سے بستر پر پہلو بدلنا دشوار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ موت کا ہاتھ اس کے چراغ زیست کو ہمیشہ کے لیے بجھا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے سارے ٹھاٹھ باٹھ، عزت و احتشام اور کرّ و فر کا جنازہ اٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح دنیوی زندگی میں اگر وہ رنج و الم میں مبتلا رہا تو اس کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے۔

۲۶ لیکن آخرت کی خوشیاں بھی ابدی ہیں اور رنج و غم بھی ہمیشہ رہنے والا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو دنیوی زندگی کی فانی لذتوں اور راحتوں سے کنارہ کش ہو کر اپنی اخروی زندگی کو ہمیشہ باقی رہنے والی خوشیوں اور مسرتوں سے مالا مال کر لیتے ہیں اور کتنے بدبخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی عارضی خوشیوں کے بدلے اپنے لیے جہنم میں ابدی ٹھکانا بنا لیا۔

۲۷ جو لوگ دنیا کی نعمتوں سے آخرت کو نہیں سنوارتے ان کے لیے دنیا کے ساز و سامان میں دھوکا اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔

رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ

کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔ جو تیار کر دی گئی ہے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ان کے لیے جو ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر یہ اللہ کا فضل و کرم ہے عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى

اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے ۲۵ نہیں آتی کوئی مصیبت زمین

الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ

پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ ۚۖ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا

بے شک یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے (ہم نے تمہیں یہ اس لیے بتا دیا ہے) کہ تم غمزدہ نہ ہو اس چیز پر جو تمہیں نہ ملی اور نہ اتراؤ

بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

اس چیز پر جو تمہیں مل جائے۔ اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور، شیخی باز کو ۲۶ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں

۲۵ دنیا کے طلب گاروں کے درمیان مقابلہ کی دوڑ جاری ہے۔ ہر ایک دوسرے سے اس میدان میں گوئے سبقت لے جانا چاہتا ہے۔ دوسروں سے زیادہ مال جمع کرنے اپنے گھر کو زیادہ سے زیادہ عالیشان اور آراستہ کرنے میں محو ہے۔ اے آخرت کے طلب گارو! تم اللہ تعالیٰ کی مغفرت حاصل کرنے کے لیے دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ وسیع و عریض جنت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے آراستہ کر رکھا ہے اس کی بہاریں تمہارے لیے چشم براہ ہیں۔ وہاں کی حوریں پھولوں کے گجرے پکڑے تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں۔ کوشش کرنا تمہارا کام ہے۔ منزلِ مقصود تک پہنچنا اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر موقوف ہے۔ جو سچے دل سے اس کی طلب میں کوشاں رہتے ہیں جو خلوص سے اس کی خوشنودی کے طلبگار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں مایوس نہیں کرتی۔ اس کا فضل عظیم ہے۔ اس کی نعمتیں بے کراں ہیں۔

۲۶ عام انسانوں کا یہ وتیرہ ہے کہ جب مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں تو وہ دل شکستہ اور مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اپنی قسمت کو کوستے ہیں گردشِ روزگار کو گالیاں سناتے ہیں اور حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں۔ لیکن جب حالات سازگار ہوتے ہیں

وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۗ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ

اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو (اللہ کے حکم سے) روگردانی کرے تو بے شک اللہ ہی بے نیاز، ہر تعریف

الْحَمِيدُ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ

کا مستحق ہے ۵۳ یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب

وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ

اور میزان (عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم نے پیدا کیا لوہا جس میں بڑی قوت

کاروبار میں نفع ہو، کھیتی باڑی اور باغات سے خوب آمدنی ہوتی ہے تو پھر خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ یہ سب ان کے طالع ارجمند کی برکت ہے۔ وہ خود بڑے زیرک اور معاملہ فہم ہیں۔ کاروبار و زراعت کے اسرار و رموز پر انہیں کامل دسترس حاصل ہے۔ یہ ساری کامیابیاں ان کی اپنی فراست اور ہوش مندی کا نتیجہ ہیں۔

یہ دونوں حالتیں انسان کے لیے انتہائی خطرناک ہیں۔

ان آیات میں اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جو مصیبت تم پر آتی ہے اس سے کوئی مفر نہ تھا کیونکہ تمہارے پیدا ہونے سے پہلے یہ تقدیر میں لکھا جا چکا تھا۔ اس لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو اور اپنی جدوجہد کو جاری رکھو اور جو نعمتیں تمہیں بخشی گئی ہیں وہ بھی تمہارے پیدا ہونے سے پہلے تمہاری تقدیر میں رقم ہو گئی تھیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو تاکہ وہ اپنے احسانات سے تمہیں ہمیشہ بہرہ ور رکھے۔ مختال اس متکبر کو کہتے ہیں جو اپنی ذاتی خوبی اور کمال پر فخر و ناز کرے اور فخور اس متکبر کو کہتے ہیں جو اپنے جاہ و منصب یا مال و دولت پر گھمنڈ کرے۔

۵۳ اس سورت کی ابتدا سے اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کے دلوں میں کھوٹ تھا۔ وہ اسلام کے لیے اپنا مال خرچ کرنا گناہ کے سوا خیال کرتے تھے۔ صرف خود ہی بخل سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی کہتے تھے کہ تم کیوں ایک ایسے مقصد کے لیے اپنے پسینہ کا کمایا ہوا مال پانی کی طرح خرچ کرتے ہو جس کا مستقبل خطرات سے لبریز ہے۔ تمہیں اپنے بال بچے کا خیال کرنا چاہیے۔ تمہاری اپنی بھی بیسیوں ضرورتیں ہیں۔ تمہیں کہاں کی عقل مندی ہے کہ جب بھی تمہیں مال خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اپنے گھر کا سارا اثاثہ اٹھا کر ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو خود بھی بخیل ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا سبق دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی قطعاً پروا نہیں۔ یہ اپنی دولت اپنے پاس رکھیں۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور حمید ہے۔ وہ اپنے بھرے ہوئے خزانوں سے اپنے محبوب کی امداد فرمائے گا اور اسلام کی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔

شَدِيدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ

ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں لوگوں کے لیے ۳۱ اور یہ سب اس لیے ہوا کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے

۳۱ ـ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے انبیاء کی بعثت کے مقاصد کو ذکر فرمایا ہے۔ پہلے فرمایا کہ ہم جن رسولوں کو دعوتِ حق پہنچانے کے لیے مبعوث فرماتے ہیں انہیں ایسے روشن معجزات عطا کیے جاتے ہیں جن سے ہر کس و ناکس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ خود بخود نامعقول باتیں نہیں کرتے بلکہ انہیں بھیجنے والے نے بھیجا ہے۔ عقائد و اعمال کی اصلاح کے لیے جو یہ کوششیں کر رہے ہیں یہ ان کا خود ساختہ پروگرام نہیں بلکہ یہ پروگرام اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تجویز فرمایا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں اس دعوت کو کامیابی سے پھیلانے کے لیے اور اس انقلاب کو پوری طرح برپا کرنے کے لیے چند خصوصی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔

کتاب، میزان اور حدید۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کتاب سے مراد وہ وحی ہے جو ہر پیغمبر پر نازل ہوتی ہے جس میں عقائد صحیحہ اور اعمال حسنہ کی پوری تفصیل موجود ہوتی ہے الکتاب هو النقل الصحیح۔ اور میزان کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس سے مراد عدل ہے۔ قتادہ اور مجاہد نے اس کی تشریح یوں کی ہے۔ وهو الحق الذی تشهد به العقول الصحیحة المستقیمة المخالفة للآراء السقیمة یعنی اس سے وہ حق مراد ہے جس پر عقل صحیح اور فہم سلیم گواہی دیتی ہے۔ جو بعض افکار کے مخالف ہوا کرتا ہے اور حدید سے مراد وہ قوت ہے جو منکرین حق اور معاندین کو کج روی سے باز رکھنے کے کام آتی ہے۔ ای رادعا لمن ابی الحق وعانده بعد قیام الحجة علیه (ابن کثیر)

اور ان چیزوں کی غرض و غایت بیان کر دی لیقوم الناس بالقسط کہ لوگ عدل اور انصاف پر قائم ہو جائیں۔

کسی معاشرہ میں عدل کے قیام کی یہی صورت ہے کہ حقوق اللہ بھی پوری طرح ادا کیے جائیں۔ یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا جائے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اس کی عبادت میں کوتاہی نہ کی جائے۔ زندگی گزارنے کے لیے جو اصول اس نے مقرر فرمائے ہیں ان کی بجا آوری میں غفلت نہ برتی جائے۔ اسی طرح حقوق العباد کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جائے کسی کا حق تلف نہ کیا جائے۔ کسی پر زیادتی نہ کی جائے کسی کے جان، مال اور آبرو پر دست درازی نہ کی جائے۔ انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر عدل و انصاف کو عمل میں لایا جائے اور اگر باہمی تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس کا تصفیہ اس میزان یعنی عقل سلیم کے مطابق کیا جائے جسے حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت بخشی گئی ہے اور اگر حق و انصاف کے سامنے کوئی شخص سر تسلیم خم نہیں کرتا۔ روشن اور واضح دلائل و براہین کے بعد بھی باطل سے چمٹا رہتا ہے اور حق کو نیچا دکھانے کے لیے کوشاں رہتا ہے تو اس وقت اس کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسل کو لوہے کا ڈنڈا بھی عطا فرمایا ہے جس کی ایک ضرب ایسے ایسے بد دماغوں کا دماغ درست کر سکتی ہے۔ اللہ کا رسول صرف حق سنانے کے لیے نہیں آتا بلکہ حق کو پھیلانا اور اس کی بالادستی کو قائم کرنا بھی اس کے فرائض میں داخل ہوتا ہے۔ لیظهره علی الدین کله کی شان وہ ظہور میں لاتا ہے۔ ابتدا میں وہ مخالفین کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے۔ شب و روز وہ اس کے پیش نظر ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ حق واضح ہو جائے، حق کی حقانیت میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ اس کے لیے اسے دارِ ارقم میں بھی ٹھہرنا پڑتا ہے شعب ابی طالب

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي

یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زورآور، سب پر غالب ہے ۳۳ اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی

ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٦﴾

ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب پس ان میں سے چند ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ

پھر ہم نے ان کے پیچھے انہیں کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو اور انہیں انجیل

الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً

عطا فرمائی ۔ اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت ۳۵

میں بھی کئی سال بسر کرنے پڑتے ہیں۔ طائف کی سڑکوں پر بھی لوگوں کی سنگباری کا منظر دیکھنا پڑتا ہے۔ لیکن جب وہ حق کو الم نشرح کرنے کا فریضہ انجام دے چکتا ہے اور اتمام حجت کر چکتا ہے تو پھر بدر، خندق، و تبوک کے معرکوں میں وہ اپنی تلوار کو بھی بے نیام کرتا ہے تاکہ ہٹ دھرم لوگوں کا سر غرور خاک میں مل جائے اور حق کا بول بالا ہو۔

لبس کے متعلق فرمایا اس میں جنگی قوت بھی ہے اور اس کے علاوہ انسانی معاشرہ کو بام عروج پر پہنچانے میں بھی اس کا بڑا دخل ہے۔

۳۳۔ اس جگہ لِيَعْلَمَ کا معنی لِيَرَى ہے۔ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے اور یا اس علم سے مراد وہ علم ہے جس پر جزا و سزا کا دارومدار ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کو کائنات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی کائنات کا تفصیلی علم ہے۔ اس کو اپنے تمام بندوں کے بارے میں یہ علم ہے کہ جب وہ پیدا ہوگا تو کیا اچھا یا برا عمل کرے گا لیکن اس علم ازلی پر انسان کو جزا یا سزا نہیں دی جاتی بلکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے اور عقل و بلوغ کی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو جو نیک یا بد کام وہ کرتا ہے اس کے مطابق وہ جزا یا سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ جب وہ ایسے کام کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں شخص یہ کام کر رہا ہے۔ لیعلم اللہ میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔ مختلف مقامات پر پہلے بھی اس لفظ کی تشریح گزر چکی ہے۔

۳۴۔ قفا گردن کے پچھلے حصے گدی کو کہتے ہیں۔ اسی سے فعل تقفیہ ہے جس کا معنی ہے پیچھے پیچھے چلنا۔ آثار اس راستے کو کہتے ہیں جس سے آگے جانے والوں کا سراغ لگتا ہے۔ يقال الطريق المستدل به على من تقدم آثار (مفردات)

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ

اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا

اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ

پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لائے تھے ان کے حسن عمل اور حسن نیت کا اجر

ارشاد ہے ان انبیاء کے بعد ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ انہیں انجیل جیسی کتاب مرحمت فرمائی۔ آپ کیونکہ سراپا رافت و شفقت تھے اس لیے ان کے سچے تابعداروں میں بھی یہ صفات نمایاں طور پر موجود تھیں۔

۲۷ یہاں سے ایک نہایت اہم مضمون شروع ہوتا ہے جس میں کلیسا کی ساری تاریخ سمو دی گئی ہے۔ اس لیے اس کو سمجھنے کے لیے خصوصی توجہ اور محنت کی ضرورت ہے۔ پہلے تو ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ اس آیت کا صحیح ترجمہ کیا ہے۔ پھر لفظ رہبانیت کی لغوی اور اصطلاحی تشریح کریں گے۔ اس کے بعد یہ بتائیں گے کہ رہبانیت کی ابتداء کس سنہ کی اور کن حالات میں ہوئی بعد ازاں اس میں جو طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوئیں اور جس طرح رہبانیت سے سارا عیسائی معاشرہ اور کلیسائی نظام متاثر ہوا اس کا ذکر کیا جائے گا۔

اس جملہ کے ترجمہ میں علماء کے دو قول ہیں: (۱) "اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا تھا، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اختیار کیا تھا۔" اس صورت میں الا کا تعلق ابتدعوھا کے ساتھ ہو رہا ہے۔

(۲) "اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا، ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر یہ کہ وہ باری تعالیٰ کی رضا کے طلب گار رہیں۔" اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہوگی اور پہلی صورت میں مستثنیٰ منقطع ہوگی۔

رہبانیت میں دو لغتیں ہیں۔ رَهْبَانِيَّت (را مفتوح) اور رُهْبَانِيَّت (را مضموم)۔ پہلی صورت میں یہ رَہَب سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی خوف اور ڈر ہے اور دوسری صورت میں یہ رُہْبَان (جو راہب کی جمع ہے) کی طرف منسوب ہوگا۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہے وہ مسلک اور وہ طرز حیات جس کی بنیاد خوف اور ڈر پر ہے۔ دوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا ان لوگوں کا مسلک اور طرز زندگی جو ہر وقت ڈرنے والے اور خوف زدہ رہنے والے ہیں۔ علامہ راغب لکھتے ہیں۔ والرھبانیة غلو فی تحمل التعبد من فرط الرھبة (مفردات) یعنی فرط خوف سے عبادات و ریاضات میں حد درجہ غلو کرنا۔ علامہ پانی پتی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں وھی المبالغة فی العبادة والریاضة والانقطاع عن الناس وترک الشھوات حتی المباحة منھا (مظہری) یعنی عبادت و ریاضت میں مبالغہ، لوگوں سے قطع تعلق، جائز اور مباح خواہشات کو بھی ترک کر دینا۔ علامہ ابن منظور نے ان الفاظ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ التخلی من اشغال الدنیا و ترک ملاذھا والزھد فیھا والعزلة عن اھلھا و تعمد مشاقھا حتی ان منھم من کان یخصی نفسه ویضع السلسلة فی عنقه وغیر ذلک من انواع التعذیب (لسان العرب) یعنی دنیا کے مشاغل

مجبور کر دیا، اس کی لذتوں کو ترک کر دینا، اہل دنیا سے عزلت گزینی اپنے آپ کو طرح طرح کی مشقتوں میں مبتلا کر دینا۔ ان میں سے بعض لوگ اپنے آپ کو خصی کر دیا کرتے تھے اور بعض اپنے گلے میں زنجیریں ڈال لیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیتے تھے۔ اب یہ عرض کرنا ہے کہ رہبانیت کی ابتدا کن حالات میں ہوئی اور کن لوگوں نے کی۔ ہمارے پاس صحیح حدیث موجود ہے جس سے حقیقت حال کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنت ردیف النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی حمار فقال لی یا ابن ام عبد ھل تدری من این احدثت بنو اسرائیل الرھبانیۃ فقلت اللہ ورسولہ اعلم قال ظھرت علیھم الجبابرۃ بعد عیسیٰ علیہ السلام یعملون بالمعاصی فغضب اھل الایمان فقاتلوھم فھزم اھل الایمان ثلاث مرات فلم یبق منھم الا القلیل فقالوا ان ظھروا لھؤلاء افنونا ولم یبق للدین احد یدعو الیہ فتعالوا نتفرق فی الارض الی ان یبعث اللہ النبی الذی وعدنا بہ عیسیٰ علیہ السلام یعنون محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فتفرقوا فی غیران الجبال واحدثوا رھبانیۃ فمنھم من تمسک بدینہ ومنھم من کفر ثم تلا ھذہ الآیۃ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں گدھے پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پیچھے سوار تھا حضور نے فرمایا اے ام عبد کے فرزند! کیا تم جانتے ہو کہ بنی اسرائیل نے رہبانیت کو کہاں سے اختیار کیا۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر جابر لوگ غالب آگئے اور انہوں نے فسق و فجور کا بازار گرم کر دیا۔ اہل ایمان نے غیرت ایمانی سے ان کے خلاف جہاد کیا ان کے ساتھ جنگ کی لیکن تین مرتبہ انہیں شکست ہوئی اور صرف چند لوگ زندہ بچے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ اگر ہم نے پھر ان کے ساتھ لڑائی کی تو وہ ہم سب کو فنا کر کے رکھ دیں گے اور ایک شخص بھی ایسا نہیں بچے گا جو دین حق کی طرف لوگوں کو بلائے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ ہم زمین میں منتشر ہو جائیں یہاں تک کہ وہ نبی تشریف لائے جس کی آمد کا وعدہ عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔ پس وہ پہاڑوں کی غاروں میں منتشر ہو گئے اور انہوں نے رہبانیت کا آغاز کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ تو اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑے رہے اور بعض نے کفر اختیار کر لیا پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پاک تلاوت فرمائی۔

اس طرح اللہ کے بندے اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر فروکش ہو گئے اور اپنی ساری زندگی عبادت و ریاضت میں بسر کر دی۔ اس عزلت گزینی سے ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تھا۔

اس حدیث پاک سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جبر و تشدد کے ان اوقات میں ان کا یہ ایک اضطراری عمل تھا۔ ان کے ذہن میں قطعاً یہ بات نہ تھی کہ دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کشی دین عیسوی کی روح رواں ہے۔ اس کے بغیر انسان روحانی ترقی کر سکتا ہے اور نہ اسے قرب الٰہی کا شرف حاصل ہو سکتا ہے۔ انہوں نے یا جابر و ظالم بادشاہوں کے ظلم و ستم سے اپنے آپ کو اور اپنے ایمان کو بچانے کے لیے مجبوراً یہ قدم اٹھایا تھا لیکن بعد میں آنے والوں نے اسی کو دین بنا لیا اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس میں انواع اقسام کا اضافہ ہو گیا۔ لوگوں نے اپنے اوپر تشدد اور پابندیوں کا اتنا بوجھ لاد لیا کہ زندگی وبال جان ہو گئی۔ کلیسا کے خانقاہی نظام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کس طرح اپنی جائز خواہشات کا گلا گھونٹا۔ ازدواجی زندگی کو خیرباد کہی یہاں تک کہ جو شخص کسی خانقاہی تحت

کو انجام دیتے پر مقرر ہوتا اس کے لیے شادی شدہ ہونا بڑا عیب شمار ہوتا۔ غیر شادی شدہ آدمی اگر کلیسا کا عہدیدار بنتا تو اس کا شادی کرنا خارج از بحث تھا۔ لیکن جو لوگ پہلے سے شادی شدہ تھے ان پر لازمی تھا کہ وہ اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات منقطع کر دیں۔ اسی طرح عورتوں کو بھی شادی نہ کرنے پر طرح طرح سے ترغیب دی جاتی۔ سینٹ جیروم جیسا ممتاز مسیحی عالم کہتا ہے کہ جو عورت مسیح کی خاطر عمر بھر کنواری رہے وہ مسیح کی دلہن ہے اور اس عورت کی ماں کو خدا یعنی مسیح کی ساس بننے کا شرف حاصل ہے۔

ماں باپ، بھائی بہن اور اولاد سے بھی قطع تعلق روحانی مدارج طے کرنے کے لیے شرط اولین تھی۔ جو لوگ رہبانیت اختیار کرتے وہ عمر بھر اپنے اہل و عیال اور ماں باپ سے الگ تھلگ رہتے۔ ایسے واقعات بھی تاریخ میں درج ہیں جنہیں پڑھ کر دل کرب سے لرز اٹھتا ہے کہ رہبانیت کے اس سنگدلانہ طرز حیات پر رونے کو جی چاہتا ہے۔ ایک دردناک واقعہ آپ بھی سن لیجیے:

سینٹ سیمون (St. Simeon) اپنے ماں باپ کو تڑپتا چھوڑ کر کسی دیر میں راہب بن گیا۔ ماں باپ کو اپنے بیٹے کا کچھ پتہ نہ چلا۔ باپ تو بیٹے کی جدائی میں راہی ملک عدم ہوا۔ ماں تنہا اپنے درد و غم کے لیے باقی رہ گئی۔ اس پر ستائیس سال کا طویل عرصہ گزر گیا۔ جب اس سینٹ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تو ماں کو اپنے بیٹے کی قیام گاہ کا پتہ چلا۔ وہ بڑھیا ضعیفہ راہ کی مشقتیں برداشت کرتی ہوئی وہاں پہنچی۔ اس کی خانقاہ میں عورتوں کو داخلے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے اسے کسی نے اندر نہ جانے دیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو کہلا بھیجا کہ میں تیری فرقت کی ماری ماں ہوں۔ صرف تمہیں ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔ یا مجھے اندر آنے کی اجازت دے یا خود باہر آ کر مجھے اپنے مکھڑے کی ایک جھلک دکھا دے۔ لیکن اس سنگدل بیٹے نے اپنی تڑپتی بلکتی ماں پر ذرا ترس نہ کھایا اور ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ تین دن اور تین رات وہ بیچاری دروازے پر پڑی منتیں کرتی رہی۔ آخر اس نے وہیں دم توڑ دیا۔ اس وقت اینٹ صاحب تشریف لائے اور اپنی ماں کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ اسے یہ خیال نہ آیا کہ جو بیٹا اپنی ماں کے بارے میں اس قدر سنگدل اور بے رحم ہے اس کی دعا کیسی رحمت کی مستحق نہیں۔

اس کے علاوہ اپنے نفس کو اذیت پہنچانے کا ذوق بڑھنے لگا۔ انہوں نے عجیب عجیب اختراعیں کیں۔ کسی نے اپنے آپ کو زنجیر و سلاسل میں جکڑ دیا۔ کسی نے بھاری بوجھ اپنے اوپر لاد لیا۔ کسی نے اپنے اوپر نیند حرام کر لی۔ چنانچہ اسکندریہ کا سینٹ مکاریوس ہر وقت اپنے جسم پر اسی پونڈ کا بوجھ اٹھائے رکھتا۔ چھ مہینے تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا اور زہریلی مکھیاں اس کے برہنہ جسم کو کاٹتی رہیں۔ پھر کیا کہ اس زور سے چلی کہ عیسائی دنیا میں ایسی خانقاہوں کی بھرمار ہو گئی جہاں راہب مرد یا راہبہ خواتین آ کر جمع ہو گئیں۔

انسانی فطرت کے تقاضوں سے جنگ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ عارضی فتوحات تو حاصل کی جا سکتی ہیں لیکن حقیقۃً اس کی بیخ کنی ناممکن ہے۔ بلکہ جب دبے ہوئے جذبات سیلاب کی طرح امڈ کر آتے ہیں تو سارے بند ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہی حال کلیسا کے خانقاہی نظام کا ہوا۔ بڑے بڑے پوپ اور سینٹ دولت و شہوت میں اپنے وقت کے تاجروں کو بھی مات کر گئے۔ جن محلات میں وہ رہائش پذیر تھے ان کے سامنے شاہی ایوانوں کی بھی کوئی وقعت نہ تھی۔ وہ خانقاہیں جو کنواری راہبات کے لیے مختص تھیں، حرام کاری کے اڈوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ان کی فصیلوں کے نیچے نوزائیدہ بچوں کی لاشیں اکثر دبی ہوئی دکھائی دیتیں۔ کلیسا کی تاریخ کا یہ شرمناک اور دردناک باب ہے جو ان کے اپنے مؤرخین نے لکھا ہے۔

اپنی بدعنوانیوں اور بدکاریوں کو قرآن حکیم میں ما رعوها حق رعايتها کے ایک جملہ میں بیان کر دیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ انہوں نے رہبانیت کو طلب ریاست کے لیے بطور ذریعہ استعمال کیا اور اس طرح لوگوں کے مال ہڑپ کرتے رہے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ترغیب دی۔ خواہشات نفس کی پیروی سے روکا۔ دولت کی محبت اور دنیوی آسائشوں میں غرق ہونے سے منع کیا لیکن اس کے ترک دنیا اور نفس کشی کا وہ طریقہ اپنے ماننے والوں کو نہیں سکھایا جو عیسائیت کے نظام رہبانیت کا خاصہ ہے۔ اسلام نے شادی کی اجازت دی ہے۔ اس نے کھیتی باڑی، تجارت اور صنعت کا شوق دلایا ہے۔ پاک صاف رہنے کی تلقین کی ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی لازم قرار دی ہے بلکہ اس نے ہر شخص پر ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنے نفس کا حق بھی ادا کرے اور اسے ایسی مشقتوں میں مبتلا نہ کرے جو مضر صحت ہوں۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے:

لا تشددوا على أنفسكم فيشدد الله عليكم فإن قوما شددوا فشدد الله عليهم فتلك بقاياهم في الصوامع والديار۔ (ابوداؤد)

یعنی اپنے نفسوں پر سختی نہ کیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے گا۔ ایک قوم نے اپنے اوپر ناروا سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی۔

راہب خانوں اور خانقاہوں میں ان کے باقی ماندہ لوگ موجود ہیں۔ انہیں دیکھ لو۔

ایک دفعہ چند صحابہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں شادی نہیں کروں گا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سنیں تو ارشاد فرمایا:

أما والله إني لأخشاكم لله وأتقاكم له لكني أصوم وأفطر وأصلي وأرقد وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني۔ (بخاری و مسلم)

"خدا کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔ میرا معمول یہ ہے کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری اس سنت سے روگردانی کی اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں حضور کے ہمراہ سفر پر گئے۔ ہمارا ایک ساتھی ایک غار کے قریب سے گزرا جس میں پانی کا چشمہ تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ اس غار میں گوشہ نشینی اختیار کر لے۔ پینے کے لیے پانی بھی موجود ہے، کھانے کے لیے سبزیاں کافی ہیں۔ دنیا سے بے تعلق ہو کر اپنا سارا وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر کرے۔ کہنے لگا میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا یہ ارادہ عرض کرتا ہوں، اگر حضور نے اجازت مرحمت فرمائی تو ایسا کروں گا اور اگر اجازت نہ ملی تو خیر۔ چنانچہ وہ حاضر خدمت ہوا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

إني لم أبعث باليهودية ولا بالنصرانية ولكني بعثت بالحنيفية السمحة والذي نفس محمد بيده لغدوة

وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا

اور ان میں سے اکثر نافرمان (فاسق و فاجر) تھے ۵۲ اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ

بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ

اس کے رسول (مقبول) پر، اللہ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لیے ایک نور جس کی روشنی میں تم

بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ لِّئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ

چلو گے اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۵۳ (ہم نے تم پر یہ خصوصی کرم اس لیے کیا) تاکہ جان لیں اہل کتاب

او روحة في سبيل الله خير من الدنيا وما فيها ولمقام احدكم في الصف الاول خير من صلاته ستين سنة (مسند احمد، قرطبی)

ترجمہ: ہمیں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ مبعوث نہیں کیا گیا، بلکہ ملت حنیفیہ دے کر بھیجا گیا ہوں جس میں آسانی اور فراخی ہے۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ایک صبح یا ایک شام راہ خدا میں جہاد دنیا اور مافیہا سے افضل ہے اور تمہارا مجاہدین کی صف اول میں کھڑا ہونا ساٹھ سال کی (نفلی) نماز سے بہتر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان لکل امة رهبانية ورهبانية هذه الامة الجهاد في سبيل الله (البغوی)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر امت کے لیے رہبانیت ہے اور میری امت کی رہبانیت راہ خدا میں جہاد ہے۔ نصاریٰ نے تو ظالموں اور جابروں سے اپنی جان اور اپنا ایمان بچانے کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں کی راہ لی لیکن غلامان مصطفیٰ علیہ اطیب الصلوٰۃ واطہر الثناء کے لیے یہ طریقہ کار روا نہیں۔ باطل کے سامنے سینہ سپر ہونا، سیف و سنان، قلم و زبان سے معرکہ جہاد گرم رکھنا اور اسی حالت میں جان دے دینا اسلامی رہبانیت کا کمال ہے۔

۵۲۔ جن لوگوں نے خلوص نیت سے رہبانیت کو اختیار کیا، پھر اس کے تقاضوں کو پورا کیا، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے خلوص نیت اور حسن عمل کے مطابق اجر عطا فرمائے گا لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایسے تھے جنہوں نے ترک دنیا کو حصول مال و جاہ کا ذریعہ بنا لیا، راہ اعتدال سے بھٹک گئے اور فسق و فجور کی غلاظتوں میں ڈوب گئے۔

۵۳۔ علمائے تفسیر نے اس آیت کے دو مفہوم بیان کیے ہیں: اہل کتاب میں سے جو لوگ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے صحیح دین پر قائم تھے انہیں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تمہیں پہلے انبیاء پر ایمان لانے کی سعادت حاصل ہے۔ اب خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی ایمان لے آؤ جن پر ایمان لانے کی تاکید تمہارے انبیاء نے کی ہے اور جن کی آمد کی بشارتوں سے تمہاری آسمانی کتب بھری پڑی ہیں۔ ان پر اگر سچے دل سے ایمان لاؤ تو تمہیں اس کی رحمت سے دوہرا حصہ ملے گا۔ قرآن کریم جو سراپا نور ہے اس کے انوار سے تمہاری

أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّن فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ

کہ ان کا کوئی قبضہ نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل (وکرم) پر ۳۷ اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت

اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

میں ہے عطا فرماتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے ۳۸

دنیا اور آخرت جگمگا اٹھے گی۔ تمہارے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔

آیت کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ہی تقویٰ کا حکم دیا جا رہا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

۳۷۔ اہل کتاب اس زعم میں مبتلا تھے کہ جب حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر رسول اور کلیم کے امتی ہیں۔ انہیں اس نبی عربی کی اطاعت اور اس پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ساری رحمتیں اور انعامات انہی کے لیے مخصوص ہیں۔ ان عرب کے بدوؤں کا رحمت الٰہیہ میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ایمان والو! تقویٰ کو اپنا شعار بنالو۔ میرے پیارے رسول پر ایمان لانے کا حق ادا کرو اور اس کی غلامی پر فخر و ناز کرو تاکہ میں تم پر اپنی عنایات اور انعامات کی بارش کر دوں جنہیں دیکھ کر اہل کتاب کو پتہ چل جائے کہ میرے رحمت کے خزانے پر ان کا کوئی قابو نہیں۔ میں جس کو چاہوں جتنا چاہوں عطا فرماؤں۔ لئلا یعلم میں لا زائدہ ہے۔ معنی ہے لیعلم قال ابن جریر لان العرب تجعل لا صلة فی کل کلام دخل فی اوله او اخره جحد غیر مصرح۔ یعنی وہ کلام جس کے اول یا آخر میں غیر مصرح انکار ہو وہاں "لا" بطور صلہ استعمال ہوتا ہے۔

۳۸۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور جود و عطا کی کوئی انتہا نہیں۔ نہ اس کے خزانے ختم ہوتے ہیں اور نہ اس کے ہاتھ تھکتے ہیں۔ لینے والے کا حوصلہ اور ظرف وسیع اور دامن کشادہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی سخاوت کے انداز دیدنی ہوتے ہیں۔

○

اللّٰهم یا ذا الفضل العظیم والجود العمیم هذا الفقیر المسکین حاضر علی باب رحمتک مادا یدیه الی جنابک مستوجا مستغفرا ملتجیا بملاذک لاتوحمنی والقصوره وذنوبه وخطیئاته وسیئات اعماله واقصده الاهمة اللّٰهم اغفرلی بجاه حبیبک اللّٰهم ارحمنی واسترنی فی الدنیا والاخرة واید قلبی بروح القدس ووفقنی لما تحب وترضی یا حی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفة عین واصلح لی شانی کله۔ اللّٰهم یا رب صل وسلم وبارک علی نبیک المحترم ورسولک المعظم وصفیک الاکرم شفیع المذنبین رحمة للعالمین وعلی آله واصحابه من الصلوات ازکاها ومن التسلیمات اسناها ومن البرکات انماها سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر ولله الحمد۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورہ المجادلہ

نام : اس کے دو نام ہیں اَلْمُحَاوَلَہ جو باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے بحث و تکرار۔ دوسرا نام اَلْمُجَادِلَہ ہے اسی باب کا اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے بحث و تکرار کرنے والی۔ اس میں تین رکوع، بائیس آیتیں، چار سو تہتر کلمے اور سترہ سو بانوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور اغلب خیال یہ ہے کہ اس کا نزول غزوۂ احزاب (شوال ۵ ھ) کے بعد ہوا۔ سورۂ احزاب میں جو اس غزوہ کے بعد نازل ہوئی ظہار کے مسئلہ کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے اور اس سورۃ میں اسی مسئلہ کو وضاحت اور پوری تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت سورۂ احزاب کے بعد نازل ہوئی۔

شانِ نزول : حضرت خولہ بنت ثعلبہ اپنے چچا زاد اوس ابن صامت کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں۔ حضرت اوس جب بوڑھے ہو گئے تو ان کے مزاج میں چڑچڑا پن آ گیا۔ بات بات پر وہ لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے۔ ایک روز جھگڑتے ہوئے انہوں نے اپنی بیوی کو کہہ دیا "اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّی" (تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پیٹھ)۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ طلاق کے الفاظ تھے۔ خولہ یہ سن کر از حد پریشان ہوئیں۔ بڑھاپے میں اپنے گھر کے اجڑنے کا غم اور اپنے ننھے ننھے بچے بچیوں کے فکر نے انہیں بے چین کر دیا۔ بارگاہِ رسالت میں آ کر اپنے بارے میں دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے بارے میں ابھی مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ وہ بار بار عرض کرتیں میں اس پیرانہ سالی میں کہاں جاؤں گی، میرے بچوں کا کیا ہے گا میرا اپنا بنایا گھر اجڑ جائے گا۔ حضور یہی جواب فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ حضور پر وحی کی کیفیت طاری ہو گئی اور اس مسئلہ کے بارے میں تفصیلی احکام نازل ہوئے۔

قرآن کریم میں اُن کا تذکرہ آنے کے باعث صحابہ کی نگاہوں میں ان کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی سب ان کا احترام کیا کرتے۔ ایک روز حضرت فاروق اعظم اپنے دورِ خلافت میں کہیں جا رہے تھے آپ کے ساتھ دوسرے بہت سے لوگ بھی تھے۔ ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور آپ کو رُکنے کے لیے کہا۔ آپ فوراً رُک گئے اور اس کے قریب تشریف لے گئے۔ اس کی باتیں سننے کے لیے اس کی طرف اپنا سر جھکا دیا اور اپنے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیے یہاں تک کہ وہ اپنی پوری داستان ختم کر کے واپس چلی گئیں۔ ایک شخص نے عرض کیا :

" امیر المومنین! آپ نے ایک بڑھیا کے لیے اتنے قریش کو منتظر رکھا۔" آپ نے فرمایا "اے کم فہم! تم جانتے

ہو یہ کون ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ وہ عورت ہے جس کے شکوہ کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سن لیا۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہیں۔ اگر یہ رات تک کھڑی رہتیں تو میں یوں ہی کھڑا رہتا۔

مضامین: ابتدائی چار آیتوں میں ظہار کے مسئلہ کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ پانچویں اور چھٹی آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ ساتویں اور آٹھویں آیت میں منافقین جو خفیہ منصوبے بناتے اور چھپ چھپ کر مشورے کرتے اور اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے، انہیں خبردار کر دیا گیا کہ جہاں بھی سر جوڑ کر تم بیٹھتے ہو اور سرگوشیاں کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، تمہاری باتوں کو سن رہا ہوتا ہے اور تمہاری حرکتوں سے خوب واقف ہوتا ہے۔ وہ یقین رکھیں کہ اپنی ان ناپاک کوششوں سے وہ اسلام کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ البتہ اس کی پاداش میں انہیں جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا، اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو نصیحت فرمائی جا رہی ہے کہ تمہاری سرگوشیاں اور مشورے اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے لیے نہیں ہونے چاہئیں بلکہ تمہیں اپنی مجلسوں میں ایسی تدابیر پر غور و فکر کرنا چاہیے جن سے نیکی کو فروغ حاصل ہو اور خدا کے دین کا بول بالا ہو۔

آیات ۱۱ و ۱۲، ۱۳ میں مجلسی آداب کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ جب تم کسی محفل میں بیٹھے ہو اور باہر سے کوئی آدمی آ جائے تو سکڑ جاؤ اور اس کو اپنے پہلو میں جگہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ اسے دہلیز پر بیٹھنا پڑے یا وہ کھڑا رہنے پر مجبور ہو یا وہ محروم واپس چلا جائے نیز تمہیں یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جس شخص کی ملاقات کے لیے تم آئے ہو اس کی اپنی مصروفیتیں بھی ہیں۔ اس لیے ضرورت کے مطابق بیٹھو اور اس کے بعد خود بخود اجازت لے کر چلے جاؤ۔ اگر اس نے تمہیں اپنی محفل سے اٹھنے کے لیے کہا تو تمہاری دل شکنی ہوگی۔ اسی طرح کی کئی اور رسمیں، جو عہد جاہلیت میں ان کی زندگی کا جزو بن چکی تھیں ان کو ترک کرنے کا حکم دیا۔

آخری رکوع میں بتا دیا کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں: ایک حزب الشیطان ہے اور دوسرے گروہ کا نام حزب اللہ ہے۔ دونوں گروہوں کے حالات اور ان کی خصوصیات بھی بیان کر دیں تاکہ ہر شخص اپنے بارے میں فیصلہ کر سکے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۲۲-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ المجادلہ مدنی ہے اور اس کی ۲۲ آیتیں اور ۳ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْۤ

بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور ساتھ ہی شکوہ کیے جاتی تھی اللہ سے

اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

(اپنے رنج و غم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے لے

لے اسلام سے پہلے عرب میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا کہ انت علی کظہر امی۔ تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پشت تو اس قول سے وہ نکاح ٹوٹ جاتا اور وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی۔ رجوع کا دروازہ بھی بند ہو جاتا۔ اس کو وہ اپنی اصطلاح میں ظہار کہا کرتے۔

اسلام میں سب سے پہلے ظہار کا جو واقعہ پیش آیا اس کے بارے میں اس سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں ظہار کے متعلق قرآنی احکام کو وضاحت سے بیان کر دیا گیا۔

ہوا یوں کہ ایک روز حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس بن صامت نے اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ پر کسی وجہ سے ناراض ہو گئے بڑھاپے کی وجہ سے ان کا مزاج بڑا چڑچڑا ہو گیا تھا غصے سے کہہ دیا انت علی کظہر امی۔ زبان سے تو کہہ بیٹھے لیکن لگے پچھتانے۔ خولہ کو پاس بلانے کی کوشش کی۔ اس نیک بندی نے جواب دیا اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں خولہ کی جان ہے جب تک اللہ اور اس کا رسول ہمارے بارے میں فیصلہ نہ فرمائیں تم میرے نزدیک نہیں آ سکتے۔ حضرت خولہ اور حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے پیارے رسول! اوس نے جب میرے ساتھ شادی کی تو اس وقت میں جوان تھی صاحب مال تھی میرے گھر والے بھی موجود تھے۔ اب میرا شباب رخصت ہو چکا میں بوڑھی ہو گئی، میرے گھر والے بھی فوت ہو گئے، مال بھی خرچ ہو گیا اب اوس نے مجھے یہ الفاظ کہے ہیں۔ حضور کیا اب بھی کوئی گنجائش ہے کہ ہم ایک ساتھ رہ سکیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تیرے بارے میں ابھی تک مجھے کوئی حکم نہیں ملا۔ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ اس نے طلاق کا لفظ تو نہیں کہا۔ وہ بار بار یہی کہتی رہی اور حضور بھی یہی جواب دیتے رہے ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی فریاد کرتی رہی کہ الٰہی میں اپنی تنہائی اور اپنے خاوند سے جدائی کا شکوہ تجھ سے کرتی ہوں۔ ایک روایت

الَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَآئِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَٰتِهِمْ

جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔

إِنْ أُمَّهَٰتُهُمْ إِلَّا ٱلَّٰٓـِٔى وَلَدْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا

نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے ۲ بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری

میں ان کے یہ الفاظ درج ہیں "اپنے فقر اور خستہ حالی کا شکوہ میں اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر میں انہیں ان کے باپ کے سپرد کرتی ہوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور ان کو اپنے پاس رکھتی ہوں تو وہ بھوکوں مر جائیں گے۔" بار بار آسمان کی طرف منہ اٹھاتیں اور فریاد کرتیں۔ بحث و تکرار کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تم زدہ اور پریشان حال بندی کی فریاد سن لی اور جبرئیل امین یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یا خولۃ ابشری اے خولہ مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں حکم نازل فرما دیا۔ جاؤ اپنے خاوند کو بلا لاؤ۔ اوس حاضر ہوئے تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ غلام آزاد کرو۔ عرض کیا میرے پاس تو کوئی غلام نہیں۔ فرمایا پھر دو ماہ متواتر روزے رکھو۔ عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں دن میں تین مرتبہ نہ کھاؤں تو میری بینائی جواب دینے لگتی ہے۔ میں اتنی مدت کیسے روزے رکھ سکتا ہوں۔ ارشاد ہوا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ عرض کرنے لگے آقا میں بہت غریب و نادار ہوں حضور میری مدد فرمائیں تو میں کھانا کھلا سکتا ہوں۔ اس غریب پرور آقا نے انہیں پندرہ صاع اپنے پاس سے عطا فرمائے انہوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا۔ اس طرح حضرت خولہ پھر اپنے گھر میں آباد ہو گئیں۔ قد سمع اللہ کی آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس خصوصیت کی وجہ سے صحابہ کرام ان کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں حضرت خولہ کے پاس سے گزرے۔ آپ دراز گوش پر سوار تھے۔ لوگوں کا ایک ہجوم ساتھ تھا حضرت خولہ نے ان کو روک لیا اور نصیحت کرنے لگیں کہا اے عمر! وہ دن تجھے یاد ہیں جب تمہیں عمیر کہا جاتا تھا پھر تمہیں عمر کہا جانے لگا اور اب تمہیں لوگ امیر المومنین کہتے لگے ہیں۔ پس اے عمر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، جو شخص موت پر یقین رکھتا ہے اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز رہ نہ جائے جسے حساب کا یقین ہوتا ہے وہ عذاب سے ڈرتا رہتا ہے۔ آپ بڑے صبر و تحمل سے کھڑے ان کی نصیحت کو سنتے رہے جب کافی وقت گزر گیا تو لوگوں نے عرض کیا اے امیر المومنین اس بڑھیا کے لیے آپ اتنی دیر کھڑے رہے۔ آپ نے فرمایا بخدا اگر یہ مجھے صبح سے شام تک روکے رکھے تو میں کھڑا رہوں گا۔ صرف نماز کے اوقات میں رخصت لوں گا۔ کیا تم نہیں جانتے یہ بڑھیا کون ہے۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہے جس کی فریاد کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ رب العالمین تو اس کی بات سنے اور عمر نہ سنے؟

۲ اس آیت میں اس طریقہ کار کی مذمت کی جا رہی ہے کہ یہ کتنی بے ہودہ اور نازیبا حرکت ہے کہ انسان اپنی بیوی کو

مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ

بات اور جھوٹ۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے ۳ جو لوگ ظہار کر بیٹھیں

مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ

اپنی عورتوں سے ۴ پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی تو (ان کے ذمہ) غلام کو آزاد کرنا ہے اس سے

اپنی ماں کہنا شروع کر دے۔ کیا اس کے اس طرح کہنے سے وہ اس کی والدہ بن سکتی ہے۔ ماں تو وہ ہوتی ہے جس نے اس کو جنا۔ ایک عورت جس نے اس کو جنا نہیں بلکہ عرصہ سے اس کی بیوی بنی ہوئی ہے اور اس کے بطن سے اس کے کئی بچے اور بچیاں جنم لے چکے ہیں، اب اگر اس عورت کو یہ اپنی ماں کہنے لگے تو اس سے بے ہودہ اور لغو بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ فرمایا ایسی بات ایک تو لغو بے ہودہ اور ناشائستہ اور غیر پسندیدہ ہے دوسرا یہ سراسر جھوٹ ہے۔ جو اس کی ماں نہیں اس کو وہ اپنی ماں کہہ رہا ہے۔

۳ چاہیے تو یہ تھا کہ اس بے ہودہ حرکت پر سخت سزا دی جاتی لیکن اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا اور اپنے بندوں کے قصوروں کو بخشنے والا ہے اس لیے اس کریم نے عفو و درگزر سے کام لیا اور جرم جتنا سنگین تھا اس کے مطابق سزا اتنی سخت مقرر نہیں کی۔

۴ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ظہار اصطلاح میں اس کو کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے انت علی کظہر امی ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ بیوی سے قربت سے پہلے کفارہ ادا کرے۔ اس ضمن میں ظہار کے چند ضروری فقہی احکام لکھے جاتے ہیں تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیے۔

① اگر کسی شخص نے ماں کی پشت کے علاوہ کسی ایسے عضو کا ذکر کیا جس کو دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں، تو بھی ظہار پایا جائے گا اور اس پر کفارہ ظہار لازم ہو گا۔

② اگر اس نے اپنی بیوی کو کسی ایسی عورت کی پیٹھ یا اس کے اعضاء سے جن کو دیکھنا حرام ہے تشبیہ دی جو اس پر ہمیشہ کے لیے ابتداءً حرام ہیں مثلاً دادی، نانی، پھوپھی، خالہ، بہن، بیٹی تو یہ بھی ظہار ہو گا۔

③ اسی طرح ایسی عورتوں سے تشبیہ دینا جو ابتداءً تو حرام نہیں لیکن بعد میں کسی وجہ سے ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی ہیں تو یہ بھی ظہار ہو گا۔ مثلاً رضاعی ماں، باپ کی دوسری بیوی وغیرہ۔

④ مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں بیویوں سے ظہار درست ہے۔

⑤ اگر ایک سے زائد بیویاں تھیں اور سب سے ظہار کیا تو جتنی بیویاں ہوں گی اتنے کفارے دینے ہوں گے۔

⑥ عورت کو ظہار کرنے کا حق نہیں ہے یعنی اگر عورت اپنے خاوند کو کہے کہ تو مجھ پر ایسا ہے جیسے میرے باپ کی پشت یا میں تجھ پر ایسی ہوں جیسے تیری ماں کی پشت تو یہ ظہار نہیں ہو گا کیونکہ ظہار کا حق اسے ہی ہے جسے طلاق کا حق حاصل ہے۔ البتہ عورت

قَبْلِ أَنْ يَتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو (اس سے)

خَبِيرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ

آگاہ ہے۔ ۵ پس جو شخص غلام نہ پائے تو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے اس سے

گویا یہ قول قسم ہوگی۔ گویا اس نے قسم اٹھائی ہے کہ وہ مخالفت نہیں کرے گی اس لیے اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔

⑦ اگر کسی عورت نے نکاح سے پہلے کسی مرد کے بارے میں ظہار کے الفاظ استعمال کیے تو اس وقت یہ ظہار ہوگا اور نکاح کے بعد عورت پر لازم ہوگا کہ وہ کفارۂ ظہار ادا کرے۔ اس کی تائید کے لیے ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔ حضرت طلحہ کی صاحبزادی عائشہ کے متعلق حضرت مصعب بن زبیر نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے اس پیغام کو رد کر دیا اور کہا کہ اگر میں مصعب سے نکاح کروں تو وہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میرے باپ کی پشت۔ لیکن بعد میں وہ اس شادی پر رضامند ہو گئیں۔ مدینہ طیبہ کے فقہاء سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ عائشہ پر کفارۂ ظہار لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس لیے یہ بات اس وقت کہی تھی جب اسے نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا۔ اگر نکاح کے بعد وہ ایسا کہتیں تو کفارہ واجب نہ ہوتا اور انہیں کفارۂ قسم ادا کرنا پڑتا۔

⑧ جن الفاظ سے ظہار ثابت ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ صریح اور کنایہ۔ صریح تو یہ ہیں کہ اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت یا کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو یہ صراحتاً ظہار ہے۔ اسی طرح اپنی بیوی کو ان عورتوں کی پشت یا ان کے ایسے اعضاء سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا حلال نہیں جو ابتداءً یا بعد میں کسی وجہ سے مؤبداً حرام ہیں تو یہ بھی صراحتاً ظہار ہے۔ اس میں اس کی نیت کا اعتبار نہیں۔ وہ عذر کرے کہ میرا مقصد ظہار کا نہ تھا تو قابل تسلیم نہ ہوگا۔

اور اگر اپنی بیوی کے متعلق یہ کہے کہ تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح یہ عورتیں جو مذکور ہوئیں اور ان کے کسی عضو کا نام نہ لے تو اس صورت میں یہ کنایہ ہوگا۔ اس کا معنی متعین کرنے میں اس کی نیت کو دخل ہوگا۔ اگر وہ کہے کہ میں نے عزت و تکریم کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے تو مان لیا جائے گا اور اگر ظہار کی نیت سے کہا ہوگا تو ظہار ہوگا اور اگر اس نے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہو جائے گی۔

ف یعنی ایک قبیح و ناروا الیسی بات زبان سے نکالی ہے جس سے اپنی بیوی سے مقاربت اس کے لیے جائز نہیں رہی لیکن اگر وہ اس کہی ہوئی بات سے واپس لوٹنا چاہے یعنی اپنی بیوی کو پہلے کی طرح اپنے لیے حلال کرنا چاہے تو اس وقت اس پر کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر وہ کفارہ ادا نہ کرے تو عورت عدالت سے رجوع کر سکتی ہے اور عدالت اس خاوند کو حکم دے گی کہ وہ کفارہ ادا کرے اور اس طرح حرمت کی اس دیوار کو درمیان سے ہٹائے جو اس نے اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان قائم کر دی تھی۔ اگر وہ شخص اس کے باوجود کفارہ ادا نہ کرے تو عدالت اسے دُرّے لگانے یا قید کرنے یا دونوں سزائیں دے سکتی ہے۔

قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۤسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ

قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ؎ اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو وہ کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو ؎

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَ

یہ اس لیے کہ تم تصدیق کرو اللہ اور اس کے رسول (کے فرمان) کی۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں ؎ اور

اگر کوئی شخص کفارہ ادا کیے بغیر عورت کے ساتھ مقاربت کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا۔ اسے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے لیکن کفارہ ایک ہی اسے ادا کرنا پڑے گا۔ ثم یعودون لما قالوا کا ایک اور مفہوم بھی علمائے ظاہر نے بتایا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایک مرتبہ اس نے ایسے الفاظ کہے تو اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ دوبارہ ان الفاظ کو دہرائے تب ان پر کفارہ لازم آئے گا۔ یہ قول بالاتفاق مردود ہے۔

؎ فتحریر رقبة، یہاں سے کفارہ ظہار کا تفصیلی بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس پر سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ رقبة آزاد کرے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا۔ من قبل ان یتماسا سے یہ بات بیان کر دی کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے وہ اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ گویا مقاربت اور اس کے دواعی سب حرام ہیں۔ آیت میں توعظون به کا معنی علامہ قرطبی نے تؤمرون به کیا ہے یعنی تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے۔ اور علامہ آلوسی نے اس کا معنی تزجرون به کیا ہے یعنی اس کفارہ کے ذریعے تمہیں زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ تم پھر ایسی حرکت نہ کرو۔

؎ لیکن اگر غلام دستیاب نہیں یا اس کے پاس کوئی غلام نہیں اور اس میں غلام خریدنے کی طاقت بھی نہیں تو وہ لگاتار دو ماہ روزے رکھے۔ اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ اسے چھونے سے پہلے یہ روزے مکمل کرے۔ اگر اس نے درمیان میں مقاربت کی تو اس کو نئے سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے۔ روزہ رکھنے والے کو چاہیے کہ وہ ایسے وقت میں روزے شروع کرے کہ اس مدت میں ماہ رمضان، عید الفطر اور ایام التشریق نہ آئیں تاکہ وہ مسلسل روزے رکھ سکے۔

اگر کسی شخص نے روزے رکھنے شروع کیے اور وہ بیمار ہو گیا یا اسے سفر پر جانا پڑا اور وہ روزے نہ رکھ سکا تو احناف کے نزدیک از سر نو روزے شروع کرے۔

؎ لیکن اگر وہ روزہ رکھنے پر بھی قادر نہ ہو تو پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ قادر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جسمانی صحت اس کی متحمل نہ ہو یا وہ بوڑھا ہو اور اتنا عرصہ لگاتار روزے رکھنا اس کے لیے دشوار ہو یا اسے اندیشہ ہو کہ وہ مسلسل دو ماہ تک عورت سے احتراز نہیں کر سکتا۔ درمیان میں اس سے چھیڑ چھاڑ ہو جائے گی۔

؎ یہاں لتؤمنوا سے مراد لتصدقوا یعنی تم پر لازم ہے کہ تم اس کی تصدیق کرو کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا ارشاد ہے۔ اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے: ای ذالک لتکونوا من المطیعین للہ تعالی الواقفین عند حدودہ لا تتعدونها

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ

منکرین کے لیے دردناک عذاب ہے شہ بے شک جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں اللہ اور اس کے

رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ

رسول کی شہ انہیں ذلیل کیا جائے گا جس طرح ذلیل کیے گئے وہ مخالفین جو ان سے پہلے تھے شہ اور بے شک ہم نے

تم اللہ تعالیٰ کے مطیع ہو جاؤ۔ اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور ان کو پامال مت کرو۔

شہ یہاں کفار سے مراد وہ لوگ نہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید یا حضور کی رسالت کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کی قائم کی ہوئی حدود کو پھاند کر آگے نکل جاتے ہیں۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: الذین لا یقبلون احکام اللہ تعالیٰ ولا یمتنعون عن المحرمات ویتجاوزون عن حدوده۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: الذین یتعدونها ولا یعملون بها واطلق الکافر علی متعدی الحدود تغلیظا لزجره ونظیر ذلک قوله تعالیٰ ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین (روح المعانی)

یعنی جو لوگ حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور ان پر عمل نہیں کرتے ایسے لوگوں کو کافر اس لیے کہا گیا ہے تاکہ ان کو سختی سے باز رکھا جائے۔ جس طرح ومن کفر میں کفر سے مراد حقیقی کفر نہیں بلکہ زجر و توبیخ کے لیے انکار کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شہ یحادّون کا مصدر محادّة ہے۔ اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں: المحادة: المعاداة والمخالفة والمنازعة وهو مفاعلة من الحد کان کل واحد منهما یجاوز حده الی الآخر (لسان العرب)

یعنی محادّة کا معنی عداوت کرنا، مخالفت کرنا اور جھگڑا کرنا ہے۔ اس کا اصل ماخذ حدّ ہے کیونکہ دونوں اپنی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسرے کی حد میں مداخلت کرنا چاہتے ہیں اس لیے اسے محادّة کہا جاتا ہے۔

اس تشریح کی روشنی میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ اپنی بندگی کی حدود کو پھاند کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حدود میں داخلت بے جا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ قانون سازی کا جو حق صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے مخصوص ہے اس حق کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اللہ کے بندوں کے لیے خود قانون وضع کرنا شروع کر دیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیت طیبہ میں کیا جا رہا ہے۔ علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ سے کی ہے: او یضعون او یختارون حدودا غیر حدود اللہ تعالیٰ ورسوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وضع کردہ حدود اور قوانین کے برعکس اپنی طرف سے حدود و قوانین وضع کرتے ہیں ان کا حکم اس آیت میں بتایا جا رہا ہے۔ علامہ آلوسی نے شیخ الاسلام سعد اللہ چلپی کا قول نقل کیا ہے وہ بھی غور طلب ہے: وعلی هذا ففیه وعید عظیم للملوک وامراء السوء الذین وضعوا امورا خلاف ما حده الشرع وسموها السیاسة والقانون واللہ تعالیٰ المستعان علی ما یصفون۔ یعنی اس آیت میں ایسے بادشاہوں اور برے حکام کے لیے

اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۚ﴿۵﴾ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ

نازل کی ہیں روشن آیتیں۔ اور کفار کے لیے رسوا کن عذاب ہے ۱۲ یاد کرو جس روز اللہ تعالیٰ ان

وعید شدید ہے جو شریعت کی حدود کے برعکس کوئی قوانین وضع کرتے ہیں۔ جو کچھ ہم بیان کرتے ہیں ہم اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی نے یہاں اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ اور بتایا ہے کہ حکومت کو کس قانون سازی کا کہاں کہاں اختیار ہے اور کہاں اختیار نہیں ہے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ امید ہے فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

فوجوں کی تربیت، انہیں جنگی مشقیں کرانا، انہیں ہر قسم کا اسلحہ مہیا کرنا جس سے دشمن پر غلبہ پانے کے امکانات روشن ہوں، جنگ کے لیے منصوبہ بندی، میدان جنگ میں فوجوں کی نقل و حرکت کے ضابطے۔ ان تمام امور میں حکام وقت کو کلی اختیارات حاصل ہیں۔ مسلمانوں کے لیے جو بہتر اور مفید ہو اس کے لیے تدابیر اختیار کی جائیں۔ اسی طرح مناسب مقامات پر قلعوں کو تعمیر کرنا، شہروں کی حفاظت کے لیے تدابیر سوچنا بھی حکام کا کام ہے۔ وہ جرائم جن کی سزا شریعت میں مقرر نہیں ان کے لیے مناسب سزائیں مقرر کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کو ان جرائم کے لیے ایسی موثر سزائیں مقرر کرنی چاہئیں جن سے جرائم کا استیصال ہو سکے، لیکن ان تعزیرات کو اتنا سخت کرنا بھی درست نہیں جو بسا اوقات قتل سے بھی زیادہ دردناک اور اذیت رساں ہوں۔

اسی طرح کاروبار اور لین دین کے لیے ایسے قواعد و ضوابط مرتب کرنا جن سے کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو درست ہے لیکن کوئی ایسا ضابطہ بنانا جس سے کسی شرعی حکم کی صراحتاً خلاف ورزی لازم آئے ہرگز جائز نہیں جیسے سود کے جواز کا قائل کرنا اور اس کے بغیر معاشی اور صنعتی ترقی کو محال سمجھنا یہ سب حرام ہے۔

بیت المال اور اراضی کے بارے میں جو احکام صحیح روایات سے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان کی خلاف ورزی کسی صورت میں بھی جائز نہیں، لیکن جو احکام خلفاء کرام نے اپنے اجتہاد سے وضع کیے اگر زمانہ کے حالات کے پیش نظر ان کے بارے میں ایسے احکام وضع کیے جائیں جن میں لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت ہو اور ان میں عوام کا فائدہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن خلفاء کے اجتہادی احکام کے بجائے ایسے جدید قوانین مرتب کرنا جن سے لوگوں کی مشکلوں میں اضافہ ہو جائے یہ کسی طرح جائز نہیں۔

وہ حدود جو اللہ تعالیٰ نے چوری، بدکاری اور رہزنوں کے بارے میں مقرر کی ہیں ان میں کسی قسم کا رد و بدل روا نہیں ہے۔

آخر میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اسلامی قوانین کو ناقص سمجھتا ہے اور ان کی تحقیر کرتا ہے اور جدید وضع کردہ قوانین کو ان سے بہتر اور زیادہ مفید کہتا ہے اس کے کفر میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

سلا ان ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو ذلیل و رسوا کر دیا جائے گا۔ انہیں منہ کے بل گرا دیا جائے گا جس طرح ان سے پہلے جو سرکش قومیں گزری ہیں ان کو ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا تھا۔

الکبت۔ صرع الشیئ لوجھہ کسی چیز کو منہ کے بل گرا دینا۔ یہ ذلت و رسوائی کی انتہا ہے۔

۱۲ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیات کا انکار کرتے ہیں۔ ان کو حق تسلیم نہیں کرتے یہ خیال ہے کہ جلد اور

اللهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ

سب کو زندہ کرے گا پھر انہیں آگاہ کرے گا جو انہوں نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے اور وہ بھلا چکے۔

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ⑥ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے ۱۲ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ

فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ

آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں

إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ

مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس

مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ

سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں۔ پھر

يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

وہ انہیں آگاہ کرے گا جو حرکتیں وہ کرتے رہے قیامت کے دن ۱۳ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب

متارات میں فرق ہے۔ ترک احکام سے انسان گنہگار ضرور ہو جاتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا۔ البتہ اگر احکام الٰہیہ کا انکار کرے اور ان کی حقانیت کو تسلیم نہ کرے تو یقیناً کافر ہے۔

۱۲ کفار اور منکرین احکام الٰہی کا جو انکار کرتے ہیں اور ان کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں شاید ان کی نظروں میں یہ خیال آتا ہو کہ جن کو محفوظ نہیں رکھا جاتا اور فراموش کر دیا جاتا ہے لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان تمام حرکتوں کو گن گن کر محفوظ رکھا ہوا ہے جو یہ لوگ فراموش کر چکے ہیں۔ قیامت کے دن جب انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ان کے ایک ایک کرتوت پر انہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔

۱۳ منافقین اسلام کی روز افزوں ترقی سے بڑے ہراساں رہا کرتے۔ ان میں یہ ہمت تو نہ تھی کہ کھل کر مسلمانوں کی مخالفت کریں لیکن ان کا خبث باطن انہیں اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور منصوبے بنانے میں مصروف رکھا کرتا تھا جہاں کہیں تین چار

عَلِيمٌ ۞ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ

جاننے والا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہیں (اسلام کے خلاف) سرگوشیوں سے روکا گیا پھر وہ بار بار وہی کرتے ہیں

لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ

جس سے انہیں روکا گیا اور سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کے

الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ

بارے میں ؎۱ اور جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام دیتے ہیں جیسے اللہ نے آپ کو سلام نہیں دیا ؎۲

يَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ

اور وہ کہا کرتے ہیں آپس میں کہ اگر یہ سچے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ کافی ہے انہیں

۱؎ یہ لوگ بڑی رازداری سے مسلمانوں کو پریشان کرنے، ان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو مغلوب کرنے، ان کی صفوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کے لیے سرگوشیوں میں مشورے کرتے اور یہ خیال کرتے کہ ان سرگوشیوں کی کسی کو خبر نہیں اور ان کی سازشوں پر کوئی آگاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی اس غلط فہمی پر متنبہ فرما رہا ہے کہ تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو، تمہاری تعداد کتنی ہی ہو میں تمہیں دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ تمہاری سرگوشیوں کو خوب سن رہا ہوتا ہوں۔ قیامت کے روز تمہاری ایک ایک شرارت پر تمہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔

نجویٰ: اسم مصدر مشتق من النجوة وهي ما ارتفع من الارض فان السر لما كان مرفوعا الى الذهن لا يتيسر لكل احد ان يطلع عليه. (مظہری) یعنی نجویٰ اسم مصدر ہے۔ یہ نجوۃ سے مشتق ہے اور نجوۃ اونچی جگہ کو کہتے ہیں جہاں ہر کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی کیونکہ راز بھی خفا کی بلندیوں میں ہوتے ہیں اس لیے نجویٰ کہا گیا ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں: النجوى والنجي السر والنجو السر بين اثنين يقال نجوته نجوا اي ساررته۔ یعنی دو آدمیوں کے رازداری سے بات کرنے کو نجویٰ کہتے ہیں۔

شانِ نزول: یہود اور منافقین کی یہ عادت تھی کہ جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو الگ بیٹھ کر سرگوشیاں کرنے لگتے اس اثنا میں مسلمانوں کی طرف بار بار دیکھتے اور اشارے کرتے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا کہ مسلمان یہ خیال کریں گے کہ یہ لوگ ان کے بارے میں مشورے کر رہے ہیں اور ان کے خلاف منصوبے بنا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے اس طریقہ سے بڑی وحشت ہوتی چنانچہ صحابہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی بارہا شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو ایسا کرنے سے روکا لیکن وہ اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے۔ ہر جگہ ان کی سرگوشیوں کا سلسلہ جاری رہتا جہاں کہیں دو چار مل بیٹھتے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلاح مشورے ہونے لگتے۔

۲؎ یہودی جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو اس طرح سلام عرض نہ کرتے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب کو

جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

جہنم اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ۔ اے ایمان والو!

إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ

جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول کریم کی نافرمانی

الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ

کے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو شلہ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کی (بارگاہ میں) تمہیں

سلام فرماتے ہیں یا جس طرح اس نے اہل ایمان کو در بار نبوی میں حاضری کے آداب سکھانے لیکن ان کا خبث باطن انہیں تہذیب و شائستگی کے حدود سے بھی باہر نکال دیتا تھا اور وہ بجائے سلامتی کی دعا عرض کرنے کے السّام علیک کہتے۔ السّام کا معنی موت ہے۔ اور اس لفظ کا تلفظ اس طرح کرتے کہ عام آدمی ان کی خباثت پر خبردار نہ ہوتا۔ ایک دن وہ حضور کی بارگاہ میں آئے اور کہا السّام علیک یا ابا القاسم حضور نے حسب معمول ارشاد فرمایا وعلیکم۔ (اور تم پر بھی) حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی سن رہی تھیں۔ انہوں نے غصہ سے فرمایا السّام علیکم ولعنکم اللہ وغضب علیکم اے بندرو اور سؤرو تم پر خدا کی پھٹکار اور غضب ہو۔ حضور نے ام المومنین ؓ سے فرمایا مہلاً یا عائشۃ علیک بالرفق وایاک والعنف والفحش۔ اے عائشہ صبر کرو نرمی سے پیش آؤ اور بدکلامی نہ کرو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے غور نہیں فرمایا کہ انہوں نے کیا کہا ہے۔ فرمایا میں نے جواب میں کہہ دیا وعلیکم۔ اور تم پر بھی موت آئے۔

شلہ یہود ایسی بدزبانی اور گستاخی کرتے۔ پھر ایک دوسرے سے یہ کہتے کہ اب ہمیں یقین آگیا ہے کہ یہ نبی نہیں۔ اگر یہ نبی ہوتے اور ہم ایسی گستاخی کرتے تو خدا کا عذاب فوراً ہمیں تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔ ہم ایسی گستاخیاں کرتے ہیں اور ہماری تو کبھی نکسیر تک نہیں پھوٹی۔ جس کو کبھی بلا سا اور یہ سوچی سمجھی بات ہمارا معلوم ہوا کہ یہ خدا کے نبی نہیں ہیں۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ ان گستاخیوں کی پاداش میں تمہارا ٹھکانا جہنم بنا دیا گیا ہے۔ تمہیں پکڑ کر اس میں دھکیل دیا جائے گا۔ ہمیشہ اس میں جلتے رہو گے اور تڑپتے رہو گے۔ جو میرے محبوب کے گستاخ ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ اس میں نہ ایک لمحہ کو آرام ملے گا اور نہ اس سے باہر نکلنے کی کوئی امید ہو گی۔

شلہ ایسی سرگوشیاں ممنوع ہیں جن میں کسی گناہ کے بارے میں مشورے ہوں۔ لوگوں کو اذیت پہنچانے کے لیے تجویزیں سوچی جائیں یا اللہ کے رسول کی نافرمانی اور مخالفت کے لیے سکیمیں تیار کی جائیں۔ مسلمانوں کو کسی ایسی میٹنگ میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ اگر کسی نیک کام کے لیے، کسی خیرات کے لیے باہم مل کر صلاح مشورہ کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

تُحْشَرُوْنَ ۝٩ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ

جمع کیا جائے گا۔ (کفار کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ غمزدہ کردے

اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ

ایمان والوں کو حالانکہ وہ انہیں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر۔ اور اللہ پر ہی

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ

توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو ۔ اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ (آنے) والوں کے لیے

تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ

جگہ کشادہ کر دو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہارے لیے کشادگی فرمائے گا ۲۰؎ اور جب کہا جائے کہ

۱۹؎ اس قسم کی سرگوشیاں شیطان کی انگیخت سے ہوتی ہیں اور ان کا مقصد مسلمانوں کو خوف زدہ اور ہراساں کرنا ہوتا ہے۔ اپنے بندوں کو بتا دیا کہ ان کی یہ ساری سرگوشیاں اور سازشیں تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو یہود اور منافقین کے چاہنے سے تمہارا بال بھی بیکا نہ ہو گا۔ اس لیے ایسی باتوں سے تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔

حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے غلاموں کو آداب مجلس کی بھی تعلیم دی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا کان ثلاثۃ فلا یتناجی اثنان دون الواحد۔ اگر تم تین آدمی اکٹھے بیٹھے ہو تو تیسرے آدمی کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کرو (مسلم)۔ دوسری حدیث جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے اس میں اس کی حکمت بھی بتا دی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنتم ثلاثۃ فلا یتناجی اثنان دون الآخر حتی تختلطوا بالناس من اجل ان یحزنہ۔ حضور نے فرمایا کہ جب تم تین آدمی بیٹھے ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو مشورہ کرنے نہ لگ جاؤ۔ اس طرح وہ آدمی آزردہ خاطر ہو گا وہ یہ خیال کرے گا کہ مجھے بیگانہ خیال کیا جا رہا ہے یا ان کی نظروں میں میری کوئی عزت نہیں۔ اور اگر اس آدمی کے پاس اور آدمی آ کر بیٹھ جائیں تو پھر ان دو کی سرگوشی منع نہیں کیونکہ اب وہ آزردہ نہ ہو گا۔

۲۰؎ اس آیت میں بھی مسلمانوں کو مل بیٹھنے کے ایسے آداب سکھائے جا رہے ہیں جن پر عمل کرنے سے باہمی محبت بڑھے اور ایک دوسرے کا احترام پیدا ہو۔ فرمایا اگر مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور باہر سے دوسرے حضرات آ جائیں تو پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ آنے والوں کی پروا تک نہ کریں اور اس بات کا انہیں خیال ہی نہ آئے کہ انہیں جگہ

انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ

اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو ۲۱ اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا

اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا

درجات بلند فرما دے گا ۲۲ اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے۔ اے

کے لیے جگہ لی ہوئی ہو انہیں بلکہ ان پر ضروری ہے کہ وہ انہیں عزت سے بٹھائیں اور اگر بھیڑ بہت زیادہ ہو پھر بھی انہیں چاہیے کہ جتنا سکڑ سکتے ہیں سکڑیں اور آنے والوں کے لیے جگہ نکالیں۔ فرمایا اگر تم اپنے بھائیوں کے لیے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرو گے اور ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنا دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ تمہارے رزق کو کشادہ کرے گا بلکہ دنیا و آخرت میں تمہیں فراخی اور کشادگی نصیب فرمائے گا۔

جو لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے ان کو تو یہ تعلیم دی کہ وہ آنے والوں کے لیے جگہ کشادہ کریں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنے والوں کو بھی یہ ہدایت فرمائی کہ وہ ایسا نہ کریں کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو اٹھا دیں اور ان کی جگہ خود بیٹھ جائیں۔ ارشاد نبوی ہے۔ لا یقیم الرجل الرجل من مجلسه ثم یجلس فیه۔ اسی طرح اگر مسجد میں کوئی شخص بیٹھا ہوا ہے تو کسی کو اجازت نہیں کہ اسے اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے اگر کسی شخص نے کسی آدمی کو بھیجا کہ تم پہلے جا کر میرے لیے ایک نشست محفوظ کر لو اور وہاں بیٹھ جاؤ جب وہ شخص وہاں جائے تو وہ اس آدمی کو اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنی جائے نماز بھیج دی کہ پہلی صف میں اس کے لیے بچھا دی جائے تو یہ درست ہے جس وقت بھی وہ آئے جائے نماز پر بیٹھ سکتا ہے۔ (قرطبی)

تفسحوا ای توسعوا۔

۲۱ جب حاضرین مجلس کو کہا جائے کہ اب آپ تشریف لے جائیں تو انہیں فوراً چلے جانا چاہیے ورنہ اہل خانہ یا منتظمین مجلس کو بڑی کوفت ہوگی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کو اپنے گھر میں مدعو فرماتے تو کھانا کھا لینے کے بعد بھی بار بار کے باوجود کئی لوگ وہاں سے اٹھنے کا نام نہ لیتے۔ ان کی یہ تمنا ہوتی کہ سب سے آخر میں اپنے آقا و مولیٰ سے مصافحہ کریں۔ انہیں بتایا گیا کہ تمہاری محبت بجا لیکن حضور کے آرام کا بھی تمہیں خیال رکھنا چاہیے نیز حضور کی دیگر مصروفیات بھی ہیں۔ ان کے لیے بھی تمہیں مہلت دینی چاہیے۔

۲۲ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت، مراتب اور رفیع درجات کا ذریعہ ایمان اور علم ہے۔ ایک ایمان دار شخص نادار و مفلس کیوں نہ ہو، کافر رئیسوں سے اس کا درجہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بلند ہے۔

علامہ مرحوم فرماتے ہیں ؎

قطرۂ آب وضوئے قنبرے — خوب تر از خون ناب قیصرے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسول (مکرم) سے تو سرگوشی سے پہلے

نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ

صدقہ دیا کرو۔ یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے اور (دلوں کو) پاک کرنے والی ہے۔ اور اگر تم (اس کی سکت)

تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

نہ پاؤ تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۲۳ کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی

نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

سے پہلے صدقہ دینا چاہیے۔ پس جب تم ایسا نہیں کر سکے تو اللہ نے تم پر نظرِ کرم فرمائی

یعنی قبر جو سیدنا علی کا فرمان تھا اس کے معنی کے بیان میں قطرہ و قیمہ کے خون سے زیادہ عزت والا ہے

اس طرح صاحبِ علم جاہل سے اعلیٰ ہے خواہ وہ عیال بڑا جاگیردار اور دولت مند کیوں نہ ہو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ علماء صحابہ کو خواہ وہ عمر میں چھوٹے ہی کیوں نہ ہوتے بہت سے بزرگ بعض اوقات ترجیح دیتے۔ ان کو اپنے قریب بٹھاتے اور ان کی عزت افزائی فرماتے۔

احادیث میں بھی علماء کی بڑی شان بیان کی گئی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جاءہ الموت وھو یطلب العلم لیحیی بہ الاسلام فبینہ وبین النبیین درجۃ۔

حضور نے فرمایا جو شخص علم حاصل کر رہا ہو تاکہ وہ اس علم سے اسلام کو زندہ کرے اس اثنا میں اسے موت آجائے تو اس کے درمیان اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا

دوسری حدیث میں حضور نے ارشاد فرمایا:

یشفع یوم القیامۃ ثلثۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء۔

قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے پہلے انبیاء پھر علماء اور پھر شہداء۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اختیار دیا کہ علم، حکومت اور مال میں سے ایک چیز پسند کر لو تو آپ نے علم کو پسند کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے آپ کو بادشاہی اور مال بھی عطا فرمائے۔

۲۳۔ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہ اس آیت کا شانِ نزول بیان فرماتے ہیں:

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

پس اب تم نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور تابعداری کیا کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۳ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے رہتے ہو۔ کیا تم نے نہیں دیکھا ان (نادانوں) کی طرف جنہوں نے دوست بنالیا ایسی

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ

قوم کو جن پر خدا کا غضب ہوا ۲۴ نہ یہ لوگ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے یہ جان بوجھ کر جھوٹی

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب اغنیا نے عرض و معروض کا سلسلہ دراز کیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ فقرا کو اپنی عرض پیش کرنے کا موقع کم ملنے لگا تو عرض پیش کرنے والوں کو عرض پیش کرنے سے پہلے صدقہ پیش کرنے کا حکم دیا گیا اور اس حکم پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عمل کیا ایک دینار صدقہ کرکے دس مسائل دریافت کیے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

① وفا کیا ہے؟ — فرمایا توحید اور توحید کی شہادت دینا۔
② عرض کیا فساد کیا ہے؟ — فرمایا کفر و شرک۔
③ عرض کیا حق کیا ہے؟ — فرمایا اسلام قرآن اور ولایت جب تجھے ملے۔
④ عرض کیا حیلہ (یعنی تدبیر) کیا ہے؟ — فرمایا ترک حیلہ۔
⑤ عرض کیا مجھ پر کیا لازم ہے؟ — فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت۔
⑥ عرض کیا اللہ تعالیٰ سے کیسے دعا مانگوں؟ — فرمایا صدق و یقین کے ساتھ۔
⑦ عرض کیا کیا مانگوں؟ — فرمایا عافیت۔ ایک روایت میں عاقبت کا لفظ ہے۔
⑧ عرض کیا اپنی نجات کے لیے کیا کروں؟ — فرمایا حلال کھا اور سچ بول۔
⑨ عرض کیا سرور کیا ہے؟ — فرمایا جنت۔
⑩ عرض کیا راحت کیا ہے؟ — فرمایا اللہ کا دیدار۔

جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سوالوں سے فارغ ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور رخصت نازل ہوئی اور سوائے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اور کسی کو اس پر عمل کرنے کا وقت نہیں ملا۔

۲۴ منافقین اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے تھے کہ اسلام روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ اس کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ مال غنیمت کی ریل پیل ہونے والی ہے۔ دنیاوی منفعت کے حصول کے لیے وہ مسلمانوں میں گھسے ہوئے تھے لیکن ان کی

عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا

باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب۔

إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً

بلاشبہ یہ لوگ بہت برے کام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال

فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٦﴾ لَنْ

پس وہ (اس طرح) روکتے ہیں اللہ کی راہ سے سو ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ کچھ نفع

تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ

نہیں پہنچائیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد عذاب الٰہی سے بچانے کے لیے۔ یہ لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا

جہنمی ہیں۔ یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا

دلی ہمدردیاں یہودیوں کے ساتھ تھیں اور انہیں کو اپنا دوست سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان بدبختوں نے ایک ایسی قوم سے دوستی قائم کر رکھی ہے جن پر خدا کا غضب ہے۔ نہ یہ مسلمانوں میں داخل ہیں اور نہ یہودیوں میں۔ حدیث شریف میں ہے مثل المنافق مثل الشاة العائرة بين غنمين لا تدرى ايهما تتبع۔ یعنی منافق کی مثال اس بھیڑ کی سی ہے جو دو ریوڑوں میں سرگرداں پھر رہی ہو۔ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کس ریوڑ کے پیچھے جانا ہے۔

ایک روز سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ شریفہ میں تشریف فرما تھے۔ چند صحابہ بھی حاضر تھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: یدخل علیکم رجل قلبه قلب جبار وينظر بعين شيطان۔ ابھی تمہارے پاس ایک آدمی آنے والا ہے جس کا دل ظالم کا دل ہے اور جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ چنانچہ عبداللہ ابن نبتل جھٹ آ گیا جس کی آنکھیں نیلی، قد چھوٹا اور داڑھی پتلی تھی۔ حضور نے فرمایا تو اور تیرے ساتھی کیوں گالیاں دیتے ہیں۔ اس نے قسم کھائی کہ اس نے کبھی گالی نہیں دی۔ اس کے ساتھی آئے انہوں نے بھی قسمیں کھائیں، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا رہے ہیں۔

یہ جھوٹی قسموں کو اپنی ڈھال بنا کر وہ اپنے آپ کو بھی بچا رہے تھے اور اس آڑ میں وہ لوگوں کو اسلام سے نفرت دلاتے اور اسلام کے خلاف گھر گھر باتیں کرتے اور اس طرح ان کے اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے۔ ان

فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ

تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی مفید چیز پر تکیہ کیے

شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ

ہیں خبردار! بے شک وہی جھوٹے لوگ ہیں ۲۶ تسلط جما لیا ہے ان پر شیطان نے

فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ

اور اس نے اللہ کا ذکر انہیں فراموش کرا دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں خوب سن لو! شیطان کا ٹولہ ہی

الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے ۲۷ بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی

کے انجام سے ان کو باخبر کر دیا۔

۲۶ جھوٹ ان کی رگ رگ میں رچ گیا تھا۔ انہیں جھوٹ بولنے سے ذرا شرم نہیں آتی تھی۔ وہ بار بار جان بوجھ کر جھوٹ بولتے۔ نہ ان کی زبان لڑکھڑاتی، نہ ان کا دل انہیں ملامت کرتا۔ وہ سراپا ظلم وہ ہیں کہ اپنی جھوٹی بات کو سچ ثابت کرنے کے لیے دھڑا دھڑ جھوٹی قسمیں کھاتے چلے جاتے۔ جھوٹ اب ان کی فطرت ثانیہ بن چکا ہے۔ حتیٰ کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے تو وہاں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئیں گے اور جھوٹی قسموں کا تانتا باندھ دیں گے۔ واللہ ربنا ما کنا مشرکین۔ خدا کی قسم جو ہمارا رب ہے، ہم ہرگز مشرک نہ تھے۔ اور دل ہی دل میں بڑے مطمئن ہوں گے کہ اس طرح جھوٹ بول کر اور جھوٹی قسمیں کھا کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دے لیا ہے اور اپنے آپ کو اس کی گرفت سے بچا لیا ہے۔ اب انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹے ہیں۔

۲۷ منافقین ایسی بیہودہ حرکتیں کیوں کرتے ہیں، وہ ایسی جھوٹی قسمیں کیوں کھاتے ہیں جن کا جھوٹ اظہر من الشمس ہوتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ ان کی عقل و ہوش پر شیطان نے پوری طرح تسلط جما لیا ہے۔ وہ خود سوچنے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جو بھی وہ ظالم انہیں پڑھاتا ہے اور جس راہ پر وہ انہیں چلاتا ہے آنکھیں بند کیے ہوئے وہ اس پر چل کھڑے ہوتے ہیں۔ ای غلب علی عقولھم بوسوستہ وتزیینہ حتی اتبعوہ [illegible]۔ اب حالت یہ ہے کہ انہیں ذکر الٰہی کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ انہوں نے اپنے رب کی یاد کو ہی فراموش کر دیا ہے۔ وہ اب شیطانی فوج کا حصہ بن گئے ہیں اور جو شیطان کا چیلا بن جاتا ہے وہ ایسی ناشائستہ حرکتیں نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا۔ وہ یاد رکھیں کہ انجام کار انہیں شدید نقصان اٹھانا پڑے گا، نفع تو کجا اصل سرمایہ بھی غارت ہو جائے گا۔

أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ

وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے ٢٨ اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آکر رہیں گے

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور اور زبردست ہے ٢٩ تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر

الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ

(پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی خواہ وہ مخالفین ان کے باپ ہوں

أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي

یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں ٣٠ یہ وہ لوگ ہیں کہ نقش کر دیا ہے اللہ نے

٢٨ ان کے بارے میں پہلے فرمایا کُبِتُوا یعنی یہ اوندھے منہ کے بل گرا دیے جائیں گے۔ یہاں ان بدبختوں کے بارے میں فرمایا أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ یعنی ان کا شمار ذلیل ترین مخلوق میں ہوتا ہے۔ ان سے زیادہ ذلیل اور حقیر کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کا معنی ہے: الذین ھم لا اذل منھم (قرطبی)

٢٩ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اللہ کا دین اور اس کے رسول ہر میدان میں ضرور غالب ہوں گے۔ تیغ و سناں کی جنگ ہو یا حجت و برہان کا معرکہ، کامیابی کا سہرا اہل حق کے سر ہی باندھا جائے گا۔

٣٠ اس آیت میں بڑی صراحت سے اس حقیقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں، اگر وہ اس دعویٰ میں سچے ہیں تو یہ ناممکن ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی محبت پائی جائے۔ جس طرح پاک اور پلید پانی ایک برتن میں اکٹھے نہیں رہ سکتے اسی طرح نور ایمان اور دشمنان اسلام کی دوستی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ جو شخص ایمان کا مدعی ہے اور کفار و منافقین کے ساتھ بھی دوستی کے تعلقات رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے۔ اللہ کا بندہ اللہ کریم کے دشمنوں سے خواہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیتا ہے۔ ان میں سے چند قریبی رشتوں کا صراحتاً ذکر فرما دیا۔ اولاد کو اپنے والدین سے محبت بھی ہوتی ہے اور ان کا ادب اور لحاظ بھی ہوتا ہے لیکن اگر باپ دین کا دشمن ہو تو بیٹا اس کی پروا تک نہیں کرتا۔ اسی طرح باقی رشتے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ حبیب خدا محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے غلاموں نے بدر و احد کے میدانوں میں اپنے قریبی رشتہ داروں کے سامنے صف آرا ہوئے تو جو بھی ان کا مد مقابل بنا انہوں نے بلا تامل اس کو خاک و خون میں ملا دیا۔

قُلُوۡبِهِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ ؕ وَیُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ

ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے ۳۱ اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں

تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ

رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے

حضرت ابو عبیدہ جب میدان بدر میں گئے تو ان کا باپ عبداللہ ان کے سامنے آیا۔ آپ نے اپنی تلوار کے وار سے اس کا سر قلم کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر کے والد ابو قحافہ نے شان رسالت میں کچھ گستاخی کی تو آپ نے اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ منہ کے بل زمین پر آگرا۔ حضور نے پوچھا تو ابو بکر نے عرض کیا میرے آقا اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اس کو قتل کر دیتا۔

بعد میں حضرت ابو قحافہ مشرف باسلام ہو گئے تھے۔

بدر کے دن صدیق اکبر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو للکارا اور حضور سے جنگ کی اجازت طلب کرتے ہوئے عرض کیا دعنی آکون فی الرعلۃ الاولی۔ میرے آقا مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں شہداء کے پہلے گروہ میں داخل ہو جاؤں۔ حبیب کبریا علیہ اطیب التحیۃ والثناء نے فرمایا متعنا بنفسک یا ابابکر ما تعلم انک عندی بمنزلۃ سمعی وبصری

اے ابو بکر ہمیں اپنی ذات سے فائدہ اٹھانے دو۔ تو نہیں جانتا کہ تو میرے نزدیک میرے کان اور میری آنکھ کی طرح ہے۔

اسی طرح حضرت مصعب ابن عمیر نے اپنے بھائی عبید کو احد کے روز قتل کیا۔ بدر کی جنگ میں ایک انصاری نے ان کے بھائی ابو عزیز بن عمیر کو گرفتار کر لیا۔ وہ اسے رسی سے باندھ رہا تھا تو حضرت مصعب نے دیکھ لیا اور پکار کر کہا اس کو خوب کس کر باندھنا اس کی ماں بڑی مالدار ہے۔ گراں قدر فدیہ ادا کرے گی۔ ابو عزیز نے کہا مصعب! تم بھائی ہو کر ایسی بات کہہ رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا تیرا میرا بھائی چارہ ختم۔ اب یہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں باندھ رہا ہے۔ حضرت فاروق اعظم نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو قتل کیا اور سیدنا علی، سیدنا حمزہ، سیدنا عبیدہ نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ اور ولید کو تہ تیغ کیا۔ شمع نبوت کے پروانوں نے عملی نمونہ پیش کیا اور دنیا کو بتا دیا کہ ان کے دلوں میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے اور بس۔

۳۱؎ یہی وہ خوش نصیب اور ارجمند حضرات ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش کر دیا ہے۔ یہ نقش نہ مٹ سکتا ہے نہ دھندلا پڑ سکتا ہے اور ان کو ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے روح سے تقویت بخشی ہے۔ روح کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں المراد بالروح نور القلب وهو نور يقذفه الله تعالى في قلب من يشاء من عباده تحصل به الطمانينة یعنی روح سے مراد وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ اس نور سے اس کو

وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ

اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ (بلند اقبال) اللہ کا گروہ ہیں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

کامیاب و کامران ہے [۲۲]

طمانیت و تسکین نصیب ہوتی ہے (روح المعانی) کیونکہ اس کی وجہ سے پاکیزہ ابدی زندگی نصیب ہوتی ہے اس لیے اسے بطور مجاز تدرج فرمایا گیا۔

۲۲۔ یہی اللہ تعالیٰ کا اپنے ان بندوں پر بڑا احسان تھا کہ اس نے ان کے لوحِ قلب پر ایمان نقش کر دیا۔ پھر ان کے دل میں وہ نور ڈال دیا جس سے ان کو طمانیت اور استقامت نصیب ہوئی۔ اسی کی قوت سے عشق کے امتحان میں وہ کامیاب ہوئے۔ اب ان انعامات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے ان وفا شعار سرفروشوں کو نوازا جائے گا۔ مژدۂ جنت سنانے کے بعد فرمایا یہ وہ بلند اقبال اور فیروز بخت ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اپنے اللہ سے راضی ہو گئے۔ اب اس کی حقیقت کو ان خوش نصیبوں کے بغیر کون سمجھ سکتا ہے یا اس کی قدر و منزلت کو پہچان سکتا ہے جن پر یہ عنایت خاص فرمائی گئی۔ آخر میں انہیں یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ تم ہمارے ہو اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا تاج صرف ان کو پہنایا جاتا ہے جو ہمارے ہو جاتے ہیں۔

◎

اللّٰهم لك الحمد ولك الشكر ولك المجد ولك الكبرياء اللّٰهم انت كريم وبابُ رحمتك مفتوح اُكتب الايمان على قلبي وايدني بروح منك وادخلني في جنّاتك التي تجري من تحتها الانهار وارضَ عني وارضني عنك وادخلني في حزبك الذين هم حزبك هم المفلحون.

رب اوزعني ان اشكر نعمتك التي انعمت عليّ وعلى والديّ وان اعمل صالحا ترضاه واصلح لي في ذريتي اني تبت اليك واني من المسلمين. اللّٰهم صلّ وسلّم وبارك على حبيبك ومحبوبك ونبيك وصفيك سيدنا ومولانا محمد وعلى اٰله الطيبين الطاهرين وازواجه الطاهرات اُمّهات المؤمنين وسائر الصحابة والتابعين واولياء امته الكاملين وعلماء ملته الصالحين وعلينا معهم اجمعين يا ذا الجلال والاكرام۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سورۃ الحشر

نام: اس سورت مبارکہ کا نام الحشر ہے۔ یہ لفظ دوسری آیت میں مذکور ہے۔ اس میں تین رکوع، چوبیس آیتیں، ۴۴۵ کلمے ایک ہزار نو سو تیرہ حروف ہیں۔

زمانہ نزول: اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اس سورت میں غزوہ بنی نضیر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے اس سورت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اُنزلت فی بنی نضیر یعنی یہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ (بخاری، مسلم)۔ انہیں سے دوسری روایت یوں ہے کہ میں نے اس سورت کے بارے میں حضرت ابن عباس سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا "سورۃ بنی نضیر" یعنی اس سورت کا نام ہی بنی نضیر ہے۔

لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس سورت کا نزول اور غزوہ بنی نضیر کس سال میں ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ جنگ بدر کے چھ ماہ بعد غزوہ بنی نضیر وقوع پذیر ہوا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ غزوہ ماہ ربیع الاول سنہ ۴ ہجری میں پیش آیا۔ اس سے پہلے بئر معونہ کا المناک حادثہ رونما ہو چکا تھا۔ بلاذری، ابن ہشام اور ابن سعد نے اسی قول کی تصحیح کی ہے۔

یہود یثرب میں: اس غزوہ کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ یہود جن کا اصل وطن فلسطین تھا وہ حجاز کے اس دور افتادہ علاقہ میں کب اور کن حالات میں پہنچے۔ کتب تاریخ کے مطالعہ سے تین چیزیں سامنے آئی ہیں جن کی روشنی میں یثرب میں یہود کی آمد کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

(۱) علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اور دیگر عربی مراجع سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یثرب شہر کو آباد کرنے والے عمالقہ تھے جس شخص نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اس کا نام یثرب بن مہلائیل بن عوص بن عملیق تھا۔ گویا یہ شہر اپنے بسانے والے کے نام سے ہی مشہور ہو گیا۔ عمالقہ کا کام فتنہ و فساد برپا کرنا، راہزنی، قزاقی اور بدمعاشی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع کی قیادت میں بنی اسرائیل کا ایک لشکر عمالقہ کی بیخ کنی کے لیے یثرب روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں۔ یوشع نے اپنی اسرائیلی فوج کے ساتھ یثرب پر حملہ کیا، ان کو شکست فاش دی اور اس نسل کے جتنے آدمی تھے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ صرف ان کے بادشاہ کے بیٹے ارقم بن ابو الارقم کا ایک نوجوان لڑکا جو بے حد خوبصورت تھا اسے انہوں نے زندہ چھوڑ دیا تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اس کے بارے میں فیصلہ کریں۔ جب یہ فاتح لشکر اپنے وطن کی طرف لوٹا تو اس کے پہنچنے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام رحلت فرما گئے۔ وہاں کے یہودیوں کو جب پتہ چلا کہ یوشع نے عمالقہ کے بادشاہ کے لڑکے کو قتل نہیں کیا

تو وہ سخت برہم ہو گئے اور ان پر موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی کا الزام لگایا اور انہیں اپنے علاقہ میں سکونت کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے یہ سوچا کہ بجائے اس کے کہ ہم ادھر ادھر مارے مارے پھریں کیوں نہ اس شہر میں جا کر آباد ہو جائیں جس کو انہوں نے ابھی ابھی فتح کیا ہے۔ چنانچہ وہ یثرب واپس آ گئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ یہ پہلا یہودی گروہ ہے جو یہاں آ کر آباد ہوا۔

۲۔ بخت نصر نے جب یروشلم پر حملہ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہیکل سلیمانی کو گرا کر پیوند زمین کر دیا۔ بہت سے یہودیوں کو بے دریغ قتل کر دیا اور بے شمار لوگوں کو جنگی قیدی بنا کر اپنے ہمراہ لے گیا اس وقت یہودیوں کے چند قبائل یثرب میں آ کر آباد ہو گئے۔ یاد رہے کہ بخت نصر نے ۵۸۶ قبل مسیح کو یروشلم پر حملہ کیا تھا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: "ومن ذلك الزمان (زمان بخت نصر) تفرقت بنو اسرائیل فی البلاد فنزلت طائفة منهم الحجاز وطائفة يثرب وطائفة وادی القریٰ وذهبت شرذمة منهم الی مصر۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۹-ج ۲)

ترجمہ: یعنی بخت نصر کے حملہ کے زمانہ میں بنو اسرائیل مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے۔ ان میں سے ایک طائفہ حجاز میں، ایک یثرب میں، ایک وادی القریٰ میں جا کر اقامت گزیں ہو گیا اور ایک چھوٹا سا گروہ مصر چلا گیا۔

۳۔ جب رومیوں نے شام، فلسطین اور نواحی علاقوں پر قبضہ کیا اور یہودی آبادیوں کو ویرانوں میں بدل دیا۔ ان کے مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کر لیا اس ہنگامہ میں بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنی بہدل وہاں سے جان بچا کر بھاگ آئے اور یثرب میں اقامت اختیار کر لی۔ ابن خلدون لکھتے ہیں: "وظهر الروم على بنى اسرائيل بالشام فقتلوهم وسبوا وخرج بنو نضير وبنو قريظة وبنو بهدل هاربين الى الحجاز وتبعهم الروم فهلكوا عطشا۔" (جلد ۲، ص ۲۸۶)

ترجمہ: جب رومی بنی اسرائیل پر ملک شام میں غالب آ گئے تو انہوں نے انہیں قتل کیا۔ انہیں گرفتار کیا۔ ان حالات میں بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنی بہدل حجاز کی طرف بھاگ آئے۔ رومیوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن عرب کی صحرائی دھوپ برداشت نہ کر سکے اور پیاس کی شدت سے ہلاک ہو گئے۔"

ڈاکٹر احمد امین نے فجر الاسلام میں اسی قول کی تائید کی ہے۔ (ص ۲۳، ۲۴)

یہ تینوں اقوال کتب تاریخ میں پائے جاتے ہیں ان میں سے کسی کو صحیح اور کسی کو غلط کہنا بلاوجہ تکلف ہے کیونکہ ان تینوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے یوشع اور ان کے ساتھی یثرب میں آ کر آباد ہو گئے ہوں پھر جب ۵۸۶ ق م میں بخت نصر نے یروشلم کو آ کر تباہ و برباد کر دیا تو اس وقت یہودیوں کے چند قبائل بھاگ نکلے اور حجاز کے مختلف علاقوں میں آ کر آباد ہو گئے ہوں۔ تیما، فدک، خیبر، وادی القریٰ کے سرسبز علاقے انہوں نے اپنی رہائش کے لیے منتخب کر لیے ہوں پھر جب رومیوں نے آ کر شام و فلسطین پر قبضہ کر لیا اور یہودیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہوں تو اس وقت یہ تین قبیلے کسی طرح جان بچا کر حجاز کی طرف بھاگ آئے ہوں اور یثرب میں جہاں پہلے سے ان کے دینی بھائی رہائش پذیر تھے وہاں پہنچ گئے ہوں۔ جب قومیں ہجرت کرتی ہیں تو اس کے تمام افراد یکبارگی نقل مکانی نہیں کیا کرتے کسی حادثہ کے وقت ان میں سے

بعض ترکِ وطن میں پیش قدمی کرتے ہیں۔ جب کوئی اور اُفتاد پڑتی ہے تو بعض دوسرے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں اپنے وطن کو خیرباد کہتے ہیں۔ پھر کسی نئی قیامت کے برپا ہونے پر باقیماندہ لوگ بھی کوچ کر جاتے ہیں۔ یہی حال یہودیوں کی ہجرت کا ہے جو مختلف مقامات اور مختلف حالات میں وقوع پذیر ہوئی۔

اوس اور خزرج جن کو بعد میں انصار اسلام بننے کا شرف حاصل ہوا اور اسی لقب سے مشہور عالم ہوئے۔ ان کا اصل وطن یمن تھا اور ان کا تعلق یمن کے ایک مشہور قبیلہ بنی ازد سے تھا جو یمن کے خوشحال ملک میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری کی پاداش میں وہ تباہ کن سیلاب آیا جس نے سد مآرب کے پرخچے اڑا دیے تو سارا یمن تہ و بالا ہو گیا جس کا تفصیلی تذکرہ آپ سورۂ سبا کے حواشی میں ضیاء القرآن جلد چہارم میں پڑھ آئے ہوں گے۔ جو لوگ اس طوفان کی زد میں آ گئے وہ تو لقمۂ اجل بن گئے لیکن جو لوگ بچ گئے ان کے باغات، ان کی زرعی زمینیں، ان کے قصور و محلات سب تباہ و برباد ہو گئے انہوں نے بھی اسی میں سلامتی سمجھی کہ یہاں سے نقل مکانی کر کے کسی ایسے گوشہ میں رہائش اختیار کریں جہاں وہ امن و سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔ انہی میں سے ازد کا قبیلہ بھی تھا۔ ابن خلدون لکھتے ہیں:

منزلت ازد شنؤة الشام بالسراة خزاعة بطوعه ومنزلت غسان المصری وارض الشام و
منزلت ازد عمان الطائف ومنزلت الاوس والخزرج یثرب (ص ۵۹۶۔ ج ۲)

ترجمہ: یعنی سیل العرم کے بعد ازد یمن سے نکلے، ان کا ایک حصہ ازد شنؤہ شام سراۃ میں جا کر آباد ہوا، خزاعہ بطحاء میں، غسان بصری میں اور سر زمین شام میں اور ازد عمان طائف میں، اوس اور خزرج یثرب میں جا کر اقامت گزیں ہو گئے۔

اوس و خزرج نے یثرب کی نواحی آبادیوں اور ارد گرد کے گاؤں میں سکونت اختیار کی لیکن ازد نے کب ہجرت کی اور وہ تباہ کن سیلاب کب آیا جس نے اس سنگین چٹانوں سے بنے ہوئے بند کو درہم برہم کر دیا اس کے بارے میں کتب تاریخ میں متعدد اقوال مذکور ہیں۔ (۱) اسد مآرب میں پہلا زبردست شگاف ولادت مسیح علیہ السلام کے قریبی زمانہ میں ہوا۔ اگرچہ سارا ڈیم برباد نہیں ہوا تھا لیکن یہ شگاف اتنا ہولناک تھا کہ اب اس بند کی پختگی پر مزید بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے لوگوں نے وہاں سے ترک وطن کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جرجی زیدان العرب قبل الاسلام میں لکھتے ہیں:

وتفرقت قبائل الازد وغیرها فی جزیرة العرب بسبب ذلك بان ذلك وقع حوال تاریخ المیلاد۔

یعنی سب سے پہلے شگاف مسیح علیہ السلام کے قریبی زمانہ میں ہوا جس سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا اور انہوں نے نقل مکانی کر کے محفوظ مقامات پر آباد ہونا شروع کر دیا۔

اس قول کے مطابق اوس و خزرج پہلی صدی عیسوی میں یثرب میں جا کر آباد ہوئے۔

(۲) ڈاکٹر احمد امین فجر الاسلام میں سنتہ ۳۰۰ء میں اوس و خزرج کی آمد یثرب میں ثابت کرتے ہیں۔

(۳) بعض کا خیال ہے کہ سیلاب عظیم جس نے بند کو ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد کر دیا وہ سنتہ ۴۵۰ء عیسوی یا سنتہ ۴۵۱ء عیسوی میں آیا۔ اس تیسرے قول کے مطابق یثرب میں اوس و خزرج کی آمد پانچویں صدی کے نصف آخر میں ہو گی۔

یہ تو ممکن ہے کہ سیلاب عظیم سنہ ۱۲۰ء میں آیا ہو لیکن اس سے پہلے تودوں کی تہ دبی ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں کوئی شگاف پڑ گئے ہوں اور اس ڈیم میں ذخیرہ شدہ پانی بہہ گیا ہو، لیکن اس سے ڈیم کلیتاً تباہ نہ ہوا ہو اور سیلاب کے اختتام پر حکومت وقت نے اس کی مرمت کر دی ہو اور اس طرح ڈیم کسی نہ کسی طرح باقی رہا ہو۔

اوس و خزرج اپنے اہل و عیال کے ساتھ جب یثرب پہنچے تو وہاں یہودی صدیوں سے آباد تھے۔ بازار اور منڈیاں ان کے قبضہ میں تھیں۔ زرعی زمینوں اور باغات کے وہ مالک تھے۔ سیاسی لحاظ سے بھی ان کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ جو عرب قبائل وہاں آباد تھے ان کی کوئی سیاسی حیثیت نہ تھی۔ وہ یہودیوں کے زیر فرمان اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اوس و خزرج بھی یثرب کی نواحی بستیوں یا ارد گرد کے گاؤں میں سکونت پذیر رہے۔ ابتدا میں انہوں نے یہود کی پناہ لی اور ان کی بالادستی کو تسلیم کر لیا۔ کچھ عرصہ تک حالات ایسے ہی رہے۔ اس اثنا میں اوس و خزرج کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ ان کی جمعیت میں کافی اضافہ ہو گیا یہاں تک کہ ان میں ایک مرد میدان مالک بن عجلان پیدا ہوا۔ جب اس نے اپنے قبیلہ کی قیادت سنبھالی تو اس نے یہود کے تسلط سے اپنے قبیلہ کو رہائی دلانے کے لیے سوچنا شروع کر دیا۔ اس وقت ان کا ایک بھائی بند ابو جبیلہ شام میں غسان کے علاقہ کا فرمانروا تھا۔ اس کا قبیلہ بھی سیل عرم کے باعث یمن سے ترک سکونت کر کے شام میں جا کر آباد ہو گیا تھا۔ مالک اس کی خدمت میں پہنچا۔ اپنی اور اپنی قوم کی خستہ حالی اور غربت و افلاس کا شکوہ کیا نیز یہودیوں کی بالادستی سے بھی اسے مطلع کیا۔ ابو جبیلہ نے کہا کہ جس طرح ہم نے اہل غسان پر غلبہ حاصل کر لیا ہے تم نے یثرب کے یہودیوں کو اپنا زیر نگین کیوں نہیں بنایا؟ مالک سے وعدہ کیا کہ میں لشکر لے کر تمہاری امداد کے لیے آؤں گا تم تیار رہنا۔ مالک ابو جبیلہ سے پختہ وعدہ لینے کے بعد واپس یثرب آیا اور اپنی قوم کو حقیقت حال سے خبردار کیا انہیں کہا کہ وہ ہر وقت چوکس رہیں۔ کچھ عرصہ بعد ابو جبیلہ ایک لشکر جرار لے کر اپنے بھائیوں کی امداد کے لیے یثرب کی طرف روانہ ہوا۔ ذی حرض کے مقام پر پہنچ کر اس نے قیام کیا اور اوس و خزرج کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے قاصد روانہ کیا۔ اسے یہ اندیشہ تھا کہ یہودی اس کی آمد کے بارے میں سن کر اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند نہ ہو جائیں۔ اس نے یہودیوں کو خصوصی دعوت بھیجی کہ وہ آ کر اس سے شرف ملاقات حاصل کریں۔ چنانچہ یہودی اپنے لوگوں اور خدام سمیت وہاں پہنچے۔ جب وہ اس کی حویلی میں داخل ہوئے تو اس نے اپنے لشکریوں کو کہا کہ ان سب کو تہ تیغ کر دو، کوئی بھی بچنے نہ پائے۔ پھر اس نے اوس و خزرج کے نوجوانوں کو کہا اگر اب بھی تم نے اس علاقہ پر قبضہ نہ کیا تو میں تم تمام کو نذر آتش کر دوں گا۔ یہ کہہ کر خود شام کی طرف لوٹ آیا۔ اس طرح یہودیوں کا غلبہ ختم ہوا اور اوس و خزرج کو سیاسی برتری حاصل ہو گئی اور ان کی قوت و شوکت کے سامنے یہود کو سر جھکانا پڑا۔ (ابن خلدون، ص ۲۹۷، ج ۲)

اس وقت یہودیوں کے تین مشہور قبیلے وہاں آباد تھے بنو قینقاع، بنی نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع زرگری، آہنگری اور برتن سازی کا کام کیا کرتے تھے۔ انہیں بنی خزرج کی پناہ حاصل تھی نیز ان کی دوسرے یہودی قبیلوں بنی نضیر اور بنو قریظہ سے سخت ان بن تھی۔ اس لیے وہ یثرب کے شہر میں رہتے تھے اور کوئی ان سے مزاحمت نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس قتل عام کے بعد بنی نضیر اور بنی قریظہ نے سلامتی اسی میں سمجھی کہ وہ یثرب شہر کے اندر رہنے کے بجائے باہر اپنی بستیاں قائم کریں تاکہ وہ آزادی

کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرسکیں۔ بے شک اب اقتدار اور سیاسی قوت کے مالک اوس و خزرج تھے لیکن یہود کا اثر و نفوذ بھی کچھ کم نہ تھا۔ وہ سُودی کاروبار میں بڑے خبیث و چالاک تھے۔ لوگوں کو قرض دیتے اور بھاری شرح پر سُود وصول کرتے اور سُود در سُود کا چکر تو ایسا تھا کہ جو شخص ایک مرتبہ اس چکر میں پھنس جاتا عمر بھر نکلنے کی صورت پیدا نہ ہوتی۔ کاروباری منڈیاں اور بازار سب یہودیوں کے تصرف میں تھے اس لیے مالی لحاظ سے ان کا گہرا اثر تھا۔

کچھ عرصہ تک اوس اور خزرج کے قبائل میں اتحاد و اتفاق رہا۔ اس کی برکت سے وہ خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن آخر کار ان میں باہمی رنجشیں اور حسد و بغض کے آثار رونما ہونے لگے۔ یہودی تو ان لمحات کے لیے ترس رہے تھے۔ فوراً انہوں نے دو برادر قبائل کے درمیان افتراق و انتشار کی خلیج کو وسیع تر کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔ ان کے مالی مفادات کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ پُرامن زندگی بسر کریں، کسی نزاع اور فساد میں حصہ نہ لیں، لیکن ان دو قبیلوں کے اتحاد میں انہیں اپنی موت نظر آتی تھی۔ وہ ان کو آپس میں لڑانا بڑا ضروری سمجھتے تھے اور اس کے لیے وہ مالی بحران کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ چنانچہ جب اوس و خزرج میں جنگ ہوتی تو ہر یہودی قبیلہ اپنے حلیف کے ساتھ مل کر اپنے ہی بھائیوں کے ساتھ لڑنے سے باز نہ آتا۔ یہ حالات تھے جب اسلام کی کرنیں آہستہ آہستہ یثرب کی تاریک فضا کو منور کرنے لگیں۔ کچھ عرصہ بعد حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے یثرب میں تشریف لے آئے۔ یہودی اپنی مذہبی کتابوں کے مطالعہ کے باعث اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک نبی آخر الزمان تشریف لانے والا ہے۔ اس کی آمد سے ان کے مصائب کی شبِ تار بھی صبح آشنا ہوگی۔ جب تبع نے یثرب کی بستی کو برباد کرنے کا عزم کیا تو وہ یہودی علماء ہی تھے جنہوں نے اسے یہ کہہ کر اس اقدام سے روکا کہ تم اس بستی پر کبھی غلبہ نہیں پاسکتے۔ اس نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ یہ نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے اس پر کوئی جابر غالب نہیں آسکتا۔ انہیں کے تبلیغ پر تبع نے اسلام قبول کیا تھا جس کی تفصیل آپ ضیاء القرآن جلد چہارم ص ۳۰۴ سورہ دخان آیت ۳۷ کے حواشی میں ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔

نیز جس وقت انہیں کسی کافر حملہ آور سے نبرد آزما ہونا پڑتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں حضور نبی کریم کے وسیلہ سے فتح کی دعا مانگا کرتے۔ (بقرہ ۸۹، جلد اول ضیاء القرآن)

اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضور کے استقبال کرنے والوں میں یہ بھی پیش پیش تھے۔ رحمت عالم نے مدینہ طیبہ پہنچ کر یہاں امن و امان کی فضا برقرار رکھنے کے لیے معاہدات کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تاکہ برائے نام قسم کی اجنبیت کا احساس بھی باقی نہ رہے تمام مسلمان محبت و الفت کے رنگ میں رنگے جائیں۔ مدینہ طیبہ میں دوسری جمعیت یہود کی تھی، اگرچہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اس کے باوجود حضور نے ان کے ساتھ دوستی کا معاہدہ مساوی بنیادوں پر کیا۔ معاہدہ کی دفعات کا مطالعہ کر کے انسان حیران ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ان کو مذہبی آزادی، معاشرتی اور معاشی مساوی حیثیت سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ اس معاہدہ کی چند دفعات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

وان اليهود ينفقون مع المؤمنين ما داموا محاربين. وان يهود بني عوف امة مع المؤمنين لليهود دينهم وللمسلمين دينهم مواليهم وانفسهم الا من ظلم واثم فانه لا يوتغ الا نفسه واهل بيته ...... وان على اليهود نفقتهم وعلى المسلمين نفقتهم وان بينهم النصر على من حارب اهل هذه الصحيفة وان يثرب حرام جوفها لاهل هذه الصحيفة (ابن هشام ص ۱۲۲-ج ۲)

ترجمہ: یہودی اور مسلمان اپنے اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے جب تک وہ مل کر جنگ کریں گے اور بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک گروہ ہیں۔ یہودیوں کے لیے ان کا دین، مسلمانوں کے لیے ان کا دین سوائے اس شخص کے جو ظلم کرتا ہے اور گناہ کا ارتکاب کرتا ہے پس وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو برباد کرتا ہے یہود پر اپنے مصارف کی ذمہ داری ہے، مسلمانوں پر اپنے مصارف کی۔ اس معاہدہ میں شریک ہونے والے لوگوں کے ساتھ جو شخص جنگ کرے گا۔ یہ ایک دوسرے کی اس کے مقابلہ میں امداد کریں گے اور ان کے درمیان ایک دوسرے کے لیے خلوص و خیر خواہی لازمی ہے۔ گناہ سے اجتناب ضروری ہے اور یثرب کے اندر کسی قسم کا فتنہ و فساد کرنا شرکائے معاہدہ کے لیے حرام ہے۔"

جن منصفانہ بلکہ فیاضانہ شرائط پر یہ معاہدہ طے ہوا تھا۔ توقع تو یہی تھی کہ اس معاہدہ کے جملہ شرکاء صدق دل سے اس کی پابندی کریں گے۔ حضور اور انصار ہر وقت اس معاہدہ کی شرائط کو پیش نظر رکھتے لیکن یہودیوں نے کچھ عرصہ بعد اس معاہدہ کی اہمیت کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا جس کی متعدد وجوہات تھیں۔

۱۔ انہوں نے مسلمانوں کے استقبال میں گرمجوشی سے اس لیے حصہ لیا تھا کہ ان کا گمان تھا کہ یہ لٹے پٹے مہاجر جن کی مالی حالت ازحد خستہ ہے ان کے ممنون احسان ہو کر رہیں گے اور وہ ان نووارد مسلمانوں کی طرح طرح کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے انہیں آلہ کار بنائیں گے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ اسلام نے ان چند مہینوں میں جو ذہنی انقلاب برپا کیا ہے اس نے ان کو بالکل ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ ان کا سر اطاعت صرف اپنے رب، اپنے ہادی و مرشد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالی میں جھک سکتا ہے کسی اور قوت کے سامنے ان کی گردن خم نہیں ہو سکتی ان کا ایک اپنا تشخص ہے جو انہیں ازحد عزیز ہے۔ وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔ اس چیز نے یہودیوں کو مسلمانوں سے متنفر کرنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ اوس و خزرج جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے نبی رحمت کے طفیل آپس میں بھائی بھائی بنتے جا رہے ہیں۔ انہیں اس اتحاد میں اپنے منصوبوں کی ناکامی کا خدشہ نظر آنے لگا۔ نیز شریعت اسلامیہ کے وہ احکام جن کا تعلق معاشی، اخلاقی زندگی سے تھا وہ سراسر ان کے مفادات سے ٹکراتے تھے۔

اسلام، سود سے بڑی سختی سے منع کرتا ہے بلکہ سود خوروں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کی دھمکی دیتا ہے اور یہودیوں کی ساری خوشحالی کا دارومدار سود خوری پر تھا وہ کب یہ گوارا کر سکتے تھے کہ ایک ایسی منظم جماعت وجود میں

آجائے جو طاقت میں آنے کے بعد بزور بازو سُودی کاروبار کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دے۔ کم تولنا، کم ناپنا، خریدار کی سادہ لوحی سے ناجائز فائدہ اٹھانا اسلام نے قطعاً حرام قرار دیا تھا لیکن ان کی تجارت کا فروغ نفع اندوزی کے ان ناجائز ذرائع پر تھا چنانچہ مسلمانوں سے جو بین ترتوقعات اُنہوں نے وابستہ کر رکھی تھیں ان کے پُورے ہونے کی اُمید نہ رہی نیز ان کا وجود ان کی معاشی خوشحالی اور اخلاقی آزادی کے لیے پیام مرگ تھا۔ اس لیے وہ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے جب وہ اسلام کو نقصان پہنچا سکتے ہوں۔
بدر میں اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی۔ اہلِ مکہ کے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اسلام کے خلاف نفرت و عداوت کے شعلے تیزی سے بھڑکنے لگے۔ کعب بن اشرف جو بنی نضیر کا سردار تھا وہ چپکے سے مکہ آیا اور میدانِ بدر میں ان کے مقتولوں کی تعزیت کے بعد ان کے پسماندگان کو مُسلمانوں سے انتقام لینے پر برانگیختہ کیا اور بڑے پُرجوش قصیدے کہے جن میں مرنے والوں کا مرثیہ بھی تھا اور مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کی ترغیب بھی تھی۔ اس کے بعد غزوۂ اُحد ہوا جس میں مُسلمانوں کا کافی جانی نقصان ہوا۔ اس کے معاً بعد بئر معونہ کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔ ان چیزوں نے یہودیوں کے حوصلوں کو تقویت دی اور وہ معاہدہ کی شرائط کو پُورا کرنے میں بڑی بے پرواہی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ ان کے شعراء مسلم خواتین کا نام لے کر عشقیہ غزلیں لکھا کرتے۔ اگر کوئی مسلمان خاتون ان کے محلے میں جا نکلتی تو اس کی توہین کرنے سے بھی باز نہ آتے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دو مقتولوں کی دیت ادا کرنے کے سلسلے میں بنی نضیر کے ہاں گئے۔ اُنہوں نے آپ کو دیوار کے قریب بٹھایا اور درپردہ یہ سازش کی کہ ان میں سے ایک آدمی اُوپر جا کر ایک بھاری پتھر آپ پر لڑھکا دے۔ اس قسم کے ناز یبا اقدامات تھے جو یکے بعد دیگرے پیش آ رہے تھے۔ چنانچہ بنی نضیر کی بیخ کنی کے لیے فیصلہ کن اقدام ناگزیر ہو گیا ورنہ یہ مارِ آستین کسی وقت ڈس کر نقصانِ عظیم پہنچا سکتے تھے۔ اس سورۂ مبارکہ میں اسی غزوہ کا ذکر ہے۔ اس کی تفصیلات آپ آیات کی تفسیر کے ضمن میں ملاحظہ کریں گے۔

مضامین : اس سورت میں جو اہم مضامین بیان کیے گئے ہیں، اب اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔
سُورت کا آغاز اس حقیقت کے بیان سے ہو رہا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھ رہی ہے اور اس کی پاکی بیان کر رہی ہے کیونکہ وہی بڑی عزت والا اور بڑی حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دانائی اور حکمت کو ثابت کرنے کے لیے بنی نضیر کے انجام کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا کہ دیکھو ان کے قلعے کتنے سنگین، ان کی گڑھیاں کتنی مضبوط تھیں۔ ان کے پاس لشکر کے کتنے ذخائر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو یوں مرعوب کر دیا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے شاندار گھروں کو برباد کرنے لگے اور بغیر جنگ کیے مجبوراً اپنے صد ہا سال کے وطنِ عزیز کو چھوڑنے پر رضامند ہو گئے۔ پھر یہ بتایا کہ انہیں یہ سزا اس لیے دی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کی مخالفت کرتے تھے اور جو بھی یہ وتیرہ اختیار کرے گا اس کو اسی قسم کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (۲) اس کے بعد بتایا کہ دشمن کو شکست دینے کے لیے جنگی تدابیر ناگزیر ہیں اور جنگی ضرورتوں کے لیے دشمن کے پھل دار درختوں کو کاٹنا مباح ہے۔

(۳) مالِ فئے کی تقسیم کا حکم بتایا نیز آیت ۷ میں اسلامی نظامِ معاشیات کے اہم ستون کا ذکر کر دیا۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً

بین الاغنیاء منکم۔"

اس کے بعد اپنے محبوب کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا۔ پھر مہاجرین و انصار کی تعریف کر کے انکی عزت افزائی فرمائی۔

دوسرے رکوع میں منافقین کی رذیل حرکات پر انہیں سرزنش کی کہ بظاہر تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہا کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ کفر کے دلدادہ ہیں اور اسلام کے دشمن۔ جب حضور نے بنی نضیر کو الٹی میٹم دیا کہ اتنے روز میں مدینے سے نکل جاؤ تو عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے ان کو کہلا بھیجا کہ مت نکلنا۔ میں دو ہزار کا لشکر لے کر تمہاری مدد کے لیے آجاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ یہ منافقین جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر جنگ چھڑ گئی تو وہ یہود کا کبھی ساتھ نہیں دیں گے۔

آخری رکوع میں دوسرے مضامین کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا ذکر فرما دیا جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن کریم میں اتنے اسماء حسنیٰ اور کہیں یکجا نہیں۔

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحشر مدنی ہے اور اس میں ۲۴ آیتیں اور ۳ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

اللہ ہی کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے ؎۱

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ

وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اہل کتاب کے کافروں کو ان کے

دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

گھروں سے پہلی جلاوطنی کے وقت۔ تم نے کبھی یہ خیال بھی نہ کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ

مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ

انہیں ان کے قلعے بچا لیں گے اللہ کے قہر سے ؎۲ پس آیا ان پر اللہ کا قہر اس جگہ سے جس کا انہیں

؎۱ اس سورت میں مدینہ کی نوخیز اسلامی ریاست کو ایک عظیم خطرے سے نجات دینے کا ذکر ہو رہا ہے اور نجات بھی ان حالات میں جبکہ بظاہر اس کا کوئی امکان نہ تھا اور نجات اس طرح کہ مسلمانوں کا کوئی جانی نقصان نہ ہوا اور اس کا نتیجہ نکلا کہ بنی نضیر کا قبیلہ جو مار آستین بن کر مسلمانوں کو ڈسنے پر تلا ہوا تھا وہ خود جلاوطنی کے لیے تیار ہو گیا۔ مسلمان ان کے مکانات ان کے سرسبز و شاداب باغات اور زرخیز زمینوں کے مالک بن گئے جس سے ان کی مالی حالت بہت حد تک سدھر گئی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا ورنہ مسلمان کبھی اس پوزیشن میں نہ تھے کہ اپنے زور بازو سے ان کو یہاں سے جلاوطن کر دیں۔ اسی لیے اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تسبیح، اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ذکر سے کی گئی ہے تاکہ قیامت تک آنے والے مسلمان اس کو محض اپنے رب کا فضل و احسان یقین کریں اور اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔

؎۲ اس آیت میں بھی کفار اہل کتاب کا ذکر ہے ان سے مراد یہود کا قبیلہ بنی نضیر ہے۔ مدینہ طیبہ کے مضافات میں ان کی الگ بستی تھی۔ انہوں نے اپنے گھروں کو قلعہ نما بنایا ہوا تھا کئی گلیاں تنگ کر رکھی تھیں اور سامان جنگ کے ذخیرے اکٹھے کر رکھے تھے تاکہ کسی حملہ کے وقت

يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم

خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب ۳؎ چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو

بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ②

اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے ۴؎ پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو! ۵؎

اپنا دفاع کر سکیں۔ اپنی بہادری پر بھی انہیں بڑا ناز تھا۔ انہوں نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ مٹھی بھر مسلمان ان پر غالب آ سکتے ہیں۔ اسی بنا پر وہ اس معاہدے کا بہت کم احترام کیا کرتے جو ان کے درمیان اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان طے پا چکا تھا جب بھی انہیں موقع ملتا معاہدے کی خلاف ورزی سے باز نہ آتے۔

ایک روز حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک جھگڑے کا تصفیہ کرانے کے لیے ان کے محلہ میں تشریف لے گئے انہوں نے دیوار کے قریب حضور کی نشست گاہ بنائی۔ جب حضور تشریف فرما ہوئے اور گفتگو میں مصروف ہو گئے تو انہوں نے طے شدہ منصوبے کے مطابق ایک نابکار کو بھیجا کہ اوپر سے بھاری پتھر حضور پر لڑھکا دے۔ اس طرح وہ اس شمع نور کو گل کرنا چاہتے تھے جس کو آندھیاں اور طوفان بجھانے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جس کا نگہبان تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ان کے ناپاک ارادہ سے آگاہ فرما دیا۔ حضور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ اس طرح ان کی یہ غداری اور سازش ناکام ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں معاہدہ کی صریح خلاف ورزی اور غداری کی پاداش میں دس روز کے اندر مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا نوٹس دیا۔ عبد اللہ بن ابی منافق نے انہیں کہلا بھیجا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ مت گھبراؤ اور اس الٹی میٹم کو مسترد کر دو۔ انہیں اپنے مضبوط قلعوں، اپنی جنگی مہارت اور شجاعت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ عبد اللہ کے پیغام نے انہیں مزید تقویت پہنچائی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا خوف و ہراس پیدا کر دیا اور انہیں ایسا مرعوب کر دیا کہ ابھی الٹی میٹم کی مدت ختم ہونے میں چار روز باقی تھے کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور مدینہ سے جلا وطنی قبول کر لی۔ اپنے آراستہ پیراستہ مکانات اور شاداب باغوں اور زرخیز زمینوں کو چھوڑ کر چلے جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ یہاں صدیوں سے آباد تھے۔ منڈی اور بازار وغیرہ پر ان کا قبضہ تھا۔ ان کے پاس مضبوط قلعے بھی تھے۔ ان کو اپنا منقولہ و غیر منقولہ اثاثہ اور وطن سے دستبردار ہونا ان کی مرعوبیت کی انتہا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو معجزات عطا فرمائے تھے ان میں ایک معجزہ رعب تھا۔

۳؎ اس جملہ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ان کا خیال تو یہ تھا کہ جنگ ہو گی اور وہ مسلمانوں کو مار بھگائیں گے۔ یہ تو انہوں نے سوچا بھی نہ تھا کہ وہ لڑے بغیر سب کچھ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

۴؎ انہوں نے عرض کیا کہ اسلحہ کے بغیر جتنا سامان وہ اونٹوں پر لے جا سکتے ہیں اسے لے جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور نبی کریم رؤف رحیم نے ان کی یہ درخواست قبول فرما لی۔ چنانچہ وہ اپنے گھروں کا سارا سامان اٹھا کر لے گئے۔ بلکہ ان کے مکانوں میں جو قیمتی لکڑی لگی ہوئی تھی اس کو ساتھ لے جانے کے لیے انہوں نے مکانوں کی چھتیں ادھیڑ دیں۔ کواڑ، کھڑکیاں، الماریاں غرضیکہ جو چیز وہ اکھیڑ کر لے جا سکتے تھے

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا

اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اسی دنیا میں

دہ لے گئے۔ اس طرح انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے شیش محلوں کو برباد کر دیا جب وہ اپنے آراستہ و پیراستہ شبستانوں کو خود گرا رہا تھا ہے تھے تو ان کے دلوں پر کیا بیت رہی ہوگی اور ان کے چلے جانے کے بعد جب مسلمان وہاں پہنچے تو باقی ماندہ کھنڈرات کو انہوں نے منہدم کر دیا تو کہ انہیں اپنے بسنے کے لیے نئے مکانات تعمیر کر سکیں۔

آیت میں لِاَوَّلِ الْحَشْرِ کا لفظ توجہ طلب ہے۔ حشر کا معنی ہے متفرق چیزوں کو جمع کرنا منتشر افراد کو اکٹھا کرنا قیامت کو حشر کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس وقت تمام انسان جو دور دراز ملکوں میں بکھرے ہوئے تھے ان کو یکجا کر دیا جائے گا۔ آیت میں حشر سے مراد کیا ہے' علماء کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ اس سے مراد بنی نضیر کی مدینہ طیبہ سے جلاوطنی ہے کیونکہ مرد و زن' خورد و کلاں شیخ و شاب کو ایک جگہ جمع کیا گیا پھر مدینہ طیبہ سے انہیں نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ ابن قتیبہ نے غریب القرآن میں اس آیہ کا مفہوم لکھا ہے۔ وھو الجلاء۔ یہاں اول کی قید سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی پہلی جلاوطنی ہے۔ دوسری جلاوطنی بھی ہوگی اور یہ عہد فاروقی میں ہوئی جب انہیں خیبر سے شام کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ ان کا آخری حشر قیامت کے دن ہوگا وہاں سے وہ سیدھے جہنم رسید ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حشر سے مراد اسلامی فوج کا ان کے محاصرہ کے لیے جمع ہونا ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب مسلمانوں نے یہود کے خلاف پہلی دفعہ لشکر کشی کی تو بغیر جنگ کیے بغیر مقابلہ کیے وہ اپنا وطن چھوڑ کر چلے گئے۔ (روح المعانی)

؎ حکم ہے کہ اس سارے واقعہ کا دقت نظر سے مطالعہ کرو۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جب کوئی فرد، کوئی جماعت، کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتی ہے اور اس کے رسول کریم کے مقابلے پر ڈٹ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں بزدلی پیدا کر دیتا ہے۔ ان کے پاس اسلحہ کے انبار کیوں نہ ہوں، ان کے مورچے کتنے ہی مستحکم کیوں نہ ہوں، کوئی چیز بھی انہیں شکست سے نہیں بچا سکتی۔

؎ یہ تو اچھا ہوا کہ وہ جلاوطنی پر آمادہ ہو گئے۔ اگر وہ جنگ کرتے تو انجام بڑا ہولناک ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے شیروں کی تلواریں جب بے نیام ہوتیں تو ان عزیزوں میں سے کوئی بھی جان بچا کر نہ جا سکتا۔ سب تہ تیغ کر دیے جاتے۔ ان کا ساز و سامان، نقدی، زیورات و جواہرات سب ان سے چھین لیے جاتے۔ انہوں نے جلاوطنی قبول کر کے اپنے آپ کو بچا لیا۔ لیکن آخرت میں جہنم کا ایندھن تو انہیں بننا ہی پڑے گا۔
وطن سے نکال دینے کے لیے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ اخراج اور جلاء۔ لیکن ان میں دو طرح کا فرق ہے۔ اگر کسی کو بال بچے سمیت ملک بدر کر دیا جائے تو اس کو جلاء کہتے ہیں۔ اخراج کا لفظ اس وقت بھی استعمال ہوتا ہے جب کسی کو تنہا ملک بدر کیا جائے نیز جلاء کا لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جبکہ ایک جتھا اور جماعت کو ملک سے نکالا جائے لیکن اخراج کا لفظ جماعت اور فرد واحد کو ملک بدر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝٣ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ

اور ان کے لیے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہے ہی ۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی تھی اللہ

وَرَسُولَهُ ۖ وَمَن يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝٤

اور اس کے رسول کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ عذاب دینے میں بڑا سخت ہے ۔ ؎

مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا

جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پر ؎

فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ۝٥ وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ

تو یہ دونوں باتیں اللہ کے اذن سے تھیں تاکہ وہ رسوا کرے فاسقوں کو ؎ اور جو مال پلٹا دیے اللہ نے اپنے رسول کی طرف

؎ یعنی جو افتاد ان پر پڑی اور بستے بستے گھروں سے انہیں کان پکڑ کر باہر نکال دیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے اور نافرمانی کو اپنا وطیرہ بنا لیا تھا۔ جو بھی اس جرم کا ارتکاب کرے گا اس کا انجام ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی شدید سزا دیتا ہے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔

؎ مسلمانوں نے جب ان کی آبادی کا محاصرہ کر لیا تو اس کے ارد گرد کا علاقہ کھجور کے باغات سے پٹا پڑا تھا ان کے قلعوں کے نزدیک ایسی کوئی کھلی جگہ نہ تھی جہاں مسلمان صفیں آراستہ کر کے ان پر حملہ کر سکیں۔ اس لیے بعض مقامات پر کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے اور جو درخت لڑائی میں حارج نہ تھے ان کو باقی رہنے دیا گیا۔ منافقین اور یہودیوں نے بات کا بتنگڑ بنا دیا کہ دیکھو لوگوں کو زمین میں فساد بپا کرنے سے روکتے ہیں اور خود ہرے بھرے پھلدار درختوں کو اس بے دردی سے کاٹ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی تشویش ہوئی کہ کہیں ان کا یہ فعل فساد فی الارض میں تو داخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن درختوں کو تم نے کاٹا ہے اور جن کو باقی رہنے دیا ہے تم پر کوئی گرفت نہیں۔ تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

اس آیت سے فقہاء نے یہ مسئلے اخذ کیے ہیں۔ مسلمانوں کا لشکر اگر کفار کے علاقہ میں داخل ہو اور انہیں اپنی جنگی ضروریات کے لیے درختوں کو کاٹنا پڑے یا کوئی مکان گرانا پڑے یا کوئی پل توڑنا پڑے یا کسی نہر کو کاٹنا پڑے تو انہیں شرعاً اس کی اجازت ہے۔ لیکن بلا ضرورت توڑ پھوڑ کی اجازت نہیں۔ ایسا کرنا فساد فی الارض میں داخل ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے جب اسلامی لشکر کو غزوۂ موتہ کی طرف روانہ کیا تو انہیں ہدایت فرمائی کہ پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا، فصلوں کو خراب نہ کرنا اور بستیوں کو نہ اجاڑنا۔ انتہائی جنگی ضروریات کے لیے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ

ان سے لے کر تو نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ ف۱۱ بلکہ

ف۹ یعنی ان درختوں کو کاٹنا اور ان کو جوں کا توں سلامت چھوڑنا دونوں کا مقصد یہ تھا کہ یہودی نافرمانوں کی تذلیل ہو۔ کاٹنے میں تو ان کی تذلیل کی یہ صورت ہے کہ جن باغات کو انہوں نے شوق سے لگایا، بڑی محنت سے ان کو پروان چڑھایا، اب مسلمان ان کو کاٹ رہے ہیں، یہودی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن بے بس ہیں، دم نہیں مار سکتے اور جو درخت باقی رہ گئے ہیں ان میں ان کی تذلیل کا پہلو یہ ہے کہ وہ ان باغات کو چھوڑے جا رہے ہیں۔ ان کے یہاں ان کے دشمن ان پر قابض ہوں گے۔ اگر ان کا بس چلتا تو ایک درخت بھی نہ چھوڑتے سب کو کاٹ دیں، جلا کر راکھ کر دیں لیکن وہ ہرے بھرے درختوں کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ان کو ایک پتا توڑنے اور ایک شاخ کاٹنے کی بھی اجازت نہیں۔ دونوں صورتوں میں ان کی ذلت و رسوائی اظہر من الشمس ہے۔

ف۱۰ یہود بنی نضیر اپنی غداری اور عہد شکنی کی پاداش میں مدینہ طیبہ چھوڑ کر خیبر و خیبرہ کی طرف چلے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اجازت دے دی کہ اسلحہ کے سوا جو سامان وہ اونٹوں پر لاد کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ اس کے بعد بھی بہت کچھ بچ گیا تھا۔ اموال منقولہ کے علاوہ جو مکانات ان کی آرزو سے بچ گئے تھے، باغات اور زرخیز زرعی اراضی اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم کو لوٹا دیں۔ یہ جملہ اموال منقولہ و غیر منقولہ سب اللہ تعالیٰ کے حبیب کے تصرف میں ہیں۔ ان پر قبضہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو کسی زحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ نہ انہوں نے گھوڑوں اونٹوں پر سوار ہو کر حملہ کیا اور نہ جنگ و قتال کی نوبت آئی۔ اس لیے ان اموال اور اراضی میں کسی کا کوئی حق نہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے رسول کی ملکیت ہے۔ جس طرح حضور چاہیں ان میں تصرف کر سکتے ہیں۔

آیت میں اَفَاءَ کا کلمہ بڑا معنی خیز ہے۔ افاء کا معنی ہے کسی چیز کو لوٹا دینا، واپس کر دینا۔ سایہ کو بھی فیئ کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی پلٹ کر واپس آ جاتا ہے۔ یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہر چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس کے حقدار اس کے فرمانبردار بندے ہیں۔ اصل میں ہر چیز انہی کی ملکیت ہے۔ نافرمان لوگ جو بعض چیزوں پر قبضہ جما لیتے ہیں وہ ان کا قبضہ مخالفانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ان چیزوں کو غاصب لوگوں سے لے کر ان کے اصلی حقداروں تک پہنچا دیتا ہے۔ یہاں بھی بنی نضیر کے جو املاک رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گئے ہیں، وہ حقیقتاً یہودیوں کے نہ تھے۔ انہوں نے انہیں غصب کیا ہوا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کے قابضانہ قبضہ کو ختم کر کے اپنے رسول کو واپس دے دیئے ہیں جو ان کے حقیقی حقدار تھے۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں: فیہ اشعار بانها كانت حرية بان تكون له صلى الله تعالى عليه وسلم وانما وقعت في ايديهم بغير حق فارجعها الله تعالى الى مستحقها (روح المعانی)۔ علامہ ابوبکر الجصاص نے احکام القرآن میں بھی اسی حقیقت کو بیان کیا ہے اور یہاں افاء کا کلمہ استعمال کرنے کی یہی حکمت ذکر کی ہے۔

اوجف، وجیف سے ہے۔ اس کا معنی ہے سرعت سیر، تیز رفتاری۔ اَوْجَفْتُمْ کا مطلب یہ ہے کہ حملہ کرتے وقت سواریاں

اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اللہ تعالیٰ تسلط بخشتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ

جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے

گھوڑے چلانا، ہنکانا، فَمَآ اَوْجَفْتُمْ۔ اَوْجَفْتُمْ تم کا دوڑنا، رکاب، اونٹوں کو کہتے ہیں۔ اس کا واحد راحلہ ہے۔ اس کے اپنے مادہ سے اس کا واحد نہیں۔ راکب صرف اونٹ کے سوار کو کہتے ہیں۔ گھوڑ سوار کو فارس کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو کفار کے اموال و املاک پر تسلط ارزانی فرماتا ہے۔ اسی سنت الٰہیہ کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بنی نضیر جیسے بہادر اور جنگجو قبیلہ کے املاک کا کسی جنگ کے بغیر مالک بنا دیا۔ بے شک ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جس کو چاہے دے دے اور جس سے چاہے لے لے۔

اس آیت کو واؤ عاطفہ کے ذریعے کلام سابق پر معطوف نہیں کیا کیونکہ جہاں عطف آتا ہے وہاں مغایرت ہوتی ہے یہاں کیونکہ پہلی آیت کا ہی تفصیلی بیان ہے اس لیے یہ گویا دونوں ایک ہیں۔ یہاں عطف کی ضرورت نہیں۔ امام رازی کا ارشاد ہے لم یدخل العاطف علی ھذہ الجملۃ لانھا بیان للاولی وھی منھا وغیر اجنبیۃ عنھا (تفسیر کبیر)

یہ پہلا موقع تھا کہ جنگ کیے بغیر کفار کے اموال اور زمین و املاک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے تھے۔ یہ اس سلسلہ کا آغاز تھا اس نے ابھی بہت پھیلنا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان املاک کی تقسیم اور ان کے حقداروں کا تفصیل سے ذکر کر دیا تاکہ مسلمانوں کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں کوئی تردد نہ ہو۔

تفصیل میں جانے سے پہلے ابتداء بحث چند چیزیں ذہن نشین کر لیں

کفار کے جو املاک مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں: یا تو کفار کو میدان جنگ میں شکست دینے کے بعد ان کے املاک پر قبضہ کیا ہو گا یا بغیر لڑے کفار نے ہار مان لی اور مسلمان ان کے علاقوں کے مالک بن گئے۔ پہلی قسم کے املاک کو غنیمت کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو فئی۔ پہلی قسم کا ذکر جب قرآن کریم نے کیا تو ان کے حصول کی نسبت مسلمانوں کی طرف کی فرمایا واعلموا انما غنمتم الآیۃ۔ دوسری قسم میں کیونکہ کسی کی کوشش کا دخل نہیں ہوتا اس لیے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے ارشاد ہے ما افاء اللہ علی رسولہ۔

اس واضح فرق کی وجہ سے ان املاک کے احکام اور مصارف بھی مختلف ہیں۔ مال غنیمت کے بارے میں تو فرمایا اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے۔ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے اور پانچواں حصہ درج ذیل مصارف میں خرچ ہو گا۔ ارشاد ربانی ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (انفال آیت ۴۱)

وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

اور رشتہ داروں ، یتیموں ، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے[۱۳]

لیکن اموالِ فئی میں سے کوئی حصہ بطور حق مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سارے کا سارا مال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم فرمائیں گے۔

فئی سے حاصل ہونے والے منقولہ اور غیر منقولہ سب اموال کا حکم یکساں ہے لیکن غنیمت سے حاصل ہونے والے اموال میں فرق ہے۔ وہ منقولہ اموال جو میدانِ جنگ اور حالتِ جنگ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں وہ اموالِ غنیمت ہیں اور ان کے احکام مندرجہ بالا آیت میں بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن غیر منقولہ املاک مثلاً مکانات، زمین، باغات، قلعے وغیرہ یہ سب فئی ہوں گے۔ اسی طرح اگر جنگ ختم ہو جانے اور اس کے بعد جو منقولہ اموال مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان کا حکم بھی فئی کا ہوگا

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد ہمایوں میں خیبر اور مکہ عنوۃً و زورِ بازو سے فتح ہوا یہاں کی زمینوں اور سکنی جائیداد پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ منقولہ املاک تو غانمین میں آیت کے مطابق تقسیم کر دی گئیں لیکن دونوں مقامات پر اراضی تقسیم نہیں کی گئیں۔ خیبر سے حاصل ہونے والی اراضی کو نصف نصف کیا گیا۔ نصف تو مجاہدین غازیوں میں تقسیم کی گئیں۔ بقیہ نصف کو بیت المال کے لیے مختص کر دیا گیا اور مکہ کی تمام اراضی ان کے مالکوں کے پاس ہی رہنے دی گئیں۔ حضور کے اس تعامل سے ثابت ہوا کہ وہ ممالک جو لشکر کشی سے فتح ہوں ان کی اراضی غنیمت نہیں ہیں۔ اسی سنت نبوی کے مطابق حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ فاتح عراق و ایران کو خط لکھا

مَا اَجْلَبُوْا بِهٖ عَلَيْكَ فِي الْعَسْكَرِ مِنْ كُرَاعٍ اَوْ مَالٍ فَاقْسِمْهُ بَيْنَ مَنْ حَضَرَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاتْرُكِ الْاَرْضِيْنَ وَالْاَنْهَارَ لِعُمَّالِهَا لِيَكُوْنَ ذٰلِكَ فِيْ اَعْطِيَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ (کتاب الخراج لابی یوسف صہ ۲۴ ۔ کتاب الاموال لابی عبید صہ ۵۹)

یعنی جو اموال منقولہ آپ کے پاس جمع ہوں ان کو مسلمانوں میں بانٹ دو اور زمینوں اور نہروں کو وہاں کے کاشتکاروں کے پاس چھوڑ دو تاکہ اس آمدنی سے مسلمانوں کو عطیات دیے جائیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جو کچھ دشمنوں کے لشکر سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے جو سامان، اسلحہ اور جانور وہ اپنے کیمپ میں سمیٹ لائیں وہ مالِ غنیمت ہوں گے اور جنگ ختم ہونے کے بعد جو چیز حاصل ہوگی وہ مالِ غنیمت نہیں ہوگی بلکہ فئی ہوگی (کتاب الاموال صہ ۲۵۴)

[۱۳] مالِ فئی اور مالِ غنیمت میں جو فرق ہے وہ آپ نے سمجھ لیا اب اموالِ فئی کے حقدار کون کون ہیں ان کی تفصیل کا ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا حقدار اللہ اور اس کا رسول ہے جمہور علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا نام نامی بطور تبرک اور حصول برکت شامل ظاہر کرنے کے لیے لیا گیا ہے۔ کما روی عن ابن عباس وحسن بن محمد بن حنفیہ افتتاح کلام للتیمن والتبرک وتعظیم لشأن الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام (تفسیر المظہری) لیکن ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مستقل علیحدہ حصہ ہے جو بیت اللہ شریف پر خرچ

کیا جائے گا۔ وہاں ضرورت نہ ہو تو دیگر مساجد اس کا مصرف ہوں گی۔ لیکن یہ درست نہیں۔

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ مستقل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کانت اموال بنی النضیر مما افاء اللہ تعالیٰ علی رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاصۃ فکان ینفق علی اھلہ منہا نفقۃ سنۃ ثم یجعل ما بقی فی السلاح والکراع عدۃ فی سبیل اللہ۔ رواہ البخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی (روح المعانی)

یعنی بنی نضیر کے اموال بغیر لشکر کشی کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو عطا فرمائے تھے پس یہ حضور کے لیے مخصوص تھے حضور اس کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کا خرچ رکھ لیتے بقیہ آمدنی جہاد کے لیے اسلحہ وغیرہ کی فراہمی کے لیے خرچ کرتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد اس حصہ کے بارے میں دو قول ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ حضور کا جو خلیفہ ہو گا یہ حصہ اس کو ملا کرے گا کیونکہ حضور کریم کو یہ حصہ بحیثیت امام اور حاکم کے ملا کرتا تھا بحیثیت رسول کے نہیں کیونکہ اس طرح اجر کا شبہ گزرتا ہے۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ حصہ بیت المال میں داخل ہو گا تاکہ اسے حضور کے مشن کی تکمیل کے لیے صرف کیا جائے۔ علماء شافعیہ میں سے اکثر کی یہی رائے ہے۔

دوسرے حقدار حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ ان سے مراد بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں۔ عبد شمس اور نوفل کی اولاد اگرچہ رشتہ میں یکساں ہے لیکن حضور نے فرمایا نحن وبنو المطلب شیئ واحد وشبک بین اصابعہ (یعنی ہم (بنو ہاشم) اور بنی مطلب ایک شے ہیں۔ پھر حضور نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیا۔ کیونکہ اسلام اور جاہلیت دونوں زمانوں میں بنو مطلب بنو ہاشم کے ساتھ رہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ بنو مطلب اور بنو ہاشم کے غنی اور فقیر مرد اور عورتیں چھوٹے اور بڑے سب حقدار ہیں۔ امام مزنی اور امام ثوری کا بھی یہی قول ہے کہ اس میں مرد، عورت، قریبی اور دور کا رشتہ دار غنی اور فقیر یکساں ہیں کیونکہ آیت مطلق ہے۔ (روح المعانی)

امام مالک کہتے ہیں الامر مفوض الی الامام ان شاء قسم بینہم وان شاء اعطی بعضہم دون بعض وان شاء اعطی غیرہم ان کان امرہم اھم من امرہم۔

یعنی اس حصہ کی تقسیم امام کی صوابدید پر ہے۔ چاہے تو بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام افراد میں اس مد کی آمدن کو تقسیم کر دے چاہے تو ان میں سے جو زیادہ ضرورت مند ہیں ان کو دے اور جنہیں ضرورت نہیں ان کو نہ دے اور چاہے تو ان کے علاوہ دوسرے افراد کو دے جن کی ضرورت ان کی ضرورتوں سے کہیں اشد ہے۔

۳: یتامیٰ۔ امت کے یتیموں کو بھی بلا امتیاز اس مد سے حصہ دیا جائے گا۔

۴: مساکین بھی اس کے مستحق ہیں۔

۵: ابن السبیل: مسافر جس کا زاد راہ ختم ہو گیا ہو وہ امداد کے مستحق ہیں۔

امام شافعی اور ائمہ ثلاثہ میں ایک اور قابل ذکر اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اموال فئی کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا چار حصے خلیفہ وقت اپنی صوابدید سے مصالح مسلمین پر خرچ کرے گا اور پانچواں حصہ ان پانچ حقداروں میں برابر تقسیم ہو گا۔ لیکن دیگر ائمہ کے نزدیک فئی کا سارا مال مصالح مسلمین کے لیے ہے۔ حکومت وقت جہاں مناسب سمجھے اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کر سکتی ہے۔

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ

تاکہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان ۱۴ اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرما دیں

۱۴ اسلام سے پہلے اس قسم کے اموال کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے قبیلہ کا سردار یا حکمران کا چوتھا حصہ لے لیتا جسے مرباع کہا جاتا۔ اگر بقیہ مال سے اسے کوئی چیز پسند آتی وہ بھی چن لیتا۔ باقی مال و دولت مند اور با اثر لوگ آپس میں بانٹ لیتے اور غریبوں کو برائے نام کوئی چیز دے دی جاتی۔ ابتدا میں مسلمانوں نے بھی اسی دستور کے مطابق عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس مال سے چوتھا لے لیں باقی مال ہم آپس میں بانٹ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس بے انصافی کو کیسے گوارا فرماتا۔ چنانچہ اموال غنیمت کی تقسیم کا الگ طریقہ مقرر فرمایا اور اموال فئی کی تقسیم کے لیے الگ طریقہ مقرر کیا گیا اور اس تقسیم کا بنیادی اصول یہ طے پایا کہ ان اموال کو اس طرح تقسیم نہ کرو کہ صرف امرا اور رؤسا ہی کے طبقہ میں ہی یہ مال گردش کرتا رہے اور غریب بیچارے حسرت سے ان کا منہ دیکھتے رہیں۔ صاف طور پر حکم دیا کہ اللہ کے نزدیک یہی چیز پسندیدہ ہے کہ وسائل معیشت کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ غریب، امیر سب یکساں فائدہ اٹھا سکیں۔

یہ اصول صرف اموال غنیمت و فئی کی تقسیم میں ہی اسلام نے ملحوظ نہیں رکھا بلکہ اسلامی نظام حیات کی یہ روح رواں ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ ملکی وسائل سمٹ کر ایک مخصوص طبقے میں مرتکز نہ ہو جائیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ان کا پھیلاؤ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو۔ اس نے تمام ایسی پیش بندیاں کر دی ہیں جن سے سرمایہ سمٹنے کے عمل کو روکا جا سکتا ہے اور اس کے دائرہ اثر کو وسیع سے وسیع تر کیا جا سکتا ہے۔

وہ پیش بندیاں جو سرمایہ کو سمٹنے سے روکتی ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈالتے جائیے:

کسب معاش کے وسائل کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ حلال اور حرام۔ حرام میں تمام ایسے وسائل ذکر کر دیے ہیں کہ ذریعہ محنت کے بغیر خطرات کا مقابلہ کیے بغیر بڑی آسانی سے دولت امڈی چلی آتی ہے۔ سود، قمار، سٹہ، ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، چور بازاری، رشوت کا شمار انہی حرام وسائل میں ہوتا ہے۔ بلاخوف تردید پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ آج جس جس جگہ آپ کو دولت کی بے پناہ ریل پیل نظر آتی ہے وہاں ان ممنوع وسائل معاش میں سے ایک آدھ کی کارفرمائی ضرور ہے۔ آج پاکستان میں بائیس خاندانوں کا رونا رویا جاتا ہے۔ ماہرین اقتصادیات خود ہی بتائیں اگر یہاں سود ممنوع ہوتا اور بڑے بڑے بینک آسان شرح سود پر انہیں قرض نہ دیتے تو کیا یہ بائیس خاندان سارے ملک کا سرمایہ سمیٹ سکتے تھے۔ سب کچھ لٹا کر راہزن کو رستہ دینے کی رسم اسلام کو پسند نہیں، وہ پہلے سے وہ راہ بند کر دیتا ہے جہاں سے راہزن کے داخلے کا امکان ہو۔

اگر پاکستان میں سماجی لوٹ مار کے ذرائع کو ختم کر دیا جائے تو چند ماہ میں آپ کو کی لا یکون دولۃ کی برکتوں کا احساس ہونے لگے۔ حلال وسائل سے جو دولت کمائی جاتی ہے وہ ضخامت میں اس قدر تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ پھر بھی اس کا بہاؤ غربا اور عوام کی طرف کرنے کے لیے اسلام نے موثر تدابیر اختیار کی ہیں۔ زکوٰۃ، عشر، صدقات اور ان کے علاوہ نظام وراثت زندگی بھر کے اندوختہ کو کس طرح بانٹ دیتا ہے کہ تصرف ہی پورا ہو جاتا ہے اور کسی پر گراں بھی نہیں گزرتا۔

الغرض یہ جملہ اسلامی نظام معاشیات کا ستون ہے۔ جسے ماہرین دیگر فرسودہ اور ناکارہ نظریات اپنانے کے بجائے اگر یکسوئی

الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۚ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ

وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ ۃ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔

إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ

بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لیے ہے جنہیں

أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ

(جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا

اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ

فضل اور اس کی رضا اور (ہمہ وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی راستباز

الصَّادِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ

لوگ ہیں ۃ اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دارِ ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں ثابت قدم ہیں مہاجرین کی آمد سے پہلے ۃ

سے اسلام کے نظام مالیات کی کیسی پوری دیانت داری اور اخلاص سے اس کو عمل جامہ پہنائیں تو کمیونزم اور کیپٹلزم کے درمیان میں پلتی ہوئی دنیا ان کی ممنون ہو گی۔

اصل مصیبت یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں زمام اقتدار ہے ان کے دل نورِ ایمان سے خالی ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے جس ذوق اور یقین کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے۔ ضرورت صرف ایسے یقین کی ہے جو تمام مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہونے کی ہمت رکھتا ہو۔ ضرورت اس ایمان کی ہے جس کے چراغ کو کوئی آندھی نہ بجھا سکے۔ جو گھپ اندھیروں کو بقعۂ نور اور رشکِ صد طور بنانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

ۃ صرف غنائم کے اموال تقسیم کرنے کے بارے میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں احکام رسالت کی پابندی کیجیے۔ انہیں سر آنکھوں پر رکھیے۔ اسی میں تمہاری فلاح ہے۔

اس آیت میں اگر غور کیا جائے تو فقہ الکار سنت کی بیخ کنی کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

ۃ علامہ زمخشری کے نزدیک للفقراء المہاجرین بدل ہے اور لذی القربیٰ الخ سے بدل ہے اور امام شافعی کے نزدیک بدل منہ الیتامیٰ والمساکین وابن السبیل ہے۔ ذی القربیٰ بدل منہ میں داخل نہیں۔ علماء نے اس پر بحث کی ہے کہ

کیا مہاجرین کے استحقاق کے لیے فقیر ہونا شرط ہے یا نہیں۔ اکثر علماء کا یہی فیصلہ ہے کہ شرط نہیں۔ بلکہ بیان حال کے لیے یہ قید ذکر کی گئی ہے۔ علامہ پانی پتی نے اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ وعندی الذین تبعوا المعطوف علی الفقراء و وصف الفقر لیس شرطا لاستحقاقهم .... وانما ذکر وصف الفقر للمهاجرین جریا علی الغالب لان اکثر المهاجرین کانوا فقراء (مظہری) یعنی میرے نزدیک ان کے استحقاق کے لیے فقیر ہونا شرط نہیں کیونکہ اس وقت مہاجرین کی غالب اکثریت فقیر تھی اس لیے بیان واقعہ کے لیے یہ قید ذکر کر دی۔ آپ نے اس موقف کی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ لان الامة اجمعت علی ان مال الفئ هو للمسلمین کافة غنیهم وفقیرهم فیصرف فی مصالحهم۔ یعنی یہ بات اس لیے کہی ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ مال فیٔ تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ غنی اور فقیر کی کوئی تخصیص نہیں سب کے مصالح میں اسے خرچ کیا جائے گا۔

وہ لوگ جنہیں اسلام لانے کے جرم میں طرح طرح کی اذیتیں دے کر گھروں سے نکل جانے پر مجبور کیا گیا تھا ان کا وقت بڑی عسرت سے گزر رہا تھا۔ ان کی مستقل آباد کاری کا ابھی انتظام نہ ہو سکا تھا جب بنی نضیر کے اموال، املاک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو عطا فرمائے تو ان لوگوں کو بھی ان کا مستحق قرار دیا گیا۔ اس طرح پہلی دفعہ ان لوگوں کی مستقل آباد کاری کے لیے اہتمام کیا گیا۔

۱۲۔ یہ معطوف ہے اور اس کا معطوف علیہ للفقراء المہاجرین ہے۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ اموال فیٔ کے حقدار صرف یہ لوگ ہی نہیں بلکہ یہ لوگ بھی ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا جا رہا ہے اور یہ انصار ہیں جنہوں نے اسلام کی جو اس انداز سے کی کہ ان کا نام ہی انصار یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار پڑ گیا۔ قیامت تک وہ اسی نام سے یاد کیے جائیں گے۔ اس پاک گروہ کا ذکر مولا کریم نے جس محبت بھرے انداز سے کیا ہے وہ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

مدینہ کے مسلمانوں یا انصار کے الفاظ سے ان کا ذکر شروع نہیں فرمایا بلکہ ارشاد ہے۔ والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلهم۔ تبوأ کہتے ہیں منزل و اقام (لسان العرب) کہیں اترنا اور وہاں اقامت گزین ہو جانا۔ الدار سے مراد دار الاسلام مدینہ طیبہ ہے یعنی جو لوگ مہاجرین کی آمد سے پہلے یہاں آباد تھے۔ والایمان ایک دوسرے فعل کا مفعول ہے۔ ای اخلصوا الایمان یعنی یہ وہ گروہ لوگ جو یہاں مقیم ہیں اور ایمان میں مخلص ہیں۔ عربی زبان میں ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ دو چیزوں سے پہلے ایک فعل ذکر کیا جاتا ہے جس کا تعلق ان دو میں سے ایک چیز کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسری چیز کے لیے مناسب حال فعل مقدر مان لیا جاتا ہے جیسے علفتها تبنا و ماء باردا۔ میں نے اس کو چارا والا بھوسا اور ٹھنڈا پانی۔ بھوسہ تو علفتها کا مفعول بن سکتا ہے لیکن ٹھنڈا پانی چارا تو نہیں کہ کھلایا جائے۔ اس کے لیے تو پلانے کا فعل ہونا چاہیے اس لیے کہتے ہیں کہ اصل روں ہے۔ علفتها تبنا و اسقیتها ماء باردا میں نے اسے بھوسہ کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا۔ اسی طرح عرب کہتے ہیں متقلدا سیفا و رمحا کہ وہ تلوار اور نیزہ حمائل کیے ہوئے میدان جنگ میں گیا۔ تلوار تو حمائل کی جاتی ہے لیکن نیزہ تو گلے میں نہیں لٹکایا جا سکتا۔ وہ کاندھے پر رکھا جاتا ہے یا ہاتھ میں پکڑا جاتا ہے۔ اس لیے اصل عبارت یوں ہو گی متقلدا سیفا و حاملا رمحا۔

علامہ ابن منظور نے اس کی ایک نرم و نازک توجیہ کی ہے کہتے ہیں جعل الایمان محلا لهم یعنی ایمان کو ان کے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا گیا جس طرح کوئی شخص اپنے مکان میں رہائش اختیار کرتا ہے اسی طرح ان اللہ کے بندوں نے ایمان کو اپنا مسکن بنا لیا ہے

يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ

محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں شلہ اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی

حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ

خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر شلہ اگرچہ خود انہیں اس چیز کی

اور مفعول سے اکتفا ہیں کچھ دوسرے قول بھی ہیں۔ اس صورت میں الایمان فعل مذکور کا مفعول ہوگا۔

شلہ ابو حیان اندلسی نے ایک اور توجیہ ابن عطیہ سے نقل کی ہے کہ دار یہاں مدینت کے معنی میں ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے

قال ابن عطیہ المعنی تبوّؤا الدار مع الایمان دکر مدینہ یعنی وہ مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر ہیں اور ایمان کی شمع روشن کیے ہوتے ہیں۔

ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے ایمان میں ان کی پختگی اور خلوص کا ذکر فرمایا۔

من قبلهم کا تعلق تبوّؤا سے ہے۔ یعنی مہاجرین کے آنے سے پہلے انصار مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔

شلہ ان کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ کر آنے والے مہاجرین سے بڑی

محبت کرتے ہیں۔ ان کی محبت کا عملی ثبوت ان کے ہر طرز عمل سے ملتا ہے۔ جب لٹے پٹے خانماں برباد مہاجر وہاں پہنچے تو انصار نے

اپنے گھروں کے دروازے ان کے لیے کھول دیے۔ اپنی زمینوں اور باغات میں ان کو حصہ دار بنا دیا۔ جن کی ایک سے زائد بیویاں تھیں انہوں

نے یہ پیشکش بھی کی کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی بیویوں کو بھی طلاق دے دیں تاکہ عدت گزارنے کے بعد مہاجر ان سے نکاح کر سکیں۔ ایسی محبت

اور اخلاص کی مثال دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ یہ صرف غلامان محبوب رب العالمین کی ہی خصوصیت ہے

شلہ مہاجرین کے ساتھ انصار کی محبت اور خلوص کی ایک روشن دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ پہلے آپ ذرا لفظی ترجمہ پر غور

کیجیے۔ فرمایا کہ وہ اپنے دلوں میں حاجت ہی نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا گیا۔ لفظ حاجت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔

کل ما يجده الانسان في صدره مما يحتاج اليه فهو حاجة۔ یعنی اموال فے جو مہاجرین میں تقسیم کر دیے گئے انصار اپنے دلوں

میں ان کی حاجت ہی محسوس نہیں کرتے۔ گویا یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کی انہیں ضرورت ہی نہیں۔ ان کے حصول کی ان کے دلوں

میں خواہش ہی نہیں۔ استغنا کا یہ کتنا اونچا مقام ہے۔ علامہ راغب کہتے ہیں الحاجة الى الشيء الفقر اليه مع محبته۔ یعنی کسی چیز کی

حاجت کا معنی یہ ہے کہ اس سے محبت بھی ہو اور اس کی ضرورت بھی ہو۔ وقیل الحاج ضرب من الشوك۔ ایک قسم کا کانٹا ہے

جسے حاج کہتے ہیں۔ یعنی اس تقسیم سے ان کے دلوں میں قطعاً کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی۔ وہ اس سے کانٹے کی چبھن محسوس کرتے ہیں۔

جب بنی نضیر کے اموال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبضہ و تصرف میں آ گئے تو حضور نے ثابت بن قیس بن شماس کو یاد

فرمایا۔ انہیں حکم دیا کہ اپنی قوم کو بلا لائیں۔ انہوں نے عرض کی اپنے قبیلہ خزرج کے لوگوں کو بلا لاؤں یا سب انصار کو؟ فرمایا سب کو۔ جب

اوس و خزرج حاضر ہو گئے تو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر انصار کی ان قربانیوں کا ذکر فرمایا جو

انہوں نے مہاجرین کے لیے دیں پھر فرمایا اگر تم چاہو تو تمہارے اموال اور بنی نضیر کے اموال سب یکجا کر دیے جائیں، پھر ان سب کو مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دیا جائے اور اگر تمہاری مرضی ہو تو تمہارے مکانات اور زمینیں جو تم نے مہاجرین کو دے رکھی ہیں وہ تمہیں واپس کر دی جائیں اور بنی نضیر کے اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیے جائیں۔

اللہ! اللہ! کیا روح پرور منظر ہو گا۔ کیا نور برس رہا ہو گا اس محفل پر۔ حضور کا ارشاد سن کر سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ! بل تقسمہ بین المہاجرین ویکونوا فی دورنا کما کانوا۔ یا رسول اللہ! ہمارے مال ان کے پاس ہیں اور رہنے دیجیے اور بنی نضیر کے سب اموال بھی ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجیے۔ سب انصار نے ان کی تائید کرتے ہوئے عرض کیا رضینا و سلمنا یا رسول اللہ! ہمیں یہ تجویز منظور ہے ہم اس پر خوش ہیں۔ اس ایثار کو دیکھ کر اللہ کے محبوب کا دل خوش ہو گیا، زبان اقدس سے دعا مانگی۔ اللھم ارحم الانصار۔ الٰہی مدینہ کے ان بے لوث مددگاروں پر اپنی خصوصی رحمت فرما۔ چنانچہ انصار کے مشورہ سے یہ تمام اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیے گئے۔ انصار میں سے صرف تین آدمیوں کو جو بہت نادار تھے سعد، ابو دجانہ، سہیل بن حنیف۔ ان کے علاوہ مشہور یہودی سردار ابن ابی الحقیق کی تلوار حضرت سعد بن معاذ کو عطا فرمائی گئی۔ انصار کی یہ کمال استغنا بے نیازی، غلامان حبیب کبریا علیہ اجمل الصلوۃ واطیب الثناء کا ہی حصہ ہے۔ جمال یار نے جن کے دلوں اور آنکھوں سب کو سیراب کر دیا تھا۔

نخستین بادہ کاندر جام کردند
ز چشم مست ساقی وام کردند

ان کے کمال استغنا کی توصیف اسی پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ارشاد ہوتا ہے ویؤثرون علی انفسھم الخ یہ نہیں کہ مالی طور پر وہ بڑے تونگر تھے، ہر چیز کی ان کے پاس بہتات تھی اس لیے وہ اموال کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ درحقیقت وہ خود ضرورت مند تھے۔ ان کی مالی حالت بھی قابل رحم تھی لیکن وہ اپنی ضرورت پر اپنے مہاجر بھائیوں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔ حضور نبی مکرم کے اسوۂ حسنہ نے اسلامی معاشرے کو بھی اس رنگ میں رنگ دیا تھا۔

ایک روز ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا عرض کیا سخت بھوکا ہوں۔ حضور نے ازواج مطہرات سے پوچھا وہاں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ صحابہ کو فرمایا کوئی ہے جو آج رات اس کی میزبانی کرے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔ انصار میں سے ایک آدمی اٹھا اور عرض کی یہ سعادت میں حاصل کروں گا اور اس فرد کو اپنے گھر لے گیا۔ اپنی بیوی سے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا مہمان ہے۔ اس کی خدمت میں بخل نہ کرنا۔ اس نے کہا بخدا میرے پاس تو بچوں کے کھانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انصاری نے کہا بچوں کو بہلا کر سلا دینا جب ہم کھانا کھانے بیٹھیں تو دیا بجھا دینا آج رات ہم بھوکے گزار دیں گے۔ جب کھانا تیار ہوا تو بچوں کو سلا دیا گیا۔ وہ نیک خاتون دیے کو درست کرنے کے بہانے اٹھی اور دیا بجھا دیا۔ ایک ہی دستر خوان پر سب بیٹھ گئے۔ میاں بیوی اس طرح ظاہر کرتے رہے کہ وہ کھا رہے ہیں۔ مہمان کو احساس تک نہ ہونے دیا کہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔ رات بھوکے گزار دی۔ صبح بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا لقد اعجب اللہ او ضحک من فلان و فلانۃ فلاں شخص اور اس کی زوجہ نے جو کام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بہت پسند کیا

خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۚ

شدید حاجت ہو اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں ۲۰

ہے یا اللہ تعالیٰ اس پر ہنسے ہیں۔

اسی طرح ایک دفعہ کسی آدمی نے بکری کا سر ایک صحابی کو بطور تحفہ بھیجا۔ انہوں نے خیال کیا کہ میرے فلاں بھائی کا بیوی بچہ بال بچے ہے اس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس کی طرف وہ سر بھیج دیا اس نے تیسرے کے پاس بھیجا غرضیکہ سات گھروں سے پھر کر پہلے آدمی کے پاس واپس پہنچ گیا۔

جنگ یرموک میں جب اسلام کو فتح ہوئی تو لوگ زخمیوں کو پانی پلانے کے لیے میدان جنگ میں مشکیزے لے کر پہنچ گئے۔ ایک جگہ عکرمہ ، کون عکرمہ؟ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ زخموں سے چور پڑا تھا۔ پانی پلانے کے لیے پیالہ آگے بڑھایا گیا تو پاس سے العطش، العطش کی آواز آئی۔ عکرمہ نے اشارہ کیا مجھے رہنے دو میرے بھائی کے پاس جاؤ۔ اس کے پاس گئے تو کسی اور نے العطش کی صدا بلند کی۔ اس نے کہا مجھے چھوڑو اسے جا کر پانی پلاؤ۔ پانی پلانے والا وہاں پہنچا تو وہ جام شہادت سے اپنی پیاس بجھا چکا تھا۔ اسی طرح دوسرا اور جب عکرمہ کے پاس آیا تو وہ بھی جنت الفردوس کو سدھار چکے تھے۔ (ابن کثیر)

یہ قرآنی تعلیمات کا اعجاز تھا اور حضور کی نگاہ کرم کا فیض تھا۔

تلك الشح ، البخل وقيل هو البخل مع الحرص ، وقيل البخل بالمال والشح بالمال والمعروف یعنی شح کا معنی بخل ہے۔ بعض نے کہا بخل اور حرص کے مجموعہ کو شح کہتے ہیں۔ بعض نے کہا مال میں کنجوسی کو بخل کہتے ہیں۔ مال اور کوئی نیک کام کرنے میں کنجوسی کو شح کہتے ہیں۔

آخر میں ایک اصولی بات بتا دی کہ جس کو شح سے بچا لیا گیا وہی فلاح پانے والا ہے۔

عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اياكم والظلم فان الظلم ظلمات يوم القيامة واتقوا الشح فان الشح اهلك من كان قبلكم۔

یعنی حضرت جابر نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز تہ در تہ اندھیروں کی صورت میں نمودار ہوگا اور شح سے بچو کیونکہ تم سے پہلے جو قومیں تھیں ان کو اسی بخل نے ہلاک کر دیا۔

ایک دوسری حدیث پاک میں ہے اياكم والشح فانه اهلك من كان قبلكم امرهم بالظلم فظلموا وامرهم بالفجور ففجروا وامرهم بالقطيعة فقطعوا۔

یعنی شح سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ اس نے جو تم سے پہلے تھے ان کو ہلاک کر دیا۔ وہ اس طرح کہ جب بخل نے ان کو ظلم کرنے کا حکم دیا تو وہ ظلم کرنے لگے۔ جب انہیں فسق و فجور کا حکم دیا تو وہ اس کا ارتکاب کرنے لگے اور جب انہیں قطع رحمی کا حکم دیا تو انہوں نے قطع رحمی اختیار کر لی۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ

اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے ۲۱ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور

آخر میں ایک اور حدیث بھی سن لیجیے عن انس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال برئ من الشح من ادی الزکاۃ وقری الضیف واعطی فی النائبۃ۔ (ابن کثیر)

یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے زکوٰۃ ادا کی، مہمان کی ضیافت کی، ناگہانی مصیبت میں کسی کی امداد کی اس نے شح سے رہائی حاصل کر لی۔

قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا اگر جو شح سے بچ جائے کیونکہ انسان کا از خود اس بیماری سے بچنا بہت مشکل ہے بلکہ فرمایا جس کو شح سے بچا لیا گیا یعنی جس پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اس مذموم خصلت سے بچا لیا وہی بچ سکتا ہے۔

۲۱ اس کا عطف للفقراء المهاجرين پر ہے۔ اس آیت سے بتا دیا کہ اموال فئی میں مہاجرین و انصار کے علاوہ یہ لوگ بھی حقدار ہیں یعنی وہ مسلمان جو قیامت تک آئیں گے۔

یہ آیتیں اسلامی بیت المال کی آمدن کے ذرائع، ان کی حیثیت اور ان کے مصارف متعین کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں اس لیے ہم ذرا تفصیل سے بحث کریں گے۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کے بارے میں جو بشارتیں دی تھیں وہ عملی صورت میں نمودار ہونے لگیں۔ اس وقت ان وسیع و عریض اراضی کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا۔ بعض صحابہ کرام جن میں عبدالرحمن بن عوف، زبیر اور بلال رضی اللہ عنہم پیش پیش تھے انہوں نے امیر المومنین سے مطالبہ کیا کہ ان اراضی کو ان کے کسانوں سمیت خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ فاروق اعظم کو یہ رائے پسند نہ آئی۔ آپ نے حضرت سیدنا علی سے مشورہ کیا۔ انہوں نے بھی یہ رائے دی کہ دعھم یکونوا مادۃ للمسلمین۔ (کتاب الخراج لابی یوسف) یعنی زمینوں کو ان کے کاشتکاروں سمیت رہنے دیجئے تاکہ عام مسلمانوں کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنی رہیں۔ حضرت معاذ بن جبل کی رائے بھی تھی کہ ان اراضی کو تقسیم نہ کیا جائے ورنہ یہ وسیع و عریض زرخیز زمینیں چند فاتحین کی اولاد میں محصور ہو کر رہ جائیں گی عام مسلمانوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا بندوبست پھر کیسے ہو سکے گا۔ (کتاب الاموال، فتح الباری جلد ۶) چنانچہ امیر المومنین نے مجلس شوریٰ طلب کی اور اس کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا۔ یہ بحث دو تین دن تک جاری رہی۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت ابن عمر اور دیگر حضرات حضرت عمر سے متفق تھے لیکن دوسرے لوگ ابھی مطمئن نہ تھے۔ ایک رات امیر المومنین اسی مسئلہ میں غور و فکر کر رہے تھے کہ آپ کے خیال میں سورۃ حشر کی یہ آیتیں آ گئیں۔ صبح جب شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا تو آپ اٹھے اور آپ نے فرمایا مجھے کتاب اللہ سے دلیل مل گئی ہے جو اس بارے میں فیصلہ کن ہے۔ پھر آپ نے یہی آیات ما افاء اللہ سے ربنا انک رؤف رحیم تک تلاوت کیں اور ان سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان املاک میں صرف اس زمانہ

کے لوگوں کا ہی حصہ نہیں بلکہ بعد میں آنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ شریک کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ان مفتوحہ اراضی کو غانمین میں تقسیم کر دیں اور بعد میں آنے والوں کے لیے کچھ نہ چھوڑیں نیز آپ نے آیت کے اس جملہ سے بھی استدلال کیا ہے کئی لَا یَکُونَ دُولَۃً۔ (احکام القرآن جصاص) اگر انہیں تقسیم کر دیا گیا تو یہ اموال و دولت مندوں کے ایک طبقہ میں ہی چکر لگاتے رہیں گے آپ کی یہ تقریر سن کر تقسیم کا مطالبہ کرنے والے اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے اور اسی رائے پر امت کا اجماع ہو گیا۔

امیر المومنین نے حضرت عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان کو زمین کی پیمائش اور درجہ بندی کے لیے روانہ کیا اور ان کی رپورٹ کے مطابق ان اراضی پر خراج مقرر کیا گیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ اگرچہ حجاز کے صحرائی باشندے تھے جہاں اس قسم کی اراضی کا فقدان ہے لیکن انہوں نے سواد عراق کی اراضی کی جو درجہ بندی کی وہ اس قدر درست ثابت ہوئی کہ عرصہ دراز تک لارڈ کی قدرت سے نہ رہی۔ صحرا نشینوں کو یہ فہم کہاں سے نصیب ہوا کہ وہ زرخیز اراضی کی اس طرح درجہ بندی کر سکیں جو وہاں کے ماہرین زراعت سے بھی ممکن نہ تھی۔ اس کے بغیر اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب نگاہ نبوت کا فیضان تھا کسی کو جرنیل بنا دیا کسی کو مالیات کا ماہر بنا دیا کسی کو اراضی کی حیثیت متعین کرنے کی استعداد بخش دی۔ بے ساختہ یہ کہنا پڑتا ہے۔

حسن کی آپ نے خیرات سب کو دی   پھول کو رنگ دیا مہر کو تابانی   (حضرت قمر سیالوی)

ابوبکر جصاص لکھتے ہیں دلّ ذلک علی ان الغانمین لا یستحقون ملک الارضین والرقاب الا بطیب انفس الامام (احکام القرآن للجصاص) اس سے معلوم ہو گیا کہ زمین اور اس پر کھیتی باڑی کرنے والے کاشتکار مجاہدین میں تقسیم نہیں کیے جائیں گے۔ عہد نبوت میں اس قسم کی اراضی کے بارے میں جو معمول اختیار کیا گیا اس کے بارے میں جصاص لکھتے ہیں، فحصل بدلالۃ الآیۃ واجماع السلف والسنۃ تخییر الامام فی قسمۃ الارضین او ترکھا ملکا لاھلھا ووضع الخراج

اس آیت، اجماع امت اور سنت سے یہ نتیجہ نکلا کہ اراضی کی تقسیم کا مسئلہ امام وقت کی صوابدید پر موقوف ہے چاہے تو پہلے مالکان کے قبضہ میں ہی رہنے دے اور ان پر خراج عائد کر دے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زمین کی تقسیم کے بارے میں علما کا اختلاف ہے۔ وقال مالک للامام ان یوقفھا لمصالح المسلمین وقال ابو حنیفۃ الامام مخیر بین ان یقسمھا او یجعلھا وقفا لمصالح المسلمین وقال الشافعی لیس للامام حبسھا عنھم بغیر رضاھم یعنی امام مالک کہتے ہیں کہ امام کو حق پہنچتا ہے کہ ان اراضی کو مسلمانوں کے عام مفادات کے لیے وقف کر دے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ امام کو اختیار حاصل ہے کہ چاہے انہیں تقسیم کر دے اور چاہے تو مسلمانوں کے مفادات کے لیے وقف کر دے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ مجاہدین کی خوشنودی کے بغیر امام از خود ان اراضی کو وقف نہیں کر سکتا۔

لیکن خیبر وغیرہ کی اراضی کے بارے میں حضور کا عمل اور حضرت فاروق اور تمام صحابہ کا اجماع احناف کے مسلک کی تائید کرتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول بیان ہوتا ہے جس میں آپ نے ہر قسم کے اموال کے مصارف کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے پہلے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ تا عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ فرمایا اموال صدقہ کے مصرف یہ لوگ ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت کی وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ تا ابْنِ السَّبِیْلِ۔ فرمایا مال غنیمت کے حقدار یہ لوگ ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت کی مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی تا وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ الآیۃ۔ فرمایا اس آیت نے تمام مسلمانوں کو گھیر لیا ہے۔ اگر میں زندہ

لِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا

ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں

رہا تو آئندہ سال بھی جو جائے کہ اس کا حصہ وہاں پہنچے گا جہاں وہ اپنے ڈنگر چرا رہا ہے۔ یہ حصہ لینے میں اس کو کسی مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ (تفسیر احمدیہ اور دیگر کتب)

اس بحث کے آخر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ وہ اموال جن میں ائمہ اور حکام کو تصرف و مداخلت کا حق ہے ان کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) جو اموال مسلمانوں کے دلوں اور ان کے اموال کو پاک کرنے کے لیے ان سے لیے جائیں جیسے زکوٰۃ، صدقات وغیرہ۔

(۲) وہ اموال جو کفار سے لڑائی کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوں انہیں غنائم کہا جاتا ہے۔

(۳) اموال فئی جو جنگ اور لشکر کشی کے بغیر مسلمانوں کو حاصل ہوں۔ ان میں یہ اموال بھی شامل ہیں:

ا: صلح سے جو سامان، مکانات اور اراضی کفار چھوڑ کر چلے جائیں جیسے اموال بنی نضیر۔

ب: جزیہ جو اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا پر لگایا جاتا ہے اور اس کے ادا کرنے کے بعد وہ جنگی خدمات سے مستثنیٰ قرار دے دیئے جاتے ہیں۔

ج: خراج جو مفتوحہ (عنوۃً یا صلحاً) اراضی پر لگایا جاتا ہے۔

د: وہ کسٹم ڈیوٹی جو کافر تاجروں سے وصول کی جاتی ہے جب وہ اسلامی ریاست میں داخل ہوتے ہیں۔

ہ: وہ مال دیا جائے جنہیں چھوڑ کر مشرکین بھاگ جائیں۔

و: وہ اموال جن کے کافر مالک مر جائیں اور اپنے پیچھے کوئی وارث چھوڑ کر نہ جائیں۔ (قرطبی جلد ۱۸ صفحہ ۱۲)

علامہ کاسانی نے چند اموال کا اور اضافہ کیا ہے۔

ز: وہ خراج جو کسی علاقہ کے لوگوں نے جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں سے امان حاصل کرنے کے لیے ادا کرنا قبول کر لیا ہو۔

ح: وہ اراضی جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی۔

ط: سابق حکمران خاندانوں کی جاگیریں

ی: سابق حکومتوں کے املاک۔

ک: بنی تغلب کی زکوٰۃ۔ (بدائع الصنائع جلد ۷ صفحہ ۱۱۶-۱۱۸)

ان اموال کے مصرف کے بارے میں امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام مالک کی رائے یہ ہے لا یخمس بل جمیعہ لمصالح المسلمین کسد الثغور وبناء القناطیر والجسور ویعطی القضاۃ والمحتسبین وعمالہم وعلماءہم کذلک الصحابیۃ۔ (مظہری ج ۹ ص ۲۳۹)

یعنی ان اموال کا خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ تمام کے تمام عام مسلمانوں کی بہبود کے لیے خرچ کیے جائیں گے جس طرح سرحدوں

غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١٠ اَلَمْ تَرَ اِلَى ع

بغض اہل ایمان کے لیے اے ہمارے رب بے شک تو رؤف رحیم ہے ۲۲ کیا آپ نے منافقوں

الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب

الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ

میں سے کہ اگر تمہیں یہاں سے نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات

اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل

کی حفاظت، پلوں کی تعمیر، قاضیوں، دیگر ملازمین اور ان کے ماتحتوں وغیرہ کی تنخواہیں۔

۲۲ یہ بعد میں آنے والے جنہیں اموال فئی کا حقدار بنایا گیا ہے ان کے حصول میں ان کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ یہ مہاجرین اور انصار کی قربانیوں کا پھل کھا رہے ہیں۔ اس لیے ان کا فرض ہے کہ ان کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

انسان کی بدبختی ہے کہ اپنی زندگی ان پاک ہستیوں کی غیبت میں ضائع کر دے جن کی تعریف و توصیف سے قرآن بھرا ہوا ہے۔

عمرو بن شرجیل کا یہ قول بڑا عبرت آموز ہے۔ کہتے ہیں کہ رافضی یہود و نصاریٰ سے بھی ایک قدم آگے ہیں۔ اگر یہود سے پوچھا جائے کہ تمہاری ملت میں سب سے افضل کون ہے؟ تو وہ جواب دیں گے اصحاب موسیٰ۔ عیسائیوں سے یہی سوال پوچھا جاتا ہے تو وہ کہیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری۔ لیکن اگر رافضیوں سے پوچھا جائے کہ من شر اھل ملتکم، تمہاری ملت سے بدترین لوگ کون ہیں تو یہ بدبخت کہیں گے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ ان کے لیے دعائیں مانگو، اپنے دلوں کو سابقہ مسلمانوں کے بغض سے پاک رکھو لیکن رافضیوں کی زندگی کا مدعا یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان نفوس قدسیہ کے بارے میں نفرت و عناد پیدا کریں جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام کے نام پر قربان کر دیا تھا۔ استغفر اللہ العظیم

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ پچھلوں کو پہلوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنی چاہیے۔ اس سے ان کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور ان کے مدارج بلند ہوتے ہیں۔

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا

جھوٹ بول رہے ہیں۔ (دیکھو) اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ۔ اور اگر ان سے جنگ کی گئی

لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر (بالفرض) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی ۲۳

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

(اے فرزندان اسلام!) ان (دو رخوں) کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے ۲۴ یہ اس لیے کہ

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ

وہ ناسمجھ لوگ ہیں ۲۵ یہ سب اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تم سے جنگ نہیں کریں گے۔ جنگ کریں گے تو قلعہ بند

اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۚ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ

بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ لے کر ۲۶ ان کا اختلاف آپس میں بہت سخت ہے تم انہیں متحد

۲۳ جب حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور بنی نضیر کے درمیان کشیدگی بڑھ رہی تھی کسی وقت بھی جنگ چھڑ جانے کا امکان تھا اس وقت وہاں کے منافقوں نے جن کے سرغنہ عبداللہ ابن ابی اور ابن نتل تھے کہلا بھیجا کہ مسلمانوں سے ڈرو نہیں، ان کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ تم اکیلے نہیں ہو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، ضرورت پڑی تو ہم دو ہزار مسلح بہادروں کا لشکر لے کر تمہارے ساتھ آملیں گے تمہیں جلاوطن ہونے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کو ماننے سے صاف انکار کر دو اگر مدینہ چھوڑنا ہی پڑا تو تم تنہا مدینہ نہیں چھوڑو گے ہم تمہارے ساتھ اس شہر کو چھوڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتا دیا کہ یہ منافق محض بک رہے ہیں۔ اگر جنگ شروع ہوئی تو یہ ہرگز ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اگر بنی نضیر کو یہاں سے نکلنا پڑا تو یہ ہرگز ان کے ساتھ نہیں جائیں گے بفرض محال اگر ان بزدلوں نے میدان میں آنے کی جسارت کی تو تمہیں دیکھتے ہی بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ یعنی اسی طرح ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

۲۴ اللہ تعالیٰ کے خوف سے تو ان کے دل خالی ہیں لیکن تمہاری ہیبت سے وہ تھر تھر کانپ رہے ہیں، ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے جو مالک و قادر ہے لیکن یہ پرلے درجے کے بے وقوف ہیں

۲۵ اگر ان کے ساتھ کہیں جنگ کی نوبت آجائے تو کھلے میدان میں تمہارے ساتھ جنگ کرنے کی جرأت ہرگز نہیں کریں گے

جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾

خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں ۲۲ۓ یہ اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں ۲۳ۓ

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ۖ ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَ

یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ اور

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ

ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۲۴ۓ منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے

اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ

انکار کر دے۔ اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو

مگر اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند ہو کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر کوئی ایک آدھ تیر چلا دیں تو اور بات ہے۔ کھل کر مقابلہ کی ہمت ان میں کہاں سے آئے گی۔ جرأت تو پیدا ہوتی ہے حق سے، زندگی سے محبت اس وقت عزیز معلوم ہوتی ہے جب حق کے لیے مرمٹنے کا موقع آئے یا کوئی بلند نصب العین سامنے ہو۔ یہاں تو زیادہ سے زیادہ جیتے رہنے کے سوا اور کوئی مقصد ہی نہیں۔ یہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیسے میدان میں آسکتے ہیں۔

۲۲ۓ ان کی ایک اور پوشیدہ کمزوری سے مسلمانوں کو خبردار کر دیا کہ بظاہر تو یہ متفق اور متحد دکھائی دیتے ہیں لیکن حقیقت ایسی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت کے بغیر ان کے سامنے کوئی قدر مشترک نہیں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا چراغ بجھ جائے۔ اللہ کے اقتدار ان کے مادی مفادات کو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے جو خطرہ ہے وہ ٹل جائے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں جو انہیں متحد کر سکے۔ ایک دوسرے کے خلاف ان کے دلوں میں حسد و عداوت کا جوالا مکھی دہک رہا ہے۔

۲۳ۓ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل و دانش سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

۲۴ۓ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی مخالفت میں کمربستہ ہو جاتے ہیں ان کا انجام بڑا عبرتناک ہوتا ہے۔ ابھی ابھی بدر میں تم قریش کی نخوت کو پامال ہوتے دیکھ چکے ہو۔ بنی قینقاع کا جو حشر ہوا وہ تمہیں بھولا نہ ہو گا۔ تمہارے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے گا۔

الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا

رب العالمین ہے ۲۹؎ پھر ان دونوں (شیطان اور اس کے چیلے) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ

اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ

ہے جو تم کرتے رہتے ہو ۳۰؎ اور ان بدنصیبوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے ان کو

۲۹؎ شیطان کا یہ کام ہے کہ وہ پہلے دوست اور خیر خواہ کے روپ میں آتا ہے اور انسان جب اس کے جال میں پھنس جاتا ہے تو وہ اسے بے یار و مددگار بے بس کر کے رفو چکر ہو جاتا ہے۔ بدر کے موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔ کئی لوگوں نے ابوجہل کو مشورہ دیا کہ جس قافلہ کی حفاظت کے لیے تم گھر سے نکلے تھے وہ بخیریت مکہ پہنچ گیا ہے۔ اب اس لشکر کشی کا کوئی مقصد نہیں۔ ہمیں واپس چلے جانا چاہیے۔ لیکن شیطان ایک نجدی سردار کے لباس میں نمودار ہوا اور یہ کہہ کر انہیں اکسایا لا غالب لکم الیوم من الناس انی جار لکم۔ آج کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا میں تمہارا پشت پناہ ہوں۔ لیکن جب دونوں لشکر ٹکرائے تو یہ کہتا ہوا دم دبا کر بھاگا انی بریٔ منکم انی اریٰ ما لا ترون انی اخاف اللہ رب العالمین۔ اے ابوجہل اور اس کے ساتھیو! میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے۔

شیطان کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے۔ یہی حالت ان منافقین اور بنی نضیر کی تھی۔ پہلے وہ بنی نضیر کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہے لیکن وقت پڑا تو منہ پھیر لیا۔

۳۰؎ یہود کے تمرد اور عہد شکنی کی سزا اور منافقین کے مکر و نفاق کے ذکر کے بعد اب ایمان والوں کو جھنجھوڑا جا رہا ہے اور انہیں نصیحت کی جا رہی ہے کہ اے فرزندان اسلام! تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ۔ ہوشیار! ایسی راہ پر قدم نہ اٹھے جس سے تمہارا رب تمہیں روکتا ہے اور اس کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہو۔ نیز یہ بھی تاکید فرمائی کہ ہر شخص اپنا محاسبہ کرتا رہے کہ اس نے اپنی عاقبت کے لیے کیا ذخیرہ تیار کیا ہے۔ جو شخص آج کی خوشیوں میں یوں گم ہو جائے کہ اسے کل کا ہوش نہ رہے وہ دانا نہیں، نادان ہے۔ تم ایسا نہ کرو۔ تم اللہ تعالیٰ کے حبیب کے غلام ہو قیامت کے روز تمہاری شان نرالی ہونی چاہیے تمہاری زندگی کے گرد نور کا ہالہ ہو۔

أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ

خود فراموش بنا دیا ۔ یہی نافرمان لوگ ہیں ۳۱؎ یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی

وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾ لَوْ أَنزَلْنَا

اور اہل جنت ۔ اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں اگر ہم نے اتارا ہوتا

هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ

اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اس کو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا اور پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف

اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾

سے ۔ اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ غور و فکر کریں ۳۲؎

اس نورانی ہالہ کے اندر تم چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے رہو یہ خوب نعمت ہے۔ دوبارہ پھر تقویٰ کی تاکید فرما دی اور بتا دیا کہ تم جو کچھ کام کرتے ہو تمہارا خدا ذوالجلال اس سے خوب باخبر ہے۔

۳۱؎ بڑی اہم حقیقت کی طرف بڑے ہی دل نشیں پیرایہ میں متوجہ کیا جا رہا ہے۔ بتایا جو خدا کو فراموش کر دیتا ہے وہ صرف خدا فراموش ہی نہیں ہوتا وہ خود فراموش بھی بن جاتا ہے۔ اسے اپنے نفع و نقصان کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ کام اس کے لیے مفید ہو گا۔ اس کی فارغ البالی کا سبب بنے گا۔ اس کی عزت کو چار چاند لگنے کا اس کے اقتدار کو استحکام بخشنے کا۔ درحقیقت وہ کام اس کی ہلاکت کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ تاریخ انسانی میں اس کی بیسیوں نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل عام جاری کر رکھا تاکہ کوئی ایسا بچہ جنم نہ لے سکے جو کل اس کے قصر اقتدار کو مسمار کر دے۔ لیکن یہی اقدام اس کی غیر مقبولیت کا سبب بنا۔ بنی اسرائیل بھی ہمیشہ کے لیے اس سے متنفر ہو گئے۔ اپنی قوم میں بھی اس کی حیثیت ایک ظالم قاتل کی رہ گئی۔ ابوجہل ابولہب اس لیے اسلام میں داخل نہ ہوئے کہ ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ وہ اب قوم کے سردار ہیں۔ مسلمان ہونے کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کے رسول کا غلام بن کر رہنا پڑے گا۔ ان کی یہی دانشمندی ان کی بربادی کا باعث بن گئی۔ ہر جگہ آپ کو یہ حقیقت کارفرما نظر آئے گی کہ جو شخص خدا فراموش ہوتا ہے وہ خود فراموش بھی ہو جاتا ہے۔ اپنا خیر اندیش بھی وہی ہو سکتا ہے جو اپنے رب کے ذکر کی شمع کو روشن رکھتا ہے۔ کس عمدگی سے ذکر الٰہی کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

۳۲؎ یعنی پہاڑ کو اگر عقل و فہم عطا کیا جاتا اور پھر قرآن اس پر نازل کیا جاتا تو وہ اس کی ہیبت و جلال سے سر تسلیم خم کر دیتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ انسان جو ایک مشت خاک ہے اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسے کلام کے مواعظ میں غور نہ کرے اور اس

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ

اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۴۳ جاننے والا ہر پوشیدہ اور ہر ظاہر چیز کا ۴۴ وہی

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ

بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب کا بادشاہ،

الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ

نہایت مقدس، سلامتی دینے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے ۴۵

چشمۂ فیض سے سیراب نہ ہو۔

۴۳ ان آخری آیات میں شرح و بسط کے ساتھ صفات جلیلہ حمیدہ کاملہ کا بیان ہو رہا ہے یعنی جس خدا کی عبادت، اطاعت اور فرمانبرداری کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے وہ خدا کن کن صفات کمال سے متصف ہے۔ سب سے پہلے اس کی شان توحید بیان کی گئی۔ وہی خدا ہے، وہی معبود ہے۔ اس کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں جو خدائی کے تخت پر جلوہ فرما کے کوئی ایسی ہستی ہے ہی نہیں جو عبادت و پرستش کے لائق ہو۔ اگر کسی چیز میں کوئی کمال یا کمالات پائے جاتے ہیں تو اس میں نقائص و عیوب کی بھی کمی نہیں۔ اگر کوئی اور نقص نہ ہو تو اس نقص سے تو اس کے سوا کوئی بھی منزہ نہیں کہ وہ ممکن ہے یعنی پہلے نہیں تھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور پھر نہیں ہو گا۔

۴۴ صفت توحید بیان کرنے کے بعد اس کی صفت علم کا ذکر فرمایا کہ اس کا علم ادھورا اور ناقص نہیں بلکہ وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو ہم سے چھپی ہوئی ہیں اور ان کو بھی جانتا ہے جو ظاہر ہیں۔ ماضی بھی اس کے سامنے ہے، مستقبل بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ رحمٰن و رحیم بھی ہے۔ اس کی رحمت بے اندازہ ہے۔ دنیا و آخرت میں اپنا اور بیگانہ سب اس کے خوان نعمت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

۴۵ دیگر صفات بیان کرنے سے پہلے ایک بار پھر اس کی توحید کا ذکر کیا۔ یہاں جو اسمائے حسنیٰ مذکور ہیں اختصار کے ساتھ ان کی لغوی تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔

الملک : بادشاہ جو چاہے کرے اور اس کے عمل پر کسی کو مجال اعتراض نہ ہو۔

القدوس۔ المنزہ من کل نقص والطاہر من کل عیب۔ جو ہر نقص سے منزہ اور ہر عیب سے پاک ہو۔

السلام۔ ای ذو سلامۃ من النقائص۔ یعنی ہر قسم کی خامیوں سے محفوظ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو آلام و مصائب سے بچاتا ہے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ

پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں ۳۶ وہی اللہ ہے، خالق، موجد کرنے والا، صورت دینے والا ۳۷ سب اچھے نام اسی کے ہیں

المومن - ای المصدق لرسلہ باظہار معجزاتہ علیہم۔ اپنے انبیاء سے معجزات کا اظہار کر کے ان کی رسالت کی تصدیق فرماتا ہے یا اپنے دوستوں کو عذاب سے امن دینے والا ہے۔

المھیمن، الشاہد۔ گواہ۔ اور اس کو بھی کہتے ہیں جو کسی کو خوف سے امان دے۔ اس کا اصل اَمِن ءَ اُمُوْمِنٌ ہے۔ دوسرا ہمزہ یاء سے اور پہلا ہمزہ ہاء سے بدل دیا گیا۔ اس طرح مہیمن بن گیا۔ (الصحاح)

العزیز: زبردست۔ سب پر غالب۔

الجبار: المصلح امور خلقہ المتصرف فیہم بما فیہ صلاحہم یعنی اپنی مخلوقات کے امور کو درست کرنے والا اور ان میں ایسا تصرف کرنے والا جس میں ان کی فلاح اور بہبود ہوتی ہے۔ اس صورت میں یہ جبر سے مشتق ہوگا جس کا معنی اصلاح ہے۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی پر پٹی باندھ کر اسے درست کرنے کو بھی جبر کہتے ہیں جبرت العظم فجبر۔ اس کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ جس کی سطوت کو برداشت نہ کیا جا سکے۔ الذی لا تطاق سطوتہ۔ قال ابن عباس ہو العظیم

المتکبر: جس کی عظمت و کبریائی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے متکبر ہونا صفت ہے لیکن مخلوق کے لیے یہ ذمت کا سبب ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں۔ فی الصحیح عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال فیما یرویہ عن ربہ تبارک وتعالیٰ انہ قال الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری ومن نازعنی فی واحد منہما قصمتہ وقذفتہ فی النار۔

ترجمہ: حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے۔ جو ان کو اوڑھنے کی کوشش کرے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا اور اس کو دوزخ میں پھینک دوں گا۔

۳۶ یعنی اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو ان صفات و کمالات سے متصف ہے۔ جن کو ان احمقوں نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے کیا ان میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں یا ان میں سے کوئی ایک خوبی پائی جاتی ہے جب ان کمالات کا ان میں شائبہ تک نہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا کتنی بڑی حماقت ہے۔ اس لیے آخر میں فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان معبودان باطل سے پاک ہے جنہیں یہ نادان اس کا شریک بنا رہے ہیں۔

۳۷ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں۔

خالق، اندازہ کرنے والا اور باری اس اندازے اور تجویز کو عملی جامہ پہنانے والا۔ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا منصوبہ بھی بناتا ہے تجویز بھی کرتا ہے۔ اندازے بھی مقرر کرتا ہے اس لیے وہ خالق ہوا اور ان اندازوں کے مطابق انہیں پیدا بھی کرتا ہے اس لیے وہ باری بھی ہوا۔

۳۸ المصور، تصویر بنانے والا۔ یعنی جس طرح چاہتا ہے اس قسم کی شکل عطا فرما دیتا ہے کسی کو خوبصورت کسی کو بدصورت

ع ۳

الْحُسْنٰى ۚ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

خوبصورت نام اسی کے ہیں۔ اس کی تسبیح کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ۵۵ اور وہی عزت والا حکمت والا ہے ۵۶

کسی کو کیسے کسی کو کیسے۔ انگنت انسان ہیں لیکن کسی کی شکل کسی کے ساتھ ہو بہو نہیں ملتی۔ ہر پیدا ہونے والے انسان کے لیے الگ نقشہ علیحدہ علیحدہ خدوخال بنانا یہ اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

۵۵ یہاں اس کے خوبصورت اور پیارے ناموں میں سے چند اسماء ذکر کیے گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ سارے خوبصورت نام اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ ہر چیز اسی کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔

۵۶ وہی عزیز ہے وہی حکیم ہے۔ قوت و حکمت کا یہ امتزاج کتنا حسین اور معنی خیز ہے۔

یا من له الاسماء الحسنی اسئلک بکل اسم هو لک سمیت به نفسک او انزلته فی کتابک او علمته احدا من خلقک او استاثرت به فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذهاب همی وغمی۔

اللهم صل وسلم وبارک علی سیدنا ومولانا وحبیبنا وقرة عیوننا وراحة خاطرنا محمد وعلی آله وصحبه ومن تبعه باحسان الی یوم الدین۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃُ المُمتحنۃ

نام : اس سورت کا نام اس کی آیت فَامْتَحِنُوْهُنَّ سے ماخوذ ہے۔ اسے مُمْتَحِنَہ اور مُمْتَحَنَہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا امتحان لینے والی سورت، اور دوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا وہ عورت جس کا امتحان لیا گیا ہے۔ یہ دو رکوعوں، تیرہ آیتوں، تین سو اڑتالیس کلمات اور ایک ہزار پانچ سو دس حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول : اس سورۃ میں جو واقعات مذکور ہیں ان سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں یہ سورت نازل ہوئی۔

مضامین : حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی مہم پر جانے کا ارادہ فرماتے تو اس کو صیغۂ راز میں رکھتے تاکہ دشمن قبل از وقت مطلع ہو کر اپنے دفاع کی تیاری مکمل نہ کر لے۔ اذنِ الٰہی کے مطابق جب فتح مکہ کے لیے تیاری شروع کی گئی تو حسب معمول نہایت رازداری سے کام لیا گیا تاکہ کفار مکہ اس منصوبہ پر آگاہ ہو کر کوئی جوابی کارروائی نہ کر سکیں۔ حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک سنگین غلطی سرزد ہوئی۔ ان کے بال بچے مکہ میں تھے وہاں ان کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار نہ تھا جو ان کا پرسانِ حال ہوتا۔ انہوں نے خفیہ طور پر مکہ کے ایک سردار کو خط لکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادہ سے انہیں آگاہ کیا تاکہ وہ اس احسان کے بدلے ان کے بال بچوں کا خیال رکھے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ تو آیات کی تشریح کے ضمن میں آئے گا۔ یہاں فقط اتنا اشارہ کرنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو سخت تنبیہ فرمائی کہ ایمان لانے کے بعد کفار کے ساتھ تمہارا یارانہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے۔ تم اپنی صاف دلی کے باعث انہیں بھی اپنے جیسا خیال کرتے ہو حالانکہ کفر نے ان کو ان صفات عالیہ سے محروم کر دیا ہے جن کی تم ان سے توقع رکھتے ہو۔ ان کے سینوں میں تمہارے خلاف بغض و عناد کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ اگر تم نے احتیاط سے کام نہ لیا تو تم خود بھی نقصان اٹھاؤ گے اور مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا کر دو گے۔ اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تم پر ذرہ برابر رحم نہیں کریں گے اور ہر ممکن ذریعہ سے تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے جب ان کے قریبی رشتہ داروں نے ان کی دعوت توحید کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے ان سے مکمل بائیکاٹ کر دیا۔ تمہیں بھی چاہیے کہ اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کرو۔

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت کر دی گئی کہ قطع تعلق فقط ان کفار کے ساتھ ہے جو تم سے برسرپیکار ہیں۔ جنہوں نے

تمہیں جلاوطن کر دیا ہے لیکن جو کافر تمہارے خلاف جارحیت کے مرتکب نہیں ہیں اُن سے ایسے مکمل بائیکاٹ کا حکم نہیں دیا جا رہا۔

صلح حدیبیہ کے بعد ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ معاہدہ صلح میں یہ تو طے پایا تھا کہ اگر کوئی مسلمان مرد آج کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے گا تو اسے واپس کر دیا جائیگا۔ لیکن عورتوں کے بارے میں کوئی صراحت نہ تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد کئی عورتیں جو مسلمان ہو چکی تھیں وہ اپنے کافر شوہروں کو مکہ میں چھوڑ کر مدینہ طیبہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ شرائط صلح کی رو سے کیا انہیں بھی واپس کر دینا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب کوئی عورت ہجرت کر کے تمہارے پاس آ جائے تو تم اس کے ایمان کا جائزہ لو۔ اگر وہ سچے دل سے ایمان لائی ہو تو اسے مت واپس کرو کیونکہ آج سے کوئی مومن عورت کسی مشرک کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح کئی مسلمان مرد اپنی کافر بیویاں مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ اُن کے بارے میں بھی بتا دیا کہ کافر عورتیں بھی مسلمانوں کے عقد نکاح میں باقی نہیں رہیں گی۔ وہ اب آزاد ہیں جس سے چاہیں شادی رچائیں۔ ان کے بارے میں تفصیلی احکام آیات کی تشریح کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

مکہ مکرمہ فتح ہونے والا تھا اور دن طلوع ہونے کے قریب تھا جب مردوں کی طرح عورتیں گروہ در گروہ اسلام قبول کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو قبل از وقت بتا دیا کہ جب مشرک عورتیں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوں تو ان امور پر ان کی بیعت لی جائے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۲۳۔۴۔۷۷

سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّہِیَ ثَلٰثَ عَشْرَۃَ اٰیَۃً وَّفِیْہَا رُکُوْعَانِ

سورہ الممتحنہ مدنی ہے اور اس میں ۱۳ آیتیں اور ۲ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ

اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (اپنے) جگری دوست ۱

۱ ان آیات کی شانِ نزول حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کے جامع الفاظ میں سماعت فرمایئے:

بنی ہاشم کے خاندان کی ایک باندی سارہ مدینہ طیبہ میں سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئی جبکہ حضور فتح مکہ کا سامان فرما رہے تھے۔ حضور نے اس سے فرمایا کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا ہجرت کر کے آئی ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا پھر کیوں آئی؟ اس نے کہا محتاجی سے تنگ ہو کر۔ بنی عبد المطلب نے اس کی امداد کی، کپڑے بنائے، سامان دیا۔ حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ملے۔ اس کو دس دینار دیئے، ایک چادر دی اور ایک خط اہلِ مکہ کے پاس اس کی معرفت بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں، تم سے اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ہو سکے کرلو۔ سارہ یہ خط لے کر روانہ ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس کی خبر دی۔ حضور نے اپنے چند اصحاب کو جن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے گھوڑوں پر روانہ کیا اور فرمایا مقام روضہ خاخ پر تمہیں ایک مسافر عورت ملے گی، اس کے پاس حاطب ابن ابی بلتعہ کا خط ہے جو اہلِ مکہ کے نام لکھا گیا ہے۔ وہ خط اس سے لے لو اور اس کو چھوڑ دو، اگر انکار کرے تو اس کی گردن مار دو۔ یہ حضرات روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پایا جہاں حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس سے خط مانگا وہ انکار کر گئی اور قسم کھا گئی۔ صحابہ نے واپسی کا قصد کیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر خلافِ واقعہ ہو ہی نہیں سکتی اور تلوار کھینچ کر عورت سے فرمایا یا خط نکال یا گردن رکھ۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت بالکل قتل کرنے کو آمادہ ہیں تو اپنے جوڑے میں سے خط نکالا۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اے حاطب! اس کا کیا باعث؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جب سے ایمان لایا کبھی میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے حضور کی نیاز مندی میسر آئی کبھی حضور کی خیانت نہیں کی اور جب سے اہلِ مکہ کو چھوڑا کبھی ان کی محبت نہ آئی لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں قریش میں رہتا تھا اور ان کی قوم سے نہ تھا۔ میرے ساتھ اور جو مہاجرین ہیں ان کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جو ان کے گھر بار کی نگرانی کرتے ہیں۔ مجھے اپنے گھر والوں کا اندیشہ تھا اس لیے میں نے یہ چاہا کہ اہلِ مکہ پر کچھ احسان رکھ دوں تاکہ وہ میرے

گھر والوں کو دستانہیں اور میں یقین سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اہل مکہ پر عذاب نازل فرمانے والا ہے۔ میرا یہ خط انہیں بچا نہ سکے گا۔
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا اور ان کی تصدیق کی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ حضور نے فرمایا اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اللہ تعالیٰ خبردار ہے جب اس نے اہل بدر کے حق میں فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کے آنسو جاری ہو گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ (قرآن العرفان)

اگرچہ یہ آیتیں حضرت حاطبؓ کے متعلق نازل ہوئیں لیکن ان میں روئے سخن صرف انہی کی طرف نہیں بلکہ ساری ملت اسلامیہ کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ سب کو نصیحت کی جا رہی ہے اور ایسی غلطی کے ارتکاب سے روکا جا رہا ہے جس سے اسلام اور اہل اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، خواہ اس کی نیت کچھ بھی ہو۔

اس آیت کے ضمن میں قاضی ابن العربی الاندلسی نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں چند مفید مسائل لکھے ہیں جن کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

۱۔ اگر کوئی مسلمان اسلامی حکومت کے سربستہ راز دشمن تک پہنچاتے تو اس کا یہ فعل اگرچہ سنگین جرم اور کبیرہ گناہ ہے لیکن وہ اس سے دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا بشرطیکہ اس کے ایمان میں کوئی تزلزل نہ ہو۔ اگر اس طرح کفر لازم آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حاطبؓ کو از سرِ نو مسلمان ہونے کا حکم فرماتے۔

۲۔ کیا ایسا مسلمان واجب القتل ہے۔ امام مالک، ابن قاسم اور اشہب فرماتے ہیں کہ امام جو سزا اسے مناسب سمجھے دے سکتا ہے۔ عبد الملک کہتے ہیں کہ اگر یہ چیز اس کی عادت بن جائے تو اسے قتل کر دیا جائے گا کیونکہ وہ جاسوس ہے اور امام مالک جاسوس کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس نے مسلمانوں کو ضرر پہنچایا اور ملک میں فتنہ و فساد برپا کیا۔ وھو صحیح لاضرارہ بالمسلمین وسعیہ بالفساد فی الارض۔

حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ غلطی صرف ایک بار صادر ہوئی تھی اس لیے معاف کر دیا گیا۔

۳۔ اگر جاسوس کافر ہو تو امام اوزاعی کہتے ہیں کہ ذمی کا عہد جاسوسی کرنے سے ٹوٹ جاتا ہے اور حربی جاسوس کو قتل کرنا جائز ہے۔ مسلمان اور ذمی جاسوس کو سخت سزا دی جائے گی لیکن اگر وہ بار بار ایسا کریں گے اور مسلمانوں کے خلاف دشمن کی مدد کریں گے تو انہیں بھی قتل کی سزا دی جا سکتی ہے۔

یہاں سے ایک اور مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے جس کی آج کل اشد ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی شخص پر وطن دشمنی کا یا کوئی اور الزام عائد کیا جائے تو ایسے شخص کو اس وقت تک سزا نہیں دی جا سکتی جب تک اس کی تحقیق نہ کر لی جائے اور ملزم کو اپنی صفائی کا موقع نہ دیا جائے۔ محض الزام اور شک پر کسی کو سزا دینا اسلامی قانون میں ہرگز جائز نہیں۔ جب حضرت حاطبؓ کا خط پکڑا گیا تو انہیں صفائی پیش کرنے کا موقع دیا گیا اور ان کے اس بیان کو بھی جس کی تائید دیگر قرائن و شواہد سے ہو رہی تھی تسلیم کر لیا گیا۔

حضرت حاطبؓ جن سے یہ جرم سرزد ہوا تھا ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تو اس کی ابتدا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ

تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے ؎ حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں اس دین حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے۔

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ

انہوں نے نکالا ہے رسول (مکرم) کو اور تمہیں بھی (مکہ سے)، محض اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر

سے کی گئی۔ حضرت حاطب نے جب یہ آیت سنی تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی کہ ان کی اس غلطی کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کی جمعیت سے خارج نہیں کر دیا گیا۔ حیث سر المصطفیٰ اور عتاب پر اکتفا کیا گیا ہے اور عتاب اسی کو کیا جاتا ہے جس سے محبت ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

اعاتب ذا المودة من صديق	اذا ما رابني منه اجتناب
اذا ذهب العتاب فليس ود	ويبقى الود ما بقي العتاب

یعنی میں اس دوست کو ہی عتاب کرتا ہوں جس سے محبت ہو۔ جب مجھے یہ شک گزرے کہ وہ مجھ سے اجتناب کر رہا ہے۔

جہاں عتاب نہ ہو وہاں محبت نہیں ہوتی۔ جب تک عتاب کا سلسلہ باقی ہے محبت بھی باقی ہے

اس آیت میں چند فقرے اور چند الفاظ توجہ طلب ہیں۔

عدو اگرچہ واحد ہے لیکن اس کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ زمخشری کہتے ہیں والعدو. فعول من عدا كعفو من عفا ولكونه على زنة المصدر اوقع على الجمع ايقاعه على الواحد۔ (کشاف)

یعنی یہ مصدر کے وزن پر ہے اس لیے یہ جمع اور واحد دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

؎ تلقون اليهم بالمودة کا مفہوم کیا ہے اور کلام سابق سے اس کا ربط کیا ہے؟

ربط کے بارے میں تین قول ہیں: (۱) لا تتخذوا کی ضمیر کا حال ہے۔ (۲) اولیاء کی صفت ہے۔ (۳) یہ کلام مستانف ہے۔ یہ نیا جملہ ہے۔ پہلے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

بالمودة کی باء زائدہ برائے تعقیب بھی ہو سکتی ہے اور ثابتہ بھی ہو سکتی ہے۔

پہلی صورت میں القاء بالمودة کا معنی اظہار المودة ہو گا (روح المعانی) یعنی تم ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہو۔ دوسری صورت میں یہ باء تعدیہ کے لیے ہو گی اور مودة "تلقون" کا مفعول ہو گا۔ اس کا معنی وہی ہو گا جو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اگر باء سببیت کے لیے ہے تو اس وقت تلقون کا مفعول محذوف ماننا پڑے گا۔ عبارت یوں ہو گی تلقون اليهم اخبار رسول الله صلى الله عليه وسلم بسبب المودة التي بينكم وبينهم (کشاف) یہاں "القاء" ارسال کے معنی میں ہو گا یعنی تم رسول اکرم کی خبریں ان کو بھیج

كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي

تم جہاد کرنے نکلے ہو میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے (تو) انہیں دوست مت بناؤ ۲

تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا

تم چوری چھپے ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو ۳ حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے اور جو

أَعْلَنْتُمْ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١﴾

تم نے ظاہر کیا۔ اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہ راست سے

گویا بھیجتے ہو اس محبت کی وجہ سے جو تمہارے درمیان اور ان کے درمیان ہے۔

۲ ان کنتم خرجتم الخ یہ شرط ہے۔ اس کی جزا محذوف ہے اور کلام سابق لا تتخذوا اس پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اگر تم اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے لیے نکلے ہو اور اس کی رضا کے طالب ہو تو کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔

۳ تسرون الیہم الخ یہ تلقون سے بدل بھی ہو سکتا ہے لیکن مناسب یہ ہے کہ اس کو کلام مستانف بنایا جائے۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ا۔ تفضون الیہم مودتکم سرا یعنی تم انہیں اپنی محبت اور دوستی کا چپکے چپکے یقین دلاتے ہو۔ دوسرا مفہوم یہ ہے تسرون الیہم اسرار رسول اللہ بسبب المودۃ (کشاف) کہ تم باہمی دوستی کی وجہ سے حضور کے رازان تک پہنچاتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہاری ساری حرکتوں کو خوب جانتا ہے۔ تم لاکھ چھپانے کی کوشش کرو اس علیم و خبیر سے نہیں چھپا سکتے۔

آیت کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اے ایمان والو! جو لوگ میرے دین کے دشمن ہیں اور جو لوگ تمہارے بھی دشمن ہیں ان کو اپنا دوست مت بناؤ۔ تم ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہو حالانکہ وہ اس دین حق کا انکار کرتے ہیں جو تمہارے پاس اللہ کا رسول لے کر آیا ہے اور ان کی عداوت کی اس سے بڑی روشن دلیل تمہیں اور کیا چاہیے کہ انہوں نے اللہ کے محبوب رسول کو بھی گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور تمہیں بھی جلاوطن کر دیا۔ تم نے ان کا کوئی قصور نہیں کیا تھا تم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔ ان کی نظروں میں تمہارا اللہ پر ایمان لانا ایک ایسا گناہ ہے جو قابل عفو نہیں۔ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے میدان میں آئے ہو اور اس کی خوشنودی کے جویا ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ تم انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔ تم میں سے بعض لوگ خفیہ طور پر کفار کو اپنی دوستی اور خیر خواہی کا یقین دلاتے ہیں، کیا انہیں یہ بات بھول جاتی ہے کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے اور اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی اور کھلی ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔ قیامت تک آنے والے مسلمانوں میں سے اگر کسی نے ایسی غلطی کی تو وہ راہ راست سے بھٹک گیا اور اپنی منزل سے بہک گیا۔

إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ

اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ

وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٢﴾ لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ

اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم (اس کی طرح) کافر بن جاؤ ف نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار

وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا

اور نہ تمہاری اولاد روزِ قیامت۔ اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان اور اللہ تعالیٰ جو

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣﴾ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ

تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے ٹ بے شک تمہارے لیے خوب صورت نمونہ ہے ابراہیم

ف علامہ آلوسی کہتے ہیں ان یثقفوکم ای ان یظفروا بکم یعنی اگر وہ تم پر غالب آجائیں اور تم پر قابو پالیں۔

اس آیت میں حاطب اور ان کی روش اختیار کرنے والوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر یہ کفار تم پر غالب آجائیں اور تم پر قابو پالیں تو ایسی عداوت اور بربریت کا مظاہرہ کریں کہ تمہیں پاش پاش کر دیا جائے۔ وہ ہاتھوں سے تمہیں تہ تیغ کرنے میں دریغ نہ کریں گے اور زبان سے تم پر گالیوں کی بوچھاڑ کریں گے۔ تم پر طرح طرح کے بہتان تراشیں گے تم سادہ لوح لوگ ہو۔ ان کے دلوں میں تمہارے لیے عداوت و حسد کا آتش فشاں دہک رہا ہے اور تمہیں خبر تک نہیں۔ وہ صرف تمہارے مال اور تمہاری جان کے دشمن ہی نہیں بلکہ ان کی بس چلے تو آنکھ جھپکنے میں تمہارے ایمان کی متاع عزیز کو تاخت و تاراج کر ڈالیں تمہارے ایمان کے چراغ کو گل کر دیں اور پھر گھپ اندھیروں میں تمہیں تا ابد ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیں۔ جان، مال، آبرو اور ایمان کے دشمنوں کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ بندہ مومن کو تو ایسے دشمنوں سے ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیے۔

ٹ حضرت حاطب کو مال بچے کی محبت نے اس حرکت پر اکسایا تھا۔ بتا دیا کہ قیامت کے دن یہ رشتہ دار اور اولاد کسی کام نہ آئے گی۔ ہر شخص کو اپنے کفر کی سزا خود بھگتنی پڑے گی۔ یفصل بینکم یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا کہ تم ایک دوسرے سے بھاگنے میں اپنی سلامتی سمجھو گے۔ اسی چیز کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه وصاحبته و بنیه۔

یعنی اس دن انسان بھاگے گا اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے۔

وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا

اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں، جب انہوں نے برملا کہہ دیا اپنی قوم سے کہ ہم بیزار ہیں تم سے اور ان معبودوں

تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ

سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا، ہم تمہارا انکار کرتے ہیں شہ اور ظاہر ہو گئی ہمارے اور تمہارے درمیان

الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا

ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر شہ مگر

شہ اپنے قریبی رشتہ داروں سے، اپنے بیوی بچوں سے قطع تعلق کوئی آسان کام نہیں لیکن ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہو تو ایمان کو بچانے کے لیے ماں باپ سے، بہن بھائی سے، بیوی بچوں سے بھی اگر قطع تعلق کر لینا پڑے تو ذرا نہ گھبراؤ۔ سارے رشتے توڑ دو۔ سارے بندھن کاٹ ڈالو جو تمہارے ایمان میں رخنہ اندازی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے وفاشعار متبعین اور ساتھیوں کی مثال پیش کی کہ دیکھو انہوں نے اپنے خداوند کریم کو راضی کرنے کے لیے کس طرح ان تعلقات کو پس پشت ڈال دیا اور کس جوش سے برملا اعلان کر دیا کہ ہمارا اور تمہارا اب کوئی تعلق نہیں رہا۔ ہمارا تمہارے معبودوں سے بھی کوئی سروکار نہیں۔ بے شک حکومت واقتدار تمہارے پاس ہے۔ جاگیریں اور زمینیں تمہارے قبضہ میں ہیں اور دولت وثروت کے انبار تمہارے ہاں لگے ہیں لیکن تمہاری حیثیت ہماری نظروں میں خس وخاشاک سے بھی کم ہے۔ ہمیں تمہاری اور تمہارے جاہ وجلال کی ذرا پروا نہیں۔

یہاں کفرنا بکم کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہم تمہارے بھی منکر ہیں اور تمہارے خداؤں کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور یہ کام بھی ایسا ہی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے وہ طاغوت سے کفر ضرور کرتا ہے۔ اسے معبودان باطل کا انکار ضرور کرنا پڑتا ہے۔ فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی۔ یعنی جو شخص طاغوت سے انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اس نے درحقیقت مضبوط سہارا پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔

لیکن کفرنا بکم کا ایک دوسرا مفہوم بھی علمائے تفسیر نے ذکر کیا ہے۔ علامہ آلوسی کی عبارت ملاحظہ ہو۔ والکفر بہ ثانی مجاز مرکب عن عدم الاعتداد ... قیل انا لا نعتد بشانکم ولا بشان الہتکم وما انتم عندنا علی شیء۔

یعنی بطور مجاز یا کنایہ کفر سے مراد یہاں عدم اعتداد ہے، پروا نہ کرنا۔ گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم تمہیں خاطر میں نہیں لاتے ہیں اور نہ تمہارے خداؤں کی پروا کرتے ہیں۔ ہماری نگاہوں میں تمہاری ذرہ بھر کوئی وقعت نہیں۔

شہ ابراہیم اور آپ کے ساتھیوں نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ اے ہماری قوم کے کافرو! تو قریبی تعلقات

قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ

ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا اس سے مستثنیٰ ہے کہ میں ضرور مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اور میں مالک نہیں ہوں

مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ

تمہارے لیے اللہ کے سامنے کسی نفع کا [4] پھر کہا اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری طرف

الْمَصِيْرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا

ہی ہمیں لوٹ کر آنا ہے [5] اے ہمارے رب! ہمیں نہ بنالے فتنہ کافروں کے لیے اور ہمیں بخش دے

رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ

اے ہمارے رب! بے شک تو ہی عزت والا اور حکمت والا ہے [6] بے شک تمہارے لیے ان میں خوبصورت

سابقہ دوستیاں، بھائی چارے ہم ان سب کو یک قلم منسوخ کرتے ہیں جب تک تم کفر سے باز نہیں آؤ گے ہم تمہارے دشمن رہیں گے تمہیں تباہ کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے۔ ہم سے اب پہلے پیار اور محبت کی توقع نہ رکھنا۔ اگر تم راہ راست پر آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرلو تو ہم دوبارہ شیر وشکر ہو جائیں گے۔

[4] پہلے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اور ان کا طرز عمل تمہارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس کی تمہیں اقتدا کرنی چاہیے۔ یہاں سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ایک بات ایسی ہے جس کی تمہیں اقتدا نہیں کرنی چاہیے۔ وہ یہ کہ انہوں نے اپنے کافر باپ کی مغفرت کے لیے دعا مانگی۔ تمہیں ایسا کرنا جائز نہیں۔ آپ نے بھی اپنے باپ کو صاف صاف بتا دیا کہ اگر تو شرک سے باز نہ آیا تو میں تیرا کچھ بھلا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ای ما ادفع عنک من عذاب اللہ شیئا ان اشرکت به (قرطبی)

[5] حضرت ابراہیم اور آپ کے ساتھیوں نے اپنی قوم سے قطع تعلق کرنے کے بعد اللہ عزوجل کی جناب میں دست بدعا ہو کر عرض کیا کہ الٰہی! ہم نے سارے سہارے ختم کر دیے۔ اب ہمارا بھروسہ صرف تیری ذات پر ہے۔ دنیا بھر سے منہ موڑ کر ہم نے اپنا رخ اب تیری طرف کر لیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم نے ایک روز تیرے پاس لوٹ کر آنا ہے۔

[6] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اے اللہ کفار کو ہم پر مسلط نہ فرما۔ ای لا تسلطهم علینا۔ قاله ابن عباس۔ فالفتنة مصدر بمعنی المفعول۔ اس صورت میں فتنہ جو مصدر ہے اسم مفعول کے معنی میں ہوگا۔ اس فتنہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کفار غالب آجائیں اور ان کا یہ غلبہ کہیں اس غلط فہمی میں مبتلا کر دے کہ وہ حق پر ہیں۔ اس لیے ان کو فتح نصیب ہوئی ہے۔ کفر وشرک اور فسق وفجور جس پر وہ کاربند ہیں یہی حق اور سچ ہے۔ نیز کفر کے غلبہ سے اس فتنہ کا بھی اندیشہ ہے کہ بعض ضعیف الایمان

أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ

نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ اور روزِ قیامت کا امیدوار ہے۔ اور جو

يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝٦ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ

روگردانی کرے (اس سے) تو (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا ۶ یقیناً اللہ پیدا فرما دے گا

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ

تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم (اس کی رضا کے لیے) دشمنی رکھتے ہو محبت۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۱۳ اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے

لوگ اس کو اسلام کے باطل ہونے کی دلیل نہ بنا لیں اور یوں مزید منحرف نہ ہوجائیں اور یہ بھی فتنہ ہے کہ مسلمان کسی عذاب اور تکلیف سے دل برداشتہ ہوکر کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جو اسلام کے اجلے دامن پر ایک بدنما داغ بن جائے۔ الغرض قرآن کے یہ الفاظ اتنے جامع ہیں کہ فتنہ کی جتنی امکانی شکلیں ہیں ان سب کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور حبیب خدا مومن ان کلمات سے اپنے رب کے حضور دعا مانگ رہے تو وہ گویا اپنے آپ کو اور دوسرے لوگوں کو گوناگوں فتنوں سے بچانے کے لیے التجا کر رہا ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن جلد دوم سورہ یونس آیت ۸۵)

۱۲ اس پاکیزہ اور بہترین نمونہ سے وہی استفادہ کر سکتا ہے جو تسلیم کرتا ہے کہ قیامت کا دن آئے گا اور اسے اس کی قبر سے اٹھا کر عالم الغیب والشہادہ کی بارگاہ میں پیش کر دیا جائے گا جہاں اس سے گزشتہ زندگی کے بارے میں بازپرس کی جائے گی وہی ایسے نمونوں کی قدر کرتا ہے وہی ان پاکبازوں کے نقش قدم کو مشعل راہ بناتا ہے۔

۱۳ اہل ایمان نے اپنے تعلقات اور رشتے کفار سے منقطع کر دیے۔ اسلام کے لیے اگر ان کے سر قلم کرنے کی بھی کبھی نوبت آئی تو انہیں اس میں ذرا تامل نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل ایمان کو یہ مژدہ سنایا کہ عنقریب یہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے کفر کی جو خلیج تمہارے اور ان کے درمیان حائل ہے وہ بھر جائے گی پھر تم آپس میں شیر و شکر ہو جاؤ گے۔ اسلام کو سربلند دیکھنے کی جو لگن آج تمہارے دلوں کو بے قرار کر رہی ہے یہی تڑپ انہیں بھی بخش دی جائے گی۔ تم شانہ بشانہ کھڑے ہو کر باطل کا سر غرور خاک میں ملانے کے لیے جہاد کرو گے۔ سابقہ محبت اور پیار نئے روپ میں ظاہر ہو گا اور یہ روپ، بلحاظ پہلے روپ سے زیادہ توانا اور دلکش ہو گا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ فتح مکہ کے بعد کفار جوق در جوق فوج در فوج مشرف باسلام ہونے لگے اور تعلقات کے دیرینہ رشتے پھر سے استوار ہو گئے۔

يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن

دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ

تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝٨ إِنَّمَا

احسان کرو ۱۲ اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو ۱۳ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم

اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے

مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن

گھروں سے نکالا یا مدد کی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو

۱۲ پہلی آیت میں کفار کو دوست بنانے سے روک دیا اس کی وجہ یہ بتائی کہ انہوں نے حضور نبی کریم کو اور اپنے تصور مسلمانوں کو اپنے وطن اور اپنے گھروں سے نکال دیا۔ اس آیت میں ان کفار سے حسن سلوک کی اجازت دی جا رہی ہے جنہوں نے مسلمانوں سے نہ جنگ کی اور نہ انہیں جلا وطن کیا۔

حضرت صدیق اکبر کی ایک بیوی قتیلہ نامی تھی جس کو آپ نے قبل از اسلام طلاق دے دی تھی۔ اس کے بطن سے آپ کی صاحبزادی حضرت اسماء تھیں۔ ہجرت کے بعد وہ اپنی بیٹی کے لیے چند تحفے تحائف لے کر مدینہ آئی حضرت اسماء نے اسے گھر آنے سے روک دیا اور تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کا ذکر انہوں نے بارگاہ رسالت میں کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسماء کو اجازت دی کہ وہ اپنی ماں کو گھر میں آنے دے اس کے تحائف قبول کرے اور اس کے ساتھ احسان و مروت کا برتاؤ کرے۔

۱۳ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کفار نے تمہارے خلاف جنگ نہیں لڑی اور نہ انہوں نے تمہیں کوئی اذیت پہنچائی ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ نیکی اور احسان کا رویہ اختیار کرو۔ اگر تم محارب کافروں کی طرح ان مصالح کافروں کے ساتھ بھی جبر و تشدد کرو گے تو یہ عدل و انصاف کے خلاف ہو گا۔ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ ایسے کفار کے ساتھ تو انصاف کرو جنہوں نے تم پر زیادتی نہیں کی اور جنہوں نے تم پر زیادتی کی ہے ان پر تمہیں ظلم کرنے کی اجازت ہے۔ اسلام کسی کے ساتھ کسی حالت میں ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ علامہ ابن عربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ تقسطوا کا معنی یہ ہے کہ ایسے کفار کو بطور تبرع اور حسن سلوک اپنے اموال کا کچھ حصہ دو تاکہ ان کی دلجوئی ہو جائے۔ یہاں تقسطوا سے مراد عدل نہیں کیونکہ عدل تو مسلمان پر ہر حالت میں واجب ہے خواہ معاملہ جنگجو کفار سے ہو خواہ ایسے کفار سے جنہوں نے جنگ نہیں کی۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔ قوله تعالىٰ تقسطوا اليهم اى تعطوهم قسطًا

يَّتَوَلَّهُمْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا

انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی اپنے آپ پر ظلم توڑنے والے ہیں ۹ اے ایمان والو! جب

جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِإِيْمَانِهِنَّ

آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے ۱۰ تو ان کی جانچ پڑتال کر لو ۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو۔

من امو الكم وليس يريد به من الصدل فان العدل وليب في من قاتل وفي من لم يقاتل (احکام القرآن)

۹ جو لوگ ایسے دشمنان جان و ایمان سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہیں وہ ظالم ہیں۔ ان کی یہ حرکت ان کی قوم اور خود ان کے حق میں تباہ کن ثابت ہوگی۔ وہ اپنے معاونین کے باعث ان کے شر سے مطمئن ہو جائیں گے اور وہ ان کو غافل پا کر ایسا دھکا دیں گے کہ پھر اٹھ نہیں سکیں گے۔ بلاشبہ ایسا شخص بڑا ظالم ہے۔

۱۰ حدیبیہ کے موقع پر جو معاہدہ طے پایا تھا اس میں کفار مکہ کی طرف سے ان کے نمائندے سہیل ابن عمرو نے یہ شرط پیش کی تھی کہ اگر کفار کا کوئی آدمی مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ آجائے گا تو کفار اس کو مکہ واپس لے جاسکتے ہیں لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں کفار کے پاس آجائے تو مسلمان اس کو واپس لینے کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

چنانچہ ابو بصیر جو اہل مکہ کے مظالم سے بہت تنگ تھے حدیبیہ میں پہنچ گئے لیکن اس معاہدے کا پاس کرتے ہوئے حضور نے انہیں واپس کر دیا۔ بعد ازاں مسلمان عورتیں بھی ترک وطن کر کے مدینہ طیبہ آنے لگیں۔ عقبہ ابن ابی معیط جو اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھا اس کی لخت جگر ام کلثوم کشاں کشاں مدینہ پہنچیں۔ اس کے علاوہ سبیعہ بنت الحارث اور امیمہ بنت بشر اپنے ازدواجی بندھنوں کو توڑتی ہوئی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئیں اور یہ سلسلہ چل نکلا۔ انہیں واپس لانے کے لیے کسی کا بھائی کسی کا خاوند کسی کا ولی مدینہ طیبہ پہنچے۔ اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر مسلمان عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آجائیں تو تم ان کی جانچ پڑتال کر کے تسلی کر لو۔ اگر ان کے آنے کا مقصد صرف ایمان کا تحفظ ہے تو انہیں واپس نہ کرو۔

اکثر لوگ اس حکم کے بارے میں بڑی الجھن محسوس کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جب معاہدہ طے پا گیا تھا تو ان عورتوں کو واپس نہ کرنا اس کی صریح خلاف ورزی تھی۔ حالانکہ اسلام عہد شکنی کو کسی قیمت پر روا نہیں رکھتا۔ اس کا جواب صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت میں صراحۃً مذکور ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الشروط کے باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ میں یہ الفاظ روایت کیے ہیں جو سہیل ابن عمرو نے لکھائے تھے علی انہ لا یاتیک منا رجل وان کان علی دینک الا رددتہ علینا۔ یعنی اگر ہم میں سے کوئی مرد آپ کے پاس آئے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو آپ اسے ہماری طرف لوٹا دیں گے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا اس عبارت میں رجل کا لفظ صراحۃً موجود ہے جس کا معنی ہے مرد

فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ

پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو ١٩

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَءَاتُوهُم مَّآ أَنفَقُوا۟

نہ وہ حلال ہیں کفار کے لیے اور نہ وہ (کفار) حلال ہیں مومنات کے لیے ٢٠ اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کیے ٢١

اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھئے کہ اس نے کفار کے نمائندہ کی زبان سے ایسے الفاظ لکھوائے جن کی وجہ سے مہاجر خواتین کا مسئلہ کبھی معاہدہ شکنی یا تنسیخ و تاویل کا تکلف کئے بغیر حل ہو گیا۔ جب کفار نے ان مسلم خواتین کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدہ کے اصل الفاظ ان کے سامنے دہرا دیے۔ یہ سن کر کفار کو سانپ سونگھ گیا اور لاجواب ہو کر انہیں واپس جانا پڑا۔ معاہدہ کی نص ارشاد ربانی کی تصدیق کر رہی ہے۔ اور آیت میں اسی مسئلہ کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

١٨ یعنی مدینہ طیبہ مجبور اور بے بس عورتوں کی پناہ گاہ نہیں کہ جو عورت اپنے خاوند سے دل برداشتہ ہو جائے یا کسی اور وجہ سے ترک وطن کرنا چاہے تو وہ سیدھی یہاں چلی آئے اور مسلمان اس کو اپنی حفاظت میں لے لیں۔ اسلام کے نزدیک یہ حرکت سخت قبیح اور ناروا ہے۔ اس لیے حکم دیا گیا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو ایمان دار ظاہر کرے اور ہجرت کر کے تمہارے پاس چلی آئے تو تم فامتحنوھن اس کو اپنے زمرہ میں شامل نہ کر لو بلکہ اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لو۔ اگر تمہیں اطمینان ہو جائے کہ یہ عورت صرف اپنے دین و ایمان کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر آئی ہے تو اس کو کفار کے حوالے مت کرو اور اگر اس کی آمد کی غرض و غایت اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو تو پھر اسے واپس کر دو۔ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتحان کا طریقہ مذکور ہے جس سے ساری حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

جب کوئی عورت مکہ سے مدینہ آتی تو حضور اس سے اس طرح قسم لیتے

باللہ الذی لا الٰہ الا ھو ما خرجت من بغض زوج۔ اس اللہ کی قسم جس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں میں اپنے خاوند سے بغض و عداوت کی وجہ سے نہیں نکلی۔

باللہ ما خرجت رغبۃ عن ارض الی ارض۔ خدا کی قسم میں پہلی جگہ سے دل برداشتہ ہو کر اس نئی جگہ نہیں آئی۔

باللہ ما خرجت التماس الدنیا خدا کی قسم میں دنیا کی طلب کے لیے گھر سے نہیں نکلی۔

باللہ ما خرجت الا حبا للہ و رسولہ۔ بخدا میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے باعث اپنا وطن چھوڑ کر آئی ہوں۔

١٩ علم سے مراد غلبہ ظن اور حصول اطمینان ہے کیونکہ بندے کے لیے اس کے دل کی حالت پر یقینی آگاہی حاصل کرنا ممکن نہیں۔

٢٠ ایسی عورتوں کو کفار کے حوالے نہ کرنے کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ یہ مومن عورتیں کافروں کے لیے حلال نہیں اور کافر

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ

اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان عورتوں سے نکاح کرلو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کردو۔

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا

اور اسی طرح تم بھی نہ روکے رکھو اپنے نکاح میں کافر عورتوں کو ۲۲ اور مانگ لو جو تم نے (ان پر) خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں

مَا أَنْفَقُوا ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

جو انہوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا

مردان ایمان دار خواتین کے لیے حلال ہیں۔

اس آیت کے نزول سے پہلے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان باہمی ازدواج جائز تھا مسلمان عورتیں کفار کے ساتھ نکاح کرتیں اور مسلمان مرد کافر عورتوں سے شادی کرتے۔ اس قسم کی متعدد مثالیں اس معاشرہ میں موجود تھیں۔ لیکن اس آیت نے باہمی ازدواج کا دروازہ بند کر دیا۔ کوئی مسلمان مرد اہل کتاب کے علاوہ کسی کافر عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور کوئی مسلمان عورت کسی کافر سے خواہ وہ اہل کتاب سے ہی کیوں نہ ہو نکاح نہیں کر سکتی۔

۲۱ یہاں ایک نیا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے دار الاسلام میں آجائیں تو حکومت اسلامیہ پر لازم ہے کہ ان کے شوہروں نے جو مہر انہیں دیا تھا وہ بیت المال سے انہیں واپس کر دیا جائے اور پھر اگر وہ عورتیں کسی مسلمان کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت ہے اور نئے خاوند پر لازم ہے کہ وہ انہیں مہر ادا کرے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جس وقت وہ عورت دار الاسلام میں ہجرت کر کے پہنچے گی اسی وقت اس کا سابقہ نکاح کالعدم قرار دے دیا جائے گا اور اسی وقت وہ جس مسلمان سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ عدت گزارنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن مقاربت کے لیے استبرا ضروری ہے یعنی یقین کر لیا جائے کہ اس کا رحم پہلے خاوند سے مشغول نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک حیض کا آجانا کافی ہے۔ اگر وہ عورت حاملہ ہو تب بھی اس کے ساتھ نکاح جائز ہے لیکن اس کے ساتھ مقاربت تب کر سکتا ہے جب وہ بچہ جن چکے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک اس عورت کو بھی شرعی عدت گزارنی پڑے گی۔ اگر غیر حاملہ ہو تو تین حیض اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل۔ اس کے بعد وہ کسی سے نکاح پڑھا سکتی ہے۔

۲۲ یہاں سے مسلمانوں کو منع کیا جا رہا ہے کہ آج سے پہلے جو کافر عورتیں تمہارے نکاح میں تھیں ان کو مت روکے رکھو بلکہ ان کو آزاد کر دو۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد جن مسلمانوں کے گھروں میں ایسی عورتیں تھیں ان کو طلاق دے دی گئی۔ حضرت عمرؓ کی دو کافر بیویاں تھیں جو مکہ میں رہ گئی تھیں۔ امیر المومنین نے ان دونوں کو طلاق دے دی۔

حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ

بڑا دانا ہے۔ ۲۳ اور اگر نکل جائے تم سے کوئی عورت تمہاری بیویوں سے کفار کی طرف پھر تمہاری باری آجائے

فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ

(اور کوئی کافرہ تمہارے قبضہ میں آجائے) تو جن کی بیویاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں انہیں اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا ۲۴ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے

الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ

جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں

يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ

تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور

وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ

نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے

عصم جمع ہے عصمت کی۔ اس سے مراد نکاح ہے۔ کوافر جمع ہے کافرہ کی۔ یعنی کافرہ عورتوں کے ساتھ جو تمہارے نکاح ہیں ان کو بحال نہ رکھو بلکہ ان عورتوں کو آزاد کر دو۔ وہ اس قابل نہیں کہ تمہاری بیویاں بن سکیں۔

۲۳ پہلے فرمایا تھا کہ جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے دارالاسلام میں چلی جائیں ان کے کافر خاوندوں کو مہر ادا کر دیا جائے اب فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری بیویاں جو دارالکفر میں رہ گئیں تم نے انہیں جو مہر دیا تھا اس کا مطالبہ تم ان سے کر سکتے ہو۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ وہ اللہ جو علیم و حکیم ہے۔ وہ حال و مستقبل پر نظر رکھتا ہے۔ اس کا ہر فرمان حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

۲۴ اگر کوئی شخص اسلام لا کر ہجرت کر جائے اور اس کی بیوی کفر کی حالت میں وہیں رہ جائے تو قاعدہ کے مطابق ان کفار کو چاہیے کہ وہ اس عورت کا مہر اس کے مسلمان خاوند کو واپس کر دیں کیونکہ اب ان کے درمیان رشتہ ازدواج منقطع ہو گیا ہے۔ لیکن اگر کفار ایسا نہ کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اس مسلمان خاوند کو مہر کی رقم ادا کر دیں۔ اس کے بعد بقیہ مال غنیمت حسب قانون تقسیم کریں۔ بعض علماء کے نزدیک یہ مہر مال فئی سے بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مسلمان ہو کر آنے والی مہاجر عورتوں کا مہر جو مسلمانوں کے ذمہ ہے بجائے کفار کی طرف لوٹایا جائے بلکہ اس طرح جو رقم بچ جاتی ہے اس سے ایسے لوگوں کو ان کی بیویوں کا مہر ادا کیا جائے جو دارالحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں۔

أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ

ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں ۲۵؎ تو (اے میرے محبوب!) انہیں بیعت فرمالیا کرو

آیت میں عاقبتم کا کلمہ عقاب سے مشتق نہیں جس کا معنی سزا ہے بلکہ عقبۃ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے نوبت یا باری۔ اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ من العقبۃ لا من العقاب وھو فی الاصل النوبۃ فی رکوب احد الرفیقین علی دابۃ لھما (روح المعانی) علامہ آلوسی اس آیت کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ وحاصل المعنی ان لحق احد من ازواجکم بالکفار اوفاتکم شیء من مھورھن ولزمکم اداء المھر کما الزم الکفار۔ (روح المعانی)

۲۵؎ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور وہاں لوگ حضور کی بیعت کر کے مشرف باسلام ہونے لگے تو مکہ کی عورتیں بھی بیعت کے لیے حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو عورتوں کی بیعت لینے پر مقرر فرمایا اور انہی باتوں کا جو اس آیت میں ذکر ہے ان پر عمل کرنے کا ان سے پختہ وعدہ لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے کئی بار بیعت لی لیکن کسی عورت کے ساتھ بیعت لیتے وقت مصافحہ نہ کیا۔ کبھی تو زبانی ان امور کی پابندی کا وعدہ لیا، کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالہ میں اپنا دست مبارک ڈالا اور اس کے بعد بیعت کرنے والی عورتوں کو اپنا ہاتھ رکھنے کا حکم دیا، کبھی کپڑا دست مبارک میں لے کر عورتوں سے بیعت لی۔

جن امور پر بیعت لی گئی ان میں سرفہرست یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ چوری نہیں کریں گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کیونکہ عرب معاشرہ میں اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دینا وجہ عزت و فخر تھا نیز کئی لوگ بھوک سے تنگ آ کر بھی اپنی اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے۔ اسی میں اسقاط حمل بھی داخل ہے جب اس میں جان پڑ چکی ہو۔ جائز اور ناجائز دونوں حملوں کے اسقاط کا ایک ہی حکم ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کو قتل شمار کیا جاتا ہے۔ پانچویں چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی الزام اور بہتان تراشی نہ کریں۔ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

کسی کے نوزائیدہ بچے کو اچک کر اپنی گود میں ڈال لینا اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ میرا بچہ ہے۔ اسی طرح بدکاری سے جو حمل قرار پائے اسے اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دینا نیز کسی دوسری عورت پر بدفعلی کا الزام لگانا۔ یہ تمام صورتیں اس آیت میں داخل ہیں اور اسلام نے ان تمام مذموم حرکتوں سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ چھٹی بات یہ ہے جس کی پابندی کا ان سے وعدہ لیا جا رہا ہے کہ ہر نیک کام جس کا حضور حکم دیں گے وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

فقہائے اسلام نے فی معروف کی قید سے یہ قانون اخذ کیا ہے کہ حاکم وقت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کے کسی قانون کے خلاف کوئی حکم صادر کرے۔ اسی طرح کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حاکم کی فرمانبرداری میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ فی معروف کی قید یہاں اس لیے ذکر نہیں کی گئی کہ حضور غیر معروف کا بھی حکم دے سکتے ہیں۔ حضور کا تو جو ارشاد بھی ہو گا وہ حق ہو گا، وہ سچ ہو گا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہو گا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ حضور

کسی غیر معروف کا حکم دیں۔ یہ قید محض اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ جب اللہ کے رسول کی اطاعت کے لیے معروف شرط ہے جہاں غیر معروف کا احتمال ہی نہیں، تو اور کون ہے جس کو یہ حق پہنچے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف غیر معروف قانون سازی کرے اور اس پر عمل کرنے کا لوگوں کو حکم دے۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں وقد علم اللہ ان نبیہ لا یامر الا بمعروف الا انہ شرط فی النہی عن عصیانہ اذا امرہم بالمعروف لئلا یترخص احد فی طاعۃ السلاطین اذا لم تکن طاعۃ اللہ تعالیٰ (کتاب الاحکام) یعنی اللہ جانتا ہے کہ اس کا نبی کرم معروف کے بغیر کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتا لیکن یہاں معروف کی شرط اس لیے لگائی تاکہ کوئی شخص بادشاہوں کے ان احکام کی اطاعت کا جواز بھی نہ نکال لے جن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جاتی ہے۔

جب افضل البشر کی اطاعت کے لیے معروف کی شرط ہے تو اور کون اس سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔

نیز اس سے یہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون کی بالادستی ہوگی۔ ہر چھوٹے اور بڑے کو قانون کے سامنے تسلیم خم کرنا ہوگا کسی بڑے سے بڑے حاکم کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ من مانیاں کرتا رہے اور پھر قانون سازی سے ان کے لیے وجہ جواز مہیا کرتا رہے۔

اس مقام پر مفسرین نے ہندہ زوجہ ابو سفیان کا دلچسپ واقعہ لکھا ہے آپ بھی سماعت فرمائیے کہ جب عورتیں بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئیں تو ہندہ بھی بھیس بدل کر منہ کو چھپائے ہوئے حاضر ہوئی۔ اسے یہ خوف تھا کہ حضور اس کو پہچان نہ لیں۔ حضور نے ان عورتوں سے فرمایا میں اس شرط پر تمہیں بیعت کرتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گی۔

ہندہ چپ نہ رہ سکی۔ کہنے لگی کہ جب اس شرط کے بغیر مردوں کی بیعت قبول نہیں ہوئی، اس کے بغیر ہماری بیعت کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ یعنی شرک سے اجتناب کی شرط واضح اور یقینی ہے۔ پھر حضور نے فرمایا دوسری شرط یہ ہے کہ تم چوری نہیں کرو گی۔ ہندہ بول پڑی میں ابوسفیان کے مال سے کچھ لے لیا کرتی تھی معلوم نہیں وہ میرے لیے حلال ہے یا نہیں؟ ابوسفیان پاس کھڑے تھے انہوں نے کہا کہ آج تک جو تم نے لیا ہے وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر ہنس پڑے اور اس کو پہچان لیا فرمایا تو ہندہ دختر عتبہ ہے؟ کہنے لگی نعم فاعف عما سلف یا نبی اللہ عفی اللہ عنک۔ میں ہندہ ہی ہوں۔ جو گزر گیا ہے اسے اللہ کے نبی اسے معاف فرما دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے درگزر فرمائے۔ حضور نے فرمایا تیسری شرط یہ ہے کہ تم زنا نہیں کرو گی۔ ہندہ بول گیا آزاد عورتیں بھی ایسا کرتی ہیں۔ پھر حضور نے فرمایا چوتھی شرط یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی۔ ہندہ کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی۔ کہنے لگی کہ ان کے باپوں کو تو آپ نے قتل کر دیا اب ان کے بچوں کے لیے آپ ہم کو نصیحت کرتے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت فاروق اعظم ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے اور حضور کے لب مبارک پر بھی تبسم آشکارا ہو گیا۔ حضور نے فرمایا پانچویں بات یہ ہے کہ تم کسی پر جھوٹا بہتان نہیں باندھو گی۔ اس نے کہا بے شک بہتان تراشی قبیح چیز ہے اور اللہ تعالیٰ ہدایت اور مکارم اخلاق کے بغیر اور کسی چیز کا حکم نہیں دیتا۔ پھر حضور نے فرمایا یہ وعدہ کرو کہ جس نیک کام کا میں حکم دوں گا اس کو تم بجا لاؤ گی۔ ہندہ بولی کہ ہم آپ کے قدموں میں حاضر ہوئی ہیں اور ہمارے دل میں قطعاً یہ خیال نہیں کہ ہم حضور کے کسی حکم کی سرتابی کریں گی۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور اللہ سے ان کے لیے مغفرت مانگا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۲۶ اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ

والو! مت دوست بناؤ ان لوگوں کو غضب فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جن پر وہ آخرت (کے ثواب) سے ایسے مایوس

الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬

ہو گئے ہیں جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں ۲۷

یہ واقعہ لکھنے کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں وکان هذا منها دون غيرها من النساء لكان ام حبيبة رضى الله تعالى عنها من رسول الله صلى الله عليه وسلم مع انها حديثة عهد بجاهلية کہ ہند کے کلام میں یہ شوخی اس وجہ سے تھی کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ تھی نیز اس کی ساری زندگی جاہلیت کی گود میں گزری تھی ابھی ابھی اس نے اسلام قبول کیا تھا۔

۲۶ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دیتے ہیں کہ جو عورتیں ان شرائط کو قبول کر لیں اور ان باتوں کی پابندی پر آمادہ ہو جائیں تو آپ ان کو بیعت فرمالیں اور انہیں بیعت فرمانے کے بعد ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے جب آپ کے ہاتھ اٹھیں گے تو انہیں خالی نہیں لوٹایا جائے گا حکمہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ان کے عمر بھر کے گناہوں کو جس میں شرک وکفر سر فہرست ہیں بخش دے گا اور ان کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔

۲۷ آخر میں پھر اسی حکم کا اعادہ کر دیا۔ ارشاد فرمایا اے ایمان والو! وہ لوگ جو اسلام کی عداوت میں پیش پیش ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے اور ان کی پیہم سرکشی کے باعث ان پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے ان کو اپنا دوست مت بناؤ۔ آخرت میں کسی ثواب اور کسی خیر کی انہیں امید نہیں۔ وہ بالکل مایوس ہو چکے ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کفار اپنی بخشش سے مایوس اور ناامید ہیں۔

اصحٰب القبور سے پہلے من بیانیہ ہے۔ یعنی وہ کفار جو مر کر قبروں میں دفن کیے جا چکے ہیں۔ کیونکہ ان کی موت کفر پر ہوئی اس لیے اب ان کی نجات کی کوئی صورت نہیں۔ وہ اپنی بخشش کے بارے میں مکمل طور پر مایوس ہو چکے ہیں۔ علامہ محمود آلوسی نے اس کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے ای الذین هم اصحاب القبور ای الكفار الموتى۔ جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کافر اپنی نجات سے مایوس ہو چکے ہیں۔

وكون من بيانية مروى عن مجاهد وابن جبير وابن زيد وهو اختيار ابن عطية

(روح المعانی)

یعنی مجاہد، ابن جبیر، ابن زید سے مروی ہے کہ یہاں جس رباط کا ذکر ہے۔ ابن عطیہ کے نزدیک یہی قول پسندیدہ ہے۔

○

الحمد للّٰه والصلوٰة والسلام علی خاتم انبیاء اللّٰه ولعر رسل اللّٰه سیدنا محمد الذی بعث الی الاسود والاحمر وکافۃ للناس بشیرا ونذیرا وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعہ باحسان الی یوم الدین۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین یاحی یاقیوم برحمتک استغیث لاتکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شأنی کلہ۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سورہ الصف

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام الصف ہے۔ یہ کلمہ اس کی چوتھی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں دو رکوع، چودہ آیتیں دو سو اکیس کلمات اور نو سو حروف ہیں۔

نزول : یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : مکی زندگی کی مشکلات کی الگ نوعیت تھی۔ مدنی زندگی میں جن مشکلات کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑ رہا تھا ان کی نوعیت جداگانہ تھی۔ یہاں مسلمانوں کو اذنِ جہاد مل گیا اور کفار کے ساتھ کھلم کھلا ٹکراؤ کے عہد کا آغاز ہو گیا۔ اب ایسے جانباز اور بہادر مجاہدوں کی ضرورت تھی جن کے قول و عمل میں مکمل ہم آہنگی ہو۔ جو کچھ وہ اپنی زبان سے کہیں ٹھیک ٹھیک اس پر عمل کر کے دکھائیں۔ جن لوگوں کے قول و عمل میں تضاد ہوتا ہے وہ اپنی قوم کے لیے ہرگز باعث شرف نہیں ہوا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہاں تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ ایسی باتیں نہ کیا کریں جن پر وہ عمل نہیں کر سکتے۔ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے بلکہ اس کی ناراضگی اور اس کے غضب کا باعث ہے۔

ساتھ ہی بتا دیا کہ کفار سے جب لڑنے کے لیے میدانِ جہاد کا رُخ کرو تو صفیں باندھ لو اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ تاکہ کفر و طاغوت کے طوفان اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس لوٹ جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے لیکن ان کی قوم نے ان کی قدر نہ پہچانی۔ جی بھر کر انہیں ستایا اور جھٹلایا۔ مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں۔

آیت نمبر ۹ میں اسلام کے مکمل غلبہ کی بشارت دے دی کہ آندھیاں کتنی تند و تیز کیوں نہ ہوں، اللہ کے روشن کیے ہوئے اس چراغ کو نہیں بجھا سکتیں۔ جو پیغام ہدایت اور دینِ حق اللہ کا محبوب لے کر آیا ہے وہ سارے ادیان پر غالب ہوگا۔ زمین کے گوشہ گوشہ میں اس کا ڈنکا بجے گا۔

دوسرے رکوع میں مسلمانوں کو ایسے کاروبار سے آگاہ کیا جس میں نفع ہی نفع ہے وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے مالی اور جانی جہاد کرو۔ اس کے عوض جنت کی ابدی نعمتوں کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی فتح و نصرت سے تمہیں سرفراز کیا جائے گا۔

آخری آیت میں اہلِ ایمان کو دعوت دی کہ وہ آگے بڑھیں اور اللہ کے دین کی تائید و نصرت کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا اور وہ کامیاب و کامران ہوں گے۔

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الصف مدنی ہے اور اس کی ۱۴ آیتیں ہیں اور اس میں ۲ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب

الْحَكِيْمُ ۝۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲

بڑا دانا ہے ل۱ اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو ل۲

ل۱ اس آیت کی تشریح کئی بار پہلے گزر چکی ہے۔ اس آیت سے اس سورت کا آغاز کرنے میں یہ حکمت ہے کہ سابقہ سورت کے آخر میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ کوئی نادان اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی امداد کا محتاج ہے اور اگر بندے سانپ بن جائیں اور اپنے مال قربان نہیں کریں گے تو خدا کی خدائی میں فرق پڑ جائے گا۔ ابتداء میں ہی اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ وہ تو عزیز و حکیم ہے۔ آسمان اور زمین کی ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے۔ اس کی عظمت کے گیت گا رہی ہے۔ تمہیں جہاد کا جو حکم اس نے دیا ہے اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ حق کا بول بالا ہو گا تو تمہاری جانیں، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں محفوظ ہو جائیں گی۔ کوئی طوفان تمہارے ایمان کے چراغ کو نہ بجھا سکے گا اور اگر تم نے جہاد میں بزدلی کا مظاہرہ کیا اور باطل کو غلبہ نصیب ہو گیا تو ساری دنیا میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ ہر انسان کا سکون چھین لیا جائے گا۔ حق کا نظام عدل و احسان برپا کرنے کے لیے تمہیں ہی یہ دعوت دی جا رہی ہے اور طاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں جان کی بازی لگانے کا تمہیں شوق اسی لیے دلایا جا رہا ہے۔ اگر تم سوچو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے۔

ل۲ کئی لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب اکٹھے بیٹھتے تو بڑی بڑی لافیں مارتے اور کہتے اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو ہم اس پر عمل کرتے اور اس کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیتے۔ جب جہاد کے بارے میں حکم نازل ہوا اور اُحد کا معرکہ پیش آیا تو بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے والے میدان میں ڈھونڈے نہ ملے۔ اس آیت سے اس قسم کے لوگوں کو عار دلائی جا رہی ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ نیکی کی جو دعوت بڑے جوش و خروش سے وہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں خود بھی اس پر عمل کر کے دکھائیں تاکہ سننے والوں کو ان کی بات کا یقین آ جائے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو ۳ بے شک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا

الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴

ہے ان مجاہدوں کو جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں ۴

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَیْتُ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ عَلٰی قَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاہُہُمْ بِمَقَارِیْضَ مِنْ نَارٍ کُلَّمَا قُرِضَتْ وَفَتْ قُلْتُ مَنْ ھٰؤُلَاءِ یَا جِبْرِیْلُ قَالَ ھٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ اُمَّتِکَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ وَلَا یَفْعَلُوْنَ وَیَقْرَءُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَلَا یَعْمَلُوْنَ۔ (قرطبی)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جس کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے جب ہونٹوں کو کاٹا جاتا تو وہ پھر پہلے کی طرح درست ہو جاتے۔ میں نے پوچھا اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں جبریل نے کہا یہ آپ کی امت کے خطباء ہیں جو کہتے ہیں اور کرتے نہیں، جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے۔

نفسیاتی طور پر بھی جو شخص یا جو قوم صرف باتیں بنانے اور لمبے چوڑے دعوے کرنے کی عادی ہو جاتی ہے وہ عمل کے میدان میں کسی نمایاں کارکردگی کا اظہار نہیں کر سکتی۔ مسلمان کو چاہیے کہ جو زبان سے کہے اس پر خود عمل کر کے لوگوں کو دکھائے۔

۳ پہلے شعر کو کسی ایک دوسرے انداز سے دہرایا گیا۔ اہل لغت اَلْمَقْتُ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَلْمَقْتُ اَشَدُّ الْبُغْضِ، اَلْمَقْتُ بُغْضٌ مِنْ اَمْرٍ قَبِیْحٍ رَکِبَہٗ۔ یعنی مقت بہت کا بغض خصوصاً وہ بغض جو کسی قبیح حرکت کے باعث ہو۔

اہل ایمان کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم ایسی باتیں کرو گے جن پر خود عمل نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ازحد ناراض ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ اپنے آپ کو اس کا بندہ کہلانے والے لوگوں کو نیکی کی دعوت دیں اور خود اس پر عمل نہ کریں۔

۴ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ قتل و غارت اور خونریزی اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ اس نے جب بھی جنگ کی اجازت دی ہے وہاں چند شرائط بھی عائد کی ہیں جن کا پورا ہونا از حد ضروری ہے۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ فی سبیل اللہ ہو یعنی اس کا مقصد حق کو سربلند کرنا اور باطل کی سرکوبی کرنا ہو۔ نیکی کی قوتوں کو آزاد کرانا اور برائی اور اس کے علمبرداروں کو پابجولاں کرنا ہو۔ جس قوم کے سامنے اتنا عظیم اور اعلیٰ مقصد ہو وہ اگر متحد و منظم ہو کر باطل کی قوتوں سے نبرد آزما ہوگی تو وہ قوتیں اسے پیس کر رکھ دیں گی۔ اس قوم کی شکست صرف اس کی ذات تک محدود نہ رہے گی بلکہ وہ بلند نظریات جو ساری انسانیت کی فلاح کا انحصار ہے وہ شکست کھا جائیں گے اور یہ اتنا بڑا المیہ ہوگا کہ اس کی تلافی کے لیے مدت دراز درکار ہوگی۔

اس لیے اس آیت میں وضاحت سے بتایا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان مجاہدوں سے محبت فرماتا ہے جو اولاً تو ہمیں حق کی جنگ کی غرض و غایت محض حق کا بول بالا ہو اور جب وہ کسی میدان کارزار میں معرکہ آرا ہوں تو ان میں انتشار اور افتراق کا نام و نشان تک نہ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف

اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں ۵ پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا ۵ اور اللہ تعالیٰ

سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ منظم ہو کر وہ دشمن کی طرف بڑھیں اور ان کی منظم پیش قدمی کو دیکھ کر دیکھنے والے یاد کر لیں کہ یہ غیر منظم افراد کی بھیڑ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مضبوط اور مستحکم دیوار ہے جس میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر یکجان کر دیا گیا ہے۔

۵ موسیٰ علیہ السلام کو جس قوم سے واسطہ پڑا تھا اس کے کردار اور سیرت کے خدوخال سے مختلف مقامات پر آپ آگاہ ہو چکے ہیں۔ جن کو پہنچتے ہیں اس کا اندازہ ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ اپنے نبی کو طرح طرح کی نکتہ چینیوں کا نشانہ بنانا ان کا دستور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کی غلامی سے انہیں آزاد کرانے کے لیے جہاد کر رہے تھے اس وقت بھی آپ کی قوم آپ کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی۔ لیکن جب وہ بحر احمر کو سلامتی سے عبور کر کے ساحل پر پہنچے اور اپنی آنکھوں سے فرعون کو مع لشکر غرق ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو پھر بھی ان کے عناد میں کوئی کمی نہ آئی۔ ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر انہوں نے فرمائش کی کہ اے موسیٰ ہمارے لیے ایسے خدا بنا دیں جس طرح اس قوم کے خدا ہیں۔ جب آپ طور پر تشریف لے گئے تو سامری کی معمولی سی انگیخت پر انہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ اس کے علاوہ کلیم اللہ پر طرح طرح کے الزام تراشے۔ تورات کے صفحات ان گستاخیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے انہیں فرمایا اے میری قوم! تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور پھر بھی تم میری دلآزاری سے باز نہیں آتے۔ تمہارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

۵ اللہ تعالیٰ نے عقل و فہم کی جو صلاحیتیں انہیں بخشی تھیں جب انہوں نے ان سے فائدہ نہ اٹھایا اور دانستہ راہ حق کو چھوڑ کر گمراہی کے راستہ پر چلتے رہے اور روشن معجزات جو حضرت کلیم نے انہیں دکھائے تھے وہ بھی ان کی اصلاح کے لیے سودمند ثابت نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا جو فرد یا قوم راہ ضلالت پر پورے جوش و خروش سے گامزن رہتی ہے آخرکار وہ اس منزل پر پہنچ جاتی ہے جب اس سے حق پذیری کی صلاحیتیں سلب کر لی جاتی ہیں۔ وہ آنکھ جو نور حق کو دیکھ سکتی ہے اور پہچان سکتی ہے وہ اندھی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ دنیا دارالعمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تشریف لاتے ہیں۔ ضلالت و ہدایت کو دلائل و شواہد سے آشکارا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہر شخص آزاد ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ان دو میں سے ایک کا انتخاب کر لے۔ جو ہدایت قبول کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی توفیقات سے سرفراز کرتا ہے۔ وہ راہ کی دشواریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے فلاح و کامرانی کی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور جو ضلالت سے چمٹے رہنا پسند کرتے ہیں ان کی مدد نہیں کی جاتی کہ جناب والا ایسا نہ کرو۔ انہیں اسی حال میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ فَلَمَّا زَاغُوْا ای عدلوا عن الحق وَلَمْ يَسْتَقِيْمُوْا عن الوعيد۔ اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ای صرفها عن قبول

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ؎ اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں میں تصدیق کرنے والا ہوں

يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ

تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے ؎ اور مژدہ سنانے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام (نامی)

الحق والمیل الی الصواب۔

؎ یعنی جب انہوں نے حق سے انحراف کیا اور عداوت رسالت سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے قبول حق سے ان کے منہ پھیر دیے

؎ ایسے فاسق و فاجر لوگ جو جان بوجھ کر گمراہی کو پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ وہ انہیں ہدایت جیسی گراں بہا نعمت زبردستی ارزانی فرمائے۔

؎ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین ارشادات بیان کیے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی جو آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ان یہودی گستاخوں کی بھی تردید ہوگئی جو آپ پر اور آپ کی پاکباز والدہ پر گستاخانہ بہتان لگاتے ہیں۔ الیکم کے لفظ سے آپ نے یہ بتا دیا کہ مجھے صرف تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ میری رسالت کا دائرہ بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ آپ کے ان الفاظ پر عیسائی مشنریوں کو بھی غور کرنا چاہیے جو عیسائیت کا پرچار ہر جگہ کرتے پھرتے ہیں۔ قرآن کریم کے اس فرمان کی تائید انجیل سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو متی باب ۱۵۔ آیت ۲۴: "اس نے جواب میں کہا میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"

اسی انجیل متی کے باب ۱۰ کی آیت ۶ سے ہر قسم کا اشتباہ دور ہو جاتا ہے۔

پہلی آیات میں ان بارہ رسولوں کے نام بتائے گئے ہیں جن کو آپ نے تبلیغ و اشاعت کے لیے بھیجا اور ان کو یہ حکم دے کر کہا: "غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔"

جب حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں اور رسولوں کو غیروں کے پاس جانے سے روکا ہے اور اپنی تبلیغی اور اعجازی سرگرمیوں کو بنی اسرائیل کے خاندان میں محدود کر دیا ہے تو اب کسی عیسائی مبلغ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور کو عیسائیت کی دعوت دے۔

أَحْمَدُ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٦﴾

احمد ہوگا ؎ پس جب وہ (احمد) آیا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔ — متفقہ

دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے لیے نہیں آیا بلکہ ان پر جو آسمانی کتاب تورات نازل ہوئی میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام سچے رسول تھے اور تورات خدا کی سچی کتاب ہے۔ تمام رسول کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہوتے ہیں اس لیے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب کریں۔ ان کا کام تو سب کی تصدیق کرنا ہوتا ہے۔

؎ تیسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ میں تمہیں ایک بڑی نور اور خوش خبری سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ میرے بعد ایک جلیل القدر، عظیم المرتبت رسول تشریف لائے گا۔ اس کا اسم گرامی اور نام نامی احمد ہوگا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

یہاں چند سوالات جواب طلب ہیں۔

۱۔ — کیا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی احمد ہے ؟

۲۔ — کیا اس بشارت سے مراد حضور کی ذات اقدس ہے ؟

۳۔ — کیا موجودہ انجیل میں یہ بشارت موجود ہے ؟

۴۔ — کیا وہ شخص جس کا نام غلام احمد ہے وہ اس پیشین گوئی کا مصداق بن سکتا ہے ؟

پہلے سوال کے بارے میں گزارش ہے

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو اسمائے گرامی صحیح احادیث سے ثابت ہیں ان میں یہ اسم مبارک بھی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم إنّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي۔ (مالک، بخاری، مسلم وغیرہا)

یعنی حضور نے فرمایا میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں۔ میں احمد ہوں۔ میں الحاشر ہوں۔ لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا۔ صحابہ کرام میں حضور کا یہ اسم گرامی معروف و مستعمل تھا۔ حضرت حسان یہی نام لے کر بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں

صلی الإله ومن یحف بعرشه — والطیبون علی المبارک أحمد

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ، حاملین عرش اور تمام پاکیزہ لوگ اس مبارک ہستی پر درود و سلام بھیجیں جس کا اسم گرامی احمد ہے۔

احمد کا معنی ہے أَحْمَدُ الْحَامِدِينَ یعنی سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔ تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد کرنے والا اپنے رب کی حمد کی کثرت کی برکت سے ہی آپ محمد بھی بنے فَالْمُحَمَّدُ هُوَ الَّذِي حُمِدَ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ یعنی جس کی بار بار حمد کی جائے وہ محمد ہے۔ تو اپنے رب کی حمد وثنا کرنے میں آپ کا کوئی مثیل ہے، کوئی فرشتہ، کوئی رسول، کوئی نبی اپنے خداوند کی حمد سرائی اور ثنا گستری میں اس مقام پر نہیں پہنچا اور نہ پہنچ سکتا ہے جس مقام پر اللہ تعالیٰ کا وہ پیارا حبیب فائز ہے۔ اسی طرح مخلوق میں سے جتنی حمد اور حقیق ستائش اس عبد محبوب کی ہوئی ہے اور ہوتی رہے گی کسی اور کو نصیب نہیں۔ جن و انس اس کے ثنا خوان ہیں ملائکہ

اس کی توصیف میں رطب اللسان ہیں اور خود خدا بھی اس کی مدح فرما رہا ہے۔ صرف اس فانی دنیا ہی میں نہیں بلکہ عالم آخرت میں بھی حضور کی شان نرالی ہوگی حقیقت تو یہ ہے کہ اس شان محمدیت کی تابانیوں کا صحیح اندازہ اس وقت ہوگا جب دست مبارک میں لوائے حمد تھامے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ حبیب مقام محمود پر جلوہ فرما ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا یہ انداز بھی نرالا ہے کہ حضور سے پہلے کبھی کسی شخص نے اپنے فرزند کا نام احمد نہیں رکھا تاکہ اس بشارت کے مصداق کے بارے میں کوئی اشتباہ پیدا نہ ہو لیکن جب اس اسم کو ذات پاک مصطفوی سے نسبت ہو گئی تو یہ نام اس قدر مقبول ہوا کہ اب اس نام کے لوگوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔

حضور سے پہلے کیونکہ بعثت محمدی کا چرچا عام تھا یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ ایک نبی آنے والا ہے جس کا نام محمد ہوگا چنانچہ بعض والدین نے اپنے بچوں کے نام محمد تجویز کیے کہ شاید یہ سعادت ان کے حصہ میں آئے۔ حضور سے پہلے سات ایسے آدمی ملتے ہیں جن کا نام محمد ہے لیکن ان میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے اپنے پیارے بندے کے ان دونوں ناموں کو ہر اشتباہ اور التباس سے بالاتر رکھا

دوسرے سوال کے متعلق عرض ہے

کہ بے شک اس بشارت کا مصداق صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اطہر ہے۔ کیونکہ الفاظ یاتی من بعدی میرے بعد آئے گا اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد حضور علیہ السلام کے سوا کسی نے بھی رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ دوسری نشانی ذکر کی کہ ان کا نام احمد ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف ہے کہ حضور سے پہلے کسی نبی یا رسول کا اسم نامی احمد نہ تھا بلکہ کسی فرد بشر کا نام بھی احمد نہ تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ کے بعد صرف آپ نے ہی رسالت کا دعویٰ فرمایا اور صرف آپ کا اسم گرامی ہی احمد تھا اس لیے اس بارے میں ذرا شک نہ رہا کہ اس بشارت کا مصداق حضور ہی کی ذات گرامی ہے۔

رہا تیسرا سوال کہ کیا موجودہ انجیل میں یہ بشارت بعینہ موجود ہے ؟ تو اس کے لیے ذرا تفصیل درکار ہے۔

اس وقت عیسائیوں کے پاس چار انجیلیں ہیں جن کو مستند قرار دیا گیا ہے۔ انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا ان میں سے کوئی انجیل بھی حضرت مسیح سے پہلے مدون نہیں ہوئی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے یہ الفاظ غور طلب ہیں:

ITS EXACT DATE AND ITS EXACT PLACE OF ORIGIN ARE UNCERTAIN BUT IT APPEARS TO DATE FROM THE LATER YEARS OF THE 1ST CENTURY (P 523. VOL 3)

ترجمہ: اس کی مستند تاریخ اور اس کے معرض وجود میں آنے کا صحیح مقام غیر یقینی ہیں لیکن ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق پہلی صدی کے آخری سالوں سے ہے۔ (جلد سوم ص ۵۲۳)

اس کے چند سطر بعد اسی کالم میں رقمطراز ہیں:

WE HAVE NO CERTAIN KNOWLEDGE AS TO HOW OR WHERE THE FOURFOLD GOSPEL CANON CAME TO BE FORMED

ترجمہ: ہمارے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے کہ یہ چاروں اناجیل کیسے اور کہاں معرض وجود میں آئیں۔

پھر جن لوگوں نے انہیں مرتب کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ میں سے نہ تھے بلکہ اس وقت انہوں نے نصرانیت کو قبول ہی نہیں کیا تھا اور نہ ان مرتب کرنے والوں نے ان لوگوں کا نام بتایا ہے جن کے واسطے سے ان تک یہ اناجیل پہنچی ہیں۔ آپ خود سوچیے کہ ستر سال تک جو کتاب مرتب نہیں ہوئی اور اس طویل عرصے کے بعد جن لوگوں نے اسے مرتب کیا انہوں نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ کن لوگوں سے انہیں یہ چیز ملی ہے تاکہ ان کے بارے میں چھان پھٹک کی جا سکے تو ایسے مجموعوں پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے

اس پر طرفہ یہ ہے کہ وہ اصلی نسخے جو سریانی زبان میں لکھے گئے تھے وہ سرے سے غائب ہیں۔ ان کا سراغ تک نہیں ملتا کہ ان تراجم کا اصل کے ساتھ موازنہ کیا جا سکے۔ ان سریانی اناجیل کا ترجمہ بعد میں یونانی زبان میں کیا گیا لیکن ان تراجم کا بھی کوئی اصلی نسخہ دستیاب نہیں۔ اناجیل کا جو سب سے قدیم یونانی ترجمہ ملتا ہے وہ چوتھی صدی کا ہے اور اس پر مزید ستم یہ ہے کہ عیسائی علماء اناجیل میں تحریف کو ہرگز قبیح نہیں سمجھتے تھے۔ اگر وہ کسی چیز کا اضافہ کرنا مناسب خیال کرتے تو بے جھجک کر لیتے۔

جہاں صورت حال یہ ہو وہاں آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اناجیل کیا سے کیا بن گئی ہوں گی اور ان میں کس قسم کے تصرفات راہ پا چکے ہوں گے۔ اس لیے اگر ایسی انجیلوں میں یہ بشارت نہ ملے تو قرآن پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان ملاحظہ ہو کہ تحریف و تبدیل کے اس سیلاب کے باوجود جو صدیوں موجزن رہا، اب بھی بڑی صراحت سے ایسی عبارتیں موجود ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کے بارے میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں جن کا تذکرہ ضیاء القرآن میں مختلف مقامات پر آپ پڑھ آئے ہوں گے۔ یہاں بطور نمونہ چند چیزیں پیش خدمت ہیں :

١۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (انجیل یوحنا باب ١٤ آیت ١٥-١٦)

مددگار کے لفظ پر بائبل کے حاشیہ میں "یا وکیل یا شفیع" کی تحریر ہے۔

٢۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (یوحنا باب ١٤ آیت ٣٠)

٣۔ لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔ (یوحنا باب ١٥ آیت ٢٦-٢٧)

یہاں بھی مددگار کے لفظ پر حاشیہ میں "یا وکیل یا شفیع" مرقوم ہے۔

٤۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا باب ١٦ آیت ٧-٩)

٥۔ اس باب کی تیرہویں اور چودھویں آیات ملاحظہ فرمائیں:

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھلائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کوئی آنے والا ہے جس کی آمد کی خبر حضرت عیسیٰ بار بار اپنے امتیوں کو دے رہے ہیں۔ اس آنے والے کی جن صفات و خصوصیات کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے ان کا مصداق بجز ذات پاک حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

لیکن اگر از راہ تعصب کوئی شخص مصر ہو کر مجھے انجیل میں حضور کا اسم گرامی دکھا دیجئے تو اس کے بارے میں گزارش ہے کہ جیسے آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سریانی تھی۔ انجیل اسی میں نازل ہوئی لیکن چار انجیلیں جو لکھی گئیں اور اس کے بعد مدون ہوئیں وہ یونانی زبان میں تھیں اور ایسے لوگوں نے جمع کیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے براہ راست شاگرد نہ تھے۔ لازمی طور پر انہوں نے یہ اناجیل ان عیسائیوں سے لیں کی اصلی زبان سریانی تھی۔ ان کی اور سریانی سے انہیں یونانی کے قالب میں ڈھالا گیا۔ بدقسمتی سے جو یونانی تراجم پہلی صدی عیسوی کے آخری حصے میں مدون ہوئے ان کے اصل نسخے بھی نایاب ہیں اور جو یونانی تراجم دستیاب ہیں ان کا تعلق چوتھی صدی عیسوی سے ہے۔ یونانی زبان سے اناجیل کے ترجمے لاطینی زبان میں کیے گئے۔ ان لاطینی ترجموں سے یورپ اور ایشیا کی دوسری زبانوں میں یہ کتب منتقل ہوئیں۔ ترجمہ در ترجمہ کے اس عمل سے اس انجیل میں جو رد و بدل اور تحریف و ترمیم پذیر ہوئی ہوگی وہ محتاج بیان نہیں۔ اگر ان تراجم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی نہ ملے تو قطعاً تعجب کی بات نہیں۔

فلسطین وغیرہ ممالک جب مسلمانوں نے فتح کیے تو اس وقت وہاں کے لوگوں کی زبان بدستور سریانی تھی اور اسلامی فتح کے تقریباً تین سو سال تک یہی سریانی وہاں کی علاقائی زبان کی حیثیت سے باقی رہی۔ اتنے عرصے کے بعد عربی نے کہیں جا کر اپنا سکہ جمایا اور وہاں کے باشندوں کی مادری زبان بنی۔ فتح کے بعد مسلمان علما کی آمد و رفت اس علاقے میں شروع ہو گئی۔ عیسائی علما سے ان کے تعلقات قائم ہوئے اور وہ ان سے براہ راست سریانی زبان میں استفادہ کرتے رہے۔ اس طرح اناجیل کے بارے میں علمائے اسلام کو جو معلومات علمائے اہل کتاب سے حاصل ہوئیں وہ اصل سے زیادہ قریب تھیں۔ وہ انہیں سریانی سے بلا واسطہ عربی میں حاصل ہوئیں۔ ترجمہ در ترجمہ کے جو حجابات عیسائیوں کو درپیش آئے مسلمان علما کو ان سے سابقہ نہیں پڑا۔ اس لیے جب ہم سیرت ابن ہشام کا مطالعہ کرتے ہیں تو حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ علامہ ابن ہشام نے جن کی وفات ۲۱۳ھ میں ہوئی محمد بن اسحاق سے جن کی وفات ۱۵۱ھ میں ہوئی اپنے استاد ابو محمد البکائی العامری کے واسطے نقل کی ہے۔ بکائی کی وفات کا سال ۱۸۳ھ ہے۔ اس میں یوحنا کے باب ۱۵ کی آیت ۲۶ کا عربی متن یوں ہے:

"فلو قد جاء المنحمنا هذا الذی یرسلہ اللہ الیکم من عند الرب روح القدس هذا الذی من عند الرب خرج فهو شهید علی وانتم ایضا لانکم قدیما کنتم معی فی هذا قلت لکم لکی ما تشکوا۔" (ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۵۱)

اس کے بعد لکھتے ہیں: "المنحمنا بالسریانیة محمد صلی اللہ علیہ وسلم وهو بالرومیة البرقلیطس۔"

یعنی منحمنا سریانی لفظ ہے۔ اس کا معنی محمد ہے۔ رومی زبان میں اس کا ترجمہ برقلیطس کیا گیا ہے۔

برقلیطس کا رومی ہجہ اگر یہ ہو PERICLYTOS پھر تو معاملہ صاف ہے۔ اس کا معنی ہے تعریف کیا گیا اور محمد کا بھی بعینہٖ یہی معنی ہے لیکن اگر

اس کا معنی ہو PARACLETUS تو اگرچہ دونوں لفظوں کے تلفظ میں تو بڑی مشابہت ہے لیکن اس کا معنی پہلے لفظ سے مختلف ہے۔ خود انجیل کے مترجمین کو اس کا ترجمہ کرنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ اردو کی بائبل کے متن میں اس کا ترجمہ "مددگار" کیا گیا ہے اور حاشیہ پر "وکیل" یا "شفیع" مرقوم ہیں۔ کسی نے اس کا ترجمہ COMFORTER تسلی دینے والا، کسی نے TEACHER استاد اور گستاخی نے ADVOCATE کیا ہے۔

گیا غور کیا الفاظ کا یہ ہیر پھیر عیسائی علماء کے معمول کا کرشمہ ہے اور اسی وجہ سے وہ خود بھی پریشانی کا شکار ہو گئے ہوں۔

یہ صورت حال تو اس وقت ہے جبکہ ان چار انجیلوں پر اعتماد کیا جائے لیکن عیسائیوں کی گمنامی سے یہ وہ غیب سے ایک انجیل ظہور میں آئی ہے جس کو انجیل برنباس کہتے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے بہت سے پیچیدہ عقدے حل ہو جاتے ہیں اور شکوک و شبہات کا غبار خود بخود چھٹ جاتا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کئی ایسے ارشادات مذکور ہیں جن میں نام لے کر حضور کی آمد کی بشارت دی گئی ہے اور ایمان لانے والوں کو حضور کا دامن رحمت مضبوطی سے تھام لینے کے تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ ہم وہ ایمان افروز حوالہ جات آپ کے سامنے پیش کریں، پہلے برناباس اور اس کی انجیل کے بارے میں کچھ وضاحتیں ضروری ہیں تاکہ کوئی شخص بلاوجہ اور غیر معقول اعتراض کر کے آپ کو پریشان نہ کر سکے۔

برناباس قبرص کا باشندہ تھا۔ اس کا آبائی مذہب یہودیت تھا۔ اس کا نام JOSES تھا لیکن دین عیسوی کی اشاعت اور ترقی کے لیے اس نے سرفروشی کی بازی لگا دی تھی۔ حواری اس کو برناباس کے نام سے پکارا کرتے تھے جس کا معنی ہے "ابن نصیحت" یا "نصیحت کا فرزند"۔ بڑا کامیاب مبلغ تھا۔ جاذب قلب و نظر شخصیت کا مالک تھا۔ حضرت مسیح کے ساتھ وحدت العمر جو قرب اسے نصیب ہوا اس نے اس کو اپنے حلقہ میں بڑا اہم مقام عطا کر دیا تھا۔

ابتدا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اپنے آپ کو یہود سے الگ کوئی امت تصور نہیں کیا کرتے تھے۔ ان کی علیحدہ عبادت گاہیں نہیں لیکن یہودی انہیں ایک مرتد فرقے کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی حقیقت، آپ کی نصرت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا تعلق ان کے پہلے ماننے والوں کے نزدیک قطعاً نزاع کا موضوع نہ تھا۔ سب آپ کو انسان اور اللہ کا برگزیدہ بندہ سمجھتے تھے۔ اس وقت کے عیسائی یہود کی طرح توحید پرست تھے۔ یہاں تک کہ سینٹ پال نے عیسائی مذہب قبول کیا۔ اس طرح عیسائیت میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا جس کے نظریات اور معتقدات کا منبع انجیل یا حضرت مسیح کے اقوال نہ تھے بلکہ اس کی ذاتی سوچ بچار کا نتیجہ تھے۔ پال یہودی تھا طرسوس کا باشندہ تھا کافی عرصہ روم میں رہا، اس کے فلسفہ اور مشرکانہ معتقدات سے وہ بہت متاثر ہوا۔ عیسائیت کو اس نے اسی مشرکانہ سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جو عوام کو بہت پسند تھا لیکن حضرت عیسیٰ کے حواری اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اپنے مذہب کی ترقی اور اشاعت کے لیے برناباس اور سینٹ پال کچھ عرصہ ایک ساتھ کام کرتے رہے لیکن دن بدن اختلافات کی خلیج بڑھتی گئی۔ پال نے حلال و حرام کے بارے میں موسوی احکام کو بالائے طاق رکھ دیا نیز ختنہ کی سنت ابراہیمی کو بھی نظرانداز کر دیا۔ برناباس کے لیے اس کے ساتھ مل کر کام کرنا مشکل ہو گیا چنانچہ دونوں علیحدہ ہو گئے۔ پال کو عوام الناس کی تائید کے علاوہ حکومت کی ہمدردیاں بھی حاصل تھیں۔ اس لیے اس کے پھیلائے ہوئے عقائد کو لوگوں نے دھڑا دھڑ قبول کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح برناباس اور اس کے ساتھی پس منظر میں چلے گئے۔ تاہم چوتھی صدی عیسوی تک برناباس کے ہم عقیدہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے جو خدا کی باپ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ملک الملک اور قادر مطلق کی حیثیت سے عبادت کرتے تھے۔ اس وقت انطاکیہ کے بشپ پال کا بھی یہی عقیدہ

تھا کہ حضرت عیسیٰ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔ مگر اس کے بندے اور رسول ہیں۔ انطاکیہ کا دوسرا بشپ جس کا نام LUCIAN تھا اور جو اپنے تقویٰ اور علم میں بڑی شہرت کا مالک تھا وہ بھی تثلیث کے عقیدے کا سخت مخالف تھا۔ اس نے انجیل سے ایسی عبارتیں نکال دیں جن سے تثلیث ثابت ہوتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ جملے بعد میں بڑھا دیے گئے تھے۔ اس کو ۳۱۲ء میں شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے شاگرد ARIUS نے توحید کا پرچم بلند کیا۔ اسے کئی بار کلیسا کے غضب کا نشانہ بھی بننا پڑا اور کئی بار معزول بھی کیا گیا۔ لیکن اس نے اپنا مشن جاری رکھا۔ کلیسا کی مخالفت کرنا آسان کام نہ تھا لیکن ARIUS نے اس شر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور لوگ جوق در جوق اس کے نظریات کو قبول کرتے چلے گئے۔

اس اثنا میں دو ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے یورپ کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ شاہ قسطنطین جس نے یورپ کے نصف حصہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے عیسائیت قبول کیے بغیر عیسائیت کی امداد شروع کر دی۔ لیکن عیسائی فرقوں کے باہمی اختلافات نے اسے سراسیمہ کر دیا۔ شاہی محل میں بھی یہ نظریاتی کشمکش زوروں پر تھی۔ ملکہ توپال کے نظریات کی حامل تھی جبکہ بادشاہ کی بہن ایریس کی معتقد تھی۔ بادشاہ کے پیش نظر تو صرف ملک میں امن وامان کا قیام تھا اور اس کی صرف یہ صورت تھی کہ سارے فرقے ایک کلیسا کو قبول کر لیں۔ ایریس اور بشپ الیگزینڈر کی مخاصمت روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ بادشاہ کے لیے مداخلت ناگزیر ہو گئی۔ چنانچہ ۳۲۵ء میں نیقیا کے مقام پر ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ متواتر کئی روز تک اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ فیصلہ نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے امن وامان کی خاطر کلیسا کی حمایت حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ اس لیے اس نے ایریس کو جلا وطن کر دیا۔ اس طرح توحید کے بجائے تثلیث کا عقیدہ ملک کا سرکاری مذہب بن گیا۔ کلیسا کی منظور شدہ انجیل کے بغیر کوئی انجیل اپنے پاس رکھنا جرم قرار دے دیا گیا۔ دو سو سے زیادہ مختلف انجیلوں کے نسخے نذر آتش کر دیے گئے۔ شہزادی قسطنطینہ کو یہ بات ناپسند ہوئی۔ اس کی کوششوں سے ۳۳۰ء میں ایریس کو واپس بلا لیا گیا۔ جب وہ فاتحانہ انداز میں قسطنطنیہ میں داخل ہو رہا تھا اس کی موت واقع ہو گئی۔ بادشاہ نے اسے قتل عمد قرار دیا۔ اس جرم کی پاداش میں سکندریہ کے بشپ کو دو اور پادریوں کے ساتھ جلاوطن کر دیا اور خود ایریس کے ایک معتقد بشپ کے ہاتھ پر عیسائیت قبول کر لی۔

توحید سرکاری مذہب قرار پایا۔ ۳۴۱ء میں انطاکیہ میں ایک کانفرنس ہوئی اور توحید کو عیسائی مذہب کا بنیادی عقیدہ قرار دیا گیا۔ چنانچہ ۳۵۹ء میں سینٹ جیروم (ST. JEROME) نے لکھا کہ ایریس کا مذہب مملکت کے تمام باشندوں نے قبول کر لیا ہے۔ پوپ ہونوریس (HONORIUS) جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم عصر تھا اس کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ ۶۳۸ء میں اس نے وفات پائی لیکن ۶۸۰ء میں پھر تثلیث کے حق میں ایک اجتماع قسطنطنیہ میں یہ اجلاس ہوا جس میں پوپ ہونوریس کو ملعون اور مردود قرار دیا گیا اور اس کے نظریات کو مسترد کر دیا گیا۔ اگرچہ آج عیسائی دنیا تثلیث کو ایک مسلمہ اصول کی حیثیت سے تسلیم کرتی ہے۔ اس کے باوجود ان میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے اظہار سے کتراتے ہیں۔

برنباس کی انجیل ۳۲۵ء تک مستند انجیل تسلیم کی جاتی رہی۔ ایرانیس (IRANAEUS) نے جب سینٹ پال کے مشرکانہ عقائد کے خلاف مہم شروع کی تو اس نے برناباس کی انجیل سے بکثرت استدلال کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی دو صدیوں میں یہ انجیل معتبر تسلیم کی جاتی تھی اور اپنے دین کے بنیادی مسائل ثابت کرنے کے لیے اس کی عبارتوں کو بطور حجت پیش کیا جاتا تھا۔ لیکن ۳۲۵ء میں جو کانفرنس نیقیا میں ہوئی اس میں یہ طے پایا کہ عبرانی زبان میں جتنی انجیلیں موجود ہیں ان سب کو ضائع کر دیا جائے جس کے پاس یہ انجیل ملے اس کی گردن اڑا دی جائے

۳۸۳ء میں پوپ نے انجیل برناباس کا نسخہ حاصل کیا اور اپنی پرائیویٹ لائبریری میں اسے محفوظ کر لیا۔ زینو بادشاہ کی حکمرانی کے چوتھے سال برناباس کی قبر کھودی گئی۔ اس انجیل کا ایک نسخہ جو اس نے اپنے قلم سے لکھا تھا اس کے سینے پر رکھا ہوا ملا۔ پوپ (SIXTUS) کا ایک دوست تھا جس کا نام فرامارینو (FRAMARINO) تھا۔ اسے پوپ کی ذاتی لائبریری میں اس کا وہ نسخہ ملا۔ فرا کو اس سے بڑی دلچسپی تھی کیونکہ اس نے ارینیوس کی تحریروں کا مطالعہ کیا تھا جس میں اس نے برناباس کی انجیل کے بکثرت حوالے دیے تھے۔ اطالوی زبان میں لکھا ہوا یہ نسخہ مختلف لوگوں سے ہوتا ہوا ایمسٹرڈم (AMSTERDAM) کی ایک مشہور و معروف ہستی کے پاس پہنچا۔ یہاں سے پروشیا کے بادشاہ کے مشیر جے ایف۔ کریمر کو ملا۔ اس سے یہ کسی ایک علم دوست شہزادے یوجین (EUGENE) نے ۱۷۱۳ء میں حاصل کیا۔ ۱۷۳۸ء میں شہزادے کی ساری لائبریری کے ساتھ یہ نسخہ بھی ویانا پہنچا۔ اب بھی یہ نسخہ وہاں محفوظ رکھا ہے۔

ٹولینڈ (TOLAND) نے اپنی تصنیف "MISCELLANEOUS WORKS" جو اس کی وفات کے بعد ۱۷۴۷ء میں شائع ہوئی کی جلد اول صفحہ ۳۸۰ پر ذکر کیا کہ انجیل برناباس کا قلمی نسخہ اب بھی محفوظ ہے۔ اسی کتاب کے پندرھویں باب میں لکھا ہے کہ ۴۹۶ء میں ایک حکم کے ذریعے اس انجیل کو ان کتب میں شامل کیا گیا جن کو کلیسا نے ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اس سے پہلے ۴۶۵ء میں پوپ انوسینٹ (POPE INNOCENT) نے بھی اسی قسم کا حکم جاری کیا تھا نیز ۳۸۲ء میں مغربی کلیسا نے متفقہ طور پر اس پر بندش عائد کی تھی۔

مسٹر اور مسز ریگ (RAGG) نے ۱۹۰۷ء میں اطالوی نسخے سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو اب ہمارے سامنے ہے۔ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس نے اسے چھاپا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسے شائع کیا جب اس کا انگریزی ترجمہ چھپ کر بازار میں آیا تو اس کے سارے نسخے پراسرار طریقے پر بازار سے غائب کر دیے گئے۔ صرف دو نسخے محفوظ رہے۔ ایک برٹش میوزیم میں اور دوسرا واشنگٹن کی کانگریس لائبریری میں۔ یہ پیش نظر انگریزی ترجمہ مائیکرو فلم کے ذریعے پشاور کے ایک دوست کی وساطت سے واشنگٹن کی کانگریس لائبریری سے حاصل کیا گیا ہے۔

برناباس کے حالات اور اس کی انجیل کی تاریخ کو قدرے شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تاکہ ناظرین کرام کو حالات کا پوری طرح علم ہو اور اس الزام کی قلعی کھل جائے جو بعض عیسائی حلقوں کی طرف سے لگایا جاتا ہے کہ اس انجیل کا مصنف کوئی ایسا شخص ہے جو عیسائیت سے مرتد ہو کر مسلمان ہوا اور دجل و تزویر سے ایک کتاب تصنیف کر کے اسے برناباس کی طرف منسوب کر دیا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے کلیسا نے اس کتاب کو ممنوعہ کتب میں شامل کر دیا تھا اور اس کے رکھنے کو واجب القتل جرم قرار دیا تھا جس کے پاس یہ کتاب پائی جائے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو بشارتیں اس میں بکثرت موجود ہیں کلیسا کے غیظ و غضب کا موجب تو تھیں لیکن ان کے علاوہ اس میں کچھ ایسی تعلیمات تھیں جو سینٹ پال کے پیش کردہ عیسائی مذہب کی بیخ کنی کرتی تھیں اس لیے کلیسا کو یہ آخری اقدام کرنا پڑا۔ قدم قدم پر اس میں عقیدہ تثلیث کا ابطال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کو زور دار دلائل سے بڑے حسین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ خود حضرت عیسیٰ کے ارشادات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اس کے بندے اور رسول تھے۔ کلیسا کے نزدیک یہ باتیں ناقابل برداشت تھیں اس لیے انہوں نے اس کو اپنی مقدس کتب کی فہرست سے خارج کر دیا۔

برناباس نے اپنے رسول کی تعلیمات کو بلا کم و کاست بیان کیا۔ اسی طرح حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں جو بشارتیں حضرت عیسیٰ نے ایک بار نہیں بلکہ بار بار دی تھیں ان کا اس میں متعدد جگہ بھی تذکرہ فی الامر ہے۔ چنانچہ ان بے شمار بشارتوں میں سے صرف چند پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ان کا مطالعہ کیجیے اپنے ایمان کو تازہ کیجیے اور انہی کی روشنی میں اس آیت کی صحیح تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔

انجیل برناباس کے باب ۴۴ کا ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

"BUT AFTER ME SHALL COME THE SPLENDOUR OF ALL THE PROPHETS AND HOLY ONES AND SHALL SHED LIGHT UPON THE DARKNESS OF ALL THAT THE PROPHETS HAVE SAID BECAUSE HE IS THE MESSENGER OF GOD."

"لیکن میرے بعد وہ ہستی تشریف لائے گی جو تمام نبیوں اور نفوس قدسیہ کے لیے آب و تاب ہے اور پہلے انبیاء نے جو باتیں کی ہیں ان پر روشنی ڈالے گی کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

2. FOR I AM NOT WORTHY TO UNDO THE TIES OF THE HOSEN OR THE LATCHETS OF THE SHOES OF THE MESSENGER OF THE GOD WHOM YE CALL "MESSIAH" WHO WAS MADE BEFORE ME, AND SHALL COME AFTER ME, AND SHALL BRING THE WORDS OF TRUTH, SO THAT HIS FAITH SHALL HAVE NO END.

"یعنی جس ہستی کا ابھی تم ذکر کر رہے ہو میں تو اللہ کے اس رسول کی جوتیوں کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں جس کو تم مسیح کہتے ہو جو اس کی تخلیق مجھ سے پہلے ہوئی اور تشریف میرے بعد لائے گا وہ سچائی کے الفاظ لائے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔" (باب ۴۴)

"I AM INDEED SENT TO THE HOUSE OF ISRAEL AS A PROPHET OF SALVATION; BUT AFTER ME SHALL COME THE MESSIAH SENT OF GOD TO ALL THE WORLD, FOR WHOM GOD HATH MADE THE WORLD AND THEN THROUGH ALL THE WORLD WILL GOD BE WORSHIPPED, AND MERCY RECEIVED."

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: بے شک میں تو خاندان اسرائیل کے گھرانے کی نجات کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں لیکن میرے بعد مسیحا تشریف لائے گا جسے اللہ تعالیٰ سارے جہان کے لیے مبعوث فرمائے گا۔ اسی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات تخلیق کی ہے اور اس کی کوششوں کے باعث ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی پرستش کی جائے گی اور اس کی رحمت نصیب ہوگی۔" (باب ۸۲)

آپ پریشان ہیں کہ لوگوں نے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا ہے۔ رومی گورنر اور بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم روم کے شہنشاہ سے ایک ایسا فرمان جاری کرائیں گے جس میں سب کو آپ کے متعلق ایسی باتیں کہنے سے روک دیا جائے گا۔ اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں: مجھے تمہاری ان باتوں سے اطمینان حاصل نہیں ہوا۔

"BUT MY CONSOLATION IS IN THE COMING OF MESSENGER, WHO SHALL DESTROY EVERY FALSE OPINION OF ME, AND HIS FAITH SHALL SPREAD AND SHALL TAKE HOLD OF THE WHOLE WORLD, FOR SO HATH GOD PROMISED TO ABRAHAM OUR FATHER."

"بلکہ میرا اطمینان تو اس رسول کی تشریف آوری سے ہوگا جو میرے بارے میں تمام جھوٹے نظریات کو نیست و نابود کر دے گا۔ اس کا دین پھیلے گا اور سارے جہان کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ ابراہیم سے اسی طرح کا وعدہ کیا ہے۔"

اس کے بعد پادری نے ایک اور سوال پوچھا کہ کیا اس رسول کی آمد کے بعد اور نبی بھی آئیں گے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"THERE SHALL NOT COME AFTER HIM TRUE PROPHETS SENT BY GOD, BUT THERE SHALL COME A GREAT DEAL OF FALSE PROPHETS, WHEREAT I SORROW. FOR SATAN SHALL RAISE THEM UP"

"یعنی آپ کے بعد اللہ کا بھیجا ہوا کوئی سچا نبی نہیں آئے گا۔ البتہ کثرت سے جھوٹے نبی آئیں گے جنہیں شیطان کھڑا کرے گا۔"

اس پادری نے دوسرا سوال کیا: اس مسیحا کا نام کیا ہوگا اور کن علامات سے اس کی آمد کا پتہ چلے گا؟ اس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"THE NAME OF THE MESSIAH IS ADMIRABLE, FOR GOD HIMSELF GAVE HIM THE NAME WHEN HAD CREATED HIS SOUL, AND PLACED IT IN A CELESTIAL SPLENDOUR. GOD SAID: 'WAIT MUHAMMAD FOR THY SAKE I WILL TO CREATE PARADISE, THE WORLD, AND A GREAT MULTITUDE OF CREATURES.'

. . . I SHALL SEND THEE INTO THE WORLD I SHALL SEND THEE AS MY MESSENGER OF SALVATION AND THY WORD SHALL BE TRUE, IN SO MUCH THAT HEAVEN AND EARTH SHALL FAIL, BUT THY FAITH SHALL NEVER FAIL."

"MUHAMMAD IS HIS BLESSED NAME"

"مسیحا کا نام قابلِ تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس کی روح مبارک کو پیدا کیا اور آسمانی آب و تاب میں رکھا تو خود اس کا نام رکھا۔ اللہ نے فرمایا "اے محمد! انتظار کرو میں نے تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے۔ ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی۔ آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔"

آپ نے کہا کہ محمد اس کا بابرکت نام ہے۔"

پھر تمام سامعین نے پُرجوش گریہ کرتے ہوئے دعا کرنی شروع کی۔

"O GOD SEND US THY MESSENGER O MUHAMMAD, COME QUICKLY FOR THE SALVATION OF THE WORLD."

"اے خدا! اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج، یا رسول اللہ! دنیا کی نجات کے لیے جلد ہی تشریف لے آئیے۔" (باب ۱۰۷)

۵۔ حضرت مسیح اپنے حواریوں کو اس سے اپنے آخری حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میرے قتل کی سازش کی جائے گی چند سکوں کے لالچ میں میرا ایک حواری گرفتار کرائے گا۔ لیکن وہ مجھے پھانسی نہیں دے سکیں گے اللہ تعالیٰ مجھے یہاں سے اٹھا لے گا اور جس نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے اس کو میرے بجائے سُولی پر چڑھا دیا جائے گا

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے حالانکہ اسے بلایا جا رہا ہے

اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑦ يُرِيْدُوْنَ

اسلام کی طرف۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ (کافر) چاہتے ہیں

فرماتے ہیں:

I SHALL ABIDE IN THAT DISHONOUR FOR A LONG TIME IN THE WORLD, BUT WHEN MOHAMMAD SHALL COME, THE SACRED MESSENGER OF GOD, THAT INFAMY SHALL BE TAKEN AWAY. AND THIS SHALL GOD DO, BECAUSE I HAVE CONFESSED THE TRUTH OF THE MESSIAH, WHO SHALL GIVE ME THIS REWARD, THAT I SHALL BE KNOWN TO BE ALIVE AND TO BE A STRANGER TO THAT DEATH OF INFAMY.

"طویل عرصہ تک لوگ مجھے بدنام کرتے رہیں گے لیکن جب محمد تشریف لائیں گے جو خدا کے مقدس رسول ہیں تب میری یہ بدنامی ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ یوں کرے گا کیونکہ میں اس مسیحا کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں، وہ مجھے یہ انعام دے گا کہ لوگ مجھے زندہ جانتے ہوں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس رسوا کن موت سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔" (باب ۱۱۲)

کئی اور متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے کہ وہ عظیم الشان رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوگا۔ اس مقام کی تنگ دامانی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں ان تمام حوالوں کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ امید ہے اگر بنظر انصاف آپ ان اقتباسات کا مطالعہ کریں گے تو حقیقت کا رخ زیبا یقیناً بے نقاب ہو جائے گا۔

رہا آخری سوال کہ جس شخص کا نام غلام احمد ہو وہ اس آیت کا مصداق بن سکتا ہے اور اسے احمد قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس کے بارے میں اتنا ہی سمجھ لیں کہ ایک شخص جس کا نام عبداللہ ہو وہ اپنے نام سے عبد حذف کر کے اگر اللہ نہیں کہلا سکتا تو اسی طرح غلام احمد نامی شخص غلام کا لفظ کاٹ کر اپنے آپ کو احمد کہلانے لگا تو اس سے بڑھ کر تحریف شاید ہی ہو سکتی ہے، آن کی کوئی تحریف نہیں ہو سکتی۔

ملہ لیکن جب وہ رسول جس کا نام نامی احمد ہے حضرت مسیح کی پیشین گوئی کے مطابق تشریف لے آیا اور روشن معجزات سے اپنی صداقت کو آشکارا کر دیا تو ان لوگوں کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اور معجزات نبوت کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ

کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے ۔ لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ سخت ناپسند

الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

کریں اس کو کافر ۔ وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹ يٰٓاَيُّهَا

تاکہ وہ غالب کر دے اسے سب دینوں پر ۔ خواہ سخت ناپسند کریں اس کو مشرک ۔ اے

۱؎ کفار سر توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام کا یہ روشن چراغ بجھ جائے لیکن وہ کان کھول کر سن لیں کہ ان کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ یہ نور حق اپنے شباب اور کمال کو پہنچ کر رہے گا۔ اس کی تجلیات سے بحر و بر دشت و جبل چمک اٹھیں گے اور اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے گا۔ کافروں کو بے شک اسلام کی ترقی سخت ناپسند ہے وہ اسلام کو ناکام کرنے کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیں گے لیکن انہیں بجز حسرت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ آیت کسی ایسے موقع پر نازل نہیں ہوئی جب اسلام کے پرچم تلے لشکر جرار جمع ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کی دھاک لوگوں کے دلوں پر بیٹھ چکی تھی، مخالفت کی آندھیاں تھم گئی تھیں اور اسلام کی کامیابی کے آثار ہر شخص کو دکھائی دینے لگے تھے۔ بلکہ یہ آیت غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی جبکہ مسلمانوں کو بڑی شدید مشکلات کا سامنا تھا۔ میدان جنگ میں ان کا بڑا جانی نقصان ہوا تھا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعبؓ جیسے عظیم المرتبت بہادر جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ قرب و جوار میں بسنے والے بدو قبائل کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب باقی نہ رہا تھا۔ ان ناگفتہ بہ اور غیر یقینی حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور سب دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حرف بحرف پورا ہوا۔

۲؎ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و کبریائی کا ذکر فرما رہا ہے کہ میں وہ قادر و حکیم ہوں جس نے ساری دنیا کی رہبری کے لیے ایک رسول بھیجا۔ اس کو نور ہدایت کا امین اور حق کا علمبردار بنایا اور اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ اس کے لائے ہوئے دین کو غلبہ عطا فرماؤں۔ سارا عالم میں اس کا ڈنکا بجے۔ اس کے مجاہد میدان کارزار میں باطل کے پرستاروں کو تیغ و سناں سے مغلوب کر رہے ہوں۔ اس کے علماء دلیل و برہان سے شرک کے علمبرداروں کو شکست دے رہے ہوں اور اسلامی معاشرہ اپنے پاکیزہ تمدن، اپنی نورانی تہذیب، اپنے منصفانہ نظام معیشت اور اخلاق حسنہ کے باعث اسلام کی برتری اور فتح مندی کا پرچم لہرا رہا ہو۔

اسلام چھپ چھپ کر وقت گزارنے کے لیے یا باطل سے مصالحت کر کے زندہ رہنے کے لیے نہیں آیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے شیروں کا دین ہے، یہ شمشیر حق کے پروانوں کا دین ہے۔ سارا کفر و شرک اگر اپنی قوتوں کو یکجا بھی کر لے تب بھی وہ ان کو ہراساں نہیں کر سکتا، ان کو پسپا نہیں کر سکتا۔

الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ

ایمان والو! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ایسی تجارت پر جو بچالے تمہیں دردناک عذاب

أَلِيمٍ ﴿١٠﴾ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ

سے ۱۳ وہ تجارت یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ

اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١﴾

میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

اللہ تعالیٰ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے

۱۳ دوسرے لوگ بھی تجارت کرتے ہیں۔ اس میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی۔ بسا اوقات تو سرمایہ تک برباد ہو جاتا ہے۔ اگر نفع ہو تو یہی ہوگا کہ دولت کی فراوانی اور اسباب عیش و آرام مہیا ہو جائیں گے۔ لیکن ایک تجارت وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو باخبر کر رہا ہے اور اس میں حصہ لینے کی ترغیب دے رہا ہے اور اس تجارت کی چند خصوصیات ہیں۔ اس میں نفع ہی نفع ہے نقصان کا ذرا احتمال نہیں۔ اس کا نفع عارضی اور وقتی نہیں بلکہ ابدی اور سرمدی ہے۔ اس کے فوائد سے اس کا تاجر صرف قیامت کے روز ہی بہرہ ور نہ ہوگا بلکہ اس دنیا میں بھی اس کا نفع اسے ملے گا۔ نفع یہی ہے کہ جس میدان میں قدم رکھے گا تنہا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کے ہمراہ ہوگی اور فتح و کامرانی اس کے قدم چومے گی جہاں بھی وہ جائے گا ہر چیز اس کے آگے دست بستہ حاضر ہوگی پہاڑ اس کی ٹھوکر سے اور سمندر اس کی ضرب سے راستہ چھوڑ دیں گے۔ اور وہ تجارت یہ ہے کہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے اموال اور اپنی جانیں اپنے رب کے راستہ میں قربان کر دو۔ یہ تمہارا مال کو بچا بچا کر رکھنے میں تمہارا نفع نہیں بلکہ اس کی رضا کے لیے گھر بار لٹا دینا یہ تمہارے لیے سود مند ہے۔ جان کو بحفاظت رکھنے میں تمہاری سلامتی نہیں۔ تمہاری سلامتی اس میں ہے کہ اس کے نام کو بلند کرنے کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دو اور اپنا سر قربان کر دو۔ تمہیں حیات جاوید بخش دی جائے گی۔ موت تمہارا دامن چھو تک نہ سکے گی۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی (علامہ اقبال)

دنیوی زندگی میں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اس کی مہربانی سے فتح و کامرانی بہت بڑی چیز ہے۔ بہرحال آخرت کی سرخروئی

الْأَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾

نہریں اور پاکیزہ مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ

اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے وہ بھی ملے گی، یعنی اللہ کی جانب سے نصرت اور فتح جو بالکل قریب ہے اور (اے حبیب!)

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ

مومنوں کو (یہ) بشارت سنا دیجیے اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ ؎۱ جس طرح کہا تھا

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ

عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں؟ حواریوں نے

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ

جواب دیا ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں پس ایمان لے آیا ایک گروہ بنی

اس سے بھی اعلیٰ و افضل ہے اس لیے اس کے ذکر کو مقدم کیا۔

؎۱ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ نہ اس کا کوئی کام ہماری اعانت کا محتاج ہے۔ جو لوگ دین کی سربلندی کے لیے کوشاں رہتے ہیں وہ گوناگوں برکات سے اپنی زندگی کو مالامال کرتے ہیں اور محض اپنا اور اپنی آئندہ نسلوں کا بھلا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہے۔ ان کے جذبۂ اخلاص کی قدر فرماتے ہوئے ان کو انصار اللہ کے معزز لقب سے یاد فرماتا ہے یہ اس کی کمال مہربانی، شان بندہ پروری اور ذرہ نوازی ہے۔

حواریون، جمع ہے۔ اس کا واحد حواری ہے جو حور سے مشتق ہے۔ حور سفیدی کو کہتے ہیں۔ دھوبی کو عربی میں حواری کہتے ہیں کیونکہ وہ میلے کپڑوں کو پاک اور اجلا کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی ساتھی اکثر دھوبی تھے اس لیے انہیں حواریون کہا گیا۔ بعد میں پرخلوص دوست اور بااعتماد ساتھی کو حواری کہا جانے لگا۔

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: التحویر: التبییض۔ والحواریون: القصارون لتبییضهم لانهم کانوا قصارین ثم غلب حتی صار کل ناصر و کل حمیم حواریا (لسان العرب)

إِسْرَآءِيلَ وَكَفَرَت طَّآئِفَةٌ ۖ فَأَيَّدْنَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ عَلَىٰ

اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے

عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا۟ ظَٰهِرِينَ ﴿۱۴﴾ ع ۲ / ۱۰

مقابلہ میں بالآخر وہی غالب رہے ۱۵؎

۱۵؎ جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو من انصاری الی اللہ کہہ کر دعوت حق دی تو حواریین نے لبیک لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے اور شرف بایمان ہوئے لیکن بنی اسرائیل کے ہٹ دھرم اور ضدی لوگ چڑ گئے اور کفر پر اڑے رہے حسب سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ایمان دار گروہ کی امداد فرمائی اور ان کو غلبہ اور کامیابی سے سرفراز فرمایا۔

◎

اللّٰهم اجعلنا من انصار نبيك المصطفى ورسولك المجتبى عليه وعلى آله افضل الصلوة واجمل الثناء. وأيدنا على جميع أعدائه ودينك ليصبح بتائيدك ونصرتك ظاهرا على الاديان كلها انك على كل شيء قدير

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃ الجُمُعۃ

نام : اس سورۃ کی آیت نمبر ۹ میں "الجمعۃ" کا کلمہ ہے۔ اسی کو اس سورۃ کا نام تجویز فرما دیا گیا۔ اس میں دو رکوع، گیارہ آیتیں، ایک سو اسی کلمے اور سات سو بیس حروف ہیں۔

زمانہ نزول : حضرات ابن عباس، ابن زبیر، حسن، مجاہد، عکرمہ اور قتادہ بلکہ جمہور امت کے نزدیک اس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں اس روز بارگاہ نبوت میں حاضر تھا جس روز سورۃ جمعہ نازل ہوئی اور سب کو علم ہے کہ حضرت ابوہریرہ صلح حدیبیہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور غزوۂ خیبر ۷ھ میں ہوا ابن ہشام کے نزدیک محرم کا مہینہ تھا اور ابن سعد کے نزدیک جمادی الاولیٰ کا۔

نیز اس کے مضامین بھی اس کے مدنی ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اس میں یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے نیز جمعہ ادا کرنے کا تاکیدی حکم بھی ہے اور ان دونوں کا تعلق مدنی عہد سے ہے۔

مضامین : اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی صفات حمیدہ کے بیان سے اس سورۃ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان رفیع کے حکم کے بعد اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے محامد و کمالات بیان فرمائے ہیں۔ امیین کا ذکر کرکے یہود کے اس زعم باطل کی تردید فرما دی جو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ نبوت فقط اسرائیل کے خانوادہ کی جاگیر ہے کوئی غیر اسرائیلی نبی نہیں بن سکتا۔ بتا دیا کہ نبوت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ قادر و مختار ہے جس کو چاہے اپنے فضل سے سرفراز فرما دے۔ نہ کوئی اس کو ایسا کرنے سے منع کر سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کی اس عطا پر معترض ہونے کا اختیار ہے اس نے اپنی مہربانی سے امیین میں ایسا جلیل القدر، رفیع الشان رسول مبعوث فرمایا جس کی خیرات و برکات کا یہاں ذکر خیر ہو رہا ہے۔ جو آیات ربانی پڑھ کر سناتا ہے۔ یہ وہ مینارہ ہے جس سے تا ابد رشد و ہدایت کی شعاعیں نکلتی رہیں گی۔ اس کا فیضان نگاہ اس کے زمانے تک محدود نہیں بلکہ فیضان کا یہ چشمہ قیامت تک جاری رہے گا جو خوش نصیب اس کی بارگاہ میں دامن طلب پھیلائے گا، بامراد واپس آئے گا۔

مشرکین عرب کے علاوہ یہودی بھی اسلام کی عداوت میں پیش پیش تھے۔ وہ ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہتے کہ اسلام کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کی چٹانیں کھڑی کر دیں۔ بلکہ ان کا بس چلے تو باعث ایجاد عالم محبوب رب العالمین

صلی اللہ علیہ وسلم کی شمعِ حیات کو ہی گل کر دیں۔ اُن کے بارے میں بتا دیا کہ اُن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ موسیٰ کلیم اللہ کی اُمت ہیں۔ اُن کے پاس تورات جیسا آسمانی صحیفہ موجود ہے لیکن صد حیف انہیں اس سے استفادہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوئی۔ وہ اس کی آیتیں بیچ کر متاعِ دنیا جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اُن کی مثال اُس گدھے کی ہے جس پر قیمتی علمی کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو، لیکن اُسے یہ خبر نہ ہو کہ اس میں علم و حکمت کے کتنے قیمتی موتی موجود ہیں۔

ایک اور غلط فہمی بھی اُن کی بدنصیبی کا باعث تھی۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کا لاڈلا خیال کرتے تھے کسی غیر اسرائیلی کا اتباع اُن کے نزدیک اُن کی توہین اور ہتک کا باعث تھا۔ بتا دیا کہ تمہارا یہ گمان سراسر غلط ہے۔ دل کی گہرائیوں میں تم بھی اسے غلط سمجھتے ہو ورنہ تم موت سے نہ ڈرتے۔ تمہارے خیال کے مطابق تو چاہیے تھا کہ تم موت کے خواہاں ہوتے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے لاڈلوں کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرتا۔ تمہاری بزدلی کا تو یہ عالم ہے کہ خیبر جیسے مستحکم قلعے اور جنگی ہتھیاروں کے انبار بھی تمہیں مردِ میدان بننے کی جرأت نہ بخش سکے۔

دوسرے رکوع کے مدنی ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں لیکن بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ اس کا نزول ہجرت کے فوراً بعد ہوا جب کہ مسلمانوں کو اجتماعی عبادتوں کی تربیت دینے کی ضرورت تھی۔ یہاں مسلمانوں کو نمازِ جمعہ کے آداب سکھائے جا رہے ہیں اور تاکید کی جا رہی ہے کہ جب اللہ کا حبیب خطبہ ارشاد فرما رہا ہو تو کسی دُنیوی مقصد کے حصول کی خاطر وہاں سے اُٹھ کر چلے نہ جایا کرو۔ البتہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کسبِ معاش کے لیے اللہ کی زمین میں پھیل جاؤ اور ہر حالت میں کثرت سے اپنے اللہ کریم کا ذکر کیا کرو۔

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الجمعہ مدنی ہے اور اس کی ۱۱ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ

اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے، جو بادشاہ ہے، نہایت مقدس ہے،

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

زبردست ہے حکمت والا ہے۔ لـه وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا اُمّیوں میں ایک رسول انہیں میں سے

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَ

جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت۔

لـه اس سے پہلی سورت میں سَبَّحَ ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یہاں یُسَبِّحُ مضارع کا صیغہ ذکر کیا جو حال و مستقبل دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اس کی تسبیح زمانی حدود کی پابند نہیں۔ ازل سے کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے اور ابد تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اپنی استعداد، اپنی مخصوص زندگی اور شعور کے مطابق اسی کی تسبیح بیان کرنے میں مشغول ہے۔

اس کے بعد چند اسمائے حسنٰی ذکر کر دیئے گئے تاکہ اس ہمہ گیر تسبیح کی وجہ بتا دی جائے۔ وہ کائنات کا حقیقی بادشاہ اور فرمانروا ہے۔ جہاں ہست و بود اور اس سے ماورا اسی کی سلطنت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ وہ قدوس ہے، ہر نقص سے پاک، بالکل پاک۔ نہ وہاں عجز کا شائبہ ہے نہ وہاں ظلم و تعدی کا احتمال ہے۔ وہ عزیز ہے۔ اس کا فیصلہ اٹل ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اسے ٹال سکے یا منسوخ کر سکے۔ وہ ان جملہ صفاتِ کمال سے متصف ہونے کے باوجود حکیم ہے۔ اس کے سارے کام مبنی بر حکمت، مبنی بر صواب ہیں۔

اس آیت کے بعد محبوبِ ربّ العالمین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کا ذکر آرہا ہے۔ اس لیے اپنی صفاتِ جمال و جلال کو پہلے بیان کر دیا تاکہ کوئی کم فہم اس رسول کی شانِ رحمۃ للعالمینی کی وسعت کا انکار نہ کر سکے۔ کیونکہ اس کو بھیجنے والا وہ خداوند جل و علا ہے جس کی صفات کا یہ عالم ہے۔

اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا

اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ۲ اور دوسرے لوگوں کا بھی ان میں سے تزکیہ کرتا ہے تعلیم دیتا ہے جو

۲۔ اسی خداوند عالم نے جو ان صفات جمیلہ و جلیلہ سے متصف ہے ان اُمّیوں میں سے ایک گرامی قدر رسول مبعوث فرمایا۔ رسولا منہم کی تشریح کرتے ہوئے علماء تفسیر نے لکھا ہے۔ ای من جملتہم اُمّیا مثلہم (مظہری، روح المعانی وغیرہ) یعنی حضور انہی میں سے تھے ان کی طرح اُمّی تھے۔

لفظ اُمّی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: والامی الذی لا یکتب قال الزجاج الامی الذی علی خلقۃ الامۃ لم یتعلم الکتاب فھو علی جبلتہ وقیل للعرب الامیون لان الکتابۃ کانت فیہم عزیزۃ او عدیمۃ یعنی اُمّی وہ ہے جو لکھ نہ سکے۔ زجاج کہتے ہیں کہ اُمّی اس کو کہتے ہیں جو اپنی پیدائش کے وقت کی حالت پر رہے جس نے لکھنا نہ سیکھا ہو۔ اہل عرب کو بھی اُمّیین کہا جاتا کیونکہ ان میں لکھنا اور پڑھنا معدوم تھا۔

علامہ سید محمود آلوسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُمّی مبعوث کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ کسی کے سینے کو علوم و معارف سے لبریز کرنا چاہتا ہے تو اسے تحصیل علم کے مروجہ طریقوں کی ضرورت نہیں۔ اشارۃ الی عظیم قدرتہ عزوجل وان افاضۃ العلوم لا تتوقف علی الاسباب العادیۃ۔ اسی کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں۔ آج دل بھی ہو سکتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی روح ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو جاتی ہے تو اس کے دل پر انوار الٰہیہ کا القا کیا جاتا ہے اور اتنی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ علوم ربانیہ اور معارف لدنیہ کا ادراک کر سکتا ہے۔ ومن انقطع الی اللہ عزوجل و خلصت روحہ افیض الی قلبہ انوار الٰہیۃ تہیأت بہا بادراک العلوم الربانیۃ والمعارف القدسیۃ۔

علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے۔ لم یحتج الیہ من کان القلم الاعلی یخدمہ واللوح المحفوظ مصحفہ ومنظرہ وعدم کتابتہ مع علمہ بہا معجزۃ باہرۃ علیہ السلام

یعنی قلم اعلیٰ جس کا خادم ہو اور لوح محفوظ جس کی نگاہوں میں ہو اس کو نوشت و خواند کی کیا ضرورت۔ اور جاننے کے باوجود نہ لکھنا یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روشن معجزہ ہے۔ کسی عارف نے کہا ہے۔

فیض ام الکتاب پرورشش — لقب اُمّی ازاں خدا کردش
لوح تعلیم ناگرفتہ بہ بر — ہمہ ز اسرار لوح دادہ خبر
بر خط او ست انس و جاں را سر — کرد نخواندہ ست خط اولیں چہ خطر

ترجمہ: ام الکتاب (قرآن شریف) کے فیض نے کیونکہ آپ کی پرورش کی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا لقب اُمّی رکھا ہے۔ اگرچہ آپ نے علم سیکھنے کی تختی اپنی بغل میں نہیں پکڑی لیکن لوح محفوظ کے تمام رازوں سے خبر دی ہے۔
انس و جن نے حضور کے خط پر اپنے سر رکھ دیے ہیں۔ اگر ظاہری خط نہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امی مبعوث کرنے میں یہی حکمت ہے کہ کوئی شخص حضور پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ جو حکیمانہ کلمات اور پاکیزہ تعلیمات آپ سکھا رہے ہیں وہ حکماء کی کتابوں کے طویل اور عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے۔
سب اہل نظر یہ دیکھ رہے تھے کہ آپ نے کسی مکتب میں کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ کبھی نہ کچھ لکھا اور نہ کچھ پڑھا ہے جو کلام آپ سناتے ہیں وہ آپ کا کلام نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے۔

حضور کی رسالت کے فرائض کو اس آیت میں بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ کا پہلا فریضہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات طیبات کو اپنی پاکیزہ زبان سے تلاوت فرمائیں تاکہ وہ دلوں میں اترتی چلی جائیں۔ صرف ان آیات کی تلاوت پر بس نہ کریں بلکہ اس کتاب کی انہیں تعلیم بھی دیں، اس کی حکمتوں اور اس کے اسرار و معارف سے آگاہ بھی کریں۔ صرف تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت سے ہی فریضہ رسالت ادا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اپنی نگاہ رحمت سے دلوں کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک اور مطہر کر دیں۔ رسالت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ واطیب السلام کی شان کا پتہ اسی وقت چلتا ہے جب انسان اس معاشرہ پر نظر ڈالتا ہے جو حضور کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوا۔ وہ لوگ پہلے کھلی گمراہیوں میں بھٹک رہے تھے۔ لیکن حضور کے فیض نظر سے ریگزار عرب کے حقیر ذرے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکنے لگے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

آنکہ بود کہ ما از اثر حکمت او — واقف از سرّ نہاں خانۂ تقدیر شدیم

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یتلو علیھم سے اس استفاضے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو زبان رسالت سے صحابہ کو نصیب ہوا اور یزکیھم سے اس قلبی فیضان کی طرف اشارہ فرمایا جو نبوت کی باطنی فیض اثر اور توجہ باطنی سے انہیں میسر آیا۔ اولیائے کرام جو شریعت مطہرہ پر اور سنت نبوی کے مطابق اتباع کا التزام کرتے ہیں وہ اپنے متبعین کے دل اور ان کے نفوس کو پاک اور طاہر بنا دیتے ہیں۔
علامہ مذکور فیضان نگاہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ومع ھذا انکر برکۃ کل من المتعصبین التوجہ والرابطۃ وقد شاھدت ذلک من فضل اللہ عزوجل مرشد کامل کی توجہ اور تعلق خاطر کی برکت کا میں انکار نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔ (روح المعانی)

بعض یہود نے اس آیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف امیین یعنی اہل عرب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ لیکن یہ استدلال سراسر باطل ہے۔ اگر قرآن کریم میں الی الامیین ہوتا تو ان کے قول میں کچھ وزن ہوتا یہاں تو فی الامیین کے الفاظ ہیں اور اس میں کیا شبہ ہے کہ حضور کی بعثت امیین میں ہوئی۔ لیکن آپ کی بعثت ان امیین تک محدود نہ تھی جس طرح قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تصریح کر دی گئی ہے۔ کافۃ للناس بشیرا ونذیرا، وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔
علامہ آلوسی لکھتے ہیں: والمذکور فی الآیۃ کونہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من جنس الذین بعث فیھم ولعل المبعوث الیھم لم یتعرض لہ فیھا نفیا او اثباتا وقد تعرض لاثباتہ فی آیات اخر۔ (روح المعانی)
نیز اس آیت کے متصل جو آیت ہے اس نے اس ضعیف احتمال کی بیخ کنی کر دی ہے۔

يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣﴾ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ

ابھی ان سے آکر نہیں ملے ۳ اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے اسے

مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٤﴾ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا

جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے ۴ ان کی مثال جنہیں تورات کا

التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۚ بِئْسَ

حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں ۵ وہ اس سے بھی زیادہ بری

۳ پھر ذرا اس کے اعراب ملاحظہ فرمائیے۔ اگر اس کا عطف علیہ امیین پر کیا جائے تو اس صورت میں یہ فی کا مجرور ہو گا اور اگر اس کا عطف علیہ یعلمھم میں ضمیر مفعول ہو تو اس صورت میں منصوب ہو گا۔ یعنی یعلمھم ویعلم الآخرین الکتاب والحکمۃ یعنی حضور ان آخرین کو بھی کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کے دلوں کو پاک کرتے ہیں یعنی جو لوگ قیامت تک حضور کے دین حنیف کو قبول کریں گے وہ بھی فیض یاب ہوتے رہیں گے خواص بھی بلاواسطہ اور عوام بالواسطہ بھی اور براہ راست اللہ تعالیٰ کی مدد سے بھی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔ الاشارۃ الی عدم انقطاع فیضہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن امتہ الی یوم القیامۃ وعدم انقطاع الفیض الولی ایضا بعد الانتقال من دار الکثافۃ والفناء الی دار التجرید والبقاء۔ یعنی اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض اپنی امت سے تا قیامت منقطع نہیں ہو گا اور صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ ولی کا فیض بھی دار فنا سے دار بقا کی طرف انتقال کرنے کے بعد منقطع نہیں ہوتا۔

۴ آخر میں پھر بتا دیا کہ جس رب کریم نے ذات مصطفوی کو قیامت تک آنے والوں کے لیے منبع فیض اور مصدر رشد و ہدایت بنایا ہے جس نے اپنے محبوب کی برکات رحمت کو اتنا پھیلا دیا ہے کہ عالمین اس کے زیر سایہ ہیں وہ العزیز اور الحکیم ہے۔ ہے کوئی جو اس العزیز کے سامنے دم مار سکے یا ہے کوئی جو اس الحکیم کے فیصلہ میں عیب نکال سکے۔

۵ اس مقام پر اس آیت کا نازل ہونا اپنے اندر معانی و اسرار کا ایک جہان سمیٹے ہوئے ہے۔ یہی تو ہے صاحب فضل عظیم ہے۔ کون ہے جو اس کریم اور فضل و عطا کی بیکرانیوں کا اندازہ کر سکے۔ خوش نصیب لگا سکتے ہیں جنہیں مقام محمدی کا عرفان بخشا گیا ہے۔ اللھم صل علی حبیبک و محبوبک حامل لواء الحمد صاحب المقام المحمود وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اللھم ارزقنا حبہ و اتباعہ واحشرنا فی زمرتہ یا ارحم الراحمین یا ذا الجلال والاکرام۔

۶ اس آیت میں ان یہودیوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہیں تورات جیسی عظیم کتاب کا حامل بنایا گیا تھا۔ وہ ان کثیر التعداد پیشگوئیوں سے آگاہ تھے جن میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ذکر تھا اور حضور پر ایمان لانے کی بار بار تاکید کی گئی تھی۔ اس کے باوجود وہ حضور پر ایمان لانے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ انہیں اصرار تھا کہ وہ کسی ایسے نبی کو ماننے کے لیے تیار نہیں جو اسرائیلی نہ ہو، خواہ وہ خدا کا فرستادہ ہو۔

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالموں کی

الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥﴾ قُلْ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ

رہنمائی نہیں کرتا۔ آپ فرمائیے اے یہودیو! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست

لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾

ہو اور لوگ (دوست) نہیں ہیں تو ذرا مرنے کی آرزو تو کرو اگر تم سچے ہو۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

اور (اے حبیب!) وہ اس کی تمنا کبھی نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو وہ اپنے ہاتھوں پہلے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ

جانتا ہے ظالموں کو۔ آپ (انہیں) فرمائیے یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی

فرمایا یہ لوگ گدھے کی مانند ہیں جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں لیکن وہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر رہا ہو۔ حملوا التوراۃ ای کلفوا العمل بما فیھا عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تورات پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ قال الجصاص وھو من الحمالۃ ای الکفالۃ۔ جو حمالہ کہتے ہیں حملوا حمالۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنی کفالہ یعنی ذمہ داری ہے یعنی ان پر عمل کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی۔ لم یحملوھا ای لم یعملوا بھا۔ یعنی انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ الاسفار۔ اس کا واحد سفر ہے۔ (روح) کتاب کبیر یعنی ضخیم کتاب کو سفر کہتے ہیں۔

ٹ یعنی جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی وہ گدھوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ گدھے علم اور سمجھ سے بے بہرہ ہیں اور یہ لوگ علم و فہم رکھتے ہوئے بھی آیات ربانی کو جھٹلا رہے ہیں۔ (وھو انھم کذبوا علی اللہ تعالیٰ کان فی غایۃ الشر والفساد۔ رازی)

شہ یہودی بڑے طمطراق سے یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ نحن ابناء اللہ واحباءہ ہم خدا کے بیٹے اور لاڈلے ہیں۔ نیز کہتے لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا یعنی جنت میں صرف وہی داخل ہو سکے گا جو یہودی ہے۔ اس آیت میں ان کی قلعی کھولی جا رہی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ والذی نفس محمد بیدہ لو تمنوا الموت ما بقی علی ظہرھا یہودی الا مات۔ اس ذات کی قسم

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم

تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ

کیا کرتے تھے ۸ اے ایمان والو! جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ

الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف ۱۱ اور (فوراً) چھوڑ دو خرید و فروخت ۱۲ یہ تمہارے لیے بہتر ہے

جس کی قدرت میں میری جان ہے اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہتا۔

اس آیت میں حضور کا معجزہ بھی ہے۔ خبر دے دی کہ وہ موت کی تمنا کبھی نہ کریں گے اور واقعی وہ بے کی تمنا بھی نہ کر سکے۔

۹ ان کا مرنا موت کی تمنا پر موقوف نہیں، وہ ہزار اس سے بھاگیں، ہزار اس سے بچنے کی کوشش کریں انہیں ضرور

لامحالہ ایک روز موت کا پیالہ پینا ہی پڑے گا۔

۱۰ اس رکوع میں نماز جمعہ کے احکام اور آداب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں مخاطب صرف فرزندان اسلام ہیں ارشاد ہو رہا

ہے کہ اے ایمان والو! جب تم نماز جمعہ کی اذان سنو تو جلدی سے اللہ کے ذکر کی طرف پہنچنے کی کوشش کرو اور اسی وقت خرید و فروخت

بند کر دو۔ نودی سے مراد جمعہ کی اذان ہے اور احناف کے نزدیک یہ پہلی اذان ہے جو خطبہ سے کچھ دیر پہلے دی جاتی ہے۔ اسعوا کا

معنی دوڑنا یا بھاگنا نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگ کر نماز میں شرکت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوۃ فلا تأتوھا وانتم تسعون ولکن ائتوھا وعلیکم السکینۃ والوقار

وما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا۔ یعنی سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا نماز کی اقامت سنو تو بھاگ کر نہ آؤ بلکہ بڑے سکون اور وقار کے

ساتھ نماز کی طرف آؤ جو رکعتیں مل جائیں وہ امام کے ساتھ پڑھو اور جو فوت ہو جائیں انہیں سلام کے بعد پورا کرو۔

اس لیے علماء نے سعی کا معنی یہ کیا ہے اخلاص النیۃ والعمل یعنی ارادہ کر لو اور وہاں جانے کی تیاری شروع کر دو۔

۱۱ صرف خرید و فروخت کو ختم کرنے یا بند کرنے کا حکم نہیں بلکہ تمام وہ مشاغل جو جمعہ کی حاضری میں رکاوٹ بن سکیں تمام کو ترک

کرنا ضروری ہے اور خرید و فروخت کا خصوصی ذکر اس لیے ہوا کہ جمعہ کے روز لوگ باہر سے آتے اور بیچنے کے لیے اپنا سامان بھی لاتے اور شہر

سے اپنی ضروریات خرید کر بھی لے جاتے۔ مختلف بستیوں کے لوگوں کے آنے کی وجہ سے جمعہ کے دن بڑی چہل پہل ہو جاتی اور خرید و فروخت کا

بازار خوب گرم ہو جاتا اس لیے خصوصیت سے وذروا البیع کا حکم فرمایا گیا۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي

اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو ۱۲ پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ

۱۲ یعنی خرید و فروخت اور دیگر مشاغل کو پس پشت ڈال کر مکمل تیاری سے نماز جمعہ میں حاضری تمہارے لیے تمام چیزوں سے زیادہ سود مند اور نفع بخش ہے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ، اس کی ابتداء اور جمعہ کے بارے میں چند ضروری مسائل بالاختصار ذکر کر دیئے جاتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور کے جد امجد کعب ابن لوی اس روز قریش کو اکٹھا کر کے خطبہ دیا کرتے تھے اور انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری سنایا کرتے اور انہیں تاکید کرتے کہ حضور پر ایمان لائیں اور حضور کی نصرت میں غفلت سے کام نہ لیں۔ ان کا ایک شعر بھی مشہور ہے۔

یا لیتنی شاھدا نجوی دعوتہ اذا قریش تبغی الحق خذلانا

کاش میں حضور کی دعوت کے وقت حاضر ہوتا جب قریش حق کو ناکام بنانے کی کوشش کر رہے ہوتے۔ حضرت کعب نے اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا لیکن اس نام کو شہرت نہ ہوئی۔ اہل عرب اسے یوم العروبہ ہی کہتے رہے۔ کعب ابن لوی اور حضور کی بعثت کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے حضرت مصعب ابن عمیر کو تبلیغ کیلئے یثرب روانہ کیا گیا تھا۔ ان کی مساعی جمیلہ سے یثرب کے کافی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہفتہ میں یہودی ایک دن یوم سبت مل کر عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ اتوار کو اجتماع کرتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہفتہ میں کوئی دن مقرر کریں۔ اس دن سب چھوٹے بڑے اکٹھے ہوں، اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عبادت کریں اور اس کا شکر ادا کریں۔ انہوں نے اپنے اس اجتماع کے لیے عروبہ کا دن منتخب کیا۔ چنانچہ اس روز یثرب کے سارے مسلمان اکٹھے ہوئے اور حضرت اسعد ابن زرارہ نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو ادا کیا گیا۔ حضرت کعب ابن مالک جب جمعہ کی اذان سنتے تو دعا مانگتے کہ اے اللہ سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ چنانچہ ان مسلمانوں کی ایمانی بصیرت نے دو چیزوں کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ ایک یہ کہ انہیں ہفتہ میں ایک روز عبادت، ذکر اور شکر کے لیے مخصوص کرنا چاہیے۔ دوسری یہ کہ وہ دن ہفتہ اور اتوار نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور دن مقرر کرنا چاہیے تاکہ ہماری ملی انفرادیت برقرار اور نمایاں ہو۔ یہ فیصلہ انہوں نے از روئے اجتہاد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اجتہاد پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اس وقت سے اس دن کا نام عروبہ سے یوم الجمعہ ہو گیا اور اسی نام کو ہمیشہ قبولیت عام اور شہرت دوام حاصل ہو گئی۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے تو چند روز یثرب کی نواحی بستی قبا میں قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ سوموار، منگل، بدھ، جمعرات قبا میں ہی تشریف فرما رہے۔ جمعہ کے روز وہاں سے یثرب کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اسے مدینہ طیبہ بننے کا شرف عطا فرمائیں۔ بنی سالم بن عوف کی وادی میں پہنچے تو نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہیں توقف فرمایا۔ خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی۔ یہ پہلا جمعہ ہے جو حضور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ادا کیا۔

چند مسائل

جمعہ فرض عین ہے۔ اس کی فرضیت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیت جمعہ کی فرضیت کی محکم دلیل ہے۔ ارشاد ہے کہ جب نماز جمعہ کی اذان سنو تو سب کاروبار فوراً چھوڑ دو اور تیزی سے اس کو ادا کرنے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔

سعی کا حکم اور خرید و فروخت چھوڑ دینے کا امر اس کی فرضیت پر واضح دلالت کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ بکثرت احادیث موجود ہیں جن سے اس کی فرضیت کا پتہ چلتا ہے۔ عن ابی عمر وابی هريرة قالا سمعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول على اعواد المنبر لينتهين اقوام عن ودعهم الجمعات او ليختمن الله على قلوبهم ثم ليكونن من الغافلين۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر اور حضرت ابی ہریرہ کہتے ہیں ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر بیٹھے ہوئے یہ فرماتے سنا جو لوگ جمعہ ترک کرتے ہیں وہ اس سے ضرور باز آ جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور وہ غافل ہو جائیں گے۔

عن ابی الجعد الضمری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ترک ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله على قلبه۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز جمعہ کو معمولی اور حقیر سمجھتے ہوئے تین جمعے ترک کیے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔

عن جابر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة الا مريض او مسافر او امرأة او صبي او مملوك فمن استغنى بلهو او تجارة استغنى الله عنه والله غني حميد۔ (الدار قطنی)

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ فرض ہے سوائے مریض، مسافر، عورت، نابالغ اور غلام کے۔ جو شخص کسی لہو و لعب یا تجارت کے باعث اس سے بے پرواہی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہی کرے گا اور اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں۔

علامہ پانی پتی یہ احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں فاجمع العلماء انه فرض على الاعيان وغلط من قال انها فرض كفاية۔ (مظہری)

ان تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر شخص پر جمعہ فرض ہے اور جس نے اس کو فرض کفایہ کہا ہے وہ بالکل غلط ہے۔

مسئلہ۔ جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں ہے یا اگر وہ اگر پڑھ لیں گے تو ہو جائے گا۔ نابینا شخص جس کو کوئی مسجد تک لے جانے والا کوئی نہ ہو اس کا شمار بھی بیماروں میں ہے اس پر جمعہ فرض نہیں۔

مسئلہ: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ صحرا میں جمعہ جائز نہیں اور جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے۔ اس کے بعد اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ جمعہ کس مقام پر فرض ہے اور جمعہ کی جماعت میں کتنے لوگوں کی شرکت ضروری ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا قول یہ ہے کہ ایسا قریہ جہاں چالیس آزاد عاقل بالغ مرد مستقل طور پر اقامت گزیں ہوں وہاں جمعہ کی اقامت واجب ہے

اور ان کے نزدیک جماعت میں ایسے چالیس آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ قریہ جس میں مکانات متصل ہوں وہاں مسجد بھی ہو اور بازار بھی وہاں جمعہ واجب ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصر جامع کے بغیر جمعہ صحیح نہیں اور مصر جامع کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ المصر هو كل بلدة فيها سكك واسواق وانهار ورساتيق ووالي ينصف المظلوم من الظالم وعالم يرجع اليه في الحوادث وقيل ما لا يسع اكبر مساجده اهل مصر۔ یعنی مصر اس شہر کو کہتے ہیں جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہوں اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوں۔ وہاں ایک والی ہو جو ظالم سے مظلوم کی داد رسی کرے وہاں ایسا عالم ہو جو ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ بعضوں نے مصر کی یہ تعریف کی ہے کہ وہاں کی ساری آبادی وہاں کی مسجد میں نہ سما سکے۔

مسئلہ۔ مصر کے کسی حصہ میں جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے اور وہ کھلا میدان جو اس شہر سے ملحق ہو وہاں بھی جمعہ جائز ہے۔ امام صاحب اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں صرف مسجد نبوی میں جمعہ ادا ہوتا تھا اور گرد و نواح آبادیاں تھیں وہاں سے لوگ مدینہ آکر پڑھتے تھے۔ اگر دیہات میں جمعہ جائز ہوتا تو اہل قبا وہیں جمعہ ادا کرتے۔ مسجد نبوی کے علاوہ سب سے پہلے جہاں جمعہ قائم کیا گیا اس کے متعلق امام بخاری لکھتے ہیں۔ بجواثی قرية بالبحرين کہ پہلا جمعہ جواثی میں پڑھا گیا جو بحرین میں ایک قریہ ہے۔ اس سے ہر گاؤں میں جمعہ کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قریہ کا استعمال مصر پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم۔ یہاں مکہ اور طائف کو قریہ کہا گیا ہے حالانکہ طائف کے مصر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ نیز جواثی کوئی ایسی بستی نہ تھی جس پر مصر کی تعریف نہ صادق آتی ہو۔ علامہ جوہری نے الصحاح میں لکھا ہے ان جواثی حصن بالبحرين کہ جواثی بحرین میں ایک قلعہ ہے جس کا نام جواثی ہے۔ اور جہاں قلعہ ہوتا ہے وہاں حاکم بھی ہوتا ہے اور عالم بھی۔ وفي المبسوط انها مدينة بالبحرين۔

امام یوسف، امام محمد، اوزاعی کے نزدیک امام سمیت تین آدمیوں کا جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے۔ امام صاحب کے نزدیک امام سمیت چار آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ۔ امام صاحب کے نزدیک سلطان یا اس کا اذن جمعہ کی صحت کے لیے شرط ہے اور امام مالک، شافعی اور امام احمد کے نزدیک شرط نہیں۔

مسئلہ۔ امام صاحب کے نزدیک جمعہ کی ادائیگی کے لیے اذن عام شرط ہے۔

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص کسی گاؤں میں مقیم ہے کیا اس پر واجب ہے کہ وہ شہر میں جاکر جمعہ ادا کرے؟ امام صاحب اور امام محمد صاحب کے نزدیک اس پر شہر میں آکر جمعہ ادا کرنا واجب نہیں۔ البتہ امام یوسف، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر اس گاؤں تک شہر کے مؤذن کی آواز پہنچتی ہے تو اس پر جمعہ فرض ہے ورنہ نہیں۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

مسئلہ۔ امام شمس الائمہ سرخسی کہتے ہیں کہ حضرت امام صاحب کے مذہب کے مطابق ایک شہر میں متعدد مقامات پر نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے۔ ابن ہمام کہتے ہیں وهو الاصح۔ ہمارا اسی پر عمل ہے لیکن یہ خیال رہے کہ بلا ضرورت ہر جگہ جمعہ کی نماز ادا کرنا اس حکمت کے منافی ہے جس کے لیے جمعہ جاری کیا گیا تھا۔ قال سرخسی الصحیح من مذهب ابی حنیفة جواز اقامتها في مصر

والعتق سعدين اواحتش وقال ابن همام وبه ناخذ.

مسئلہ: علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ اگر لوگوں پر جمعہ کی شرائط کا پایا جانا مشتبہ ہو جائے تو انہیں چاہیے کہ نماز جمعہ کے بعد چار رکعت پچھلی ظہر کی نیت سے یوں کریں۔ آخری فرض ظہر جس کا وقت میں نے پایا ہے اور اس کو ادا نہیں کیا اس کو ادا کر رہا ہوں۔ اگر وہاں جمعہ کی شرائط فی الواقع پائی جاتی ہوں گی تو یہ نفل ہو جائیں گی اور اگر کوئی شرط مفقود ہو گی تو یہ ظہر کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ قال ابن همام اذا اشتبه على الناس وجود شرائط الجمعة ينبغي ان يصلوا بعد الجمعة ينوي بها آخر فرض ظهر ادركت وقته ولم أؤده بعد.

مسئلہ: انعقاد جمعہ کے لیے خطبہ شرط ہے۔ خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں ہو سکتا۔ خطبہ میں پانچ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ حمد باری تعالیٰ، درود و سلام، تقویٰ کی وصیت، قرأت قرآن، اہل ایمان کے لیے دعا۔

خطبہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا ذکر سب ذکر الٰہی میں داخل ہیں۔ لیکن اگر ظالم بادشاہوں یا اُمرا کا ذکر ان کے القاب، ان کی ثنا اور ان کی مدح کا اللہ کے ذکر کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں۔ لما ذکر الظلمة والقابهم والثناء عليهم والمدح لهم فهو بيئة من ذكر الله بمراحل معاذ الله.

مسئلہ: اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کوئی آدمی شریک ہو جائے گا تو وہ اٹھ کر دو رکعت ہی پڑھے گا۔ امام صاحب کے نزدیک اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائے گی۔ بعض ائمہ فقہ کے نزدیک اگر نماز جمعہ کی ایک رکعت امام کے ساتھ پالے گا تو اس کی نماز جمعہ ہو گی ورنہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ظہر کی چار رکعتیں ادا کرے گا۔

چند چیزیں نماز جمعہ کے لیے سنت ہیں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ جمعہ کے روز غسل کرے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء احدکم الی الجمعة فليغتسل (متفق علیہ) جب کوئی شخص نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے آئے تو غسل کر کے آئے یا اچھے سے کپڑے پہنے، مسواک کرے، خوشبو لگائے مستحب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اغتسل يوم الجمعة واستاك ومس من طيب ان كان عنده ولبس من احسن ثيابه ثم خرج حتى يأتي المسجد فلم يتخط رقاب الناس ثم ركع ماشاء الله ان يركع فانصت اذا خرج الامام كانت كفارة ما بينها وبين الجمعة التي قبلها (ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، مسواک کرے، اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو وہ لگائے اور اچھا لباس پہنے، پھر گھر سے نکل کر مسجد کی طرف آئے، پھر لوگوں کی گردنوں کو پھاند کر آگے نہ جائے اور پھر اللہ کی توفیق سے نفل پڑھتا ہے اور جب امام خطبہ دینے کے لیے آئے تو خاموشی سے بیٹھ جائے تو اس کا یہ عمل کفارہ بن جائے گا ان کوتاہیوں اور لغزشوں کا جو گزشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک اس سے سرزد ہوئی ہیں۔

جمعہ کے دن کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث مذکور ہیں۔ ان میں سے چند آپ بھی سماعت فرمائیے۔ عن اوس بن اوس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا علي من الصلاة فيه فان صلاتكم معروضة علي قالوا يا رسول الله وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد

الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے ۱۲ اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتے رہا کرو ۱۳

ان رحمت قال ان اللہ تعالیٰ حرم علی الارض اجسام الانبیاء۔ (ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

اوس بن اوس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی دن وفات پائی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا۔ مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وصال کے بعد حضور پر کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ خاک میں مل چکے ہوں گے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

اس ارشاد سے حضور نے صحابہ کی اس غلطی کی اصلاح کر دی۔ ایک دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ مشہود تشہدہ الملائکۃ۔ وان احدا لم یصل علیّ الا عرضت علیّ صلوتہ حتی یفرغ منھا۔ قال قلت وبعد الموت قال ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء فنبی اللہ حیٌّ یرزق۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن کثرت سے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جب بھی کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کے فارغ ہونے سے پہلے وہ درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا وفات کے بعد بھی؟ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجساد کو حرام کر دیا ہے پس اللہ کا نبی (اپنی مزار میں) زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔ اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہو گیا ہے قبر کے فتنہ سے اللہ پاک اسے محفوظ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ مزید مسائل کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔

۱۲ ارشاد ہے کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے ہے کیونکہ جمعہ کی اذان کے بعد کاروبار سے منع کر دیا گیا تھا اب اس کی اجازت دی گئی ہے اور بعض سلف صالحین کا معمول تھا کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس حکم کی تعمیل میں بازار کا چکر لگا لیا کرتے تھے تاکہ اس حکم کی تعمیل ہو جائے۔

۱۳ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو صرف نماز جمعہ تک محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ جب بھی موقع ملے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا چاہیے۔ آپ کوئی کام کر رہے ہوں اس وقت بھی آپ کو اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو تر و تازہ رکھنا چاہیے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠﴾ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا

تاکہ تم فلاح پاؤ ١٠ اور (بعض) لوگوں نے جب دیکھا کسی تجارت یا تماشا کو تو بھاگ گئے اس کی طرف

وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ

اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا۔ (اے حبیب!) انھیں فرمائیے جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں لہو اور

التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١﴾

تجارت سے اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے ١١

١٠ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کے ذکر کی کثرت سے ہی فلاح دارین نصیب ہو سکتی ہے۔

١١ اس آیت میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ کر دیا جو ہجرت کے فوراً بعد پیش آیا تھا اور ساتھ ہی اس کے ذکر سے مسلمانوں کی تربیت فرما دی کہ آئندہ ان سے ایسی حرکت ہرگز سرزد نہ ہو۔

مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑا۔ اشیائے خوردنی نایاب اور گراں ہو گئیں۔ لوگ اس سلسلہ میں بہت پریشان ہو گئے۔ اچانک جمعہ کے روز جبکہ حضور خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، دحیہ کلبی ابن خلیفہ سامان تجارت لے کر شام سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ ابھی یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی آمد کی اطلاع اہل شہر کو پہنچانے کے لیے ڈھول بجانے شروع کر دیے۔ جب حاضرین مسجد نے ڈھولوں کی آواز سنی اور دحیہ کی واپسی کا علم ہوا تو اس اندیشہ سے کہ اگر وہ نماز میں مشغول رہے تو سامان خورد و نوش دوسرے لوگ خرید لیں گے اس لیے وہ فوراً وہاں پہنچے اور حضور کی خدمت میں صرف بارہ آدمی رہ گئے جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی مرتضیٰ شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی یہ حرکت سخت ناپسند ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں ان کو اس حرکت کی قباحت کی طرف متوجہ کیا گیا اور انھیں آئندہ احتیاط برتنے کا تاکیدی حکم دیا گیا۔ انھیں یہ بتایا گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس نعمتوں کے جو خزانے ہیں وہ اس لہو و لعب اور اس تجارت سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ رزق کے خزانے اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ تمہیں اپنا رزق اسی سے طلب کرنا چاہیے۔

آخر میں ایک اعتراض اور اس کے جواب کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

شیعہ کی طرف سے صحابہ کرام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے لہو و تجارت کے لیے نماز جمعہ ترک کر دی اور اس حال میں مسجد سے نکل کر چلے گئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے دل میں دین و آخرت سے دنیا اور سامان رزق کی قدر و منزلت بہت زیادہ تھی۔ اسی لیے تو وہ حضور کو مسجد میں کھڑے چھوڑ کر چلے گئے۔

اس کے بارے میں گزارش ہے کہ اکابر صحابہ جن میں خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ تھے وہ سب حاضر رہے — چنانچہ باقی رہنے والوں میں ان کے اسماء صراحت سے درج ہیں۔ نیز یہ واقعہ ہجرت کے بعد بالکل قریبی دور کا ہے جبکہ لوگوں کو صحبت نبوی سے

فیض یاب ہونے کا موقع بہت کم ملا تھا۔ اور یہ کمال تو حضور کی چشم کرم کا تھا کہ ان کے دلوں میں بجز اللہ تعالیٰ کی یاد کے اور کسی قسم کی حسرت باقی نہ رہی تھی۔ اس مقام تک پہنچنے کے لیے تربیت کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے وقت درکار تھا اس اثنا میں ان سے لغزشوں کے صدور کا قوی امکان تھا۔ جب کبھی ان سے ایسی لغزش ہوئی فوراً اس پر انہیں متنبہ کر دیا گیا اور ان کی اصلاح کر دی گئی۔

اس حکیم تربیت اور فیضِ صحبت نے وہ اثر دکھایا کہ انہوں نے جانبازی اور سرفروشی کے میدان میں ایسے عدیم المثال کارہائے نمایاں انجام دیے کہ آسمان کے ستارے، عالم بالا کے ملائک اور بہشت بریں کی بہاریں جھوم اٹھیں۔ سروش غیب نے انہیں لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین کا مژدہ جانفزا سنایا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کی ایمان افروز نوید فردوس گوش بنی۔ اس سے بڑھ کر بے انصافی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کے طالب العلمی کے زمانہ کی کوتاہیاں بیان کر کے اس کی علمی بزرگی اور اخلاقی فضیلت پر باب طعن وا کی جائے۔ یہ کس نے کہا ہے کہ صحابہ کرام اس اسلامی تربیت سے پہلے ہی ہمہ صفت موصوف تھے۔ یہ کس نے دعوی کیا ہے کہ آغوش رسالت کی برکتوں کے بغیر ہی ان میں للّٰہیت، ایثار، خلوص اور تقویٰ کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ یہ سب کمالات قرآن کریم، حامل کتاب مبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہ کیمیا اثر کا نتیجہ ہیں۔

اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر انک حمید مجید۔
رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح
لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔
اللّٰھم صل وسلم وبارک علی سید المرسلین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین سیدنا
ومولانا وحبیبنا محمد وآلہ واصحابہ ومن تبعہ الی یوم الدین یا ارحم الراحمین۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ المُنافقون

نام: پہلی آیت کی ابتدا میں المنافقون کا لفظ ہے۔ نیز اس سورۃ میں منافقین کے احوال ہی بیان کیے گئے ہیں۔ اس لیے اس کا نام المنافقون رکھا گیا۔ اس میں دو رکوع گیارہ آیتیں، ایک سو اسی کلمے اور نو سو تہتر حروف ہیں۔

نزول: غزوۂ بنی مصطلق سنہ ۶ھ میں واقع ہوا۔ یہ سورت ایک ایسے حادثہ کے بارے میں نازل ہوئی جو اس وقت پیش آیا جب مسلمان اس غزوہ میں فتح یاب ہونے کے بعد مریسیع نامی ایک کنوئیں پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس لیے اس سورت کے بارے میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال جنگ سے واپسی کے سفر میں یا مدینہ طیبہ میں پہنچنے کے فوراً بعد اس کا نزول ہوا۔

فتنۂ نفاق کا تاریخی جائزہ: اس واقعہ کے اسباب وعلل کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ہمیں فتنۂ نفاق کی تاریخ کا مطالعہ کرنا پڑے گا تب ہی ہم اس واقعہ کی سنگینی کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ یثرب میں دو قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ ان میں دیرینہ رنجشیں اور عداوتیں تھیں جو معمولی بات پر جنگ کے شعلوں میں بدل جاتیں اور جب ایک مرتبہ جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تو پھر سرد ہونے کا نام نہ لیتے۔ مسلسل خانہ جنگی کے باعث دونوں قبیلے کمزور ہو گئے تھے۔ صلح وامن سے زندگی بسر کرنے کی خواہش لوگوں کے دلوں میں چٹکیاں لینے لگی تھی، لیکن ان میں کوئی ایسی شخصیت نہ تھی جو دونوں قبیلوں کے لیے قابل قبول ہو۔ آخرکار عبداللہ ابن ابی جو خزرجی تھا۔ وہ ایک ایسے قائد کی حیثیت سے ابھرا جس کی قیادت پر دونوں قبیلے متفق ہو گئے۔ اس کی تاجپوشی کی رسم ادا ہونے والی تھی۔ اس کے لیے تاج سنار کے پاس بن رہا تھا۔ اس اثنا میں یثرب کی فضا میں اسلام کے اثرات بڑی قوت سے نمودار ہونے لگے۔ عقبۂ اول میں چند یثربی مشرف باسلام ہوئے۔ واپس آکر انہوں نے بڑی گرمجوشی سے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ دوسرے سال اسی موقع پر دونوں قبیلوں کے بہتّر افراد مکہ پہنچے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کی۔ ان میں سے حضرت عباس ابن عبادہ بن نضلہ انصاری بھی تھے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ ابھی بیعت نہ کی جائے عبداللہ ابن ابی کو بھی اس میں شریک کر لیا جائے تاکہ اتحاد وتعاون کی جو فضا یثرب میں بڑی مدت کے بعد پیدا ہوئی ہے اس میں کوئی بدمزگی رونما نہ ہو لیکن دوسرے ساتھیوں نے ان کی اس تجویز کو کوئی اہمیت نہ دی اور سب نے شرف بیعت حاصل کر لیا جب یہ قافلہ واپس یثرب پہنچا اور عبداللہ بن ابی اور اس کے حواریوں کو اس کا علم ہوا تو ان کے غم وغصہ کی کوئی حد نہ رہی۔

اُسے یقین ہو گیا کہ اس کی تاجپوشی کی رسم اب کبھی ادا نہ ہو گی۔ یہاں کے مسلمان جن میں اوس و خزرج کے رؤساء بھی شامل تھے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا رئیس بنانا ہرگز پسند نہ کریں گے۔ معاہدہ کے مطابق مکہ سے ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کچھ عرصہ کے بعد ہجرت کر کے یثرب تشریف لے گئے۔ حضور کے قدم رنجہ فرمانے سے یثرب، مدینۃ النبی بن گیا۔ عبداللہ اور اس کے ہمراز ساتھیوں نے جب اپنے آقا کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ محبت کو دیکھا تو انہوں نے اپنا بھلا اسی میں سمجھا کہ وہ بھی مسلمانوں میں شامل ہو جائیں۔ ظاہری طور پر انہوں نے کلمہ شہادت بھی پڑھ لیا۔ نمازوں میں بھی حاضر ہوتے اور بادل نخواستہ زکوٰۃ بھی دیا کرتے لیکن حضور اور اسلام کے بارے میں ان کے بغض و عناد کے جذبات شدت اختیار کرتے گئے۔ وہ اس گھات میں رہتے کہ مسلمانوں میں کوئی فتنہ کھڑا کر کے ان کی جمعیت کو منتشر و پراگندہ کر دیں اور یوں یا ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ اوس و خزرج دونوں قبیلے حضور سے مایوس ہو کر عبداللہ ابن ابی کو اپنا قائد اور رئیس تسلیم کر لیں۔ لیکن عبداللہ بڑا ہوشیار تھا۔ جب بھی اسے موقع ملتا وہ اپنی جھوٹی عقیدت کو بڑے زور دار الفاظ سے ظاہر کرتا۔ تاکہ اس کے دل کا کھوٹ لوگوں پر عیاں نہ ہونے پائے۔ اس نے یہ معمول بنا رکھا تھا کہ جمعہ کے روز جب مدینہ اور مضافات کے تمام مسلمان اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے جمع ہوتے تو یہ بھرے مجمع میں اٹھ کر اعلان کرتا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے درمیان جلوہ فرما ہیں۔ ان کی ذات سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت اور شرف بخشا ہے۔ آپ لوگ دل و جان سے ان کی تائید کریں۔ ان کے ہر ارشاد کو گوشِ ہوش سے سنا کریں اور جو حکم دیں اس کی تعمیل کیا کریں۔ اس کے باوجود بسا اوقات اس کے دل میں چھپا ہوا بغض آشکارا ہو جاتا۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں اس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس نے بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے سعد ابن عبادہ کو بلا کر شکایت کی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص قابلِ رحم ہے۔ حضور کی آمد سے پہلے اس کے لیے تاج بن رہا تھا اور اس کی تاجپوشی کی تقریب منانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ حضور کے آنے سے اس کے سارے خواب پریشان ہو گئے اور اس کے پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے۔ یہ تو سمجھتا ہے کہ حضور نے اس کا تاج اور تخت چھین لیا ہے۔ اس لیے اس سے نرمی کا برتاؤ ہی بہتر ہے۔

جنگِ بدر کے بعد یہودی قبیلہ بنی قینقاع نے عہد شکنی کی تو حضور نے ان کی گوشمالی کے لیے ان پر چڑھائی کا ارادہ فرمایا۔ یہ منافق اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور ان کی حمایت کے لیے تیار ہو گیا اور حضور کی زرہ کے دامن کو پکڑ کے کھینچ کر کہنے لگا۔ یہ قبیلہ سات سو جنگجو مردوں پر مشتمل ہے۔ یہ میرے حلیف ہیں۔ میرے اشارہ پر سر بکف میدان میں آ کودتے ہیں۔ کیا آپ میرے حلیفوں کو ایک دن میں ہی قتل کر دینا چاہتے ہیں۔

جنگِ احد کا معرکہ مسلمانوں کے لیے انتہائی کرب و اضطراب کا باعث تھا۔ کفارِ مکہ تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مدینہ طیبہ پر دھاوا بولنے کے ارادہ سے بڑھتے آ رہے تھے۔ مسلمان مجاہدین کی تعداد صرف ایک ہزار تھی۔ مدینہ کی چھوٹی سی بستی سے اس سے زیادہ جنگجو افراد کا ملنا ممکن نہ تھا۔ ان میں سے تین سو عبداللہ ابن ابی کے حامی تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہزار کے لشکر

کوچ کر میدانِ اُحد کی طرف روانہ ہوئے تو عبداللہ اپنے تین سو حواریوں سمیت الگ ہو گیا اور مدینہ واپس لوٹ آیا۔ آپ خود اندازہ لگا لیجئے کہ مسلمانوں پر کیا گزری ہوگی۔ پہلے ہی مسلمانوں کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں بہت کم تھی عین لڑائی کے وقت تین سو ساتھیوں کا الگ ہو جانا مسلمانوں کے صبر و شکیب کی بڑی سخت آزمائش تھی لیکن اس ظالم کو ایسی بے وفائی سے ذرا شرم نہ آئی۔

اس کا نفاق جس کو وہ اب تک بڑی ہوشیاری اور عیاری سے چھپائے ہوئے تھا مسلمانوں پر ظاہر ہو گیا۔ جنگِ اُحد کے بعد نمازِ جمعہ کے لیے لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو حسبِ معمول اس نے وہی جملے دہرانے چاہے جو ہر جمعہ کو وہ دہرایا کرتا تھا تو ایک مسلمان نے اُسے جھڑک کر کہا: بدبخت بیٹھ جاؤ تمہیں ایسی باتیں اب زیب نہیں دیتیں۔ اس نے اس چیز کو اپنی توہین خیال کیا اور بڑبڑاتا ہوا لوگوں کے سروں سے پھلانگتا ہوا مسجد سے نکل گیا۔ مسجد کے دروازہ پر بعض انصار نے اُسے ایسا کرنے سے منع کیا اور اُسے نصیحت کی کہ ابھی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اس غلطی کی معافی مانگ لو۔ وہ بگڑ کر بولا: میں ان سے معافی مانگنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔ (ابن ہشام)

غزوہ بنی نضیر کے بارے میں آپ سورۂ حشر کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں۔ اس موقع پر بھی اس کا نفاق کھل کر سامنے آگیا۔ بنی نضیر کی عہد شکنی اور غداری کی سزا دینے کے لیے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تو اس خبیث نے انہیں کہلا بھیجا کہ گھبراؤ مت میں اور میرے ساتھی تمہارے ساتھ شانہ بشانہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے اور مسلمانوں کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ اور اگر تمہیں شکست ہوئی اور تمہیں یہاں سے جلاوطن ہونا پڑا تو تنہا ہی مدینہ کو نہیں چھوڑو گے ہم بھی تمہارے ساتھ مدینہ سے چلے جائیں گے۔ ان کی اس سازش سے یہود کے حوصلے کتنے بلند ہو گئے ہوں گے اور مسلمانوں کو کتنی مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ان کی اس سازش سے مطلع فرما دیا۔ اس طرح ان کی منافقت کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا۔

اگرچہ حضور علیہ السلام اور سارے مسلمانوں پر ان لوگوں کی منافقت ظاہر ہو چکی تھی لیکن مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ ان کو علانیہ اسلام سے خارج کرنے کا اعلان نہ کیا جائے۔ بیرونی دشمنوں سے جنگوں کا سلسلہ جاری تھا۔ اس لیے مدینہ کے اندر ایک دوسرے محاذ پر جنگ کا آغاز مناسب نہ تھا۔ نیز عبداللہ کے حواریوں میں اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے ذی اثر لوگ کافی تعداد میں تھے۔ ان حالات میں ان سے لڑائی بڑے خلفشار کا باعث بن سکتی تھی۔ دوسری طرف عبداللہ اور اس کے ساتھی بھی اس پوزیشن میں نہ تھے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اعلانیہ جنگ کر سکیں۔ انہوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہیں۔ اس طرح وہ مسلمانوں سے ہر طرح کا مفاد بھی حاصل کر سکتے تھے اور انہیں مناسب موقع پر مؤثر طریقہ سے گزند بھی پہنچا سکتے تھے۔

یہی حالات تھے جب غزوہ بنی مصطلق کی نوبت پیش آئی اور دوسرے اہلِ ایمان کے ساتھ عبداللہ اور اس کی پارٹی کے لوگوں کو بھی شرکت کا موقع مل گیا۔ اس سفر کے دوران میں رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی نے مسلمانوں پر دو ایسے مہلک وار

کیسے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم مسلمانوں کی دستگیری نہ فرماتا تو مسلمان ان مہلک واروں سے جانبر نہ ہو سکتے۔ ایک واقعہ افک ہے جس کے متعلق آپ سورۂ نور میں پڑھ چکے ہوں گے۔ دوسرا یہ واقعہ جس کی تفصیل اب پیش خدمت کی جا رہی ہے۔

بنو مصطلق کا قبیلہ قدید کی سمت میں ساحل سمندر کے قریب آباد تھا۔ حضور کو اطلاع ملی کہ اس کا سردار حارث بن ابی ضرار اپنے قبیلہ کے جنگ جو بہادروں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھا کر رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید بن حارثہ اور بقول ابن ہشام ابوذر غفاری کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور خود بنی مصطلق کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ مریسیع کے کنوئیں کے قریب دونوں لشکروں میں سخت لڑائی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور بنو مصطلق شکست کھا کر وہاں سے بھاگے۔ بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

فتح کے بعد حضور نے چند روز اسی جگہ پر قیام فرمایا تاکہ مسلمان مجاہد جنگ کی تھکاوٹ کو دور کر لیں۔ اور واپسی کے سفر سے پہلے تازہ دم ہو جائیں۔ اسی اثناء میں ایک خطرناک واقعہ رونما ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، جہجاہ بن مسعود غفاری کو بطور خدمت گار اپنے ہمراہ لے گئے تھے تاکہ آپ کے گھوڑے کی دیکھ بھال کرے۔ جہجاہ کنوئیں پر پانی لینے کے لیے گئے تو ان کا ایک شخص سنان بن وبرہ الجہنی سے پانی بھرنے پر جھگڑا ہو گیا۔ بات بڑھ گئی اور ہاتھا پائی تک نوبت جا پہنچی۔ جہجاہ کی ایک ضرب سے سنان کو زخم آگیا اور خون بہنے لگا۔ اس نے زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق زور سے پکارا: "یا معشر الانصار" (اے انصار میری مدد کو پہنچو) چونکہ اس کا قبیلہ انصار کا حلیف تھا۔ جہجاہ نے اپنے بچاؤ کے لیے "یا معشر المہاجرین" (اے مہاجرین میری مدد کو پہنچو) کا نعرہ بلند کیا۔ دونوں طرف سے لوگ ہتھیار لیے ہوئے اپنے اپنے ساتھی کی مدد کو پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں جنگ چھڑ جاتی اور بنی مصطلق پر انہیں جو فتح حاصل ہوئی تھی وہ شکست میں بدل جاتی۔ حضور اپنے خیمہ سے جلدی جلدی تشریف لے آئے اور دونوں فریقوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"مَابَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ؟ مَالَكُمْ وَلِدَعْوَةِ الْجَاهِلِيَّةِ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ."

"یہ تم نے جاہلیت کے نعرے لگانے کیسے شروع کر دیے ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد جاہلیت کی پکار بڑی بری بات ہے۔ یہ بڑی گندی چیز ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مداخلت سے فتنہ و فساد کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد ہو گئے۔ سنان نے جہجاہ کو معاف کر دیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ منافقین تو اس واقعہ سے بہت خوش تھے۔ یکایک یہ آگ بجھ گئی، تو ان کے دلوں میں حسد کی جو چنگاریاں سلگ رہی تھیں وہ بھڑک اٹھیں۔ ایک ایک کر کے عبد اللہ کے پاس پہنچے اور اس پر برس پڑے کہ تو نے اس موقع پر ہماری کوئی امداد نہیں کی۔ اگر تو ذرا بھی گرم جوشی کا مظاہرہ کرتا تو آج ہم ان ننگے بھوکوں کا کچومر نکال دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اب ان کے طرفدار بن گئے ہو، اور ہماری وہ توقعات جو ہم نے تم سے وابستہ کر رکھی تھیں ان پر تم نے پانی پھیر دیا ہے۔ وہ نابکار پہلے ہی غصہ سے بھرا بیٹھا تھا۔ ان کا یہ طعنہ سن کر وہ پھٹ پڑا اور کہنے لگا یہ سب تمہارے اعمال کا پھل ہے۔ اب اسے بھگتو۔ تم نے ان مہاجروں کو آنکھوں پر بٹھایا۔ ان کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیے۔ اپنے قدموں

میں دولت کے ڈھیر لگا دیے۔ اب وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے ہیں تو ہمیں گھورنے لگے ہیں۔ تمہاری مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی نے کہا ہے: "سَمِّنْ كَلْبَكَ يَأْكُلْكَ" "اپنے کتے کو پال کر موٹا کرو تاکہ وہ تمہیں ہی کاٹنے لگے"۔ اگر تم ان گداگروں کو اپنا بچا کھچا کھانا دینا بند کر دو تو دو دن میں ان کے دماغ درست ہو جائیں اور بھوک سے تنگ آکر حضور کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ مجھے مدینہ واپس جانے دو پھر تم تماشا دیکھنا۔

"إِنَّا وَاللّٰهِ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ"۔

اگر ہم مدینہ واپس پہنچ گئے تو بخدا عزت والا وہاں سے ذلیل کو نکال دے گا۔

الاعز سے اس نے اپنے آپ کو مراد لیا اور دوسرے لفظ (اذل) سے حضور کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت زید ابن ارقم بھی اس مجلس میں موجود تھے، یارائے ضبط نہ رہا، تڑاخ سے بولے:

انت واللّٰه الذليل القليل المبغض في قومك ومحمد صلى الله عليه وسلم في عز من الرحمٰن ومودة من المسلمين۔ (بخدا تو ذلیل ہے تو قلیل ہے تو اپنی قوم میں مبغوض ہے اور ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند رحمٰن نے عزت بخشی ہے اور اہل ایمان ان سے والہانہ محبت کرتے ہیں)۔

ابن ابی بولا خاموش ہو جاؤ میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا۔ حضرت زید غصہ سے کانپتے ہوئے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضور کو یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی۔ رخ انور کا رنگ بدل گیا۔ بات ٹالنے کے لیے حضور نے فرمایا اے نوجوان! شاید تم اس کے بارے میں غلط بیانی سے کام لے رہے ہو، شاید تمہیں شبہ ہوا ہو، شاید تم نے اس کا قول سننے میں غلطی کی ہو۔ ہر بار زید نے عرض کیا: واللہ یا رسول اللہ (خدا کی قسم اے اللہ کے رسول میں صحیح عرض کر رہا ہوں)۔ سارے لشکر میں یہ بات پھیل گئی۔ انصار کے ایک گروہ نے بھی زید کو ملامت کرنا شروع کی کہ نا سمجھ بچے نے خواہ مخواہ ہمارے سردار پر الزام لگایا اور اسے بدنام کیا ہے۔ حضرت زید نے کہا بخدا جو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے وہی بتایا ہے۔

حضرت عمر کو علم ہوا تو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا میرے آقا مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ اگر میرا اس کو قتل کرنا مصلحت کے خلاف ہے تو خود انصار میں سے معاذ ابن جبل یا عباد ابن بشر یا سعد ابن معاذ یا محمد ابن مسلمہ کو حکم فرمائیے کہ وہ اس کا سر قلم کر دیں۔ اللہ کے محبوب نے فرمایا "ایسا نہ کرو۔ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے"۔ اس کے بعد حضور نے فوراً کوچ کا حکم دیا اور تیس گھنٹے تک لگاتار سفر جاری رہا۔ نہ رات کو آرام نہ دن کو قیلولہ۔ لوگ تھک کر چور ہو گئے۔ جب حضور نے ایک جگہ قیام فرمایا تو لوگ سواریوں سے اترتے ہی زمین پر لیٹ گئے اور گہری نیند سو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ مریسیع کے کنویں پر جو سانحہ ہوا تھا لوگوں کی توجہ اس طرف سے ہٹ جائے۔ راستے میں حضرت اسید بن حضیر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس بے وقت سفر کا سبب کیا ہے؟ پہلے تو حضور کا یہ معمول نہ تھا۔ ارشاد فرمایا "تمہیں علم نہیں کہ عبد اللہ بن ابی نے کیا گل کھلایا ہے"۔ انہوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو حضور نے اس منافق کی زبان سے

نکلا ہوا جملہ دہرا دیا۔ وہ بعد ادب عرض پرداز ہوئے یا رسول اللہ خدا کی قسم عزت والے تو آپ ہیں اور وہ ذلیل ہے۔ آپ جب چاہیں اُسے نکال سکتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس بات کا چرچا سارے لشکر میں ہو گیا۔ تمام انصار کو بھی اس کی گستاخی کا علم ہو گیا ان کے غصہ کی حد نہ رہی۔ بعض لوگوں نے از راہ خیر خواہی عبد اللہ کو کہا جاؤ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لو حضور کریم تیری خطا بخش دیں گے۔ وہ بے حیا تحقیر سے بولا تم نے کہا ان پر ایمان لے آؤ میں ایمان لے آیا۔ تم نے کہا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ دو میں نے تمہاری یہ بات بھی مان لی اور زکوٰۃ دینے لگا۔ اب بس یہ کسر رہ گئی ہے کہ میں محمد کو سجدہ کروں! اس کا یہ گستاخانہ جواب سن کر سارے مجاہدین غصہ سے بے تاب ہو گئے اور سب کے دلوں میں اُس کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ جب یہ لشکر مدینہ طیبہ میں داخل ہونے لگا تو عبد اللہ ابن ابی کا لڑکا جس کا نام بھی عبد اللہ تھا، تلوار کو بے نیام کر کے اپنے باپ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور بولا: اے باپ تم نے کہا ہے کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والے کو نکال دے گا۔ اب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عزت والا کون ہے اور ذلیل کون ہے۔ خدا کی قسم تم اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں اجازت نہ دیں۔

اپنے بیٹے کے منہ سے یہ الفاظ سن کر عبد اللہ چیخ اُٹھا اے خزرج کے لوگو ذرا دیکھو میرا بیٹا مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔ یہ خبر جب نبی کریم کو ملی تو حضور نے فرمایا: عبد اللہ سے کہو کہ اپنے باپ کو گھر آنے سے نہ روکے۔ عبد اللہ نے کہا اگر میرے آقا کا یہ حکم ہے تو اب میں اپنے باپ کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دیتا ہوں۔

اس وقت حضور نے حضرت عمر کو فرمایا: اے عمر! اگر تم اس وقت اس کو قتل کر دیتے تو انصار کے کئی لوگ ناراض ہو جاتے آج اگر میں چاہوں تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے اور اس پر کوئی معترض بھی نہ ہوگا۔ حضرت عمر نے عرض کیا۔ خدا کی قسم اب مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ کے رسول کی بات میری بات سے بہت زیادہ مبنی بر حکمت تھی۔

یہ حالات تھے جن میں اس سورۂ پاک کا نزول ہوا۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر اگر آپ سورت کا مطالعہ کریں گے تو اس کے مندرجات سمجھنے میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔

سُورَةُ الْمُنٰفِقُونَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سورۃ المنافقون مدنی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ

(اے نبی کرم!) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی

يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱

جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔ ۱

۱۔ علامہ ابن منظور لفظ منافق کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سمی المنافق منافقا للنفق وهو السرب في الأرض وقيل إنما سمي منافقا لأنه نافق كاليربوع وهو دخوله نافقاءه ولليربوع جحر آخر يقال له القاصعاء — وهو يدخل في النافقاء ويخرج من القاصعاء او يدخل في القاصعاء ويخرج من النافقاء (لسان العرب)

یعنی منافق، نفق سے ماخوذ ہے جس کا معنی سرنگ ہے۔ اور بعض نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لومڑی اپنی بل کے دو منہ رکھتی ہے ایک کا نام نافقاء اور دوسرے کا نام قاصعاء ہے۔ ایک طرف سے وہ داخل ہوتی ہے۔ جب کوئی شکاری اس سے اس کا تعاقب کرتا ہے تو وہ دوسری طرف سے نکل جاتی ہے اور اگر وہ دوسری جانب سے اس کا کوئی تعاقب کرتا ہے تو پہلے سوراخ سے نکل جاتی ہے کیونکہ اس کی بل کی ایک طرف کا نام نافقاء ہے اسی سے منافق ماخوذ ہے۔ اس کے بھی دو پہلو ہیں ایک کفر جو اس کے دل میں ہے دوسرا ایمان جو اس کی زبان پر ہے۔ اگر کفر سے اسے کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے لگتا ہے اور اگر اسلام کے باعث اسے کوئی تکلیف پہنچ رہی ہو تو فوراً اپنے کافر ہونے کا اعلان کر دیتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں تو دو ہی قسم کے لوگ تھے کافر اور مومن۔ منافقین کا وہاں کوئی وجود نہ تھا کیونکہ وہاں ظاہری غلبہ کفار کو حاصل تھا۔ اسلام لانا تو اپنے آپ کو طرح طرح کی پریشانیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دینے کے مترادف تھا۔ کسی کو کیا پڑی تھی کہ ایسا دین قبول کر کے اپنے آپ کو گوناگوں اذیتوں اور رسوائیوں کا ہدف بنا دے جب تک اس کا ایمان نہیں۔ اس وقت تو صرف وہی مردانِ وفا کیش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے زمرے میں اپنے آپ کو شامل کرتے تھے جو سچے دل سے اسلام کی صداقت کو تسلیم کرتے تھے اور اس کے لیے ہر قسم کے مصائب و آلام کو بخوشی برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہوا کرتے تھے لیکن مدینہ طیبہ میں حالات بڑے مختلف

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَآءَ

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اس طرح روکتے ہیں اللہ کی راہ سے سے بے شک یہ لوگ بہت برے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى

کرتوت ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔ (ان کا یہ طرز عمل) اس لیے ہے کہ وہ پہلے ایمان لائے پھر کافر ہو گئے ۔ پس مہر لگا دی گئی ان کے

تھے یہاں اوس و خزرج کے بیشتر افراد کے مشرف باسلام ہونے اور مہاجرین کے وہاں پہنچ جانے کے بعد اسلام ایک عظیم قوت کی حیثیت سے ابھر رہا تھا۔ ادنیٰ شعور اور سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی اس کے مستقبل کے بارے میں حسن ظن سے کام لے سکتا تھا۔ اس لیے ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جن کے دل میں تو کفر کا کھوٹ تھا لیکن اپنی مصلحت بینی کے باعث وہ بظاہر اسلام سے اپنا رابطہ قائم رکھنا چاہتے تھے تاکہ اگر اسلام کو غلبہ نصیب ہو تو وہ بھی اس میں برابر کے حصہ دار ہوں۔ باوجود ہزار کوشش کے دل کا کفر کسی نہ کسی شکل میں ان کی زبان پر آ ہی جاتا تھا اور ان کے نفاق کا پردہ فاش ہو جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس حقیقت سے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ فرما رہا ہے کہ اے حبیب! یہ منافق جب تیری خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو بڑے جوش و خروش سے آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ اے حبیب! اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ واقعی اس کے رسول ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس بات کی بھی شہادت دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔ زبان سے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں ان کے دل اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ یعنی یہ کہ مشہود بہ (آپ کی رسالت) تو سچ ہے لیکن ان کی شہادت جھوٹی ہے کیونکہ ان کے دل اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

سلہ جھوٹا شخص جانتا ہے کہ لوگ میری بات نہیں مانیں گے۔ اپنے آپ کو سچا ظاہر کرنے کے لیے وہ ضرورت و بلاضرورت قسمیں اٹھاتا ہے۔ یہی حالت ان منافقین کی بھی تھی۔ ہر بات پر قسمیں اٹھاتے اور اپنے آپ کو پکے اور سچے مومن ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہوا ہے اور اس کی آڑ میں وہ طرح طرح کے فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمان ان سے وہی سلوک روا رکھیں جو اہل ایمان کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ ان کے مال اور جان کی حفاظت کی جائے۔ مال غنیمت سے انہیں حصہ ملتا رہے اور کسی طرح سے ان کی نازبرداریاں کی جائیں۔ اس کے علاوہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے لوگوں کو اسلام سے روکتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان سے اسلام کے بارے میں مشورہ طلب کرتا ہے تو اسے اسلام سے یہ کہہ کر متنفر کرتے ہیں کہ ہم تو خود بڑے شوق سے اس دین میں شامل ہوئے تھے۔ کئی سال گزر چکے ہیں، ہمیں تو آج تک اس میں کوئی اچھی چیز نظر نہیں آئی۔ ہم تو خود بڑے دل برداشتہ ہیں۔ خبردار تم اس جال میں نہ پھنس جانا۔ اس طرح ان قسموں کی آڑ میں شکار کھیلتے۔

صَدُّوْا لازمی اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ خود رکتے ہیں اور اسلام سے نفرت دلاتے ہیں یا لوگوں کو اسلام سے باز رکھتے ہیں۔

سلہ اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان سے تو وہ ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اسلامی برادری میں شامل کر کے طرح طرح

قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٣﴾ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ

دلوں پر مہر لگ گئی تو (اب) وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو خوشنما معلوم ہوں گے۔

وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ

اور اگر وہ گفتگو کریں تو توجہ سے آپ ان کی بات سنیں گے۔ ش وہ حقیقت (ایسے) ہیں جیسے لکڑیاں دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑی کر دی گئی ہوں۔

کے فائدے اٹھاتے ہیں لیکن جب اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو پھر کفر کرنے لگتے ہیں۔ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ (۲: ۱۴)

ے اس منافقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان سے حق پذیری کی استعداد چھین لی اور ان کے دل کی وہ آنکھ بے نور کر دی جو نورِ حق کو دیکھ سکتی ہے اور دیکھ کر پہچان سکتی ہے۔ بے شک دیدۂ حق شناس اللہ تعالیٰ کی گراں بہا نعمت ہے اور اس کی یہ سنت ہے کہ جو لوگ اس کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے اور ناشکری کرتے ہیں ان سے وہ نعمتیں واپس لے لی جاتی ہیں۔ آیت کا مقصد یہ نہیں کہ ان کے دلوں پر پہلے ہی مہر لگا دی گئی تھی اس لیے وہ حق کو قبول نہ کر سکے اور کفر سے چھٹے رہے بلکہ مدعا یہ ہے کہ انہیں حق قبول کرنے کی صلاحیت بخشی گئی تھی لیکن جب وہ جان بوجھ کر حق سے روگردانی کرتے رہے تو انہیں اس صلاحیت سے محروم کر دیا گیا۔

ش عبداللہ بن ابی، جد بن قیس اور معتب بن قشیر شکل و صورت کے اعتبار سے بڑے خوبصورت تھے۔ عمامے ان کے چہروں پر جچ کر رہ جاتی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پرلے درجے کے باتونی اور چرب زبان تھے۔ ان کی گفتگو سن کر انسان عش عش کر اٹھتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے جسموں کو دیکھا جائے تو بڑے دلکش معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو سنی جائے تو اس میں بڑی جاذبیت اور تاثیر ہوتی ہے لیکن اگر ان کی حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بالکل کھوکھلے ہیں۔ باہر سے خوبصورت اندر سے چھکے، اسلامی کمالات تو کجا ان میں تو انسانی خوبیوں کا نام و نشان تک بھی نہیں۔ قرآن کریم نے ان کو خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ سے تشبیہ دے کر ان کی لغویت کو عیاں کر دیا۔ خشب کا معنی لکڑی۔ مسندۃ کا معنی جسے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا ہو۔ جب تک لکڑی کارآمد ہوتی ہے اس سے شہتیر، کڑی یا کواڑ وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ صرف بیکار لکڑی کو دیوار کے ساتھ کھڑا کیا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ آگ جلانے کے کام آ سکتی ہے۔

◎

يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ

گمان کرتے ہیں کہ ہر گرج ان کے خلاف ہی ہے ⁶ یہی حقیقی دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہیے ⁷ ہلاک کرے انہیں

اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٤﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ

اللہ تعالیٰ ⁸ کیسے سرگرداں پھر رہے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت طلب

اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ﴿٥﴾

کرے تو (انکار سے) اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (حاضری سے) رک رہے ہیں اکڑ کرتے ہوئے ⁹

⁶ ان کی بزدلی کا بیان ہو رہا ہے۔ مدینہ کے کسی سمت میں کوئی آواز کسی وجہ سے بلند ہو ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔ وہی سمجھتے ہیں کہ ان کی اسلام دشمنی کسی وجہ سے بے نقاب ہو گئی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو تہ تیغ کرنے کا حکم صادر فرما دیا ہے۔

⁷ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع فرماتے ہیں کہ یہ منافق اسلام کے اور آپ کے حقیقی دشمن ہیں۔ ان سے محتاط رہیے۔ گویا دشمن سے محتاط اور ہوشیار رہنا قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ ایسی سادگی اور بھولے پن کی اسلام اجازت نہیں دیتا کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا دشمن کے دام فریب میں پھنستا رہے۔

⁸ یہ بددعائیہ فقرہ ہے جس میں ان کی مذمت بھی ہے اور زجر و توبیخ بھی کلمۃ ذم و توبیخ۔ یؤفکون قتادہ یعدلون عن الحق۔ الحسن، معناہ یصرفون عن الرشد۔ یعنی حق سے روگرداں کیے جا رہے اور راہ ہدایت سے منہ موڑنے کو افک کہتے ہیں۔ انّی بمعنی کیف۔ اظہار تعجب کے لیے ہے کہ آخر روشن دلیلوں کے باوجود وہ حق سے روگرداں ہیں آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے کے بعد بھی وہ اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔

⁹ منافقوں کی ایک اور علامت بتائی جا رہی ہے۔ حالات نے ان کے نفاق کا پردہ جب چاک کر دیا اور لوگوں کو ان کے خبث باطن پر آگاہی ہو گئی تو ان کے دوستوں نے انہیں کہا کہ تم سارا عمر کفر کرتے رہے، نفاق کا نقاب اوڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلاتے رہے۔ اسلام کو نقصان پہنچانے میں تم نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اب تو تمہارا نفاق ظاہر ہو گیا ہے۔ چلو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور جا کر معافی مانگو۔ حضور کے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہاری عاقبت سنور جائے گی۔ قسمت اچھی ہوتی، بخت بیدار ہوتا تو رحمت للعالمین کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ تو نبی رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان کی مغفرت کے لیے دعا مانگتے تو اللہ تعالیٰ ضرور کرم فرما دیتا اور ان کے گناہوں نے ماضی پر قلم عفو پھیر دیتا۔ لیکن ان نا اہل بدبختوں نے جب اپنے دوستوں کا یہ مشورہ سنا تو نہایت غرور اور گھمنڈ سے سروں کو گھمانا شروع کر دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے گناہوں کی آمرزش کے لیے ان کے پاس آ کر کسی قیمت پر نہیں جائیں گے۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۗ لَنْ يَّغْفِرَ

یکساں ہے ان کے لیے کہ آپ طلب مغفرت کریں ان کے لیے یا طلب مغفرت نہ کریں ان کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ہرگز

علامہ قرطبی نے ایک بڑی بصیرت افروز بات لکھی ہے کہ عبد اللہ بن اُبی کو جب اس کے قبیلہ والوں نے سمجھایا کہ اب بھی حاضر خدمت ہو کر معافی مانگ لو حضور تیری بخشش کے لیے دعا فرمائیں گے تیری شقاوت، سعادت سے بدل جائے گی تو اس نے ازراہ کبر و نخوت منہ پھیر لیا اور کہنے لگا امرتمونی ان اؤمن فقد امنت وان اعطی زکوٰۃ مالی فقد اعطیت فما بقی الا ان اسجد لمحمد۔ (محمد رصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تم نے مجھے ایمان لانے کا حکم دیا تو میں ایمان لے آیا۔ تم نے مجھے اپنے مال کی زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تو میں نے زکوٰۃ بھی ادا کر دی اب ایک ہی بات باقی ہے کہ میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو سجدہ کروں سو یہ میں نہیں کروں گا۔ اس روایت میں آپ غور کریں منافق کا ذہن کس طرح غلط راہ پر چلتا ہے۔ اس کی سوچ میں کس قدر بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ بارگاہ نبوت میں حاضری اور اللہ تعالیٰ کے محبوب سے اپنی مغفرت کی دعا کرانے میں اس کو صریح شرک نظر آنے لگتا ہے۔ وہ اپنے اعمال نماز، زکوٰۃ وغیرہ پر ہی نازاں رہتا ہے اور یہ ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب کے در کرم پر حاضر ہو کر اس کی رحمتوں سے اپنے دامن کو لبریز کرے۔ اس زمانہ میں بھی ہمیں ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہیں بارگاہ رسالت میں حاضری شرک اور بدعت معلوم ہوتی ہے۔ خود بھی اس سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوتے اور دوسروں کو بھی محروم رکھنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور اسی کو اپنے موحد ہونے کا معیار قرار دیتے ہیں۔ وہ ذرا اس آیت میں اور اس روایت میں تو غور کریں کہیں ان کا رویہ منافقین کے رویہ سے مشابہت تو نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے مغالطوں سے بچائے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضری کی سعادت نصیب فرمائے۔ حضور کی دعا کی برکت سے ہمارے گناہوں کو بخشے اور ہمیں دونوں جہان کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین ثم آمین

اے خدا جس نے تجھ کو سراپا کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

ف یہ منافق جن کی زبان پر تو اسلام کا دعویٰ ہے لیکن ان کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن نہیں، جو قدم قدم پر اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور آپ کے دین کو ناکام کرنے کے لیے سازشوں کے جال بنتے رہتے ہیں اور آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے سے رکتے ہیں، وہ پرلے درجے کے فاسق ہیں اور ایسے فساق کے لیے آپ بھی اگر مغفرت کی دعا مانگیں گے تو ہم انہیں نہیں بخشیں گے۔ جو تیرے دربار میں حاضر ہونے سے انکار کرے وہ بخشا جائے یہ میرے قانون کے خلاف ہے۔ میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہدایت کی نعمت نہیں بخشا کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت اور رافت کا تقاضا یہی تھا کہ کوئی بھی گمراہ نہ رہے۔ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہ رہے۔ اسی لیے حضور اپنی جان کے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے لیے بھی دعا فرمایا کرتے اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔ الٰہی میری قوم کو ہدایت دے وہ نادان ہیں۔ حضور پر سچے دل سے ایمان لانے والے جب اپنے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بصد ادب و نیاز حاضر ہوتے ہیں اور اپنے عمر بھر کے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا کی التجا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت

اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ هُمُ الَّذِيْنَ

نہ بخشے گا انہیں بے شک اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔ یہی لوگ ہیں

يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ

جو کہتے ہیں نہ خرچ کرو ان درویشوں پر جو اللہ کے رسول کے پاس رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ بھوکے تنگ آ کر تتر بتر ہو جائیں ۱۱

جوش میں آ جاتی ہے اور انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے لوجدوا اللہ توابا رحیما یعنی اے ساری عمر اپنی جانوں پر ظلم توڑنے والو! تم میرے محبوب کے در کرم پر حاضر ہو گئے ہو اور اس نے تمہاری مغفرت کے لیے درخواست کی ہے تم اللہ تعالیٰ کو تم توبہ قبول کرنے والا اور بے حد رحمت کرنے والا پاؤ گے۔

الٰہی! ہمیں ان بدبختوں میں سے نہ کر جو تیرے حبیب رسول کی بارگاہ میں طلب استغفار کے لیے حاضر نہیں ہوتے بلکہ اس کو کفر و شرک کہنے پر مُصر ہیں۔ الٰہ العالمین! ہمیں ان خوش نصیبوں میں کر جن کے دل نور ایمان سے منور ہیں جو تیرے حبیب کی بارگاہ میں حاضری کو اپنے لیے باعث ہزار سعادت یقین کرتے ہیں۔ آمین ثم آمین!

۱۱ یہ بدبخت منافق اپنے قبیلہ والوں، اپنی پارٹی والوں اور اپنے چیلوں کو کہتے ہیں کہ حضور کے اردگرد مفلس فقیروں کا جو جمگھٹا تمہیں دکھائی دیتا ہے یہ تمہارے ٹکڑوں پر پل رہا ہے۔ تم آج اگر ان کی روٹی بند کر دو اور چندہ دینے سے باز آ جاؤ تو یہ بھوک سے تنگ آ کر خود بخود منتشر ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے منافقو! تم میرے رسول کے رزاق ہو اور نہ میرے رسول کے ان نیازمند غلاموں کے۔ رزاق میں ہوں، زمین و آسمان کے سارے خزانے میرے ہیں۔ میرے محبوب ان کا حال اور وہ میرے ہو گئے ہیں تو میں انہیں تمہارا محتاج نہیں ہونے دوں گا۔ تم اپنے چندے اور اپنی امدادیں بند کر کے دیکھ لو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں انہیں کس طرح اپنے بے پایاں خزانوں سے مالا مال کرتا ہوں۔ اس آیت کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

بنو مصطلق مکہ کے قریب مُریسیع نامی چشمہ پر اقامت گزیں تھے۔ مدینہ طیبہ میں اطلاع پہنچی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کریں، بلکہ خود پیش قدمی فرماتے ہوئے ان پر دھاوا بول دیا جس میں انہیں بری طرح شکست ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح مبین ہوئی اور مال غنیمت بکثرت دستیاب ہوا۔ اسی اثنا میں ایک ناخوشگوار واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ حضرت فاروق اعظم کا خادم جہجاہ اور عبداللہ بن ابی کا حلیف سنان مشترک چشمہ پر اکٹھے ہوئے۔ ان میں پانی لینے پر تلخ کلامی ہوئی۔ معاملہ نے طول کھینچا۔ سنان نے یا للانصار کو پکارا، جہجاہ نے یا للمہاجرین کو پکارا۔ قریب تھا کہ باہمی قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا۔ حضور تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ما بال دعوی الجاهلية دعوها فانها منتنة ولينصر الرجل اخاه ظالما كان او مظلوما ان كان ظالما فلينهه فانه له نصر وان كان مظلوما فلينصره۔

ترجمہ: تم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنے اپنے قبیلوں کو مدد کے لیے کیوں بلاتے ہو اس طرح کی للکار کو ترک کر دو۔

اس میں سراسر فتنہ ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ظالم کی مدد کا تو یہ طریقہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کی مدد کا یہ طریقہ ہے کہ اس کی اعانت کرو تاکہ اس کی داد رسی ہو جائے۔

نبی کریم کی تشریف آوری سے یہ فتنہ فرو ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی کے حلیف سنان کو جہجاہ نے طمانچہ مارا تھا۔ اپنی جماعت میں جب وہ آکر بیٹھا تو غصہ سے اس کے نتھنے پھولے ہوئے تھے۔ کہنے لگا ہم نے ان لوگوں کو پناہ دی ان کی خود و نوش کا سارا انتظام کیا آج یہ ہم پر دھونس جمانے لگے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے مثل مشہور ہے کہ سمن کلبك یاکلك۔ تم اپنے کتے کو موٹا کرو تاکہ وہ تمہیں ہی کاٹ کھائے۔ تم ان کا کھانا بند کر دو۔ ان پر آئندہ ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرو۔ ان کا دماغ خود بخود درست ہو جائے گا اور بھوک سے تنگ آکر یہ منتشر ہو جائیں گے۔ پھر کہنے لگا ہمیں ذرا سفر سے واپس مدینہ جا لینے دو۔ پھر جو طاقتور اور معزز ہے، یعنی وہ خود، کمزور اور ذلیل کو اس شہر سے باہر نکال دے گا۔ زید بن ارقم ایک نوجوان بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اگرچہ ابن ابی کی پارٹی کا آدمی تھا لیکن یہ کواس سن کر اسے یارائے ضبط نہ رہا۔ کہنے لگا۔ اے ابن ابی تو تو ذلیل و خوار ہے اور اپنی قوم میں تیری کوئی وقعت نہیں۔ خداوند رحمٰن نے ساری عزتیں اپنے محبوب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بخشی ہیں اور مسلمان آپ کے عشق میں وارفتہ ہیں۔ تیری اس بیہودہ گفتگو کے بعد میری تیری دوستی ختم۔ عبداللہ نے زید کو کہا برخوردار چپ رہو میں تو صرف دل لگی کر رہا تھا۔

زید بن ارقم نے اپنے چچا کو ساری بات بتا دی۔ انہوں نے حضور کے گوش گزار کر دیا۔ حضور نے ابن ابی کو بلا کر پوچھا تو صاف مکر گیا اور قسمیں کھا کھا کر کہا کہ میں نے ہرگز ایسی بات نہیں کی۔ زید نے جھوٹ بولا ہے اور اپنی طرف سے یہ سارا قصہ گھڑ کر پیش کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی قسموں کی وجہ سے اس سے درگزر فرمایا۔ زید کہتے ہیں مجھے بڑی ندامت ہوئی۔ اس صدمہ سے میں نڈھال ہو گیا۔ امام ترمذی کے الفاظ میں بقیہ واقعہ سنیے:

زید کہتے ہیں کہ میں سفر میں حضور کے ہمراہ تھا لیکن بایں ندامت سے میرا سر جھکا ہوا تھا۔ پیچھے سے دلنواز آقا تشریف لائے محبت سے میرا کان مروڑا اور میری طرف رخ انور کر کے ہنس دیے۔ اس عنایت خصوصی سے مجھے اتنی مسرت ہوئی کہ اگر مجھے ابدی زندگی مل جاتی تب بھی مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ اذ اتانی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعرک اذنی وضحك فی وجھی فما کان یسرنی ان لی بھا الخلد فی الدنیا۔

حضرت ابوبکر پیچھے سے آئے پوچھا کہ حضور نے کیا ارشاد فرمایا۔ میں نے ساری بات بتائی تو صدیقؓ نے فرمایا آپ کو مبارک ہو۔ پھر حضرت عمرؓ آپہنچے۔ واقعہ سن کر انہوں نے بھی بشارت دی۔ جب رات گزر گئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے روز صبح سورہ المنافقون کی تلاوت فرمائی۔ قال ابو عیسٰی ھذا حدیث حسن صحیح۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

جب عبداللہ بن ابی کی یہ گفتگو حضور کی خدمت میں بیان کی گئی حضرت فاروق اعظمؓ بھی وہاں حاضر تھے۔ عرض کیا دعنی اضرب عنقه مجھے اجازت فرمائیے میں اس مردود کی گردن اڑا دوں۔ حضور نے جو جواب ارشاد فرمایا وہ تمام اہل ایمان خصوصاً کاروبار حکومت کے لیے بڑا سبق آموز ہے۔ فرمایا فکیف یا عمر اذا تحدث الناس ان محمدا یقتل اصحابه۔ اے عمر یہ اجازت کیسے دے دوں۔ لوگ یا تیں بنائیں گے کہ ذرا دیکھو کہ اب اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔

وَلِلّٰهِ خَزَآىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

اور اللہ کے لیے ہی ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین (اس حقیقت کو)

لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ

سمجھتے ہی نہیں۔ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت

الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ

والے وہاں سے ذلیلوں کو ۱۲؎ حالانکہ ساری عزت تو صرف اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے

لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ

لیے ہے مگر منافقوں کو اس بات کا علم ہی نہیں ۱۳؎ اے ایمان والو! نہیں غافل نہ کر دیں

اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے ۱۴؎ اور جنھوں نے ایسا کیا

۱۲؎ آیت کے اس حصہ میں فرمایا گیا کہ کفار و منافقین کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزز و محترم خیال کرنے لگیں حقیقی عزت کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے یا اس کا رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اس کے ماننے والے جن کو اللہ تعالیٰ نے عزت و کرامت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے۔ کفار و منافقین جو کفر و نفاق کی دلدلوں میں گرفتار ہیں بزدلی کے باعث کھل کر سامنے نہیں آسکتے، جھوٹی قسمیں کھانے سے باز نہیں آتے معمولی سے دنیوی فائدہ کے لیے اپنے نظریات کا صاف صاف انکار کر دیتے ہیں، مسلمانوں کے دامن شفقت میں آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں اس کے باوجود جب موقع ملے تو انہیں ڈسنے سے باز نہیں آتے۔ جن لوگوں کا یہ کردار ہو کیا انہیں یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزز اور محترم کہیں۔ انسانی عزت مال و جاہ سے نہیں اور زرق برق لباس میں نہیں۔ انسان کی عزت و وقار کا راز تو اس کے بلند کردار اس کی بے داغ سیرت اور مکارم اخلاق میں مضمر ہے جس سے یہ لوگ کوسوں دور ہیں۔

۱۳؎ لیکن اس حقیقت کا منافقوں کو علم نہیں۔ وہ تنگ نظر اسی کو عزت سمجھتے ہیں کہ انہیں پہننے کے لیے خوبصورت لباس، کھانے کے لیے لذیذ کھانا اور رہنے کے لیے شاندار محلات حاصل ہوں وہی محترم و مکرم ہیں۔

۱۴؎ فرزندان اسلام کو منافقین کے طریقہ کار سے اجتناب کی تاکید فرمائی جا رہی ہے کہ ان لوگوں کو تو ان کے اموال نے اور ان کی اولاد نے اپنے خالق کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ اے مسلمانو! تم ایسا نہ کرنا۔ جس شخص کو دنیا کی دلچسپیاں اپنے پروردگار کی بندگی اور اطاعت

فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْخَٰسِرُونَ ﴿٩﴾ وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَٰكُم مِّن قَبْلِ
تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے ۔ اور خرچ کرو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پیشتر کہ
أَن يَأْتِىَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَآ أَخَّرْتَنِىٓ إِلَىٰٓ أَجَلٍ
آجائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو (اس وقت) وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت کے لیے کیوں
قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿١٠﴾ وَلَن يُؤَخِّرَ ٱللَّهُ
مہلت نہ دی تاکہ میں صدقہ و خیرات کر لیتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا ۱۵ اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا
نَفْسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَا ۚ وَٱللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١١﴾ ع ۲
کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آجائے ۱۶ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو ۱۷

سے محروم کر دیتی ہیں وہ انسان سراسر خسارے اور گھاٹے میں ہے۔ حقیقی نفع حاصل کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی فانی زندگی کے لمحات اپنے رب کی یاد اور اپنے پیارے رسول کی غلامی اور محبت میں بسر کر دیتے ہیں۔

۱۵ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تم کو عطا فرمائی ہیں انہیں اس کی راہ میں خرچ کرو اور خرچ کرنے میں لیت و لعل اور تاخیر سے کام نہ لو۔ ایسا نہ ہو کہ موت کا وقت آجائے اور تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔ اس وقت تمہاری آنکھیں کھلیں اور اس طویل سفر کے لیے کوئی زاد راہ مہیا نہ کرنے کا تمہیں احساس ستانے لگے تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر التجائیں کرو کہ ایک مرتبہ موت ٹل جائے تھوڑا سا وقت مل جائے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جی بھر کر اپنا مال لٹاؤں اور اس کے نیک بندوں میں شامل ہو جاؤں۔ پھر موت آجائے تو بصد حسرت پیام اجل کو قبول کرلوگے۔

۱۶ سن لو! اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ جب کسی کی موت کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر اس میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کی جاتی۔ جب تم جانتے ہو کہ موت نے بہرحال آنا ہے تو قرین دانشمندی یہی ہے کہ آج ہی سے اس کے لیے تیاری شروع کر دو۔

۱۷ کسی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ خلوت اور جلوت سب اس کے نزدیک یکساں اور عیاں ہے۔

اللّٰهم انت خبير بما نعمل فوفقنا لما تحب وترضى يا حي يا قيوم برحمتك استغيث لا تكلني الى نفسي طرفة عين واصلح لي شاني كله. اللّٰهم صل وسلم وبارك على نبيك وحبيبك سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه واولياء امته وعلماء ملته وسائر المؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات يا ارحم الراحمين ويا اكرم الاكرمين يا ذا الجلال والاكرام.

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سورۃ التغابن

نام : اس سورت کی آیت نمبر ۹ میں التغابن کا کلمہ ہے یہی اس کا نام تجویز کیا گیا۔ اس میں دو رکوع، اٹھارہ آیتیں، دو سو اکتالیس کلمے ایک ہزار، حروف ہیں۔

نزول : اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ اس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابن عباس سے یہی قول نقل کیا ہے۔ ابن الزبیر سے بھی یہی مروی ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین اسے مکی کہتے ہیں لیکن پہلا قول راجح ہے۔

مضامین : پہلی چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ان صفات کا جو تعلق کائنات کی تخلیق خصوصاً انسان کی تخلیق سے ہے اُسے ساتھ ساتھ واضح کر دیا گیا۔ بتایا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کی پاکی بیان کر رہی ہے۔ بلندیوں اور پستیوں میں اسی کی حکمرانی ہے۔ ہر قسم کی تعریف کا وہی حقدار ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ انسان کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ بعض خوش نصیب وہ ہیں جنہوں نے اپنے خالق کو پہچانا اور اس کی وحدانیت پر ایمان لے آئے ہیں اور اس کے انعامات پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور بعض ایسے بد نصیب ہیں جو اس سعادت سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہمہ دانی کا یہ حال ہے کہ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

حمد الٰہی کے بعد گزشتہ زمانوں کے کفار کا حال بیان کیا کہ انہوں نے اپنے رب کا انکار کیا اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تکذیب کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ اے لوگو! تم اُن سے عبرت پکڑو اور ایسی راہ اختیار نہ کرو جس کا انجام تباہی ہو۔

آیت نمبر ۱۴ اور ۱۵ میں اہل ایمان کو ایک اہم خطرے سے متنبہ کر دیا تاکہ وہ اس سے بچتے رہیں۔ بیوی اور اولاد کی محبت انسان کے لیے بہت بڑی آزمائش ہے۔ لوگ اپنی بیویوں کو خوش کرنے اور اپنی اولاد کو خوشحال دیکھنے کے جنون میں کیا کچھ نہیں کر گزرتے۔ ہر شخص یہ سمجھ لے کہ اس کی حسین و جمیل بیوی جس کی ایک ادا پر وہ سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہے یا اس کی پیاری اولاد جس کو خوش و خرم دیکھنے کا وہ از حد متمنی ہے۔ اگر اس نے فرزندان کے لیے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی تو اس کی عاقبت برباد ہو جائے گی۔ یہ بیوی یہ بچے کسی کام نہ آئیں گے اس وقت اسے پتہ چلے گا کہ یہ اس کے دشمن تھے۔ تم اب چوکنے رہو اور ان کی ناجائز نازبرداری سے اجتناب کرو۔ تاکہ تمہیں قیامت کے روز پچھتانا نہ پڑے۔

آخر میں یہ ہدایت فرمادی کہ جہاں تک تمہارے امکان میں ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنا شعار بنالو۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں فیاضی سے کام لو۔ اس کا وہ تمہیں اتنا اجر دے گا جس کا ابھی تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِ عَشْرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ التغابن مدنی ہے اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ

اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے ؎۱ اسی کی حکومت ہے اور

لَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ؎۲ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②

پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں ؎۳ اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔

؎۱ اس سورت میں جو معارف و مطالب بیان کیے گئے ہیں ان کا آغاز اس آیت سے زیادہ موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔ انسان کی تخلیق، اس میں متعدد اور متنوع قسم کی صلاحیتوں کا ودیعت کیا جانا، اس کی صورت کا حسین و جمیل ہونا، آسمانوں اور زمین کا اور ان میں جو کچھ ہے اس کا حق کے ساتھ پیدا کیا جانا۔ یہ ساری چیزیں اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ ان کا خالق تمام صفات کمال سے متصف ہے اور ہر عیب و نقص سے مبرا اور منزہ ہے۔ بلندیوں اور پستیوں میں حقیقی فرمانروائی اسی کی ہے۔ ہر خوبی اور ہر کمال جہاں کہیں جو کوئی دیکھ رہا ہے وہ اسی کا ہے یا اسی کا بخشا ہوا ہے اس لیے ہر حمد کا وہی مستحق ہے۔

؎۲ جب ہر چیز ممکن ہے اس کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف یکساں ہے تو اس کی قدرت کی نسبت بھی ہر چیز سے مساوی ہوگی۔

؎۳ جبر و قدر کے نظریات نے عرصہ تک لوگوں کو پریشان رکھا۔ اس افراط و تفریط کے درمیان اہل السنت نے راہ اعتدال اختیار کی۔ نہ ہم انسان کو جمادات کی طرح مجبور محض سمجھتے ہیں اور نہ اسے مختار مطلق مانتے ہیں کہ جو چاہے وہ کرے اور جو اس کی مرضی ہو وہ ہو جائے۔ اس کا اور اس کی جملہ صلاحیتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ ان صلاحیتوں کا برنے کا ارادہ، اچھے یا برے افعال میں ان کو استعمال کرنا یہ انسان کا فعل اور کسب ہے۔ اسی کسب کے باعث وہ جزا و سزا کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ تمہیں تو

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا اور

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۞۳ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ

اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹنا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے نیز وہ جانتا ہے

بہت کو قبول کرنا ہم میں گوناگوں صلاحیتیں پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر کسی نے اس نعمت وجود کو پہچانا، اس کا اعتراف کیا اور اپنے منعم کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی توحید کو تسلیم کیا، کسی نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور نفس و شیطان کے بہکاتے ہوئے راستہ پر گامزن رہا اور اپنے رب کا انکار کرتا رہا۔ انسان کو اس کی صلاحیتوں کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے لیکن انہیں صحیح یا غلط انداز سے استعمال کرنا انسان کا فعل ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زجاج نے کہا ہی احسن الاقوال کہ یہ رائے ہی تمام آراء سے بہتر ہے۔

۴۔ آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کا مطلب متعدد مقامات پر بیان کیا جا چکا ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے کہ ہر چیز کو رب کریم نے اس طرح بنایا جس طرح اسے بنایا جانا چاہیے تھا تاکہ وہ اپنی تخلیق کے مقاصد کو احسن طریقہ سے انجام دے سکے۔ کائنات کی کسی چھوٹی یا بڑی چیز پر آپ غور کریں آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ چیونٹی کا ننھا سا جسم اس کی باریک باریک ٹانگیں اور اس کے بقیہ جسم کی ساخت ایسی ہی ہونی چاہیے تھی جیسی ہے۔ ہاتھی کا یہ بھاری بھرکم جثہ، اس کی موٹی موٹی مضبوط ٹانگیں، اس کے یہ چوڑے کان، اس کی لمبی سونڈ اور اس کے دانت ایسی ہی ہونی چاہیے تھی جیسے ہمیں نظر آ رہی ہے۔ الغرض جو خوبیاں اور رعنائیاں کسی شے میں ہیں ان میں رد و بدل کی قطعاً گنجائش نہیں۔ جو بنایا ہے جیسے بنایا ہے وہی حق اور درست ہے۔ اس میں رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی شخص تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کے شاہکار حضرت انسان کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا کہ دیکھو ہم نے اسے بنایا اور کتنا خوبصورت بنایا۔ اس کا قد دیا، اس کے ہاتھ اور اس کے بازو کتنے متناسب ہیں۔ اگر پانچ کے بجائے ہاتھ میں سات انگلیاں ہوتیں یا چار ہوتیں تو کیا وہ کام تم اس خوبی سے انجام دے سکتے جیسے اب دے رہے ہو۔ پھر اس کے چاند سے چہرے کی طرف دیکھو آنکھیں، کان، ناک، منہ کتنے قرینے سے سجائے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی کو آگے پیچھے یا اوپر نیچے کر کے تصور کرو کتنی بدرنگ اور بھیانک صورت بن جائے گی۔ پھر صرف اس کا ظاہر ہی حسن و دلکشی کا مرقع نہیں بلکہ اس کا باطن بھی گوناگوں خوبیوں کا مخزن ہے۔ اس مشت خاک میں فضا کو مسخر کرنے، سمندروں کو کھنگال دینے کی قوتیں کس نے اکٹھی کی ہیں! اسے نیک و بد کے درمیان تمیز کی استعداد کس نے بخشی ہے! وہ ہمت بلند جس کے زور سے وہ مادی دنیا کی زنجیروں کو توڑ کر سدرۃ المنتہیٰ پر اپنا آشیانہ بناتا ہے وہ کس کا عطیہ ہے۔ اس کو مادہ و عقل کی گوناگوں آزادی دے کر کیسی اس کی حفاظت کا کیا حیران کن اہتمام کر دیا گیا ہے۔

کوئی لاکھ دور بھاگے، کوئی لاکھ سرکشی کرے، کوئی اپنی خودی کے خمار میں کتنا سرمست رہے، آخر کار سب نے اسی کے دربار میں لوٹ کر جانا ہے۔

مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو ؎ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ

کیا نہیں آئی تمہارے پاس ان کی خبر جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے پس چکھ لیا انہوں نے اپنے کام (یعنی کفر)

اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

کا وبال اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے ؎ اس کی وجہ یہ تھی کہ آتے رہے ان کے پاس

؎ اس کی بے پایاں قدرت میں اس کی حکمت کے جلوے قدم قدم پر ؎ نظارہ کرو، دل میکشد کہ جا اینجاست۔ کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ یہاں اس کے علم کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ بھی ممکن نہیں۔ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی چھوٹی سے حقیر چیز بھی ایسی نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ اگر اس کو خشخاش کے باریک سے دانے کا علم نہ ہو جو زمین کے تاریک شکم میں بو دیا جاتا ہے تو وہ اگنے کیسے پا سکتا ہے۔ جو اس پر پھول کیسے آئیں اور وہ پک کر تیار کیسے ہو۔

انسان کا مقام ساری مخلوقات میں اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس لیے اس کا ذکر ہر موقع پر خصوصیت سے کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جاننے والا اے انسان تجھے بھی جانتا ہے اور کوئی فعل، جو تجھ سے مخفی نہیں تو خواہ پردوں کے پیچھے چھپ کر بھی کوئی کام کرے تب بھی اس کو اس کا علم ہے۔ بلکہ جو خیال تیرے نہاں خانہ دل میں ابھی گزرتا ہے وہ بھی اس سے بھی وہ پوری طرح باخبر ہے۔ اس لیے سرکشی کا انداز ترک کر دو۔ اطاعت و انقیاد کو اپنا شعار بنا لو اسی میں تمہاری بھلائی اور دونوں جہانوں کی فلاح کا راز پوشیدہ ہے۔

قرآن کریم ہر مناسب مقام پر انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ تم اشرف المخلوقات ہو۔ جو شکل و صورت تمہیں دی گئی ہے وہ بھی بے نظیر ہے۔ جو فہم و شعور تجھے بخشا گیا ہے اس کی بھی مثال نہیں۔ فعل و ترک کی جو آزادی تجھے دی گئی ہے کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئی۔ اب تیرا بھی فرض ہے کہ اپنے کریم رب کو پہچان، اپنی زندگی کو اس کے احکام کے سانچے میں ڈھال، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کر۔ اس سے وہ مقصد پورے ہو جائیں گے۔ تیرا خدا بھی راضی ہو جائے گا اور تیری شخصیت کو بھی چار چاند لگ جائیں گے اور تو اپنے مقصد حیات کو بھی بطریق احسن سے انجام دے سکے گا۔

؎ جن لوگوں نے اس حقیقت کو نہ پہچانا اور اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے بجائے سرکشی کی راہ پر چل نکلے اور کفر و شرک اور فسق و فجور کے خارزاروں میں پھنس کر رہ گئے ان کے دردناک انجام کی خبریں زبان زد عام ہیں۔ تم نے بارہا سنی ہوں گی۔

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا

ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے۔ پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿٦﴾ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ

اور اللہ تعالیٰ بھی ان سے بے نیاز ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، سب خوبیوں سراہا ہے۔ گمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہرگز دوبارہ

لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ

زندہ نہ کیا جائے گا۔ فرمائیے کیوں نہیں، میرے رب کی قسم! تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧﴾ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ

اور یہ اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے

ف ان کی گمراہی کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ ہم نے ان کو عقل و فہم بھی عطا کیا، مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کی طرف اپنے رسول مبعوث کیے جو انہیں راہ حق دکھاتے، اور ان پیغمبروں کو معجزے بھی دیے تاکہ وہ ان کو پہچان سکیں لیکن ان احمقوں نے یہ کہہ کر ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم اپنے جیسے انسانوں کا اتباع نہیں کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی طرف سے بے پروائی اختیار کر لی اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کی ضرورت ہے، وہ بندوں کے سجدوں اور عبادتوں کا محتاج نہیں۔ اس کی کوئی بھی تعریف نہ کرے پھر بھی وہ غنی اور حمید ہے۔

ف کفار کو اس بات پر یقین تھا کہ قیامت ہرگز نہیں آئے گی بلکہ آ سکتی ہی نہیں۔ اس لیے وہ بڑے دھڑلے سے کہتے تھے لَنْ يُّبْعَثُوْا انہیں قبروں سے زندہ کر کے ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا۔ ان کے اس بے بنیاد دعوے کے رد میں ان کے انداز گفتگو سے بھی صد گنا پر زور انداز میں وقوع قیامت کے بارے میں اعلان فرمانے کا اپنے رسول کو حکم دیا۔ اے حبیب! آپ فرما دیجئے کہ تمہارا یہ خیال سراسر باطل ہے کہ تمہیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ تمہاری زندگی کا سارا دفتر عمل تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا اور تم میں یہ طاقت نہ ہو گی کہ تم کسی ایک بات کا بھی انکار کرو۔ ایسا کرنا میرے رب کے لیے قطعاً دشوار نہیں۔ جس طرح اس نے کائنات کی تخلیق کے وقت فرمایا کُنْ اور یہ سارا جہان اپنی بوقلمونیوں کے ساتھ نیست سے ہست ہو گیا۔ اسی طرح اس وقت بھی اس کا ایک اشارہ ہو گا تم سر جھکائے قبروں سے نکل کھڑے ہو گے۔ تمہارے لیے تو واقعی بکھرے ہوئے ذروں کو یکجا کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے لیکن میں تو اپنے رب کی بات کر رہا ہوں جو علیٰ کل شیء قدیر ہے۔

أَنزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٨﴾ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ

نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے ١٦ جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن ١٧

ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ

یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے ١٨ اور جو ایمان لے آیا اللہ پر اور نیک عمل کرتا رہا اللہ دور فرما دے گا

١٦ کفر و انکار انسان کو جن ہلاکتوں سے دوچار کر دیتا ہے پہلے ان کا ذکر کیا۔ پھر قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا حتمی اعلان کرایا۔ اب ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری سلامتی اور بہتری اسی میں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور قرآن کریم جو سراسر نور ہدایت ہے اس کو اللہ کا سچا کلام تسلیم کر لو۔ یہ نور تمہاری زندگی کے گوشہ گوشہ کو منور کر دے گا۔ اس کی چمک سے تمہارے تصورات کے ظلمت کدہ میں اجالا ہو جائے گا۔ حق اور باطل میں تم بآسانی امتیاز کر سکو گے۔ تمہاری معاشی خوشحالی، تمہاری اخلاقی برتری اور تمہاری روحانی ترقی کی منزل کی طرف یہی نور تمہاری رہنمائی کرے گا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں وھو القرآن فانہ باعجازہ بین بنفسہ مبین لغیرہ کما ان النور کذلک (روح المعانی) یعنی یہاں نور سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ وہ اپنے اعجاز بیان کے باعث خود بھی روشن ہے اور دوسرے حقائق کو بھی آشکارا کرنے والا ہے۔

١٧ یوم، لتنبئن کا ظرف ہے اس لیے منصوب ہے۔ قیامت کو یوم الجمع اکٹھے ہونے یا اکٹھا کیے جانے کا دن کہا گیا ہے کیونکہ ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک ساری مخلوق وہاں جمع ہو گی تاکہ ان سے ان کے اعمال کا حساب لیا جا سکے۔

١٨ فرمایا یوم الجمع یعنی جمع ہونے کا دن ہی حقیقت میں یوم التغابن ہوگا۔ علامہ راغب نے اختصار کے ساتھ بڑی جامع اور واضح تشریح کی ہے۔ لکھتے ہیں الغبن ان تبخس صاحبك فی معاملة بینك وبینه بضرب من الاخفاء (مفردات) یعنی پوشیدہ طور پر اپنے ساتھی کو باہمی معاملہ میں نقصان پہنچانے کو غبن کہتے ہیں۔ اگر یہ نقصان مال ہو تو اس کا ماضی غَبَن مفتوح العین ہوگا اور اگر اس کی رائے اور فہم میں ہو تو غَبِن مکسور العین ہوگا۔ قیامت کو یوم التغابن کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہر شخص فانی کاروبار میں دل و جان سے مصروف ہے۔ اس کے نتائج مکمل کر ان کے سامنے آجائیں گے اور انہیں علم ہو جائے گا کہ انہوں نے کتنے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے انہوں نے اپنے آپ کو نعیم جنت سے محروم کیا اور نفس و شیطان کی پیروی کر کے اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن بنا لیا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ باب تفاعل ہے اس میں دو یا دو سے زائد آدمیوں کی شرکت ضروری ہے اس لیے انہوں نے یوم التغابن کی تشریح یوں کی ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں اپنے محلات کے علاوہ ان لوگوں کے محلات بھی مرحمت فرما دیے جائیں گے جنہوں نے غلط روی کے باعث اپنے آپ کو جہنم کا سزاوار بنا لیا۔ اور جہنمی جب دوزخ میں پھینکے جائیں گے تو انہیں اپنے ٹھکانوں کے علاوہ ان لوگوں کے ٹھکانے بھی دے دیے جائیں گے جو راہ راست پر گامزن ہونے کے باعث دوزخ کے عذاب

نجات پا گئے گویا اس روز دوزخی اور جنتی آپس میں لین دین کریں گے۔ اہل جنت دوزخ کے ٹھکانے جنتیوں کو دے دیے جائیں گے اور ان کے عوض جنت میں دوزخیوں کے لیے جو ایوان آراستہ کیے گئے تھے وہ انہیں مل جائیں گے۔ اس روز دوزخی بآسانی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ زندگی کے میدان میں کون جیتا اور کون ہارا۔ اس کاروبار میں انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔

بخاری شریف کی روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضور نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ لَوْ أَسَاءَ لِيَزْدَادَ شُكْرًا وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدْخُلُ النَّارَ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ أَحْسَنَ لِيَزْدَادَ حَسْرَةً۔ یعنی ہر جنتی جب جنت میں داخل ہوگا تو اسے جہنم میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ بدکار ہوتا تو اس کو ملتی یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مزید شکر ادا کرے اور دوزخی کو جنت میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ نیک ہوتا تو اس کو ملتی تاکہ اس کی حسرت میں مزید اضافہ ہو۔

صحیح مسلم اور ترمذی کی ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے تاکہ آپ کو پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان کس طرح عدل فرمائے گا۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال أَتَدْرُونَ مَنِ الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: ایک روز رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا اے لوگو! تم جانتے ہو مفلس کون ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم تو اس کو مفلس کہتے ہیں جس کے پاس نہ روپیہ پیسہ ہو نہ سازوسامان۔ فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے جو روز حشر آئے گا اس کے ساتھ اس کی نمازیں، اس کے روزے اور اس کی زکوٰۃ ہوگی۔ نیز وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی نکالی ہوگی، کسی پر بہتان باندھا ہوگا، کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ ان مظلوموں کی داد رسی کرنے کے لیے اس کی نیکیاں ان لوگوں میں بانٹی جائیں گی اور اگر مظلوموں کی حق رسی سے پہلے اس کی نیکیوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو مظلوموں کے گناہ لے کر اس کے سر پر لاد دیے جائیں گے اور پھر اسے دھکا دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اور نصیحت آموز ارشاد بھی سنتے جائیے۔

قال من كانت عنده مظلمة لاخيه فليتحلله منها في الدنيا فانه ليس ثمه دينار ولا درهم ان كان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمته وان لم يكن له حسنات اخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: یعنی اگر کسی نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہے تو اس دنیا میں ہی وہ اسے معاف کرالے کیونکہ قیامت کے روز دینار و درہم نہیں چلیں گے۔ اگر اس ظالم نے کچھ نیک اعمال کیے ہوں گے تو وہ لے کر اس مظلوم کو دے دیے جائیں گے اور اگر اس کے پاس صالح اعمال کا ذخیرہ نہ ہوگا تو مظلوم کے گناہ اس کے سر پر لاد دیے جائیں گے۔

عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اس سے اس کے گناہوں کو مٹا دے گا اور داخل فرمائے گا اسے باغوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٩ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے تا ابد۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ

اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے ١٣ اور یہ بہت بری

وہ لوگ جو تلاش زر میں آج دیوانے بنے پھرتے ہیں، حلال و حرام، جائز و ناجائز کی تمیز بھی نہیں کرتے جو لوگ اپنے کاروبار کی اونچی اونچی چمنیوں سے زیادہ دھواں نکلتا دیکھ کر پھولے نہیں سماتے، جو آج اپنے مکر و فریب میں اتنے مست ہیں کہ انہیں راہ حق پر ایک قدم چلنا بھی گوارا نہیں۔ انہیں اگر فرصت ملے تو وہ یوم التغابن کا بھی تصور کریں، جب انہیں خالق کائنات کے حضور لا کر کھڑا کر دیا جائے گا اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور انہیں اپنی حماقت کا احساس ہو گا۔ اس روز انہیں پتہ چلے گا کہ جس کاروبار کو بڑا نفع بخش سمجھ رہے تھے، وہ درحقیقت سراسر گھاٹے کا کاروبار تھا۔

علامہ ابن منظور نے حضرت حسن بصری سے تغابن کا ایک اور مفہوم نقل کیا ہے۔

سُئِل الحسن عن قولہ تعالٰی ذٰلک یوم التغابن فقال غبن اھل الجنۃ اھل النار ای استنقصوا عقولھم باختیارھم الکفر علی الایمان (لسان العرب) یعنی حضرت حسن بصری سے یوم التغابن کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا اس روز اہل جنت دوزخیوں کے فہم و خرد کی تنقیص کریں گے کہ تم لوگ کتنے احمق تھے۔ تم نے ایمان کو چھوڑ دیا اور کفر کو اختیار کر لیا۔ تمہاری دانش مندی نے تمہیں یہ یقینی حقیقت بھی نہ سمجھائی کہ فانی، باقی کے بدلے خریدا نہیں جا سکتا۔ اس صورت میں تغابن، غبن سے ماخوذ ہو گا جس کا معنی عقل و رائے میں نقصان ہے۔

١٣ یوم التغابن کے ذکر کے بعد پھر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جو شخص ایمان لائے گا اور ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اعمال حسنہ سر انجام دے گا اللہ تعالٰی اس کی سابقہ خطائیں دور کر دے گا۔ اس کے نامہ اعمال میں کوئی ایسا نقص نہیں رہے گا جس سے قیامت کے دن اس پر فرد جرم عائد کی جائے گی اور اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ علامہ جوہری کفر کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں۔ التکفیر فی المعاصی کالاحباط فی الثواب (صحاح)، اعمال صالحہ کا ثواب ضائع ہو جائے تو اس کے لیے حبط کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور گزشتہ گناہ کالعدم کر دیے جائیں تو اس کے لیے تکفیر کا کلمہ استعمال ہوتا ہے۔

١٣ لیکن جو بدبخت ان نعمتوں کے باوجود کفر پر اڑے رہے اور آیات ربانی کی تکذیب کرتے رہے ان کا دردناک انجام بھی بتا دیا تاکہ وہ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیں۔

ع ۱۵

الْمَصِيرُ ۝ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ

پلٹنے کی جگہ ہے۔ نہیں پہنچتی (کسی کو) کوئی مصیبت بجز اللہ کے اذن کے ۱۴ اور جو شخص

۱۴ یہ دنیا دار المحن ہے۔ مصائب وآلام سے کسی کو مفر نہیں۔ بیماری صدمہ، تجارت و زراعت میں خسارہ، کسی عزیز ترین مقصد میں انتہائی مساعی کے باوجود ناکامی۔ یہ ایسے حالات ہیں جن سے کم و بیش ہر شخص کو واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن آلام و مصائب کے ہجوم میں ہر شخص کا ردعمل یکساں نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جن کا خدا کی ذات پر ایمان نہیں ہوتا وہ اپنے آپ کو ان حالات میں ایک بے بس تنکا محسوس کرتے ہیں جسے ہوا کے جھونکے ادھر سے ادھر پھینک رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت جس ذہنی پستی اور اخلاقی انحطاط کا یہ لوگ مظاہرہ کرتے ہیں اسے دیکھ کر شرافت کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اور آنکھیں فرط خجالت سے جھک جاتی ہیں۔ لیکن جن کو خدا پر ایمان ہوتا ہے اور ایمان بھی ایسا مستحکم اور استوار کہ اس میں ذرہ برابر لچک نہیں ہوتی۔ ان کی شان اس وقت دیدنی ہوتی ہے۔ تھپیڑوں کے نرغہ میں بھی وہ مسکرا رہے ہوتے ہیں۔ بے رحم طوفانوں میں بھی ان کے یقین کی شمع فروزاں رہتی ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ بے آسرا نہیں۔ خدا کی ذات ان کا آسرا ہے اور بہت بڑا آسرا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ ان کے پروردگار کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اگر اس نے انہیں کسی آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تو یہ اس کا ظلم یا بے انصافی نہیں یا اپنے فرمانبردار بندے سے اس کا تغافل اور اس کی بے نیازی نہیں۔ بلکہ اسی میں ان کی بہتری اور بھلائی ہے۔ یہی ان کی مصلحت ہے۔ اس طرح ان کے دل مضطرب اور بے چین نہیں ہوتے۔ آزمائش کی اس پرخار وادی کو بڑے صبر و تحمل اور سکون و وقار کے ساتھ طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

ایمان باللہ میں کس بلا کی قوت ہے۔ اس قوت کے بل بوتے پر انسان کس طرح ثابت قدمی اور جواں مردی کا مظاہرہ کر سکتا ہے اس کے لیے آپ فرعون کے ساحروں کے رویہ پر نظر ثانی کیجیے۔ فرعون انہیں دھمکیاں دے رہا ہے اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا۔ تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا۔ انہیں اس کا بخوبی علم تھا کہ یہ ظالم ایسا کر کے رہے گا۔ لیکن وہ ایمان جو ان کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا وہ انہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ان میں لغزش نہیں آنے دیتا۔ وہ بھرے دربار میں یہ اعلان کرتے ہیں۔ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ۔ اے فرعون! جو تیرا جی چاہے کر گزر ہم اس نعمت ایمان کو ہرگز اپنے ہاتھوں سے نہیں جانے دیں گے۔

جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر، اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر یقین راسخ نصیب ہو جاتا ہے تو ان ہمہ گیر نازک حالات میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو صبر و رضا اور تسلیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ میں اسی خصوصی عنایت کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں علامہ ابن کثیر نے ایک حدیث لکھی ہے جو صحیحین سے منقول ہے۔ آپ بھی اسے غور سے پڑھیے اور اسے یاد رکھیے تاکہ زندگی کا کٹھن جب غم و اندوہ اور رنج و الم سے نکل کر خارزاروں اور وادی پر خار سے گزرنے لگے تو آپ کے چہرے پر اس وقت بھی طمانیت کا نور چمک رہا ہو۔ تمہارے دل میں اضطراب و پریشانی کی کوئی علامت موجود نہ ہو۔ آپ کے آقا و مولا، مرشد برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ عَجَبًا لِلْمُؤْمِنِ لَا يَقْضِي اللّٰهُ لَهٗ قَضَاءً اِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهٗ اِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ۔

يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١﴾ وَاَطِيْعُوا

اللہ پر ایمان لے آئے اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۱۵؎ اور اطاعت کرو

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کریم کی ۱۶؎ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو ہمارے رسول کے ذمہ فقط کھول کر پیغام

الْمُبِيْنُ ﴿١٢﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٣﴾

پہنچانا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں پس اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو ۱۷؎

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ

اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے بچے تمہارے دشمن ہیں

ترجمہ: یعنی مومن کی بھی عجیب حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جو فیصلہ کرے وہی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے تکلیف پہنچے اور اس پر وہ صبر کرے تو یہ تکلیف اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے مسرت ارزانی ہو اور وہ اس پر شکر کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اور یہ سعادت صرف مومن کے لیے مخصوص ہے۔

۱۵؎ یہ فرما کر اہل ایمان کو تسلی دے دی کہ تمہارا واسطہ اس خدا سے نہیں جس کو تمہاری حالت کی خبر نہ ہو۔ تم اس کے لیے بلکان ہوتے رہو، نقصان پر نقصان اٹھاتے رہو، تکلیف پر تکلیف جھیلتے رہو اور اسے پتہ ہی نہ ہو کہ اس کے بندے اس کی راہ میں کن کن کانٹوں سے گزر رہے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اس کی راہ میں جو کانٹا تمہیں چبھتا ہے، گرم لو کا جو جھونکا تمہارے جسم کو جھلسا کر نکل جاتا ہے اسے اس کا بھی علم ہے۔ اس کا یقین دو، تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ تمہارا دشمن کتنا جابر و قاہر کیوں نہ ہو جب اس کی مدد آئے گی تو دشمن کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو۔ اس کی رحمت پر بھروسہ کرو۔ حالات کا رخ بدلتے دیر نہیں لگتی۔ کس پیارے انداز سے اپنے عشاق دلفگار کی دلجوئی فرمائی جا رہی ہے۔

۱۶؎ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنا شعار بنائے رکھو۔ اگر تم نے خوشی و آرام کے دنوں میں اس کو بھلا دیا یا غم و اندوہ کی تاریک راتوں میں اس کی رحمت سے مایوس ہو کر بے راہ روی اختیار کر لی تو یاد رکھو اس کا نقصان تمہیں ہی ہو گا۔ ہمارے رسول کی تو یہی ذمہ داری تھی کہ وہ تمہیں حق کا پیغام پہنچا دے۔ اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔

۱۷؎ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان اور اس پر توکل بندۂ مومن کا طرۂ امتیاز ہے۔

فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

پس ہوشیار رہو ان سے ۱۹ اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور

رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِندَهُ أَجْرٌ

رحیم ہے ۲۰ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد (تو) آزمائش ہیں ۲۱ اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر

عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنفِقُوا

عظیم ہے ۲۱ پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے ۲۲ اور (اللہ کا فرمان) غور سے سنو اور مانو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو

۱۹ راہِ حق کے مسافر کے لیے وہ لمحے بڑے خطرناک ہوتے ہیں جب اس کی محبوب بیوی یا پیاری اولاد سنگ راہ بن کر سامنے آتی ہے۔ جب ایمان کے تقاضوں اور ان کے مطالبات میں تصادم شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے نازک لمحوں میں اپنے بندوں کی رہنمائی فرماتا ہے انہیں بتاتا ہے کہ بے شک تیری بیوی تیری رفیقِ حیات ہے اگرچہ تیری اولاد تیری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے لیکن اگر یہ تجھے راہِ راست سے بہکانے کی کوشش کرتے ہیں تو تب وہ لاریب تیرے دشمن ہیں۔ یہ تیری عاقبت کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تجھے اپنے مالک کی بغاوت پر اکسا رہے ہیں ان کی ان چالوں سے ہوشیار رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی ناز برداریاں کرتے کرتے اپنی متاعِ ایمان لٹا بیٹھو یہ خسارہ ناقابلِ برداشت ہوگا۔

۲۰ ان کی کھلی عداوت کے باوجود ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور عفو و درگزر کا درس دیا جا رہا ہے۔ یہ وسیع الظرفی اور اقسامِ اسلام کے بغیر آپ کو کسی اور دین میں نہیں ملے گی۔

۲۱ مال اور اولاد کی محبت اگر یادِ حق میں مخل نہ ہو تو یہ بہت بڑا انعام ہے۔ مومن کو چاہیے کہ ان کی محبت میں ایسا از خود رفتہ نہ ہو جائے کہ یادِ حق میں غفلت اور احکامِ شریعت کی پابندی میں تساہل ہونے لگے۔

مال اور اولاد اس اعتبار سے بھی آزمائش ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب یہ نعمتیں عطا فرماتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ میرا بندہ ان کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہے یا نہیں جب اولاد بخشتا ہے تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ ماں باپ اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت میں اپنی ذمہ داری کس حد تک پوری کرتے ہیں۔ ان کو انسانیت کی اعلیٰ قدروں سے متصف کرنے کی کہاں تک کوشش کرتے ہیں۔ ایسا فرد بنانے میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں جو اپنے علم اپنے عمل اور اپنی سیرت کے باعث اپنی قوم اور ملک کو چار چاند لگا دے۔ جو والدین اپنی اولاد کی صحیح تربیت نہیں کرتے انہیں علم کے زیور سے مزین نہیں کرتے ان کے کردار کو اعلیٰ سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کرتے وہ اس آزمائش میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس امتحان میں صرف وہی ماں باپ کامیاب ہوتے ہیں جو اپنی اولاد کو ملک و ملت کی عظمت جدید کی تعمیر کے لیے تیار کر دیتے ہیں۔

۲۲ اگر تم اپنے اموال اور اپنی اولاد کے سلسلہ میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دو گے تو بارگاہِ الٰہی سے تم پر مزید فضل و احسان کی بارش کی جائے گی اور تمہاری اس عملی شکرگزاری کو مزید انعامات سے نوازا جائے گا۔

۲۳ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۲ میں ہے یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے

خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ ۗ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾

یہ بہتر ہے تمہارے لیے ۲۳ اور جنہیں بچا لیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۲۴

إِن تُقْرِضُوا۟ ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ

اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا تمہارے لیے اور بخش دے گا تمہیں ۲۵ اور اللہ تعالیٰ

شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

بڑا قدردان (اور) بہت حلم والا ہے ۲۶ ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے، سب پر غالب (بڑا) دانا ہے ۲۷

طرح اللہ سے ڈرنے کا حق ہے۔ یہاں ارشاد فرمایا کہ اپنے اللہ سے ڈرو جتنا تم ڈر سکتے ہو۔ جتنا تمہارے امکان میں ہے۔ اس اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی رقمطراز ہیں: والاشارۃ الی الفرق بین الابرار والمقربین فی حال التقوی وقولہ فاتقوا اللہ ما استطعتم ناظر الی الابرار وقولہ تعالی اتقوا اللہ حق تقاتہ ناظر الی المقربین۔ فان حالھم الخروج عن الوجود المجازی بالکلیۃ وھو حق التقوی۔

یعنی ابرار اور مقربین کے تقویٰ میں جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس آیت میں ابرار کی حالت کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور پہلی آیت میں مقربین کے احوال کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے وجود مجازی سے کلیتہً دستکش ہو جاتے ہیں اور یہی تقویٰ کا منتہائے کمال ہے۔

ہر شخص اولوالعزم نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص میں وہ صلاحیتیں نہیں پائی جاتیں جو اللہ تعالیٰ نے اکابر صحابہ اور اکابر اولیاء کرام کو عطا فرمائیں۔ اس لیے سب کے لیے تقویٰ کا دروازہ کھول دیا۔ جتنی تمہاری استطاعت ہے، جتنی ہمت ہے تم مالک ہو اتنا تقویٰ اختیار کرو، مزید اپنی تقویٰ کی توفیق وہ جب چاہے گا اپنی جناب سے تمہیں عطا فرمائے گا۔

۲۳ مزید ہدایات دی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کے نبی کے ارشادات پوری توجہ سے سنو، اس کے احکام کو بجا لاؤ اور اس کی راہ میں اس کے دیے ہوئے مال سے خرچ کرتے رہو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ خیرًا کان مقدر کی خبر ہے۔ یعنی تم ایسا کیا کرو ایسا کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ یکن خیرًا لکم۔

۲۴ اس کی تشریح سورہ حشر کی آیت ۹ میں گزر چکی ہے۔

۲۵ اخلاص اور خوشی سے اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے جو شخص اپنا مال خرچ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ گویا قرض ہوگا اور وہ اسے کئی گنا کر کے دیتا ہے گا۔ ایک کا دس، بلکہ سات سو، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کے علاوہ اس کے گناہ بھی معاف کر دیے جائیں گے۔

۲۶ شکر کا معنی ہے قدردانی۔ بندہ تھوڑا سا کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے اللہ تعالیٰ بے حساب اسے اجر عطا فرماتا

ہے۔ واللہ شکور بمعنی انہ کثیر الصنائع علی عبدہ۔

حلیم یعنی تم گناہ کرتے ہو وہ فوراً ہی پکڑ نہیں لیتا۔ اس کے حلم کا اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا۔

۲۷ے اس کا علم کامل ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے پنہاں نہیں۔ اس کی قدرت عظیم ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ کو ٹال سکے اور اس کی قضا کو مسترد کرسکے۔ ہمہ دان اور قادر مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حکیم ہے۔ اس کے ہر حکم میں، اس کے ہر فیصلہ میں اس کی حکمت کے جلوے نظر آرہے ہیں۔

◎

اللّٰھم انت عالم الغیب والشھادۃ وانك انت العزیز الحکیم فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

اللّٰھم صل من الصلوات ازکاھا ومن التسلیمات اطیبھا ومن التحیات اسناھا علی حبیبك ومحبوبك ونبیك ورسولك سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعہ باحسان الی یوم الدین۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورَۃُ الطّلاق

نام : اس سورۃ میں طلاق کے مسائل مذکور ہیں اس لیے اس کا نام "الطلاق" تجویز ہوا۔ اس میں دو رکوع ۱۲ آیتیں دو سو انچاس کلمے اور ایک ہزار ساٹھ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سورت بقرہ کی وہ آیات جن میں طلاق وغیرہ کے احکام بیان ہوئے ہیں، ان آیات کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی۔

مضامین : عہد جاہلیت کا عرب معاشرہ از اوّل تا آخر بگڑ چکا تھا۔ غلط رسم و رواج کی پابندی نے اُن کی خانگی زندگی کو باہمی اعتماد اور حقیقی خوشیوں سے محروم کر دیا تھا۔ نکاح، طلاق، عدت، نفقہ، رضاعت اور دوسرے مسائل جن کا عائلی زندگی سے گہرا تعلق ہے ہر قسم کی معقولیت سے عاری تھے۔ اسلام نے یک لخت پہلے نظام کو درہم برہم کر کے نہیں رکھ دیا بلکہ اس کی اصلاح کے لیے تدریجی اقدامات کیے تاکہ مقصد بھی پورا ہو جائے اور عجلت میں کی گئی اصلاحات سے جو مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان سے بھی کم سے کم سابقہ پڑے۔

پہلے شوہر اپنی بیوی کو ان گنت طلاقیں دے سکتا تھا اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا کرتا جس سے عورت کی زندگی اس کے لیے عذاب بن گئی تھی۔ سورۃ بقرہ کی آیت دو سو اُنتیس (۲۲۹) میں بتا دیا کہ شوہر زیادہ سے زیادہ تین طلاقیں دے سکتا ہے۔ اس کے بعد وہ رجوع نہیں کر سکتا۔

البقرہ کی آیت دو سو اٹھائیس (۲۲۸) میں مدخولہ عورت کی عدت بتا دی کہ تین حیض ہے۔ اسی آیت میں یہ بھی بتا دیا کہ رجعی طلاق کی صورت میں عدت ختم ہونے سے پہلے خاوند رجوع کر سکتا ہے اور تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں۔

البقرہ کی آیت دو سو تیس (۲۳۰) میں طلاق مغلظہ کی صورت میں دوبارہ نکاح کا حکم بیان کر دیا اور اسی سورت کی آیت دو سو چونتیس (۲۳۴) میں اس عورت کی عدت بتا دی جس کا خاوند فوت ہو جائے۔

عائلی زندگی سے متعلق ایک حکم سورۃ الاحزاب کی آیت اُنچاس (۴۹) میں بیان کر دیا کہ اگر نکاح کے بعد دخول سے پہلے طلاق واقع ہو جائے تو پھر مطلقہ کو عدت گزارنے کی ضرورت نہیں وہ اسی وقت نکاح کر سکتی ہے۔

لیکن عائلی زندگی سے متعلق کئی مسائل ایسے رہ گئے تھے جن کے جوابات مطلوب تھے۔ کئی دیگر احکامات کے بارے میں وضاحت کی ضرورت تھی تاکہ عمل کرنے والا منشائے الٰہی کے مطابق ان پر عمل کر سکے۔ اس سورت کو نازل فرما کر اس خلا کو

پر کر دیا۔ نیز طلاق جس کی اجازت اسلام نے صرف ناگزیر حالات میں دی ہے جب کہ میاں بیوی کے مل کر رہنے کا کوئی امکان نہ ہو اور اسے ابغض المباحات قرار دیا ہے۔ اس کے لیے ایسی پابندی لگا دی کہ اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو طلاق کا وقوع بہت ہی کم ہو جائے۔

پہلے اُس مطلقہ مدخولہ کی عدت بیان کی گئی تھی۔ جسے حیض آتا ہو۔ یہاں اُن مدخولہ عورتوں کی عدت بیان کی جا رہی ہے۔ جنہیں حیض آنا ابھی شروع ہی نہ ہوا ہو یا وہ عمر کے اس حصہ میں پہنچ گئی ہوں جب حیض کا آنا بند ہو جاتا ہے۔

حاملہ عورت کو اگر خاوند طلاق دے دے یا اس کا خاوند فوت ہو جائے تو اسے کتنی عدت گزارنی ہوگی؟ اس مسئلہ کی بھی یہاں تصریح کر دی۔

مطلقہ جب عدت گزار رہی ہو تو اس کی سکونت اور نفقہ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ شیر خوار بچہ کی رضاعت کا انتظام اور اس کے اخراجات کون برداشت کرے گا؟ ان تمام مسائل کو یہاں تفصیلاً ذکر کر دیا۔

اس سورت کا ایک اور پہلو آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ بلاشبہ اس میں اہم اور دور رس نتائج کے حامل قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے باوجود قرآن کریم کی انفرادیت قائم ہے۔ یہ صرف قوانین کی کتاب نہیں جو متعدد دفعات پر مشتمل ہو اور جن سے سرتابی کرنے والا مختلف سزاؤں کا مستوجب قرار پاتا ہو بلکہ اس میں جگہ جگہ ان احکام کی بجا آوری کی ترغیب دینے کے لیے ایسے جملوں کا اضافہ کیا گیا ہے جنہیں پڑھ کر ان پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ ان احکام کی پابندی تقویٰ ہے اور جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی راہیں کھول دیتا ہے اور اسے یوں رزق دیتا ہے جس کا اُسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

انسان جب ان آیات میں غور و فکر کرتا ہے اور اسے پتہ چلتا ہے کہ ان احکام پر عمل کرنے سے اُس کا رب کریم اُس پر راضی ہو جائے گا، تو پھر بڑی خوشدلی سے ان احکام کو بجا لانا ہے خواہ اسے کتنا مالی خسارہ بھی برداشت کرنا پڑے۔ یہی قرآن کریم کی وہ خصوصیت ہے جو اسے قوانین کا مجموعہ ہونے کے باوجود قوانین کی دیگر کتب سے ممتاز کرتی ہے۔

دوسرے رکوع میں بتا دیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں اُن کا انجام بڑا دردناک ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ کے رسول کی لائی ہوئی ہدایات پر عمل کرتے ہیں انہیں ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر ایسی جگہ پہنچا دیا جاتا ہے جہاں حق کا آفتاب ضوفشانی کر رہا ہوتا ہے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۷-۴-۷۷

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اِثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الطلاق مدنی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ اس کی بارہ آیات اور دو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا

اے نبی (مکرم) (اہل اسلام سے فرمایئے) جب تم ارادہ کرو عورتوں کو طلاق دینے کا تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کا لحاظ رکھتے ہوئے اور شمار کرو

١۔ اگرچہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب سے مشرف فرمایا جا رہا ہے لیکن حکم ساری امت کے لیے ہے تقدیر کلام یوں ہے یاایھا النبی قل لامتک اذا طلقتم الخ یعنی اے نبی! آپ اپنی امت کو حکم دیں کہ جب وہ طلاق دینے کا ارادہ کریں۔ ایک سردار قوم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس قوم کے افراد از خود اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ علامہ آلوسی نے ایک اور نکتہ بیان کیا ہے کہ آیت میں طلاق دینے کا ذکر ہے جو ایک ناپسندیدہ فعل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کو مخاطب فرمانے کے بعد طلاق دینے کی نسبت حضور کی طرف نہیں کی بلکہ امت کی طرف کی ہے۔ اہل نظر غور کریں کہ رب العزت اپنے محبوب کی شان رفیع کا کس طرح پاس رکھتا ہے۔ لما ان الطلاق من الکراھۃ فلم یخاطب بہ تعظیما (روح المعانی) یعنی کیونکہ طلاق میں ایک گونہ کراہت ہے اس لیے اپنے محبوب کی رفعت شان کا لحاظ رکھتے ہوئے اس سے خطاب نہیں فرمایا۔

اذا طلقتم۔ المعنی اذا اردتم تطلیقھن۔ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ جب تم طلاق دینے کا ارادہ کرو تو تم پر مندرجہ ذیل ہدایات کی پابندی ضروری ہے۔ تنزیل للشارف الی الفعل منزلۃ الشارع فیہ۔ (روح المعانی) جو کام کو عنقریب شروع کرنے والا ہے اس کو اس شخص کی مانند خیال کر لیا جس نے کام شروع کر لیا ہے۔

٢۔ اسلام کے نزدیک رشتہ ازدواج بڑا مقدس رشتہ ہے۔ صحت مند بنیادوں پر جتنا یہ مستحکم ہوگا خاندان اور معاشرہ دونوں انسانی مسرتوں سے مالا مال ہوں گے اور خوشحالی کی فضا میں نشوونما پاتے رہیں گے۔ اسلام اس بات میں بڑا حریص ہے کہ اس رشتہ کا تقدس مجروح نہ ہونے پائے۔ اس رشتہ پر صرف مرد و زن کی خوشی اور آبادی موقوف نہیں بلکہ ان کی معصوم اولاد اور فریقین کے قریبی رشتہ دار بلکہ سارے خاندان کا مفاد وابستہ ہے۔ اس لیے اسلام پوری کوشش کرتا ہے کہ یہ رشتہ ٹوٹنے نہ پائے لیکن بعض حالات میں یہ تعلق وبال جان بن جاتا ہے۔ دونوں کی بھلائی اسی میں ہوتی ہے کہ انہیں اس قید سے رہائی مل جائے۔ ان ناگزیر حالات میں اسلام نے اس کو ختم کرنے کی اجازت دی ہے اور وہ بھی بادل نخواستہ۔ ارشاد نبوت ہے ان من ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔ وہ حلال جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے وہ طلاق ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ تزوجوا ولا تطلقوا فان الطلاق یھتز منہ العرش۔ شادی کیا کرو اور طلاق نہ دیا کرو کیونکہ طلاق سے اللہ تعالیٰ کا عرش لرز جاتا ہے۔ اس لیے اسلام نے طلاق کا جو قانون وضع کیا ہے اس میں اس امر کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے کہ طلاق دینے والا جلد بازی میں طلاق نہ دے۔ کوئی وقتی رنجش یا عارضی نفرت اس کو باعث نہ ہو۔ طلاق دینے والا سوچ سمجھ کر اس کے نتائج و عواقب کو مد نظر رکھتے ہوئے طلاق دے۔ چنانچہ اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ

جب تم اپنی بیوی کو طلاق دو تو اس کی عدت کو مدنظر رکھتے ہوئے دو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ طلاق حیض کی حالت میں نہ دی جائے۔ نیز ایسے طہر میں بھی طلاق نہ دی جائے جس میں مباشرت ہو چکی ہو کیونکہ ان دونوں طریقوں سے عدت میں طوالت ہو جائے گی اور مطلقہ کو تکلیف برداشت کرنا ہو گی۔ کیونکہ اگر اس نے حالت حیض میں طلاق دی تو وہ حیض تو عدت میں شمار نہیں ہو گا۔ اس حیض کے علاوہ تین مزید حیضوں کا اسے انتظار کرنا پڑے گا۔ اسی طرح اگر ایسے طہر میں اس نے طلاق دی جس میں مباشرت ہوئی ہو تو اس سے مرد وزن دونوں کو خبر نہیں کہ اس مباشرت سے حمل قرار پایا ہے یا نہیں۔ اس سے بھی عدت میں گڑبڑ ہو گی اور عورت کو ناروا زحمت اٹھانا پڑے گی اس لیے مسنون طریقہ طلاق دینے کا یہ ہے کہ طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں عورت سے مقاربت نہ ہوئی ہو۔ حالت حیض میں طلاق دینا یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کی گئی ہو گناہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور کی خدمت عالیہ میں یہ واقعہ عرض کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ عبداللہ اس طلاق سے رجوع کرے یہاں تک اس کی بیوی پاک ہو جائے۔ طہر کے بعد پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو۔ اب اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو مباشرت سے پہلے طلاق دے۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ ثم لیطلقها طاهرا قبل ان یمسها فتلك العدة التي امر بها الله عز وجل یعنی حالت طہر میں مباشرت سے پہلے طلاق دے اور یہی وہ عدت ہے جس کی پابندی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (بخاری شریف)

اس پابندی میں کئی اور حکمتیں بھی ہیں۔ حیض کی حالت میں عورت مرد کے لیے مرغوب خاطر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی صفائی کی طرف سے بھی بے اعتنائی برتتی ہے۔ ان دنوں اس کی طبیعت میں اضمحلال اور مضمحل ہوتی ہے۔ اس لیے اگر اس حالت میں مرد طلاق دے تو ہو سکتا ہے کہ یہ عارضی بے رغبتی طلاق دینے میں محرک ہو اور جب یہ ایام گزر جائیں تو پھر اس کو اپنے کیے پر ندامت ہو۔ اور ایسا طہر جس میں وہ مقاربت کر چکا ہو اس میں بھی عورت کی طرف کشش کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ اگر طلاق دینا ہی ہو تو ایسی حالت میں طلاق دو جبکہ رغبت اور کشش ماند نہ پڑی ہو۔ ایسی حالت میں اگر تم طلاق دو گے تو سو مرتبہ پہلے سوچو گے اور تب یہ اقدام کرو گے۔ اس طرح تمہارا طلاق دینا حقیقی اسباب پر مبنی ہو گا۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فقہائے کرام نے طلاق کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) سنی یعنی سنت کے مطابق اور (۲) بدعی۔ احناف نے سنی طلاق کی پھر دو قسمیں ذکر کی ہیں۔ (۱) احسن اور (۲) حسن۔ احسن طلاق تو یہ ہے کہ ایسے طہر میں جس میں اس سے مباشرت نہیں کی ایک مرتبہ طلاق دے اور پھر انقضائے عدت تک دوسری طلاق نہ دے۔ عدت پوری ہونے کے بعد سابقہ نکاح ٹوٹ جائے گا لیکن تجدید نکاح کا دروازہ کھلا ہو گا۔ طلاق حسن اس کو کہتے ہیں کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دے۔ ایک حیض گزرنے کے بعد جب وہ پاک ہو تو اسے دوسری طلاق دے اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے۔ اس کے علاوہ طلاق کی ساری صورتیں طلاق بدعی شمار ہوں گی۔ اس طرح طلاق دینے والا گنہگار ہو گا لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک وہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگرچہ بعض اکابر سے مروی ہے کہ ایسی طلاق واقع نہ ہو گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقت کے لحاظ سے طلاق سنی اور بدعی ہوتی ہے عدد کے لحاظ سے نہیں یعنی ایسے طہر میں جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو طلاق دینا سنی ہے۔ خواہ ایک طلاق دے یا تین طلاقیں دے پھر بھی وہ سنی رہے گی لیکن اگر اس وقت

الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا

عدت کو ۳ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ۴ نہ نکالو انہیں ان کے گھروں سے ۵ اور نہ

میں طلاق دے تو امام شافعی کے نزدیک وہ طلاق بدعی ہوگی۔ حنابلہ کے نزدیک طلاق کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو۔ اس کے بعد کوئی طلاق نہ دے یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے۔ اس کے علاوہ سب طلاقیں بدعی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اس عورت کی طلاق کی تفصیل ہے جو عورت بالغہ مدخولہ ہو اور سن ایاس کو نہ پہنچی ہو اور جس کا حمل ظاہر نہ ہوا ہو۔ جس عورت سے خلوت صحیحہ نہیں ہوئی یا ابھی نابالغ ہے یا سن ایاس کو پہنچ گئی ہے اور حیض کا آنا ہمیشہ کے لیے منقطع ہو چکا ہے یا حاملہ ہے۔ ان عورتوں کی طلاق اور عدت کے احکام اپنے اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

۳ے عدت کے ساتھ بہت سے فقہی مسائل وابستہ ہیں۔ ایام عدت میں عورت کا نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ ہے۔ ایام عدت میں اگر زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو دوسرا متوفی کا وارث ہوتا ہے۔ عدت گزارنے سے پہلے عورت کسی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ عدت گزر جانے کے بعد عورت آزاد ہے جس سے چاہے نکاح کرے۔ پہلا خاوند یا اس کے رشتہ دار اس کو روک نہیں سکتے۔ اس کے علاوہ کئی دیگر مسائل کا عدت سے گہرا تعلق ہے۔ اگر اس کو معمولی سی بات سمجھ لیا گیا، اس کی ابتدا اور انتہا کا یونہی سرسری خیال کیا گیا تو طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔ عدالت بھی اس وقت تک کوئی فیصلہ صادر نہ کر سکے گی جب تک عدت کی ابتدا اور انتہا کا صحیح علم نہ ہو جائے۔ اس لیے حکم دیا کہ عدت کو پوری احتیاط کے ساتھ شمار کرو۔ یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہی نہیں عورتیں بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ دونوں کے مختلف قسم کے مفادات کا اس پر دار و مدار ہے۔

۴ے کیونکہ ان مسائل کا تعلق مرد اور عورت کی پرائیویٹ زندگی سے ہے۔ ان کا صحیح علم انہی کو حاصل ہے۔ دوسرے لوگ ان حالات پر آگاہ نہیں ہو سکتے اس لیے یہاں خاص طور پر فریقین کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

۵ے مردوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ طلاق دینے کے فوراً بعد اپنی بیوی کو اس کی رہائش گاہ سے باہر نہ نکال دیں۔ اس کو یوں بے سہارا اور بے آسرا کر کے گھر سے نکال دینا بڑی سنگدلی ہے۔ جب تک وہ عدت گزار رہی ہے اس کا نفقہ اور اس کی رہائش کا انتظام مرد کے ذمہ ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی حکم دیا کہ وہ طلاق مل جانے کے بعد اپنے اس پہلے گھر سے فوراً منتقل ہو جانے کا اہتمام نہ کرے بلکہ ایام عدت وہاں بسر کرے۔ اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری بھی مرد پر عائد کر دی گئی ہے اور اس کی رہائش کا انتظام بھی مرد کے ذمہ رہے گا۔ اس کی حکمت آیت کے آخری جملہ لا تدری لعل اللہ ... الآیۃ میں بیان کی گئی ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں اگر وہ ایک جگہ رہیں گے تو ممکن ہے کہ خاوند کے دل میں اس کے بارے میں جو نفرت پیدا ہو گئی ہے وہ محبت سے بدل جائے۔ وقتی جوش میں آ کر اس نے جو اقدام کیا ہے اس پر نظر ثانی کرے یا عورت اپنی کوتاہیوں پر نادم ہو کر اپنے خاوند کو راضی کر لے اور اس طرح ایک اجڑا ہوا گھر پھر آباد ہو جائے۔

آپ نے دیکھا اسلام آخری وقت تک بھی دلوں کو جوڑنے کی کس طرح کوشش کرتا ہے۔ بگڑے ہوئے حالات کو سنوارنے کا آخری موقع بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں چند فقہی مسائل کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

يُخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ

وہ خود نکلیں بجز اس کے کہ وہ ارتکاب کریں کسی کھلی بے حیائی کا ف اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں

اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ

ہیں ف اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدوں سے تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تجھے کیا خبر

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے ف تو جب وہ پہنچنے لگیں اپنی میعاد کو

① وہ عورت جسے خاوند نے رجعی یا بائن طلاق دی ہو وہ اپنے گھر سے نہ دن کو نکل سکتی ہے نہ رات کو۔ البتہ بیوہ عورت کو فقہائے کرام کے لیے دن میں باہر نکلنے کی اجازت ہے لیکن رات وہ اپنے گھر میں ہی گزارے گی۔

② اگر طلاق رجعی ہے تو پھر مرد اور عورت کے درمیان کسی حجاب کی ضرورت نہیں بلکہ عورت کے لیے مستحسن ہے کہ وہ بناؤ سنگھار کرے شاید کہ دلوں کی کدورت دور ہو جائے۔

③ اگر طلاق بائن ہے تو پھر عورت کو مرد سے پردہ کرنا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی ایسی ثقہ عورت ان کے پاس رہے جس کی موجودگی میں یہ کوئی غیر شرعی حرکت نہ کر سکیں۔

④ اگر خاوند فاسق ہے یا مکان بہت تنگ ہے تو پھر مرد کو کہا جائے گا کہ وہ اس گھر سے نکل جائے۔

ف ہاں عورت اگر حرام کاری کا ارتکاب کرتی ہے یا چوری بدکاری سے باز نہیں آتی یا بڑی بد زبان ہے اور اپنے خاوند کے ماں باپ، بھائی بہن سے گالی گلوچ کرتی اور ان کا جینا مشکل کر دیتی ہے یا اب بھی خاوند کے سامنے سرکشی اور نافرمانی کا مظاہرہ کرتی ہے تو ان تمام صورتوں میں خاوند اسے اپنے گھر سے نکال سکتا ہے۔ یہ مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد علامہ جصاص لکھتے ہیں فهذه المعاني كلها يحتملها اللفظ وجائز ان يكون جميعها مرادا۔ آیت کے الفاظ ان تمام معانی کا احتمال رکھتے ہیں اور جائز ہے کہ آیت سے یہ تمام معانی مراد ہوں۔ (احکام القرآن للجصاص)

ف یعنی یہ فرما دیا کہ یہ مسائل ایسے نہیں کہ جن پر عمل کر لیا یا نہ کیا برابر ہو بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جو سراپا حکمت ہیں تمہارے لیے۔ (الٰہی) ان حدوں کا باعث ہیں جو شخص ان کی پابندی سے گریز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ اس کی زندگی سکون اور اطمینان سے محروم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا بھی وہ حقدار بن جائے گا۔

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ

تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا جدا کر دو انہیں بھلائی کے ساتھ ۵ اور گواہ مقرر کر لو دو

عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ

معتبر آدمی اپنے میں سے اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو ۶ ان باتوں سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ

ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر۔ اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کے لیے

۵ خاوند اگر ایک طلاق دے یا دو طلاقیں دے تو اسے رجوع کرنے کا حق ہے۔ بعض لوگ جو اس حق کو ناجائز طور پر استعمال کرتے ہیں وہ بظاہر رجوع کر لیتے ہیں لیکن ان کا ارادہ اسے آباد کرنے کا نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی عدت کی میعاد کو لمبا کر کے اس کو اذیت پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس لیے یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے تم یہ فیصلہ کر لو کہ آیا تم اس کو اپنی رفیقۂ حیات بنا کر اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو یا اس کو آباد کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ پہلی صورت میں تمہیں اجازت ہے کہ تم رجوع کر لو اور حسب سابق اس کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرو اور اسے اپنی اہلیہ بنا کر رکھو اور اگر تمہارا یہ ارادہ نہیں تو صرف اس کو ستانے کے لیے رجوع مت کرو بلکہ اس کو جانے دو۔ جدائی کا انداز بھی غیر شریفانہ نہ ہو کہ فریقین ایک دوسرے کو برا بھلا کہیں، ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کے تیر چلائیں، یہ اہل اسلام کو زیب نہیں دیتا۔ جب تم اسے جدا کرو تو اس کی دلجوئی کرو، اس کی مالی امداد کرو، ضروریات زندگی اس کو مہیا کرو۔ اس طرح اس کے غم و اندوہ کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے گا۔ موافقت کی صورت میں احسان و مروت ہر کوئی کرتا ہے لیکن عدم موافقت اور قطع تعلقات کے وقت بھی دلجوئی اور مروت کی تلقین اس دین رحمت کی خصوصیت ہے اور اس کے ماننے والوں کا شیوہ ہے۔

۶ اپنی بیوی کو طلاق دو یا رجوع کرو، دونوں صورتوں میں تمہیں دو معتبر گواہ مقرر کر لینے چاہئیں تاکہ اگر کسی وقت فریقین میں تنازع پیدا ہو جائے اور معاملہ عدالت تک پہنچے تو شہادت کی روشنی میں قاضی صحیح فیصلہ کر سکے۔ یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔ ائمہ اربعہ کا یہ متفقہ قول ہے کہ طلاق و رجعت پر گواہ مقرر کرنا فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اگر بغیر گواہوں کے کسی نے طلاق دے دی تو وہ طلاق معتبر ہوگی یا اگر اس نے بغیر گواہوں کے رجوع کر لیا تو وہ رجوع بھی شرعاً معتبر ہوگا۔ البتہ گواہ بنانا افضل ہے اور تمہارے لیے بہتر ہے۔ اختلاف و نزاع کے سد باب کا یہ بڑا مؤثر طریقہ ہے۔ یہاں گواہ بنانے کا حکم ویسا ہی ہے جیسے اس آیت میں ہے واشھدوا اذا تبایعتم الآیۃ کہ جب تم خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر تم نے گواہوں کی عدم موجودگی میں خرید و فروخت کی تو وہ جائز نہ ہوگی بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم خرید و فروخت کے وقت گواہ بنا لیا کرو تاکہ اگر کبھی کوئی تنازع پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ

نجات کا راستہ ۝ اور دے گا اسے وہاں سے رزق جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ

۲ طلاق، عدت، نفقہ، سکنیٰ وغیرہ جو احکام یہاں بیان کیے گئے ہیں ان کی پابندی میں جو خوف خدا کو اپنا شعار بنائے گا اور خلوص نیت سے ان کی پیروی کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے نجات کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیدا کر دے گا۔ یہ کرم صرف ان احکام کی بجا آوری کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے۔ جو شخص تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیتا ہے، کسی قسم کے دباؤ میں آ کر ارشادات خداوندی سے سرمو انحراف نہیں کرتا، ایسی استقامت اور جوانمردی سے اوامر و نواہی کی پابندی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نجات کے اسباب یقیناً پیدا کر دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق مہیا کرتا ہے جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

ہماری حالت بھی عجیب ہے۔ عام حالات میں تو احکام شرعی کی ہم کچھ نہ کچھ پاسداری کرتے ہیں لیکن جب ہم کسی مشکل میں پھنس جاتے ہیں تو اس سے نکلنے کے لیے جائز و ناجائز حرکات کے ارتکاب میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ غربت و افلاس کی گرفت سخت ہو جائے تو رشوت، چوری، لوٹ کھسوٹ اور حرام خوری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ کسی مقدمہ میں پھنس جائیں تو اس میں کامیاب ہونے کے لیے جھوٹی گواہی سے کام چلا لیتے ہیں۔ دشمن کا داؤ بڑھ جائے تو جھوٹ اور مکر و فریب سے گلو خلاصی کی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں۔ درحقیقت یہ سب نفس کا فریب اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ ایسا کرنے سے مشکلیں گھٹتی نہیں بڑھتی ہیں۔ مطلع حیات مزید ابر آلود ہو جاتا ہے، ناکامیاں اور رسوائیاں انسان کا مقدر بن جایا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس قرآن کریم نے مشکلات سے نجات پانے اور مصائب کے نرغہ سے رہائی حاصل کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ وہ یہ کہ اپنے دل میں خوف خدا پیدا کرو۔ جن کاموں سے اس نے روکا ہے چھوٹے سے چھوٹے بھی ان کے قریب مت پھٹکو۔ جن احکام کی بجا آوری کا اس نے حکم دیا ہے ان کی پوری طرح پابندی کرو۔ اس کی یاد اور اس کے ذکر میں صدق دل سے مشغول رہو اور تم دیکھو گے کہ اس کا دست کرم کس طرح آگے بڑھ کر تمہاری چارہ سازی کرتا ہے۔ اس کی چشم رحمت کس طرح تمہاری بگڑی بناتی ہے۔ وہ اپنے خزانوں کے منہ تمہارے لیے کس طرح کھول دیتا ہے۔ اس آیت طیبہ میں بندۂ مومن کو اس کی یقینی نجات، ابدی کامرانی اور سچی خوشی کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ کاش ہم کان کھول کر سنیں، سینوں اور دلوں میں اس کو جگہ دیں اور صدق دل سے اس پر عمل کریں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے قال جعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتلو علی ھذہ الآیۃ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ حتی فرغ من الآیۃ ثم قال یا اباذر لو ان الناس کلھم اخذوا بھا لکفتھم۔ (ابن کثیر)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے یہ آیت سناتے رہے اور جب فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا اے ابوذر! اگر سارے لوگ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں تو یہ آیت ان سب کے لیے کافی ہو جائے۔

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ عوف بن مالک اشجعی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لڑکے کو دشمنوں نے قید کر لیا ہے اور اس کی ماں اس کی جدائی میں سخت بے چین ہے۔ مجھے حضور کیا فرماتے ہیں۔

عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ

کرتا ہے تو اس کے لیے وہ کافی ہے [11] بےشک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے [12] مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اتق اللہ واصبر وآمرک وایاھا ان تستکثرا من قول لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لو نیز تجھے اور تیری بیوی کو حکم دیتا ہوں کہ تم کثرت سے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا ورد کیا کرو۔ ارشاد نبوی سن کر وہ اپنے گھر لوٹ آئے اور اپنی بیوی کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ وہ نیک بخت کہنے لگی۔ نعم ما امرنا بہ۔ حضور نے جس چیز کا ہمیں حکم دیا ہے وہ بہت ہی اچھا ہے۔ چنانچہ ان دونوں میاں بیوی نے بکثرت یہ ورد شروع کر دیا چنانچہ اسی کی برکت سے دشمن ان کے بیٹے کی طرف سے غافل ہو گئے اور وہ ان کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر وہاں سے بھاگ نکلا اور ان کی بھیڑ بکریاں ہانکتا ہوا بخیر و عافیت اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ گیا۔

علامہ پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری میں اس آیت کے ضمن میں حل مشکلات کے لیے ایک وظیفہ لکھا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی اور دنیوی منافع کے حصول دینی اور دنیوی مشکلات کے حل کے لیے یہ وظیفہ بتایا کہ ہر روز پانچ سو مرتبہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھے۔ اوّل و آخر ایک ایک سو مرتبہ درود پاک پڑھے۔

[11] یعنی جو شخص اپنا کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے وہ اس کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ توکل کا معنی عمل سے لاتعلق ہو جانا ہے اور اسباب سے قطع نظر کرنا ہے۔ توکل کا یہ مقصد نہیں۔ بلکہ اس کا یہ مقصد ہے کہ اسباب بجا لائے لیکن نتائج کے ظہور کے لیے اسباب پر اعتماد نہ کرے۔ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرے۔ بے عملی اور جد و جہد سے بیزاری کا اسلام کے نظریۂ توکل سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

① گر توکل میکنی در کار کن   کشت کن پس تکیہ بر جبار کن

② رمز الکاسب حبیب اللہ شنو   از توکل در سبب کاہل مشو

ترجمہ: ① یعنی اگر تو توکل کا دعویٰ کرتا ہے تو کام میں مشغول ہو جا۔ پہلے تخم ریزی کر پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر۔

② اس حدیث میں جو رمز ہے اس کو سن! کہ کسب کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔ توکل کی وجہ سے اسباب کے فراہم کرنے میں سستی مت کر۔

بلکہ سلف صالحین تو تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اتجروا واکتسبوا فانکم فی زمان اذا احتاج احدکم کان اول ما یاکل دینہ۔ ترجمہ۔ کاروبار کرو اور رزق حلال کماؤ کیونکہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جب کوئی شخص محتاج ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنے متاع دین و ایمان کو بیچنا شروع کر دیتا ہے۔

[12] اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا ہے وہ اسے کر کے رہتا ہے۔ کوئی چیز اس کے ارادے کے سامنے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

شَیْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾ وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ

لیے ایک اندازہ۔ اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ؎۱۳ اگر

؎۱۳ وہ مطلقہ جس کو حیض آتا ہو، اور وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو، ان کی عدت کے احکام سورۂ بقرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہاں ان عورتوں کی عدت بیان کی جا رہی ہے جنہیں حیض نہ آتا ہو۔ ان کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ عورتیں جو سن ایاس کو پہنچ چکی ہوں، جن کو حیض آنے کی قطعاً امید نہ ہو۔ بعض علماء نے پچپن سال اور بعض نے ساٹھ سال کی عمر کو سن ایاس کہا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جس عمر میں حیض کا آنا یقیناً بند ہو جائے۔ (۲) وہ عورتیں جو ابھی نابالغ ہوں یا جن کو حیض تو نہیں آیا لیکن وہ عمر کے اعتبار سے بالغ ہو گئی ہوں۔ (۳) جو حاملہ ہوں۔

پہلی دو قسموں کی عدت تین ماہ ہے۔ کہ یہ طلاق کے بعد تین ماہ گزارے۔ اسی طرح نابالغہ۔

حاملہ کی عدت کا ذکر بعد میں آ رہا ہے۔

وہ عورتیں جن کا حیض کسی عارضہ کی وجہ سے بند ہو گیا ہو ان کی عدت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرات عثمان، علی، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے یہ ہے کہ یہ عورت انتظار کرے یہاں تک کہ سن ایاس کو پہنچ جائے اور اس کے بعد تین ماہ عدت گزارے۔ اگر اس عورت کو پھر حیض شروع ہو جائے تو پھر تین حیض عدت گزارے۔ احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ امام ثوری، لیث اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ عورت نو ماہ انتظار کرے۔ اگر اس اثنا میں اسے حیض نہ آئے تو تین ماہ عدت گزارے اور اگر نو ماہ میں حمل کے آثار ظاہر ہوں تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہو گی۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک کا بھی مسلک ہے۔

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی جوان بیوی کو طلاق دی اور اسے حیض آنا بند ہو گیا تو پورا سال عدت گزارے۔

امام حسن بصری کہتے ہیں کہ وہ سال بھر انتظار کرے۔ اگر اس عرصہ میں حیض نہ آئے تو پھر تین ماہ عدت گزارے۔ یہاں تین ماہ سے مراد قمری مہینے ہیں۔ اگر پہلی تاریخ کو طلاق ہوئی تو تینوں چاند شمار ہوں گے۔ انتیس کے ہوں یا تیس کے۔ اور اگر درمیان میں طلاق ہوئی تو پھر اس تاریخ سے نوے دن گنے جائیں گے۔ صاحبین کے نزدیک ایک مہینہ تیس کا شمار ہو گا۔ اس کے بعد دو مہینے چاند کے حساب سے شمار ہوں گے۔

یہ حکم مطلقہ کے لیے ہے۔ لیکن جس کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ حاملہ نہ ہو تو ہر حال میں چار ماہ دس دن عدت گزارے گی خواہ وہ صغیرہ ہو، آئسہ ہو یا جوان ہو۔

یہ آیت اگرچہ عام ہے مطلقہ اور بیوہ دونوں کو شامل ہے لیکن اجماع سے اس عموم کی تخصیص ہو گئی۔ (تفصیلات احمد لاہوری۔ احکام القرآن للجصاص)

ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ وَاُولَاتُ

تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور اسی طرح ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں۔ اور

الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ

حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے جنم دینے تک ہے ١٣ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو وہ

١٣ اب حاملہ عورت کی عدت بیان کی جا رہی ہے۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کی عدت کیا ہو گی۔ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی ایک آیت میں مطلق بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے اور یہاں مطلق حاملہ کی عدت وضع حمل بتائی گئی ہے۔ اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق چار ماہ دس دن ہو گی اور اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق وضع حمل ہو گی۔ لیکن اگر بیوہ ہو اور حاملہ بھی ہو تو اس کی عدت میں اختلاف ہے۔ حضرت سیدنا علی و حضرت ابن عباس کے نزدیک دونوں آیتوں پر عمل کرتے ہوئے ابعد الاجلین عدت ہو گی یعنی اگر خاوند کی وفات کے فوراً بعد بچہ پیدا ہو گیا تو چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اگر مدت حمل چار ماہ دس دن سے تجاوز کر گئی تو بچہ وضع حمل کے وقت اس کی عدت ختم ہو گی۔

لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے اس لیے یہ آیت پہلی آیت کی مخصص ہو گی۔ گویا چار ماہ دس دن اس عورت کی عدت ہو گی جو حاملہ نہ ہو اور جو حاملہ ہو خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ اس کی عدت وضع حمل تک ہو گی اس قول کی تائید متعدد صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔ امام مالک نے اپنے موطا میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دفعہ اسی مسئلہ پر حضرت ابن عباس اور عبد الرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے ابو سلمہ کے درمیان گفتگو ہوئی۔ ابن عباس ابعد الاجلین کے قائل تھے اور ابو سلمہ وضع حمل کو عدت کی انتہا کہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ میں اس مسئلہ میں اپنے بھتیجے ابو سلمہ کی تائید کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس کے غلام کریب کو حضرت ام المومنین ام سلمہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ ام المومنین نے بتایا کہ سبیعہ اسلمیہ کا خاوند فوت ہوا۔ وہ حاملہ تھیں۔ چند روز کے بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ سبیعہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی عدت کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا اب تو حلال ہو گئی جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہی حدیث سبیعہ اسلمیہ کی زبانی روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں سعد بن خولہ کی بیوی تھی حجۃ الوداع کے موقع پر انہوں نے وفات پائی۔ میں اس وقت حاملہ تھی۔ ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا مجھے ایک آدمی نے بتایا کہ تمہیں چار ماہ دس دن عدت پوری کرنی ہو گی تب تم نکاح کر سکتی ہو۔ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنا ماجرا بیان کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم آزاد ہو۔ اگر کسی سے نکاح کرنا چاہو تو کر سکتی ہو۔

صحابہ کرام کی کثیر تعداد کا یہی مسلک ہے۔ ائمہ اربعہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے

لَهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴿٤﴾ ذَٰلِكَ أَمْرُ ٱللَّهِ أَنزَلَهُۥٓ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَن يَتَّقِ

اس کے کام میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے

ٱللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّـَٔاتِهِۦ وَيُعْظِمْ لَهُۥٓ أَجْرًا ﴿٥﴾ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ

اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (روز قیامت) اس کے اجر کو بڑا کر دے گا۔ انہیں ٹھہراؤ جہاں تم

حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا۟

خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تاکہ تم انہیں

عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُو۟لَٰتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا۟ عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ

تنگ کرو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک

مسئلہ: اگر پیٹ میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو عدت آخری بچے کی پیدائش کے وقت ختم ہوگی۔

مسئلہ: اگر حمل ساقط ہو جائے اور یہ یقین ہو کہ جو چیز نکلی ہے وہ حمل ہی ہے تو اس وقت بھی عدت ختم ہو جائے گی۔

یہاں پھر تنبیہ فرما دی کہ ان ارشادات خداوندی کی تعمیل میں غفلت نہ برتنا اور اس سے ڈرتے رہنا اگر تم نے تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیا تو وہ تمہاری مشکلات کو آسان فرما دے گا اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو مٹا دے گا اور اس کو قیامت کے دن اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

جو عورتیں عدت گزار رہی ہوتی ہیں ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ خاوند نے اسے طلاق رجعی دی ہے اور وہ حاملہ نہیں۔ خاوند نے اسے طلاق رجعی دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے۔ خاوند نے اسے طلاق مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ نہیں۔ خاوند نے اسے طلاق مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے۔ اس میں سب ائمہ متفق ہیں کہ اگر عورت طلاق رجعی کی عدت گزار رہی ہے تو نفقہ اور سکنی دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح جو عورت طلاق مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے اور حاملہ بھی ہے تو اس کا نفقہ اور سکنی بھی مرد کے ذمہ ہوگا۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ عورت غیر حاملہ ہے اور طلاق مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے کیا اس صورت میں نفقہ اور سکنی دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے یا صرف سکنی خاوند کے ذمہ ہوگا یا خاوند نفقہ اور سکنی دونوں سے بری الذمہ ہوگا۔ حضرات عمر، ابن مسعود، امام ابو حنیفہ، قاضی شریح اور ابراہیم نخعی کا قول یہ ہے کہ اس عورت کے نفقہ اور سکنی دونوں کی ذمہ داری مرد پر ہوگی اور احناف کا یہی مسلک ہے۔

حضرات سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، امام مالک، امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اس کا سکنی تو مرد کے ذمہ ہے لیکن نفقہ اس

سکنے قائم نہیں۔

تیسرا گروہ جس کے سرخیل امام حسن بصری اور حماد ہیں ان کے نزدیک ایسی عورت کا نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ نہیں۔

احادیث صحیحہ سے پہلے مسلک کی ہی تائید ہوتی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا المطلقۃ ثلاثا لھا السکنی والنفقۃ (دار قطنی) جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں عدت کے دوران اس کا نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ صحیح اور قوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ ارشاد ہے جو حضرت فاروق اعظم سے مروی ہے۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول لہا السکنی والنفقۃ۔ حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایسی عورت کو سکنیٰ اور نفقہ مہیا کیا جائے گا۔

ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ جن عورتوں کو عدت میں نفقہ دیا جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے۔ کیا اس لیے کہ وہ حاملہ ہیں؟ ایسا تو نہیں کیونکہ مطلقہ رجعیہ غیر حاملہ کو سب کے نزدیک نفقہ دیا جاتا ہے۔ کیا اس لیے کہ بعض مصلحتوں کے پیش نظر وہ عورتیں اپنے سابقہ خاوندوں کے گھروں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ اس لیے ان کا نفقہ خاوند پر لازم ہے۔ تو یہ علت مطلقہ مغلظہ میں بھی پائی جاتی ہے اس لیے جب نفقہ کی علت موجود ہے تو نفقہ خاوند کو ادا کرنا پڑے گا۔

جن حضرات نے نفقہ اور سکنیٰ دونوں کا انکار کیا ہے یا صرف نفقہ کا انکار کیا ہے وہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتی تھیں کہ مجھے خاوند نے طلاق مغلظہ دی تھی اور حضور نے مجھے نہ نفقہ دیا تھا اور نہ سکنیٰ۔ لیکن یہ حدیث ایسی ہے جس پر صحابہ کرام نے عمل کرنے سے انکار کردیا تھا۔ حضرت فاروق اعظم کے سامنے جب یہ روایت پیش کی گئی تو آپ نے اس لفظ اس کو رد کردیا۔ لا نترک آیۃ فی کتاب اللہ وقول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لقول امراۃ لعلھا اوھمت سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول لہا السکنی والنفقۃ۔

یعنی ہم آیت قرآن اور فرمان نبوی کو ایک عورت کے قول سے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ شاید وہ کسی وہم میں مبتلا ہوئی ہو۔ میں نے رسول کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مطلقہ مغلظہ کے لیے سکنیٰ اور نفقہ دونوں ہیں۔

حضرت عائشہ، اسامہ و فاطمہ بنت قیس کے دوسرے شوہر جب وہ یہ حدیث بیان کرتیں تو سخت برہمی کا اظہار کرتے۔

البتہ ایک بات ابھی تک تشنہ پڑی رہی ہے کہ اگر مبتوتہ غیر حاملہ کے لیے بھی نفقہ ہوتا تو پھر وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن میں حمل کو نفقہ کے لیے بطور شرط کیوں ذکر کیا گیا۔

علامہ جصاص لکھتے ہیں کہ کیونکہ حمل کی مدت طویل بھی ہو سکتی ہے۔ خاوند اتنی مدت کے لیے اس عورت کو خرچہ دینے پر خوشی رضامند نہیں ہوتا جس سے اس کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے اس کو حالت حمل میں طلاق دے دی ہے۔ اس لیے اس آیت میں مزید تاکید فرما دی کہ مدت مختصر ہو یا طویل ہر حالت میں ایام عدت کا نفقہ تمہارے ذمہ ہی ہے۔

اس عورت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جس کا خاوند فوت ہوگیا ہے اور وہ حاملہ ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص نے فقہاء کے متعدد اقوال لکھے ہیں جنہیں بالاختصار یہاں نقل کر رہا ہوں۔

يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَأْتَمِرُوا

کر وہ جنم دے دیں بچہ - پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر (بچہ کو) تو انہیں ان کی اجرت دو اور (اجرت کے بارے میں) باہم مشورہ کر لیا کرو

۱۔ حضرات ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر، شریح، ابوالعالیہ، شعبی اور ابراہیم رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ شوہر نے جو ترکہ چھوڑا ہے اس سے اس کو نفقہ ادا کیا جائے گا۔

۲۔ حضرات جابر، ابن زبیر، حسن، ابن المسیب اور عطاء رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اس کا نفقہ اس کے اپنے ذمہ ہے۔ خاوند کے مال سے اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔ حضرت ابن عباس سے یہ قول بھی منقول ہے۔

۳۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ شوہر کے مال سے جس طرح اس کا قرض ادا کیا جاتا ہے عورت کا نفقہ بھی ادا کیا جائے گا۔

۴۔ امام مالک کے نزدیک اس کے لیے نفقہ نہیں البتہ سکنیٰ ہے۔

۵۔ امام شافعی سے دو قول مروی ہیں (۱) اسے نفقہ اور سکنیٰ دونوں دیے جائیں گے (۲) نہ اسے نفقہ ملے گا اور نہ سکنیٰ۔

۶۔ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ خاوند کے مال سے نہ نفقہ کا حق رکھتی ہے اور نہ سکنیٰ کا۔ کیونکہ خاوند کی وفات کے بعد اس کا ملک ختم ہو گیا، یہ سارا مال اب وارثوں کا ہے۔ عورت بھی اس کی وارث ہے اس لیے اپنے حصہ وراثت سے یہ اپنے اخراجات پورے کرے گی۔

ثلہ جب عدت گزارنے والی حاملہ بچہ جنے گی تو عدت ختم ہو جائے گی۔ اب وہ اپنے پہلے خاوند سے بالکل اجنبی ہو گئی۔ بچہ کو دودھ پلانا اور اس کو پالنا ماں کی نہیں، باپ کی ذمہ داری ہے۔ اب تو نکاح کا رشتہ بھی ٹوٹ گیا ہے۔ اس لیے باپ بچے کی ماں کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اس کو ضرور دودھ پلائے۔ ماں کا دل چاہے تو یہ خدمت انجام دے اور دل نہ چاہے تو انکار کر دے۔ البتہ اگر بچہ ماں کے علاوہ کسی اور کا دودھ پیتا ہی نہیں یا کوئی دوسری دودھ پلانے والی ملتی ہی نہیں تو پھر ماں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ضرور دودھ پلائے کیونکہ بچے کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے۔ اگر وہ دودھ پلانے پر رضامند ہو جائے تو خاوند پر لازم ہے کہ وہ اسے مناسب معاوضہ ادا کرے اور یہ معاوضہ باہمی مشورہ سے طے کیا جا سکتا ہے۔ خاوند کو چاہیے کہ وہ بخل سے کام نہ لے اور اپنی حیثیت کے مطابق فراخ دلی سے معاوضہ ادا کرے۔ اسی طرح ماں کے لیے بھی مستحسن ہے کہ وہ بلاوجہ خاوند کو زیادہ اجرت دینے پر مجبور نہ کرے۔

یہ مسئلہ زیر غور رہے کہ بے شک عورت پر بچے کی رضاعت کی ذمہ داری نہیں لیکن اگر وہ دودھ پلانے پر رضامند ہو جائے درآں حالیکہ وہ خاوند کے نکاح میں ہے یا ایام عدت گزار رہی ہے تو وہ رضاعت کا معاوضہ طلب نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر عدت گزر چکی ہے تو وہ معاوضہ کی مستحق ہو گی۔

بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ﴿٦﴾

آپس میں مشورہ کر لیا کرو دستور کے مطابق۔ اور اگر تم آپس میں طے نہ کر سکو تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے ؎۱۸

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ

خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق۔ اور وہ تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق

فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ

تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے ؎۱۹ اور تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے۔

ع ١٧ ١

سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴿٧﴾ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ

عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا ؎۲۰ کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے سرتابی کی

؎۱۸ علامہ ابن منظور تعاسر کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب خرید و فروخت کرتے ہیں بائع اور مشتری کسی بات پر متفق نہ ہو سکیں تو اہل عرب کہتے ہیں تعاسر البیعان۔ لم یتفقا اسی طرح میاں بیوی بھی اگر کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچیں اور کشاکش باقی رہے تو کہا جاتا ہے تعاسر الزوجان۔ (لسان العرب) اس تشریح کے پیش نظر ان تعاسرتم کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اجرت کے بارے میں اتفاق رائے نہیں ہو سکا خاوند کم دینے پر مصر ہے یا ماں زیادہ کا مطالبہ کر رہی ہے تو پھر کسی دوسری عورت کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کر دیا جائے۔ صاحب قاموس اس لفظ کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ تعسر علی الامر و تعاسر واستعسر اشتد والتوی۔ یعنی جب کوئی کام سخت پیچیدہ ہو جائے اور الجھ جائے تو عرب کہتے ہیں۔ تعاسر علی الامر۔

مسئلہ: اگر ماں اتنی اجرت کا ہی مطالبہ کرتی ہے جو خاوند ایک اجنبیہ کو دے رہا ہے تو ماں کا حق زیادہ ہے۔

؎۱۹ باپ کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ اگر وہ خوشحال ہے تو فراخ دلی سے اپنے بچے کی رضاعت کا معاوضہ ادا کرے۔ بخل اور کنجوسی سے کام نہ لے۔ لیکن اگر وہ مفلس ہے تو پھر حسب توفیق جو وہ دے گا وہی کافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

؎۲۰ یعنی اگر کسی وقت غربت اور تنگدستی کا سامنا کرنا پڑے تو گھبراؤ نہیں بلکہ محنت کرو۔ صبر کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کوئی بعید نہیں کہ وہ تمہیں بہت جلد خوشحال اور متمول کر دے۔

عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا

اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے کہ نافرمانی کی تو ہم نے بڑی سختی سے ان کا محاسبہ کیا ۲۱ اور ہم نے

عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا

انہیں بھاری سزا دی۔ پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام تھا

خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي

خسارہ ہی خسارہ ۲۲ تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک سخت عذاب ۲۳ پس اللہ سے ڈرتے رہا کرو اے

الْاَلْبَابِ ۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا

دانشمندو ۲۴ جو ایمان لائے ہو بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر ایک ایسا رسول

۲۱۔ بہت سے ایسے احکام ذکر ہوئے ہیں جن کا تعلق مسلمانوں کی ازدواجی زندگیوں سے ہے۔ مناسب طور پر ان احکام کی بجا آوری کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ اب بڑے کھلے الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اپنی پسند اور ناپسند کو احکام الٰہیہ پر مقدم رکھا، اپنی نفسانی خواہشات کو ترجیح دی اور ارشادات الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا تو اس کا انجام بڑا حسرت ناک ہوگا۔ قرآن تمہارے سامنے ہے۔ ان برباد شدہ شہروں اور بستیوں کی درد بھری داستانیں سنو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور اس کے رسولوں کی اطاعت سے منہ موڑا جنہوں نے تمرد و سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے ان سے بڑی شدید باز پرس کی اور ان پر ایسا عذاب نازل کیا جس نے ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

۲۲۔ اس دنیا ہی میں ان کو ان کے کرتوتوں اور بداعمالیوں کا مزہ چکھا دیا گیا۔ انہوں نے جیتے جی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سرکشی کی جو روش انہوں نے اختیار کی اس کا انجام کتنا خوفناک تھا۔ وہ تو اپنی عیاریوں اور فریب بازیوں سے بڑی منفعتوں کی آس لگائے بیٹھے تھے لیکن یہ سب ان کی حماقت اور نادانی تھی۔ انجام کار انہیں گھاٹا ہی گھاٹا ہوا۔ انہیں ایسا خسارہ ہوا جس کی تلافی کی کوئی صورت ہی نہیں۔

۲۳۔ اس رسوائی اور ذلت سے تو انہیں دنیا میں دوچار ہونا پڑا اور روز محشر جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کے لیے ایسا دردناک عذاب تیار پائیں گے جس کا ابھی وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

۲۴۔ اس سرزنش کے بعد اہل خرد کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ الذین امنوا فرما کر اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ دانا لوگ وہ نہیں جو علوم و فنون میں ماہر ہوں، بڑے چالباز اور سیاستدان ہوں، بلکہ حقیقی دانشمند تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان کا چراغ ضوفشاں ہے۔

يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں اللہ کی روشن آیتیں ٢٦ تاکہ نکال لے جائے انہیں جو ایمان لے آئے اور

الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ

نیک عمل کرتے رہے اندھیروں سے نور کی طرف ٢٦ اور جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور نیک عمل

صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

کرتا ہے ٢٧ تو وہ اس کو داخل فرمائے گا باغات میں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں جن میں وہ لوگ تا ابد

٢٥ ذکراً اور رسولاً کا باہمی تعلق کیا ہے؟ بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسولاً سے پہلے ذکراً فعل مقدر ہے اور ذکر سے مراد قرآن ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا اور اپنا رسول بھیجا اور علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ ذکر سے مراد بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور رسولاً اس کا بدل ہے۔ ذکراً هو النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عبر به عنه لمواظبته عليه الصلوٰة والسلام على تلاوة القرآن الذي هو ذكر او قوله تعالى رسولاً بدل منه۔

٢٦ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ رسول جو سراپا ذکر ہے تمہاری طرف اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ اہل ایمان کو اور نیک عمل کرنے والوں کو طرح طرح کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور تاباں تک پہنچائیں۔

اس سیاق میں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو عائلی قانون اور ازدواجی زندگی کے بارے میں ضوابط حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو عطا فرمائے ہیں ان کی برکت سے یہ امت گمراہی کے ان اندھیروں سے نکل کر ہدایت کی روشنی تک پہنچ گئی ہے جن اندھیروں میں ابھی تک اقوام عالم بھٹکتی پھر رہی ہیں۔ آپ کو فرصت ملے تو آپ اسلام کے عائلی قوانین کا دنیا بھر کی اقوام کے جدید وقدیم عائلی قوانین سے موازنہ کریں تو آپ کو اس قول کی صداقت کا یقین آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم تہ دل سے ان قوانین کو اپنائیں جو ہماری بہتری اور بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف نازل کیے ہیں۔

٢٧ یہ بتانے کے بعد کہ میرا رسول اہل ایمان کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لا رہا ہے اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوگا۔ انہیں ان باغات میں بسایا جائے گا جہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ وہاں ان کا قیام عارضی نہیں ابدی ہوگا۔ وہاں سے ان کو نکالا نہیں جائے گا۔

أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ﴿١١﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَ

رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے اس (مومن) کو بہترین رزق عطا فرمایا۔ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور

مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

زمین کو بھی انہی کی مانند ۔ [28] نازل ہوتا رہتا ہے حکم ان کے درمیان [29] تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾ ع ١٨

کامل قدرت رکھتا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔

[28] اس سورت کا اختتام اس آیت سے ہو رہا ہے۔ اس میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اسی طرح زمین کی بھی تخلیق کی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی شان کبریائی کی جلوہ گاہ ہے اور اس کی عظمت اور بڑائی پر گواہی دے رہا ہے۔

ومن الارض مثلهن میں مماثلت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں:

① آسمان بھی سات پیدا فرمائے اور زمینیں بھی سات پیدا فرمائیں۔

② یعنی جس طرح آسمان کی اس نے تخلیق کی ہے اسی طرح زمین کی بھی اسی نے تخلیق کی ہے۔ اگر زمینوں کی تعداد بھی سات مانی جائے تو امام رازی نے کہا ہے کہ سات زمینوں سے مراد وہ سات اقالیم ہیں جنہیں بڑے بڑے سمندر ایک دوسرے سے جدا کیے ہوئے ہیں، یا سات زمینوں سے مراد سات کرۂ ارض ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اس مقام پر بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس سے ایک قول نقل کیا ہے۔ آپ نے کہا:

فی کل ارض آدم کآدم و نوح کنوح ونبی کنبیکم۔ اس کے متعلق علامہ ابی الحیان اندلسی بحر محیط میں لکھتے ہیں: وعن ابن عباس من روایۃ الواقدی الکذاب وھذا حدیث لا شک فی وضعہ کہ یہ قول واقدی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور واقدی کذاب ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

[29] آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے لاتعلق نہیں ہو گیا بلکہ ہر لحظہ اس کے احکام و اوامر کا ان میں نزول ہو رہا ہے اور ہر جگہ انہیں کی تعمیل ہو رہی ہے۔ موت و حیات، تنگی و فراخی، عزت و ذلت، بناؤ اور بگاڑ غرضیکہ جو تغیرات و انقلابات آپ تبدیلیوں اور تبدیلیوں میں مشاہدہ کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حسن تدبیر کی جلوہ نمائی ہے۔ ای یجری امر اللہ تعالیٰ وقضاؤہ و قدرہ عز و جل بینھن۔ (روح المعانی) اگر تم ان میں غور و فکر کرو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے۔ اور تمہیں یقین ہو جائے گا کہ اس کا علم کائنات ارضی و سماوی کے ذرہ ذرہ کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بے شک وہی ذات

اقدس معبود برحق اور مسجود برحق ہونے کے لائق ہے۔ جس کی قدرت بھی بے پایاں ہے اور جس کا علم بھی بے کراں ہے۔ یہ بت جن کی مشرکین پوجا کرتے ہیں اور انہیں اپنا کارساز حقیقی خیال کرتے ہیں، عاجز ہیں؟ ان میں کچھ طاقت نہیں، جاہل ہیں، انہیں کسی چیز کی خبر نہیں۔ بھلا ان کو اپنا خدا اور معبود تسلیم کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

◎

تبارك الله رب العلمين الذي لا اله الا هو لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم والصلوة والسلام على حبيبنا المكرم وشفيعنا المعظم سيدنا محمد سيد المرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين وعلى اله وصحبه اجمعين۔
ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃ التحریم

نام : اس سورت کا نام التحریم ہے۔ جو پہلی آیت کے کلمہ لِمَ تُحَرِّمُ سے ماخوذ ہے۔ اس کی بارہ آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد ۲۴۷ اور حروف کی تعداد ۱۰۶۰ (ایک ہزار ساٹھ) ہے۔

نزول : یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ سال نزول ۷ھ یا ۸ھ ہے کیونکہ حضرت حاطب سات ہجری میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دعوت نامہ لے کر مقوقس والی اسکندریہ کے پاس گئے۔ اس نے ماریہ قبطیہ اور ایک مصری خاتون سیرین نامی کو بطور ہدیہ حضور کی خدمت میں بھیجا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ماریہ کو شرف زوجیت بخشا۔ انکے بطن سے ۸ھ کے آخری ماہ میں حضرت ابراہیم تولد ہوئے کیونکہ اس سورت کا اس واقعہ سے بھی تعلق ہے اس لیے اس کا زمانہ نزول ۷ھ یا ۸ھ ہی بنتا ہے۔

مضامین : (۱) حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ایک حلال چیز سے اجتناب کرنے کی قسم کھالی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اگر وہ پابندی برقرار رہتی تو حضور کو تکلیف ہوتی۔ نیز امت کے لوگ ایسا کرنے کو سنت نبوی سمجھ لیتے اور اپنے اوپر روا پابندیاں عائد کرنے کو اعمال صالحہ میں شمار کرنے لگتے۔ اسی طرح اسلامی معاشرہ رفتہ رفتہ خود پیدا کردہ مشکلات اور محرومیوں کے دلدل میں پھنس کر رہ جاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قسم کا کفارہ ادا کردیں اور اس پابندی سے رستگاری حاصل کریں۔ آپ کی اور آپ کی امت کی تکلیف اور مشقت رحمت الٰہی کو گوارا نہیں۔

یہاں تحریم سے مراد شرعی تحریم نہیں کہ کسی حلال چیز کو انسان حرام اعتقاد کرنے لگے بلکہ کسی چیز کے استعمال سے اجتناب احتراز مراد ہے۔ تفصیل آیت کے ضمن میں ملاحظہ فرمایئے۔

(۲) ازواج مطہرات کے دلوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جو بے پناہ محبت تھی وہ بعض اوقات رقابت کے جذبہ کو بھڑکا دیتی اور ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی جو حضور کے لیے باعث پریشانی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ازواج مطہرات کی تادیب فرمائی کہ وہ آئندہ ایسی کوئی حرکت نہ کریں جو حضور کے خاطر عاطر پر بار ہو۔ خواہ اس کا محرک تمہارا والہانہ جذبہ محبت ہی کیوں نہ ہو۔ تمہاری محبت کو خود سر نہیں ہونا چاہیے بلکہ رضائے حبیب کا حلقہ بگوش ہونا چاہیے۔ تمہارے جذبات شوق کے تقاضے کچھ ہوں انہیں ہر حال میں میرے نبی کی پسند اور ناپسند کا پابند ہونا چاہیے۔

(۳) ایک زوجہ مکرمہ افشاء راز کر بیٹھیں، انہیں سرزنش فرما دی۔ اس سے امت کی خواتین کو بھی سبق مل گیا کہ وہ بھی اپنے

شوہروں کے رازوں کو محفوظ رکھا کریں۔ ورنہ ان کی معمولی سی غفلت ان کے لیے اور ان کے خاندان کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی گھر والیوں کی اصلاح کے بعد اب غلامانِ مصطفٰے علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ خود بھی دوزخ کا ایندھن بننے سے بچیں اور اپنے اہل وعیال کی بھی ایسی صحیح تربیت کریں کہ وہ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں گویا ماں باپ پر فرض کر دیا کہ وہ اپنے بچوں کے اخلاق کی کڑی نگرانی کریں۔

(۵) انسانوں سے گناہوں اور خطاؤں کا صدور ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس لیے توبہ نصوح یعنی خالص توبہ کرنے کی تلقین فرمائی تاکہ ہمارا دامنِ عمل ان بدنما داغوں سے پاک ہو جائے۔

(۶) آخر میں دو مثالیں ذکر فرمائیں۔ ایک کفار کے لیے اور ایک اہل ایمان کے لیے۔ تاکہ دونوں گروہوں کو اپنی حیثیت کا پورا علم ہو جائے۔ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔ ایمان اور محبتِ الٰہی کمزور سے کمزور انسان کو کس طرح ناقابلِ تسخیر بنا دیتی ہے اس کو ذہن نشین کرانے کے لیے حضرت آسیہ کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی کا ذکر کر کے مسلم خواتین کو ترغیب دلائی کہ وہ بھی اپنے گوہرِ عصمت کی حفاظت کریں۔ اسے کسی قیمت پر بے آب نہ ہونے دیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالٰی اپنے لطف وکرم سے انہیں بھی کسی نیک بخت اور نامور فرزند کی ماں بننے کا شرف بخش دے۔

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ التحریم مدنی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس کی آیات ١٢ رکوع ٢ ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ

اے نبی مکرم! آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے کیا آپ (اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں) ١

١ اس سے پہلی سورت میں اہل ایمان کی ازدواجی زندگی سے متعلق احکام و ہدایات کا ذکر ہوا۔ اس سورت میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عائلی زندگی کے کچھ حالات بیان ہو رہے ہیں تاکہ امت اپنے نبی کریم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر سکے۔

ان آیات کے شان نزول کے بارے میں دو روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ پہلے ہم اس روایت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جسے امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں نقل کیا ہے۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ نماز عصر کے بعد ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے اور تھوڑا تھوڑا وقت ہر رفیقۂ حیات کے پاس تشریف رکھتے۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے شہد تحفۃً بھیجا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ان کے کاشانۂ اقدس میں رونق افروز ہوتے تو وہ بڑے اہتمام سے شہد پیش کرتیں۔ حضور کو طبعی طور پر شہد بہت پسند تھا۔ اس لیے شوق فرماتے۔ اس طرح حضرت زینب کے ہاں معمول سے زیادہ قیام ہو جاتا۔ حضرت زینب کی مسرت کی حد نہ تھی۔ انہیں اللہ کے محبوب اور اپنے سرتاج کے روئے زیبا کے دیدار کا موقع زیادہ ملتا۔ لیکن دیگر امہات المومنین کے حصہ سے یہ لمحے صرف ہوتے تھے ان کے لیے یہ صورت حال ناقابل برداشت ہو گئی۔ محبت جتنی زیادہ ہوتی ہے رقابت کا جذبہ اتنا ہی قوی ہوتا ہے۔ آخر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ضبط نہ ہو سکا۔ انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زینب کے پاس سے اٹھ کر ان میں سے جس کے ہاں آئیں وہ یہ کہے کہ حضور! آپ کے دہن مبارک سے مغافیر کی بو آ رہی ہے کیا حضور نے مغافیر تناول فرمایا ہے؟ (مغافیر عرفط درخت کی گوند جس میں کچھ بساند ہوتی ہے) انہیں علم تھا کہ حضور اپنی نفاست مزاج کے باعث بدبو کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا میں نے مغافیر تو نہیں کھایا، البتہ زینب کے ہاں شہد نوش کیا ہے۔ اس کے بعد میں شہد نہیں پیوں گا قسم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ فَلَنْ أَعُوْدَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِي بِذٰلِكَ أَحَدًا۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف ممالک کے سربراہوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت نامے بھیجے تو حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کا گرامی نامہ لے کر اسکندریہ کے والی مقوقس کے پاس گئے۔ اس نے قاصد کی بڑی تکریم کی اور جب وہ واپس روانہ ہونے لگے تو مقوقس نے ایک عریضہ بھی حضور کی خدمت میں ارسال کیا اور دو اعلیٰ خاندان کی لڑکیاں بھی بھیجیں جن میں سے ایک کا نام سیرین اور دوسری کا نام ماریہ (MARY) تھا۔ حضرت حاطب کی تبلیغ و تلقین سے دونوں

مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا حضور نے سیرین نامی لڑکی حضرت حسان بن ثابت کو ہبہ فرمادی اور ماریہ کو آزاد کر کے اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ انہیں کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ میں حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے جو بعد میں ۱۸ ماہ کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ ایک روز ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری تھی حضور سے اجازت لے کر وہ اپنے والد حضرت عمر سے ملنے چلی گئیں۔ پیچھے حضرت ماریہ آگئیں اور تخلیہ میں حضور کے ساتھ رہیں۔ ابھی دروازہ بند تھا کہ حضرت حفصہ بھی واپس آگئیں اور باہر بیٹھ کر انتظار کرنے لگیں۔ جب حضور نے دروازہ کھولا اور حضرت حفصہ نے ماریہ کو اپنے حجرے میں دیکھا تو انہیں سخت ناگوار گزرا اور یوں شکوہ کرنے لگیں۔ میری باری، میرا حجرہ، میرا بستر اور ماریہ۔ یا رسول اللہ آپ مجھے حقیر سمجھتے ہیں اس لیے آپ نے ایسا کیا۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جاں نثار زوجہ کی خفگی اور پریشانی برداشت نہ کر سکے اور قسم کھائی کہ آئندہ ماریہ سے ازدواجی تعلق نہ رکھیں گے اور حضرت حفصہ کو تاکید فرمائی کہ وہ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں۔

واقعے یہ دو ہیں لیکن روایات میں بڑا اختلاف اور تعارض ہے کہیں کسی کا نام ہے کہیں کسی کا۔ اس لیے ان واقعات کی مختلف روایتیں نقل کرنے کے بعد امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں اپنی رائے ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں۔

والصواب من القول فی ذلک ان یقال ان اللہ حرمہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی نفسہ شیئا کان اللہ قد احل لہ۔ یعنی میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اوپر ایک ایسی چیز کو حرام کر دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کیا تھا۔

قال النووی فی شرح مسلم الصحیح ان الآیۃ فی قصۃ العسل لا فی قصۃ ماریۃ المرویۃ فی غیر الصحیحین ولم تات قصۃ ماریۃ من طریق صحیح۔ صحیح مسلم کی شرح میں امام نووی کہتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ یہ آیت شہد کے قصہ میں نازل ہوئی اور ماریہ کے واقعہ میں نازل نہیں ہوئی جیسا غیر صحیحین میں مذکور ہے اور ماریہ کا واقعہ کسی صحیح سند سے مروی نہیں۔

یہ تو پس منظر تھا۔ آیئے اب آیات طیبہ میں غور و فکر کریں۔

زمخشری معتزلی اور اس کے پیروکاروں نے یہاں بڑی نکتہ آفرینیاں دکھائی ہیں اور ایسی باتیں لکھی ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن عصمت پر حرف آتا ہے۔ آپ ائمہ اہل سنت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حق فہمی اور محبت مصطفوی وافر حصہ سے مالا مال فرمایا ہے۔

علامہ ابی حیان اندلسی اپنی تفسیر "البحر المحیط" میں تحریر فرماتے ہیں۔ یا ایہا النبی ندا اقبال وتشریف یعنی اللہ تعالیٰ نے یا ایہا النبی سے خطاب فرما کر اپنے حبیب کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور شرف ندا سے سرفراز فرمایا ہے۔ لم تحرم سوال تلطف یعنی از راہ لطف و محبت دریافت کیا ہے کہ اے حبیب! آپ نے ایسا کیوں کیا۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ پہلے بڑے احترام سے خطاب فرمایا پھر سوال کیا جس طرح عفا اللہ عنک لم اذنت لہم میں ہے۔ پھر فرماتے ہیں تحریم سے مراد تحریم شرعی نہیں یعنی جس طرح مرضی الٰہی سے کسی چیز کو جو پہلے حلال تھی حرام کر دیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے۔ بلکہ یہاں تحریم سے امتناع ہے یعنی کسی چیز کے استعمال سے رک جانا جیسے کوئی شخص کسی حلال اور مباح چیز کے استعمال کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھتا ہے اور کہیں یہ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ ۲ بےشک اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لیے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ (یعنی کفارہ)

اقتناع کسی کی دلجوئی کے لیے ہوتا ہے جس کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ ہم زمخشری کی عبارت نقل کرنے سے دانستہ گریز کر رہے ہیں کیونکہ اس نے ایسی باتیں لکھی ہیں جو عصمت نبوت کے لائق نہیں۔

علامہ آلوسی نے بھی تحریم کا مفہوم اقتناع ہی بیان کیا ہے۔ والمراد بالتحریم الامتناع (روح المعانی) مطلب یہ ہے کہ آپ ایک حلال چیز کو استعمال کرنے سے کیوں اجتناب کرتے ہیں۔

ے علامہ سید آلوسی اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فیہ تعظیم لشانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لان ترک الاولی بالنسبۃ الی مقامہ السامی الکریم یعد کالذنب وان لم یکن فی نفسہ کذلک یعنی اگرچہ آپ نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، زیادہ سے زیادہ اولیٰ کا ترک ہوا، لیکن آپ کے عالی اور کریم مقام کے لیے یہ بھی مناسب نہ تھا لیکن ہم غفور ہیں، ہم نے معاف کر دیا۔ مزید فرماتے ہیں کہ آیت میں جو عتاب ہے وہ کسی ناراضگی کی وجہ سے نہیں بلکہ حد درجہ اعتنا کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی ہر ادا کا خیال ہے۔ اسے یہ گوارا نہیں کہ آئینہ نبوت پر ادنیٰ سا غبار بھی پڑے۔ زمخشری کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا قدم حسب عادت یہاں بھی پھسل گیا ہے۔ اس نے تحریم سے مراد شرعی تحریم لی ہے جو گناہ ہے اور غفور میں اسی گناہ کی آمرزش کی طرف اشارہ ہے۔ آلوسی کہتے ہیں کہ ابن منیر نے یہاں زمخشری کے خوب بخیے ادھیڑے ہیں۔ ما حاصلہ ان ما اطلقہ فی حقہ علیہ الصلوۃ والسلام تقول وافتراء والنبی علیہ الصلوۃ والسلام منہ براء۔ ابن منیر کی تنقید کا حاصل یہ ہے کہ زمخشری نے حضور کے حق میں جو کچھ کہا ہے وہ اس کا اپنا گھڑا ہوا افترا ہے اور حضور کی ذات اقدس اس سے بری ہے کیونکہ حلال کی تحریم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حلال چیز کو حرام اعتقاد کر لیا جائے۔ یہ ممنوع ہے بلکہ کفر ہے اور نبی معصوم سے اس کا صدور ممکن نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حلال کو حلال ہی سمجھا جائے لیکن اس کے استعمال سے اجتناب کیا جائے۔ ایسا کرنا مباح اور حلال ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تحریم کی یہی صورت تھی۔ انما عاتبہ اللہ تعالیٰ علیہ رفقا بہ وتنویہا بقدرہ واجلالا لمنصبہ علیہ الصلوۃ والسلام ان یراعی مرضاۃ ازواجہ بما یشق علیہ جریا علی ما الف من لطف اللہ تعالیٰ بہ۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے عتاب کی وجہ یہ ہے کہ حضور نے اپنی ازواج کی خوشنودی کے لیے اپنے اوپر پابندی عائد کر لی جس سے حضور کو تکلیف اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ اس کے محبوب کو تکلیف پہنچے۔ اس لیے فرمایا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ کو اپنی ازواج کی خوشنودی مطلوب ہے تو مجھے آپ کا آرام اور آپ کی راحت مرغوب ہے۔ ایسی ناروا پابندیوں کی اجازت میں آپ کو کیوں کر دے سکتا ہوں۔

یہاں اس امر کا ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ یورپ کے کئی متعصب مستشرقین نے حضرت ماریہ قبطیہ کے واقعہ کی آڑ لے کر شان رسالت میں بڑی گستاخیاں کی ہیں اور ان کی تحریروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے ان کی عداوت

وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۲ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى

اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے۔ اور وہی سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے اور یاد کرو جب کہ راز کی بات نبی کریم نے

نے ان کو اندھا اور بہرہ کر دیا ہے۔ وہ صدائے حق کو نہ سن سکتے ہیں اور نہ نورِ حق انہیں دکھائی دیتا ہے۔ حضرت ماریہ کو بنی اسمعیل عورت نہ تھیں جن سے خلوت شرع اور عقل کی نظر میں حرام ہوتی۔ وہ حضور کی ازواج مطہرات میں سے ایک تھیں۔ مقوقس والیٔ اسکندریہ نے انہیں حضور کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضور نے انہیں آزاد فرمایا اور اپنی زوجیت کا شرف بخشا تھا۔ خاوند کا اپنی بیوی سے خلوت کرنا کسی قانون کسی شریعت اور کسی نظامِ حیات میں قبیح نہیں۔ اس کو غلط رنگ دے کر پیش کرنا علم اور دیانت کا منہ چڑانا ہے اور اس کے ساتھ ایسی مشغولیت پر تہمت کرنا ہے۔ جو کج فکر لوگ تھے جن کے دلوں میں اسلام کے متعلق گوناگوں عداوتیں تھیں لیکن تعجب بلکہ ندامت اس وقت ہوتی ہے جبکہ کسی مدعیانِ علم منبروں پر کھڑے ہو کر اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں مگر ان سے مقصد شانِ رسالت کا پہلو نکالتے ہیں۔ کبھی حضور کے خداداد علم پر انگشت نمائی کی جاتی ہے۔ دیکھو فلاں چیز کا علم نہ تھا۔ کبھی حضور کی شان کا انکار کیا جاتا ہے۔ دیکھو حضور حلال کو حرام نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوا کہ حضور کو کوئی اختیار نہیں۔ اپنی امت کو اور اپنے غلاموں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کج فہمی سے بچائے۔ وہ آتنا بھی نہیں جانتے یا جانتے ہیں تو دانستہ اغماض کرتے ہیں کہ اللہ کا رسول اس لیے مبعوث نہیں کیا جاتا کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو از خود حرام کر دے۔ یہ ممنوع ہے بلکہ کفر ہے۔ یہاں تحریم سے مراد کسی حلال چیز کو حلال اعتقاد کرتے ہوئے اس سے اجتناب کرنا ہے۔ جس کی تفصیل آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اور شہد کو حرام کرنا اس لیے نہیں کہ آپ کو علم نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ تو خود قرآن کریم نے بتادی تبتغی مرضات ازواجك کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کی دلجوئی کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی وجہ کو پس پشت ڈال کر اپنی طرف سے عدم علم کو اس کا سبب قرار دینا ایک مومن کو تو ہرگز زیب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ جس قسمی کی صلاحیت سلب کر لیتا ہے تو اسی قسم کے دلخراش الفاظ انسان کی زبان سے نکلتے ہیں۔ اللهم انا نعوذ بك من سخطك وسخط نبيك الكريم صلى الله عليه وسلم۔

۳ تَحِلَّةَ کا وزن تفعلة ہے۔ یہ باب تفعیل کا دوسرا مصدر ہے کرّم سے تکرمة، کمل سے تکمیل اور تکملة دونوں مصدر آتے ہیں۔ یہ بھی حلل سے تحلیل اور تحلة کا دوسرا مصدر ہے۔ علامہ راغب نے قد فرض الله لكم تحلة ايمانكم کا یہ معنی لکھا ہے أي بيّن ما تنحل به عقدة ايمانكم من الكفارة۔ یعنی اللہ نے وہ چیز بیان کر دی جس سے تمہاری قسموں کی گرہ کھل جاتی ہے یعنی کفارہ۔ یعنی قسم کھا کر جو گرہ تم نے ڈال لی تھی اس کے کھولنے کا طریقہ تمہیں بتا دیا کہ کفارہ ادا کرو اور پابندی سے آزاد ہو جاؤ۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہتا ہے کہ میں نے تجھے حرام کیا تو اس پر کیا اثر مرتب ہوگا؟ اس میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں۔ میں یہاں صرف حضرت امام اعظم کا قول نقل کروں گا۔

علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں رقمطراز ہیں کہ ہمارے علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حرام کہتا ہے تو وہ قسم ہوگی گویا اس نے یوں کہا واللہ لا اقربك بخدا میں تمہارے قریب نہیں جاؤں گا۔ اس صورت میں وہ مولی ہوگا اور اگر اس نے یہ الفاظ کہے اور طلاق کی نیت کی تو وہ طلاق ہوگی۔ اگر ایک طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو طلاق مغلظہ

بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ

راز داری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات، تو جب اس نے وہ دوسری کو راز بتا دیا اور اللہ نے آپ کو اس پر آگاہ

عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ

کر دیا آپ نے (اس بیوی کو) کچھ بتا دیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی پس جب آپ نے اس کو اس پر آگاہ کیا تو اس نے پوچھا

وہ بات کیا تھی جو حضور نے راز داری سے اپنی ایک رفیقہ حیات کو بتائی تھی اور منع فرمایا تھا کہ کسی دوسری سے وہ اس کا ذکر نہ کرے۔ جن علماء نے حدیث عسل کو ان آیات کے نزول کا سبب تسلیم کیا ہے ان کے نزدیک وہ راز یہ تھا کہ حضور نے فرمایا میں پھر نہیں کھاؤں گا اور تم یہ کسی کو نہ بتانا کہ میں نے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی ہے اور جن علماء کے نزدیک اس کی شان نزول ماریہ قبطیہ کا واقعہ ہے تو انہوں نے اس راز سے یہ مراد لیا ہے کہ وہ کسی کو نہ بتائیں گی کہ حضور نے ماریہ سے آئندہ مقاربت نہ کرنے کا حلف اٹھایا ہے۔

اگر علامہ ابن جریر کے قول کو ترجیح دی جائے تو کسی راز کے تعین کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہمارے لیے اتنا سمجھنا ہی کافی ہے کہ کوئی راز کی بات تھی جو حضور نے اپنی ایک زوجہ کو بتائی اور انہیں تاکید کر دی کہ کسی دوسری کو اس کا پتہ نہ چلے لیکن وہ اس راز کو اخفا نہ کر سکیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو آگاہ کر دیا کہ آپ کی اہلیہ نے وہ راز افشا کر دیا ہے۔ حضور نے جب اس کو بتایا کہ اس نے یہ راز ظاہر کر دیا ہے تو وہ حیران ہو گئیں اور خیال کیا کہ شاید دوسری بیوی نے بتایا ہو گا۔ پوچھا حضور آپ کو کس نے آگاہ کیا ہے کہ میں نے یہ راز فاش کر دیا؟ تو حضور نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے خبر دی ہے جو سب کچھ جاننے والا اور ہر راز سے باخبر ہے۔

بعض روایات میں منقول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حضرت ماریہ کے بارے میں حضرت حفصہ کو ملول اور رنجیدہ پایا تو ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر اور ان کے بعد تمہارے والد عمر خلیفہ ہوں گے۔ یہ وہ راز تھا جو حضرت حفصہ چھپا نہ سکیں اور حضرت عائشہ سے بھی اس کا ذکر کر دیا۔ چند روایات ملاحظہ ہوں:

(١-٢) اخرج ابن مردویه عن ابن عباس وابن ابی حاتم عن مجاهد ان النبی صلی الله علیه وسلم اسر الی حفصة تحریم ماریة وان ابابکر وعمر یلیان الناس بعده۔ ترجمہ: ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے اور حضرت ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے راز داری سے یہ بات کہی کہ ماریہ مجھ پر حرام ہے اور میرے بعد ابوبکر اور عمر لوگوں کے والی ہوں گے۔

(٣) ابن مردویہ نے متعدد طریقوں سے حضرت سیدنا علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا ان امارة ابی بکر وعمر لفی کتاب الله واذ اسر النبی الی بعض ازواجه حدیثا قال لحفصة ابوک وابو عائشة والیا الناس بعدی فایاک ان تخبری احدا۔ ترجمہ: ابوبکر اور عمر کی خلافت تو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ واذ اسر النبی الخ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضور نے حضرت حفصہ کو فرمایا کہ تیرا باپ اور عائشہ کا باپ میرے بعد لوگوں کے امیر ہوں گے خبردار! یہ راز کسی کو نہ بتانا۔

(٤-٥) واخرج ابو نعیم فی فضائل الصحابة عن الضحاک انه قال فی الآیة اسر صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الی حفصة

مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَی

آپ کو اس کی خبر کس نے دی ہے۔ فرمایا مجھے اس نے آگاہ کیا ہے جو علیم و خبیر ہے۔ اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کر لو تو بہتر ہے

اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ

دل بھی اللہ کی طرف مائل ہو چکے ہیں ذکر تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے ایکا کر لیا آپ کے مقابلہ میں تو بے شک اللہ تعالیٰ آپ

ان الخلیفۃ من بعدی ابوبکر ومن بعد ابی بکر عمر۔

(۲) واخرج ابن ابی حاتم نحوہ۔ ترجمہ: ابو نعیم نے فضائل الصحابہ میں ضحاک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس آیت کا راوی ہے کہ حضور نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد عمر۔

ابن ابی حاتم نے بھی اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔

یہ تو اہل سنت کی کتب کے حوالے تھے شیعہ کے جلیل القدر علماء نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان میں زجاج سے روایت کرتے ہیں۔ قال لما حرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ماریۃ القبطیۃ اخبرها ان يملك من بعدی ابوبکر و عمر فعرفها بعض ما افشت من الخبر واعرض عن بعض ان ابابکر و عمر یملکان من بعدی وقریبا من ذلک مارواہ العیاشی بالاسناد عن عبد اللہ ابن العطاء المکی عن ابی جعفر الباقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ترجمہ: جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماریہ قبطیہ کو حرام کیا تو یہ بھی بتایا کہ آپ کے بعد ابوبکر اور عمر والی ہوں گے اور اسی کے ہم معنی وہ روایت بھی ہے جو عیاشی نے عبد اللہ ابن العطاء کے واسطہ سے حضرت امام باقر سے روایت کی ہے۔

یہاں ایک بات توجہ طلب ہے۔

قرآن کریم میں صراحت سے اس راز کو بیان نہیں کیا گیا لیکن راز کے افشا ہونے اور اس پر افشا کرنے والی کو سرزنش کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے اہل خانہ سے راز کی بات کرنا درست ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس کو رازدار بنایا جائے وہ اس راز کی پوری پوری نگہداشت کرے خصوصاً ان لوگوں کے اہل خانہ جو اہم ملکی اور ملی مہمات کو انجام دینے کے لیے مقرر ہیں؟ اگر ان کی بیویاں یا دوسرے مقرب ان کے رازوں کی حفاظت نہیں کریں گے بلکہ افشا کر دیا کریں گے تو دشمن ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا سکتا ہے اور انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

ث تتوبا کا فاعل حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کا مصداق پوچھا تو آپ نے ان ہی دو کا نام لیا۔ توبہ کی وجہ بتا دی فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔ صغی کا معنی ہے مائل ہونا، جھک جانا۔ جب ستارے ڈوبنے لگتے ہیں تو عرب کہتے ہیں صَغَتِ النُّجُوْمُ۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں، کج رو ہو گئے ہیں۔ اس کی تشریح علامہ آلوسی نے ان الفاظ میں کی ہے۔ مالت عن الواجب من مخالصتہ ﷺ بحب ما یحبہ وکراھۃ ما

مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ

کا مددگار ہے، جبریل اور نیک بخت مومنین بھی آپ کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ سارے فرشتے بھی مدد کرنے

ظَهِيْرٌ ۝٤ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا

والے ہیں۔ کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی کریم تم سب کو طلاق دے دیں تو آپ کا رب تمہارے عوض آپ کو ایسی بیبیاں عطا فرمادے جو بہتر

یکو عنداللہ مخالفت تم پر واجب تو یہ تھا کہ ہر بات میں حضور کی موافقت کرتیں۔ جو چیز حضور کو پسند ہوتی تم بھی اس کو پسند کرتیں جو چیز حضور کو ناپسند ہوتی تم بھی اسے ناپسند کرتیں۔ لیکن تم نے ایسا نہ کیا۔ تمہارے لیے یہ کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اس لیے اس فروگذاشت سے جتنی جلد توبہ کرو گی تمہارے لیے اتنا ہی بہتر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے جب زَاغَتْ جس کا معنی ٹیڑھا ہونا یا کج ہونا ہے کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ صَغَتْ کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس کا ترجمہ تمہارے دل کج ہو گئے ہیں یا ٹیڑھے ہو گئے ہیں یا سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں کسی طرح مناسب نہیں۔

لے یہ تظاہر ہی کا صیغہ ہے۔ اصل تتظاہرا تھا۔ ایک تا کو حذف کر دیا تظاہرا ہو گیا۔ اس کا معنی ہے تعاون یعنی ایک دوسرے کی اعانت کرنا، پشت پناہی کرنا، ایکا کرنا۔ مقصود یہ ہے کہ اگر تم نے میرے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے پر ایکا کر لیا تو تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی کیونکہ آپ کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ کروبین کا سردار جبریل اور نیک بخت اہل ایمان آپ کے مددگار ہیں۔ ان کے علاوہ فرشتوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ آپ کی اعانت کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ جس کی مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہو جس کی نصرت و تائید کرنے والے ایسے جلیل القدر لوگ ہوں اسے بھلا کوئی کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہاں مولیٰ کا معنی ناصر ہے اور تمام کے لیے یہی معنی درست ہے۔ ان صالح من ان یکون الموالی الجمیع بمعنی الناصر لا یعنی۔ (روح المعانی) یعنی اللہ تعالیٰ بھی حضور کا مددگار ہے، جبریل اور صالح المؤمنین بھی حضور کے مددگار ہیں۔ صالح بظاہر واحد ہے لیکن اس سے مراد جنس ہے جس کا قلیل اور کثیر سب پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ اصل میں صالحون جمع تھا۔ اضافت کی وجہ سے نون گر گیا۔ صالحوا المؤمنین ہو گیا لیکن یہاں واؤ کا تلفظ نہیں کیا جاتا اس لیے کاتبانِ قرآن نے واؤ کی کتابت بھی ترک کر دی اور صالح المؤمنین لکھنے پر اکتفا کیا۔ اس قسم کے شواہد قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۱ میں ویدع الانسان مکتوب ہے۔ اصل میں ویدعو ہے لیکن چونکہ واؤ تلفظ نہیں اس لیے کتابت بھی ترک کر دی گئی۔

ے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں: ظهير كأمير: المعين، الواحد والجمع فيه سواء وانما لم يجمع ظهير لان فعيلا وفعولا قد يستوي فيهما المذكر والمؤنث والجمع كما قال عزوجل انا رسول رب العالمين ... والملائكة بعد ذلك ظهير (تاج العروس) یعنی ظہیر بروزن امیر اس کا معنی معین مددگار ہے۔ واحد اور جمع کے لیے یہ لفظ استعمال ہو سکتا ہے۔ ظہیر کو جمع ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ فعیل اور فعول کبھی کبھی مذکر اور مؤنث اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے انا رسول رب العالمین۔ رسول تثنیہ ہونا چاہیے تھا کیونکہ کہنے والے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہیں۔ لیکن فعول کا وزن ہونے کی وجہ سے تثنیہ پر بھی دلالت کر رہا ہے اور ظہیر فعیل

مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ

بہتر ہوں گی — پکی مسلمان — ایمان والیاں — فرمانبردار — توبہ کرنے والیاں — عبادت گزار — روزہ دار

ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ

کچھ پہلے بیاہیاں اور کچھ کنواریاں ؀ اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو

نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ

اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے ؀ اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو سخت مزاج ہیں

کے وزن کے باعث جمع پر بھی دلالت کرتا ہے۔

؀ ازواج مطہرات کو تادیب کی جا رہی ہے کہ بے شک تمہاری بڑی شان ہے تم معزز خاندانوں کی چشم و چراغ ہو لیکن اگر تم نے میرے نبی مکرم کی خوشنودی حاصل نہ کی اور تمہاری کسی غلطی سے ناراض ہو کر آپ نے تمہیں اپنے شرف زوجیت سے محروم کر دیا تو گھاٹا تمہیں ہی ہو گا انہیں کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ ہم ان کی زوجیت کے لیے ایسی بیبیاں فراہم کر دیں گے جو تم سے بہتر ہوں گی اور ان تمام ذکر شدہ خوبیوں سے بدرجہ اتم موصوف ہوں گی جن کا نبی آخر الزماں کی ازواج مطہرات میں پایا جانا ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ کے معانی تو واضح ہیں۔ سائحات کا معنی عام طور پر صائمات کیا جاتا ہے یعنی روزہ رکھنے والیاں۔ لیکن اس کا دوسرا معنی مہاجرات بھی کیا گیا ہے کیونکہ سائح سیاحت سے ہے اور اسلام میں سیاحت صرف ہجرت ہی ہے۔ قال ابن زید لیس فی الاسلام سیاحۃ الا الھجرۃ ثیبات: اس عورت کو کہتے ہیں جس کی پہلے شادی ہو چکی ہو اور بعد میں اسے طلاق دے دی گئی ہو یا اس کا خاوند فوت ہو چکا ہو۔

؀ اہل ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو آتش جہنم سے بچائیں لیکن ان کی ذمہ داری اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی عذاب دوزخ سے بچانے کی پوری کوشش کرنا ان پر لازم ہے۔ حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ نقی انفسنا فکیف لنا باھلینا۔ اے اللہ کے رسول اپنے آپ کو تو دوزخ سے بچانے کا مفہوم سمجھ میں آ گیا۔ ہم اپنے اہل و عیال کو کیونکر دوزخ سے بچا سکتے ہیں۔ فقال تنھونھم عما نھاکم اللہ وتامرونھم بما امر اللہ۔ فرمایا تم اس طرح ان کو بچا سکتے ہو کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں روکا ہے تم اپنے اہل و عیال کو بھی ان سے روکو اور جن کاموں کو کرنا اللہ کا اس نے حکم دیا تم انہیں حکم دو کہ وہ بھی بجا لائیں۔

مقاتل کہتے ہیں ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی اولاد اپنی بیوی اور اپنے غلام کو عذاب جہنم سے بچانے کی کوشش کرے۔ علامہ قرطبی نے الکیا کا قول نقل کیا ہے۔ وعلینا تعلیم اولادنا واھلینا الدین والخیر وما لا یستغنی عنہ من الادب یعنی ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی اولاد اور اہل خانہ کو دین کی تعلیم دیں، انہیں نیکی سکھائیں اور وہ ادب جس کے بغیر چارہ نہیں اس کی تعلیم دیں۔

لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا

نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجالاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے۔ اے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے حق الولد علی الوالد ان یحسن اسمہ ویعلمہ الکتابۃ ویزوجہ اذا بلغ یعنی باپ پر اولاد کا حق یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوں تو ان کے لیے عمدہ نام تجویز کرے، جب وہ بڑے ہوں تو انہیں تعلیم دے اور جب وہ بالغ ہوں تو ان کی شادی کرے۔

دوسرا فرمان نبوی ہے ما نحل والد ولدا افضل من ادب حسن کسی باپ نے اپنے بچے کو حسن ادب سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا۔

دینی تعلیم اور عملی تربیت کا آغاز بچپن سے ہی ہو جانا چاہیے۔ اوائل عمر میں جو سبق دیا جاتا ہے تا دم واپسیں وہ یاد رہتا ہے۔ جس کام کی عادت بچپن میں پڑ جاتی ہے وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ جو والدین بچپن میں اپنے بچوں کو اطاعت خداوندی کی طرف راغب نہیں کرتے ان کی اولاد عموماً راہ حق سے بھٹکتی رہا کرتی ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا۔ مُرُوا ابناءکم بالصلوٰۃ لسبع واضربوھم لعشر وفرقوا بینھم فی المضاجع جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو انہیں مار کر پڑھاؤ اور اسی عمر میں ان کی خوابگاہیں جدا کر دو۔

کاش ہم اس فرمانِ خداوندی اور ان ارشادات نبوی کی روشنی میں اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دیں تو ہمیں اپنے بچوں اور بچیوں سے بے راہ روی اور آوارہ مزاجی کا شکوہ نہ ہو۔ آج جبکہ درس گاہوں کالج اور یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم و تربیت کا کوئی مؤثر اور مکمل اہتمام نہیں، بلکہ یہ درس گاہیں لادینی نظریات اور ملحدانہ افکار کی ہوسناکیاں بن گئی ہیں، جب معاشرہ کی وہ حس تیزی سے کند ہوتی جارہی ہے جو کسی نازیبا حرکت پر آتش زیر پا ہو جایا کرتی تھی اور ایسا کرنے والے کے خلاف احتجاج کی ایک تیز و تند لہر کر ابھرتی تھی آج جب سینما اور ٹی۔وی کے مخرب اخلاق پروگرام رہی سہی کسر بھی نکال دینے کے درپے ہیں اس وجہ سے ماں باپ کی ذمہ داریاں وہ چند ہو گئی ہیں کہ وہ اپنی اولاد کی سخت نگرانی کریں۔ اور اس سے بھی اہم یہ کہ اپنے حسن عمل اور اچھے نمونہ سے ان کے دلوں میں نیکیوں اور بھلائیوں سے ایک والہانہ محبت پیدا کر دیں۔ اگر ہماری بے حسی کے باعث لادینی کی بپھری ہوئی موجوں نے ہمارے گھر کا حرم بھی سر کر لیا تو پھر آنے والی نسلوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

نئے اس آگ پر فرشتوں کو بطور داروغہ مقرر کیا گیا ہے وہ فرشتے بڑے تند خو اور سخت مزاج ہیں، کوئی گریہ و زاری کر کے ان کو متاثر نہیں کر سکتا۔ وہ بڑے قوی اور توانا ہیں، کوئی ان کی گرفت سے بھاگ نہیں سکتا۔ ان کا کام صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری ہے جان سے تعمیل حکم میں سستی ہو سکتی ہے اور نہ وہ نافرمانی کر سکتے ہیں۔

ع ١ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧

اے کفار! آج بہانہ نہ بناؤ۔ [۱] تمہیں اسی کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو (کرتوت) تم کیا کرتے تھے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو [۲] امید ہے تمہارا رب

[۱] اے کفار! قیامت کے دن بہانہ سازی کام نہ آئے گی۔ عذر اور مجبوریاں پیش کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس دن تمہیں ان کرتوتوں کی سزا ضرور ملے گی جو منع کرنے کے باوجود تم کرتے رہے اور کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت کو تم نے قبول نہ کیا بلکہ ان کے درپے آزار رہے۔

[۲] اس آیت میں اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اگر اس سے پہلے جہالت، کم فہمی یا بشری کمزوری کی وجہ سے تم سے غلطیاں سرزد ہو چکی ہیں تو وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور میں صدق دل سے توبہ کرو تاکہ تمہارا رحیم و کریم خدا تمہارے گناہوں کے بدنما داغوں کو اپنے دامن کرم میں یوں چھپا لے کہ کسی کو ان کا اتہ پتہ بھی معلوم نہ ہو سکے۔ روز محشر فرشتے بھی تمہارے نامۂ اعمال سے کوئی ایسی چیز پیش نہ کر سکیں جو تمہاری رسوائی کا باعث ہو۔ توبہ کرنے کے ساتھ توبہ کی قسم بھی بتا دی۔ فرمایا توبہ کرو تو توبۃً نصوحًا کرو۔

توبۃً نصوحًا کی تشریح میں علماء کے کم و بیش بائیس تیئس اقوال منقول ہیں جن سے چند پیش خدمت ہیں اور ایک کے لیے انہیں میں کفایت ہے۔

(۱) وہ شہد جس کو موم اور دیگر آلائشوں سے پاک کر دیا گیا ہو اسے عسل ناصح (شہد خالص) کہتے ہیں۔ اگر نصوحًا اس سے ماخوذ ہو تو مقصد یہ ہوگا کہ تمہاری توبہ نفاق، ریا اور دکھاوے کی آلائشوں سے پاک ہونی چاہیے۔

(۲) پھٹے ہوئے کپڑے کو سلائی کرنا، چاکوں کو رفو کرنا نصاحة الثوب کہلاتا ہے۔ اگر نصوحًا کا یہ ماخذ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح گناہوں سے تم نے اپنے ایمان کا لباس تار تار کر دیا ہے اور اپنے تقویٰ کے پیرہن میں چاک ڈال دیے ہیں اب ایسی توبہ کرو کہ وہ چاک رفو ہو جائیں اور ان کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہے۔

(۳) نصوحًا کی اصل نصیحت ہے۔ اس وقت اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ایسی توبہ کرو کہ اس کے آثار تم میں نمایاں ہو جائیں، تم میں نمودار ہونے والی خوش آئند تبدیلی کو دیکھ کر دوسرے گناہ گار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور وہ بھی اپنی غفلت و عصیاں سے تائب ہو کر زندگی کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ تشریح لغوی معانی کے اعتبار سے ہے۔ اب زبان نبوت سے اس کا مفہوم سنیے:

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ، ما التوبة النصوح۔ اے جان عالم توبہ نصوح کس کو کہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ان یندم العبد علی الذنب الذی اصاب فیعتذر الی اللہ تعالیٰ ثم لا یعود الیہ کما لا یعود اللبن الی الضرع۔ یعنی جو گناہ بندے سے

اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

وہ دور کر دے گا تم سے تمہاری برائیاں ۱۳ اور تمہیں داخل کرے گا ایسے باغات میں جن میں نہریں

سے سرزد ہوا اس پر نادم اور شرمسار ہو، بارگاہ الٰہی میں مغفرت طلب کرے۔ جس طرح دودھ دوبارہ تھنوں میں داخل نہیں ہو سکتا پھر اس سے یہ گناہ صادر نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ توبہ صادقہ میں یہ تین چیزیں پائی جائیں۔ (۱) اس گناہ کو ترک کر دے۔ (۲) جو گناہ کر چکا ہے اس پر دل میں ندامت اور شرمندگی محسوس کرے۔ (۳) پختہ عزم کرے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک اعرابی کو سنا کہ وہ کہہ رہا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ یا اللہ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ فرمایا اے اعرابی! یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے۔ عرض کیا فرمائیے سچوں کی توبہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس توبہ میں یہ چھ چیزیں پائی جائیں وہ سچوں کی توبہ ہوتی ہے۔ (۱) جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں ان پر ندامت۔ (۲) جو فرض ادا نہیں ہوئے ان کی قضا۔ (۳) کسی کا حق غصب کیا ہے تو اسے لوٹا دے۔ (۴) جس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا ہے اس سے معافی لے لے۔ (۵) پختہ عزم کرے کہ آئندہ گناہ نہیں کرے گا۔ (۶) جس طرح پہلے تو نے اپنے نفس کو مکاریوں سے فربہ کیا ہے اب اطاعت الٰہی میں اس کو گلا دے۔

یہ سچوں کی توبہ ہے۔ یہ ولیوں کی توبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی ہی توبہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

توبہ چوں باشد پشیماں آمدن — بر در حق نو مسلماں آمدن
خستہ از سر گشتن با تیسانہ — با حقیقت روئے گردن از مجاز

یہ یاد رہے کہ گناہوں پر کسی ندامت، کسی افسوس اس لیے ہو کہ بیکاری سے صحت تباہ ہو گئی، مال برباد ہو گیا، عزت خاک میں مل گئی۔ اگر کوئی شخص ان وجوہات سے اپنے گناہوں پر نادم ہو کر بے قرار ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ توبہ اس وقت ہو گی جب اسے اس بات پر ندامت ہو کہ اس نے اپنے رب کریم کی حکم عدولی کی ہے، اپنے نفس امارہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے پروردگار کو ناراض کر دیا ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ایسا کر کے اس نے اپنے اوپر ظلم ڈھایا ہے۔

۱۳ یعنی اگر تم سچے دل سے توبہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ تمہارے گناہوں کو اپنے دامن کرم سے ڈھانپ دے اور اس طرح ڈھانپ دے کہ ان کا سراغ ہی نہ ملے۔ علامہ راغب اصفہانی کفر کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ التکفیر سترہ و تغطیتہ حتی یصیر بمنزلة ما لم یعمل یعنی کسی گناہ کو یوں ڈھانپ دینا اور اس پر یوں پردہ ڈال دینا کہ وہ ایسا نسیاً منسیاً ہو جائے جیسے یہ ہوا ہی نہ تھا۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ باب تفعیل ہے اور باب تفعیل کبھی مجرد کے معنی کے ازالہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے مَرِضَ کا معنی بیمار ہونا اور مَرَّضَ، تمریض یعنی تیمارداری کرنا، بیماری کو دور کرنا۔ قذا کا معنی ہے آنکھ میں تنکا پڑ جانا۔ تقذیہ کا معنی ہے تنکا نکال دینا۔ یہاں بھی کفر کا معنی اگر یہ لیا جائے کہ کفر یا کفران کا ازالہ تو بھی درست ہے۔ تاج العروس میں ازہری کا یہ قول منقول ہے۔

الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ

نہریں ۔ جس دن اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ۔ ان کا نور

يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا

ایمان دوڑ رہا ہوگا ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ! مکمل فرمادے

وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ

ہمارے لیے ہمارا نور اور بخش دے ہمیں ، بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ اے نبی ! جہاد کیجئے کفار اور

اصل التکفیر تغطیۃ الشیء تغطیۃ تستھلکہ : کسی چیز کو ایسا ڈھانپ دینا کہ اس کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے ۔

جوہری فرماتے ہیں کہ ثواب ضائع ہو جائے تو اس کے لیے احباط کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر گناہ معاف کر دیے جائیں تو ان کے لیے تکفیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ التکفیر فی المعاصی کالاحباط فی الثواب۔ (الصحاح)

کفار کو اپنی ثروت اور اپنی سرداری پر بڑا گھمنڈ تھا ہے اور اہل حق کی غربت اور بے بسی کو دیکھ کر وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جس طرح آج ہم معزز اور سرفراز ہیں اور یہ لوگ کمزور اور بے نوا ہیں۔ پہلے تو قیامت آنے کی ہی نہیں اور اگر بپا ہو بھی گئی تو وہاں بھی یہی حالات ہوں گے۔ ہماری عزت افزائیاں ہوں گی ہم پر ہی انعام و اکرام کی بارش ہوگی اور یہ مسلمان اس دن بھی اسی کس مپرسی کے عالم میں ہوں گے۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کا دن ہمارے محبوب کریم اور اس کے غلاموں کی عزت و سرفرازی کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی شان کو بلند کرے گا۔ مقام محمود پر آپ جلوہ افروز ہوں گے۔ لواء الحمد آپ کے دست مبارک میں ہوگا۔ جملہ انبیاء آپ کے ظل ہمایوں میں پناہ لیے ہوں گے اور وہ مسلمان جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ان کی شان ہی نرالی ہوگی۔ بارگاہ الٰہی سے انہیں گرانقدر انعامات بخشے جائیں گے۔ انہیں اذن ملے گا کہ اپنے ماں باپ ، بیویاں ، بچے بچیاں ، بھائی بہنوں اور دوست و احباب کی شفاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ اس دن اپنے نبی کو اور اس کے غلاموں کو رسوا ہرگز نہیں کرے گا۔ یہ کفار کی غلط فہمیاں ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

اہل ایمان میدان حشر میں بالکل ممتاز ہوں گے۔ ان کے آگے ان کا نور ایمان چمک رہا ہوگا۔ ان کی دائیں جانب بھی روشنی ہی روشنی ہوگی اور دوسرے لوگ اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہوں گے۔ مومن عرض کریں گے کہ اے رب ! ہمارے نور کو اور تابانیاں بخش۔ ایسا نہ ہو کہ راستہ میں بجھ جائے۔ ابھی جنت کا جو سفر ہمیں درپیش ہے اس میں یہ شمع روشن رہے۔ یہ چراغ جلتا رہے۔ ہمیں بخش دے۔ سب پایاں دشمنوں کے باوجود ان کے عجز و نیاز کا یہ عالم ہوگا۔ اہل حق کی یہی امتیازی شان ہے۔

الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ

منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو ۱۶؎ اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور وہ بہت بُری

الْمَصِيْرُ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ

لوٹنے کی بہت بُری جگہ ہے۔ بیان فرمائی ہے اللہ نے کفار کے لیے نوح کی بیوی اور

امْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صٰلِحَيْنِ

لوط کی بیوی کی مثال ۱۷؎ وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں

۱۶؎ حکم دیا جا رہا ہے کہ اے میرے نبی! کفار و منافقین سے جہاد جاری رکھو۔ کبھی شمشیر و سناں سے، کبھی نوکِ قلم اور قوتِ بیان سے کبھی میدانِ کارزار میں، کبھی افکار و نظریات کی رزم گاہ میں۔ تمہارا نعرہ اللہ اکبر بلند ہوتا رہے۔ مخالفت کے طوفانوں میں بھی حق کا چراغ روشن رہے۔ تمہاری جوانمردیاں اور جاں نثاریاں باطل کا تعاقب کرتی رہیں۔ تمہاری شمشیر اور سختی سے کفر پر لرزہ طاری رہے۔ لوگوں کو حلم اور نرمی کی تلقین کی جاتی ہے لیکن حضور کا حلم اور شانِ رحمت اتنی عمیق ہے کہ حضور کو واغلظ علیہم کا حکم دیا جاتا ہے۔ (لاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن جلد دوم سورۃ قلم، آیت ۲۳ کا حاشیہ)

۱۷؎ مشرکینِ مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریبی رشتہ دار اور ہمسائے ہیں۔ ہمیں ایمان لانے اور جان جوکھوں میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر قیامت آ ہی گئی تو حضور ہماری شفاعت کریں گے اور کفر کے باوجود ہم بخش دیے جائیں گے۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے یہ مثال دی کہ بیوی کا اپنے خاوند سے بڑا قریبی اور گہرا تعلق ہوتا ہے۔ دنیوی اعتبار سے دونوں کی خوشی اور دکھ دونوں کی راحت اور تکلیف، دونوں کی خوشحالی اور محرومی یکساں ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تعلق بھی اس وقت تک بے معنی ہے جب تک بیوی رشتہ اسلام میں منسلک نہ ہو۔ یہ سمجھانے کے لیے کسی ولی، کسی عالم، کسی بزرگ کی بیوی کی مثال پیش نہیں کی، بلکہ جلیل القدر انبیاء کی بیویوں کی مثال پیش کی ہے۔ ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ان کے دلوں میں نفاق اور کفر تھا وہ اپنے نامدار شوہروں کی رسالت پر ایمان نہ رکھتی تھیں، بلکہ ان کا مذاق اڑاتی تھیں۔ ان کی غیبت کیا کرتیں اور ان کا دل دکھایا کرتیں۔ اس لیے چونکہ وہ کافرہ تھیں۔ ایمان سے محروم تھیں۔ ان کا پیغمبروں کی بیویاں ہونا انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکا اور انہیں دوسرے جہنمیوں کے ساتھ جہنم رسید کر دیا گیا۔ اے کفارِ مکہ! تم یہ غلط فہمی اپنے دلوں سے نکال دو۔ جب تک تم کفر و شرک سے توبہ کر کے ایمان سے بہرہ ور نہ ہو گے کسی کی شفاعت تمہارے کام نہیں آئے گی بلکہ تمہارے لیے شفاعت کرنے کی کسی کو اجازت ہی نہ ہو گی۔ متعدد مقامات پر تفصیلاً بتایا جا چکا ہے کہ شفاعت مومن گنہگاروں کے لیے ہے۔ کفار و مشرکین اور منافقین کے لیے نہیں۔ بکثرت ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن سے صراحۃً پتہ چلتا ہے کہ حضور سرورِ عالم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ

نے ان دونوں سے خیانت کی شہ پس وہ دونوں (نبی) ان کے شوہر اللہ کے مقابلہ میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اور انہیں حکم ملا تم دونوں داخل

مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ

ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ اور اسی طرح اللہ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال

فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ

پیش فرمائی شہ جب کہ اس نے دعا مانگی اے میرے رب! بنا دے میرے لیے اپنے پاس ایک گھر جنت میں اور بچا لے مجھے

گے حضور کی امت کے اولیاء، شہداء اور علماء بھی شفاعت کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کو قبول فرمانے گا۔

شہ یعنی حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی۔ ان کی خیانت کی نوعیت یہ تھی کہ ان کے دلوں میں نفاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ حضرت نوح کی بیوی آپ کو مجنون اور دیوانہ کہتی اور مذاق اڑاتی۔ حضرت لوط کی بیوی آپ کے دشمنوں سے ساز باز رکھتی تھی جب بھی آپ کے ہاں کوئی مہمان آتا تو وہ انہیں اطلاع کر دیتی اور وہ بے غیرت دندناتے ہوئے حضرت لوط کے مہمانوں پر حملہ بول دیتے۔

خیانت سے مراد بدکاری نہیں کیونکہ ہر نبی کی بیوی اس عیب سے ہمیشہ پاک ہوتی ہے۔

شہ فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا جنہوں نے حضرت موسیٰ کا صندوق اٹھایا تھا اور حضرت موسیٰ کی پرورش کا اہتمام کیا تھا۔ بعد میں آپ کے معجزات دیکھ کر مسلمان ہو گئی تھیں اور ہمیشہ فرعون کے مقابلے میں حضرت موسیٰ کی طرف داری کیا کرتی تھیں۔ آخر فرعون کو پتہ چل گیا کہ آسیہ اسے خدا نہیں تسلیم کرتی اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکی ہے اور موسیٰ کے خدا کو ہی اپنا خدا مانتی ہے۔ چنانچہ اس ظالم نے آپ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں ٹھونک دیں اور چلچلاتی دھوپ میں ڈال دیا لیکن آپ کی استقامت اور پامردی کا یہ عالم تھا کہ اس وقت بھی مسکرا رہی تھیں۔ فرعون نے جب انہیں مسکراتے دیکھا تو کہنے لگا یہ تو پاگل اور دیوانی ہو گئی ہے۔ اس حالت میں یہ مومنہ صادقہ اپنے رب کی جناب میں [illegible] ہے اور عرض کر رہی ہے الٰہی! میرے لیے اپنے قرب میں ایک محل تعمیر فرما دے۔ فرعون کے غرور و نخوت، اس کی بداعمالیوں اور [illegible] کی نحوست سے مجھے بچا لے اور یہ ظالم قوم جو اپنے مالک حقیقی کو چھوڑ کر اس [illegible] انسان کو اپنا خدا مانتی ہے اس کے شر سے بھی مجھے محفوظ رکھ۔ احادیث میں آیا ہے کہ جب حضرت آسیہ کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑ دی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جنت کے محل کو منکشف کر دیا جس سے ان کی ساری تکلیفیں دور ہو گئیں اور وہ اپنے رب کے اس لطف و کرم کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ دعا میں "عِنْدَكَ" کا کلمہ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ اہل محبت جنت کے طلبگار نہیں ہوتے۔ مہکتے ہوئے پھولوں [illegible] حسن و جمال [illegible] آرام و آسائش کی تمنا ان کے دل میں کوئی جگہ نہیں پاتی۔ وہ تو صرف اپنے محبوب حقیقی کے دیدار کے مشتاق ہوا کرتے ہیں۔ وہ جنت جو انہیں کوچہ دلدار سے دور کر دے اس کے لیے کوئی کشش نہیں رکھتی۔ وہ تو اپنے محبوب کے سایہ دیوار [illegible] کئی جنتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ عِنْدَكَ: اپنے پاس، اپنے قرب، بالکل قریب۔ شوق کی بے تابیاں اور جذبات کی یہ مستیاں

مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١١﴾ وَمَرْيَمَ

فرعون سے اور اس کے (کافرانہ) عمل سے اور بچا لے مجھے اس ستم پیشہ قوم سے۔ اور (دوسری مثال)

ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا

مریم دختر عمران کی ہے ۲؎ جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے (روح)

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿١٢﴾

اور مریم نے تصدیق کی اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھی

عشق کی سرفروشی کا عنوان ایسا دلربا ہے کہ بس وہی آشنا ہو سکتے ہیں جن کو محبت کے بادہ گلفام کا کوئی جام پلایا جاتا ہے۔

حسن می گفت کہ شاہنشہ پید سحرم
عشق می گفت تب و تاب دلِ ما در دلم

بیت عندك کا معنی کیا گیا ہے فی اعلی درجات المقربین۔ بعض نے عندك کا معنی یہ کیا ہے۔ محض اپنے فضل سے بغیر کسی استحقاق کے مجھ پر یہ کرم فرما۔ ابن لی بیتا فی الجنۃ سے عندك کو مقدم کیا ہے۔ صرف اہل محبت ہی اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

۲؎ آخر میں حضرت مریم دختر عمران علیہا السلام کے ذکر پاک سے اس سورت کا اختتام کیا۔ مریم جو ایک پارسا والدین کی بیٹی تھی جنہوں نے اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ عمر بھر سب لوگوں سے الگ ایک حجرہ میں ذکر و فکر میں مشغول رہیں جس کی نگرانی اللہ کے پیارے نبی حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد تھی۔ انہیں کنوارپنے میں حاملہ کر دیا گیا یہاں تک کہ اس حمل سے ایک خوبرو اور معصوم بیٹا پیدا ہوا۔ لوگوں نے طوفان برپا کر دیا۔ طعن و تشنیع کے تیروں کی ہر طرف سے بارش برسنے لگی لیکن اللہ کی یہ بندی پیکر تسلیم و رضا بنے اپنے رب کی مشیت کو پورا ہوتے دیکھتی رہی۔ ایسی آزمائش میں پورا اترنا مریم کا ہی کام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں اس کی پاکدامنی کی شہادت دی۔ فرمایا وہ بڑی عفیفہ تھی۔ اس نے اپنے گوہر عصمت کی پوری پوری حفاظت کی ہم نے اپنی طرف سے ایک خاص روح اس میں پھونک دی جو عیسیٰ بن مریم کے پیکر میں نمودار ہوئی علیہ وعلی امہ صلوٰۃ وسلام۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے تمام ارشادات اور تمام نازل شدہ آسمانی کتب کی تصدیق کی اور اس کا شمار ان خوش نصیب لوگوں کے زمرہ میں ہے جو ہمیشہ اپنے رب کی عبادت و طاعت میں سرگرم رہتے ہیں۔

فنفخنا فیہ من روحنا کی تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن جلد اول سورۃ النساء کی آیت ۱۷۱ کے حواشی۔

○

الحمد لله رب العالمین الذی بتوفیقه تتم الطاعات والصلوٰة والسلام علی حبیبنا وشفیعنا محمد الذی بجاهه تقبل الطاعات وعلی آله وصحبه ومن تبعه الی یوم الدین۔ فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ المُلک

نام : پہلی آیت میں "المُلک" کا لفظ ہے اسی کو اس کا عنوان مقرر کر دیا گیا۔ اس کی ۳۰ آیتیں ہیں۔ یہ تین سو تیس کلموں اور ایک ہزار تین سو تیرہ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانہ نزول : اس کے مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ حصہ نبوت کے آغاز میں اس کا نزول ہوا۔ اس زمانہ میں نازل شدہ دوسری سورتوں کی طرح یہاں بھی انسان کو بار بار غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید اور کبریائی کے تکوینی دلائل بڑے مؤثر انداز میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ متعدد سوالات اٹھا کر ان کے جوابات کی ذمہ داری لوگوں کے فہم سلیم کے سپرد کر دی گئی ہے۔ غور و تدبر کے نئے افق اس کے سامنے کشادہ کر دیے گئے ہیں اور خداداد قوتوں سے کام لینے کی دعوت دی گئی ہے۔

مضامین : اس سورت کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے ذکر سے کی جا رہی ہے اور اس کا ذکر خود زبان قدرت سے ہو رہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اسے ہی زیب دیتا ہے کہ اپنی حمد و ثنا کرے۔

یہ بتا کر کہ حیات و موت کا تسلسل اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے فوراً انسان کی توجہ اس کی حکمت کی طرف موڑ دی کہ اس سے مقصد صرف تمہارا امتحان ہے کہ تم میں سے کون اپنی زندگی اچھے بلکہ اچھے سے اچھے کاموں کے لیے وقف کرتا ہے۔ اس کے بعد اپنی قدرت و حکمت کے ثبوت کے لیے اپنی کائنات کو پیش کیا اور دنیا بھر کے نقادوں کو بار بار دعوت دی کہ اس میں کوئی عیب تلاش کریں یا اس سے بہتر کوئی اور نقشہ تجویز کر کے دکھائیں جب کسی کو جرأت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر انگشت نمائی کر سکے۔ اس سے بہتر تو کجا اس کا مقابل بھی پیش کرنے سے ساری دنیا کے ماہرین عاجز ہیں۔ تو پھر نادانو! نہ بنو اپنے سروں کو اس کے سامنے جھکا دو۔ اس کی وحدانیت اور اس کی تمام صفات کمال پر ایمان لے آؤ ورنہ انجام بڑا اندوہناک ہوگا۔ ایسے دوزخ میں پھینک دیے جاؤ گے جس کے شعلے غیظ و غضب سے گرج رہے ہوں گے اس وقت تم اپنی غلطیوں کا اعتراف کرو گے لیکن اس وقت اعتراف جرم کا تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اسی ضمن میں بتا دیا کہ سب انسان حق ناشناس نہیں۔ کچھ وہ بھی ہیں جو اپنے رب کو بن دیکھے مانتے ہیں اور اس کی ناراضگی سے ہر وقت لرزاں ترساں رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے گناہ بھی بخش دیے جائیں گے اور انہیں اجر کبیر عطا فرمایا جائیگا۔ اس کے بعد اپنی قدرت کی کئی اور نشانیوں کو ذکر کیا۔ پھر انہیں جھنجوڑا کہ اگر تم نے انکار کی یہ روش نہ بدلی، تو

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا پتھر برسا کر تمہیں فنا کر دے۔

حسب عادت بطور استہزاء انہوں نے وقوع قیامت کے بارے میں سوال کیا اس کا جواب دیا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جب اس کا مقررہ وقت آجائے گا اور وہ برپا ہوگی تو اس وقت تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں گے۔

آخر میں ان سے ایک اہم سوال کر کے جس کا ان کی رشتۂ حیات زندگی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے ان کے معبودوں کی بے بسی کو آشکارا کر دیا تاکہ وہ غور کریں اور سمجھیں اور اپنے قادر مطلق پروردگار کی جانب پاک میں جبین نیاز جھکا دیں اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قبول کر کے سعادت دارین کے مستحق ہو جائیں۔

آخر میں چند احادیث لکھ رہا ہوں جس میں اس سورت کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے۔ خدا کرے قارئین کرام انہیں غور سے پڑھیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔

۱۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے :

قَالَ ضَرَبَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَهٗ عَلٰی قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسِبُ اَنَّهٗ قَبْرٌ فَاِذَا قَبْرُ اِنْسَانٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْمُلْكِ حَتّٰی خَتَمَهَا فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ هِیَ الْمَانِعَةُ هِیَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔
(اخرجه الترمذی وغیرہ)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر نصب کیا اسے یہ علم نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے۔ پس اچانک انہوں نے سنا کہ کوئی آدمی سورۂ ملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اس سورت کو ختم کیا۔ وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا عرض کیا۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ کے عذاب کو روکنے والی ہے یہ سورت اپنے قاری کو عذاب قبر سے نجات دلانے والی ہے۔

۲۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم اِنَّ سُوْرَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا هِیَ اِلَّا ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰی غُفِرَ لَهٗ۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ تبارک الذی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس کی صرف تیس آیتیں ہیں۔ اس نے ایک آدمی کے لیے شفاعت کی یہاں تک کہ اسے بخش دیا گیا۔ (ابوداؤد، ترمذی وغیرہا)

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے :

ان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم کان یقرأ الٓمّٓ تنزیل السجدة و تبارك الذی بیده الملك كل لیلة فی یده عمادی، سفر و لا حضر۔

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ہر رات سفر و حضر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک پڑھا کرتے۔

۴۔ حضرت ابن عباس نے ایک شخص کو کہا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسا تحفہ نہ دوں جس سے تم خوش ہو جاؤ۔ اس نے

عرض کی بڑی مہربانی۔ آپ نے فرمایا:

اِقْرَأْ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَعَلِّمْهَا أَهْلَكَ وَجَمِيْعَ وُلْدِكَ وَصِبْيَانَ بَيْتِكَ وَجِيْرَانَكَ فَإِنَّهَا الْمُنْجِيَةُ وَالْمُجَادِلَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّهَا لِقَارِئِهَا۔

آپ نے فرمایا کہ سورہ ملک پڑھا کرو، اپنی بیوی کو بھی سکھاؤ، اپنی ساری اولاد، اپنے گھر کے بچوں اور اپنے پڑوسیوں کو بھی سکھاؤ کیونکہ یہ نجات دینے والی ہے۔ یہ قیامت کے دن اپنے رب کے حضور میں اپنے قاری کے لیے جھگڑا کرے گی اور اسے عذاب سے بچالے گی۔

۵۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے:

لَوَدِدْتُ أَنَّهَا فِيْ قَلْبِ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْ أُمَّتِيْ۔

میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ میری اُمت کے ہر مرد و زن کو یہ سورت یاد ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی تلاوت کی، اس کے معانی و اثرات سے بہرہ ور ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الملک مکی ہے، اس کی ۳۰ آیتیں اور ۲ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝

مقدس و برتر ہے[1] وہ جس کے قبضہ میں (سب جہانوں کی) بادشاہی ہے[2] اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے[3]

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

جس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے[4]

[1] تبارک کا معنی برکت ہے۔ امام راغب لکھتے ہیں البرکۃ ثبوت الخیر الالٰہی فی الشیء۔ امام جوہری لکھتے ہیں البرکۃ النماء والزیادۃ۔ ابن منظور لکھتے ہیں برکت کا معنی ہے نشو و نما پانا، زیادہ ہونا اسی سے تبارک مشتق ہے۔ یہ باب تفاعل ہے جو مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ علامہ ابن منظور تبارک اللہ کا مفہوم بیان کرتے ہیں تقدس وتنزہ وتعالی وتعاظم لا تکون هذه الصفة لغیره۔ چونکہ وہ منزہ ہے اس لیے یہ صفت کسی اور پر نہیں بولی جاتی ہیں سے اپنے ترجمہ میں مقدس و برتر ہے اس تمام معانی کو سمونے کی کوشش کی ہے۔

اس کا دوسرا معنی کثرت خیر اور دوام خیر بھی کیا گیا ہے۔ اس صورت میں تبارک الذی کا مفہوم یہ ہوگا تعالیٰ بکثرۃ ما یفیض منہ بمنحانہ علی مخلوقاتہ من فنون الخیر۔ (روح المعانی) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر گونا گوں خیرات و برکات کی بارش اس کثرت سے کرتا ہے کہ اس کا شمار ممکن نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے تبارک کا کلمہ اللہ جل مجدہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۃ الفرقان آیت ۱ کا حاشیہ۔

[2] یعنی مقدس و برتر ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں سارے جہانوں کی سلطانی اور فرمانروائی ہے۔ اللہ پاک جن و انس، پہاڑ، ہر شے کی مخلوقات، ہر قسم کے شئون، حالات، واقعات سب اسی کے تصرف میں ہیں۔ فرش سے عرش تک، تحت الثریٰ تک، ازل سے ابد تک اسی کی بادشاہی کا سکہ چل رہا ہے۔ ید کا معنی یہ جسمانی ہاتھ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیات سے پاک ہے۔ اس کا معنی قدرت اور تصرف ہے اور ہم اپنی زبان میں بھی اس کو قدرت کے معنی میں بکثرت استعمال کرتے رہتے ہیں۔ الملک پر الف لام جنس کا بھی ہو سکتا ہے اور استغراق کا بھی۔ مدعا یہ ہے کہ ہر طرح کی سلطانی، ہر جگہ کی فرمانروائی، ہر چیز پر اقتدار اسی کو حاصل ہے۔

[3] پہلے بتایا کہ تمام جہان اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اب اس جملہ سے اس امر کی تصریح فرمائی کہ جو کچھ ابھی وجود میں نہیں آیا وہ بھی اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

[4] یہ آیت یا تو پہلے موصول الذی سے بدل ہے یا ھو مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ بیدہ الملک دعویٰ ہے۔ اب اس کے دلائل دیئے

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ۝٢ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۖ

اور وہی غالب عزت والا بہت بخشنے والا ہے۔ جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے ۵

مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ

تمہیں نظر نہیں آئے گا (خدائے) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی تفاوت - ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھو، کیا

شہادت کے لیے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے فرمایا کہ موت اور حیات کا سلسلہ جس نے قائم کر رکھا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے حکم سے کوئی چیز معرض وجود میں آتی ہے اور اسی کے حکم سے نیست و نابود ہوتی ہے۔ کوئی چیز نہ خود بخود موجود ہو سکتی ہے اور نہ خود معدوم ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اس سے مقصد تمہارا امتحان لینا ہے کہ ہم نے سمع و بصر، فہم و تدبر کی جو بے پناہ صلاحیتیں تمہیں عطا فرمائی ہیں، پھر اس نظام کائنات میں تمہیں اعلیٰ و ارفع مقام بخشا ہے اور تمہاری رہنمائی کے لیے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان نعمتوں کی تم قدر پہچانتے ہو اور ان آقا کی خوشنودی اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے صرف کرتے ہو یا دولت اور اقتدار، جوانی اور صحت کا نشہ تمہیں بدمست کر دیتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنی توانائیاں اور اپنا وقت عزیز ضائع کرتے ہو۔

انسان اگر آیت کے صرف اسی حصہ میں غور کرے اور لیبلوکم ایکم احسن عملا تو اس کی ہدایت پذیری کے لیے کافی ہے۔ اس کے دل میں یہ احساس پختہ ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا اس کے لیے امتحان گاہ ہے۔ یہ حیات مستعار اس کے لیے امتحان کی مدت ہے اور امتحان وہ دے رہا ہے جو ظاہر و باطن، خفی و جلی، غیب و شہادت کا جاننے والا ہے۔ اگر یہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر کیا مجال کہ انسان گناہ کی دلدل میں اپنا دامن حیات ملوث کرے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو اسی حقیقت کی طرف بڑے دل نشیں انداز میں متوجہ فرمایا۔ ایک ارشاد گرامی آپ بھی سن لیں۔ ایک مرتبہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ان الفاظ سے نصیحت فرمائی۔ خذ من صحتک لسقمک ومن شبابک لھرمک ومن فراغک لشغلک ومن حیاتک لموتک فانک لا تدری ما اسمک غدا۔ ترجمہ: اپنی صحت کی حالت میں بیماری کے لیے، اپنی جوانی کی حالت میں بڑھاپے کے لیے، اپنے فرصت کے لمحات میں مصروفیت کے لیے اور سب سے بڑھ کر زندگی کی شمع روشن ہے موت کے لیے ذخیرہ جمع کر لو، تو نہیں جانتا کہ کل تیرا کیا نام ہو گا۔

ف اس کی ترکیب میں تین قول ہیں۔ (۱) یہ ھو مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ (۲) العزیز الغفور کی صفت ہے۔ (۳) یہ پہلے الذی سے بدل کا بدل ہے۔ طباق کا معنی ہے بعضھا فوق بعض۔ ایک دوسرے کے اوپر۔ ف اس کے منصوب ہونے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو سبع کی صفت ہے اور یا کیونکہ مصدر ہے اس لیے جمع کی صفت واقع ہو سکتی ہے۔ طابق یا خلق کا مفعول مطلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک اور دلیل پیش کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس کی قدرت کا ملہ اور یکتائی کا کرشمہ آپ کو آسمانوں کی تخلیق میں صاف نظر آ رہا ہے۔ سات آسمان بنائے جو بے حد محکم اور کیسی حسین صورت میں ہیں اور کیسی عمدگی سے انہیں ترتیب دی گئی ہے کہ ایک دوسرے کے اوپر منطبق نظر آتے ہیں۔

تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ

تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈالو لوٹ آئے گی تیری طرف

الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

تیری نگاہ ناکام ہو کر درماندہ حالانکہ وہ تھکی ماندی ہوگی ۳ اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے ۵

۳ ۔ پھر بتایا ہے کہ فلاسفروں اور انجینئروں اور علوم لطیفہ کے ماہرین کو دعوت دی جا رہی ہے کہ جو کچھ ہم نے پیدا کیا ہے آسمان و زمین، چاند، سورج، ہر قسم کی بے جان اور جاندار مخلوق، سب کو دیکھو۔ غور سے دیکھو، تنقیدی نگاہ سے دیکھو، ایک بار نہیں بار بار دیکھو اور پھر بتاؤ کہیں اس میں کوئی نقص، کوئی عیب، کوئی رخنہ، کوئی شگاف یا ترتیب و تناسق میں کوئی کمی تمہیں نظر آتی ہے؟ تم عمر بھر کسی نقص کی تلاش میں سرگرداں رہو تو تمہاری نگاہیں تھک کر چور ہو جائیں گی لیکن انہیں کوئی عیب تلاش کرنے میں کامیابی نہیں ہوگی۔ جو چیز جیسے بنانا چاہیے تھا ویسا بنا دیا ہے۔ اس سے بہتر کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آسمان کی اتنی بلندی اور اتنا پھیلاؤ نہیں ہونا چاہیے تھا اور اس کی فضاؤں میں جو اربوں ستارے جگمگا رہے ہیں ان کی ترتیب درست نہیں ہے۔ یا جس طرح زمین کو بنایا گیا ہے اس میں رد و بدل کی گنجائش ہے۔ ان بڑی بڑی چیزوں کو رہنے دو، خود اپنے انسانی پیکر میں غور کرو اور اس کے نقشہ میں کوئی ترمیم پیش کرو۔ چہرہ، رنگ، سر، آنکھیں، ہونٹ، دانت، زبان اور جو کچھ بنایا ہے اس میں کوئی تبدیلی کر کے دکھاؤ۔ اگر کوئی ترمیم، کوئی تجویز کرنی اور رد و بدل ممکن ہی نہیں، جو بنا دیا وہی حرف آخر ہے تو پھر تمہیں ضد نہیں کرنی چاہیے بلکہ سچے دل سے مان لینا چاہیے کہ بیدہ الملک وھو علی کل شیء قدیر۔

ان آیات کے چند الفاظ: من تفاوت۔ یہ ثلاثی مزید ہے۔ تفاوت، اعوجاج، اختلاف، فطور، شگاف، رخنہ، کرتین: اگرچہ یہ کرۃ کا تثنیہ ہے لیکن کثیر کے لیے ہے یعنی بار بار۔ التثنیۃ للتکثیر ای کرۃ بعد کرۃ کما فی لبیک وسعدیک۔ ھھنا للتکثیر۔ (قرطبی) خاسئا: قال ابن عباس الخاسئ الذی لم یر ما یھوی۔ یعنی جس کو وہ چاہتا تھا وہ نظر نہیں آیا۔ حسیر: قد بلغ الغایۃ فی الاعیاء۔ حسیر کی تھکاوٹ اور درماندگی۔ (قرطبی)

۵ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی ایک اور دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ الدنیا، ادنی کا مؤنث ہے جس کا معنی قریب تر ہے۔ یہ السماء کی صفت ہے۔ وہ آسمان جو زمین کے قریب تر ہے یعنی آسمان اول۔ مصابیح، مصباح کی جمع ہے، چراغ۔ مطلب یہ ہے کہ ذرا آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھو کہ روشن اور ان گنت ستارے کیسے یوں نظر آ رہے ہیں گویا انہیں گنبد نیلوفری میں بڑے سلیقے اور مہارت سے آویزاں کر دیا گیا ہے۔ ان سے رات کے اندھیروں میں تم روشنی بھی حاصل کرتے ہو اور لق و دق صحراؤں اور بے کراں سمندروں میں سفر کرتے ہوئے ان کے ذریعہ ہی تم اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہو۔ مزید برآں ان کی وجہ سے جو حسن جو رعنائی اس کائنات کو نصیب ہے اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا تصور کرو اگر فضا میں کوئی چاند، کوئی تارا، کوئی کہکشاں رات کے وقت نظر نہ آتی تو یہ منظر کتنا ہولناک اور ڈراؤنا ہوتا۔ وہ خود جمیل ہے۔ اس کی تخلیقات کے گوشہ گوشہ میں حسن و جمال کے گلشن آباد ہیں۔ انہیں دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے تبارک اللہ احسن الخالقین۔

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝۵

اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ ف۵ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے دہکتی آگ کا عذاب ف۶

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶

اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے لیے عذاب جہنم ہے۔ اور جہنم بڑی بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِىَ تَفُوْرُ ۝۷ تَكَادُ تَمَيَّزُ

جب وہ اس میں پھینکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی ف۷ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ابھی پھٹ جائے غضب

ف۵ رجوم جمع ہے۔ اس کا واحد رجم ہے جو مصدر ہے۔ لیکن اس کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس سے مارا جاتا ہے۔ اس استعمال کے باعث اس کی جمع رجوم بنی۔ ورنہ مصدر کی جمع نہیں ہوتی۔ پہلے بتایا ہے ستارے چراغوں کی طرح روشنی پھیلاتے ہیں اور مسافروں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس جملہ میں ان کے ایک اور دوسرے فائدے کا ذکر کیا کہ ان سے شیطانوں پر بھی سنگباری کی جاتی ہے تاکہ وہ اسرار الٰہیہ کا سراغ نہ لگا سکیں۔ علمائے کرام نے صراحت کی ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہی ستارے اپنی جگہ سے اکھیڑ کر شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں بلکہ ان سے جو شہاب اور شعلے پیدا ہوتے ہیں وہ شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں لا یعنی والقاسی ... بانقضاض الشہب منہا (مظہری) علامہ قرطبی لکھتے ہیں ولا یسقط الکوکب نفسہ انما ینفصل منہ شیء یرجم بہ من غیر ان ینقص ضوءہ ولا صورتہ (قرطبی) دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ ستارے اپنی جگہ سے نہیں گرتے بلکہ ان سے ایک شعلہ سا جدا ہوتا ہے جو ان شیاطین پر پھینکا جاتا ہے۔ اس شعلہ کی جدائی سے نہ ستاروں کی روشنی کم ہوتی ہے اور نہ ان کی صورت میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ امام فخرالدین رازی نے بھی اس چیز کو وضاحت سے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

بعض علماء نے رجوما کا ایک اور مفہوم بھی ذکر کیا ہے کہ شیاطین سے مراد شیاطین الانس ہیں جو ستاروں کی حرکات و سکنات کو دیکھ کر مستقبل کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے ہیں اور غیب دانی کا دعویٰ کر کے سادہ لوح عوام بلکہ خواص کو بھی گمراہ کرتے ہیں اور رجوم سے مراد ظنون ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان ستاروں کو پیدا کیا اور نجومیوں کے لیے ظنون و گمان کا ایک سبب بنا دیا۔ الوجہ الثانی انا جعلناہا ظنونا ورجوما بالغیب لشیاطین الانس وہم الاحکامیون من المنجمین۔ (رازی) مزید تشریح کے لیے ملاحظہ فرمایئے ضیاء القرآن سورۃ الحجر آیت ۱۸ کا حاشیہ

ف۶ ہر کافر کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے خواہ وہ جن ہو یا انسان اور یا شیطان

ف۷ اب وہ منظر بیان کیا جا رہا ہے جب کفار کو دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ فرمایا اس وقت جہنم کی آگ خوب بھڑک رہی ہوگی۔ اس کے شعلے جوش مار رہے ہوں گے۔ اس سے ایک شدید ہولناک اور مکروہ شور اٹھ رہا ہوگا۔ دیکھنے والے کو یوں محسوس ہوگا گویا دوزخ کے شعلے اور دہکتے ہوئے انگارے غصہ سے بے قابو ہو رہے ہیں اور شدت غضب سے ان کا پیمانہ چھلک رہا ہے۔ آگ کا عذاب ویسے ہی ناقابل برداشت حد تک اذیت ناک ہوگا لیکن جب اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں اور جوش مارتے ہوئے انگاروں کا یہ حال ہو کہ ان سے خوفناک شور بلند ہو رہا ہو تو پھر اس کے عذاب

مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿٨﴾ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ﴿٩﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا

کے پھٹا جا رہا ہے۔ جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو اس سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں، بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو صاف صاف کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری، تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ وہ کہیں گے کاش! ہم (ان کی) نصیحت کو

کی اذیت ناکی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے اور کوئی ہے جو لپک لپک کر ان کے جگل میں پھنسنے کا منتظر ہوا ہے۔

چند الفاظ کی تشریح: الشهيق: اقبح الاصوات. قال الزجاج الزفير والشهيق من اصوات المكروبين. قال والزفير من شديد الانين وقبيحه. والشهيق الانين الشديد المرتفع جدًا. سخت بد تمیز اور گدھا آواز کو شہیق کہتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں عذاب میں مبتلا لوگوں سے جو آوازیں نکلتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ زجاج کہتے ہیں سخت قسم کی آہ و زاری کو زفیر کہتے ہیں اور جو قریبا سخت اور بہت اونچی ہو اس کو شہیق کہا جاتا ہے۔ تفور: تغلی کغليان المرجل۔ ہانڈی کی طرح ابلنا، جوش مارنا۔ تميز: اى تتشقق، پھٹ جانا، پارہ پارہ ہونا۔

۱۱ دوزخ کے محافظ فرشتے انہیں جھڑکنے کے لیے یہ سوال ان سے نہیں پوچھیں گے بلکہ اس سے مقصد ان کفار کی سرزنش اور توبیخ ہوگا۔ اس وقت وہ بد نصیب تسلیم کریں گے کہ یہ دردناک عذاب ہماری حماقت اور غلط کاریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں سمجھانے کے لیے اور گمراہی کی راہ کو چھوڑ کر ہدایت کی شاہراہ پر چلنے کے لیے پورا اہتمام فرمایا۔ انبیاء جیسے رسول مبعوث فرماتے۔ ان انبیاء و رسل نے اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر ہمیں سنایا، عظیم معجزات سے اپنی دعوت کی سچائی کو ثابت کیا، دلائل و براہین سے ہمارے شکوک و شبہات کو دور کیا لیکن صد حیف ہم اس دعوت کو قبول کرنے سے محروم رہے۔ اپنی شقاوت اور بدبختی کے باعث ہم ان کا تمسخر اڑاتے رہے۔ بڑی بے حیائی سے انہیں دو ٹوک کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی وحی نازل نہیں کی، یہ سب کچھ تم اپنے پاس سے گھڑ کر پیش کرتے ہو۔ ہم نے انہیں کہا کہ اے نبیو! تم ہمیں گمراہ کہتے ہو، ہم تو بڑے زیرک اور ذی فہم لوگ ہیں، اپنی زندگی کے لیے جو راستہ ہم نے تجویز کیا ہے وہ غلط راستہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو یہ دولت کی ریل پیل، ہمارے یہ قصور و محلات، ہمارا یہ جاہ و طمطراق، کیا ہمارے ہدایت یافتہ ہونے کے ناقابل تردید دلائل نہیں ہیں۔ گمراہ ہم نہیں، گمراہ تم ہو۔ تمہارے مقدر میں جو کچھ ہے، افلاس ہے، محرومیاں ہیں اور رسوائیاں ہیں، جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہو۔

نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝۱۰ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ

سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے ۱۳ پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے ۱۴

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝۱۱ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ

تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر ۱۵ بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ۱۶

۱۳ لیکن آج حقیقت آشکارا ہو گئی کہ گمراہ وہ نہ تھے جو اپنے رب پر ایمان رکھتے تھے خود بھی حق پر تھے اور ہمیں بھی راہ حق پر چلنے کی دعوت دیا کرتے تھے گمراہ، بدبخت اور شقی تو ہم تھے کہ جان بوجھ کر ان کا انکار کرتے رہے۔ ان کے روشن معجزات دیکھ کر بھی مدہوش بنے رہے۔ ان کے دل گداز مواعظ کو سن کر بھی حق کی طرف مائل نہ ہوئے کاش ہم ان کے ارشادات کو گوش ہوش سے سنتے اور ان کی دعوت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو آج ہماری یہ درگت نہ بنتی اور اس کربناک انجام سے دوچار نہ کر دیے جاتے۔

سمع کو عقل پر مقدم کیا تاکہ دلائل سمعیہ کی اولیت کا احساس ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ عقل بغیر دلائل سمعیہ کی تائید کے قابل اعتماد نہیں۔ نیز اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عقل سلیم نقل صحیح کے مخالف نہیں ہوا کرتی بلکہ ان میں یکسانیت ہوا کرتی ہے۔

۱۴ جہنم کے محافظوں کے اس سوال کا مقصد یہی تھا کہ وہ اپنے جرموں کا اعتراف اپنی زبان سے کر لیں تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ اللہ پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی گئی۔ انہیں بلاوجہ اس عذاب الیم میں جھونک نہیں دیا گیا۔

۱۵ مفعول مطلق ہے اس کا فعل محذوف ہے۔ ای سحقھم اللہ سحقا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت و عنایت سے دور کر دیا اور وہ راندۂ درگاہ بنا دیے گئے۔

۱۶ بدنصیبوں اور ازلی محروموں کے عبرت ناک احوال بیان ہو چکے۔ اس آیت میں سعادت مند اور خوش نصیب بندوں کا تذکرہ۔ انگیز اور حوصلہ بخش ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں ان کی ایک خاص صفت بیان کی کہ یہ لوگ اپنے رب کو دیکھے بغیر اس سے ہر حالت میں لرزہ براندام رہتے ہیں۔ مجمع عام ہو یا گوشہ خلوت، ان کا کوئی ذاتی معاملہ ہو یا اجتماعی مسئلہ، ان کا دنیاوی مفاد وابستہ ہو یا ان کی عزت و آبرو کا سوال ہو، ہر حالت میں وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ کوئی ایسا بول اپنی زبان سے نہیں نکالتے، کوئی قدم اس راہ پر نہیں اٹھاتے جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اندیشہ ہو۔ آپ سوچیے! جس بندے کے دل میں اپنے رب کا خوف اس حد تک گھر کر چکا ہو کیا وہ کسی کی عزت و آبرو، جان و مال پر دست درازی کر سکتا ہے؟ کیا جبر و ظلم کا صدور اس سے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان کی اصلاح اور تربیت کا موثر طریقہ جو قرآن کریم نے اختیار کیا ہے وہ یہی ہے کہ بندے کے دل میں اس کے خالق و مالک کی خشیت پیدا کر دی جائے۔ اس کے شعور میں یہ چراغ روشن ہو جائے تو اس کی عمل کی دنیا میں کوئی تاریک گوشہ باقی ہی نہیں رہتا جہاں وہ چھپ کر وہ کوئی گناہ کر سکے۔ وہ جانتا ہے کہ تو گناہ نہیں کر سکتا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے میں اس کا خوف پیدا کر دیں، پھر بے شک اسے آزاد چھوڑ دیں اور یقین رکھیں کہ اس کی ساری توانائیاں، اس کے سارے وسائل، اس کی جملہ صلاحیتیں خیر کو فروغ دینے اور شر کا قلع قمع کرنے کے لیے وقف ہوں گی۔ اس کے نشوونما کا حلقہ

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١٢﴾ وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ

ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے ۱۲ے اور تم اپنی بات آہستہ کہو یا بلند آواز سے (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا) بیشک

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٣﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ

وہ خوب جانتے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے ۱۳ے کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے انہیں پیدا کیا ہے ۱۴ے حالانکہ وہ

جنت وسیع ہوگا اتنا ہی لوگوں کے ایمان، مسرت، روحانی بلند پروازی کا عالم ہوگا۔ یہ وہ طاقتور جذبہ ہے جو باطل کی آندھیوں کا مقابلہ کرنے کی شکست نہ کھائے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے حبیب اور برگزیدہ بندے اور اس ساری کائنات کے محبوب آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا راس الحکمۃ مخافۃ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا خوف حکمت و دانائی کا سرچشمہ ہے۔

فلسفی بھی مشرح اور حکمت کی باریکیوں کو اخلاق کا گرویدہ بنانے اور حق کی بالادستی قائم کرے لیکن اس کی معلومات میں عقل ہی راہنما ہے اور خود محاسن اخلاق سے سرد اور حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ وہ دوسروں کی رہنمائی کیسے کر سکتا ہے۔ جو نظریات ہر لحظہ بدلتے رہتے ہیں ان میں اتنی سکت کہاں کہ انسانی اغراض اور عیش و عشرت کی ہوس کا مقابلہ کر سکیں۔ انسانی معاشرہ کی اصلاح کے لیے فقط قانون پر بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک تو قانون ساز انسان بھی غلطی کر سکتے ہیں۔ اس کو ہر وقت بدلا جا سکتا ہے۔ اس کو نافذ کرنے والے اس کے نفاذ میں غافل ہو سکتے ہیں انہیں فریب دیا جا سکتا ہے۔ انہیں مرعوب کیا جا سکتا ہے۔ اصلاح احوال کے لیے اس پر بھی اعتماد بھی کوئی عقلمندی نہیں۔ علاوہ بریں رشوت ایک سبب ہے کہ قانون کی عملداری انسانی زندگی کے ایک محدود حلقہ تک ہے۔ انسانی زندگی کے بیشتر گوشے ایسے ہیں جہاں قانون کا کوئی پاسبان قدم نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ ان میں جھانک بھی نہیں سکتا۔ اس لیے اگر آپ سچے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ انسانی معاشرہ میں نیکی کی بالادستی ہو اور برائی کا خاتمہ ہو تو اس کا یہی ایک مؤثر اور مؤثر طریقہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کیا جائے۔ ارشاد الٰہی ہے: واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی۔ (۷۹: ۴۰-۴۱) یعنی جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا جنت اس کا ٹھکانا ہوگی۔

۱۲ے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو دو انعاموں سے نوازا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر بشری کمزوری کے باعث ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اور جو نیک اعمال انہوں نے کیے ہیں ان پر انہیں اجر کبیر مرحمت فرمایا جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی کبیر کی تشریح کرتے ہیں ھو مضر بالنسبۃ الیہ کل ما یخطر بالبال من اللذۃ۔ یعنی دل میں جس لذت و سرور کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ بھی اس کے اجر کے سامنے ہیچ ہوگا۔

۱۳ے کوئی چھپ کر بات کرے یا بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سب یکساں ہیں۔ وہ سب کو جانتا ہے۔ بلکہ تمہارے دل کے نہاں خانہ میں جو خیالات و افکار ابھی پنہاں ہیں ان سے بھی وہ آگاہ ہے۔ اہل ایمان اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور کفار اسے تسلیم کرنے سے گریزاں ہیں۔

۱۴ے اس آیت سے کفار کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کارستانیوں پر مطلع نہیں۔ فرمایا کائنات کی ہر چیز کا جب وہ خالق ہے، ہر چیز کی سب حالات، مختلف صلاحیتیں، خاصیتیں اور استعداد اسی نے ودیعت کی ہیں تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ اسے خبر

الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا

مرحمت ہے، باخبر ہے۔ وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لیے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر

وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾ أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن

اور کھاؤ اس کے (دیئے ہوئے) رزق سے ۲۹ اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے ۳۰ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ

بھلا وہ جو کچھ کیا کر رہا ہے اس کی وہ جانی قوتوں سے کس طرح کام لے رہا ہے یہ بڑے اچنبے کی بات ہے۔ عقل سلیم اس کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ پس جو (خدا) کہ وہ اللطیف ہے باریک سے باریک بات کو بھی وہ جانتا ہے۔ وہ الخبیر ہے، ہر چیز سے وہ باخبر ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ جس کی یہ شان ہو اور ایسی صفات ہوں، وہ اپنی مخلوق کے احوال سے کیونکر بے خبر ہو سکتا ہے۔

۲۹ فرمانبردار اونٹنی جس پر آسانی اور سہولت سے سواری کی جا سکے، عرب اسے ناقۃ ذلول کہتے ہیں۔ اس آیت میں ذلول کو زمین کی صفت ذکر کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس طرح بنایا ہے کہ انسان اس پر آسانی اور سہولت کے ساتھ چل سکتا ہے۔ وہ ساری سخت پتھریلی ہے اور نہ دلدل ہے کہ اس پر چلنا دشوار ہو جائے۔ اس خالق کریم نے ان گنت مصلحتوں کے باعث زمین پر جگہ جگہ پہاڑوں کے لمبے لمبے سلسلے کھڑے کر دیئے ہیں۔ ان کو بھی ناقابل عبور نہیں رہنے دیا۔ مناسب مقامات پر ایسے درے بنا دیئے ہیں جہاں سے انسانوں کے قافلے اور مویشیوں کے گلے آسانی سے گزر سکتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس رب کریم نے ہر جگہ تمہارے رزق کا سامان بھی مہیا کر دیا ہے۔ جہاں سے گزرو گے اس کے لطف و کرم کا وسیع دسترخوان بچھا ہوا پاؤ گے جس سے تمہیں کھانے کی جنس بھی وافر مقدار میں مہیا ہوگی۔ بتاؤ تم اس کی کس کس نعمت کا شکر ادا کر سکتے ہو۔ اگر ساری زمین دلدل ہوتی تو کیا تم اس پر بآسانی گزر سکتے۔ اگر اس کے لمبے چوڑے دشت و صحرا سے گزرگاہیں نہ بنائی ہوتیں اور تمہیں ان کی برف پوش چوٹیوں کو عبور کر کے آنا جانا پڑتا تو تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا۔ میدانوں میں دریا بہہ رہے ہیں۔ نشیبی علاقوں میں بھی پانی کے زیر زمین ذخائر موجود ہیں۔ جب بلند پہاڑوں پر تم جاؤ گے تو وہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے چشمے تمہاری تشنہ لبی کا مداوا کرنے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ اگر وہاں تمہیں کنواں کھود کر پانی نکالنا پڑتا تو تمہیں دن کو تارے نظر آنے لگتے۔ الغرض اس کے لطف و کرم کے بغیر تم جادۂ زیست پر ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتے۔ کیوں جاہل بنتے ہو اور اس کی وحدانیت کا انکار کرتے ہو۔ ذَلُول: سہل۔ مناکب، منکب کی جمع ہے۔ منکب کندھے کو کہتے ہیں۔ یہاں پہاڑوں کے وہ کنارے مراد ہیں جہاں قدرتی رستے بنے ہوتے ہیں۔

۳۰ یاد رکھو یہ دنیا اور اس کا مال و متاع سب فانی ہے۔ ایک روز تم کو ختم ہونا ہے اور یقیناً آئے گا جب تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیے جاؤ گے اور تم سے حساب لیا جائے گا کیا تم نے اس روز کے لیے کچھ تیاری کر لی ہے۔

يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿۱۶﴾ أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ

وہ تمہیں زمین میں غرق کردے ۲۱ اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے

أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ

کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے۔ اور بے شک

۲۱۔ پہلے اپنے الطاف و احسانات کا ذکر کر کے انہیں راہ ہدایت کی طرف راغب کیا گیا۔ اب انہیں ان کی ضلال سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے۔ یعنی تم جو اس جرأت و دلیری سے کفر و شرک پر اڑے ہوئے ہو، بڑی بے باکی اور بے حیائی سے فسق و فجور کا بازار گرم کیے ہوئے ہو، تمہیں کبھی یہ خوف نہیں آیا کہ آسمانوں کا مالک اگر تمہارے کرتوتوں کے باعث ناراض ہو گیا اور اس نے تمہیں زمین میں دھنسا دیا تو پھر تمہارا کیا حال ہوگا۔ زمین تھر تھر کانپ رہی ہوگی، تم زمین کی گہرائیوں میں دھنسے چلے جا رہے ہو گے۔ ہوش میں آؤ، آنکھیں کھولو اور اس سے قبل کہ تمہاری بربادی کے حتمی احکام صادر ہو جائیں، گناہوں کی تلافی کر لو۔ تمہیں کیا خبر کہ وہ کون سا مشکل کام ہے۔ اگر تیز جھکڑ چلنے لگیں اور پتھر اور سنگریزے آ آ کر تم پر برسنے لگیں تو تمہارا آشیانہ کس طرح بچے گا۔ تمہارا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ یہ کتنی تمہاری اوقات ہے اور وہ رب کریم جو مالک الملک، بیدہ الملک وهو على كل شيء قدير کی شان والا ہے، کی نافرمانی اور حکم عدولی کرتے ہو۔ تم نے غور و فکر کے سارے دیے کیوں بجھا دیے ہیں۔

تَمُورُ۔ مَار، يَمُورُ، مَوْرًا۔ زمین کا ہچکولے کھانا اور تھر تھرانا۔ یہاں کہیں زلزلہ آیا ہو وہاں کے لوگوں سے پوچھو کہ جب بھونچال آتا ہے تو زمین، اونچے پہاڑ اور بلند عمارتیں کس طرح لرزتی اور کانپتی ہیں۔ حاصب، ريح شديدة تحمل التراب والحصباء، یعنی ایسی تند ہوا جو گرد و غبار اور سنگریزوں کو اپنے ساتھ اڑا لے جاتی ہے۔

ان دو آیتوں میں مَنْ فِي السَّمَاءِ کے کلمات مذکور ہیں جن کا لفظی معنی یہ ہے کہ جو آسمان میں ہے۔ کیا ان آیات سے کوئی استدلال کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں مقیم ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر ان کلمات کا مفہوم کیا ہوگا۔ گزارش ہے کہ یہ آیتیں متشابہات میں سے ہیں، یعنی ان کے الفاظ کا ظاہری معنی مراد نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے مقیم ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ آسمانوں کو اس نے پیدا کیا ہے۔ یہ سب حادث ہیں۔ جب یہ نہیں تھے تو وہ کہاں تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ مکان و مکانیات سے منزہ ہے۔ وہ کسی ایک جگہ یا ایک جہت میں قیام پذیر نہیں، بلکہ وہ تو ہر جگہ ہے۔ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ۔ جدھر بھی تم رخ کرو گے وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہوگی ۔ اس لیے ایسی آیات کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔

① ایک اسلاف کرام کا ② دوسرا متاخرین کا۔ متاخرین ایسی آیات کی تاویل کرتے ہیں۔ ان کا ایسا محمل بیان کرتے ہیں جو آیاتِ محکمات سے بھی موافقت رکھتا ہو اور شانِ خداوندی کے بھی شایانِ شان ہو۔ لیکن اسلاف ان کی تاویل نہیں کرتے۔ الفاظ کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں لیکن اس کے مفہوم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ متاخرین کے نزدیک مَنْ فِي السَّمَاءِ کی یہ تاویل ہوگی کہ وہ فرشتے جنہیں احکام تکوینی کی تنفیذ کا کام سپرد کیا گیا ہے وہ آسمانوں میں ہیں۔ مَنْ فِي السَّمَاءِ سے مراد یہ فرشتے ہیں۔ دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ قضاء و قدر و احکام

كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿١٨﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ

لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا تو دیکھو لو کہ ان کا انجام، میرا غضب کتنا سخت تھا ۲۲ کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا اڑتے

الٰہی کا مخزن آسمانوں میں ہے۔ لیکن سلف صالحین ایسی تاویلیں نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں مَنْ فِی السَّمَآءِ کا معنی ہے کہ جو آسمان میں ہے اور اس سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن وہ آسمان میں کس طرح ہے؟ جس طرح کوئی مکان میں یا مظروف ظرف میں، وہ کہتے ہیں ہم اس کا تعین نہیں کر سکتے۔ وہ ہے آسمان میں لیکن اس طرح ہے جس طرح اس کی شان تنزیہ کے شایان ہے۔ اہل تحقیق نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ نیز یہ بھی ایک فطری بات ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ سے مقصود دعا کرتے ہیں، فریاد کرتے ہیں، اس سے کوئی سوال کرتے ہیں تو بے ساختہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ زمین کی طرف نہیں جاتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ذات عظمت، بلندی اور کبریائی سے موصوف ہے۔ اس کے ذکر کے وقت آسمان کی طرف آنکھوں کا اٹھ جانا ایک فطری امر ہے۔ شاید اسی لیے مَنْ فِی السَّمَآءِ فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ورسولہ الکریم اعلم بالصواب۔

ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حبشن لونڈی لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ پر ایک مومن غلام آزاد کرنا واجب ہو گیا ہے۔ کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر کے بری الذمہ ہو سکتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لونڈی سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے تو اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ حضور نے پھر پوچھا اور میں کون ہوں۔ اس نے پہلے حضور کی طرف اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا اسے آزاد کر دو۔ یہ مومنہ ہے۔

۲۲ یعنی تم پہلے لوگ نہیں ہو جنہوں نے کفر و شرک اختیار کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کو اپنا شعار بنا لیا ہو۔ تا کہ تمہارے انجام کے بارے میں شک و شبہ کی گنجائش ہو کہ یہ ایک نئی جماعت ظہور پذیر ہوئی ہے جن کے انداز بڑے نرالے ہیں۔ دیکھیے ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ یہاں تم ہی نہیں بلکہ تمہارے جیسے بہت پہلے بھی گزرے ہیں اور ماضی بعید کے ظالموں کے عظیم انجام سے دوچار ہو چکے ہیں۔ تم بابل و نینوا کے شکستہ کھنڈروں سے پوچھو کہ تمہارے بسانے والوں پر کیا بیتی؟ تم ثمود و عاد و مدین سے برباد ہونے والی قوموں کی دیواروں سے پوچھو کہ تمہارے مکینوں پر کیا افتاد پڑی؟ اتنی عظیم ثقافت اور اتنے اعلیٰ تمدن کے باوجود انہیں لوح ہستی سے حرف غلط کی طرح کیوں مٹا دیا گیا۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ ہمارے بسانے والوں نے اپنے خالق حقیقی سے منہ موڑ لیا تھا، انہوں نے حق کا دامن چھوڑ دیا تھا، ظلم و طغیان اور فسق و فجور کو انہوں نے اختیار کر لیا تھا۔ خدا کا غضب ان پر نازل ہوا اور وہ نیست و نابود کر دیے گئے۔

برباد شدہ قوموں کی ان زہرہ گداز داستانوں میں اگر عبرت کا پہلو تمہیں نظر آتا ہے تو عبرت حاصل کرو، یوں نہ ہو کہ تمہیں بھی ہم سرکشیوں اور نافرمانیوں کی پاداش میں تہس نہس کر دیا جائے۔ کیف مصدر ہے، اصل میں کیف نکیری اور کیف نکیر اصل میں کیف نکیری تھا۔

فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۘؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ

کبھی پروں کو پھیلائے ہوئے ہیں اور کبھی پر سمیٹ لیتے ہیں نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمٰن کے ۲۳ بیشک وہ ہر چیز کو خوب

بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ

دیکھنے والا ہے ۲۴ (اے منکرو!) کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خدائے) رحمٰن کے

الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ يَرْزُقُكُمْ

علاوہ ۲۵ بے شک منکرین دھوکا میں مبتلا ہیں۔ کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں روزی پہنچا سکے

اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ يَّمْشِیْ مُكِبًّا

اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے ۲۶ لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں ۲۷ کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا

۲۳ اب اپنی قدرت کی ایک ایسی نشانی کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے جس کا مشاہدہ ہر شخص دن میں کئی بار کرتا ہے۔ پرندے ہوا میں اڑ رہے ہوتے ہیں۔ اثنائے پرواز وہ کبھی اپنے پروں کو پھیلا دیتے ہیں اور کبھی ان کو سکیڑ لیتے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ اس پرندہ کو اڑنے کے لیے یہ بازو اور پر کس نے دیے ہیں اور اس کو اڑنے کا ڈھنگ کس نے سکھایا ہے۔ ہوا میں اگر ایک چھٹانک وزنی روڑا پھینکا جائے تو وہ چشم زدن میں نیچے گر پڑتا ہے۔ اس ہوا میں یہ صلاحیت کس نے پیدا کی ہے کہ کئی سیر وزنی پرندہ اس میں بے دریغ محو پرواز رہتا ہے اور گرتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کون ہے جس نے یہ سارے انتظامات کر دیے ہیں۔ انسان کے لیے زمین کو مسخر کر دیا اور پرندوں کے لیے ہوا کو مسخر بنا دیا۔ صٰفّٰت۔ یا بسطات اجنحتھن فی الجو عند طیرانھا یعنی اُڑتے وقت فضا میں پرندوں کا اپنے پروں کو پھیلا دینا۔ یقبضن: یضممنھا الی جنوبھن یعنی اپنے پروں کو پہلوؤں کے ساتھ سکیڑ لینا۔

۲۴ وہ صرف پرندوں کی دیکھ بھال نہیں کرتا، کائنات کی ہر چیز اس کی نگاہوں میں ہے اور وہ ان کی نگہبانی کر رہا ہے۔

۲۵ یعنی وہ لوگ جو نافرمانی کی راہ پر گامزن ہیں کیا ان کے پاس کوئی ایسی فوج ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہو تو وہ ان کی مدد کو پہنچ سکے اور آگے بڑھ کر انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا سکے۔ ہرگز نہیں۔ یہ کفار تو شیطان کے دام فریب میں پھنس چکے ہیں۔ اتنی کھلی بات بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ دنیا میں ایسی کوئی طاقت نہیں جو انہیں عذاب الٰہی سے بچا سکے۔

۲۶ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اپنے رزق کے وسائل ان پر بند کر دے تو انہیں ایک دانہ بھی دستیاب نہ ہو اور بھوک سے بلک بلک کر لقمۂ اجل بن جائیں۔ لیکن ایسی بے بسی اور بے کسی کے باوجود یہ لوگ اپنی سرکشی اور حق سے گریز کرنے میں حد سے بڑھ چکے ہیں۔

۲۷ مشکل الفاظ کی تشریح: عُتُوّ: طغیان یعنی سرکشی۔ نفور: من الحق حق سے نفرت، بیزاری۔ لَجُّوْا: تمادوا واستمروا کسی چیز پر اڑ جانا۔

عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٢٢

چلا جا رہا ہے وہ زیادہ راہ راست پر ہے یا وہ جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے ٢٨

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ

آپ فرمائیے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے ٢٩

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝٢٣ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ

(لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو ٣٠ آپ فرمائیے اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے ٣١ زمین میں اور روزِ حشر

کسی چیز سے چوٹ جاتا۔

٢٨ کافر کی حالت کو ایک ایسے شخص سے تشبیہ دی جا رہی ہے جو سر اوندھا کیے کسی راستہ پر چل رہا ہے۔ نہ دائیں دیکھتا ہے اور نہ بائیں اور نہ سامنے اس کی نظر پڑتی ہے۔ کسی وقت بھی وہ شخص کسی چیز سے ٹکرا کر اپنا حلیہ بگاڑ سکتا ہے۔ دائیں بائیں کسی گڑھے میں گر کر اپنی ہڈی پسلی توڑ سکتا ہے۔ ایسے شخص کا منزل مقصود تک پہنچنا بعید از امکان ہے۔ اور مومن کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو سیدھا کھڑا ہو کر سر اٹھائے چل رہا ہے۔ دور دور تک آگے بھی اسے صاف نظر آ رہا ہے اور دائیں بائیں بھی وہ دیکھ رہا ہے۔ ایسا شخص جب چلتا ہے تو راستہ کو دیکھ کر چلتا ہے۔ راہ میں کوئی گڑھا ہو، کوئی درخت ہو، کوئی اور چیز حائل ہو تو وہ اس سے بچ کر نکل سکتا ہے۔ دائیں بائیں سے اگر اس پر کوئی حملہ بول دے تو وہ اس سے اپنا بچاؤ کر سکتا ہے۔ ایسے شخص کا اپنی منزل پر پہنچنا یقینی ہے۔ اب تم خود فیصلہ کرو کہ صحیح راہ پر کون گامزن ہے۔ کتنی پیاری، واضح اور بلیغ مثال ہے۔

٢٩ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اسی طرح انسان کی تخلیق بھی اسی نے کی ہے۔ لیکن اسے چند مزید صلاحیتیں ارزانی فرمائی ہیں جو اور کسی کو نہیں بخشی گئیں۔ اسے ایسے کان دیئے ہیں جن سے وہ دعوت حق کو سن سکتا ہے۔ اسے ایسی آنکھیں بخشی ہیں جن سے وہ جلوۂ حق کو دیکھ سکتا ہے۔ مزید برآں اسے ایسا دل عطا فرمایا ہے جو ان دلائل و بینات میں غور و تدبر کر سکتا ہے اور حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ پھر اسے اختیار ہے کہ اپنی مرضی سے حق کو قبول کرے اور باطل کو مسترد کر دے۔ جس مخلوق کو ایسی صلاحیتیں بخشی گئی ہوں وہ اگر انہیں ایسے مسائل کے سمجھنے میں استعمال نہ کرے جن پر اس کی ابدی فلاح کا انحصار ہے تو بڑے ہی افسوس کی بات ہے۔

٣٠ یعنی بہت کم ایسے انسان ہیں جو ان نعمتوں کو صحیح طور پر استعمال کر کے شکر گزاری کا حق ادا کرتے ہیں۔

٣١ ذرء کے دو معنی ہیں، پیدا کرنا اور پھیلا دینا۔ دونوں درست ہیں۔

اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ہٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾

تم اسی کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔ (کفار ازراہِ مذاق) پوچھتے ہیں کہ (بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو ٣٢

قُلۡ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰہِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوۡہُ

آپ فرمائیے (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ میں تو محض واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں ٣٣ پھر جس وقت اسے قریب

زُلۡفَۃً سِیۡٓـَٔتۡ وُجُوۡہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ قِیۡلَ ہٰذَا الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ

آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا تم بار بار

بِہٖ تَدَّعُوۡنَ ﴿۲۷﴾ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَہۡلَکَنِیَ اللّٰہُ وَ مَنۡ مَّعِیَ اَوۡ

مطالبہ کرتے تھے ٣٤ آپ فرمائیے (ذرا) بتاؤ تو (اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں کو ہلاک کر دے یا

٣٢ کفار بار بار پوچھتے تھے کہ بتاؤ قیامت کب برپا ہوگی؟ لیکن ان کے پوچھنے کا مقصد یہ نہ تھا کہ اگر انہیں پتہ چل جائے کہ قیامت کس سال، کس تاریخ کو کتنے بجے قائم ہونے والی ہے تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ اب تک جو وہ قیامت پر ایمان لانے سے گریز کر رہے ہیں اس کی محض یہ وجہ ہے کہ انہیں سال اور تاریخ نہیں بتائی گئی۔ ان کی یہ غرض نہ تھی بلکہ محض استہزاء و تمسخر کے لیے وہ یہ سوال کیا کرتے تھے کہ صدیاں گزر گئیں، جو ہونا تھا ہو گیا، وہ اپنی قوم کو قیامت سے ڈراتا رہا، ابھی تک وہ آئی نہیں اور اگر آپ بھی اس کے لیے کوئی حتمی تاریخ مقرر نہیں کر سکتے تو ہم یہ باور کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہ محض گپ ہے، کھوکھلی دھمکی ہے جو سادہ لوح عوام کا استحصال کرنے کے لیے مذہبی لیڈر ہر زمانہ میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ اگر قیامت کو آنا ہوتا تو وہ کب کی آ چکی ہوتی۔ اگر اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو آپ ہمیں اس کی معین تاریخ بتا دیتے۔ اس قسم کے خیالات محض ان کی حماقت کا اظہار تھا۔ جس واقعہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، جب تک وہ گھڑی نہ آجائے قیامت کیسے برپا ہو سکتی ہے۔

٣٣ اس کا علم اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ مجھے تو اس لیے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے کہ میں تمہیں قبل از وقت خبردار کر دوں تاکہ تم توبہ کر لو اور قیامت کے دن رسوائی کے عذاب سے اور آتشِ جہنم سے بچ جاؤ۔ علم قیامت کے بارے میں مشورہ و مقالات ایک گزر چکی ہے۔

٣٤ آج تو تم قیامت کے لیے جلدی مچا رہے ہو جب وہ برپا ہو گی تو تمہاری حالت دیدنی ہوگی۔ مارے خوف کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ رخساروں کی سرخی غائب ہو جائے گی، ہونٹ لٹکنے لگیں گے، زبان باہر نکل آئے گی، آنکھیں اندر دھنسی جا رہی ہوں گی، حواس باختہ ہو گے، وہاں آوازیں گونجیں گی۔ اس وقت تمہارے پاس اتنی ہوش کب ہو گی کہ تم اس پر ایمان لا سکو، اگر ایمان لے بھی آئے تو اس وقت کا ایمان بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں ہوگا۔ اس وقت تمہیں کہا جائے گا یہ ہے وہ قیامت آگئی جس کا تم بڑی شدت اور اصرار سے مطالبہ کیا کرتے تھے۔

رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۸ قُلْ هُوَ

ہم پر رحم فرمائے تو کون بچائے گا کافروں کو دردناک عذاب سے ۲۸ فرمائیے وہ (ہمارا خدا)

الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ

بڑا ہی مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہوا ہے۔ پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کھلی

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ

گمراہی میں کون ہے ۲۹ آپ پوچھیے اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں

يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝۳۰

میٹھا صاف پانی کون لا دے گا؟ ۳۰

۲۸ یعنی ہمارے ساتھ تو جو ہو گی تم اس کی فکر نہ کرو تم اپنی خیر مناؤ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تم ایمان نہیں رکھتے۔ جب اس نے تمہیں پکڑ لیا تو تمہیں کون آکر نجات دے گا۔ تمہارا سارا وقت ہم پر زبان طعن دراز کرتے ہیں گزر جاتا ہے۔ شب و روز تم ہم پر تنقید کے تیر برساتے رہتے ہو کبھی اپنے گریبان میں بھی جھانک لیا کرو اور اپنے انجام کے بارے میں بھی سوچ لیا کرو۔

۲۹ ہم تو اپنے پروردگار پر جو رحمن ہے صدق دل سے ایمان لے آئے ہیں۔ اسی پر ہمارا بھروسہ ہے کہ اس دنیا میں بھی وہ ہمیں کامیاب و کامران فرمائے گا۔ دین کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجنے لگے گا اور آخرت میں اپنی رحمت اور رافت سے نوازے گا۔ تم بتاؤ جن کا رحمن اور رحیم خدا پر نہ ایمان ہے نہ اس پر بھروسہ۔ تمہارا انجام کیا ہو گا۔ تمہارے یہ بے جان بت تمہارے کیا کام آئیں گے۔ اب تم ہی فیصلہ کرو کہ گمراہ کون ہے۔ خداوند قدوس پر ایمان لانے والے یا اس کا انکار کر کے بتوں کو خدا بنانے والے۔ اس قادر و توانا پر توکل کرنے والے یا ان بے بس و ناتواں پر تکیہ رکھنے والے۔

۳۰ غور بمعنی غائر۔ یعنی پانی کا زمین میں اتنا گہرا چلا جانا کہ ڈول بھی وہاں نہ پہنچ سکیں۔ ان دنوں [illegible] پانی کی دستیابی سارے حجاز میں قلت تھی، دو تین چشمے تھے یا بارش کا پانی کہیں کہیں حوضوں میں اکٹھا کر لیا جاتا تھا۔ انہی پر ان کی گزر اوقات ہوتی تھی۔ اگر بارش کچھ عرصہ نہ ہوتی اور وہ حوض خشک ہو جاتے تو ان کی جان پر بن آتی۔ آخری آیت میں ان کی زندگی کی رگ کو چھیڑا گیا ہے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ جن کو تم اپنا معبود اور خدا سمجھ رہے ہو کیا ان میں اتنی طاقت ہے کہ اگر تمہارے یہ دو چار چشمے خشک ہو جائیں یا ان کا پانی زمین میں جذب ہو جائے تو وہ ان کو از سر نو جاری کر سکیں۔ اگر ان میں یہ طاقت نہیں اور تمہیں بھی تسلیم ہے کہ نہیں تو پھر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس ذات اقدس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں زندگی بخشی اور تمہیں زندہ رہنے کے لیے بن مانگے ساری ضروریات مہیا کیں؟

پانی؟ جس کے بغیر تم اور تمہارے سارے مویشی زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس کو تمہارے لیے فراہم فرمایا ایسے کریم و حکیم اور رحیم پروردگار پر تم ایمان نہیں لاتے۔ اس کے حضور میں تم سر نہیں جھکاتے اور ان پتھر کے بے جان بت اور بے اختیار بتوں سے جو ہر وقت چپکے رہتے ہو۔ کبھی ان کو سجدہ کرتے ہو، کبھی ان کا طواف کرتے ہو، اشرف المخلوقات انسان ہو کر تمہاری یہ حرکتیں بڑی افسوسناک ہیں۔

یاد رکھو! کہ پانی کے یہ چشمے جو رحمان نے جاری کیے ہیں جو سیرابی کا سبب ہے۔ اسی نے بارش برسا کر تمہارے حوضوں کو پانی سے لبریز کر دیا ہے۔ اگر یہ حوض خشک ہو جائیں یا ان چشموں کا پانی زمین میں غائب ہو جائے تو [illegible] صرف اسی کی یہ قدرت ہے کہ وہ چشم زدن میں ان چشموں کو از سر نو جاری کر دے جن سے نہریں اور ندیاں بکثرت بہنے لگیں۔

بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب یہ آیت پڑھے تو دل میں کہے الله رب العلمين، تاکہ سوال کا صحیح جواب آ جائے۔

○

الحمد لله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير۔

والصلوة والسلام على حبيبه المصطفى ورسوله المرتضى سيد الخلق محمد المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله واصحابه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين۔

فاطر السموات والارض انت وليي في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورہ القلم

نام : یہ سورت دو ناموں سے زیادہ مشہور ہے۔ سورۃ "ن" اور "القلم"۔ یہ دو رکوعوں، باون آیتوں، تین سو کلمات اور ایک ہزار دو سو چھپن حروف پر مشتمل ہے۔

نزول : باتفاق علماء اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہُوا۔

مضامین : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و ارشاد کا سلسلہ بڑی گرمجوشی سے شروع کر دیا ہے۔ قرآن کریم کی جو سورتیں یا آیات نازل ہوتی ہیں حضور اپنے کیف آگیں لہجہ میں اُس کی تلاوت کرتے ہیں اور لوگوں کو سناتے ہیں۔ ان کا احکام الٰہیہ کی خود بھی پابندی فرماتے ہیں اور دامن رحمت سے جو وابستہ ہو جاتا ہے وہ بھی سرخوشی سے ان پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ سارا مکہ بھڑک اٹھتا ہے۔ ظلم و ستم کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اللہ کے بندے اپنے اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر بڑی جوانمردی سے گامزن ہیں۔ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس والہانہ جوش و خروش کو دیکھ کر تصویر حیرت بن جاتے ہیں اور آخر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔ اس کا دماغ ناکارہ ہو گیا ہے۔ سود و زیاں میں تمیز کی صلاحیت باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ قسم اٹھا کر کفار کے ان الزامات کی تردید کرتے ہیں کہ میرا محبوب دیوانہ نہیں ہے بلکہ اخلاق عالیہ کی ان رفعتوں پر فائز ہے جہاں کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی جس کا کردار اتنا بلند ہو، جس کی سیرت اتنی سہانی، دماغ اور جس کے اعمال سراپا نور ہوں بھلا اس کو مجنون کہنا کس طرح روا ہے؟

اس کے بعد فرمایا کہ اے حبیب وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ اُن کے ساتھ مداہنت سے کام لیں اور مصالحت کا رویہ اختیار کریں تو وہ بھی آپ کے ساتھ سختی کا سلوک ترک کر دیں لیکن آپ کا یہ شیوہ ہی نہیں۔ وہ لوگ جو اپنے معاشرہ کے رؤسا ہیں اپنے شرکیہ عقائد کے سرغنے ہیں۔ ذرا اُن کے اعمال پر تو نظر ڈالو ہر قسم کی اخلاقی برائیوں کے وہاں ڈھیر لگے ہوئے ہیں نیکی کی کوئی کرن بھی تو وہاں نظر نہیں آتی تیرے جیسا مرقع دلبری و زیبائی بھلا اُن کی پیروی کیسے کر سکتا ہے۔ جس دولت و ثروت اور جاہ و منصب پر یہ اتراتے ہیں تیرے رب کی جناب میں تو اُس کی کوئی وقعت نہیں۔

پھر مادہ پرستانہ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی ایسی صحیح تصویر کھینچ کر رکھ دی کہ جسے دیکھ کر طبیعت میں ایسی ذہنیت سے خود بخود نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو شخص دولت کی فراوانی کے باوجود کسی غریب کو ایک حبہ تک دینے سے گریزاں ہو اُس سے گرا انسان اور کون ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ متقی لوگوں کے لیے جنت ہے اور ان کے ساتھ جو معاملہ

کیا جائیگا وہ اس سے بالکل الگ ہوگا جو معاملہ مجرموں کے ساتھ روا رکھا جائے گا۔ تو اب غفلت میں بے سدھ پڑے رہنے والوں کو بتا دیا کہ اب وقت ہے جبین نیاز اپنے پروردگار کے حضور جھکا لو ورنہ قیامت کے دن تم جا ہو گے کہ سجدہ کرسکو لیکن ہزار کوشش کے باوجود تم ایسا نہیں کرسکو گے۔ تمہاری پشت اور گردن اکڑ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ آخر میں اپنے حبیب کو تسلی دے رہا ہے کہ یہ سرکش ہمیشہ دندناتے نہ پھریں گے۔ ہم انہیں یوں بربادی کے گڑھے میں دھکیل دیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔

آخر میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین فرمادی گئی۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۷-۲-۱۹۹۰

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَخَمْسُوْنَ آيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ القلم مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس کی ۵۲ آیتیں اور دو رکوع ہیں

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿١﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿٢﴾

نٓ، قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں ۱ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں ۲

۱ نٓ، حروف مقطعات میں سے ہے۔ ان کے بارے میں تحقیق پہلے گزر چکی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کے درمیان راز ہیں اور اولیائے کاملین کو ان کا علم بطریق وراثت رسالت سے ارزانی ہوتا ہے۔

یہاں ایک اور توجیہ بھی قابل غور ہے جو سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے۔ وہ اپنی کتاب التعریفات میں لکھتے ہیں: النون هو العلم الاجمالي يريد به الدواة فان الحروف التي هي صور العلم موجودة في مدادها اجمالا وفي قوله ن والقلم هو العلم الاجمالي في الحضرة الاحدية والقلم حضرة التفصيل۔

النون سے مراد دوات ہے جو علم اجمالی سے عبارت ہے کیونکہ حروف جو علم کی صورتیں ہیں، بالاجمال اس میں موجود ہیں اور ن والقلم میں نون سے مراد علم اجمالی ہے جو حضرت احدیت میں ہے اور القلم تفصیل کا مرتبہ ہے۔ واؤ، قسم کے لیے ہے۔ القلم سے بعض حضرات نے وہ قلم مراد لیا ہے جس نے ازل سے ابد تک تقدیر عالم کو لوح محفوظ میں تحریر کیا جس کی حقیقت سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ قلم سے مراد جنس قلم ہے اور اسی کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ علوم و فنون، نظریات و افکار کی تعلیم اور اشاعت میں بے شک زبان کی قوت بیان کا بڑا حصہ ہے لیکن اس کی افادیت زمان و مکان کی حد بندیوں میں محصور ہے۔ قلم ایک ایسا آلہ ہے جو زمان و مکان کی مسافتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ گزشتہ صدیوں کے علوم و فنون سے حال و مستقبل کو روشن کرتا ہے اور دور دراز علاقوں میں بسنے والے اولوالعزم کاملوں کے افکار و نظریات کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچاتا ہے۔

قرآن حکیم جو علم و حکمت کی برتری کا علمبردار ہے جس نے آدم خاکی کی عظمت کا اساس اس بات کو قرار دیا ہے کہ اس کا سینہ علوم و فنون کا گنجینہ تھا کوئی مخلوق حتیٰ کہ نوری فرشتے بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اس لیے قرآن کریم نے قلم کو جو علم کی نشر و اشاعت کا موثر ترین اور بے مثال ذریعہ ہے اس کی جلالت شان کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی قسم کھائی تاکہ اس قرآن کریم کے ماننے والے قیامت تک حکمت و دانش کے کمالات کی بلندیاں کبھی نہ بھولیں۔ اس کے حصول کے لیے ہر دم جد و جہد کرتے رہیں اور دنیا کے گوشہ گوشہ کو اس کی روشنی سے منور کرنے کے لیے اپنی ہر امکانی کوشش کرتے رہیں۔ صرف قلم کی قسم کھا کر اس کی عزت افزائی نہیں کی گئی بلکہ وما یسطرون فرما کر علم کے ان علمبرداروں کی بھی قسم کھائی گئی ہے جو قلم سے صفحۂ قرطاس پر گل بوٹے کھلاتے ہیں۔ اس طرح ان کی شان کو بھی دوبالا کر دیا۔

۲ یہ جواب قسم ہے۔ کفار و مشرکین حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جنون کا بہتان لگاتے تھے۔ ان کے اس جھوٹے الزام کی تردید فرمائی جا رہی ہے اور قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا، قسم ہے قلم اور ما یسطرون کی۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس ذات پاک کے بارے میں یہ لوگ ایسی افترا پردازی کرتے ہیں وہ تو ایسی شان والا ہے کہ قلم کو اس کی تعریف و ثنا سے فرصت نہ ملے گی۔ وہاں تحریریں بھی لکھی جائیں گی

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴

اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا ۳ اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں ۴

لیے باعث عزو افتخار ہوں گی جن میں اس محبوب دلربا کا ذکر پاک ہوگا۔ اس پر اس کے سبب نے فضل و کرم فرمایا ہے۔ اس کے رخ زیبا کو دیکھ کر آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ اس کی حکمت بھری باتیں سن کر دلوں کے ویرانے بہار آجاتی ہے۔ بدبخت اس کی صحبت میں چل جا بیٹھیں تو انہیں ابدی سعادت کا تاج پہنا دیا جاتا ہے۔ اس کے نام مبارک پر جو لوگ اپنا سر کٹا دیتے ہیں انہیں حیات سرمدی سے سرفراز کر کے شہادت کے منصب عالیہ پر فائز کیا جاتا ہے۔ ہر سچائی جو صداقت کے لیے اس کا قول و فعل شاہد عادل تسلیم کیا جاتا ہے۔ خود سوچو جس کا خلق عظیم ہو جس کا علم بیکراں ہو جس کا نقش حکمت سدا بہار ہو جس کی برکات بے شمار اور خوبیاں ان گنت ہوں جس کی فصاحت و بلاغت کا دنیا بھر میں کوئی جواب نہ ہو کیا اس کو مجنون کہنا والا ہے۔ جو اس سراپا خوبی و زیبائی و دلبری کو مجنون کہتا ہے اس سے بڑا دیوانہ اس سے بڑا پاگل کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت علامہ عارف ربانی اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا ایک دوسرا مفہوم ذکر کرتے ہیں۔

وفی التاویلات النجمیۃ ما انت بنعمۃ ربک مستور عما کان من الازل وما سیکون الی الابد لان الجن هو الستر ما مستحی الجن جنًا الا لاستتاره من الانس بل انت عالم بالکائن وبما سیکون ویدل علی لعلماً علمہ بقولہ علیہ السلام فوضع کفہ علی کتفی فوجدت بردہ بین ثدیی وعلمت ما کان وما سیکون

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مجنون کا معنی مستور ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے اے حبیب! اللہ تعالیٰ کی نعمت سے آپ پر جو ازل میں ہو چکا یا ابد تک ہونے والا ہے وہ مستور و پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ مجنون جن سے ہے اور اس کا معنی پوشیدہ ہے اور جن کو جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں کی آنکھوں سے چھپا رہتا ہے۔ بلکہ آپ جو کچھ ہو چکا اس سے بھی واقف ہیں اور جو ہوگا اس سے بھی باخبر ہیں اور حضور کے اس علم کامل پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا، میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں پایا۔ پس میں نے ماکان و مایکون کو جان لیا

یہاں حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جو امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کی سند کے بارے میں لکھا ہے حسن صحیح فسألت محمد بن اسماعیل البخاری عن هذا الحدیث فقال هذا الحدیث صحیح۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۃ النمل آیت ۶۵ حاشیہ

۳۔ اے حبیب! نبوت کے اس بار گراں کو جس خوبی سے آپ نے اٹھایا ہے، میرے دین کی تبلیغ و اشاعت میں جس استقامت اور عزیمت کا مظاہرہ آپ نے کیا ہے، میری مخلوق کے قلوب و اذہان کو میرے نور توحید سے جس طرح آپ نے روشن کیا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں۔ یہ آفتاب صداقت ابد تک درخشاں و تاباں رہے گا۔ توحید کے یہ دل نشیں نغمے ابد تک گونجتے رہیں گے۔ قیامت تک آنے والے انسان اس سے فیضیاب ہوں گے۔ اس لیے آپ کا اجر بھی ہمیشہ جاری رہے گا، یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ ممنون۔ مقطوع کے معنی میں۔ المنّ القطع۔

۴۔ خالق کی زبان اپنی تخلیق کے شاہکار کی توصیف فرما رہی ہے۔ اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے آپ کو ذرا صبر

کام لینا ہوگا اس آیت کا ہر کلمہ اپنے اندر معانی و معارف کی ایک دنیا لیے ہوئے ہے اس لیے ہر کلمہ کو وقت نظر سے مطالعہ کرنا پڑے گا، تاکہ لطف نعمت اور اس کے ساتھ [illegible] اور شانِ مصطفیٰ کی ایک جھلک نصیب ہو جائے۔

پہلے یہ سمجھیے کہ خلق کس کو کہتے ہیں۔ امام فخرالدین رازی اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اَلْخُلُقُ مَلَكَةٌ نَفْسَانِيَّةٌ يَسْهُلُ عَلَى الْمُتَّصِفِ بِهَا الْإِتْيَانُ بِالْأَفْعَالِ الْجَمِيلَةِ۔ یعنی خلق نفس کے اس ملکہ اور راسخ استعداد کو کہتے ہیں جس میں وہ پایا جائے اس کے لیے افعالِ جمیلہ اور خصالِ حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان اور سہل ہو جاتا ہے۔ (کبیر)

پھر فرماتے ہیں کسی اچھے اور خوبصورت فعل کا کرنا الگ چیز ہے لیکن اس کو سہولت اور آسانی سے کرنا الگ چیز ہے۔ کوئی کام خلق اس وقت کہلائے گا جب اس کے کرنے میں تکلف سے کام لینے کی نوبت نہ آئے۔ دکھیے لیتی جس طرح آنکھ بے تکلف دیکھتی ہے، کان بے تکلف سنتے ہیں، زبان بے تکلف بولتی ہے اسی طرح سخاوت، شجاعت، حیا، حق گوئی، تقویٰ وغیرہ جب بے کسی تردد اور توقف کے بغیر صادر ہونے لگیں تو اس وقت ان امور کو تعبیر بہ اخلاق شمار کیا جائے گا۔

عظیم: بہت بڑا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اي لا يدركه شاو احد من الخلق۔ مخلوق میں سے جس کی سرعت رفتار یا مقام بلند کو کوئی نہ پا سکے اسے عظیم کہتے ہیں۔

علی: استعلاء کے لیے ہے یعنی کسی پر حاوی ہونا، چھا جانا اور قابو پا لینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت یوں نہیں ہے فَاِنَّ خُلُقَكَ عَظِيْمٌ بلکہ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اخلاقِ حمیدہ اور افعالِ پسندیدہ جو حضور کا خاصہ ہیں یہ سب زیر قوش تھے۔ یہ سب مرکب ہیں حضور ان کے راکب اور شہسوار ہیں۔ اس لیے حضور کو ان امور کے لیے کسی تکلف اور بناوٹ کی ضرورت نہیں۔ آفتاب ذاتِ محمدی سے صفاتِ محمدیہ اور کمالاتِ احمدیہ کی کرنیں خود بخود پھوٹ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دیا قُلْ مَا اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔ میرے حبیب! آپ اعلان کر دیں کہ میں تم لوگوں سے کسی اجر کا مطالبہ کرتا ہوں اور نہ میں تکلف اور بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ فرما کر بتا دیا کہ حضور کی ذات تمام کمالات کی جامع ہے۔ وہ کمالات جو پہلے نبیوں اور رسولوں میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے، وہ مجموعی طور پر اپنی تمام جلوہ سامانیوں اور اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ اس ذاتِ اقدس و اطہر میں موجود ہیں۔ شکر نوح، حکمت ابراہیم، اخلاص موسیٰ، صدقِ اسمٰعیل، صبرِ یعقوب و ایوب، شکرِ سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام سب یہاں جمع ہیں۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام شرف الدین بوصیری نے اپنے مخصوص انداز میں کیا خوب فرمایا ہے۔

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمِ

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ظاہری شکل و صورت اور سیرت و اخلاق کے لحاظ سے تمام انبیاء سے برتر ہیں۔ کوئی بھی آپ کے مقامِ علم اور شانِ کرم کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا۔ حضور کی ذات بزرگی کا آفتاب ہے۔ سارے انبیاء آپ کے ستارے ہیں اور وہ ستارے جو رات کی اندھیروں میں آپ کے انوار اور تابانیوں کو ظاہر کر رہے ہیں۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب کسی نے خلق مصطفوی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مختصر اور جامع جواب دیا کان خلقہ القرآن۔ حضور کا خلق قرآن تھا یعنی جن محاسن اعمال اور مکارم اخلاق کو اپنانے کا قرآن نے حکم دیا ہے حضور ان سے کمال درجہ متصف تھے اور جن لغو باتوں اور فضول کاموں سے بچنے کی ترغیب دی ہے حضور ان سے پوری طرح منزہ و مبرا تھے۔ ایک دوسرے شخص نے جب یہی سوال کیا تو ام المؤمنین نے فرمایا سورۃ المؤمنون کی پہلی دس آیتیں پڑھ لو۔ ان میں ہی حضور کے خلق کی صحیح تصویر ہے۔

محمد بن حکیم ترمذی قدس سرہ فرماتے ہیں "ہیچ خلقی بزرگ تر از خلق محمد علیہ الصلوۃ والسلام نبودہ چہ از ترتیب خود دست باز داشت و خود را کلی با حق گذاشت۔"

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے خلق سے کسی کا خلق اعلیٰ نہیں کیونکہ حضور اپنی مرضی اور مشیت سے دستکش ہو گئے اور اپنے آپ کو کلیتہً حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

امام قشیری کا ارشاد ہے: "نہ از بلا منحرف شد و نہ از عطا منصرف گشت" (روح البیان) یعنی نہ آلام و مصائب کے باعث شاہراہ حقیقی سے منہ موڑا اور نہ جود و عطا سے دامن بھر لینے کے بعد اس سے بے رخی برتی۔

حضرت جنید کی رائے ملاحظہ ہو: سُمِّيَ خُلُقُهُ عَظِيمًا لِأَنَّهُ لَمْ تَكُنْ لَهُ هِمَّةٌ سِوَى اللّٰهِ تَعَالَىٰ (قرطبی) حضور کے خلق کو عظیم اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر حضور کی کوئی خواہش نہ تھی۔

حضرت حسان نے کیا خوب ترجمانی کی ہے ؎

لَهُ هِمَمٌ لَا مُنْتَهَى لِكِبَارِهَا وَهِمَّتُهُ الصُّغْرَى أَجَلُّ مِنَ الدَّهْرِ

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمتیں اور حوصلے بے شمار ہیں۔ جو ان میں سے بڑے حوصلے ہیں ان کی تو حد ہی نہیں حضور کی چھوٹی سے چھوٹی ہمت اور حوصلہ زمانہ سے بزرگ تر ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے: أَدَّبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور اس کا ادب سکھانا بہت خوب تھا۔

جب اس حکیم کا مؤدب، مربی اور معلم خود رب العالمین ہے تو پھر اس کے ارشاد کے حسن ادب، حسن تربیت اور کمال علم کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے لگاتار دس سال حضور کی خدمت کی۔ حضور نے مجھے کبھی اُف نہیں کہا۔ جو کام میں نے کیا اس کے متعلق کبھی نہیں فرمایا کہ تو نے کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے متعلق کبھی نہیں پوچھا کہ کیوں نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن و جمال میں بھی تمام لوگوں سے برتر تھے۔ میں نے کسی اطلس یا ریشم کو حضور کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ کوئی مشک کوئی عطر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پسینے سے زیادہ خوشبودار میں نے نہیں سونگھا۔

ثناخوانِ جمال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف حضور ہی کے حسن و کمال، مہر و جمال کے گیت گاتا اور تصویر جمیل بنتے دیکھا اپنے نیاز مندوں کو بھی ان خصائل سے ڈھال ڈھال کر دیا۔ ان کی ایسی تربیت فرمائی کہ آنے والی نسل انسانی کے لیے وہ ایک دلکش نمونہ بن گئے۔ سب شاندار شعلات نمودار ہیں سے

صرف چند ایک کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں صحابہ کرام کو اخلاقِ حسنہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

(١) عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتق اللہ حیثما کنت واتبع السیئة الحسنة تمحہا وخالق الناس بخلق حسن۔ (ترمذی حسن صحیح)

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کرو۔ وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ حسن خلق سے پیش آیا کرو۔

(٢) عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ما من شیء اثقل فی میزان المومن یوم القیامة من خلق حسن وان اللہ تعالیٰ لیبغض الفاحش البذی۔ فرمایا قیامت کے دن مومن کے میزان میں حسن خلق سے زیادہ وزنی اور کوئی چیز نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ فحش کلام کرنے والے بد زبان سے بغض رکھتا ہے۔

(٣) وعنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول ما من شیء یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق وان صاحب حسن الخلق لیبلغ بہ درجة صاحب الصلوٰة والصوم۔ فرمایا میزانِ عمل میں جتنی چیزیں رکھی جائیں گی ان میں حسن خلق زیادہ وزنی ہوگا اور اچھے اخلاق کا مالک اپنے حسن خلق کے باعث نماز پڑھنے والے روزہ رکھنے والے کے مرتبہ کو پا لیتا ہے۔

مندرجہ ذیل حدیث خصوصی توجہ سے پڑھیے:

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان من احبکم الی واقربکم منی مجلسا یوم القیامة احاسنکم اخلاقا ... وان ابغضکم الی وابعدکم منی مجلسا یوم القیامة الثرثارون والمتشدقون والمتفیہقون قالوا یا رسول اللہ قد علمنا الثرثارون والمتشدقون فما المتفیہقون قال المتکبرون۔

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے حضور نے فرمایا میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور روزِ قیامت تم میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہوں گے۔ پھر فرمایا میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور قیامت کے دن تم میں سے مجھ سے سب سے زیادہ دور بیہودہ باتیں کرنے والے، زبان دراز اور متفیہقون ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ پہلے دو لفظوں کا مطلب ہماری سمجھ میں آ گیا تیسرے لفظ کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا متکبر لوگ۔

تفسیر روح البیان میں علامہ اسمٰعیل حقی نے یہ حدیث نقل کی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلق کی تین سو ساٹھ صورتیں ہیں جس شخص میں توحید کے ساتھ ان میں سے ایک صورت بھی پائی گئی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ قال ابو بکر رضی اللہ عنہ ھل فی منہا یا رسول اللہ حضرت صدیق نے عرض کی یا رسول اللہ ان میں سے کوئی چیز مجھ میں بھی پائی جاتی ہے؟ قال کلہا فیک یا ابا بکر واحبہا الی اللہ السخاء حضور نے فرمایا اے ابوبکر تم میں حسن خلق کی سب کی سب صورتیں موجود ہیں اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخاوت بہت محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں بھی اخلاقِ حسنہ کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین!

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۝٥ بِأَيِّيكُمُ الْمَفْتُونُ ۝٦ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ

عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے دیوانہ کون ہے ۔ بیشک آپ کا رب خوب جانتا ہے

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝٧ فَلَا تُطِعِ

ان کو جو اس کی راہ سے بھٹک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں ۔ پس آپ بات نہ مانیں

الْمُكَذِّبِينَ ۝٨ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝٩ وَلَا تُطِعْ كُلَّ

ان جھٹلانے والوں کی ۔ وہ تو خواہشمند ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں ۔ اور نہ بات مانیے کسی (جھوٹی) قسمیں

۵ حضرت ابن عباس اس آیت کا معنی بیان کرتے ہیں فستعلم ویعلمون یوم القیامۃ یعنی آج تو تم حضور پر الزام لگاتے ہو کہ دیوانے ہو حقیقت سے پردہ اس وقت اٹھے گا جب حشر بپا ہوگا اس روز تمہیں پتہ چلے گا کہ دیوانہ کون ہے، خدا کو وحدہ لاشریک ماننے والا، اس کے احکام کی تعمیل کرنے والا، یا اس سے پر بت ڈھونڈنے والا، پتھروں کی پوجا کرنے والے نفس امارہ کی فرمانروائی کرنے والے قیامت کا انکار کرنے والے۔

المفتون، المجنون الذی فتنہ الشیطان یعنی وہ دیوانہ جس کو شیطان نے گمراہ کر دیا ہو۔

۶ آپ کا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ راہ حق سے کون منحرف ہو گیا اور صراط مستقیم پر بصد عزم و جوانمردی سے کون قدم بڑھاتا ہوا منزل کی طرف جا رہا ہے: نہ اسے اپنے آرام کا خیال ہے، نہ اسے لوگوں کی مخالفت کا اندیشہ ہے، نہ مصائب و آلام سے گھبراتا ہے، نہ طولِ سفر اور بُعدِ منزل سے دل برداشتہ ہوتا ہے۔ سب دونوں فریقوں کے حالات سے وہ واقف ہے اور ان کو مناسب حال جزا بھی دے گا۔

۷ علامہ جوہری لکھتے ہیں ادھن، فذا و ہنا ای تملق و صانع (یعنی تملق کرنا)۔ الادھان، التلیین لمن لا ینبغی لہ التلیین۔ یعنی اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا جو ایسے برتاؤ کے قابل نہ ہو۔

کفار کی تو یہ تمنا ہے کہ آپ دعوتِ حق اور رد شرک میں کچھ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی آپ کی مخالفت میں سختی ترک کر دیں گے چنانچہ ان ناعاقبت اندیشوں نے نبی برحق کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ آؤ اس آئے روز کی مخالفت کو چھوڑ دیں باہم مصالحت کر لیں، چند روز آپ (معاذ اللہ) ہمارے خداؤں کو پوج لیا کریں اور چند روز ہم آپ کے خدائے ذوالجلال کی عبادت کر لیا کریں گے۔ اسلام اس دورنگی کو کب برداشت کر سکتا ہے۔ اس سے صاف منع کر دیا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ

کہنا نہ مانو کسی قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی۔ جو بہت نکتہ چین، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔ سخت منع کرنے والا بھلائی سے، حد سے بڑھا ہوا

أَثِيمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿۱۳﴾ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿۱۴﴾

بڑا بدکار ہے۔ اکھڑ مزاج ہے اس کے علاوہ بداصل ہے۔ یہ غرور و سرکشی اس لیے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهُۥ عَلَى

جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر

ٱلْخُرْطُومِ ﴿۱۶﴾ إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا۟

داغ لگائیں گے۔ ہم نے ان (اہل مکہ) کو بھی آزمایا جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں کو۔ جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ

ف ان آیات میں دس عیوب شمار کیے گئے ہیں۔ عام طور پر لوگوں میں ان عیوب میں سے دو چار کا پایا جانا تو ممکن ہے لیکن سب میں ان تمام عیوب کا بیک وقت پایا جانا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ چنانچہ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ ان آیات میں ایک خاص شخص کا ذکر ہو رہا ہے جس میں یہ تمام نقائص و رذائل موجود تھے۔ وہ شخص کون تھا اس سلسلہ میں تین کافروں کا نام لیا جاتا ہے۔ ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث اور اخنس بن شریق۔ اکثر کے نزدیک ولید بن مغیرہ مراد ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی۔ حلاف۔ کثیر الحلف بالباطل کثرت سے جھوٹی قسمیں کھانے والا۔ مھین۔ ذلیل حقیر، حقیر اور ذلیل آدمی۔ ھماز۔ الطعان والعیاب۔ العیاب عیب جو، نکتہ چیں۔ مشاء بنمیم۔ جو چغلی کھانے کے لیے بکثرت چلتا پھرتا ہے۔ معتد۔ حد سے تجاوز کرنے والا۔ اثیم۔ کثیر الاثم، بڑا بدکار۔ عتل۔ الجافی الغلیظ۔ اکھڑ مزاج۔ زنیم۔ الملصق بالقوم الدعی۔ یعنی جو اس قوم سے نہ ہو لیکن زبردستی اسے اس میں شامل کیا گیا ہو۔

ف وہ کمینہ اور رذیل شخص بارگاہ رسالت میں اس لیے گستاخی کی جرأت کرتا ہے کہ اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے اور اس کے بہت سے بیٹے ہیں اور رعب داب ہے۔ ہمارا رسول جب ہماری آیتیں سناتا ہے تو بڑی بے حیائی سے کہتا ہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں، پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے کہانیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہماری بزم عیش و طرب کو گرمانے کے لیے یہ صاحب خواہ مخواہ افسانے سنانے لگتے ہیں۔

ف۱ ہم ضرور اس کی سونڈ جیسی ناک پر داغ لگا دیں گے۔ ہر دیکھنے والا اس داغدار ناک والے کو دیکھ کر سمجھ جائے گا کہ مجسم شر و شقاوت یہ صاحب ہیں۔ جنگ بدر میں اس کی تھوتھنی پر تلوار کا ایک نشان لگا جو آخر دم تک رہا۔

ف۱ تمام سرداران قریش اور سرداران مکہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت اور عداوت میں پیش پیش تھے ان کے بارے

میں اترا دیا جا رہا ہے کہ ہم نے انہیں فراواں دولت بخشی ہے۔ صاحب اولاد ہیں۔ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے اہل عرب ان کی دل سے عزت کرتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے۔ ہمارے نبی کی دعوت کو قبول کرتے لیکن یہ لوگ اس آزمائش میں بری طرح سے امتحان میں ناکام ہو گئے۔ انہوں نے شرک کرنا شروع کر دیا۔ ہمارے نبی پر طرح طرح کے آوازے کسنے لگے۔ ہمارے کلام کو اساطیر الاولین کہا۔ ان سے پہلے بھی کئی لوگ گزرے ہیں۔ جب ہم نے اپنے انعامات سے ان کی آزمائش کی اور وہ اس آزمائش میں ناکام ہو گئے تو ہم نے ان سے وہ نعمتیں یکایک سلب کر لیں اور وہ ہمیشہ کے لیے قعر مذلت میں گرا دیے گئے۔ اگر مکہ کے یہ رئیس باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی سابقہ ناشکروں جیسا ہوگا۔ چنانچہ ایک ایسی ہی جماعت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یمن میں صنعاء کے قریب ایک نیک آدمی رہتا تھا۔ اس نے اپنی زمین میں باغ لگا رکھا تھا۔ وہ اس باغ سے بڑی فیاضی سے غریبوں مسکینوں کی خدمت کیا کرتا۔ وہ فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑ گیا۔ بدقسمتی سے ان کے ذہن مادیت گزیدہ تھے۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ والد صاحب کے زمانے میں عیال تھوڑا تھا اور اخراجات بہت کم تھے۔ اب ہم تین ہیں۔ ہمارا کنبہ بڑا ہو گیا ہے۔ اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ آمدنی وہی سابقہ ہے۔ اب اس کے بغیر چارہ نہیں کہ خیرات وصدقات کا جو دروازہ سلسلہ والد صاحب نے کھول رکھا تھا اسے بند کر دیا جائے۔ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی ان مفت خوروں میں نہ لٹائی جائے۔ ورنہ افلاس وغربت کی دلدل میں پھنس جاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا یہ معمول بنا لیا کہ فصل بہت سویرے اندھیرے میں برداشت کرتے تاکہ کسی سائل کے آنے کا کوئی امکان ہی نہ رہتا۔

ایک دفعہ ان کے باغ کا پھل پک کر تیار ہو گیا۔ انہوں نے اس کو کاٹنے کا پروگرام بنایا۔ رات کو مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ منہ اندھیرے جائیں گے اور سویرے سویرے پھل توڑ لیں گے۔ انہوں نے انشاء اللہ کہنا بھی گوارا نہ کیا۔ صبح کی آنکھ ابھی کھلی انہوں نے سونے والوں کو جگایا اور جلدی جلدی اپنے باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں چپکے چپکے ایک دوسرے کو تاکید کرنے لگے کہ دیکھو آج تمہارے باغ میں کوئی غریب مسکین داخل نہ ہونے پائے۔ یہ لوگ خواہ مخواہ تنگ کرتے ہیں۔ مفت میں جھولیاں بھر کر لے جاتے ہیں۔ اس سے ہمیں بڑا نقصان ہوتا ہے۔ جب باغ کے قریب پہنچے تو وہاں منظر ہی اور تھا۔ ہرے بھرے درختوں اور پھلوں سے لدی ہوئی ٹہنیوں کے بجائے سیاہ سوختہ ٹنڈ منڈ دکھائی دیے جیسے کسی نے باغ کو جلا کر راکھ کر دیا ہو۔ پہلے تو یہ سمجھے شاید ہم راہ بھول گئے ہیں اور غلطی سے کسی اور جگہ پہنچ گئے ہیں۔ لیکن جب غور سے دیکھا تو چیخ نکل گئی۔ ہائے ہماری قسمت پھوٹ گئی! ہمارا باغ برباد ہو گیا۔ ان میں سے جو سب سے سیانا تھا اس نے کہا کہ میں تو تمہیں بار بار نصیحت کرتا تھا کہ اللہ عزوجل کی حمد وتسبیح کرو۔ اس کے دیے ہوئے رزق میں سے غریبوں اور مسکینوں کو خوشی خوشی ان کا حق دو لیکن تم نے میری ایک نہ مانی۔ اب بھگتو اپنے کیے کا مزا۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں۔ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تیرے غلط مشورے سے ہمیں اس انجام سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

ان آیات کے وضاحت طلب کلمات: لا یستثنون یعنی انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا۔ طائف سے مراد عذاب الٰہی ہے جو رات آیا اور ان کے باغ کو خاک سیاہ کر گیا۔ صریم کے کئی معنی ذکر ہیں۔ الصریم المقطوع من الزرع کٹی ہوئی فصل کو صریم۔ والرماد الاسود۔ سیاہ راکھ۔ ریت کا وہ ڈھیر جسے الگ کر دیا گیا ہو۔

لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ

ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے ۔ اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا ۔ پس پھر گیا اس باغ پر ایک چکر لگانے والا

مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا

آپ کے رب کی طرف سے درآں حالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے ۔ چنانچہ (وہ لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا ۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے

مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾

کو آواز دی صبح سویرے ۔ کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو ۔

فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم

سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے کہ (خبردار!) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر

مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا

کوئی مسکین ۔ اور وہ تڑکے چلے یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں [12] ۔ پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (شاید) ہم

لَضَالُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل

راستہ بھول گئے ۔ نہیں نہیں بلکہ ہماری تو قسمت پھوٹ گئی ۔ ان میں جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں

لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٩﴾

کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے ۔ کہنے لگے پاک ہے ہمارا رب ، بے شک ہم ہی ظالم تھے ۔

[12] اس کی تشریح توجہ طلب ہے ۔ حرد کا معنی قصد ارادہ ہے یعنی انہوں نے جو یہ ارادہ کیا تھا کہ آج کسی غریب کو باغ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور باغ کا پھل کاٹیں گے ۔ وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ جو ارادہ اور قصد ہم نے کیا ہے ہم اس کو عملی جامہ پہنانے کی قدرت رکھتے ہیں ۔ اَوْسَطُهُمْ کا معنی بڑا سنبھلا ہوا ہے یا اَعْقَلُهُمْ ، ان میں سب سے زیادہ زیرک اور عقلمند۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا
پھر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے تف ہے ہم پر ہم

كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا
ہی سرکش تھے۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس کا بدلہ دے گا جو بہتر ہوگا اس سے۔ ہم راغب ہیں اپنے رب کی طرف

رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا
رجوع کرنے والے ہیں ٢٣ یونہی ہوا کرتا ہے عذاب۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے ٢٤ کاش! یہ لوگ

يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٣٤﴾
اس حقیقت کو جانتے۔ بے شک پرہیزگاروں کے لیے اپنے رب کے پاس نعمتوں بھری جنتیں ہیں۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٦﴾
کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا۔ تم کیسے فیصلے کرتے ہو ٢٥

٢٣ جب انہوں نے اپنے باغ کی یہ حالت دیکھی تو غفلت کی پٹی آنکھوں سے اتر گئی۔ انہیں یقین آگیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ پر دینے سے نقصان نہیں ہوتا بلکہ اس کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے انسان اپنی تباہی کا سامان کرتا ہے۔ چنانچہ وہ صدق دل سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہوئے۔ اس کریم نے ان کی توقع سے بھی زیادہ اور بہت جلد انہیں اس کا نعم البدل عطا فرمادیا۔

٢٤ کذٰلک۔ مبتدا مؤخر کی خبر ہے۔ یعنی جو شکر نہیں کرتا دنیا میں ہم اس کو یوں سزا دیتے ہیں۔ کفران نعمت پر جو عذاب انہیں قیامت کے دن ملے گا اس کا تو اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

٢٥ کفار اہل ایمان کو کہا کرتے کہ تم ہمیں قیامت سے خواہ مخواہ ڈرایا کرتے ہو۔ پہلے تو قیامت کا آنا ہی عقلاً محال ہے اور اگر بالفرض قیامت آ بھی گئی تو اس سے تم کو ڈرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے انعامات، دولت، عزت، شہرت، اولاد وغیرہ سے ہمیں یہاں نوازا ہے، وہاں بھی ہمیں ہی اپنے فضل و کرم سے سرفراز کرے گا اور جس طرح تم یہاں محرومی اور مصیبت کی زندگی بسر کر رہے ہو قیامت کے روز بھی تمہارا یہی حال ہوگا۔ اس آیت میں ان کے اس باطل گمان کی تردید کی جا رہی ہے۔ تمہارا یہ خیال سراسر جہالت اور حماقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی نہیں کہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں، اتقیاء اور اشقیاء کو ایک کر دے کہ جو لوگ ساری عمر اس سے ڈرتے رہے، اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہے انہیں تو وہ اپنی مہربانیوں سے محروم کر دے اور وہ مغرور نافرمانوں کو ان کے کفر اور کفران نعمت کی یہ جزا دے کہ انہیں جنت میں داخل کر دے۔ اللہ تعالیٰ

أَمْ لَكُمْ كِتَٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾ أَمْ

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو کہ تمہارے لیے اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو۔ کیا

لَكُمْ أَيْمَٰنٌ عَلَيْنَا بَٰلِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا

تمہارے لیے قسمیں ہم پر لازم ہیں جو باقی رہنے والی ہیں قیامت تک کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم

تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ

حکم کرو گے۔ ان سے پوچھیے ان میں سے کون اس دعوے (باطل) کا ضامن ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی گواہ ہیں

فَلْيَأْتُوا۟ بِشُرَكَآئِهِمْ إِن كَانُوا۟ صَٰدِقِينَ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَن

اگر ہیں تو پھر پیش کریں اپنے گواہوں کو اگر وہ سچے ہیں۔ جس روز پردہ اٹھایا جائے گا

سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى ٱلسُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾ خَٰشِعَةً

ایک ساق سے اور ان (نافرمانوں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو اس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے ۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی

کے ہاں انصاف ہے، وہ عادل اور منصف ہے؟ نہیں کیا تمہاری عقلیں تمہیں اس گمان کی تصدیق کرتی ہیں کہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایسے نامعقول فیصلے تم کر رہے ہو۔

۱۶ے تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل تو ہے نہیں جس سے اس زعم باطل کی تصدیق ہو سکے تمہارے پاس اگر کوئی نقلی دلیل ہے تو وہ پیش کرو۔ کیا کسی آسمانی کتاب کا حوالہ پیش کر سکتے ہو جہاں لکھا ہو کہ فرمانبرداروں اور سرکشوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جائے گا یا اس کتاب میں کہیں یہ لکھا ہوا ہو کہ بارگاہ الٰہی سے تمہیں صرف وہی چیز دی جائے گی جو تم پسند کرو گے۔ جب تمہارے پاس نہ عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی تو پھر تم کس بنا پر اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہو۔

۱۷ے ابھی یہ احتمال باقی تھا کہ وہ کہیں کہ زبانی یا ہمارے ساتھ خدا کے عہد و پیمان ہو چکے ہیں کہ وہ ہمیں کوئی عذاب نہ دے گا۔ اس احتمال کو بھی یہ فرما کر ختم کر دیا کہ اگر کوئی ایسا باہمی معاہدہ طے پایا ہے تو کوئی ضامن پیش کرو یا گواہ لاؤ جن کے روبرو یہ معاہدہ ہوا۔ الزعیم الکفیل والضمین کفیل اور ضامن۔ شرکاء ای شہداء گواہ۔ (قرطبی)

۱۸ے جب کوئی سخت تکلیف دہ اور مصیبت کا وقت آ جاتا ہے تو اہل عرب یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں جب گھمسان کی لڑائی شروع ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں۔ شمرت الحرب عن ساقها۔ جنگ نے اپنی پنڈلی سے تہبند اوپر اٹھا لیا۔ راجز کہتا ہے

أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ

ان کی آنکھیں (اٹھ نہ سکیں گی) ذلت چھا رہی ہوگی۔ حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدہ کی طرف

وَهُمْ سَالِمُونَ ﴿٤٣﴾ فَذَرْنِي وَمَن يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ

جبکہ وہ صحیح سلامت تھے ۴۳ پس (اے حبیب!) آپ چھوڑ دیجیے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے ۴۴

سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٤﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ

ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا ۴۵ اور میں نے (بظاہر) انہیں مہلت دے رکھی ہے۔

قد کشفت عن ساقہا فشدوا — وجدت الحرب بکم فجدوا

۴۳ یعنی جب لڑائی نے اپنی پنڈلی ننگی کر دی ہے تو سب مل کر حملہ کرو۔ جنگ زوروں پر ہے اب تم بھی سنجیدگی سے داد شجاعت دو۔ جس سال قحط انتہا کو پہنچ جائے اس کا ذکر یوں کرتے ہیں فی سنۃ قد کشفت عن ساقہا یعنی اس سال کی بات ہے جس نے اپنی پنڈلی ننگی کر دی۔ اس محاورہ کے مطابق آیت کا معنی ہوگا روز قیامت جب حالات بڑے تکلیف دہ اور ہولناک ہو جائیں گے اور ہر شخص جلال خداوندی سے لرزہ براندام ہوگا۔ چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔ دل خوف سے دھڑک رہے ہوں گے۔ اس وقت لوگوں کے ایمان یا کفر، خلوص یا نفاق کو آشکارا کرنے کے لیے انہیں حکم دیا جائے گا کہ سب اپنے رب کو سجدہ کرو۔ جن کے دلوں میں ایمان اور اخلاص ہوگا وہ تو فوراً سربسجود ہو جائیں گے لیکن کافر اور منافق بہت زور لگائیں گے کہ سجدہ کریں اور جوں توں کر کے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جائیں لیکن ان کی کمر اکڑ جائے گی۔ پوری کوشش کے باوجود سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اس رسوائی پر آنکھیں جھک جائیں گی سب کے سامنے ان کے کفر و نفاق کو ظاہر کر دیا گیا۔ ان کے کھوکھلے دعووں کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا۔ ذلت و رسوائی کی گرد ان کے چہروں پر پڑ رہی ہوگی۔

۴۴ آج وہ سجدہ کرنے سے کیوں محروم کر دیئے گئے اس کی وجہ بتا دی کہ جب دنیا میں وہ صحیح و سالم تھے انہیں کہا گیا کہ سجدہ کرو لیکن سجدہ کی توفیق نہ ہوئی۔ اسی حکم عدولی کی پاداش میں آج ان سے سجدہ کرنے کی قوت سلب کر لی گئی ہے۔

۴۵ اے حبیب! آپ انہیں میرے حوالے کر دیجیے میں ان سے نپٹ لوں گا۔ آپ کو ان کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

۴۶ بسا اوقات انسان غلطی کرتا ہے تو اسے کسی تکلیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ جس سے اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ توبہ کر لیتا ہے لیکن بعض بدکاروں کے ساتھ عجیب طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ وہ جتنے گناہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کی جناب میں جتنی گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے ہیں، ان کی دولت، ان کی شہرت، ان کی عزت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وہ کمبخت اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں یہی صواب ہے۔ یہاں تک کہ موت کا فرشتہ ان کو موت کا جام پلا دیتا ہے۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ تو اپنے آپ کو وہ عذاب الٰہی میں گرفتار پاتے ہیں۔ مجرموں اور نابکاروں کے ساتھ اس قسم کے سلوک کو قرآن کریم نے استدراج کہا ہے۔

كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٤٥﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٦﴾

میری خفیہ تدبیر بڑی پختہ ہے۔ ۲۱ کیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں پس وہ اس تاوان کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں۔ ۲۲

أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ

کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں ۲۳ پس انتظار فرمایئے اپنے رب کے حکم کا اور

وقف لازم

لَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَن

نہ ہو جایئے مچھلی والے کی مانند ۲۴ جب اس نے پکارا اور وہ غم و اندوہ سے بھرا ہوا تھا ۲۵ اگر اس کی

اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں: نسبغ علیہم النعم وننسیہم الشکر یعنی ہم ان پر پے در پے نعمتیں کرتے ہیں اور شکر کرنا انہیں فراموش کرا دیتے ہیں۔ ابو روق کہتے ہیں: کلما احدثوا خطیئۃ جددنا لہم نعمۃ وانسیناہم الاستغفار جب وہ کوئی نئی خطا کرتے ہیں ہم ان کو نئی نعمت بخش دیتے ہیں اور استغفار کی توفیق سلب کر لیتے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے کہا: یا رب کم اعصیک وانت لا تعاقبنی۔ یا اللہ! میں تیری کتنی نافرمانی کرتا ہوں اور تو مجھے سزا ہی نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کو وحی کی کہ اس احمق سے کہو میں نے تو تمہیں کئی سزائیں دی ہیں لیکن تمہیں ان کا شعور نہیں۔ جمود عینیک وقساوۃ قلبک استدراج منی وعقوبۃ لو عقلت۔ اگر تجھے عقل ہوتی تو تیری آنکھوں کا آنسوؤں سے محروم ہو جانا اور تیرے دل کا سخت ہو جانا بہت بڑی سزا ہے اور میری طرف سے استدراج ہے۔

۲۲ کہ نہیں کہ سمجھ لو جو یہ لوگ دندناتے پھر رہے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ کیا اچھے کام کر رہے ہیں اور ہم ان سے خوش ہیں اور نہ یہ بات ہے کہ یہ ہماری قدرت سے باہر ہیں اور ہم ان کو سزا نہیں دے سکتے۔ درحقیقت ہم نے انہیں کچھ عرصہ کے لیے ڈھیل دے رکھی ہے کہ جی بھر کر گناہ کر لو۔ جب ہم پکڑیں گے تو ان کی کیا مجال کہ ہمیں بھاگ سکیں۔ اس وقت پکڑ کر شکنجہ میں کس دیے جائیں گے۔

۲۳ بظاہر خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے لیکن مقصود ان منکرین سے پوچھنا ہے کہ تم جو میرے رسول کی بات سننا ہی پسند نہیں کرتے بڑی کراہت اور ناگواری کا اظہار کرتے ہو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا نبی تم سے کچھ مانگتا ہے جس کی وجہ سے تم پر بوجھل بوجھ پڑتا ہے یا تمہارے پاس غیب سے کوئی اطلاع آتی ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ نہیں۔ اگر کچھ نہیں تو پھر تمہارے بدکنے اور بھاگنے کی وجہ کیا ہے؟

۲۴ کفار کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھ رہی تھیں اور روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دیتے ہیں کہ آپ صبر کریں اور اپنے رب کے فیصلے کا انتظار کریں۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ ان منکرین کے ساتھ کس وقت کس قسم کا سلوک کرنا چاہیے۔ آپ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جائیں کہ جنہوں نے ہمارے حکم کا انتظار کیے بغیر اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی اور ان پر عذاب نازل ہونے میں عجلت کی۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۃ یونس آیت ۹۸ کا حاشیہ، سورۃ انبیاء کی آیات ۸۷، ۸۸ کے حواشی، الصافات آیات ۱۳۹ تا ۱۴۸ کے حواشی۔

۲۵ جب یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تو وہاں آپ نے اپنے رب کے حضور میں فریاد کی۔ لا الہ الا انت سبحانک

تَدَارَكَهُۥ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ لَنُبِذَ بِٱلْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾

چارہ سازی نہ کرتی اس کی، اس کے رب کا لطف تو ڈال دیا جاتا اسے چٹیل میدان میں درآں حال کہ اس کی مذمت کی جاتی ۴۶

فَٱجْتَبَٰهُ رَبُّهُۥ فَجَعَلَهُۥ مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِن يَكَادُ ٱلَّذِينَ

پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنا دیا اس کو اپنے نیک بندوں سے ۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ

كَفَرُوا۟ لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَٰرِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا۟ ٱلذِّكْرَ وَيَقُولُونَ

کفار پھسلا دیں گے آپ کو اپنی (تیز) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن ۴۷ اور وہ کہتے ہیں کہ

اِلّا کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

۴۶۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کی اس دعا کو قبول نہ فرماتا اور اس کی شانِ رحمت ان کی چارہ سازی نہ کرتی تو جب ان کو مچھلی نے چٹیل میدان میں اگل دیا تو ان کی یہ کیفیت ہوتی کہ لوگ ان پر الزام لگاتے اور ملامت کرتے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری کی اور ان کو اپنے لطف خاص سے نواز دیا تو اب وہ قابلِ الزام اور لائقِ مذمت نہ رہے۔ فنبذناہ بالعراء وھو سقیم یعنی جب ہم نے ان کو کھلے میدان میں ڈالا تو وہ بیمار تھے یعنی مذموم نہیں تھے۔

۴۷۔ کفار کے دلوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بغض و عناد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا خصوصاً اس وقت تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے جب حضور قرآن کریم پڑھ کر سناتے۔ ہم تن گوش ہو جاتے اور وہ ایسی غضبناک نظروں سے گھور گھور کر دیکھتے، یوں محسوس ہوتا کہ اگر ان کا بس چلے تو ابھی حضور کو اپنی جگہ سے پھسلا دیں۔ علامہ زمخشری علیہ الرحمۃ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی انھم من شدۃ تحدیقھم ونظرھم الیک شزراً بعیون العداوۃ والبغضاء یکادون یزلقون قدمک او یھلکونک من قولھم نظر الیّ نظرًا یکاد یصرعنی ویکاد یاکلنی۔ یعنی وہ عداوت اور بغض بھری آنکھوں سے حضور کو یوں ٹکٹکی باندھ کر گھور گھور کر دیکھتے گویا وہ حضور کو اپنی جگہ سے پھسلا دینا چاہتے ہیں یا ہلاک کر دینا چاہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ فلاں نے میری طرف اس طرح دیکھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ مجھے گرا دیتا یا کھا جاتا۔ اس آیت کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ آپ کو اپنی نظر بد سے تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں۔

بنی اسد قبیلہ میں کئی آدمی تھے جن کی نظر بد کبھی خطا نہ جاتی۔ اگر وہ کسی شخص کو یا کسی جانور کو ہلاک کرنا چاہتے تو تین دن فاقہ کرتے اور پھر کسی چیز کے پاس آ کر کہتے کہ کتنی خوبصورت اور عمدہ چیز ہے۔ ایسی چیز تو آج تک ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔ اتنا کہنے کی دیر ہوتی کہ وہ چیز تڑپنے لگتی اور تھوڑی دیر کے بعد دم توڑ دیتی۔ اگر کوئی موٹی تازہ بھینس یا اونٹنی ان کے پاس سے گزرتی اور اس کو وہ نظرِ بد لگا دیتے تو اسی وقت اپنی لونڈی کو کہتے کہ ٹوکری اٹھاؤ پیسے لو اور اس گائے کا گوشت خرید لاؤ۔ تھوڑی دیر بعد پتہ چلتا کہ وہ جانور ذبح کر دیا گیا ہے۔ قریش نے بنی اسد میں سے کسی ایسے نظر باز

إِنَّهُۥ لَمَجْنُونٌ ۝٥١ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَٰلَمِينَ ۝٥٢

یہ تو مجنون ہے۔ حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لیے نصیحت شٹ

کی تعمدات حاصل کیں، اوراسے اس امر کے لیے مقرر کیا کر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی نظر بد سے گزند پہنچائے لیکن جس کا نگہبان خدا وند برحق ہو، یہ حشکنڈے اسے کیا اذیت پہنچا سکتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں متعدد احادیث صحیح سے ثابت کیا ہے کہ نظر بد کا اثر ہوتا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دونوں نواسوں سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو یہ پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔

حضور فرمایا کرتے کہ حضرت ابراہیم اپنے دونوں صاحبزادوں اسماعیل و اسحاق علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ پڑھ کر دم کیا کرتے حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ جس کو نظر بد سے تکلیف پہنچے یہ آیت پڑھ کر اسے دم کیا جائے

۲۵ کفار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجنون کہتے تھے۔ اس سورۃ کی ابتداء میں بھی تردید کی اور آخری آیت میں بھی اس کا ابطال کیا جا رہا ہے کہ میرا رسول تو سارے جہانوں کے لیے سراپا نصیحت اور باعث عزو شرف ہے۔ اسے مجنون کہنے کی کون جرأت کر سکتا ہے۔ اس کو دیکھ کر خدا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اس کی باتیں سن کر دل میں اللہ کی محبت کی شمع فروزاں ہو جاتی ہے۔ وقیل الضمیر لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکونہ مذکرا وشرفا للعالمین لاریب فیہ (روح المعانی) بعض کے نزدیک ھو کا مرجع قرآن کریم ہے اور اس کے ذکر ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں۔

○

اللّٰهم لك الحمد ولك الشكر على ما وفقتني لخدمة هذا الكتاب المجيد رب اوزعني ان اشكر نعمتك التي انعمت علي وعلى والدي وان اعمل صالحا ترضاه واصلح لي في ذريتي اني تبت اليك واني من المسلمين۔

اللّٰهم صل وسلم على حبيبك ونبيك وصفيك ونجيك محمد المبعوث رحمة للعالمين شفيع المذنبين وعلى اٰله الطيبين واصحابه الاكرمين ومن تبعه واحبه الى يوم الدين۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورہ الحاقہ

نام: اس سورت کا نام الحاقہ ہے۔ اس میں دو رکوع، باون آیتیں، دو سو چھپن کلمات اور ایک ہزار چار سو تینتیس حروف ہیں۔

نزول: علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے مسند امام احمد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں یہ نیت کر کے گھر سے نکلا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جا کر پریشان کروں گا اور جس طرح بن پڑا ان کا دل دکھاؤں گا لیکن میرے پہنچنے سے پہلے حضور حرم میں داخل ہو چکے تھے اور نماز کی نیت باندھ لی تھی۔ یہ جاننے کے لیے کہ آپ کیا پڑھتے ہیں میں قریب آ کر کھڑا ہو گیا اُس وقت حضور سورہ الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے میں اس کلام بلاغت نظام کو سن کر حیران و ششدر ہوتا جا رہا تھا میرے دل میں خیال گزرا کہ بخدا آپ بڑے باکمال شاعر ہیں۔ اُسی وقت حضور نے یہ آیت تلاوت کی۔ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ (یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو) میرے دل میں گزرا کہ کاہن ہیں میرے دل کے خیالات پر آگاہ ہو گئے ہیں۔ فوراً حضور نے یہ آیت پڑھی: وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ (یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں تم بہت کم غور کرتے ہو)۔ حضرت عمر کہتے ہیں یہ سورت سن کر اسلام میرے دل کے رگ و ریشہ میں سما گیا۔

اس روایت سے یہ امر واضح ہو گیا کہ یہ سورت مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی جب کہ حضرت عمرؓ ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ اس سورت کے سننے سے آپ کے دل میں اسلام کی عظمت کا پہلا نقش ثبت ہوا، جو رفتہ رفتہ پختہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ بہن اور بہنوئی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس نے تمام پردے چاک کر دیئے اور آپ ایمان قبول کرنے کے لیے کشاں کشاں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔

ع گاہ بہ حیلہ می برد گاہ بہ زور می کشد (اقبالؒ)

مضامین: حلف اُٹھا کر بیان کیا کہ قیامت ضرور واقع ہو گی۔ ساتھ ہی ثمود، عاد اور فرعون کا تذکرہ فرما دیا جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے عمر بھر سرکشی اور طغیانی کا راستہ اختیار کیے رہے جس کا نتیجہ انکی عبرتناک تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ قیامت افراد اور اقوام کی اصلاح میں کتنا موثر کردار انجام دیتا ہے۔

آیات ۱۳ تا ۱۷ میں قیامت کے روز برپا ہونے والے ہولناک حادثات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ آیت ۱۸ سے

لے کر آیت ۳۷ تک میں یہ بتایا کہ جو لوگ یہ ایمان رکھتے تھے کہ ایک دن وہ اپنے پروردگار کے رُو برو پیش کیے جائیں گے اور ان کا محاسبہ ہوگا۔ اُن کو اس روز ان کا صحیفۂ عمل اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور ان کی بڑی عزت و تکریم کی جائے گی۔ اور جو لوگ وقوعِ قیامت سے منکر تھے اور ساری عمر ہر ظلم کی باز پرس سے بے نیاز ہو کر داد عیش دیتے رہے ہیں اُن کا نامۂ عمل اُن کے بائیں ہاتھ میں پکڑائیں گے۔ اُس وقت اُن کی حسرت اور ندامت قابلِ دید ہوگی۔ اور اُن کے ساتھ جو خوفناک برتاؤ کیا جائے گا اس کا ذکر سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

دُوسرے رکوع میں یہ بتایا کہ قرآن کریم کسی شاعر کی فنِ بیانی اور قادر الکلامی کا کرشمہ نہیں اور نہ کسی کاہن کی تک بندی اور ہرزہ سرائی کا نتیجہ ہے بلکہ اس کو رب العٰلمین نے اپنے رسول کریم پر نازل فرمایا ہے۔ میرے رسول کی یہ مجال نہیں کہ اپنی طرف سے کچھ گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دے۔ اگر وہ اس سنگین جرم کا ارتکاب کرے گا تو اسی وقت اس کی رگِ دل کاٹ کر رکھ دی جائے گی۔

سنٹرل جیل سرگودھا
١٤-٣-٧٧

سورة الحاقة مكية ٧٨ | بسم الله الرحمٰن الرحيم | آياتها ٥٢ ركوعاتها ٢

سورۃ الحاقہ مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے | اس میں ۵۲ آیات ۲ رکوع ہیں

اَلْحَآقَّةُ ﴿١﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿٢﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿٣﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

وہ ہو کر رہنے والی سلہ کیا ہے وہ ہو کر رہنے والی سلہ اور اے مخاطب! کیا سمجھے تو کہ ہو کر رہنے والی کیا ہے سلہ جھٹلایا ثمود اور

وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿٤﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿٥﴾ وَاَمَّا عَادٌ

عاد نے کھڑکھڑانے والی کو سلہ پس ثمود تو انہیں ہلاک کر دیا گیا سخت چنگھاڑ سے سلہ اور رہے عاد

سلہ اس سے مراد قیامت ہے۔ یہ حق سے اسم فاعل مونث کا صیغہ ہے۔ حق کا معنی ہے کسی چیز کا متحقق ہو جانا، پایا جانا۔ قیامت کو الحاقہ کہنے کی متعدد وجوہات ہیں۔ یا تو اس لیے کہ اس کا پایا جانا ایک مسلمہ صداقت اور اٹل حقیقت ہے جس میں ذرا بھر کوئی شک نہیں یا اس لیے کہ اس میں تمام تصفیہ طلب امور کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی یا اس لیے کہ اس روز سزا اور جزا کا تحقق ہو گا (مظہری)

سلہ جب اہل عرب کسی اہم چیز کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تو اپنے مخاطب سے کچھ سوال پوچھتے ہیں تاکہ وہ ہوشیار ہو جائے اور پورے دھیان سے بات کرے۔ الاستفھام لتفخیم شانھا (مظہری)

سلہ یہ سوال قیامت کی ہولناکی کا تصور ذہن نشین کرانے کے لیے پوچھا جا رہا ہے کہ قیامت اتنی ہولناک اور خوفناک ہو گی کہ تمہاری عقلیں اس کی ہولناکی کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ بیان کی وسعتیں سے ماوراء ہے۔

سلہ یہ بتانے سے پہلے کہ جب یہ ہو کر رہنے والی برپا ہو گی اس وقت کیا حالات ہوں گے، مختلف اقوام کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ قیامت پر ایمان انسان کی فلاح کے لیے ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کی اصلاح کا دار و مدار اسی کو صدق دل سے ماننے پر ہے۔ جو اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آ جاتے ہیں۔ اس کی رضا کے بڑے شوق سے محو رہتے ہیں۔ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے نزدیک نفس کا تحریک اور خواہشات کو پورا کرنا ہی حیات کی آخری منزل ہے۔ وہ قدم قدم پر پھسلتے ہیں۔ ہر موڑ پر بھٹکتے ہیں۔ نفس امارہ کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی تمام حدود کو توڑتے ہیں۔ اس کا نتیجہ خدا کا غضب اور اس کا انجام کلی تباہی ہے۔ عاد و ثمود کی بربادی کا ذکر کیا اور وجہ یہ بتائی کہ وہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اس لیے راہ راست سے بھٹک گئے۔

القارعۃ: اس سے مراد بھی قیامت ہے۔ قرع کا معنی ہے ایک سخت چیز کو دوسری چیز سے ٹکرانا۔ القرع ضرب الشیء بالصلب الشیء مثلہ۔ کیونکہ جب قیامت برپا ہو گی تو نظام کائنات درہم برہم کر دیا جائے گا ستارے آپس میں ٹکرا جائیں گے اور اس ٹکر سے شور پیدا ہو گا اور اس لیے اس کو بھی القارعۃ کہہ دیا۔ قیامت کے کئی نام ہیں۔ الطامۃ، الصاخۃ، الواقعۃ، القارعۃ وغیرہ۔ یہ نام قیامت کی مختلف صفات اور کیفیات پر دلالت کرتے ہیں۔

ھے ثمود اور عاد پر تفصیلی حواشی ضیاء القرآن سورۃ الاعراف، نیز ضیاء القرآن سورۃ ھود اور الشعراء میں ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے ثمود کی ہلاکت کا ذکر

فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝٦ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ

اور عاد انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد، بے حد تند تھی ۶ اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر (مسلسل) سات رات

وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ

اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑ دینے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں (کہ) وہ گرے پڑے ہیں گویا وہ

گیا۔ بتایا کہ ثمود کو طاغیہ سے ہلاک کیا گیا۔ یہ طغی سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا۔ اس کی جو شکل بھی تھی وہ شدت اور سختی میں تمام حدوں سے آگے نکل ہوئی تھی۔ اس کے لیے مختلف مقامات پر صیحہ، رجفہ، زلزلہ، صاعقہ (کڑک) وغیرہ الفاظ ذکر ہوئے ہیں جو اس کی مختلف حالتوں کو بیان کرتے ہیں۔ ان میں کوئی تضاد نہیں۔

قوم عاد کو جس آندھی سے ہلاک کیا گیا اس کی کئی صفات ذکر کی گئی ہیں۔ اسے صرصر، عاتیہ اور حسوما سے موصوف کیا گیا ہے۔ ان الفاظ کے معانی پر غور فرمایئے تاکہ اس عذاب کی ہولناکیوں کا آپ کچھ اندازہ کر سکیں۔ صرصر: قال الازہری تفسیرہ باردۃ وقیل شدید الصوت۔ علامہ الزبیدی کہتے ہیں اس کا معنی سخت ٹھنڈی ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جو ہوا اپنے ساتھ بہت شور رکھتی ہو۔ عاتیہ: عتا عتوا۔ استکبر وجاوز الحد فہو عات۔ عاتیۃ عتو سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی ہے تکبر کرنا، حد سے تجاوز کرنا۔ حسوما: علامہ راغب کہتے ہیں الحسم ازالۃ اثر الشیء یقال قطعہ فحسمہ ای ازال مادتہ۔ وقولہ حسوما قیل حاسما اثرہم وقیل حاسما خیرہم (مفردات) یعنی کسی چیز کا نام و نشان مٹا دینا، جیسے کسی کو نابود کر دینا۔ آیت میں اس کا یہ مفہوم ہے کہ اس آندھی نے ان کا نام و نشان مٹا دیا، ان کی خیر کے حروف ختم کر دیے۔ مقصد یہ ہے کہ عاد پر جو عذاب آندھی کی صورت میں نازل ہوا وہ بے حد ٹھنڈی تھی۔ اس میں حد سے زیادہ تندی اور سرکشی تھی جس نے ان کے تناور درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ ان کے مضبوط مکانات کی بنیادیں اکھیڑ دیں اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑا۔ یہ سلسلہ ایک پہر، ایک دن نہیں رہا بلکہ پوری سات راتیں اور آٹھ دن آندھی لگاتار چلتی رہی۔ ایک لمحہ کے لیے بھی نہ ٹھہری اور نہ اس کی تندی میں کمی آئی۔ خود سوچیے اگر کہیں ساٹھ میل کی رفتار سے ایک گھنٹہ بھر طوفان چلے تو کیا تباہی مچتی ہے اور جہاں ایک سو اسی (۱۸۰) گھنٹے تک یہ تیز آندھی چلی ہوگی وہاں زندگی کا نشان بھی کہیں باقی رہا ہوگا۔ وہ سرکش قوم جو قد و قامت میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتی تھی جب ہوا کے تھپیڑوں نے ان کے جسموں کو زمین پر دے مارا ہوگا تو ان کا خون اور جسم کی ہڈیاں بھی چاٹ لی ہوں گی اور کھجور کے بوسیدہ تنوں کی طرح ادھر ادھر بکھرے پڑے ہوں گے۔

صاحب لسان العرب نے حسوما کی تشریح کرتے ہوئے کہا: ای متوالیۃ۔ وقال ابن سیدہ اراد متوالیۃ فی الشر خاصۃ یعنی حسوما کا معنی ہے لگاتار، مسلسل۔ ایسا تسلسل جو برے اور شر انگیز کاموں میں ہو اسے حسوما کہتے ہیں۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو پھر حسوما کا تعلق لیالی اور ایام سے ہوگا۔ یعنی یہ ٹھنڈی اور تند ہوا مسلسل سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی۔

أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝٧ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ ۝٨ وَجَآءَ

تنے ہیں کھوکھلے کھجور کے۔ کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد ے اور

فِرْعَوْنُ وَمَن قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩ فَعَصَوْا رَسُولَ

فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا ے پس انہوں نے نافرمانی کی اپنے رب

رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ۝١٠ إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنَاكُمْ

کے رسولوں کی تو اللہ نے پکڑ لیا انہیں بڑی سختی سے ے ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتی میں

ے یعنی ان کی نسل بالکل ختم کر دی گئی۔ سب کو یکبارگی موت کی نیند سلا دیا گیا۔ کیا تمہیں ان کی نسل کا ایک فرد بھی کہیں نظر آتا ہے۔

ے اس آیت میں دو لفظ تشریح طلب ہیں۔ المؤتفکات اور الخاطئۃ۔ المؤتفکات جمع ہے۔ اس کا واحد مؤتفکۃ ہے جس کا معنی المنقلبۃ یعنی اُلٹ جانے والی۔ جب کوئی بستی اُلٹ دی جائے تو عرب کہتے ہیں ائتفکت البلدۃ باھلھا اذا انقلبت، اور اسی مادہ سے الافک ہے جس کا معنی جھوٹ ہے کیونکہ جھوٹا بھی حقیقت کو اُلٹا دیتا ہے۔ اس سے مراد قوم لوط کی پانچ بستیاں ہیں جن کے نام یہ ہیں: سدوم، عمورا، ادمہ، صعوبیم، صوغر۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر آگ اور گندھک کا مینہ برسایا، زمین سے پانی نکلا جس نے ان کو ڈھانپ لیا۔ پھر ان کے مکانات پانی میں تحلیل ہو کر ایک جھیل کی شکل میں جمع ہو گئے۔ اسی کو آج بحیرۂ مردار یا بحیرۂ لوط کہتے ہیں۔ اسی کی تہ میں عاد کی وہ اُلٹی ہوئی بستیاں ہیں جن پر مسلسل سات دن اور آٹھ راتیں آندھی چلتی رہی۔

الخاطئۃ: اگر یہ ثلاثی مجرد سے ہو تو پھر اس کا معنی ہے جان بوجھ کر غلطی کرنا اور اگر اس کا باب افعال بنایا جائے تو اس کا معنی ہے بھولے سے غلطی کرنا۔ قیل خطئ اذا تعمد، واخطأ اذا لم یتعمد۔ اصمعی کہتے ہیں المخطی اسے کہا جاتا ہے جو نیکی کا ارادہ کرے لیکن اس سے غلطی ہو جائے اور خاطی اسے کہتے ہیں جو جان بوجھ کر نامناسب بات کا ارتکاب کرے۔ الخاطئۃ، کیونکہ مصدر ہے اس لیے اس کا معنی گناہ ہے۔ قرطبی کہتے ہیں الخاطئۃ، الذنب العظیم، بہت بڑا گناہ۔

آیت کا معنی یہ ہوا کہ جب فرعون اور اس سے پہلے گزری ہوئی قوموں نے اور ان الٹ جانے والے شہروں کے مکینوں نے جان بوجھ کر بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا تو ہم نے ان پر اپنا عذاب بھیجا۔

ے مذکورہ بالا اقوام کی طرف اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھیجے ان لوگوں نے ان کی نافرمانی کی۔ ان کی مخلصانہ نصیحتوں کی پروا نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب مہلت کی مقررہ مدت ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک شدید عذاب جو اپنی شدت میں بہت بڑھا ہوا تھا نازل کیا اور ان کو تباہ کر دیا۔
رابیۃ: زائدۃ، بڑھا ہوا (مظہری) ای شدیدۃ زائدۃ فی الشدۃ (قرطبی)

فِي الْجَارِيَةِ ۙ ۱۱ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ۱۲

میں سوار کر دیا۔ تاکہ ہم بنا دیں اس واقعہ کو تمہارے لیے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان ۱۰

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۙ ۱۳ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَ

پھر جب پھونک ماری جائے گی صور میں ایک بار اور زمین اور پہاڑوں

الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۱۴ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ ۱۵

کو اٹھا کر دفعتہً چور چور کر دیا جائے گا ۱۱ تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے گا۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۙ ۱۶ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ

اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن بالکل بودا ہوگا ۱۲ اور فرشتے اس کے کناروں پر سمٹ

أَرْجَائِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ۗ ۱۷

کر رہ جائیں گے ۱۳ اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا ۱۴

۱۰ ان دو آیتوں میں طوفانِ نوح کا ذکر ہے جس میں ساری زمین غرق ہو گئی لیکن جو خوش نصیب حضرت نوح پر ایمان لائے وہ کشتی میں سوار ہو کر ڈوبنے سے بچ گئے۔ اگرچہ اس کشتی میں سوار ہونے والے اہل ایمان تھے جو مخاطب نہیں لیکن ان کے اجداد کو بچا کر اللہ تعالیٰ نے صرف ان پر احسان نہیں کیا بلکہ ان کی پشتوں میں آنے والی نسلوں پر بھی احسان فرمایا۔ اگر وہ ہلاک ہو جاتے تو یہ کہاں سے پیدا ہوتے۔

۱۱ جب قیامت برپا ہوگی اور نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا اس کا ذکر ان آیات میں کیا جا رہا ہے۔ فرمایا زمین اور اس میں تمام پہاڑوں کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر کے ہموار کر دیا جائے گا کوئی بلندی کوئی پستی کوئی ٹیلہ کوئی گڑھا باقی نہ رہے گا۔ دکّۃ کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ [illegible] دکّا سوّی صعودھا وھبوطھا یعنی زمین کی بلندیوں اور پستیوں کو ہموار کر دینا۔

۱۲ آسمان پھٹ جائے گا۔ اب تک جو ایک ضابطہ کشش کے تحت ہر ستارہ اپنی اپنی جگہ پر ٹکا ہوا ہے یہ ختم ہو جائیں گے۔ الواھیۃ بالیۃ متداعیۃ [illegible] کسی چیز کا بوسیدہ ہو کر گر پڑنا جیسے اس کے اجزا میں باہمی کوئی ربط باقی نہیں رہتا۔

۱۳ وہ فرشتے جو آج اپنے قیام اور کرو بعد سے آسمان کے چپے چپے کو زینت دیے ہوئے ہیں جب آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا تو وہ کناروں پر سمٹ کر کھڑے ہو جائیں گے۔

۱۴ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر تشریف فرما ہوگا اور فرشتے اسے اٹھائے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ

وہ دن جب تم پیش کیے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا۔ پس جس کو دے دیا گیا اس کا نامۂ عمل

بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ﴿١٩﴾ إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي

دائیں ہاتھ میں تو وہ فرطِ مسرت سے کہے گا لو پڑھو میرا نامۂ عمل ۱۹ مجھے یقین تھا کہ میں

مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾

اپنے حساب کو پہنچوں گا ۲۰ پس وہ خوش نصیب، پسندیدہ زندگی بسر کرے گا، عالیشان جنت میں،

منزّہ ہے کہ وہ کسی مکان میں سما سکے۔ عرش کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے ہے کہ اس نسبت سے عرش کی شان بلند ہے نیز یہ مقام اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلیات کی جلوہ گاہ ہے۔ اضافۃ العرش الی اللہ تعالیٰ للتعظیم والاختصاص بتجلی مخصوص۔ کائنات علوی و سفلی میں جس قسم کے تصرفات ہو رہے ہیں، جن تدبیروں کا ظہور ہو رہا ہے ان سب کا مرکز یہی مقام ہے جسے عرش کہا جاتا ہے۔ جس طرح بادشاہ اپنے فرائض جہانبانی اپنے تخت پر بیٹھ کر انجام دیتا ہے اسی طرح عالم وجود میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا منبع اور مصدر یہ مقام ہے۔ اس لیے اسے عرش یعنی تخت الٰہی کہا گیا ہے۔

آٹھ فرشتے اس کے عرش کو اٹھائے ہوں گے ان کے قد و قامت، ان کے جسم اور ان کی شکل و صورت کی تفصیلات پر ایمان لانے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی۔ اس لیے ہم ان کی تفصیلات طے کرنے میں وقت ضائع نہیں کرتے، جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے فرمایا وہ حق ہے۔ جو بات ہماری عقل ناقص سے بلند ہے ہم اس کو اس ذات کے علم کے سپرد کرتے ہیں جو علیم و خبیر ہے۔

۱۸ صالحین اور ابرار کو ان کا صحیفۂ عمل دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ یہ گویا اس امر کی علامت ہو گی کہ یہ لوگ جنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا ہے۔ اس وقت ان کی مسرت و شادمانی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے اور اپنے احباب اور اعزہ کو دعوت دیں گے کہ وہ ان کا صحیفۂ عمل خود پڑھ لیں تاکہ انہیں تسلی ہو جائے۔

هَاؤُمُ اسم فعل بمعنی خُذُوا، اور کلمۂ مُرکّب کے معنی میں ہے۔ کتابیہ، حسابیہ، سلطانیہ وغیرہ کے آخر میں ہا سکتہ کے لیے ہے۔ وقف کریں گے تو پڑھیں گے۔ وصل کی حالت میں اس کی قرأت ساقط ہو جائے گی۔

۲۰ ظننت کا معنی علمت ہے۔ یعنی میں خوب جانتا تھا۔ اپنے علم کو ازراہِ تواضع ظن کہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کسی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے علم کا دعویٰ کرے۔ [illegible] عالیۃ رفیعۃ المرتبۃ۔

یعنی وہ جنت جس کی شان بڑی ارفع ہو گی۔ قطوفها، یعنی اس کے خوشے اتنے نیچے ہوں گے کہ ان کی دسترس سے باہر نہیں ہوں گے یا ان کو توڑنے میں انہیں زحمت اٹھانا نہیں پڑے گی بلکہ نیچے جھکے ہوں گے کھڑے بیٹھے لیٹے جس حال میں وہ ہوں گے ان کو تناول کر سکیں گے۔

قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي
جن کے گچھے جھکے ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے سے اترا کر یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج

الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ
دیے گزشتہ دنوں میں ۱۶ اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامۂ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا اے

يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يَا لَيْتَهَا
کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامۂ عمل۔ اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش

كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّي
موت نے ہی میرا قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی

سُلْطَانِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِي
ختم ہو گئی ۱۷ (فرشتوں کو حکم ہوگا) پکڑو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو پھر دوزخ میں جھونک دو۔ پھر

۱۶ اسلف۔ اس چیز کو کہتے ہیں جو پہلے بھیج دی گئی ہو۔ السلف، المتقدم من الشیء یعنی جو اعمال یہاں پہنچنے سے پہلے تم نے یہاں ارسال کر دیے ہیں۔

۱۷ لیکن جس شخص کو اس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تڑپ اٹھے گا اور واویلا شروع کر دے گا۔ یہ لمحے اس کے انتہائی قلق اور رنج واندوہ کے آشوب سے دوچار ہوں گے۔ اے کاش! مجھے میرا نامۂ اعمال دیا ہی نہ جاتا۔ کاش! مجھے اپنے حساب کی خبر ہی نہ ہوتی۔ جو موت مجھے آئی تھی وہی میرا قصہ تمام کر دیتی میرا ذکر تک کوئی باقی نہ ہوتا۔ مجھے دوبارہ زندہ ہی نہ کیا جاتا۔ کہاں گئے میری دولت کے انبار، کہاں گئی میری حکومت و سلطانی۔ کہاں مر گئے میرے درباری۔ آج کوئی بھی میرے کام نہیں آیا۔ سلطانی ملکی و سلطانی یعنی میرا ملک اور اقتدار۔ سلطان کا ایک معنی دلیل اور برہان بھی ہے۔ اگر یہاں یہی معنی مقصود ہو تو آیت کا مطلب ہوگا کہ دنیا میں میری حجت بازیاں مسلم تھیں۔ جس مسئلہ پر میں اڑ جاتا دلائل کے انبار لگا دیا کرتا تھا۔ میری زبان قینچی کی طرح تیز چلتی تھی۔ آج تو میرا ذہن ماؤف ہو گیا ہے۔ میری زبان گونگی ہو گئی ہے۔ مجھے اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں سوجھتی۔

سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُكُوۡهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤۡمِنُ

ستر گز لمبی زنجیر میں اس کو جکڑ دو ۱۸ بلاشبہ وہ بدبخت، ایمان نہیں لایا تھا

بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيۡسَ

اللہ پر جو بزرگ و برتر ہے۔ اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی ۱۹ پس

لَهُ الۡيَوۡمَ هٰهُنَا حَمِيۡمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِيۡنٍ ﴿۳۶﴾

آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں۔ اور نہ کوئی طعام بجز پیپ کے ۲۰

ع ۵

لَّا يَاۡكُلُهٗۤ اِلَّا الۡخٰطِئُوۡنَ ﴿۳۷﴾ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا

جسے کوئی نہیں کھاتا بجز خطاکاروں کے۔ پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں

لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ

تم نہیں دیکھتے ۲۱ بےشک یہ قول ہے ایک عزت والے رسول کا اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔

۱۸۔ فرشتوں کو حکم ملے گا کہ اس کو پکڑو۔ اس کے گلے میں آہنی طوق ڈال دو اور اسے جہنم میں پھینک دو اور وہاں اسے ستر گز لمبی زنجیروں میں جکڑ دو۔ بھلا دیکھیں اب وہ کیسے بھاگتا ہے۔

۱۹۔ بتایا جا رہا ہے کہ وہ کن جرموں کی پاداش میں اسے یہ ہولناک سزا دی جا رہی ہے۔ ایک تو یہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان نہیں لایا تھا دوسرا یہ کہ بڑا کنجوس اور سنگدل تھا خود تو اپنے گھر سے کسی کو کھانا کھلانے کی اسے کبھی توفیق نہ ہوتی مزید براں اس نے کبھی کسی دوسرے کو بھی جیسے کہ غریب کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دی۔ صرف کنجوس ہی نہیں تھا بلکہ سنگدل بھی تھا۔ لان اقبح القبائح الکفر باللہ تعالٰی واشنع الشنائع البخل وقسوۃ القلب۔ قرآن کریم انسان کی مادی اور روحانی ضروریات کی طرف یکساں توجہ دیتا ہے۔ اس نے جہاں بھی اللہ تعالٰی پر ایمان اور اس کی عبادت کرنے کی تاکید کی ہے وہاں غرباء و مساکین کی ضروریات زندگی کو بہم پہنچانے کا بھی تاکیدی حکم دیا ہے۔

۲۰۔ غسلین۔ صدید اھل النار۔ وہ پیپ جو دوزخیوں کے زخموں سے رس رس کر ایک جگہ جمع ہوگی اور اس سے بدبو آ رہی ہوگی۔ جب ان کو بھوک ستائے گی اور وہ کھانے کے لیے کوئی چیز مانگیں گے تو انہیں یہ غذا دی جائے گی۔ اس روز ان کا کوئی ہمدرد اور دوست نہیں ہوگا۔

۲۱۔ کفار اس بات کا شدت سے انکار کیا کرتے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے بلکہ وہ بضد تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود گھڑ کر یا کسی سے سن کر ہمیں یہ کلام سناتے ہیں۔ کیونکہ اس کلام کی فصاحت و بلاغت کا انکار وہ بھی نہیں کر سکتے تھے، اس لیے کہیں

قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

(لیکن) تم بہت کم ایمان لاتے ہو ۲۳ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو۔

تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ

بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کا۔ اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری

الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٤٦﴾

طرف منسوب کرتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگ دل ۲۴

آپ کو شاعر کہتے اور کبھی کاہن۔ اس سے ان الزامات کی تردید قسم کھا کر کی جا رہی ہے۔ فرمایا جو چیزیں تم کو نظر آتی ہیں جن کا تم مشاہدہ کرتے ہو ان کی بھی میں قسم اٹھاتا ہوں اور جو چیزیں تمہیں نظر نہیں آتیں ان کی بھی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ یعنی ہر چیز کی قسم اٹھاتا ہوں خواہ اس کا تعلق عالم شہادت سے ہو یا عالم غیب سے۔ یہ قرآن نہ کسی شاعر کا کلام ہے اور نہ کسی کاہن کا بلکہ ایک معزز و محترم رسول کا قول ہے۔ رسول کریم سے مراد حضور کی ذات مقدسہ ہے۔ یہاں نام نہیں لیا بلکہ وصف رسالت کو ذکر کیا تاکہ پتہ چل جائے کہ آپ کی حیثیت پیغامبر کی ہے اور پیغام رساں اور پیغامبر اپنی طرف سے گھڑ کر کوئی پیغام نہیں دیا کرتا بلکہ جس نے اسے بھیجا ہے وہ بھی اسی کا پیغام آگے پہنچاتا ہے۔ اس لیے تمہارا یہ اصرار کہ اپنی طرف سے شعر گھڑ کر لوگوں کو سناتے ہیں بالکل بے جا، بے سبب اور ناروا ہے۔ اس لیے اس کے بعد وضاحت فرما دی کہ تنزیل من رب العالمین یعنی رب العالمین کا کلام ہے کیونکہ حضور اپنی زبان مبارک سے اسے پڑھتے تھے اس لیے اسے حضور کا قول کہا گیا۔

۲۳ اس آیت کے آخر میں قلیلا ما تؤمنون اور اگلی آیت کے آخر میں قلیلا ما تذکرون فرما کر اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس رسول کریم میں اور شاعر اور کاہن میں کوئی دور کی بھی مماثلت نہیں جس کے باعث تم اس غلط فہمی کا شکار ہو جاؤ۔ تم اس چکر میں اس لیے پڑے ہو کہ تم ایمان نہیں لائے اور تم نے کبھی غور و فکر سے کام نہیں لیا۔ اگر تم میرے نبی کریم کی نورانی صورت اور پرنور شمائل کا مطالعہ کرو، ان کی پاکیزہ صحبتوں اور بابرکت سرگرمیوں کا جائزہ لو تو پھر تم کبھی انہیں شاعر نہ کہو جن کے پاس مبالغہ آرائی کے سوا کچھ نہیں۔ پھر تم کبھی انہیں کاہن نہ کہو جن کا سارا دھندا کذب بیانیوں اور بیہودہ سرائیوں کے بل بوتے پر چل رہا ہے۔ اگر ایمان کی شمع ہدایت روشن ہو جاتی اور دل و دماغ کی دنیا میں ایمان کی صبح طلوع ہو جاتی تو پھر تم بھولے سے بھی یہ نہ کہتے کہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا کلام ہے۔

۲۴ اس آیت میں مقام نبوت کی نزاکت اور گراں قدر ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔ یعنی جس کی نبوت کو ہم معجزات اور دلائل سے ثابت کر دیں وہ ہرگز ہرگز اپنے رب کے کلام میں اپنی طرف سے کوئی ملاوٹ نہیں کرتا۔ بفرض محال اگر وہ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دے تو یہ کوئی معمولی سا جرم نہیں جس کا نوٹس نہ لیا جائے یا جس سے اغماض برتا جائے۔ بلکہ یہ اتنا بڑا گناہ اور سنگین جرم ہے کہ اگر اسے گوارا کر لیا جائے تو سلسلہ نبوت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ کیونکہ کسی کی بات پر وثوق اور اعتماد ہی نہیں رہے گا۔ اس لیے

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ

پھر تم میں سے کوئی بھی (نہیں) اس سے روکنے والا ہوتا ۲۵ اور بے شک یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے

بہرحال اگر ہمارا کوئی فرستادہ ایسی حرکت کرے، تو ادنیٰ توقف کے بغیر ہمارے انتقام کی تلوار بے نیام ہو جاتی ہے اور آنِ واحد میں اس کی رگِ دل کاٹ کر رکھ دی جاتی ہے۔ تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی خدا کا بھیجا ہوا نبی بھی ایسی قبیح حرکت کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک لمحہ بھی مہلت نہیں دیتا، فوراً اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

الوتین: عرق فی القلب اذا انقطع مات صاحبه (لسان العرب)، عرق یسقی الکبد اذا انقطع مات صاحبه (مفردات)۔ دل کی ایسی رگ کو وتین کہتے ہیں کہ اگر وہ کٹ جائے تو انسان فوراً ہلاک ہو جائے۔ اس آیت سے مرزا قادیانی کے پیرو یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر یہ سچا نبی نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتا تو اس ارشادِ الٰہی کے مطابق اس کی رگِ دل کاٹ دی جاتی اور اسے اسی وقت ہلاک کر دیا جاتا لیکن کیونکہ ایسا نہیں کیا گیا اس لیے ثابت ہوا کہ وہ سچا نبی تھا۔ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے۔ اس آیت میں غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ سزا اس جھوٹے شخص کے لیے نہیں جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہو بلکہ اس کے لیے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سچا نبی بنا کر بھیجا ہو، پھر معجزات اور دلائل قطعیہ سے اس کی نبوت کی صداقت ثابت کی ہو۔ اگر ایسا نبی کوئی غلط بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے گا تو اس کو یہ سزا ملے گی۔ اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ مرزا صاحب پہلے شخص تو نہیں جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔ ان سے پہلے بھی کئی طالع آزما لوگوں نے نبوت کا سوانگ رچایا، کیا مرزا صاحب یا ان کے حواری بتا سکتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی رگِ جان کاٹ کر انہیں ہلاک کر دیا گیا؟ ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ ہونا ان کی نبوت کی دلیل بن سکتا ہے۔ لوگ تو خدا بننے کا بھی دعویٰ کرتے رہے ہیں اور بڑے ٹھاٹھ سے انہوں نے اپنی زندگیاں گزاری ہیں۔ فرعون وغیرہ بیسیوں مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔

غیرتِ خداوندی اپنے مقربین سے اس قسم کی غلطی کو برداشت نہیں کرتی، جھوٹا تو پہلے ہی جھوٹا ہے۔ اس کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جاتا البتہ اس کے جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے دیگر دلائل سے کام لیا جاتا ہے جن سے ہر ذی شعور اس کو جھوٹا سمجھنے لگتا ہے۔ تَقَوَّلَ: افتراء و تکلف و تصنع فی القول۔ کسی پر بہتان باندھنا، تصنع اور بناوٹ کرنا۔ الاقاویل: الاقوال المفتراة، وہ جھوٹی باتیں جو بطور افتراء بنائی گئی ہوں۔ یمین سے مراد یا تو قوت و قدرت ہے۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا۔ لاخذنا منه بالیمین۔ یعنی ایسے مفتری کو ہم پوری قوت سے پکڑ لیں گے اور اگر یمین کا معنی دایاں ہاتھ لیا جائے تو پھر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس مفتری کا دایاں ہاتھ پکڑ لیں گے تاکہ وہ بھاگ نہ سکے، پھر اس کی رگِ جان کاٹ دیں گے۔

۲۵ جب ایسے مفتری کو ہم یہ عبرتناک سزا دینے لگیں تو تم میں سے کسی میں یہ ہمت و جرأت نہیں کہ اس کو روک سکے اور اسے ہماری سیفِ غضب سے بچا لے۔

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ

پرہیزگاروں کے لیے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں۔ اور یہ بات باعث حسرت ہوگی

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾

کفار کے لیے۔ اور بے شک یہ یقیناً حق ہے ۲۶ پس اے حبیب! آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے ۲۷

ع ۲

۲۶ یہاں حق صفت ہے جسے موصوف الیقین کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ ای انہ الیقین الحق یعنی ایسا یقین جو سراسر حق ہے جس میں باطل کی قطعاً دخل ممکن نہیں۔

۲۷ اے حبیب! اپنے رب کی پاکی بیان کیا کرو جس نے آپ کو ان لامحدود انعامات سے سرفراز فرمایا ہے۔ تمام انبیاء و رسل کا آپ کو سردار بنا دیا ہے۔ آپ کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجایا ہے۔ آپ کو رحمۃ للعالمین کا لقب عطا فرمایا ہے اور آپ کو حبیب اللہ کے لقب سے ممتاز کیا ہے۔ جس رب نے آپ پر اتنے بے شمار احسانات فرمائے ہیں وہ واقعی عظیم ہے۔ اس کی تسبیح کرنا، اس کی حمد کرنا، اس کا شکر بجا لانا آپ پر فرض ہے۔

اس ارشاد ربانی کی تعمیل میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بڑی لگن اور بڑے شوق سے مشغول رہا کرتے۔ ساری ساری رات کھڑے ہو کر رب قدوس کی حمد و تسبیح کیا کرتے یہاں تک کہ سحر ہو جاتی اور پائے مبارک سوج جایا کرتے۔ جب عرض کیا جاتا تو فرماتے اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

○

سبحان ربی العظیم سبحان ربی الاعلیٰ۔ سبحان اللہ الملک الصمد۔ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر۔

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ المصطفیٰ ورسولہ المرتضیٰ وعلیٰ آلہ قادۃ الوریٰ واصحابہ نجوم الھدیٰ ومن تبعہ الیٰ یوم الدین۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سورہ المعارج

نام : اس سورت کی تیسری آیت میں المعارج کا کلمہ ہے اسی کو اس سورت کا عنوان مقرر فرمایا۔ اس میں دو رکوع، چوالیس آیتیں، دو سو چوبیس کلمات، نو سو انتیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ یہ ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے۔

مضامین : اہل مکہ قیامت کے برپا ہونے کو ناممکن اور محال سمجھتے تھے اور جب بار بار انہیں قیامت سے ڈرایا جاتا تو وہ ازراہِ استہزا کہتے کہ ہم حضور سے آپ نے قیامت آنے کی، قیامت آنے کی رٹ لگا رکھی ہے اسے لے کیوں نہیں آتے تاکہ ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ قیامت کیسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس بیمار ذہنیت کی اصلاح فرما رہے ہیں کہ اے اہل مکہ! قیامت آنے کی ضرور آئے گی، دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی لیکن وقوعِ قیامت کوئی کھیل تماشہ نہیں کہ ادھر آپ نے فرمائش کی اور ادھر وقوعِ قیامت کا عمل شروع ہو گیا بلکہ یہ تو ایک بڑا ہولناک سانحہ ہوگا۔ آسمان، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اس کی ہولناکی اور دہشت سے ہر شخص تھر تھر کانپ رہا ہوگا۔ دوست، بھائی، بیوی، بچے، ماں باپ سب فراموش ہو جائیں گے ہر کسی کو اپنے نفس کی پڑی ہوگی، اس لیے تم نادان نہ بنو، قیامت تمہارے کہنے پر نہیں آئے گی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو وقت مقرر کر دیا ہے جب وہ وقت آئے گا تو قیامت خود بخود برپا ہو جائے گی۔

(۲) اسلامی نظامِ عبادات اور نظامِ اخلاق، انسان کی خامیوں اور کوتاہیوں کو جس حیرت انگیز طریقہ سے دور کرتا ہے اس کا اظہار فرما دیا۔ بتا دیا کہ انسان اپنی سرشت کے لحاظ سے بڑا بے صبرا اور حریص ہے۔ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بلبلا اٹھتا ہے جب اسے نعمت دی جاتی ہے تو وہ کنجوس بن جاتا ہے۔ خود سوچیے جس انسان میں یہ عیوب ہوں وہ قطعاً قابل احترام نہیں لیکن نماز، زکوٰۃ، قیامت پر ایمان، عفت و عصمت، امانت، دیانت اور عہد کی پاسداری وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے انسان کی خامیاں دور ہو جاتی ہیں اور اس کے نقائص کی اصلاح ہو جاتی ہے جو انسانیت کے دامن پر بدنما داغ کی حیثیت رکھتے ہیں ایسے انسان میں انسانیت کا وہ حسن و جمال نظر آنے لگتا ہے جس کی وجہ سے یہ مسجودِ ملائک بنا اور اسے خلافتِ ارضی کی مسند پر متمکن کیا گیا۔

(۳) پھر فرمایا یہ کفار کس بات پر فخر و ناز کرتے ہیں ان کے اعمالِ بد کے باعث اگر ہم ان کو نیست و نابود کر دیں گے تو دنیا غیر آباد نہیں ہو جائے گی بلکہ ان کے تمام مقام پر ہم ایسے لوگ کھڑے کر دیں گے جو اپنے حسنِ عمل سے عالمِ کائنات کے گیسوؤں کو سنوارنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے ——— آخر میں پھر وقوعِ قیامت کے یقینی ہونے کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی۔

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَأَرْبَعُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سورۂ المعارج مکی ہے، یہ چوالیس آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ① لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ②

مطالبہ کیا ہے ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے گا۔ وہ مخصوص ہے کفار کے لیے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں ۱؎

۱؎ سَأَلَ کے دو معنی ہیں۔ پوچھنا، دریافت کرنا اور طلب کرنا، مانگنا۔ اگر پہلا معنی لیا جائے تو آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ اہل مکہ پوچھتے ہیں کہ جس عذاب کا آپ ہر وقت ذکر کرتے رہتے ہیں، وہ کن لوگوں پر نازل ہو گا تو ان کے اس سوال کا جواب دیا گیا کہ وہ کفار پر نازل ہو گا اور جب نازل ہو گا تو کوئی اس کو ٹال نہ سکے گا۔

اگر سائل کا دوسرا معنی لیا جائے تو پھر اس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ نضر بن حارث نے ایک وقت خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی۔ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ الٰہی اگر جو کلام یہ پیش کرتے ہیں حق ہے اور تیری طرف سے نازل ہوا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دوسرا دردناک عذاب نازل کر۔ اس آیت میں اس نابکار کی اس احمقانہ دعا کا ذکر ہے کہ وہ ہم سے دعائیں مانگتا ہے کہ اس پر عذاب نازل کیا جائے۔ وہ سن لے کہ جس عذاب کے لیے اس نے دعا مانگی ہے وہ نازل کیا جائے گا اور اس کے ہمراہ کفر و عناد اس میں بھونکا جائے گا اور اس وقت دنیا کی کوئی طاقت اس عذاب کو ٹال نہ سکے گی۔ لیکن ابھی نہیں، ابھی تو میرا محبوب تمہارے درمیان تشریف فرما ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ہم عذاب نازل نہیں کریں گے۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ۔ میرے رسول کو یہاں سے جانے دو، پھر دیکھو تمہاری کیسی خبر لی جاتی ہے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو دوسرے سال ہی بدر کی جنگ ہوئی اور اسے بری طرح قتل کر دیا گیا۔ اور پورا عذاب تو قیامت کے دن ملے گا۔ آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ ایک سوال کرنے والے نے ہم سے یہ سوال کیا ہے کہ ہم اس پر عذاب اتاریں اور اس کو اس کے کفر و شرک کا مزا چکھائیں۔ لِلْكَافِرِينَ الخ سے اس سائل کا جواب ہے اور الکافرین کا متعلق محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ هُوَ أَيْ ذَلِكَ الْعَذَابُ الْمَسْئُولُ حَقٌّ مُهَيَّأٌ مُرْصَدٌ لِلْكَافِرِينَ فَلَا يَتَعَجَّلْهُ۔ (التفسیر المظہری) یعنی جس عذاب کے لیے اس نے دعائیں اور التجائیں کی ہیں وہ بالکل تیار ہے، وہ ضرور انہیں دکھایا جائے گا لیکن اپنے وقت پر۔ جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ اور جب وہ مقررہ گھڑی آ جائے گی تو دنیا کی کوئی طاقت اس عذاب کو ٹال نہ سکے گی۔

مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ﴿٣﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ

یہ اللہ کی طرف سے ہے جو زینوں کا مالک ہے ۲ عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل اللہ کی بارگاہ میں ۳

یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿٤﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا

یہ عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے ۴ (اے حبیب!) صبر کیجیے جو بہت

۲۔ یہ عذاب نازل کرنے والا کوئی کمزور اور ضعیف شخص نہ ہوگا جس کو وہ بیچارگی دکھا سکتے ہیں بلکہ یہ عذاب اللہ جل مجدہ کی طرف سے ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ بلند مقامات کا مالک ہے۔

معارج، عروج سے ہے۔ عروج کا معنی بلند ہونا، اونچا ہونا ہے۔ اس سے اسم آلہ معراج اور معرج ہے۔ اسی کی جمع معارج اور معاریج ہے۔ اس کا معنی ہے سیڑھیاں، زینے جن کے ذریعے انسان اوپر چڑھتا ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں معارج سے مراد آسمان ہیں کیونکہ وہ بھی زینوں کی طرح درجہ بدرجہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ قال ابن مسعود ذی المعارج ای ذی السموات یا معارج سے مراد وہ مراتب و درجات ہیں جو فرشتوں کو عطا کیے گئے ہیں اور جب معارج کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد وہ شان اور وہ عظمت ہے جو اس کی ذات اقدس کے شایاں ہے۔

۳۔ الروح سے مراد جبریل امین ہیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ الروح سے مراد روح انسانی ہے جس کا تعلق عالم امر سے ہے اور انبیاء و اولیاء کی ارواح مقدسہ دوری اور ظلمت کی پستیوں سے پرواز کر کے رب ذوالجلال کے حریم قرب میں نشیمن بنا لیتی ہیں۔

لما ان الروح روح البشر الذی هو من عالم الامر فان ارواح البشر من الاولیاء والانبیاء تعرج من حضیض البعد والظلمة الی معارج القرب والحضور۔ (مظہری)

۴۔ اس کا تعلق واقع کے ساتھ ہے یعنی جس عذاب کے نزول کے بارے میں وہ دعائیں مانگ رہے ہیں وہ ایسے دن میں واقع ہوگا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال سئل رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم عن یوم کان مقداره خمسین الف سنة ما اطول هذا الیوم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے رسول کریم سے پوچھا گیا کہ وہ دن تو بہت طویل ہوگا جس کا طول پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا

فقال علیه الصلوة والسلام والذی نفسی بیده انه لیخفف علی المؤمن حتی یکون اخف علیه من صلوة مکتوبة یصلیها فی الدنیا۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے یہ دن مومن کے لیے بڑا مختصر کر دیا جائے گا یہاں تک کہ جو وقت فرض نماز کے ادا کرنے میں لگتا ہے اس سے بھی اسے مختصر معلوم ہوگا

اس میں تنافی کوئی اجتماعی نہیں۔ وقت کی مقدار ایک ہوتی ہے لیکن کسی کے لیے وہ وقت ایک لمحہ کی طرح گزر جاتا ہے اور کسی کے لیے

وقت بڑا طویل ہوتا ہے۔ قیامت کا دن تو وہی ہوگا لیکن اہل ایمان کو وہ بڑا مختصر معلوم ہوگا اور جس مجرموں کو وہ پچاس ہزار سال کے برابر محسوس ہوگا اور جو مصیبت ستر اور اسٹالی ہوں گے انہیں پچاس ہزار سال جتنا لمبا معلوم ہوگا۔ علامہ آلوسی نے عرب کے اشعار سے اس پر استشہاد کیا ہے۔

من قصر الليل اذا زرتني   اشكو وتشكين من الطول

جس رات تو مجھے ملاقات کا شرف بخشتی ہے تو میں تو شکوہ کرتا ہوں کہ یہ رات نہایت مختصر تھی اور تو اس کے طویل ہونے کی شکایت کرتی ہے۔

بعض نے تو اس سے مراد پورے پچاس ہزار سال لیے ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ پچاس ہزار کا عدد مقصود نہیں بلکہ محض اس کی طوالت کو بیان کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہی قول منقول ہے۔

تعرج الملائکة کی ایک اور تعبیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن نہیں بلکہ اب بھی فرشتے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں اور وہاں سے احکام اور ہدایات حاصل کرتے ہیں اور نہایت قلیل وقت میں ان کی تنفیذ کے لیے اپنے اپنے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ مسافت جو وہ پل بھر میں طے کرتے ہیں اتنی طویل ہے کہ اگر انسان اپنی طبعی رفتار سے چلنا شروع کرے تو پچاس ہزار سال میں منزل تک پہنچ سکے گا۔

قال محمد بن اسحاق لو سار ابن آدم من الدنيا الى موضع العرش سار خمسين الف سنة (مظہری)

علامہ پانی پتی اس کے بعد لکھتے ہیں:

ومن ههنا قالت الصوفية العلية ان فناء القلب الذي يحصل للصوفي بالجذب من الله تعالى متوسطا بالنبي صلى الله تعالى عليه وسلم والمشائخ الابرار والمجاهدات لا يحصل بالعبادات والمرتاضات من غير جذب من شيخ انما يحصل لمن في زمان كان مقداره خمسين الف سنة والمراد مقدار عمر الدنيا الى ما شاء الله المدة فلذلك ظهر ان الوصول الى الله تعالى من غير جذب منه تعالى بتوسط احد من المشائخ كما هو المعتاد وبلا توسط ذو جهل كما يكون لبعض الاويسيين من الافراد متعذر والله المستعان.

ترجمہ: اسی لیے صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ فنائے قلب کا مقام صوفی کو صرف اللہ تعالیٰ کی کشش اور جذب سے حاصل ہوتا ہے اور یہ جذب و کشش حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مشائخ کے توسط سے حاصل ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص شیخ کامل کی توجہ کے بغیر صرف عبادت اور ریاضت سے اس مقام تک پہنچنا چاہے تو اس کے لیے پچاس ہزار سال کا عرصہ درکار ہے اور اتنی عمر کسی کی نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ بات آشکارا ہو گئی کہ پیر کامل کی توجہ کے بغیر کسی کا اس مقام پر فائز ہونا محال ہے۔ واللہ المستعان (مظہری)

جَمِيلًا ﴿٥﴾ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ﴿٦﴾ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ﴿٧﴾ يَوْمَ تَكُونُ

خوبصورت صبر ۵ کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے ۶ لیکن ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں ۷ اس روز آسمان

السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْأَلُ

پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہو گا ۸ اور پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے ۹ اور کوئی جگری دوست کسی

حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿١٠﴾ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ

جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا ۔ ۱۰ دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو ۔ مجرم آرزو کرے گا کاش! فدیہ دے سکتا

۵ کفار کی اس قسم کی باتیں محض مذاق اڑانے اور حضور کے دل رحیم کو دکھانے کے لیے ہوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حبیب! ان نادانوں کو بیہودہ سرائی کرتے دیجیے۔ آپ ان کی پروا نہ کریں اور تحمل و سنجیدہ خاطری اور صبر سے کام لیں۔ اور صبر بھی وہ صبر جمیل ہے کہ مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو زبان شکوہ سنج نہ ہو۔ لبوں پر حرف شکایت نہ آئے۔ صبر جمیل کا مفہوم حضرت ابن عباس نے یہ بیان کیا ہے ھو الذی لا شکوی فیہ الی احد غیر اللہ تعالیٰ (روح المعانی)

۶ کفار عذاب قیامت کو بعید خیال کرتے ہیں یعنی قیامت کا وقوع بہت دور ہے۔ اس کی تاریخ کا بھی کسی کو علم نہیں۔ اور بعید کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ اسے ناممکن اور محال سمجھتے ہیں۔ جب قیامت کا وقوع ان کے نزدیک خلاف عقل اور ناممکن ہے تو عذاب بھی محال و ناممکن ہو گا۔ ای بعیدا عن الامکان (روح المعانی) عن الامکان او الوقوع بعیدا فی العقل محالا او الوقوع صعبا (مظہری)۔ لیکن ہم اسے بالکل قریب دیکھ رہے ہیں۔ اس کا پہلا مطلب یہ ہے ... جو چیز آنے والی ہو وہ قریب ہے کیونکہ اسے زود یا بدیر آکر رہنا ہے۔

۸ مُہل کہتے ہیں پگھلی ہوئی دھات کو۔ تانبہ ہو یا چاندی ہو۔ المذاب من النحاس وغیرہ من الفلزات۔ اس کا دوسرا معنی تیل کی تلچھٹ بھی ہے دُردِی الزیت۔

۹ اس روز آسمان کے مختلف رنگ ہوں گے۔ اس کے رنگوں کے اختلاف کو مختلف مقامات پر مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا۔ العِهن: وہ اون جو مختلف رنگوں سے رنگی ہوئی ہو۔ الصوف المصبوغ الوانا کیونکہ پہاڑوں کے رنگ گوناگوں ہوتے ہیں اس لیے ان کو عہن سے تشبیہ دی گئی ہے۔ الحمیم: القریب الذی تھتم بامرہ الصدیق۔ ہر دوست کو نہیں کہتے بلکہ ایسا دوست جس کا تمہیں ہر وقت خیال رہتا ہے۔ اس کی کسی حالت سے تم بے پروائی اور بے رخی اختیار نہیں کر سکتے۔

۱۰ یعنی کہ وہ اس لیے ایک دوسرے کی خبر گیری نہیں کریں گے کہ انہیں پتہ نہ چلے گا کہ ان کے جانی دوست پر کیا بیت رہی ہے بلکہ سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ آنکھوں کے سامنے درگت بن رہی ہو گی لیکن ہر شخص اپنے بارے میں اتنا متفکر ہو گا کہ

عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيلَتِهِ

آج کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو ۰ اپنی بیوی کو ۰ اپنے بھائی کو ۰ اپنے خاندان کو جو (دنیا میں)

الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنجِيهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهَا

اسے پناہ دیتا تھا ۰ اور دے دے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو تاکہ یہ (فدیہ) اس کو بچا لے ہرگز نہیں وہ تو ایک شعلہ

لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ

مارنے والی آگ ہے ۰ جو گوشت پوست کو اتار دے گی ۰ وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا ۰ اور مال جمع کرتا رہا پھر

فَأَوْعَىٰ ﴿١٨﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

اسے سنبھال سنبھال کر رکھتا رہا ۰ بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے ۰ جب اسے تکلیف پہنچے تو

کسی کو دوسرے سے پرسش حال کا ہوش ہی نہیں ہوگا۔

۹؎ بلکہ اس دن مجرم یہ آرزو کرے گا کہ کاش اس کی گلو خلاصی ہو جائے اسے نجات مل جائے اور اس مقصد کے لیے اگر اسے اپنا بیٹا، بیوی، بھائی اور اپنا خاندان بھی فدیہ کے طور پر دینا پڑے تو وہ دے دے گا۔

۱۰؎ لیکن کسی کو وہ اپنے بدلے قربانی کا بکرا نہ بنا سکے گا۔

۱۱؎ إنها کی ضمیر کا مرجع آگ بھی ہو سکتی ہے اور جہنم بھی۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ ایسی آگ ہوگی جس میں شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ جہنم جس کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔

۱۲؎ شوی جمع ہے۔ اس کا واحد الشواۃ ہے۔ یہ سر کی کھال کو بھی کہتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں اور دیگر اطراف جسم جن پر ضرب لگنے سے انسان کی موت واقع نہیں ہوتی ان کو بھی شوی کہا جاتا ہے اور انسان کی ساری ظاہری کھال کو بھی شواۃ کہتے ہیں۔ یقال الشواۃ ظاهر الجلد کله۔ (تاج العروس) علامہ قرطبی نے ضحاک سے نزاعة للشوی کا یہ معنی بھی لکھا ہے تفری اللحم والجلد عن العظم حتی لا تترک منه شیئا یعنی یہ آگ انسان کے گوشت اور پوست کو ہڈیوں سے ادھیڑ دے گی۔

۱۳؎ آگ ان لوگوں کو بلائے گی، کہے گی۔ إلیّ یا مشرک۔ إلیّ یا منافق۔ اے مشرک! کہاں بھاگتے ہو ادھر آؤ۔ اے منافق! کہاں بھاگتے ہو ادھر آؤ۔

۱۴؎ یہ چند آیات ۱۹ تا ۳۵ آپ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ یہاں بڑی وضاحت سے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے کہ اسلام نے عبادات کا جو نظام اپنے ماننے والوں کے لیے تجویز کیا ہے وہ محض پوجا پاٹ اور بے مقصد رسومات نہیں ہیں جن کو انسان کی

اصلاح اور تربیت سے دُور کا واسطہ بھی نہ ہو، بلکہ وہ انقلاب آفرین پیغام ہے جو انسان کی صرف تربیت ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی سرشت میں جو عیوب اور کمزوریاں ہیں، ان کا بیخ قلع قمع کر دیتا ہے اور اس کو ایسی خوبیوں اور کمالات سے مزین کرتا ہے کہ وہ اپنے لیے، اپنے خاندان کے لیے، اپنی قوم کے لیے اور اپنے ملک کے لیے باعث صد عز و افتخار بن جاتا ہے۔ اس کے دم سے حق کا بول بالا ہوتا ہے، اس کی دل نوازیوں سے ذوقِ انسانیت کے آلام و مصائب میں کمی آجاتی ہے۔ وہ پیکر یمن و برکت جدھر سے گزر جاتا ہے مسرتوں کے پھول کھل جاتے ہیں، خوش حالی کے چراغ روشن ہو جاتے ہیں، بے کسوں اور بے بسوں کو نئی زندگی، نئی اُمنگ مل جاتی ہے۔ آئیے ذرا ان قرآنی آیتوں میں غور کریں اور ان کے دامن میں رموز و نکات کے جو خزانے سمٹے ہوئے ہیں ان کا مشاہدہ کریں۔

پہلے مشکل الفاظ کی تشریح سنیے: ھلوع الحریص علی ما لا یحل، قال مقاتل ضیق القلب، قال عطیۃ عن ابن عباس تفسیرہ ما بعدہ، یعنی وہ حریص جو حلال و حرام کی تمیز نہ کرے اسے ھلوع کہتے ہیں۔ مقاتل کہتے ہیں کہ اس کا معنی تنگ دل ہے۔ عطیہ نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس کا معنی بعد کی دو آیتوں میں بتا دیا گیا ہے۔

جزوع: جزع سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ عند المس قلیل الصبر۔ بہت جزع فزع کرنے والا۔

منوع: الضنین الممسک، سخت کنجوس، سخت بخیل

اب ان تینوں آیات کو دوبارہ پڑھیے۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی سرشت میں تین عیب ہیں۔ ایک تو وہ حریص اور کم ظرف ہے۔ ایسی چیزوں کو بھی ہڑپ کرنے کے لیے بے تاب رہتا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں ہوتیں۔ اس کی کوششیں ہر قیمت پر دولت سمیٹنے کے لیے وقف رہتی ہیں۔ خواہ دولت، رشوت سے ملے، لُوٹ کھسوٹ سے ملے، چوری و راہزنی سے ملے، قوم کی غذائی اجناس سمگل کر کے ملے یا قوم و وطن سے غداری کر کے ملے، وہ باز نہیں آتا۔ ایسے لالچی کو عربی میں ھلوع کہا جاتا ہے۔ دوسرا نقص اس میں یہ ہے کہ وہ جزوع ہے، بہت گھبرا جانے والا۔ جب مصائب کی گھٹا اس کی زندگی کے افق پر نمودار ہوتی ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں، اوسان خطا ہو جاتے ہیں، امید کی کوئی کرن اس کو نظر نہیں آتی۔ تیسرا نقص یہ ہے کہ وہ سخت کنجوس، سخت بخیل ہے، کسی ملی یا قومی مقصد کے لیے، کسی نادار اور فقیر کی امداد کے لیے ایک دمڑی بھی خرچ نہیں کرتا۔

اب خود سوچیے کہ جس شخص میں حرص اتنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو کہ وہ حلال و حرام کی تمیز سے بھی قاصر ہو، جو مصیبت کے وقت اپنے اوسان خطا کر بیٹھے اور مایوس ہو کر اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر ڈال دے یا جب وہ دولت مند اور مالدار ہو تو کنجوس، مکھی چوس بن جائے تو کیا ایسے شخص کا وجود اپنے ملک و ملت کے لیے باعث ننگ و عار نہیں ہوتا۔ اس سے اس کی بستی والے بھی نفرت کرتے ہیں، اس کے گھر والے بھی اس سے بیزار ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی وبالِ جان بن جاتا ہے۔

ایسی فطری کمزوریوں کا مریض جب اسلام کی تعلیمات کو اپنا لیتا ہے، جب اس کے ارشادات پر عمل پیرا ہو جاتا ہے، جب اپنی زندگی کے روز و شب کو قرآن کریم کے پیش کیے ہوئے اس قالب میں ڈھال لیتا ہے تو اس کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ وہ حریص نہیں رہتا، وہ غنی ہو جاتا ہے، اس کا دل غنی ہو جاتا ہے، اس کی آنکھیں سیر ہو جاتی ہیں۔ مصائب کے تند و تیز طوفان جب اس سے آکر ٹکراتے ہیں تو اسے فولاد کی چٹان کی مانند مضبوط پاتے ہیں۔ ان حالات میں اس کی امید کا چراغ اور زیادہ ضیاء بار ہو جاتا ہے۔ سیلِ حوادث سے وہ گھبراتا نہیں بلکہ اس

جَزُوْعًا ۝۲۰ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝۲۱ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝۲۲ الَّذِيْنَ

سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو (حد درجہ) بخیل بجز ان نمازیوں کے ۲۲ جو

هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝۲۳ وَالَّذِيْنَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ

اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں۔ اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ

مَّعْلُوْمٌ ۝۲۴ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۲۵ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ

حق ہے سائل کے لیے اور محروم کے لیے ۲۶ اور جو تصدیق کرتے ہیں روز

وقت اس کی خفتہ توانائیاں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں۔ وہ اس سے خلاصی کی بجائے شیروں کی طرح ان پر جھپٹتا ہے۔ اور جب اس پر خوشحالی کا دور آتا ہے تو وہ محتاجوں اور مسکینوں کو ڈھونڈ کر ان کی امداد کرتا ہے۔ وہ کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتا۔ جب تک وہ کسی کی تکلیف کو دور نہ کر دے اسے چین نہیں آتا۔

یہ وہ تبدیلی ہے جو اسلام کے پیش کیے ہوئے نظام عبادات پر عمل کرنے سے انسان میں رونما ہوتی ہے۔ ہماری شومئی قسمت ملاحظہ ہو کہ آج کا مسلمان اس بابرکت پروگرام کو اپنے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ، ایک ناروا پابندی اور ایک غیر دلچسپ مصروفیت گردانتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ فطری کمزوریاں عود کر آئی ہیں اور بڑی کثرت سے انہوں نے ہمارے قلب و نظر کو اپنا آماجگاہ بنا لیا ہے۔

اب آئیے! اس نظام عمل کا مطالعہ کریں جو ہمارے خالق و مالک نے ان آیات میں ہمیں عطا فرمایا ہے۔

۲۳ ان کمزوریوں سے وہ لوگ نجات پا لیتے ہیں جو نماز ادا کرتے ہیں اور نماز ادا کرتے وقت صمیم قلب سے رب کی یاد میں محو ہو جاتے ہیں۔ دائیں بائیں ان کی نظر نہیں اٹھتی۔ یہ اس کیفیت میں ڈوبے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے حضور میں حاضر ہیں۔ ان کی حرکات و سکنات بلکہ دل کے احساسات کو بھی وہ دیکھ رہا ہے۔ ابن المنذر عن ابی الخیر دوام الخشوع۔ ابو الخیر کہتے ہیں کہ ہم نے عقبہ بن عامر سے دریافت کیا کیا اس آیت میں دائمون کا معنی پابندی سے نماز ادا کرنا ہے۔ انہوں نے کہا یہ معنی نہیں بلکہ اس کا مطلب کسی طرف التفات نہ کرنا ہے۔ نمازی کو چاہیے کہ اپنی نگاہ اپنی سجدہ گاہ پر مرکوز رکھے۔ حضور نے حضرت انس کو فرمایا یا انس اجعل بصرک حیث تسجد (اپنی نگاہ اس جگہ رکھو جہاں تم سجدہ کرتے ہو)۔ علماء فرماتے ہیں کہ نظر کو اپنی سجدہ کی جگہ پر مرکوز رکھنے سے حضور قلب حاصل ہوتا ہے اور خطرات سے نجات ملتی ہے۔

۲۶ وہ مال کو اپنی ذات کے لیے مخصوص نہیں کر لیتے بلکہ انہوں نے اس میں ایک خاص حصہ مقرر کر رکھا ہے جو وہ سائلوں اور محروموں کو دیتے ہیں۔ سائل سے مراد مانگنے والا اور محروم سے مراد وہ شخص ہے جو ناداری کے باوجود کسی سے مانگ نہ سکتا ہو اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کر سکتا ہو۔ یعنی ان لوگوں کو ایسے لوگوں کی تلاش رہتی ہے وہ رات کے اندھیروں میں ان کے گھر جاتے

الدِّيْنِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٢٧﴾

جزا کی ١٧ اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں ١٨

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر رہنے کی چیز نہیں ١٩ اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت

حٰفِظُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ

کرنے والے ہیں ٢٠ بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر

غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

کوئی ملامت نہیں ۔ البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے

الْعٰدُوْنَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿٣٢﴾

بڑھنے والے ہیں ۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں ٢١

ہیں اور لوگوں کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر ان کی امداد کرتے ہیں۔

١٧ یہ لوگ اس زندگی کو آخری زندگی خیال نہیں کرتے بلکہ اس کا ایمان ہے کہ قیامت کے روز انہیں دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھایا جائے گا اور ان سے ان کے اعمال کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔

١٨ وہ نیکیاں کرتے ہیں لیکن ان پر ناز نہیں کرتے۔ ہر وقت اپنی کوتاہیوں کا احساس کر کے اپنے رب کی ناراضگی سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

١٩ وہ جانتے ہیں کہ ان کے رب کے عذاب کو کوئی دور نہیں کر سکتا۔ جیسے صاحب روح کا ایک اور معنی بھی کیا گیا ہے اس لئے یعنی لاحد ان یامن عذابہ عزوجل یعنی وہ کتنے ہی نیکوکار بن جائیں وہ اپنے آپ کو اپنے رب کے عذاب سے امن میں شمار نہیں کرتے بلکہ اس کی بے نیازی سے ہر لحظہ ڈرتے رہتے ہیں۔

٢٠ جو لوگ شہوات کے دامن عفت پر داغ نہیں پڑنے دیتے بلکہ اپنے گوہر عصمت کی پوری طرح حفاظت کرتے ہیں۔

٢١ جو امانتیں ان کے سپرد کی جاتی ہیں وہ ان میں خیانت نہیں کرتے۔ امانتوں سے مراد یہاں ہر قسم کی امانتیں ہیں۔ ہمارے اعضاء ہمارے ہوش و حواس ہماری عقل اور ہماری زندگی سب خدا کی امانتیں ہیں۔ ان کو اس کے حکم کے مطابق صرف کرنا دیانت داری ہے اور ان کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرنا بددیانتی اور خیانت ہے۔ اگر حکومت نے کوئی ذمہ داری کسی کو سونپی ہے تو اس کو اپنی پوری صلاحیتوں

وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ

اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں ۲۲ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی

يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾ فَمَالِ الَّذِينَ

حفاظت کرتے ہیں ۲۳ یہی لوگ مکرم و محترم ہوں گے جنتوں میں ۲۴ پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ

كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ﴿٣٧﴾

آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے ۲۵

أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا

کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (ایمان و عمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنت میں اسے داخل کیا جائے گا ۲۶ ہرگز نہیں۔

کے مطابق انجام دینا بھی اس میں داخل ہے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرے گا تو وہ خائن ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے کوئی زیور، کوئی سامان اور ہر شے امانت اس کے پاس رکھا ہے تو اس کی نگہبانی کرنا اور حسب طلب اس کو جوں کا توں واپس کر دینا بھی اس میں داخل ہے اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ بھی بددیانت اور خائن ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف امانت خواہ بندے کا اپنے رب سے کوئی معاہدہ ہو یا کسی دوسرے انسان سے، اس کا ایفا بھی از حد ضروری ہے۔

۲۲ یعنی جو گواہیاں ان کے ذمہ ہیں انہیں پوری سچائی سے ادا کرتے ہیں۔ کسی کا خوف، کوئی لالچ، کسی ملامت کرنے والے کی ملامت انہیں سچی گواہی دینے سے باز نہیں رکھتی۔

۲۳ جو لوگ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں، نقصان نہیں کرتے، بے وقت نہیں پڑھتے۔

۲۴ ان خوبیوں سے جو لوگ آراستہ ہیں ان میں وہ فطری کمزوریاں باقی نہیں رہتیں، ان کا وجود سب کے لیے باعث رحمت و برکت بن جاتا ہے۔ انہیں اعمال حسنہ کے باعث وہ جنت میں داخل ہوں گے اور وہاں ان کو بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

۲۵ کفار جب حضور کریم کو کہیں بیٹھے ہوئے دیکھتے تو وہ ہر جانب سے جتھے کے جتھے بھاگے چلے آتے اور ٹکٹکی باندھ کر حضور کو دیکھنے لگتے لیکن ان کی یہ سرگرمی دعوت حق سننے کے لیے نہیں بلکہ مذاق اور ہنسی اڑانے کے لیے ہوا کرتی۔ حضور کے ارد گرد جمع ہو کر طرح طرح کے آوازے کستے اور پھبتیاں کستے۔

مُهْطِعِينَ ای مسرعین مقبلین الیک یعنی آپ کی طرف متوجہ ہو کر بڑی تیزی سے آ رہے ہیں۔ عِزِينَ جماعات متفرقہ۔ ٹولیاں ٹولیاں، گروہ در گروہ۔

۲۶ ارد گرد جمع ہو کر شور مچاتے اور کہتے کہ اگر یہ مفلس اور کنگال مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے کہیں پہلے جنت کی روشوں پر خرام

إِنَّا خَلَقْنَٰهُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ فَلَآ أُقْسِمُ بِرَبِّ ٱلْمَشَٰرِقِ وَٱلْمَغَٰرِبِ

ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس مادہ سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں ۳۹ پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ

إِنَّا لَقَٰدِرُونَ ﴿٤٠﴾ عَلَىٰٓ أَن نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ

ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں ۴۱ اور ہم ایسا کرنے

بِمَسْبُوقِينَ ﴿٤١﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا۟ وَيَلْعَبُوا۟ حَتَّىٰ يُلَٰقُوا۟ يَوْمَهُمُ

سے عاجز نہیں ۴۲ سو آپ رہنے دیجیے انہیں کہ وہ فضول باتوں میں لگے رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں حتیٰ کہ وہ ملاقات کریں اپنے اس دن

بھول گئے۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ نے کسی نعمت سے نوازا تو ہم پر وہ اپنی فضیلت کا ڈھنڈورا پیٹیں گے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ نہ تم ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اس پر یہ خوش فہمیاں کہ تمہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

۳۹ ان کو غیر کسی الگ مادہ سے نہیں اٹھایا گیا جس کے باعث انہیں ایمان و عمل کے بغیر جنت میں داخل ہونے کا حق پہنچتا ہے۔ ایک ہی مادہ ہے جس سے سب کی تخلیق ہوتی ہے۔ غریب، امیر، رذیل، شریف سب مساوی ہیں۔ اگر دوسرے لوگوں کو جنت میں داخل ہونے کے لیے ایمان و عمل کی ضرورت ہے تو کفار کو بھی اس کے بغیر چارہ نہیں۔

آیت کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کس منہ سے نخوت و غرور کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے سامنے اکڑ جاتے ہیں حالانکہ انہیں خوب علم ہے کہ ان کو ایک قطرۂ آب سے پیدا کیا گیا ہے۔

۴۰ ارشاد ہے کہ ان لوگوں کو شاید یہ غلط فہمی ہے کہ دنیا کی رونق اور آبادی ان کے دم قدم سے ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو گلستان ہستی ویران ہو جائے، اس پر خزاں کا عالم طاری ہو جائے۔ فرمایا کہ ہم اپنی ذات کی قسم کھاتے ہیں جو مشارق و مغارب کی پروردگار ہے کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ تمہیں تباہ و برباد کر دیں اور تم سے کہیں زیادہ بہتر کسی قوم کو تمہارا جانشین بنا دیں جو تم سے زیادہ نیک بخت ہو، علم اور عمل کی دولت سے مالا مال ہو، میری وحدانیت پر ایمان رکھتی ہو اور میرے رسول کریم سے دلی محبت رکھتی ہو، ان کے خلوص عقیدہ اور خوبی عمل کی برکت سے ہر طرف بہار ہی بہار آ جائے۔

مشارق، مشرق کی جمع ہے، مغارب، مغرب کی جمع ہے۔ کیونکہ ہر روز سورج کا مشرق و مغرب بدلتا رہتا ہے اس لیے جمع کے صیغے استعمال کیے۔

۴۱ مسبوق اس کو کہتے ہیں جس کو کوئی مدمقابل پیچھے چھوڑ کر خود آگے نکل جائے، یہ عجز و کمزوری کی علامت ہے۔ فرمایا ہم عاجز و کمزور نہیں۔

الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٤٢﴾ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا

سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ۳۱ جس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ (اپنے

كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ

بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ ۳۲ جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں چھا رہی ہو گی ان پر

ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٤٤﴾

ذلت ۳۳ یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

۳۱۔ اے حبیب! آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ انتہائی خلوص کے ساتھ ان کو گمراہی کے اندھیروں سے نکالنے کی کوشش فرمائی۔ یہ پھر بھی باطل سے چمٹے رہنے پر بضد ہیں تو آپ فکرمند اور رنجیدہ کیوں ہوں۔ ان کو چھوڑ دیجئے اپنی خرافات میں غرق رہیں اور اپنی زندگی کی قیمتی ساعتیں کھیل کود میں برباد کرتے رہیں یہاں تک کہ موت کا فرشتہ ان کی یہاں سے روانگی کا اعلان کر دے اور پھر انہیں قیامت کے روز قبروں سے نکال کر اپنا حساب دینے کے لیے حاضر کیا جائے۔

۳۲۔ روز قیامت قبروں سے ان کے نکلنے کا منظر بیان ہو رہا ہے۔ جب صور پھونکا جائے گا تو قبروں سے فوراً اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مجال نہیں ہو گی کہ ذرا توقف بھی کریں۔ بجلی کی تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اپنی اپنی جگہ کی طرف دوڑنے لگیں گے یوں معلوم ہو گا کہ دنیا میں اپنے بتوں کے استھانوں کی طرف جس شوق اور والہانہ انداز سے دوڑا کرتے تھے وہی وارفتگی آج ان پر طاری ہے۔ انہیں علم ہے کہ آج انہیں جہنم رسید کیا جائے گا اگر ان کا بس چلتا تو وہ فرار اختیار کر لیتے۔ اور کہیں بھاگ جاتے۔ لیکن ان کا کلی شعور ان کو کچھ وقت ضائع کرنے نہیں دیتا اور کیا مجال کہ وہ ذرا سستی کریں۔

۳۳۔ انکار کی پاداش میں ان کا یہ حال ہو گا کہ شرم و ندامت کے مارے آنکھیں جھکی ہوں گی اور چہروں پر رسوائی اور ذلت کی دھول جمی ہو گی۔ خستہ حال، بکس، بے بسی کا عالم۔

الٰہی ہمیں صحیح عقائد پر ثابت قدم رکھ اور نیک کام کرنے کی توفیق ارزانی فرما جب تک زندہ رہیں تیرے حبیب

تیرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام اور دین پاک کے مخلص خادم بن کر زندہ رہیں اور جب یہاں سے رخصت ہوں تو شہادت

کی سعادت نصیب فرما۔ نبی کریم کے لواء الحمد کے نیچے ہمارا حشر ہو اور تیرے حبیب کی شفاعت نصیب ہو۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ رَبَّنَا

اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيدنا رحمة للعالمين وعلى آله الطاهرين

وصحبه المكرمين ومن لحبه وتبعه الى يوم الدين۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ نوح

نام : اس سورت کا نام نوح ہے۔ کیونکہ اس میں نوح علیہ السلام کی مساعی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی آیات کی تعداد ۲۸ ہے۔ یہ دو سو چوبیس کلمات اور نو سو نناوے حروف پر مشتمل ہے

زمانہ نزول : یہ بھی ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم کو تباہ کرنے سے پہلے اس کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے کوئی نذیر بھیجا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ یوں ہی بے خبری میں کسی کو ہلاک نہیں کر دیا جاتا۔

نوح علیہ السلام کی دعوت کے تین ستون ہیں۔ ۱۔ اللہ وحدہ کی عبادت۔ ۲۔ تقویٰ اور پرہیزگاری۔ ۳۔ اپنے نبی کی اطاعت۔ انہی اصولوں پر تمام اقوام عالم کی فلاح دارین کا انحصار ہے۔

نوح علیہ السلام نے جس خوبصورتی سے اپنے فرائض نبوت کو ادا کیا اس کی تفصیلات آپ آیات ۵ تا ۲۰ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ نے صرف آخرت کی نجات کا راستہ ہی اپنی قوم کو نہیں دکھایا بلکہ ان سے وعدہ کیا کہ اگر تم میری دعوت کو قبول کر لو گے تو تم دنیا میں بھی خوشحال ہو جاؤ گے۔ تمہارے بنجر میدانوں میں باغات لہلہانے لگیں گے۔ تمہارے خشک نالوں میں نہریں رواں ہو جائیں گی۔ تمہیں اولاد و نرینہ بکثرت دی جائے گی۔ بروقت بارشیں ہوا کریں گی۔ قحط اور خشک سالی کا جو خوف ہر وقت تمہارے اعصاب پر سوار رہتا ہے اس سے نجات مل جائے گی۔

پھر آپ نے اپنی قوم کے رئیسوں کی عیاریوں کا ذکر کیا کہ وہ خود بھی اس دین کو قبول نہیں کرتے۔ اس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ اس دین کی تعلیمات ان کے مفاد سے متصادم تھیں وہ کیسے زکوٰۃ دیں، عیش و نشاط سے وہ کیسے دستکش ہو جائیں، میخواری اور رقص و سرود کو کس طرح درہم برہم کر دیں۔ لیکن وہ غریبوں اور عوام کو بھی نوح علیہ السلام کے نزدیک نہیں آنے دیتے تھے اور اس کے لیے بڑی بڑی عیاریاں اور مکر کرتے تھے۔ ان کے خیر اندیش اور ناصح مشفق بن کر انہیں نصیحتیں کرتے کہ اے عوام! اے طاقت و دولت کے حقیقی سرچشمو! اپنے ملک کے اصل حکمرانو! اس نوح سے بچنا۔ اس کے دام میں نہ آنا۔ یہ تمہیں تمہارے دیوتاؤں سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ خبردار ایسا ہرگز نہ کرنا ہم صرف تمہاری خیر خواہی کے لیے تمہیں مشورے دے رہے ہیں۔ یہ ڈرامہ ہر زمانے میں کھیلا جاتا رہا ہے۔ اور بھولے بھالے عوام ان کے جال میں پھنستے رہتے ہیں۔

نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک شب و روز جلوت و خلوت میں ان کو دعوت حق دیتے رہے۔ یہ حوصلہ اور

اتنا صبر پیغمبر ہی کو نصیب ہوتا ہے لیکن جب ان پر کوئی اثر نہ ہوا، تو آپ نے بددعا کی کہ الٰہی! ان سب کو غرق کر دے اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ رہنے دے۔
آخر میں اپنے لیے اور راستوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور سب کی بخشش کے لیے دامن پھیلاتے ہیں

سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ وَعِشْرُونَ آيَةً فِيهَا رُكُوعَانِ

سورہ نوح مکی ہے۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں دو رکوعات اور ۲۸ آیتیں ہیں

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ

بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف ۱ (اور فرمایا اے نوح!) بروقت خبردار کر دو اپنی قوم کو اس سے

أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝١ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝٢

پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم! میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں ۲

۱۔ تورات کی کتاب پیدائش، باب پانچ آیات ۳ تا ۲۹ میں حضرت نوح علیہ السلام کے احوال درج ہیں۔ اس میں آپ کا نسب نامہ درج ہے۔

نوح بن لمک بن متوسلح بن حنوک بن یارد بن محلل ایل بن قینان بن انوس بن سیت بن آدم۔

اس طرح بھی آپ حضرت آدم سے دسویں پشت میں ہیں۔ علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے بھی حضرت نوح کو دسویں پشت میں شمار کیا ہے اور آپ کے آباء کے ناموں میں برائے نام فرق ہے۔ نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ وھو ادریس بن یرد بن مہلائیل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم علیہم السلام۔ قال وھب کلھم مؤمنون۔ وھب کہتے ہیں کہ یہ تمام کے تمام مومن تھے۔

قتل و حمد کی ابتدا تو حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں ہو چکی تھی حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں نفاق پھیل گیا، لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت نوح کے عہد تک کفر و شرک، ظلم و ستم اور بدکاریوں کی انتہا ہو گئی۔ دل اتنے سخت ہو گئے، مزاج اتنے بگڑ گئے، عقلیں اتنی مسخ ہو گئیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دس بیس پچاس سال نہیں، ساڑھے نو سو سال تک انہیں صبح و شام سمجھایا، خلوتوں اور جلوتوں میں انہیں دعوت حق دی لیکن گنتی کے چند آدمیوں کے سوا کسی نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ ان کا عناد اور بڑھ گیا۔

حضرت نوح، آپ کی تبلیغی مساعی، قوم کی معاندانہ روش کا ذکر آپ پہلے بھی کئی مقامات پر پڑھ چکے ہیں۔ یہ ساری سورت آپ کے حالات پر مشتمل ہے۔ غور فرمائیے جب طبیعتیں بگڑ جاتی ہیں تو اصلاح کی کوششیں کیسے ناکام ہوتی ہیں۔ پہلی آیت میں نوح علیہ السلام کو ان کے فریضہ نبوت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ آپ اٹھیے اور اپنی قوم کے پاس تشریف لے جائیے اور انہیں بتلایئے کہ ان کی پیہم بد اعمالیاں اور کفر و شرک کے باعث وہ عذاب الٰہی کے سزاوار ہو گئے ہیں لیکن ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ اب بھی اگر وہ آنکھیں کھولیں اور اپنی غلط روش سے باز آ جائیں تو ان کی بخشش کی امید کی جا سکتی ہے۔

۲۔ میں تمہیں واضح الفاظ میں اور کھلے کھلے انداز میں ڈرانے والا بن کر آیا ہوں تاکہ تم باز آ جاؤ اور توبہ کر لو۔

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ

کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو اور میری پیروی کرو سے وہ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ سے

وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ

اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ میعاد تک۔ بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آجاتا ہے تو اسے موخر نہیں کیا جا سکتا ہے

لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿٥﴾

کاش تم (حقیقت کو) جانتے ہوتے ہے نوح نے عرض کی اے میرے رب! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت

سے میری دعوت کے تین بنیادی اصول ہیں۔ (۱) کفر و شرک چھوڑ دو۔ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔ اس سے تمہارے عقائد درست ہو جائیں گے۔ تم توہمات اور وسوسوں سے تمہاری عقلیں آزاد ہو جائیں گی اور جب نور توحید چمکے گا تو تمہارا سینہ وادی ایمن بن جائے گا۔ (۲) میری دعوت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ تم تقویٰ کو اپنا شعار بنا لو۔ جب تم متقی اور پارسا بن جاؤ گے تو فسق و فجور کی عفونتوں سے تمہارا دامن پاک ہو جائے گا ظلم و ستم، لوٹ کھسوٹ، جھوٹ اور فریب، خود غرضی اور حرص کا تمہارے معاشرے میں نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا تو سوچو اس طرح تمہارے معاشرے میں کتنی خوش آئند تبدیلی رونما ہو گی۔ (۳) میری دعوت کا تیسرا اصول یہ ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔ تمہارے رب نے مجھے رشد و ہدایت کا نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میں تمہیں سیدھی راہ پر لے چلوں گا اور منزل مراد تک پہنچا دوں گا۔ جب تم مجھے اپنا ہادی اور پیشوا تسلیم کر لو گے تو قوم میں انتشار اور طوائف الملوکی کے بجائے قومی اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ تم ایک منظم اور متحد ملت کی طرح قوت و شوکت کے ساتھ زندگی بسر کر سکو گے۔

سے میری دعوت کو قبول کرنے کا پہلا ثمر یہ نکلے گا کہ تمہارے سابقہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور ان گناہوں کے باعث جو عذاب مقدر ہے تم پر نازل ہونے والا تھا وہ ٹل جائے گا اور تمہاری مہلت کو لمبا کر دیا جائے گا۔

سے جب کوئی قوم اپنے نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتی ہے اور اسے غور و فکر کرنے کے لیے جو مہلت دی گئی ہو وہ ختم ہو جاتی ہے اور مشیت الٰہی اس قوم کو نابود کر دینے کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہے تو پھر کوئی طاقت اس فیصلہ کو موخر نہیں کر سکتی۔

سے اگر یہ حقیقت تم پر آشکارا ہو جائے کہ تم جانتے ہو کہ ان قیمتی لمحوں کو ضائع نہ کرو بلکہ فوراً توبہ کر لو۔

سے نوح علیہ السلام منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد اپنے فرائض کی ادائیگی میں معروف ہو گئے۔ آپ کو برا بھلا کہا جاتا، طعن و تشنیع کے تیر برسائے جاتے، افراد و شان کے طوفان اٹھائے جاتے حتیٰ کہ آپ کو مار مار کر لہولہان کر دیا جاتا۔ آپ بہوش ہو کر گر پڑتے۔ آپ کو کسی مکان میں بند کر دیا جاتا لیکن اس جور و جفا کے باوجود پیکر اخلاص و وفا ان ناہنجاروں کی اصلاح میں لگا رہا اور ان کے لیے دعائیں مانگتا رہا۔ آپ ان کو شب و روز تبلیغ بھی کرتے۔ عام اجتماعوں میں بلند آواز سے انہیں وعظ فرماتے۔ جب وہ اپنی خلوت گاہوں میں بیٹھے ہوتے آپ وہاں جا کر راز دارانہ طور پر ان کو سمجھاتے، ان کو گمراہیاں چھوڑنے کی تلقین کرتے۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ دس سال نہیں، نو سو سال تک

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىٓ إِلَّا فِرَارًا ۝٦ وَإِنِّى كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ

تو میری دعوت نے ان کے فرار (ونفرت) میں ہی اضافہ کیا۔ اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تاکہ تو ان کو بخش دے

جَعَلُوٓا أَصَابِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِمْ وَٱسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا

(تو ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں ۳ اور اپنے اوپر لپیٹ لیے اپنے کپڑے اور اڑ گئے (کفر پر)

وَٱسْتَكْبَرُوا ٱسْتِكْبَارًا ۝٧ ثُمَّ إِنِّى دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝٨ ثُمَّ إِنِّىٓ

اور پرلے درجہ کے مستکبر بن گئے۔ پھر بھی میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی پھر انہیں

أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝٩ فَقُلْتُ ٱسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ

کھلے بندوں بھی سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی۔ پس میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ یقیناً

إِنَّهُۥ كَانَ غَفَّارًا ۝١٠ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ۝١١ وَيُمْدِدْكُم

بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے ۴ وہ برسائے گا آسمان سے تم پر موسلادھار بارش اور مدد فرمائے گا تمہاری

گئیں ان میں حق پذیری کے آثار نمایاں ہونے کے بجائے ان کی ہٹ اور تعصب میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا جب آپ کو ان کے ایمان لانے کی امید ہی نہ رہی تو آپ نے اپنے پروردگار کے حضور میں اپنی دعوت کی سرگزشت بیان کرنی شروع کر دی۔ عرض کی میں نے ان کو سمجھانے میں دن اور رات ایک کر دیا کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن جتنا میں ان کو حق کی طرف کھینچتا ہوں اتنا ہی وہ اس سے دور بھاگتے ہیں اور ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳ جب بھی میں ان کو وعظ کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو یہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس دیتے ہیں تاکہ میری آواز بھی ان تک نہ پہنچے اور اپنے آپ کو اپنے کپڑوں سے ڈھانپ لیتے ہیں تاکہ میری شکل بھی نہ دیکھ سکیں یا منہ پر چادر ڈال کر گزر جاتے ہیں تاکہ میں ان کو پہچان نہ سکوں اور ان کو تلقین نہ کروں۔ الغرض یہ کفر پر جم کر رہ گئے ہیں۔ انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ جب تک تم خواہ کتنے دلائل پیش کرو، ہم کفر کو نہیں چھوڑیں گے۔

ان کا رویہ اپنے رسول کے ساتھ انتہائی متکبرانہ تھا۔ وہ کہتے ہم آپ کو اپنا پیشوا کیسے تسلیم کر لیں کمین اور رذیل قسم کے لوگ آپ کے مرید ہیں۔ کسی قابل شخصیت نے کسی اونچے خاندان کے کسی فرد نے آپ کو آج تک نبی تسلیم نہیں کیا۔ ان لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی ہماری توہین ہے۔ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ۔ (الشعراء: ۱۱۱)

۴ یعنی میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اگر تم سچے دل سے توبہ کر لو گے تو صرف تمہاری آخرت ہی نہیں سنورے گی بلکہ دنیا بھی سنور جائے گی۔

بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾

اموال اور فرزندوں سے سلے اور بنا دے گا تمہارے لیے باغات اور بنا دے گا تمہارے لیے نہریں۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پروا نہیں کرتے اللہ کی عظمت و جلال کی سلے حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے سلے کیا تم نے

بر وقت بارشیں برسیں گی، قحط سالی کا تمہیں کوئی اندیشہ نہ رہے گا۔ رب جلیل نے سرسبز کھیتوں اور ثمر دار باغوں میں آب پاشی کی ضرورت پوری ہوتی رہے گی۔
سلے صرف اتنا ہی نہیں تمہارا دامن حسن و جمال کی دولتوں سے بھی بھر دیا جائے گا، خوبصورت تندرست قوی ہیکل فرزند عطا کئے جائیں گے اور مال و دولت میں بھی بہت اضافہ
ہو جائے گا۔ یہ بنجر زمینیں، چٹیل بیابان، لق و دق صحرا جہاں ہر سو ویرانی ہے، سرسبز و شاداب باغات سے لہلہا اٹھیں گے، ان میں نہریں بہنے لگیں گی، یہ بہار تمہیں اللہ کی یاد دلائے گی۔
سورۂ مائدہ کی آیت ۶۶، الاعراف کی آیت ۹۶، سورۂ ہود کی آیت ۵۲ اور آیت ۳ اسی مضمون کی تائید کرتی ہیں کہ جو قوم اللہ تعالیٰ کی
فرمانبرداری بجا لاتی ہے اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کر استغفار کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مالی حالت بھی بہتر بنا دیتا ہے۔ امام شعبی سے منقول ہے کہ حضرت
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استسقاء کے لیے نکلے اور صرف استغفار کر کے واپس چلے آئے اور خوب بارش برسنے لگی۔ صحابہ نے کہا کہ آپ نے تو استسقاء
کیا ہی نہیں پھر بارش کیسے آ گئی۔ آپ نے جواب دیا لقد طلبت المطر بمجاديح السماء التي يستنزل بها المطر ثم قرأ استغفروا
ربكم، میں نے بارش آسمان کے ان ستاروں کے طفیل طلب کی ہے جس کے باعث بارش اترتی ہے۔ پھر یہ آیتیں پڑھیں۔ معلوم ہوا کہ استغفار
بھی نزول بارش کا ذریعہ ہے۔
قرطبی لکھتے ہیں کہ امام حسن بصری کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے قحط سالی کی شکایت کی، آپ نے اسے فرمایا استغفر اللہ۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت
طلب کر۔ ایک اور آدمی آیا اس نے فقر کی شکایت کی، اس کو بھی یہی جواب دیا۔ تیسرا آدمی آیا، اس نے اولاد کے لیے درخواست کی، اس کو بھی یہی جواب دیا۔
ایک اور آدمی آیا اس نے عرض کیا میرا باغ خشک ہو گیا ہے، اس کو بھی یہی جواب دیا۔ ہم نے کہا کہ مختلف لوگوں نے مختلف ضرورتیں پیش کیں اور آپ نے
سب کو ایک ہی جواب دیا۔ حسن بصری نے کہا کہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوح میں فرمایا ہے۔ استغفروا ربكم انه
كان غفارا يرسل السماء عليكم مدرارا ويمددكم باموال وبنين ويجعل لكم جنت ويجعل لكم انهارا۔ (قرطبی)
سلے جب اس دعوت کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو آپ انہیں سرزنش فرمانے لگے کہ بڑے افسوس کی بات ہے اگر کوئی معمولی آدمی تمہارے
پاس آتا ہے تو تم اٹھ کر اسے سلام کرتے ہو، اگر کسی علاقے کا کوئی سردار آ جائے تو اس کا تم احترام کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ہی ایک ایسی ذات ہے جس کا
تمہیں کوئی لحاظ نہیں، جس کی تمہیں کوئی پروا نہیں، جس کی گرفت کا تمہیں کوئی خوف نہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ مالكم لا تبالون
لله عظمة۔ یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی کی تم پروا نہیں کرتے۔ قطرب کہتے ہیں کہ حجازی لغت میں اس کا یہی معنی ہے۔ ہذلی،
خزاعہ اور مضر یقولون لم ارج لم اُبال۔ (قرطبی)۔ وقار، عظمت۔
سلے اطوار کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کئی مرحلوں سے گزارا اور پھر اس شکل و صورت میں آراستہ کر کے پیدا فرمایا۔ قال ابن عباس،

تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ

نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ [۱۳] اور بنایا ہے چاند کو

فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ

ان میں روشنی اور بنایا ہے سورج کو درخشاں چراغ۔ اور اللہ نے تم کو زمین سے

الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ

عجیب طرح اُگایا ہے [۱۴] پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی) سے تمہیں دوبارہ نکالے گا۔ اور اللہ نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

ہی زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا ہے تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو [۱۵]

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَ

نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی [۱۶] اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا اس کے مال اور

اطوارا: یعنی نطفة ثم علقة ثم مضغة الی طور آخر بعد طور الی اتمام الخلق۔ اور بعض نے اس کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ پہلے تم بچے تھے پھر جوان ہوئے پھر بوڑھے پھر بیر فرتوت بن کر کمزور ہو گئے۔ وقیل اطوارا: صبیا ثم شابا ثم شیخا ثم ضعیفا۔ اطوارا کا ایک تیسرا معنی بھی بتایا گیا ہے۔ مختلف الانواع والاقسام کوئی تندرست کوئی بیمار کوئی بینا کوئی نابینا کوئی غنی کوئی فقیر (قرطبی) وقیل اطوارا ای انواعا صحیحا وسقیما وبصیرا وضریرا وغنیا وفقیرا۔ (قرطبی)

[۱۳] انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں اس کی قدرت، حکمت اور رحمت کے جو آثار جلوہ نما ہوتے ہیں ان کے ذکر کے بعد جہان بالا کی طرف متوجہ کیا۔ فرمایا ذرا یہ سات آسمانوں کو دیکھو، نور برسانے والے چاند کو دیکھو، ضیا گستر آفتاب عالمتاب کو دیکھو کیا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے اس کے بعد بھی کسی اور دلیل کی ضرورت ہے۔

[۱۴] انسان کی تخلیق، موت اور بعثت کی طرف متوجہ کیا۔

[۱۵] اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان کا ذکر فرمایا کہ رب کریم نے زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا ہے اور اس میں بڑے کشادہ راستے بنا دیے ہیں جن پر چل کر تم بآرام منزل تک پہنچ سکتے ہو۔ سُبُل، سبیل کی جمع ہے اور فجاج فج کی۔ الطریق الواسعة وقیل الفج: المسلک بین الجبلین۔ یعنی اس کا معنی کشادہ راستہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ کو فج کہتے ہیں۔

[۱۶] الٰہی! میں نے تو انہیں تیرا رسول اور ہادی بن کر سمجھایا تھا انہیں چاہیے تھا کہ وہ کسی پس و پیش کے بغیر میری اطاعت کرتے اور دنیا

وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ

اور اولاد نے بجز خسارہ کے ۔ اور انہوں نے بڑے بڑے مکروفریب کیے شلہ اور (انہوں نے) کہا (اپنے لوگوں سے کہ)

اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَ

ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو شلہ اور خاص طور پر ، ود اور سواع کو مت چھوڑنا ۔ اور نہ یغوث ، یعوق اور

اور آخرت کی سعادتوں سے محروم کر دیا۔ انہوں نے میری تو ایک نہ سنی اور ایسے بدبخت اور بدکار رئیسوں کو اپنا پیشوا بنا لیا جو مال اور اولاد کی کثرت کے باعث تجھ سے دور ہو چکے تھے اور رات دن عیش و عشرت میں بسر کرتے اور اپنے گناہوں کو دل بدن بڑھاتے چلے جاتے تھے۔

شلہ یہ رئیس لوگ خود ہی گمراہ اور بدکار نہ تھے بلکہ وہ اس کوشش میں لگے رہتے کہ عوام بھی حضرت نوح سے برگشتہ رہیں اور ان کے دین کو قبول نہ کریں۔ انہیں یہ فکر دامن گیر تھا کہ اگر عوام نے حضرت نوح کے دین کو قبول کر لیا تو ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ ان گرد مردوں اور ضعیفوں کا اگر شعور بیدار ہو گیا اور خدا کے ساتھ ان کا رابطہ قائم ہو گیا تو وہ ان کی غلامی کا طوق اتار کر دور پھینک دیں گے اس خطرہ کے سدباب کے لیے وہ ہر قسم کے مکروفریب سے کام لیتے۔ ایسی ایسی چالیں چلتے کہ بھلے چنگے سمجھ دار لوگ بھی پھنس جاتے۔ کبھی کہتے نوح ہماری طرح کا ایک بشر ہے اس پر کیسے وحی نازل ہو گی (الاعراف : ۶۳) کبھی کہتے اس کے مرید رذیل قسم کے لوگ ہیں کوئی عزت کا آدمی تو ان کے دل نظر نہیں آتا کیا قوم کے بڑے بڑے رئیس ، تاجر اور چودھری سب احمق ہیں اور یہی لوگ ہی اتنے سیانے واقع ہوئے ہیں کہ انہوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا۔ (ھود : ۲۷) کبھی کہتے اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا ہی تھا تو کسی معصوم فرشتے کو بناتا (المؤمنون : ۲۴) کبھی کہتے کہ نوح نے نبوت کا دعویٰ محض اپنی سیاست قائم کرنے کے لیے اور تمہارا لیڈر بننے کے لیے کیا (المؤمنون : ۲۴) یہ اور اس قسم کی کئی بے سروپا باتیں وہ بڑے جوش و خروش سے کیا کرتے اور اکثر لوگ ان کے اس دام فریب میں پھنس جاتے۔ کُبَّارًا کُبَارًا اور کَبِیرًا ہم معنی ہیں۔ وقیل کُبَّارًا نصب الغایۃ (قرطبی)

شلہ یہ ہے وہ پیچ منطق جس کے ذریعہ انہیں نصیحت کرتے کہ نوح کی باتوں سے متاثر ہو کر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑ بیٹھنا خصوصاً جو بڑے بڑے معبود ہیں ان کی خدائی پر پختہ یقین رکھنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

ود ، سواع ، یغوث ، یعوق اور نسر نوح علیہ السلام کے عہد کے یہ پانچ بڑے دیوتا تھے جن کی پرستش بڑی دھوم دھام سے کی جاتی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے صدیوں اپنی قوم کو سمجھایا کہ یہ بے جان بت گھڑ کر خدا بنا رکھے ہیں لیکن ان کو کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اس کا تفصیلی ذکر آپ پہلے بھی کئی مقامات پر پڑھ چکے ہیں اور اس سورت میں بھی پڑھ رہے ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ ان بتوں کی حقیقت کیا تھی۔ عقل انسانی نے کیوں انہیں معبود تسلیم کر لیا صنم پرستی کا رواج اہل تحقیق کے نزدیک دو طرح ہوا ہے۔ جو لوگ پہلا طریقہ صابیوں نے اختیار کیا۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرام سماوی ستارے ، سورج ، چاند سب ذی روح ہیں۔

ان کا تعلق اس عالم دنیا سے بھی ہے اور اسی تعلق کی بنا پر یہاں سارے تغیرات ولادت، موت، صحت، بیماری، فتح، شکست، عزت، ذلت وغیرہ انہی کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جب ان کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا تو وہ ان کی عبادت کی طرف راغب ہوئے لیکن یہ اجرام ان کی رسائی سے بالاتر تھے ان میں سے بیشتر ان کی آنکھوں سے اوجھل تھے۔ انہوں نے ان کے ناموں پر بت بنا کر سامنے رکھ لیے تاکہ ان کے ذکر و تصور کی یہاں تک رسائی ہو سکے۔ چنانچہ اس طرح بت معرض وجود میں آئے اور پھر ان کی عبادت شروع ہو گئی۔ مذاہب باطلہ میں سے سب سے قدیم مذہب انہی صابئین کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو پانچ بت جن کی پرستش حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوتی تھی بعض ستاروں کے نام ہوں اور انہی کے ناموں پر یہ اصنام تراشے گئے ہوں۔ نسر تو دو ستاروں کا نام ہے۔ ایک کو نسر الواقع اور دوسرے کو النسر الطائر کہتے ہیں۔ اشوریین جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے ان کے ایک معبود کا نام نسروخ یعنی نسر عظیم تھا۔ اس کا ایک ہیکل ان کے دارالحکومت نینوا میں بھی تھا جس کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔

اصنام پرستی کی دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب ان میں بعض ایسے لوگ پائے جاتے جو کرامات، شجاعت، قوت، علم یا اخلاق حسنہ میں عام لوگوں کی سطح سے بہت اونچے تھے تو عوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے کہ ان میں درجہ الوہیت کے اوصاف آ گئے ہیں۔ اس لیے ان سے ما فوق البشر اعمال صادر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے مرنے کے بعد ان کے مجسمے تراش لیتے اور ان کی عبادت کرنے لگتے۔

کتب تفسیر میں ایسی روایات بھی مذکور ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے۔ ود، سواع وغیرہ بہت پارسا اور عبادت گزار۔ جب یہ انتقال کر گئے تو لوگوں پر ان کی جدائی بڑی شاق گزری۔ انہیں ان کی موت کا از حد صدمہ پہنچا۔ کیونکہ یہ لوگ انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد اور نیکی کی دعوت دیتے تھے خود بھی سراپا نیکی و طہارت تھے۔ ان کے نورانی چہروں کو دیکھ کر اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر انہیں خدا کی یاد آتی تھی۔ چنانچہ کسی کے مشورے سے (بعض نے لکھا ہے کہ مشورہ دینے والا ابلیس تھا اور انسانی شکل میں ان کے پاس آیا تھا) انہوں نے ان کی تصویریں بنا لیں تاکہ ان کی شبیہوں کو دیکھ کر دلوں کو سکون ملے اور اللہ تعالیٰ کی یاد کا جذبہ کروٹ لیتا رہے۔ کئی نسلیں تو اسی حالت پر گزریں لیکن جب کافی عرصہ گزر گیا تو بعد میں آنے والی نسلوں نے رفتہ رفتہ اصل مقصد کو بھلا دیا اور شیاطین جن و انس کے اغوا کرنے پر انہیں اپنا معبود سمجھ لیا اور ان کی عبادت شروع کر دی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا غضب طوفان کی صورت میں نمودار ہوا اور انہیں اور ان کے بتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا۔

اس طوفان سے صرف وہی لوگ بچے جو آپ کے سفینہ میں سوار تھے اور جو توحید پر کامل ایمان رکھتے تھے۔ جب پھر کافی عرصہ گزر گیا تو سابقہ گمراہیاں دوبارہ عود کرنے لگیں۔ حتیٰ کہ بت پرستی کی رسم بھی شروع ہو گئی۔ بعد میں آنے والی نسلوں نے اپنے آباؤ اجداد سے یہ تو سن رکھا تھا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے پانچ مشہور دیوتا تھے جن کے یہ نام تھے۔ ان لوگوں نے اپنے جذبہ مذہب پرستی کی تسکین کے لیے نئے بت تراشے اور انہیں ان پرانے دیوتاؤں کے ناموں سے موسوم کر دیا۔

عرب میں سب سے پہلے بت پرستی کا آغاز کرنے والا عمرو بن لحی بن قمعہ تھا۔ یہ ان لوگوں سے متاثر ہوا۔ اس نے تین صد چالیس سال کی طویل عمر پائی۔ کعبہ کی تولیت پانچ سو سال تک اس کے اور اس کی اولاد کے پاس رہی اور اس نے بت پرستی کو رواج دینے میں اپنی پوری کوششیں صرف کر دیں۔ کعبۃ اللہ جس کو حضرت خلیل علیہ السلام نے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا اسی بیت

نَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿٢٤﴾

نسر کو۔ اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو۔ (الٰہی!) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کر دے ۱۹

مِمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ

اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا ۲۰ پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا ۲۱ پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لیے

کے زمانے میں بت خانہ بنا عرب کے مختلف قبائل کے ہاں جو بت تھے ان میں بھی ان بتوں کو بڑی شہرت اور ناموری حاصل تھی وہ پانچ بت بھی تھے جن کے نام وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔

چنانچہ بنی کلب کے بت کا نام وَدّ تھا جس کا مندر دومۃ الجندل میں تھا قریش کا بھی ایک بت تھا جس کو وہ وُدّ کہا کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہی بنی کلب والا بت ہو اور اس کا تلفظ وُدّ، واؤ مضموم کے ساتھ، ہو سکتا ہے یہ ان کا نیا بت ہو اور اس کے مقابلہ کے لیے انہوں نے بنایا ہو۔

سواع: یہ بھی ایک بت کا نام تھا جو پہلے ہذیل کے پاس تھا اور وہاں سے منتقل ہو کر قبیلہ ہمدان کے پاس آ گیا۔ وہ رہاط کے مقام پر نصب تھا لوگ وہاں سے اس کا حج کرنے آتے تھے۔ یغوث: بنی مراد کا بت تھا۔ ان کے پاس سے پھر بنی غطیف کے پاس آ گیا۔ اس کا استھان جُرَش میں تھا۔ یعوق بنی کنانہ کا بت تھا اور نسر حمیر کے قبیلہ کی ایک شاخ آل ذی الکلاع کا معبود تھا۔ ان کے بارے میں یہ بھی تصریح ہے کہ یہ سب کی شکلیں انسانی نہ تھیں بلکہ مختلف تھیں۔ وَدّ کا بت تو ایک مرد کی شکل کا تھا۔ سواع ایک عورت کا مجسمہ تھا۔ یغوث کی شکل شیر کی تھی۔ یعوق گھوڑے کا ہم شکل تھا اور نسر عقاب کی صورت پر تھا اور سب مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے تھے۔

علم الاصنام، اصنام کی طرح خرافات کا پلندہ ہے۔ توہمات و تخیلات کا مجموعہ جنہیں سمجھنے کی کوشش کرنا تضیع اوقات ہے۔ قارئین کے ذوق تجسس کا پاس نہ ہوتا تو شاید یہ چند سطور بھی نہ لکھتا۔

۱۹ یہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کا تتمہ ہے۔ عرض کرتے ہیں کہ الٰہی! ان گمراہ قبیلوں نے گمراہی کا طوفان برپا کر دیا اور سادہ لوح لوگوں کی اکثریت اس میں تنکوں کی طرح بہہ گئی ہے۔ الٰہی! ان ظالموں کی گمراہی میں اور اضافہ کر تاکہ یہ سخت سے سخت ترین عذاب کے مستحق قرار پائیں اور ان تک اپنی بدمعاشیوں، سرکشیوں اور شرارتوں کی خوب خوب سزا ملے۔

۲۰ ان کی خطاؤں کے باعث ان کو غرق کر دیا گیا۔ اگرچہ ان کے گناہوں کی فہرست بڑی لمبی ہے۔ لیکن سر فہرست شرک ہے۔ یہی ان کا وہ گناہ تھا جس کے باعث وہ دوسرے گناہوں کی دلدل میں دھنستے چلے گئے اور انبیاء و صالحین نے ان کو بچانے کی جس قدر مساعی کیں انہوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے انہیں ناکام بنا دیا۔

۲۱ اُدْخِلُوا پر فا عاطفہ ہے۔ جہاں ترتیب اور تعقیب دونوں مقصود ہوتی ہیں کہ کام پہلے کام کے بعد ہوا اور اس کے بعد فوراً ہوا تو یہ فا استعمال ہوتی ہے۔ یعنی ان کے غرق ہونے کے بعد فادخلوا نارا کہ انہیں معاً آگ میں ڈال دیا گیا۔ اسی سے اہل سنت عذاب قبر پر استدلال

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿٢٥﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ

اللہ کے سوا کوئی مددگار ۔ ۲۲ اور نوح نے عرض کی اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ

کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا ۲۳ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور

لَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ

نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار، سخت ناشکرگزار ہوگی ۲۴ میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو

کہتے ہیں کیونکہ اگر یہ آگ مقصود ہوتی تو قیامت کے روز ان کو داخل جہنم کیا جاتا ہے تو فاء تعقیب کا ذکر نہ کیا جاتا بلکہ ثم اُدخلوا نارا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: بل النار البرزخ فالمراد عذاب القبر۔ ومن مات في ماء او نار او اكلته السباع او الطير مثلا اصابه ما يصيب المقبور من العذاب۔ یعنی اس آگ سے مراد برزخ کی آگ ہے۔ مقصد عذاب قبر ہے جو شخص پانی میں ڈوب جائے، آگ میں جل جائے یا اسے درندے یا پرندے نوچ کھائیں تو اس کو بھی وہی عذاب ہوتا ہے جو اس شخص کو قبر میں مدفون کو ہوتا ہے۔ معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں۔ وہ برزخ کی زندگی کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ انہوں نے اس آیت کی تاویلیں کی ہیں۔ علامہ پانی پتی نے اس مقام پر ان کا رد کیا ہے اور عذاب قبر کے اثبات کے لیے متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک پیش خدمت ہے۔

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں ما رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم صلى صلوة الا تعوذ من عذاب القبر میں نے جب بھی حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا حضور نماز کے بعد عذاب قبر سے ضرور پناہ مانگتے۔ (متفق علیہ)

۲۲ جب اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو گھیر لیا تو کوئی نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی امداد کرتا اور انہیں عذاب کے چنگل سے رہائی دیتا۔

۲۳ الارض سے مراد آپ کی قوم کی سرزمین ہے۔ الارض عہد ہے (مظہری) آپ نے بددعا کی الٰہی! سب کو ہلاک کر دے ان میں سے کسی کو بھی زندہ باقی نہ رہنے دے۔

۲۴ معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام باعلام اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتے تھے کہ اب ان کی نسلوں میں کوئی بھی مومن پیدا نہ ہوگا۔ سب فاسق و فاجر، مشرک و کافر پیدا ہوں گے۔

لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا

اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو ۲۵ اور کفار کی

تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے ۔

۲۵۔ آخر میں اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے اپنے عقیدت مند رفقاء کے لیے بلکہ سب اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگی۔

○

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ وصل وسلم علی سید الوری امام الانبیاء شفیع المذنبین وعلی اٰلہ وصحبہ ومن احبہ وعززہ واکرمہ وتبعہ الی یوم الدین۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ الجنّ

نام : اس سُورۂ پاک میں جنات کے احوال کا بیان ہے نیز اس کی پہلی آیت میں "الجن" کا لفظ بھی مذکور ہے اس لیے اس کا نام الجن تجویز ہوا ہے۔

نزول : اس بات پر سب علماء متفق ہیں کہ یہ سُورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن کی زندگی کے کس دور میں نازل ہوئی اس کا تعین مشکل ہے، البتہ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس کا نزول مکی زندگی کے ابتدائی دور میں ہوا۔ اس روایت کا ماحصل یہ ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کی غرض سے اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا جب جنات کا آسمان کی طرف پرواز کرنا بند ہو گیا تھا۔ وہ آسمان کے قریب جانے کی کوشش کرتے تو شہاب ثاقب ان کا تعاقب کرتے۔ انہوں نے اس کا ذکر اپنی قوم کے سامنے کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ ماجرا ابلیس سے آکر کہا۔ وہ بولا ضرور کوئی ایسا حادثہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمان کی طرف تمہارا عروج روک دیا گیا ہے۔ اس لیے زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ۔ زمین کا گوشہ گوشہ چھان ڈالو اور اس حادثہ کا سراغ لگاؤ۔ جنات کا وہ گروہ جو تہامہ کے علاقہ میں چکر لگانے کے لیے آیا تھا انہوں نے نخلہ کے مقام پر حضور کو صبح کی نماز ادا کرتے پایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے جب کلام الٰہی سُنا تو کہنے لگے بخدا یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ہمیں روک دیا گیا ہے پھر وہ اپنی قوم کی طرف گئے اور جو سُنا تھا انہیں جا کر بتایا اور اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سُورت نازل فرمائی اور اپنے حبیب کو جنات کی آمد اور ان کے دیگر احوال کے بارے میں آگاہ کیا۔ اس روایت میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مکی دور کی ابتدا میں ہی یہ واقعہ رونما ہوا کیونکہ جنات کی آسمان کی طرف پرواز نزول وحی کے ساتھ ہی بند کر دی گئی تھی۔

حضرت ابن عباس سے ایک دوسری روایت بھی ہے جس میں طائف سے واپسی کے وقت نخلہ میں قیام اور جنات کی حاضری کا بیان ہے۔ طائف کا سفر سنہ ۱۰ نبوی میں پیش آیا۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہ صرف زید ابن حارثہ تھے۔ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ آیات قرآنی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ اس سُورت میں جن جنات کا ذکر ہے وہ مشرک اور

بے دین تھے اور جن کا ذکر سورۂ احقاف میں ہے۔ وہ انبیاء اور آسمانی کتب پر ایمان رکھنے والے تھے۔

کتب احادیث میں جنات کی حاضری کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ جنات چھ مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک کا تذکرہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا کی مسجد سے باہر تشریف لے آئے، پھر میرا ہاتھ پکڑا اور چل پڑے یہاں تک کہ ہم ایک مقام پر پہنچے تو حضور نے مجھے ایک جگہ پر بٹھایا اور میرے ارد گرد ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ تم اس سے باہر ہرگز نہ نکلنا۔ چنانچہ میں وہاں بیٹھ گیا کئی لوگ میرے پاس سے گزرتے رہے۔ حضور سحری کے وقت تک واپس تشریف لائے۔ پھر مجھے طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں یہاں تک کہ حضور تشریف لے آئے۔ میں نے عرض کیا: میرے آقا رات بھر آپ کہاں تشریف فرما رہے ہیں؟ فرمایا: مجھے آج جنات کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ میں نے عرض کیا یہ آوازیں کیسی تھیں؟ فرمایا یہ ان جنوں کی آوازیں تھیں۔ وہ مجھے الوداع کہہ رہے تھے اور سلام عرض کر رہے تھے۔"

جنات کی حقیقت

جن جمع ہے اس کا واحد جِنّی ہے جس طرح "رُوم" کا واحد "رُومی" ہے۔ اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: أصل الجن ستر الشیء عن الحاسة (کسی چیز کے حواس سے پوشیدہ ہونے کو جن کہتے ہیں)۔ انہوں نے اس مادہ سے کئی مشتقات کا بھی ذکر کیا ہے ان سب میں یہ معنی موجود ہے۔ ماں کے شکم میں جو حمل ہوتا ہے اس کو جنین کہتے ہیں۔ دل کو "جنان" کہتے ہیں کیونکہ سینے میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ "مِجَنّة" ڈھال کو کہتے ہیں جو انسان کو دشمن کے وار سے چھپا لیتی ہے۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں:

ان الروحانیین ثلاثة اخیار وهم الملائكة واشرار وهم الشياطين واوساط فيهم اخيار واشرار وهم الجن (مفردات)

ترجمہ: "روحانی مخلوق کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو سراپا خیر ہی خیر ہیں وہ فرشتے ہیں۔ دوسری قسم ان کی ہے جو سراسر شر ہی شر ہیں وہ شیاطین ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جن میں کچھ نیک اور کچھ شریر ہوتے ہیں، وہ جن ہیں۔"

علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے جنات کی حقیقت کے بارے میں اہل سنت کی تحقیقات کا خلاصہ ان الفاظ میں رقم فرمایا ہے:

الجن اجسام ذات ارواح كالحيوان عاقلة كالانسان خفية عن اعين الناس ولذا سميت جنا خلقت من النار كما خلق آدم من طين .... تتصف بالذكورة والانوثة وتتوالد والظاهر ان الشياطين منهم بخلاف الملائكة فانهم لا يتصفون بالذكورة ولا بالانوثة ووجود الجن والشياطين والملائكة ثابت بالشرع وانكره الفلاسفة (تفسیر مظہری)

ترجمہ: جن اجسام ہیں ان میں ارواح ہوتی ہیں جس طرح حیوان۔ یہ انسان کی طرح عقلمند ہوتے ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اسی لیے انہیں جن کہا جاتا ہے۔ ان کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے جیسے آدم کی مٹی سے۔ ان میں نر مادہ بھی ہیں۔ ان کی اولاد بھی پیدا ہوتی ہے لیکن فرشتے نر مادہ نہیں ہوتے۔ جنات،

شیاطین اور ملائکہ کا وجود شریعت سے ثابت ہے ، لیکن فلاسفر ان کا انکار کرتے ہیں ۔"

ہمارے متجددین جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں ۔ اُن کا خیال ہے کہ جنات کے بارے میں جو قصے اور روایات زبان زد عوام ہیں ، یہ سب توہمات کی گلکاری ہے ۔ قرآن کریم میں جن کا لفظ جو مذکور ہے ان کے نزدیک اس سے مراد کوئی علیحدہ مخلوق نہیں بلکہ انسانوں کے ان گروہوں کو جن کہا گیا ہے جو جنگلوں ، صحراؤں اور پہاڑوں میں آباد ہیں ۔ وہ دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ ویرانوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں کیونکہ عام آبادیوں میں وہ دکھائی نہیں دیتے اور نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں ۔ اس لیے انہیں جن کہا گیا ہے اور یہی جن کا لغوی مفہوم ہے یا جنات سے وہ انسان مراد ہیں جو کھل کر قرآن کریم سننے کی جرأت نہیں کرتے تھے بلکہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر قرآن کریم سننے کی سعادت حاصل کیا کرتے تھے ۔

بہتر ہے کہ ہم اس نزاع کے تصفیہ کے لیے قرآن کریم کو ہی اپنا حکم تسلیم کریں ۔ اگر قرآن کریم کی آیات سے یہ پتہ چلے کہ جن انسانوں کے ہی بعض گروہ ہیں تو ہمیں تسلیم کرنے میں ذرا تامل نہ کرنا چاہیے اور اگر قرآن کریم کی متعدد آیات اُن کے علیحدہ مخلوق ہونے کی شہادت دیں تو پھر ہمیں انکار کی جرأت نہیں کرنی چاہیے ۔ قرآن کریم میں جنات کا ذکر ایک بار نہیں بار بار آیا ہے ۔ اُن مقامات کا آپ مطالعہ فرمائیں حقیقت خود بخود کھل کر سامنے آجائے گی ۔ سب سے پہلے سورۃ الرحمٰن کی آیتیں پڑھیے : خلق الانسان من صلصال کالفخار ۔ وخلق الجان من مارج من نار ۔

ترجمہ : " انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے ۔"

اگر جن نوع انسانی کے بعض افراد ہی ہوتے تو ان کی تخلیق بھی مٹی سے ہوئی ہوتی ۔ حالانکہ قرآن بتا رہا ہے کہ جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی جب دونوں کا مادہ تخلیق جدا جدا ہے تو پھر جنات کو نوع انسانی کے افراد کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے ۔ اس چیز کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے ۔ جن وانس کی تخلیق کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرمایا ، " ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون " (ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے ۔)

اگر جن انسانوں کے ہی کسی مخصوص گروہ کا نام ہوتا تو پھر ان کو یہاں الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی ۔ انسانوں کے متعدد گروہ ہیں ۔ اُن میں سے اور کسی کا ذکر نہ کرنا صرف جنگلوں اور پہاڑوں میں بسنے والوں کا علیحدہ ذکر کرنا کسی طرح بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا ۔

آیات قرآنی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنات کی تخلیق انسان سے بہت پہلے ہوئی تھی ۔ شیطان جنوں کا ہی ایک فرد تھا جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت موجود تھا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے باعث راندۂ درگاہ بن گیا تھا ۔ اس کے بارے میں ارشاد ہے ، " کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ " ۔ (شیطان جنوں میں سے تھا پھر اس نے اپنے رب کی نافرمانی اختیار کرلی) ، تو جن جو نوع انسانی کے باپ آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے ، انہیں ان کی اولاد کیسے شمار کیا جا سکتا ہے ؟ جنات کی ایک اور خصوصیت بیان کی گئی ہے جو انسانوں میں نہیں پائی جاتی ۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جنات نوع انسانی کے افراد نہیں بلکہ جدا مخلوق ہیں ۔ ارشاد ہے ، " اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ "

ترجمہ (شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے ۔)
کثیر التعداد آیات میں سے صرف چند پیش کی گئی ہیں۔ اگر آپ غیر جانبداری سے ان کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسانوں کی طرح جن بھی ایک علیحدہ مخلوق ہیں۔ صرف اس لیے ان کا انکار کہ ہمیں نظر نہیں آتے اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ کیا ہم اپنے حواس کو اتنا ہمہ گیر خیال کرتے ہیں کہ جس نے ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لے لیا؟ اور جو چیز ان حواس سے ثابت نہ ہو وہ موجود ہی نہیں۔ اس طرح تو ہمیں پھر بہت سی چیزوں کا انکار کرنا پڑے گا۔ روح فرشتے، نزولِ وحی وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں ہمارے حواس سے ماوراء ہیں، اور کون ایسا مسلمان ہے جو ان کو تسلیم کرنے میں لیت و لعل کرے۔

مضامین : پہلے رکوع میں جنات کے اس خاص گروہ کے حالات بیان ہوئے ہیں جنہیں نخلہ کے مقام پر حضور سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے قرآن کریم سننے کی سعادت نصیب ہوئی تھی اور اس کی وجہ سے جو انقلاب اُن کے افکار و نظریات میں رونما ہوا تھا اور جس جرأت سے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا تذکرہ کیا تھا، اس کی تفصیل بیان کی گئی ہیں۔ دوسرے رکوع کی ابتداء سے عقیدۂ توحید کا اعلان کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نظریۂ توحید کو بیان فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد اُن کفار کا ذکر ہے جو خدا اور رسول کی نافرمانی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن اُن کی حالت بڑی قابلِ رحم ہو گی۔

آخر میں اس حقیقت کو بیان فرما دیا کہ علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص ہے جب تک وہ کسی کو غیب کا علم نہ دے اسے کوئی جان نہیں سکتا۔ اور یہ علمِ غیب جنوں، ساحروں اور کاہنوں کو نہیں تعلیم کیا جاتا۔ یہ نعمت فقط اُن رسولوں کو مرحمت فرمائی جاتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اس شرف کے لیے چن لیا کرتا ہے۔

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الجن مکی ہے اس میں ۲۸ آیتیں اور دو رکوع ہیں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا

آپ فرمائیے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے سو انہوں نے (جا کر) کہا ہم نے سنا ہے ایک

۱۔ رسول الثقلین نبی الحرمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں جنات نے کئی مرتبہ بارگاہ اقدس میں حاضری دی۔ علامہ پانی پتی، علامہ سید آلوسی، علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ جنات نے حضور سے بارہا ملاقات کی۔ اس لیے احادیث میں تعارض نہیں جس طرح بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اور ان میں سے بعض نے گھبرا کر جنات کے وجود ہی کا انکار کر دیا ہے۔ بلکہ مختلف احادیث میں مختلف ملاقاتوں کے احوال مذکور ہیں۔ ان احادیث میں نہ تضاد ہے اور نہ تعارض اور نہ پریشانی کی کوئی وجہ۔

پہلی حاضری وہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔ صحیح روایات کے مطابق یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چند صحابہ کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف جا رہے تھے یہ جگہ مکہ سے دو رات کی مسافت پر ہے۔ یہاں زمانہ جاہلیت میں میلہ لگا کرتا تھا خرید و فروخت ہوتی اور اردگرد کے سارے قبائل وہاں جمع ہوتے۔ نخلہ کے مقام پر صبح کا وقت ہو گیا۔ حضور صبح کی نماز ادا فرما رہے تھے اور سورۂ اقرأ یا سورۂ طٰہٰ کی تلاوت ہو رہی تھی کہ جنات کے ایک گروہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ حضور کی آواز میں قرآن کی سریلی آواز جب انہوں نے سنی تو وہاں رک گئے۔ بڑی خاموشی اور توجہ سے سننے لگے۔ اس کلام پاک کے سننے سے ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ غفلت کے پردے چاک ہو گئے اور نور ایمان سے ان کے سینے روشن ہو گئے۔ دولت ایمان سے مالا مال ہو کر جب وہ اپنے قبیلہ میں پہنچے تو انہوں نے ان کو بھی جا کر جا سے سارا واقعہ پیش کیا۔ ہم نے کفر و شرک سے توبہ کر لی ہے تمہارے لیے بھی بہتر ہے کہ تم ہم گمراہیوں میں مبتلا ہو ان سے برأت کا اظہار کرو اور رسول کریم کی دعوت کو قبول کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان جنات کی آمد، قرآن کریم کو غور سے سننے اور پھر اپنے قبیلہ میں جا کر تمام ماجرا بیان کرنے کے سارے حالات بذریعہ وحی اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیے اور حکم دیا کہ آپ سب لوگوں میں اس کا اعلان کریں۔

۲۔ صرف کسی آواز کے سننے کو عربی میں سمع کہتے ہیں اور استماع کا معنی غور اور توجہ سے سننا ہے اور اسی غور و توجہ سے سننے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کو ہدایت نصیب ہو گئی۔ اس کلام پاک کو بھی اٹھا کے کر سوائے قرآت سے پڑھا یا سنا جائے اس کی تاثیر اس کے دل میں اثر کر جاتی ہے اور وہ ہدایت پا جاتا ہے۔

نفر کا لفظ عام طور پر تین سے دس تک کے گروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن دس سے زیادہ پر بھی اس کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ

ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے ۔ جو راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم دل سے اس پر ایمان لے آئے ہیں ۔ اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو

اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾

اپنے رب کا ۔ اور بے شک بہت اونچی ہے ہمارے رب کی شان ۔ نہیں بنایا اس نے کسی کو اپنی بیوی اور نہ بیٹا

وَّاَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ

اور یہ راز بھی کھل گیا کہ ہمارے احمق اللہ کے بارے میں ناروا باتیں کہتے رہتے تھے اور ہم تو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ

۳ جنات جب واپس اپنے قبیلہ میں پہنچے تو انہیں جا کر بتایا کہ ہم نے ایک عجیب و غریب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے ہم تو اس سے بہت متاثر ہوئے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم ہرگز کبھی اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

عجبا مصدر ہے یعنی عجیب، اس میں مبالغہ ہے یعنی کلام اتنا عجیب و غریب ہے کہ ہم نے آج تک ایسا نہ سنا۔ فصاحت و بلاغت میں بھی بے نظیر ہے کہ کہیں ایسا کلام نہیں سنا گیا ہے۔ الفاظ ایسے ہیں تو جیسے موتیوں کی لڑیاں ہوں اور معانی ہیں تو ایسے ارفع و اعلیٰ کہ فکر بھی وہاں دم نہیں مار سکتا اور اثر ایسا کہ خود بخود دل کھنچے چلے جاتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنات پہلے مشرک تھے مشرک انسانوں کی طرح انہوں نے بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کی جورو اور کسی کو اس کا بیٹا بنا رکھا تھا قرآن سننے سے جب نور ایمان ان کے دلوں میں چمکا تو انہوں نے ان تمام خرافات کو پرے پھینک دیا۔

سورۃ الاحقاف میں بھی ان جنات کا ذکر ہے وہ حضرت موسیٰ کے پیرو تھے اور اہل کتاب تھے۔ اس لیے دونوں واقعہ الگ الگ ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات میں بعض مومن ہوتے ہیں اور بعض کافر ۔۔۔ اور انسانوں کی طرح یہ بھی مکلف ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اپنے زمانہ کے نبی کی اطاعت کریں اور اس کے لائے ہوئے دین کی پوری پوری اطاعت کریں نیز یہ کہ ان میں سے نبی مبعوث نہیں کیے جاتے بلکہ وہ انسانوں کے نبیوں کے ہی پیروکار ہوتے ہیں۔

۲ جد کا معنی ہے عظمت و جلال یعنی ہمارے رب کی عظمت اور اس کا جلال بڑا عالی و ارفع ہے۔ کوئی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وقیل ملکہ و سلطانہ یعنی جد کا معنی اس کی حکومت اور بادشاہی ہے۔

۵ سفیہ کا معنی ہے بیوقوف، احمق۔ اس سے وہ سرکش جن مراد ہیں جو راہ حق سے بھٹک گئے اور کفر و گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

الشطط: الافراط فی البعد ۔ ۔ ۔ ویعبر بالشطط عن الجور لقد قلنا اذا شططا ای قولا بعیدا عن الحق۔

یعنی شطط کا اصلی معنی بہت دور ہونا ہے۔ یہ لفظ ظلم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور وہ بات جو حق سے بہت دور ہو اسے بھی قول شطط کہتے ہیں۔

تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ

انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے ۵ اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ

الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمْ

لیتے تھے جنات میں سے چند مردوں کی پس انہوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو ۶ اور ان

مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے جو جن گمراہ اور سرکش ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی سراسر جھوٹی اور بے بنیاد باتیں کیا کرتے ہیں۔

۵ے اپنی گزشتہ گمراہی پر وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہیں کہ ہم آج تک ہم نے اپنا یہ عقیدہ بنائے رکھا اور آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے رہے ہمیں ان کے بارے میں قطعاً یہ خیال نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں بھی منسوب کرتے ہیں۔ اسی خیال کے باعث آج تک ہم بھٹکتے رہے۔ اگر ہمیں یہ پتہ چل جاتا کہ انسانوں اور جنوں میں ایسے رذیل اور گستاخ افراد بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں تو ہم ہرگز اتنے عرصہ تک ان لوگوں کی پیروی نہ کرتے اور اپنی گمراہی میں عمر برباد نہ کرتے

۶ے عہد جاہلیت میں اہل عرب میں یہ رواج تھا کہ جب کسی ویران اور نامانوس وادی میں انہیں رات بسر کرنا پڑتی اور انہیں یہ خوف ہوتا کہ کوئی جن انہیں گزند پہنچائے گا تو سونے سے پہلے بلند آواز سے وہ یہ کہتے۔ یا عزیز ہذا الوادی اعوذ بک من السفہاء الذین فی طاعتک۔ اے اس وادی کے سردار! میں تجھ سے اس علاقہ کے شریر لوگوں سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے تابعدار ہیں۔ جنات جب یہ سنتے تو ان کے غرور کی کوئی حد نہ رہتی اور وہ کہتے سدنا الجن والانس کہ ہم جنوں اور انسانوں سب کے سردار بن گئے ہیں۔

آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ رھقا، قال مجاہد طغیانا وقال مقاتل غیا۔ سرکشی اور گمراہی

علامہ پانی پتی نے اسی آیت کے ضمن میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے۔ آپ بھی سن لیجیے :

بنی تمیم کا ایک شخص جس کا نام رافع بن عمیر تھا وہ اپنے اسلام لانے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں عالج کے ریگستان میں سفر کر رہا تھا۔ مجھے نیند آ گئی میں نے اونٹنی بٹھائی اور سونے سے پہلے جاہلیت کے دستور کے مطابق میں نے بلند آواز سے کہا اعوذ بعظیم ہذا الوادی من الجن۔ جنات کے شر سے میں اس وادی کے سردار کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر میں سو گیا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں نیزہ ہے اور وہ اس سے میری اونٹنی کو ذبح کرنا چاہتا ہے۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا ادھر ادھر دیکھا کوئی آدمی نہ تھا۔ پھر سو گیا دوسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار جب سویا اور اسی منظر سے گھبرا کر اٹھ بیٹھا تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری اونٹنی تھر تھر کانپ رہی ہے کوئی آدمی ہاتھ میں نیزہ لیے کھڑا ہے۔ ایک بوڑھے آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے۔ اسی اثنا میں تین جنگلی بیل دوڑتے ہوئے ادھر آ نکلے۔ اس بوڑھے نے کہا کہ میری پناہ لینے والے اس انسان کی ناقہ کے عوض تم ایک وحشی بیل پکڑ لو۔ پھر اس نے مجھے کہا کہ جب کبھی ایسی وادی میں رات گزارنے کا اتفاق ہو تو کسی جن کی پناہ نہ لیا کرو بلکہ یہ کہا کرو کہ اعوذ باللہ رب محمد من ہول ہذا الوادی کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رب ہے اس وادی کے خوف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں نے پوچھا محمد کون ہیں؟ شیخ نے کہا محمد نبی عربی لا شرقی ولا غربی کہ محمد صلی اللہ

ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۟ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ

انسانوں نے بھی یہی گمان کیا جیسے تم گمان کرتے تھے کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا۔ اور (دیکھو) ہم نے ٹٹولا آسمان کو

فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۟ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ

تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ شہ اور پہلے تو ہم بیٹھا کرتے تھے

مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۟

اس کے بعض مقامات پر (باتیں) سننے کے لیے لیکن اب جو (کوئی) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لیے کسی شہاب کو تاک میں لگا ہوا۔

تعالیٰ علیہ وسلم نبی ہو کر آئے ہیں۔ مازن کا مشرق سے کوئی تعلق ہے نہ مغرب سے۔ میں نے پوچھا وہ کہاں رہتے ہیں۔ اس نے بتایا یثرب میں جہاں کھجوروں کے بکثرت نخلستان ہیں۔ صبح ہوئی تو اونٹنی پر سوار ہو کر میں نے مدینہ طیبہ کی راہ لی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مجھے دیکھا تو پیشتر اس کے کہ میں کچھ عرض کرنے سے پہلے جو گزشتہ رات کو پیش آئی تھی سب کا ذکر فرما دیا اور مجھے اسلام کی دعوت دی چنانچہ میں نے اسلام قبول کیا (مظہری)

شہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد آسمانوں پر پہرہ سخت کر دیا گیا اور جنات پہلے تو کوئی نہ کوئی ایسی جگہ تلاش کر لیتے تھے جہاں بیٹھ کر وہ آسمان پر ہونے والی گفتگو سن سکتے تھے لیکن اب ان کے لیے ایسا ممکن نہ رہا۔ اب جونہی وہ آسمان کی طرف سننے کی کوشش کرتے تو شہابوں کا مینہ ان پر برسنے لگتا جس کے باعث ان کا اوپر جانا بالکل ناممکن ہو گیا۔ اس اچانک تبدیلی سے وہ سخت حیرت زدہ ہوئے اور اس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے متعدد وفد تشکیل دیئے گئے کہ روئے زمین پر گشت لگائیں اور اس کی وجہ معلوم کریں۔ انہیں میں سے ایک گروہ جو تہامہ کے علاقہ کی چھان بین کے لیے مقرر ہوا تھا نخلہ کے پاس سے اس وقت گزرا جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز صبح میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ وہاں ہی استماع قرآن کا واقعہ پیش آیا۔

اسی کا ذکر ان آیات میں کیا جا رہا ہے۔ جن کہتے ہیں کہ جب ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو ہم نے دیکھا کہ جگہ جگہ پہرے دار کھڑے ہیں اور شہابوں کے آتشیں گولے ان کا تعاقب کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اب اگر کسی جن نے کوئی بات سننے کی کوشش کی تو یہ آتشیں شہاب اس کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہ لگے کہ شہابوں کے ٹوٹنے کا سلسلہ تو بعثت نبوی سے پہلے بھی تھا۔ بعثت کے بعد کون سا ایسا نیا حادثہ پیش آیا جس کی وجہ سے جنات کا آسمان کی طرف جانا ناممکن ہو گیا۔ اس کا یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ پہلے بھی شہاب تھے لیکن اتنی کثرت سے نہ تھے۔ جنات بچ بچا کر کہیں نہ کہیں بیٹھ کر کوئی نہ کوئی بات سن لیا کرتے لیکن اب ان کی تعداد میں کثرت کر دی گئی اور اب قطعی طور پر جنات کا اوپر جانا بند ہو گیا۔ صحیح یہی ہے کہ اس امر کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ جو اس نے فرمایا ہے وہ حق ہے ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن وہ کون سے شہاب ہیں ان کے ذریعے جنات کی کیسے سرکوبی کی جاتی ہے اس کی حقیقت سے ہم آگاہ نہیں۔ [illegible]

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ

اور ہم نہیں سمجھتے (اس کی کیا وجہ ہے) آیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو

رَبُّهُمْ رَشَدًا ۟ۙ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا

ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے ۱۰ اور ہم میں سے بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور قسم کے ہم بھی تو

طَرَآىِٕقَ قِدَدًا ۟ۙ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ

کئی راستوں پر گامزن ہیں ۱۱ اور اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم (بھی) زمین میں اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ

نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۟ۙ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْ

بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیں ۱۲ اور جب ہم نے ہدایت (کا پیغام) سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ پس جو شخص اپنے رب پر ایمان

میں کر لی۔ علمی تحقیق اس راز کو بھی آشکارا کر دے جس طرح کئی تکوینی اسرار سے نقاب اٹھ چکے ہیں۔

۱۰ یہ عجیب و غریب صورت حال دیکھ کر جنات اس کی وجہ معلوم کرنے کے درپے ہو گئے۔ وہ کہنے لگے کیا قدرت الٰہی زمین پر عذاب نازل کرنے کے انتظام ہو رہے ہیں۔ اس پروگرام کو صیغۂ راز میں رکھنے کے لیے یہ سارے انتظامات کیے گئے ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی نبی مبعوث فرمانے والا ہے تاکہ اس نعمت بعثت سے انسانوں کو سرفراز کر کے انہیں راہ ہدایت پر گامزن کرے۔ ان اسباب میں سے ہی کوئی سبب ہے۔

۱۱ وہ کہتے ہیں ہم سب بھی ایک حیثیت کے نہیں اور نہ ہی سیرت و اخلاق میں ہم یکساں ہیں۔ بعض ہم میں سے صالح اور نیک ہیں جو کسی کو اذیت نہیں پہنچاتے، کسی کا نقصان نہیں کرتے اور بعض فتنہ پرور، شرارتی اور فسادی ہیں۔ پھر ہمارے مذہب بھی الگ الگ ہیں۔ بعض اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے انبیاء اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض گمراہ ہیں۔ طرائق جمع ہے طریقہ کی اور قدد جمع ہے قِدّۃ کی۔ ای متفرقۃ مختلفۃ جدا جدا الگ الگ۔ ہمارے راستے جدا جدا الگ الگ ہیں۔

۱۲ پہلے ہم اپنے پندار کے فریب میں آ کر گمراہ ہو گئے تھے۔ لیکن قرآن سننے کے بعد اب ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں اور ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ نہ ہم زمین میں اللہ تعالیٰ کو ہرا کر بچ سکتے ہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہم وہاں سے کہیں بھاگ جائیں اور اس طرح اس کے قابو سے نکل جائیں۔ اس آیت کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن سننے سے پہلے بھی ہمارا یہ عقیدہ ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت اور قدرت والا ہے ہم اسے عاجز نہیں کر سکتے اور شاید اسی عقیدہ کی برکت سے ہم نے آسانی سے ہدایت قبول کر لی ہے اور جب ہم نے قرآن کا حقیقت افروز پیغام سنا تو شک و شبہ کے سارے بادل چھٹ گئے۔

بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا

لاتا ہے تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا ١٢ اور بے شک ہم میں سے کچھ تو فرمانبردار ہیں اور

الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ

کچھ ظالم ١٣ تو جنہوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حق کی راہ تلاش کر لی ١٤ اور جو حق سے منحرف ہوئے

فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ

ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں اور اگر وہ ثابت قدم رہیں راہِ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے

مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ

کثیر پانی سے ١٥ تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں اس فراوانی سے۔ اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ داخل کرے گا

١٢ اپنے اہلِ قبیلہ کو اپنی سرگزشت سنانے کے بعد انہیں تلقین فرما رہے ہیں کہ جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اس کی نہ حق تلفی ہو گی اور نہ اس پر ظلم و زیادتی ہو گی۔ حق تلفی کا مطلب تو یہ ہے کہ جتنے کوئی نیک کام کرے گا اسے پورا پورا اجر ملے گا اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور ظلم کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس کی نیکیوں کی جزا سے محروم کر دیا جائے یا اسے ناکردہ گناہوں کی سزا دی جائے۔ وہاں تو عدل و انصاف ہے اور مزید برآں فضل و احسان ہے۔

١٣ قسط بمعنی عدل اور جور دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اَقْسَطَ مزید بصرف عدل کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے مجرد میں معنی کا تعین سیاق و سباق سے ہو گا یہاں قاسطون کا مقابل المسلمون ہے اس لیے یہاں اس کا معنی ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا ہو گا۔

١٤ بعض کے نزدیک تو یہ جملہ بھی جنات کا قول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ پر جنات کا کلام ختم ہو گیا فَمَنْ اَسْلَمَ سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو خطاب فرما رہا ہے۔

تحرّوا: توخوا و قصدوا۔ تلاش کرنا۔ قصد کرنا۔

١٥ اگر جن و انس اسلام کے صراطِ مستقیم پر استقامت و پامردی سے گامزن رہیں تو انہیں دنیا میں بھی خوش حال کر دیا جائے گا۔ انہیں رزق فراواں دیا جائے گا۔ ماءً غدقًا یعنی کثیر مقدار میں پانی بارش کے ذریعہ برسایا جائے گا خشک سالی دور ہو جائے گی ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آئے گا۔ یہ مضمون [illegible] آپ سورۂ نوح میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ مال و رزق کی فراوانی میں ان کی ایک آزمائش ہو گی کہ آیا وہ اس نعمت کا شکریہ ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾

اسے سخت عذاب میں ۔ سلاہ اور یہ کہ سب مسجدیں اللہ کے لیے ہیں پس مت عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کی ۔ سلاہ

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

اور جب کھڑا ہوتا ہے اللہ کا خاص بندہ تاکہ اس کی عبادت کرے تو لوگ اس پر ہجوم کر کے آ جاتے ہیں ۔ سلاہ

سلاہ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کرے گا اس کو شدید عذاب میں داخل کیا جائے گا۔ سلکہ ولسلکہ، ادخل، صعدا، شدیدا۔ یعنی سخت عذاب۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جہنم میں ایک اونچا پہاڑ ہے جس پر کفار کو چڑھنے کا حکم دیا جائے گا لیکن اس کے اوپر پہنچنے کی وجہ سے ان کے قدم بار بار پھسل جائیں گے۔ نعوذ باللّٰہ من عذاب القبر ومن عذاب جہنم شدیدہ وخفیفہ۔

سلاہ مکہ کے مشرکوں نے بیت اللہ شریف کو بت کدہ بنا رکھا تھا اور مسجد حرام میں کھلم کھلا بتوں کی پوجا ہوتی اور شرکیہ اعمال کیے جاتے۔ ارشاد ہے کہ یہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ ان میں تو صرف اسی کی عبادت اور اسی کا ذکر ہونا چاہیے۔ اسے شرک کیسی، اس سے بڑا بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے جو تم روا رکھ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت تو کسی جگہ بھی جائز نہیں اور تم اس قبیح، حرام اور ممنوع فعل کا ارتکاب اللہ تعالیٰ کے گھر میں کرتے ہو۔ اس سے باز آ جاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں اسی کی عبادت کے لیے ان کو تعمیر کیا گیا ہے۔ کسی غیر کی عبادت کو یہاں ہرگز اجازت نہیں۔ ان اللہ لا الٰہ الا ھو۔ ای لا تعبدوا۔ (روح المعانی)

اس لیے علمائے کرام نے مسجد کے آداب کو ملحوظ رکھنے کی سختی سے تاکید کی ہے۔ اس میں خرید و فروخت کرنا، دنیاوی گفتگو کرنا، گمشدہ چیزوں کے بارے میں اعلان کرنا منع ہیں۔ نیز بیہودہ اشعار بلند آواز سے پڑھنا ممنوع ہے۔

بعض لوگ مسجد میں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت شریف پڑھنے کو بھی ناجائز کہتے ہیں اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ہم ان کی توجہ ان سنتوں مجالس کی طرف منعطف کرانا چاہتے ہیں جب کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے حکم نبوی کے مطابق منبر رکھا جاتا تھا۔ وہ اس پر کھڑے ہو کر بارگاہ رسالت میں اپنے مدحیہ اور نعتیہ قصائد پڑھا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ کئی دیگر شعراء مثلاً حضرت سواد بن قارب، حضرت کعب بن زہیر، حضرت عباس رضی اللہ عنہم جیسے نامور اکابر مسجد نبوی میں حضور کے سامنے اپنے نعتیہ قصائد پیش کرتے، حضور خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے۔

باقی رہا شعر کا سلام تو یہ غور نہیں کیونکہ حضور سرور عالم کی تمام کو نبی کہتے ہیں۔ علامہ اوم ۔۔۔ الائمی ۔۔۔ کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی تعریف درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی حمد ہے جس نے اپنے محبوب کو ان بیشمار کمالات سے متصف کر کے مبعوث فرمایا۔

حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے کہ ساری زمین ہی مسجد ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے جُعلت لی الارض مسجدًا ساری زمین کو میرے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ سات اعضاء مراد لیے ہیں جن پر انسان سجدہ کے وقت ٹیک لگاتا ہے۔

سلاہ عبد اللہ سے مراد حضور کی ذات اقدس و اطہر ہے۔ عزت و افزائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضور کو رسول یا نبی کہنے کے بجائے عبد اللہ کے

قُلْ إِنَّمَآ أَدْعُوا رَبِّي وَلَآ أُشْرِكُ بِهِۦٓ أَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ إِنِّي لَآ أَمْلِكُ

آپ فرمائیے میں تو بس اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور شریک نہیں ٹھہراتا اس کا کسی کو۔ آپ فرمائیے میں (اللہ کے اذن کے بغیر) نہیں مالک

لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ ٱللَّهِ أَحَدٌ ۙ

تمہارے لیے کسی نقصان کا اور نہ ہدایت کا۔ آپ فرمائیے مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا ۲۲

خطاب سے نوازا ہے۔

۱۹ آیت کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب نخلہ کے مقام پر اللہ کا حبیب نماز صبح میں مصروف تھا اور ان جنات کا ادھر سے گزر ہوا تو اللہ تعالیٰ کے اس بندے کو دیکھ کر قرآن کی اثر انگیز تلاوت کو سن کر اس کے خشوع و خضوع اور اس کے صحابہ کی اطاعت و انقیاد کو دیکھ کر ان کے دلوں میں ایسی کشش پیدا ہوئی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا فرط شوق سے حضور پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ ایسا والہانہ اور ذوق پرور منظر انہوں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ یہ محویت یہ استغراق، یہ توجہ، یہ انکسار ان کے لیے بالکل انوکھی چیزیں تھیں۔ یا اس آیت میں جن و انس کے کفار و مشرکین کا ذکر ہے کہ جب وہ حضور کو اپنے رب کی عبادت میں زیادہ دلچسپی لیتے دیکھتے تو ان کا غصہ اور رنج بڑھ جاتا۔ ان کے حسد کی آگ بھڑک اٹھتی اور ان کا جی چاہتا کہ ان پر ٹوٹ پڑیں اور ہدایت کی اس شمع کو گل کر دیں لیکن جسے اللہ تعالیٰ روشن رکھنا چاہے اسے کون بجھا سکتا ہے۔ کاد الجن والانس یکونون مجتمعین لابطال امرہ یریدون ان یطفئوا نور الله بافواههم ویابی الله الا ان یتم نوره۔ (مظہری)

۲۱ آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہوں اور نہ راہ ہدایت پر گامزن کر سکتا ہوں۔ حقیقی نفع و نقصان پہنچانے کا اسی کو اختیار ہے۔ کسی کو ہدایت دینا یا کسی کو محروم کر دینا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ یہ شان ہمارا عقیدہ ہے اس میں کسی کلمہ گو کو شبہ نہیں ہو سکتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے وسیلہ بنا دے وہ اس عطا و اختیار کے باعث لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا باعث بن سکتا ہے اور اس کی گستاخی کے باعث بڑے بڑے اہل ثروت و اقتدار تباہ ہو جاتے ہیں۔ جب حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامہ گرامی شاہ ایران کسریٰ کے پاس پہنچا اور اس نے ازراہ گستاخی اس گرامی نامہ کو چاک کر دیا تو حضور نے فرمایا مزق کتابی مزق الله ملکہ۔ اس نے میرے والا نامہ کو چاک نہیں کیا بلکہ اپنی مملکت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

۲۲ مشرکین مکہ نے کہا اگر آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دیں تو ہم سب آپ کے محافظ بن جائیں گے کسی دشمن کی مجال نہیں ہوگی کہ آپ کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے۔ ان کی اس بیہودہ پیشکش کو اس طرح ٹھکرانے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اے محبوب! آپ فرما دیجیے کہ اگر میں تمہارا کہنا مان لوں اور اپنے رب کو ناراض کر بیٹھوں تو اس کے غضب سے مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ تم چند ہزار انسانوں کی کیا حقیقت ہے، سارے جہان کے لشکر جمع ہو جائیں تب بھی مجھے نہیں بچا سکتے اور میرے لیے اس کی بارگاہ کے بغیر اور کہیں پناہ نہیں۔ ملتحدا ای ملتجأ الجأ الیہ۔ (قرطبی)

وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ

اور نہ میں پا سکتا ہوں اس کے بغیر کہیں پناہ ۔ البتہ میرا (منصب) صرف یہ ہے کہ پہنچا دوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات ۲۱

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

پس واجب، جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے نافرمان ہمیشہ رہیں گے

اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ

تا ابد ۲۲ ۔ ۲۳ یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے (وہ عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جس کا

نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ

مددگار کمزور ہے اور کس کی تعداد کم ہے ۔ ۲۴ آپ فرمائیے میں (از خود) نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا

يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ

ہے یا مقرر کر دی ہے اس کے لیے میرے رب نے طویل مدت ۔ ۲۵ اللہ تعالیٰ غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر

۲۱ میرا فریضہ یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچا دوں اور اس کے احکامات سے آگاہ کر دوں۔ ان کو ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ یہ میری ذمہ داری نہیں۔

۲۲ جو دین کے بنیادی اصولوں میں سے کسی کا انکار کرے گا اور اس پر ایمان نہیں لائے گا اس کے لیے دوزخ کا ابدی عذاب ہے۔

۲۳ اب تو تم اپنے آپ کو بڑا طاقتور اور زور آور سمجھتے ہو تمہارا یہ بھی خیال ہے کہ جس وقت تم اپنے حلیف قبائل کو مدد کے لیے پکارو گے تو جنگجو بہادروں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جمع ہو جائے گا لیکن یہ سب تمہاری غلط فہمیاں ہیں۔ جب عذاب کی مقررہ گھڑی آ پہنچے گی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس وقت تمہیں ٹھیک ٹھیک پتہ چل جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور اور بے بس ہیں اور کس کے معاونوں کی تعداد بالکل قلیل ہے۔

۲۴ یہاں درایت کی نفی کی جا رہی ہے اور درایت مطلق علم کو نہیں کہتے بلکہ وہ علم جو حیلہ اور غور و فکر سے حاصل ہو۔ علامہ راغب اصفہانی اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الدراية المعرفة المدركة بضرب من الختل يقال دريته ودريت به دراية نحو فطنة و شعرت .... والدراية لا تستعمل في الله تعالى وقول الشاعر لاهم لا ادري وانت الداري فمن تعجرف اجلاف العرب (مفردات)

أَحَدًا ﴿٢٦﴾ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ

کسی کو۔ بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرما لیا ہو (غیب کی تعلیم کے لیے) ۲۵ تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے

(ترجمہ) درایت اس معرفت کو کہتے ہیں جو کسی حیلہ سے حاصل ہو، عرب کہتے ہیں دریتہ و دریت بہ۔ اس کا معنی عقل سے سمجھنا، شعور کرنا ہے اور یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوتا اور کسی شاعر کا مصرعہ کہ اے اللہ! میں روایت نہیں کرتا اور تو درایت کرنے والا ہے۔ یہ گنوار اعرابی کی بڑ ہے۔

اس طرح علامہ زبیدی تعریف کرتے ہیں کہ درایت علم سے اخص ہے اور اس کا معنی کسی حیلہ سے کسی چیز کو جاننا۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر نہیں کیا جاتا اور راجز کا یہ مصرعہ لاھم لا ادری وانت الداری یہ اعرابی کی بڑ ہے۔ قال شیخنا صریحہ اتحاد العلم والدرایۃ وصرح غیرہ بان الدرایۃ اخص من العلم، او علم یحصل بضرب من الحیلۃ ولذا لا یطلق علی اللہ تعالیٰ۔ (تاج العروس) کیونکہ قیامت کا علم علوم غیبیہ میں سے ہے، اس لیے انسان اپنے عقل و فہم، غور و فکر یا کسی حیلہ سے اس پر اطلاع نہیں پا سکتا۔ اس پر مطلع ہونے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بتا دے۔ چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ھو غیب لا اعلم منہ الا ما یعرفنیہ اللہ۔ یہ غیب ہے اور میں اس میں سے کچھ نہیں جان سکتا مگر جتنا اللہ تعالیٰ مجھے سکھا دے۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سورۃ الاعراف آیت ۱۸۷ کا حاشیہ)

۲۵۔ غیب کسے کہتے ہیں، اس کی تصریح کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ البتہ شیخ عبد القادر مغربی نے اس لفظ کی جو تعریف کی ہے وہ زیادہ واضح ہے۔ لکھتے ہیں:

والغیب ما غاب عنا معشر البشر ولم نھتد الیہ بشیء من حواسنا ومشاعرنا او بشیء من فراستنا وقیاسنا واستنتاج عقولنا۔

یعنی جو چیز انسانوں سے پوشیدہ ہو اور ہم اپنے حواس اور شعور کی قوتوں سے، یا فراست سے یا قیاس سے یا عقل کے ذریعہ سے اس تک رسائی حاصل نہ کر سکیں، اس کو غیب کہتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ جو چیز ان ذرائع میں سے کسی ایک سے دریافت ہو سکے وہ غیب نہیں۔

عالم الغیب خبر ہے اور اس کی مبتدا ھو محذوف ہے، یعنی ھو عالم الغیب۔ یہاں مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں، اس لیے حصر کا معنی بھی پایا جائے گا یعنی وہی غیب کو جاننے والا ہے۔ اس سے پتہ چل گیا کہ کوئی انسان خواہ وہ کتنا ذہین و فطین ہو، اس کے علم و عرفان کا پایہ کتنا بلند ہو، اس کے درجات کتنے ہی ارفع ہوں، وہ غیب نہیں جان سکتا۔ نہ اپنے حواس سے، نہ قوت شعور سے، نہ فراست سے، نہ قیاس سے اور نہ عقل سے۔ بجز اس کے کہ خداوند عالم جو عالم الغیب ہے، وہ خود اس کو اس نعمت سے سرفراز فرما دے۔ یہ بھی بتا دیا کہ علم غیب کے دروازے ہر ایرے غیرے کے لیے کھلے نہیں بلکہ وہ صرف ان رسولوں کو اس نعمت سے نوازتا ہے جن کو وہ پسند کیا کرتا ہے۔ یہ ہے وہ صاف اور سیدھا مطلب جو اس آیت سے بغیر کسی تکلف کے سمجھ آتا ہے۔ چنانچہ علامہ بغوی لکھتے ہیں:

الا من یصطفیہ لرسالتہ فیظھرہ علی ما یشاء من الغیب۔ (معالم التنزیل) کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنی رسالت کے لیے

جس رسول کو اس غیب پر چاہتا ہے آگاہ کر دیتا ہے۔ علامہ خازن لکھتے ہیں الا من یصطفیہ لرسالتہ ونبوتہ فیظہرہ علی ما یشاء من الغیب (خازن)۔ علامہ قرطبی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے: ثم استثنی من ارتضاہ من الرسل فاودعہم ما شاء من غیبہ بطریق الوحی الیہم (قرطبی) پھر ان رسولوں کو جن کو اس نے چن لیا ہے مستثنیٰ کر دیا پس ان کو جتنا چاہا اپنے غیب کا علم بطریق وحی عطا فرما دیا۔ اندلسی فرماتے ہیں: الا من ارتضی من رسول استثناء من احد ای فانہ یظہرہ علی ما یشاء من ذلک یعنی من احد سے استثناء کیا گیا یعنی رسول مرتضیٰ کو جتنے غیب پر وہ چاہتا ہے مطلع کر دیتا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید سے اس آیت کی یہ تفسیر نقل کی ہے: الا من ارتضی من رسول فانہ یصطفیہم ویطلعہم علی ما یشاء من الغیب۔ یعنی اللہ تعالیٰ رسولوں کو چن لیتا ہے اور انہیں غیب میں سے جتنا چاہتا ہے اس پر آگاہ کر دیتا ہے۔

علامہ زمخشری معتزلی ہیں۔ اپنے عقیدۂ اعتزال کے مطابق اس آیت سے انہوں نے اولیائے کرام کی کرامات کی نفی کی ہے لیکن انبیاء کے لیے علم غیب کا انکار انہوں نے بھی نہیں کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے رسولوں کو غیب پر آگاہ کرتا ہے۔ اولیاء خواہ وہ مرتبہ اور تقویٰ میں کتنے بلند ہوں بہرحال وہ رسول نہیں ہیں۔ اس لیے انہیں غیب کا علم نہیں ہو سکتا۔ اس کا آسان اور واضح جواب تو یہ ہے کہ اولیائے کرام کے سارے علوم بارگاہِ مصطفوی کا عطیہ ہوتے ہیں۔ یہ اسی بحرِ علم کے چند قطرے ہیں جو رب کریم نے اپنے رسول کریم کو عنایت فرمایا ہے۔ یا ان پر وہی جلی شکل ہوتی ہے تو یہ آیت کے منافی نہیں۔

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ انبیاء و رسل کا علم قطعی اور یقینی ہوا کرتا ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن اولیاء کا علم انبیاء کے علم کی طرح قطعی اور یقینی نہیں ہوتا۔

اولیائے کرام کے علوم لدنیہ کے بارے میں جس طرح آپ نے قلم اٹھایا ہے آپ ہی کا حصہ ہے۔ اہلِ ذوق تفسیر مظہری کا اس مقام پر مطالعہ کریں۔

بعض حضرات نے بات ظاہر کی ہے کہ جن علوم غیبیہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آگاہ کیا ہے وہ فقط علوم شرعیہ ہیں۔ وہ اس طرح رسول کریم سے علوم تکوینیہ کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ میری گزارش ہے کہ ان حضرات نے کیا وعلم اٰدم الاسماء کلہا کا ارشاد نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب کے سب اسماء سکھا دیئے۔ جب آدم علیہ السلام کی یہ شان ہے جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں تو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہیں اور سارے جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں ان کے علوم و معارف کا کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس لیے سلامتی اسی میں ہے کہ ہم آیات کو وہ معانی نہ پہنائیں جن کو ان کے کلمات قبول نہیں کرتے اور سیدھی اور صاف بات جو قرآن نے فرمائی ہے اس کو صدقِ دل سے تسلیم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام غیبوں کو جاننے والا ہے اور اپنے ان علوم غیبیہ پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا بجز اپنے رسولوں کے۔ ان کو جتنا چاہتا ہے علوم غیبیہ عطا فرماتا ہے۔ یہ جتنا کتنا ہے اس کو اللہ تعالیٰ جس نے دیا ہے اور اس کا رسول جس نے لیا ہے وہی بہتر جانتے ہیں۔ ہم بیان اختصار کے پیش نظر ان احادیث کو یہاں نقل نہیں کر رہے جن سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے ضیاء القرآن سورۂ آل عمران آیت ۱۷۹، سورۃ النمل آیت ۶۵ کا حاشیہ اور دیگر مقامات

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ

آگے اور اس کے پیچھے محافظ ۲۶ تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں ۲۷

وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

وہ درحقیقت پہلے ہی احاطہ کیے ہوئے ہے ان کے حالات کا اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے ۲۸

۲۶ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت کے لیے اس کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے مقرر کر دیئے ہیں تاکہ ان علوم کی پوری طرح حفاظت کی جا سکے۔

۲۷ اور تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ فرشتوں نے اس کے پیغامات جوں کے توں اس کے رسول کو پہنچا دیئے ہیں۔ تفسیر مظہری رحمۃ اللہ علیہ میں ہے تاکہ خود اللہ تعالیٰ اور رسول چونکہ سیدنا اور باقی وسیلہ اور استقبال۔

۲۸ ربوبیت کے تقاضے یا لکے غالب ہے اور عقول کے دشتے ہر قسم کی مخلوق ہے جاندار، بے جان، زمینی، آسمانی، حسن، اقبال ہر چیز کو اس نے گن رکھا ہے۔ ہر چیز اس کے علم اور قبضۂ قدرت میں ہے۔

○

سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزة والعظمة والکبریاء والجبروت سبحان الملک الحی الذی لا یموت وصلی اللہ تعالیٰ علی عبدہ المکرم ورسولہ المجتبیٰ ونبیہ المصطفیٰ وعلیٰ آلہ مصابیح الدجیٰ واصحابہ نجوم الہدیٰ وبارک وسلم۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورَۃُ المُزَّمِّل

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام "المزمل" ہے۔ اس میں دو رکوع، بیس آیتیں، دو سو پچاسی کلمات اور آٹھ سو اڑتیس حروف ہیں۔

نزول: اس کے زمانۂ نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ ساری سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطاء اور جابر کا یہی قول ہے۔ لیکن بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس کا پہلا رکوع تو مکی ہے، لیکن دوسرا رکوع مدینہ طیبہ میں نازل ہوا۔ نحاس نے حضرت ابن عباس سے یہی قول نقل کیا ہے۔ آیات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں کیونکہ دوسرے رکوع میں جہاد فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ یہ دونوں حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوئے۔ کیونکہ مکہ میں تو جہاد کا تصور تک بھی نہ تھا۔ اور اس پر بھی سب علماء کا اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوا اس لیے حضرت ابن عباس کا قول ہی قرین قیاس ہے۔

ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو سحر خیزی کی تلقین فرمائی ہے کہ آپ رات کا نصف حصہ یا اس سے کم و بیش مصروف عبادت رہا کریں کیونکہ رات کی خاموشیوں میں تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی سے روح کی توانائیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس وقت کی عبادت سے اسرار الٰہیہ پر مطلع ہونے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر جو فرائض عائد کیے گئے ہیں، اُن سے عمدگی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کی قوت اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے، أَدَّبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور ادب سکھانے میں کمال کر دیا) تادیب و تربیت خداوندی کا یہ بھی ایک حصہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو بھی سحری کے وقت جاگنے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام بڑے ذوق و شوق سے سحری سے قبل بیدار ہوتے اور مصروف عبادت رہا کرتے۔ انہی ارشادات نبوی کے طفیل اولیائے اُمت اور صالحین سحری کے وقت جاگ کر اپنے رب کے ذکر اور اس کی یاد میں مصروف رہتے ہیں۔ علامہ نے خوب کہا ہے:

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

"رب المشرق والمغرب" (آیات ۹ تا ۱۴) فرما کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ نبوت کی نازک اور گراں ذمہ داریاں

کو اداکرنے کے راستہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ اے حبیب! آپ ان سے مت گھبرائیے۔ اپنے رب کو اپنا کارساز بنا لیجیے۔ آپ کا رب وہ ہے جو مشرق اور مغرب کی ہر چیز کا پروردگار ہے۔ مخالفین اگر اذیت رسانی پر اتر آئیں تو آپ صبر کی ڈھال پر ان کا ہر وار روکیے۔ ہم خود ان سے نبٹ لیں گے۔ جب ہم نے عذاب کے شکنجہ میں ان کو کسا تو ان کے سارے نشے ہرن ہو جائیں گے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ (آیت ۱۵ تا ۱۹) سے کفارِ مکہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہیں فرعون کے حسرت ناک انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اس نے اور اس کی قوم نے ہمارے رسول موسیٰ کلیم اللہ کو جھٹلایا تھا اور اس کو ستانے کی حد کر دی تھی۔ انہیں بھی اپنی قوت اور شوکت پر بڑا گھمنڈ تھا لیکن جب ہمارے غضب کی بجلی ان پر کوندی تو ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ کیا تم اپنے لیے اسی قسم کا انجام پسند کرتے ہو۔

دوسرے رکوع میں نماز تہجد میں تخفیف فرما دی گئی یعنی نصف شب جاگ کر عبادت کرنا عام لوگوں کے لیے از بس دشوار ہے۔ ان میں کئی بیمار، کئی مسافر اور کئی جہاد میں مصروف ہوتے ہیں۔ دن بھر کی تھکاوٹ ان کو نڈھال کر دیتی ہے۔ اس لیے ان کے لیے نرمی فرما دی کہ جتنی دیر وہ آسانی سے تلاوت و عبادت کر سکیں اتنا ہی کافی ہے۔ فرض نمازوں کی سختی سے پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے میں سستی کا مظاہرہ نہ کریں۔

آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اگر تمہیں اپنا مال خرچ کرنا پڑے تو بخل سے کام نہ لیا کرو بلکہ بڑی فیاضی اور دریا دلی سے خرچ کیا کرو۔ اللہ کی راہ میں جو تم خرچ کرو گے وہ رائیگاں نہیں جائے گا وہ تو گویا اپنے رب کو قرض دے رہے ہو۔ اللہ قیامت کے دن یہ قرض کئی گنا بڑھا کر تمہیں واپس کرے گا۔ اس دن تمہیں پتہ چلے گا کہ اللہ کے راستہ میں اپنی دولت خرچ کر کے تم نے کتنے بڑے نفع کا سودا کیا تھا۔ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ فرما کر اس خطرہ سے بھی آگاہ کیا کہ کہیں تم میں غرور پیدا نہ ہو جائے۔ ہمیشہ اپنے رب سے اپنی لغزشوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہا کرو۔ وہ غفور رحیم تمہاری لغزشوں کو معاف فرمائے گا اور تمہارے اعمال حسنہ کو شرف قبولیت بخشے گا۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۱-۳-۷۷

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ عِشْرُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ مزمل مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ | اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ

اے چادر لپیٹنے والے ۱ رات کو (نماز کے لیے) قیام فرمایا کیجیے مگر تھوڑا یعنی نصف رات یا کم کر لیا کریں

۱۔ اَلْمُزَّمِّلُ اصل میں اَلْمُتَزَمِّلُ ہے اور تزمل سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے مُلْتَفٌّ یعنی اپنے اوپر چادر یا کوئی کپڑا لپیٹ لینا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یٰٓاَیُّہَا الْمُزَّمِّلُ میں خطاب محبوب کریم علیہ افضل التحیۃ والتسلیم کو ہے۔ البتہ اس خطاب سے نوازنے کا سبب کیا ہے اس بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے کہ جب غار حرا میں جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ کا فرمان الٰہی سنایا تو اس حیرت انگیز واقعہ سے خوف اور وحشت سی طاری ہو گئی اور جسم لرزنے لگا۔ اسی حالت میں حضور اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب چادر لپیٹ چکے تو جبرئیل دوبارہ حاضر ہوئے اور یٰٓاَیُّہَا الْمُزَّمِّلُ کے خطاب سے وحی کا آغاز کیا۔

عرب میں یہ دستور ہے کہ جب کسی کے ساتھ لطف و محبت کا اظہار کرنا ہو تو جس حالت میں وہ ہو اسی سے نام مشتق کر کے اس کو خطاب کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ ایک دفعہ سو رہے تھے۔ اسی اثنا میں صبح ہو گئی۔ حضور کو ان کے جگانے کا اتفاق ہوا تو فرمایا قُمْ یَا نَوْمَانُ اے سونے والے جاگ! ایک بار حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدۃ النساء بتول زہرا رضی اللہ عنہا سے کسی بات پر رنجیدہ ہو کر مسجد کے فرش پر آکر لیٹ گئے۔ حضور آپ کو تلاش کرنے کے لیے تشریف لائے تو فرمایا قُمْ یَا اَبَا تُرَابٍ اے مٹی کے باپ اٹھو! حضرت ابوہریرہ کو آقا نے ایک مرتبہ ابوہریرہ (بلی کا باپ) فرما دیا تو اسی خطاب سے مشہور ہو گئے اور جو نام ماں باپ نے تجویز کیا تھا وہ متروک ہو گیا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں ... علیہ السلام تانیس له وملاطفة على عادة العرب ... كل ما يفعل المحبوب محبوب۔ اہل عرب کے دستور کے مطابق ازراہ انس و لطف یوں خطاب فرمایا ... در حقیقت محبوب کی ہر ادا محبوب ہوا کرتی ہے۔

علامہ ابن جریر نے اس خطاب کی دو وجہیں لکھی ہیں ① عن قتادة وصف بانه متزمل فی ثیابه متأهب للصلاة ... کہتے ہیں کہ حضور کپڑے میں لپٹ کر نماز کے لیے تیار ہو گئے تھے اس لیے یٰٓاَیُّہَا الْمُزَّمِّلُ فرمایا۔ اے کپڑے میں لپٹ کر عبادت کے لیے تیار ہونے والے ② عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ زِمْل سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے بوجھ عرب کہتے ہیں ازدمله فلان اسے وہ بوجھ اٹھا لیا۔ اب اس کا معنی یہ ہوگا اے نبوت کے بار گراں کو اٹھانے والے۔

علامہ آلوسی مندرجہ بالا اقوال نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ زمخشری معتزلی نے لکھا ہے کہ اس خطاب سے حضور کو عتاب کیا جا رہا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کی طرح جن کے سامنے کوئی مقصد نہیں ہوتا چادر لپیٹ کر سو رہے ہیں۔ اٹھو اور اپنا فریضہ نبوت ادا کرو۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں یہ کلام گستاخانہ ہے اور اس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ بعض لوگوں نے زمخشری کی طرف سے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آپ خود لکھتے ہیں:

مِنْهُ قَلِيلًا ﴿٣﴾ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿٤﴾ إِنَّا سَنُلْقِي

اس سے بھی تھوڑا سا کم ۲ یا بڑھا دیا کریں اس پر اور خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے قرآن کریم کو ۳ بے شک ہم جلد ہی القا کریں گے

ولا یخفی انه الیق بمقام المدح وهو الذی علیه ... تعالیٰ وان کان لنا ان نخاطب حبیب ... بما شاء ... علینا علیه سبحانه ... بل یلزمنا الادب والتعظیم لجنابه الکریم (روح المعانی)

قائل کی اس توجیہ سے زمخشری کی توجیہ میں جو گستاخی کا پہلو ہے اس کا ازالہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہے اپنے حبیب کو خطاب فرمائے ہم پر لازم ہے کہ ہم بارگاہ رسالت کے ادب و احترام کو ہر طرح ملحوظ رکھیں۔

عارف کامل حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ تحریر کیا ہے "ای اے کسے کہ لباس پیغمبری" رسالت کی خلعت فاخرہ زیب تن فرمانے والے۔

۲ نصف یا اس سے کم یا زیادہ رات کی ان شب بیداریوں میں نماز ادا فرمایئے۔

پہلے آپ اس جملہ کی ترکیب ذہن نشین کرلیں تو اس کا معنی سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی

الّیل مستثنیٰ منہ الا حرف استثنا قلیلا مستثنیٰ۔ نصفه، قلیلا کا بدل ہے۔ اس کی ضمیر کا مرجع اللیل ہے۔ اس بدل نے قلیل کے ابہام کو دور کردیا۔ او حرف عطف۔ انقص، منه کی ضمیر کا مرجع اللیل اور نصف دونوں ہوسکتے ہیں۔ قلیلا انقص کا مفعول ہے یعنی نقصا قلیلا

قم اللیل سے تو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ ساری رات نماز پڑھتے پڑھتے گزار دیجئے لیکن الا قلیلا فرما کر اس خیال کی نفی کردی۔ فرمایا کچھ تھوڑا سا وقت آرام بھی کرنا ہے۔ اب تھوڑے کی مقدار بتائی یعنی نصف رات۔ لیکن نصف شب میں اگر تھوڑی سی کمی یا تھوڑی سی زیادتی ہوجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اختیار دے دیا کہ چاہے نصف رات آرام فرمائیں یا نصف سے کچھ کم یا نصف سے کچھ زیادہ آپ کو اختیار ہے۔

۳ علامہ آلوسی لکھتے ہیں الترتیل التنضید والتنسیق وحسن النظام ومنه ثغر رتل اذا کان حسن التنضید۔ یعنی ترتیل کا معنی ہے کسی چیز کو سلیقہ سے منظم اور مرتب ہونا۔ وہ منہ جس کے دانت خوبصورت اور ترتیب سے ہوں انہیں ثغر رتل کہتے ہیں یعنی کوئی دانت ادھر ادھر نہیں، کوئی جگہ خالی نہیں، کوئی دانت ٹوٹا ہوا نہیں۔ اس مناسبت سے ترتیل قرآن کا معنی ہوگا کہ اس کو آہستہ آہستہ سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور اس کی تلاوت میں تیزی نہ کی جائے۔ اس آیت کی جامع اور دل نشین تفسیر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ آپ سے اس آیت کا مفہوم پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا بینه تبیینا ولا تنثره نثر الدقل ولا تهذه هذ الشعر قفوا عند عجائبه وحرکوا به القلوب ولا یکن هم احدکم آخر السورۃ (روح المعانی) آپ نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی ہمارے نبی کریم نے ہمیں بتایا کہ جس طرح تم جلدی جلدی ردی کھجوریں پھینکتے چلے جاتے ہو اور بال کاٹتے چلے جاتے ہو ایسا نہ کرو۔ جب کوئی نادر نکتہ آئے تو ٹھہر جاؤ اور اپنے دل کو اس کی تاثیر سے متحرک کرو۔ تمہیں اس سورت کو جلدی جلدی ختم کرنے کا فکر نہ ہو

عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۞ إِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَّأَقْوَمُ

آپ پر ایک بھاری کلام ۵ بلاشبہ رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے ۶ اور بات کو

۵ عنقریب آپ پر ایک گراں قدر کلام نازل ہونے والا ہے جس میں اوامر و نواہی، احکام اور ارشادات کا ایک طویل سلسلہ ہوگا اس پر عمل کرنا خود بھی اور سب لوگوں سے اس پر عمل کرانا بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔ اس کے بوجھ کو اٹھانا آسان کام نہیں۔ اگر یہ پہاڑوں پر بھی یہ کلام نازل ہو تو وہ اس کی دہشت اور جلال سے ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزول وحی کے وقت عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ ولقد رأیتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنہ وان جبینہ لیتفصد عرقا یعنی میں نے حضور کو اس حالت میں دیکھا جب سخت سردی کے دن میں وحی کا نزول ہوتا تو جب وحی کا نزول ختم ہوتا تو حضور کی پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے ٹپک رہے ہوتے۔

کلام الٰہی کے ثقیل ہونے کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار حرا کی خلوتوں میں ذکر الٰہی اور مشاہدہ جمال و تجلیات میں مستغرق رہتے۔ اس سے دل کو بڑی خوشی اور اطمینان نصیب ہوتا۔ مقام نبوت پر فائز کرنے کے بعد حضور کو مخلوق کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا تو وہ کیفیت ایسی تبدیلی حضور پر بڑی گراں تھی۔ ارشاد و تکمیل کا درجہ اگرچہ اکمل و افضل ہے اتنی دیر تک لیکن صوفی کے لیے رجوع الی الخلق بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ نبی کی شان ولایت اس کی شان نبوت سے ارفع ہوتی ہے کیونکہ پہلی حالت میں ساری توجہ محبوب حقیقی کی طرف ہوتی ہے اور دوسری حالت میں توجہ کا رخ مخلوق ہوتی ہے لیکن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول غلط ہے۔ نبل النبوۃ مطلقا افضل من الولایۃ وتوجہ ہا الی الخلق عند الصوفیۃ من السیر فی الذات والولایۃ عن السیر فی الصفات والشتان علیہ بینہما۔ یعنی نبوت ہر لحاظ سے ولایت سے افضل ہے کیونکہ صوفیہ کی اصطلاح میں نبوت سیر فی الذات کا نام ہے اور ولایت سیر فی الصفات کا اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ (مظہری)

۶ ناشئۃ، وزن کے لحاظ سے تو اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے لیکن یہ مصدر ہے جس طرح عافیۃ مصدر ہے۔ نشئۃ الیل کا معنی حضرت صدیقہ نے یہ بتایا ہے۔ قیام اللیل بعد النوم سونے کے بعد رات کو اٹھنا۔ ابن کیسان کہتے ہیں ہی القیام من آخر اللیل یعنی رات کے آخری حصہ میں قیام کرنا۔ اشد وطاً، وطء کہتے ہیں پاؤں سے کسی کو لتاڑنا، روندنا۔ کیونکہ رات کو خواب راحت سے بیدار ہونا، نرم و گرم بستر سے الگ ہو کر وضو کرنا، نماز پڑھنا، ذکر اذکار کرنا نفس کے لیے بہت گراں ہے۔ اس لیے جو شخص شب بیداری اور سحر خیزی کو اپنی عادت بنا لیتا ہے گویا سرکش نفس کی سرکشی کو روند ڈالتا ہے اور اس کے غرور و نخوت کو پامال کر دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے چند روز تو نفس اس کو ناگوار سمجھتا ہے اس سے بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس کو اٹھنے کا سلسلہ برقرار رکھا جائے تو اٹھنے لگتا ہے۔ نماز میں خشوع و خضوع پیدا نہیں ہوتا کم ہمت سالک یہ خیال کرتا ہے کہ اس نماز سے کیا فائدہ جس میں خشوع نہ ہو نفس کے اس فریب کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ لیکن با ہمت سالک نفس کی ان چالوں میں نہیں آتے۔ وہ اس کی ان حرکتوں کے باوجود سحر خیزی کا اہتمام جاری رکھتے ہیں۔ چند روز بعد اس کا سرکش نفس سدھائے ہوئے گھوڑے کی طرح ان کے اشارے پر عمل کرنے لگتا ہے۔ قرآن کی حوصلہ کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اس لیے فرمایا کہ نفس کے غرور کو کچلنے کے لیے اور

قِيۡلًا ؕ اِنَّ لَكَ فِى النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًا ؕ وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَ

درست کرنا ہے یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں ؎ اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا شہ اور

اس کی سرکشی کو ختم کرنے کے لیے یہ نسخہ بڑا کارگر ہے۔ اسے شب بیداری سے شوب لگاؤ چند دن میں یہ رام ہو جائے گا اور اس کی فتنہ انگیزیاں باقی نہیں رہیں گی۔ علامہ بوصیری نے کیا خوب کہا ہے۔

النفس کالطفل ان تہملہ شب علی ۔۔۔ حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

ترجمہ: نفس بچے کی مانند ہے اگر تم اس کا دودھ نہ چھڑاؤ تو وہ جوان ہونے تک دودھ پیتا رہے گا، اگر تم اس کا دودھ چھڑا دو تو چند روز شور مچانے کے بعد وہ خود ہی دودھ چھوڑ دے گا۔

شب بیداری کا ایک اثر تو یہ ہوا اور اس کی دوسری تاثیر اقوم قیلا میں ظاہر کی ہے۔ اقوم کا معنی اعدل۔ بالکل سیدھا، ہموار جس میں کوئی کجی نہیں جس میں کوئی خم نہیں۔ قیلا، قال کا مصدر ہے یعنی قول بمعنی اس وقت قرآن کریم کی تلاوت نہایت صحیح طریقہ سے ہوسکتی ہے نہ شور و شغب ہوتا ہے اور نہ کسی اور کام کی جلدی ہوتی ہے۔ انسان بڑے سکون اور اطمینان سے اس پاک کلام کی تلاوت کرتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے۔

ؔ؎ سبح پانی میں تیرنے کو کہتے ہیں۔ وہ گھوڑا جو بہت تیز رفتار ہو اس کو فرس سابح کہا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دن میں آپ کو بڑی مصروفیتیں ہیں۔ اشاعت و تبلیغ اسلام، سیاسی اور معاشرتی امور کے نظم و نسق کے فیصلے، لشکروں کی ترتیب وغیرہ اس لیے ان کے لیے رات کی تنہائی کا ماحول اور قرآن کریم کی تلاوت کا بہترین موقع ہے۔

ان آیات میں نماز تہجد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو بڑی پابندی سے تہجد ادا فرماتے تھے۔ امت کو بھی اس کی ترغیب دی ہے۔ چند ارشادات نبوی آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

(١) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ینزل ربنا کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر یقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسألنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفر لہ۔ (متفق علیہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب رات کا آخری تیسرا حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا پروردگار پہلے آسمان پر اپنی شان کے شایان تجلی فرماتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے میں اس کی دعا قبول کروں کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو دوں کون ہے جو گناہوں کی بخشش چاہتا ہے میں اس کو بخش دوں۔

(٢) عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیکم بقیام اللیل فانہ دأب الصالحین قبلکم وہو قربۃ لکم الی ربکم ومکفر للسیئات ومنہاۃ عن الاثم۔ (الترمذی) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم کو رات کو جاگنا ضروری ہے پہلے زمانے کے نیک لوگوں کا یہ دستور تھا۔ رات کو جاگنا اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کو ختم کرنے والا ہے۔

(٣) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثلاثۃ یضحک اللہ الیہم الرجل اذا قام باللیل یصلی والقوم اذا صفوا فی الصلوٰۃ والقوم اذا صفوا فی قتال العدو۔ (رواہ البغوی) حضور نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے (١) وہ شخص جو رات کے وقت اٹھ کر نماز تہجد پڑھتا ہے (٢) وہ لوگ جو نماز کیلئے صفیں باندھتے ہیں (٣) وہ لوگ جو میدان جنگ میں اپنی صفوں کو درست کرتے ہیں۔

شہ اس کا عطف قم اللیل پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ رات کو قیام کیا کرو، نماز و قرآت میں شب بسر کیا کرو اور ذکر الٰہی رات دن صبح و شام کیا کرو۔

تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو ش مالک ہے مشرق و مغرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں

لیکن یہ مقام حاصل نہیں ہوتا جب تک دل ذاکر نہ ہو اور حق تو یہ ہے کہ صرف دل کا ذکر ہی حقیقی ذکر ہے کیونکہ ذکر کا معنی ہے طرد الغفلۃ غفلت کو دور بھگا دینا اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ دل ذاکر ہو کیونکہ زبان بسا اوقات ذکر کرتی ہے لیکن دل غافل ہوتا ہے ایسے ذکر کو ذکر کہنا تو بڑی زیادتی ہے۔

ش تبتل کا مفہوم علامہ آلوسی نے یوں بیان کیا ہے۔ انقطع اليه تعالى بالعبادة وجرد نفسك عما سواه عز وجل واستغرق في مراقبته سبحانه۔ یعنی ہر طرف سے تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جا اور اپنے نفس کو ماسوا کے خیال سے پاک کر دے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے مراقبہ میں مستغرق رہو۔

قاعدہ کے مطابق مفعول مطلق فعل کے باب سے تَبَتُّلًا ہونا چاہیے تھا لیکن کیونکہ تَبَتُّل اور تَبْتِیْل دونوں کے معنی ایک ہیں اس لیے باب تفعیل کا مصدر ذکر کر دیا تاکہ قوافی کی رعایت ہو جائے۔

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان دنیا سے قطع تعلق کر لے۔ گھر بار سے، بیوی بچوں سے اہل و عیال کا خیال۔ اس قسم کے تبتل کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد نبوی ہے لا رهبانية في الاسلام کہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضور نے حضرت عبداللہ کو فرمایا ان لنفسك عليك حقا ولأهلك عليك حقا ولضيفك عليك حقا کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے اہل و عیال کا بھی تجھ پر حق ہے تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طلب نہ رہے۔ صوفیائے کرام کا قول ہے کہ جس راہ کے ہم مسافر ہیں اس پر دو قدم چلنا پڑتا ہے پھر منزل آ جاتی ہے۔

الخطوة الاولى الانقطاع عن الخلق والثانية الوصول الى الحق۔ پہلا قدم مخلوق سے قطع تعلق اور دوسرا قدم وصل الی الحق۔ یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن عزیز پر غور فرمائیے حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب کا نام یاد کرو، واذکر ربک نہیں کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری رسائی اس کے اسمائے حسنیٰ کے ذکر تک ہے اس کی ذات کا ذکر ہم سے دور کی منزل ہے۔ دوام ذکر سے دوام حقیقی مراد نہیں بلکہ دوام عرفی ہے یعنی الاكثار بقدر الطاقة البشرية۔ انسانی طاقت کے مطابق کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ ایسا ذکر انسان کو تبتل کی منزل تک پہنچانے کا وسیلہ بن جاتا ہے لیکن یہ نصیب انہی کو ہوتا ہے جن کی دستگیری فرمائے یا شیخ کامل کی کوشش سے نصیب ہو جاتا ہے۔ وكذلك يوصل الى التبتل ... الى الشروط المعتبرة من الله تعالى او بمدد من الشيخ۔ (مظہری)

حضرت یعقوب چرخی لکھتے ہیں۔ و ایں معنی را اہل سلوک نفی ما سوا اللہ گویند و ایں معنی بکثرت ذکر حاصل می شود بعنایت الٰہی و بجذبۂ شیخ کامل و مکمل۔

بے عنایات حق و خاصان حق — گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

و یک نظر مبارک از شیخ کہ محبوب حق و مجذوب مطلق باشد چنداں نصیب گردد کہ بچہل سال بدیگر انواع عبادات ظاہرہ حاصل نشود۔

فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿٩﴾ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا

پس بنا لیجیے اسی کو اپنا کارساز ۹ اور صبر کیجیے ان (دل آزار) باتوں پر اور ان سے الگ ہو جائیے بڑی

جَمِيلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ﴿١١﴾

خوبصورتی سے ۱۰ آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں ۱۱

إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا ﴿١٢﴾ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣﴾

بے شک ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے ۱۲ اور ایسا کھانا جو گلے میں پھنس جانے والا ہے اور دردناک عذاب۔

ترجمہ: اس معنی کو ہی اہل تصوف ماسوی اللہ کی نفی کہتے ہیں اور یہ معنی عزت و دوسرے حاصل ہوتا ہے اور عنایت ازلی اور شیخ کامل و مکمل کی صحبت اس کا سبب بنتی ہے۔

اللہ کی عنایت اور رضائے الٰہی کی حمایت کے بغیر اگر کوئی فرشتہ بھی ہو تو اس کا نامۂ عمل سیاہ ہوتا ہے۔

شیخ جو محبوب حق اور محبوب خلق ہوتا ہے اس کی ایک نظر ہزار کتب و مجاہدے کی وہ منزل طے کرا دیتی ہے جو طرح طرح کی ظاہری مجاہدوں سے حاصل نہیں ہوتی۔ اللھم ارزقنا من عندہ وانت سابق مکرمات۔ الٰہی ہمیں اپنی کششوں سے ... تیری شان کرم کے شایاں ہے۔

۹ وہ مشرق کا بھی مالک ہے اور مغرب کا بھی مالک ہے۔ ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہر کام اسی کی مرضی سے طے پاتا ہے۔ وہی معبود برحق ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی لیے اسی کو اپنا کارساز بنا لو۔ اپنے سارے کام، اپنے سارے احوال اپنی ساری امیدیں اسی کے سپرد کر دو اور یقین رکھو کہ وہ کارسازی فرمائے گا اور دین و دنیا میں کامیابی تمہیں نصیب ہوگی۔

۱۰ وہ دل جو ان کے لیے جھوٹ اور خلوص کے جذبات سے لبریز تھا وہ اس کو گالیاں دیتے رہتے۔ کبھی شاعر، ساحر، مجنون جیسے مکروہ الفاظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کرتے۔ مذاق کرنا سمجھتے ... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے محبوب! یہ جو کچھ کہتے ہیں انہیں بکنے دو، ان کی طرف سے رخ انور پھیر لو۔ ان کی گستاخیوں اور ناشائستہ حرکتوں کا انتقام لینے کا خیال بھی آپ کے دل میں نہ گزرے۔ آپ نے اپنے سب کام ہمارے سپرد کر دیے ہیں۔ اب آپ کو فکر کی ضرورت نہیں ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔ ... ان سے الجھنا ان کے منہ لگنا اور ان سے انتقام لینا آپ کو زیب نہیں دیتا۔

۱۱ اے محبوب! آپ نے مجھے توکل کر لیا اور مجھے اپنا کارساز بنا لیا۔ اب آپ کو فکر کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت جلد یہ اولی النعمۃ میدان بدر میں ذلیل و رسوا ہو کر قتل کر دیے گئے۔

۱۲ انکال، نکل کی جمع ہے۔ وہ بھاری بیڑیاں جو پاؤں میں ڈالی جاتی ہیں اور انسان چل نہیں سکتا۔ النکال: القیود، واحدہ نکل

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾

یہ اس روز ہوگا جس دن لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے بن جائیں گے ١٣

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ

(اے اہل مکہ!) ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول تم پر گواہ بنا کر ۔ جیسے ہم نے فرعون کی طرف

فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا

(بھی) ایک رسول بنا کر بھیجا ۔ پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے

وَبِيلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ

پکڑ لیا ١٥ (ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے

شِيبًا ﴿١٧﴾ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾ إِنَّ هَٰذِهِ

گا (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس (دن) کے ہول سے ١٦ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا ۔ یقیناً یہ (نصیحت) ہے ۔

ھو ما ینبع الانسان من الرمل ۔ والقضیب ۔ یا غبار المنثور اس ریت کو کہتے ہیں جو بکھر کر گرتی ہے ۔ مہیل اسے کہتے ہیں جو بہہ نکلے جیسے خشیش و نقوم وغیرہ ۔

١٣ قیامت کے روز انہیں زمین پر پہاڑ اضطراب میں مبتلا کر دیا جائے گا کثیب الرمل المجتمع ریت کا ٹیلہ مہیلا وہ ریت جو (تلے سے) نکلنا شروع ہو جائے ۔

ایسی ریت کا ڈھیر ہو جائے جو کوئی ہوا کا جھونکا یا کوئی شور کر کے سے پانی کی طرح بہنے لگے ۔

١٤ اہل مکہ کے سامنے فرعون کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کی شان و شوکت اور فرعونیت کے قصے وہ اپنے بزرگوں سے سنتے چلے آتے تھے انہیں

فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو قیامت کے روز تمہارے کفر و ایمان پر گواہی دے گا شاھدا یشھد یوم القیامۃ بما صدر

منکم من الکفر والعصیان ۔ (روح المعانی) جو کچھ نافرمانی تم سے صادر ہوئی ہے قیامت کے روز وہ اس کی گواہی دے گا جس طرح ہم نے تمہاری طرف

رسول بھیجا ہے اسی طرح ہم نے فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا تھا ۔

١٥ تمہاری طرح فرعون نے بھی حضرت موسیٰ کو ماننے سے انکار کر دیا تھا ۔ ہم نے اس کو تباہ و برباد کر دیا ۔ اگر تم نے میرے رسول کی دعوت

رد کر دی تو پھر اس قوم کے انجام کے لیے تیار رہو ۔ وبیلا ۔ شدید اور سخت چیز ۔ جو بارش بڑی تیز برستی ہے اسے مطر وابل کہتے ہیں جو پانی پینے کے

قابل نہ ہو اسے ماء وبیل کہتے ہیں ۔ اخذناہ وبیلا ۔ ثقیلا شدیدا

١٦ اگر تم کفر سے باز نہ آئے اور اسی گمراہی و ضلالت پر مصر رہے تو پھر وہ دن جو آنے والا ہے اتنا ہولناک اور طویل ہوگا کہ بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور

تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ

نصیحت ہے۔ ۱۷ سو جس کا جی چاہے اختیار کرلے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ۔ بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ

اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ

آپ (نماز میں) قیام کرتے ہیں کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی نصف رات اور کبھی تہائی رات اور ایک جماعت ان سے

مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ

جو آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی (ایسا ہی قیام کرتے ہیں) ۱۸ اور اللہ تعالیٰ ہی صحیح اندازہ کرتا ہے رات اور دن کا۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم

آسمان جیسی مضبوط چیز بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی تو اس دن عذاب الٰہی سے تم کیونکر بچ سکو گے۔

۱۷ یہ آیات جن کو ہمارا رسول تمہیں پڑھ کر سنا رہا ہے یہ تمہارے لیے یاد دہانی ہے تاکہ تم خواب غفلت سے آنکھیں کھولو اور جس کا جی چاہے وہ اس راستہ پر گامزن ہو جائے جو اس کے پروردگار کی رضا اور معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی حسی فاصلہ اور ظاہری دوری تو ہے نہیں کہ کسی راستہ پر چل کر اس کا قرب حاصل کیا جائے۔ وہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان حائل جو دوری ہے وہ غفلت کی دوری ہے، وہ ظلمانی حجاب ہے۔ اس حجاب غفلت کو دور کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہر وقت اس کو یاد کیا جائے، اس کے ذکر کو اپنا معمول بنا لیا جائے۔ ذکر سے ہی یہ حجاب اٹھتا ہے۔ اسی ذکر سے ہی بندے کو اپنے رب کی معیت اور اس کا قرب نصیب ہوتا ہے اور اسی محبت و عشق کے فیض سے اس کی عظمت و کبریائی کے نورانی پردے اٹھتے ہیں اور محبت صادق بلا واسطہ حقیقت کو آشنا ہو کر قرب بے چون و بے چگونی کا شرف حاصل کرتا ہے۔ کشف تلک الحجب بتیسر بالذکر لان التذکیر یورث المحبۃ و یستعقب المحبۃ مع المحبۃ کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المرء مع من احب المحبۃ یقتدی المحب الی المحبوب بحیث لا تمنعہ سرادقات العظمۃ والکبریاء۔ (مظہری)

ترجمہ: ان پردوں کا اٹھنا صرف ذکر الٰہی سے ہی آسان ہوتا ہے کیونکہ کثرت ذکر سے طبیعت مائل ہوتی ہے، محبت پیدا ہوتی ہے، معیت نصیب ہوتی ہے۔ جس طرح ارشاد رسالت ہے ہر انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ پس معیت، محب کو اپنے محبوب کے قرب میں پہنچا دیتی ہے۔ عظمت و کبریائی کے پردے اس وقت اس کو روک سکتے نہیں۔

۱۸ قُمِ الَّيْلَ کا حکم نازل ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نصف شب یا اس سے تھوڑا کم یا تھوڑا زیادہ تک نماز تہجد ادا کرنا اور اس میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا فرض ہو گیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ابتداء میں نماز تہجد تمام مسلمانوں پر فرض تھی اور بعض کا خیال ہے کہ نماز تہجد صرف حضور پر فرض تھی لیکن جب مسلمانوں نے اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصف شب تک عبادت میں مصروف دیکھا تو ان کے دل میں بھی اپنے رسول کے اتباع کا شوق پیدا ہوا اور وہ بھی اپنے ہادی کے ساتھ اپنے مالک کی عبادت میں مشغول رہنے لگے کیونکہ نصف رات کا وہ صحیح

تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ

اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی بس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو ۱۹ وہ یہ بھی

اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ

جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں

يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ

تلاش کرتے ہوئے اللہ کے فضل (رزق حلال) کو ۲۰ اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے۔

اندازہ نہیں لگا سکتے تھے اس لیے احتیاطاً وہ ساری ساری رات نماز پڑھتے پڑھتے گزار دیتے یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج گئے اور چہروں کی رنگت زرد پڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم فرماتے ہوئے اس حکم میں تخفیف کر دی کہ اب نصف رات جاگنے کی پابندی نہیں جتنا تم آسانی سے جاگ سکتے ہو اور جتنا بآسانی قرآن کریم پڑھ سکتے ہو اتنا ہی کافی ہے۔

یہ آیت پہلے حکم کے کتنا عرصہ بعد نازل ہوئی اس میں مختلف اقوال ہیں۔ آٹھ ماہ، سولہ ماہ اور ایک سال اور دس سال کی روایات منقول ہیں۔ آخری روایت سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بارہ ماہ کا عرصہ لکھا ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ مسلمانوں پر نصف شب کا قیام دس سال کی طویل مدت تک فرض رہا ہو اور اس کے بعد تخفیف کی گئی ہو۔

۱۹؎ بعض نے تو اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ تم اس کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اس وقت کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے یقینی پتہ چل جاتا کہ ٹھیک آدھی رات گزر گئی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں نرمی فرما دی اور بعض نے لن تحصوہ کا معنی لن تطیقوا کیا ہے کہ تم ہمیشہ اتنی دیر قیام کی طاقت نہیں رکھتے۔ تم اس حکم کو نباہ نہ سکو گے۔ میرے نزدیک یہی معنی اس مقام سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہاں بیماری، سفر وغیرہ ان عوارض کا ذکر ہوا ہے جن کے باعث نصف رات تک جاگنا از حد مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے عوارض ہیں جن سے ہر شخص کو کم و بیش واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اگر نصف رات تک جاگنا فرض ہوتا اور ان وجوہات کی بنا پر لوگ ایسا نہ کر سکتے تو وہ نافرمان اور گنہگار ہوتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تم پر آسانی اور تخفیف کر دی ہے۔ اب جتنا آسانی سے جاگ سکتے ہو اور آسانی سے تلاوت کر سکتے ہو اتنا ہی کافی ہے۔

۲۰؎ یہاں پہلے حکم میں تخفیف کی حکمت بیان کی جا رہی ہے کہ انسان ہمیشہ صحت و تندرستی سے گھر میں آسودہ خاطر نہیں رہتا۔ کبھی وہ بیمار بھی ہو جاتا ہے۔ کبھی اسے رزق حلال کی تلاش میں اور علم کے حصول میں سفر بھی کرنا پڑتا ہے۔ کبھی میدان جہاد میں دشمنان اسلام کے مقابلہ میں داد شجاعت بھی دینا پڑتی ہے۔ ان حالات میں سحر خیزی کی جو پابندی ہے وہ بڑی مشکل ہے اس لیے نصف رات جاگنے کی پابندی ختم کی جاتی ہے۔ اب جتنا تم آسانی سے جاگ سکو اتنا ہی کافی ہے۔

اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو ۲۱؎ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو ۲۲؎

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں رزق حلال کے لیے جدوجہد کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس کو مجاہدین کے ساتھ شمار کیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: سوّی اللہ تعالیٰ فی هذه الآية بين درجة المجاهدين والمكتسبين المال الحلال للنفقة على نفسه و عياله والاحسان والافضال وكان هذا دليلاً على ان كسب المال بمنزلة الجهاد

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اور رزق حلال کمانے والوں کے درجہ کو برابر کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسب حلال بھی جہاد ہے۔

احادیث طیبہ میں اس حقیقت کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

روى ابراهيم عن علقمة قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما من جالب يجلب طعاما من بلد الى بلد فيبيعه بسعر يومه الا كانت منزلته عند الله منزلة الشهداء ثم قرأ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وآخرون يضربون في الارض الآية يعنی جو شخص ایک شہر سے خوراک کا سامان کسی دوسرے شہر میں لے آتا ہے اور اس دن کے بھاؤ کے مطابق فروخت کر دیتا ہے تو اس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہداء کے مرتبہ کے برابر ہے۔ پھر حضور نے یہ آیت طیبہ پڑھی۔ علامہ قرطبی ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

"واسط شہر میں ایک تاجر رہتا تھا اس نے اپنا گندم سے بھرا ہوا ایک جہاز بصرے کی طرف بھیجا اور وہاں کے ایجنٹ کو لکھا کہ جس روز یہ جہاز بصرہ میں پہنچے اسی روز اس کو فروخت کر دو اور آنے والے دن کے لیے اسے بچا کر نہ رکھو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جس روز وہ جہاز پہنچا گندم کا بھاؤ گرا ہوا تھا غلہ کے تاجروں نے اس ایجنٹ کو کہا کہ اگر تم ایک ہفتہ انتظار کرو تو کئی گنا نفع زیادہ کما لو گے چنانچہ اس ایجنٹ نے ایک ہفتہ اس گندم کو فروخت نہ کیا۔ ان ایام میں بھاؤ تیز ہو گیا اور اس نے کئی گنا زیادہ نفع کمایا۔ اس نے اپنے مالک کو اس صورت حال سے آگاہ کیا اس تاجر نے اس کو لکھا یا هذا انا كنا قنعنا بربح يسير مع سلامة ديننا وقد جنيت علينا جناية فاذا اتاك كتابي فخذ المال وتصدق به على فقراء البصرة وليتني انجو من الاحتكار كفافا لا علي ولا لي۔

اے فلاں! اگر ہمارا دین سلامت رہے تو ہمیں تھوڑا نفع ہی کافی ہے۔ تم نے ہم پر بڑی زیادتی کی ہے۔ جس وقت میرا یہ خط تمہیں ملے تو سارا مال بصرہ کے فقراء میں تقسیم کر دو۔ اس غلہ کی ذخیرہ اندوزی کا جو جرم آپ نے کیا ہے اس کے مواخذہ سے میں اگر بچ جاؤں تو کافی ہے۔ مجھے اس مال کے صدقہ کرنے سے مزید ثواب کی کوئی آرزو نہیں۔

۲۱؎ اس مقدار کا تعین ہر شخص کے اپنے حالات پر ہے۔ ویسے بعض نے پچاس آیتیں اور بعض نے سو آیات لکھی ہیں۔

۲۲؎ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ آیت نماز پنجگانہ اور زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد نازل ہوئی تو پھر نماز سے مراد پانچ فرض نمازیں اور زکوٰۃ سے مراد فرض زکوٰۃ ہوگی اور اگر نماز و زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہے تو پھر الصلوٰۃ سے مراد وہی نماز ہوگی جو اس وقت

وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ

اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو ۲۳؎ اور جو (نیکی) تم آگے بھیجو گے اپنے لیے ۲۴؎ تو

خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا

اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہ بہتر ہے اور وہاں اس کا اجر بہت بڑا ہو گا ۲۵؎ اور مغفرت طلب کیا کرو

اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۰﴾

اللہ تعالیٰ سے ۲۶؎ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

ادا کی جاتی تھی اور زکوٰۃ سے اس کا لغوی معنی مراد ہو گا یعنی صدقۃ التطوع نفلی صدقات۔

۲۳؎ قرض حسن کا مطلب یہ ہے کہ پاک مال سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا۔ ما قصد به وجه الله تعالى من الصدقة من المال الطيب۔

۲۴؎ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے دودھ کو شکر میں ملا کر پیش کیا گیا۔ اسی اثنا میں ایک مسکین آیا۔ آپ نے وہ دودھ اٹھا کر اس مسکین کو دے دیا۔ اہل مجلس میں سے کسی نے کہا امیر المومنین! اس لذیذ مشروب کی قدر یہ بے چارہ مسکین کیا سمجھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا لکن رب المسکین یدری ما هو۔ مسکین کا رب تو جانتا ہے کہ یہ کیا ہے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ پیارا ہو۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم سب کو اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے۔ حضور نے فرمایا سوچ لو کیا کہہ رہے ہو۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ پیارا ہے۔ حضور نے فرمایا نہیں، تم سب کو اپنے مال سے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کیسے؟ وقال انما مال احدكم ما قدم ومال وارثه ما اخر۔ رواه البخاري والطبري۔ تمہارا مال تو وہ ہے جو تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر کے اپنے سے پہلے بھیج رہے ہو اور وارث کا مال وہ ہے جو تم اپنے پاس رکھتے ہو۔

۲۵؎ خیرا اور اعظم، تجدوہ کے مفعول ثانی ہیں، اس لیے منصوب ہیں۔ ھو ضمیر فصل ہے۔ اس کا کوئی اعراب نہیں اور اجرا تمیز ہے۔

۲۶؎ اس سے پہلے مالی اور بدنی عبادات اور اعمال صالحہ کا ذکر کیا گیا۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی کوتاہ اندیش اپنے اعمال پر غرور و فخر کرنے لگے۔ اس لیے آخر میں ہدایت فرمادی کہ اپنے اعمال صالحہ اور نیکیوں پر بھروسہ مت کرو۔ تمہارے اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں نقص و عیب سے خالی نہیں اور اگر خالی ہوں بھی تو بارگاہ الٰہی کی عظمتوں اور رفعتوں کے شایان شان نہیں۔ اس لیے تمہاری نگاہ ہمیشہ اپنی کوتاہیوں

اور خاموش ہو رہنی چاہیے اور ہر وقت ان کے لیے مغفرت طلب کرنے میں ہمیں کوشاں رہنا چاہیے۔ اپنی نجات اور بخشش کی امید فقط اس کی رحمت اور مغفرت پر ہونی چاہیے۔ بے شک وہ بہت مغفرت فرمانے والا اور ہر وقت اپنے بندوں کے حال پر رحمت فرمانے والا ہے۔

○

اَللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مِنْكَ مَغْفِرَةً
وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا رَبَّنَا اغْفِرْ
لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى رَسُولِكَ الَّذِي شَرَحْتَ لَهُ صَدْرَكَ الْأَكْرَمَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّدٍ الْمَبْعُوثِ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنْ أَحَبَّهُ وَ
اتَّبَعَهُ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورَۃ المُدَّثِّر

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام المدثر ہے۔ اس میں دو رکوع چھپن آیتیں، دو سو پچپن کلمات اور ایک ہزار دس حروف ہیں۔

نزول : علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ لیکن ساری سورت بیک وقت نازل نہیں ہوئی بلکہ مختلف اوقات میں ان کے مناسب حال آیتیں نازل ہوئیں۔

مضامین : پہلی سات آیتوں کے بارے میں بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ نزولِ وحی کا آغاز ان آیات سے ہوا۔ لیکن محققین کے نزدیک یہی بات مسلّم ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے نزولِ وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ یہ دن حضور کے لیے بڑے کرب و اضطراب کے دن تھے۔ طبیعت ہر وقت بے چین رہتی۔ ایک روز حضور غارِ حرا میں حسبِ معمول عبادت سے فارغ ہو کر گھر واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک افق آسمان پر آپ کو وہی فرشتہ کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا جو پہلی وحی لے کر آیا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر طبیعت میں ہراس پیدا ہوا۔ گھر پہنچے فرمایا : دَثِّرُوْنِیْ ، دَثِّرُوْنِیْ (مجھے لحاف اڑھاؤ، مجھے لحاف اڑھاؤ) حضور لحاف اوڑھ کر لیٹ گئے۔ اسی حالت میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں فرائضِ نبوت کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پہلی وحی سے صرف یہ جتانا مقصود تھا کہ آپ کو منصبِ نبوت پر فائز کر دیا گیا اور اس وحی سے فرائضِ نبوت سے آگاہ کیا اور ان کی ادائیگی کے لیے کمربستہ ہونے کی تلقین فرمائی۔

آیات گیارہ تا چھبیس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل آیات کی تشریح کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان آیات میں ولید ابن مغیرہ کا نام لیے بغیر اس کے اطوارِ بد کا ذکر کر دیا گیا کہ اس کا دل تو حضور کو سچا رسول اور قرآن کریم کو کلام الٰہی مانتا ہے لیکن اپنی قوم کی ناراضگی کے خوف سے وہ اس کا برملا اظہار نہیں کرتا اور اپنی سرداری کو برقرار رکھنے کے لیے وہ حضور پر افترا بازی سے باز نہیں آتا۔ یہ حضور کو ساحر اور آیاتِ قرآنی کو سحر کہتا ہے۔ اس کو بتا دیا کہ اسے دوزخ کی آگ کا ایندھن بنایا جائے گا۔ اس کے شعلے اس کو جھلس کر رکھ دیں گے، نہ وہ زندوں میں شمار ہو گا نہ مردوں میں۔

آیت ۲۷ سے رکوع کے اختتام تک دوزخ کے بعض حالات پر روشنی ڈالی۔ دوسرے رکوع میں بھی دوزخ اور

دوزخیوں کے حالات کا تذکرہ ہے۔ آپ کی خصوصی توجہ کے لائق وہ سوال و جواب ہے جو اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت کے درمیان ہوگا۔ جنتی اُن سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس جرم میں گھسیٹ دیا گیا۔ وہ جواب دیں گے ہمارے سنگین جرائم میں سے دو بڑے جرم یہ تھے کہ ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور ہم غریبوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے۔ غور فرمایئے قرآن کریم غریب اور حاجتمند طبقہ کی مادی ضرورتوں کی فراہمی کو اسلامی معاشرہ اور اس کے خوشحال افراد کی کتنی بڑی ذمہ داری خیال کرتا ہے۔ جو شخص اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اس کا جرم اتنا ہی سنگین ہے جتنا اس شخص کا جو اپنے رب قدوس کو سجدہ نہیں کرتا۔ جس دین میں غریب پروری کو اتنا اہم مقام دیا گیا ہو اس کے نام لیواؤں کو اپنے معاشرہ سے غربت و افلاس کی بیخ کنی کے لیے مارکس اور لینن کے اشتراکی فلسفہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اگر ضرورت ہے تو فقط اس بات کی کہ ہم آیاتِ قرآنی کی سرسری تلاوت نہ کیا کریں بلکہ اس کی گہرائیوں میں اُتریں۔ اس کے تقاضوں کو سمجھیں اور پھر ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنے سارے وسائل کام میں لے آئیں۔

قصہ مختصر آیت ۴۹ سے کفار کے خبث طبع کا ذکر فرما دیا کہ اگر انہیں اللہ کا کلام سنایا جاتا ہے تو وہ اس سے یوں بدکتے ہیں اور ڈر کر یوں دور بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شیر سے ڈر کر بھاگتے ہوں۔ حالانکہ یہ کتاب سراپا نصیحت ہے۔ اس میں ان لوگوں کی فوز و فلاح کا سامان ہے۔ انہیں تو چاہیے تھا کہ ذوق و شوق سے اس کو سنتے خلوص قلب سے اس کو قبول کرتے اور اس کی روشنی میں جادۂ زیست کے نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے منزل مقصود تک جا پہنچتے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۲۱-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ المدثر مکی ہے اس میں | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ | ۵۶ آیتیں اور ۲ رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿٢﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿٤﴾

اے چادر لپیٹنے والے! ۱ اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرائیے ۲ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے ۳ اور اپنے لباس کو پاک رکھیے ۴

۱۔ وہ لباس جو جسم کو مس کرتا ہے اسے عربی میں شعار کہتے ہیں اور اس کے اوپر جو چادر کمبل وغیرہ اوڑھا جاتا ہے اسے دثار کہتے ہیں۔ مدثر دثار سے ہی مشتق ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے چادر یا کمبل میں اپنے آپ کو لپیٹنے والے۔

اس کی شان نزول کے بارے میں مذکور ہے کہ غار حرا میں جبرئیل امین جب پہلی مرتبہ وحی لے کر حاضر ہوئے تو اس کے بعد کافی عرصہ تک نزول وحی کا سلسلہ بند رہا۔ اسے فترۃ الوحی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس عرصہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بے حد قلق و اضطراب کی کیفیت طاری رہی۔ کلام الٰہی میں جو چاشنی اور مٹھاس ہے کان اب اس سے آشنا ہو چکے تھے اس کو دوبارہ سننے کے لیے سخت بے تاب تھے۔ آتش لطف و کرم پر سکوت، وہ بھی اتنا طویل، قلب کی یہ کیفیت بڑی صبر آزما تھی۔ دل بے چین، نگاہ بیتاب اور آنکھیں مشتاق۔ آخر پھر دریائے رحمت کھلا اور سلسلہ وحی شروع ہوا۔ اس کی حالت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک روز میں چلا جا رہا تھا کہ آسمان کی طرف سے ایک آواز سنائی دی میں نے نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا، زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے خوف محسوس ہوا گھر واپس لوٹ آیا۔ میں نے کہا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ۔ فَدَثَّرُوْنِیْ تو انہوں نے چادر یا کمبل مجھ پر ڈال دیا۔ اس وقت جبریل امین آگئے اور یہ پیغام خداوندی آکر سنایا۔

اس خطاب میں بھی اسی لطف و عنایت اور محبت و پیار کا اظہار ہے جس کا مزہ آپ ابھی المزمل میں پڑھ آئے ہیں۔ علماء کہتے ہیں معنی یایھا المدثر ای المدثر بالنبوۃ والکمالات النفسانیہ اے اسرار کے بوجھ کو اٹھانے والے۔ صوفیائے کرام نے اس خطاب سے جو معنی کشید کیا ہے علامہ آلوسی کے الفاظ میں سماعت فرمائیے۔

قال بعض السادة ای یایھا الانسان الحقیقۃ المحمدیۃ المتدثر بالصورۃ الآدمیۃ او یایھا الغائب عن انظار الخلیقۃ فلا یعرفک سوی اللہ تعالیٰ علی الحقیقۃ

ترجمہ: اہل علم و معرفت کے بعض سرداروں نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اے انسانی شکل و صورت سے حقیقت محمدیہ کو چھپانے والے یا لوگوں کی نگاہوں سے اپنے آپ کو مستور رکھنے والے کہ تیری حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جان سکتا

اس کے بعد علامہ موصوف نے چند اشعار لکھے ہیں۔ ان میں سے قصیدہ بردہ کے دو شعر آپ بھی سن لیجیے۔

۱۔ وکیف یدرک فی الدنیا حقیقتہ — قوم نیام تسلوا عنہ بالحلم

۲۔ فمبلغ العلم فیہ انہ بشر — وانہ خیر خلق اللہ کلہم

(۱) اس دنیا میں سوئی ہوئی قوم جو غفلت و جہالت سے اپنے دلوں کو بہلا رہی ہے حضور کی حقیقت کو کیسے پہچان سکتی ہے۔

(۲) علم کی انتہا تو یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں

قرآن کریم کے معانی کا سمندر ناپیدا کنار ہے۔ اس کی تہہ تک کون پہنچ سکتا ہے۔ اس کے اسرار و معارف کے موتی ان گنت ہیں۔ ان کا شمار کون کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وحبیبہ الاکرم

۲۔ آغاز سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو ہدایت دی یعنی جن احکام اور ارشادات سے نوازا اس سے بہتر کوئی لائحہ عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یاایھا المدثر کے محبت بھرے خطاب کے بعد قم فانذر فرمایا کہ اٹھیے! کاہلی اور بے پروائی سے نہیں بلکہ عزم اور پوری مستعدی کے ساتھ اٹھیے۔ آپ کے گرد و پیش بسنے والی مخلوق غفلت کی نیند سو رہی ہے۔ اسے خبردار کر دیجیے کہ آنکھیں کھولو اپنی روش بدلو ورنہ عذاب الٰہی نازل ہونے ہی والا ہے۔ اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو اس عذاب سے بچنے کا راستہ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔ وقت ضائع کیے بغیر اس پر گامزن ہو جاؤ۔

۳۔ اس دعوت اور تنذیر کے مخاطب اگرچہ کافۃ الناس ہیں لیکن اولین مخاطب اہل مکہ اور قریش تھے جو صدیوں سے شرک کو قبول کیے ہوئے تھے۔ مشرکانہ عقیدے ان کے قلوب و اذہان میں رچ بس چکے تھے۔ مزید برآں انہیں اپنی برتری کا ایک احساس تھا۔ وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ سب سے بڑھ کر معزز، سب سے زیادہ عقل مند، سب سے زیادہ خوشحال وہ خود تھے۔ مزید برآں یہ کہ وہ کعبہ کے مجاور تھے، مذہبی رسوم اور دین کے جملہ حقوق انہی کے نام محفوظ تھے۔ اس لیے ان کو عذاب سے ڈرانا اور دعوت حق دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ان کے دلوں کی پتھریلی اور سنگلاخ زمین میں ایمان کی تخم ریزی کتنا دشوار مرحلہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فرماتے ہیں کہ اپنے رب کی بڑائی کا عقیدہ بھی رکھو اور اس کا اعلان بھی کرو۔ جب آپ کا یہ عقیدہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے تو پھر دوسرے بڑوں کی آپ کو پروا نہیں رہے گی۔ ٹھیک ہے یہ لوگ بڑے بنے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی بڑائی چند میلوں اور چند دنوں تک ہے اور آپ کے رب کی بڑائی کا پرچم بحر و بر، دشت و جبل، عرش و فرش پر ازل سے لہرا رہا ہے اور ابد تک لہراتا رہے گا۔ آپ ان فانی بڑوں کی پروا مت کریں۔ ان کا تعلق ہی کیا ہے آپ کے راستوں میں یہ بڑے بڑے پہاڑ کھڑے کر دیں آپ کا رب جو حقیقی بڑا ہے وہ انہیں رائی بنا کر اڑا دے گا۔ دل میں اس کی کبریائی کا عقیدہ اور زبان سے اس کی کبریائی کا اعلان یہی تو وہ فریضہ ہے جو آپ نے ادا کرنا ہے۔ اللہ اکبر سے نماز کا افتتاح اسی آیت سے ماخوذ ہے۔

۴۔ آپ کو نبوت کے منصب رفیع پر فائز کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کبریائی کے اعلان کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ آپ کے رب کا جلال اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ آپ کے کپڑے میلے کچیلے ہوں یا آپ کے کپڑے گندے یا ناپاک ہوں۔ جس طرح آپ کی زندگی کا مقصد برتر ہے اسی طرح آپ کا لباس بھی اجلا، صاف اور پاک ہونا چاہیے۔ اس کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اپنے اخلاق کو بھی پاک رکھیے۔ آپ کے دامن عصمت پر کسی قسم کا کوئی دھبہ لگنے نہ پائے۔ دشمنان حق کو انگشت نمائی کا کوئی موقع نہ دیجیے کہ ان کے اعتراضات طالبان حق کے لیے رکاوٹ نہ بن جائیں۔ لغت عرب میں پاکدامن آدمی کے لیے طاہر الذیل اور نقی الثوب کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ یعنی وہ پاکدامن ہے اور اس کا لباس ہر داغ سے پاک ہے۔ فقہاء نے اسی آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نماز کے لیے کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے اور جب کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے تو نمازی کا اپنا جسم اور وہ جگہ جہاں وہ نماز ادا کر رہا ہے اس کا پاک ہونا بطریق اولیٰ ضروری ہوگا۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷

اور تمام گناہوں سے حسب سابق الگ رہیے ۵ اور کسی پر احسان نہ کیجیے زیادہ لینے کی نیت سے ۶ اور اپنے رب (کی رضا) کے لیے صبر کیجیے ۷

۵ عقیدہ اور عمل کی ہر ظاہری اور باطنی نجاست سے حسب سابق احتراز کرنے کی تاکید ہو رہی ہے کیونکہ ایک مبلغ کا کلام اس وقت تک موثر نہیں ہو سکتا جب تک وہ خود ان برائیوں سے منزہ اور مبرا نہ ہو۔ وہ تمام گناہ جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب کا باعث بنتے ہیں ان میں سب سے بڑا گناہ بتوں کی پرستش ہے۔ ان سے کنارہ کش رہیے ورنہ لوگ آپ پر طعن دراز کریں گے اور تبلیغ کی کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوں گی۔

قرطبی لکھتے ہیں رِجز اور رُجز دو لغتیں ہیں معنی ایک ہی ہے۔ لغتان مثل الذِّکر والذُّکر۔ ابو العالیہ، ربیع اور کسائی کہتے ہیں، الرجز بالضم الصنم و بالکسر النجاسۃ والمعصیۃ یعنی رُجز، بت کو کہتے ہیں اور رِجز پلیدی اور گناہ کو کہتے ہیں۔ کسائی کہتے ہیں بالضم الوثن و بالکسر العذاب۔ (قرطبی) رُجز کا معنی بت اور رِجز کا معنی عذاب۔

۶ کیا ہی پیاری نصیحت ہے کتنا اعلیٰ ضابطۂ اخلاق کی تعلیم ہے۔ عام طور پر کسی کے ساتھ جب احسان اور بھلائی کی جاتی ہے تو یہ توقع ہوتی ہے کہ جب وقت آئے گا تو یہ مجھ سے بڑھ کر احسان کرے گا۔ لوگ وہاں ایک روپیہ خرچ کرتے ہیں جہاں کم از کم دو کی بازیافت کی امید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ ہدایت کا جو احسان آپ ان پر فرما رہے ہیں، معرفت الٰہی کی جو دولت آپ انہیں عطا فرما رہے ہیں یہ بڑی بیش قیمت چیز ہے۔ لیکن بھولے سے بھی یہ خیال آپ کے دل میں کبھی نہ آنا چاہیے کہ آپ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہونے والے اس احسان عظیم کا معاوضہ آپ کو دیں گے۔ آپ محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا کے لیے یہ کام کریں اور کسی انسان سے اس کے معاوضہ کی قطعاً توقع نہ رکھیں۔ آپ کا رب خود آپ کو اس کا اجر عظیم اور اجر غیر ممنون عطا فرمائے گا۔ ہر قسم کے لالچ یا منفعت سے بے نیاز ہو کر آپ دعوت حق کا فریضہ انجام دیں۔

اس آیت کا ایک اور مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی عبادت، اس کے دین کی تبلیغ اور اس کے نام کو بلند کرنے کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں ان کو بڑا اور کثیر سمجھ کر اس پر ناز اں نہ ہوں بلکہ جتنا بھی آپ جدوجہد کریں اس کو قلیل اور حقیر ہی سمجھیں۔

قال الحسن لا تمنن علی اللّٰہ بعملک فتستکثرہ

۷ اس دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو تکلیفیں پیش آئیں، جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے ان پر صبر کیجیے اور صبر بھی محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے۔

ان آیات طیبات میں جو ہدایات مذکور ہیں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ حضور پہلے ان کے خلاف عمل پیرا تھے اور حضور کی اصلاح کے لیے یہ ہدایات نازل کی گئیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فطرت اذکیٰ اور طبیعت سعید پہلے ہی مکارم اخلاق سے متصف تھی ہر قسم کی خامیوں اور عیوب سے منزہ اور پاک تھی۔ یہ احکام یا تو دوام کے لیے ہیں کہ حسب معمول آپ ان پر کاربند رہیے یا قیامت تک آنے والے مبلغین اور علماء ان دین کے لیے یہ ایک منشور مقرر کر دیا گیا کہ اگر نبوت کی وراثت سے کچھ حصہ لینا چاہتے ہو تو ان اصولوں پر سختی سے کاربند رہو۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾ عَلَى

پھر جب صور پھونکا جائے گا ۸ تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا۔ کفار

الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ

پر آسان نہ ہوگا۔ آپ چھوڑ دیجیے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے ۹ اور دے

لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾

دیا ہے اس کو مال کثیر۔ اور بیٹے دیے ہیں جو پاس بیٹھنے والے ہیں۔ اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان ۱۱

۸ ای نفخ فی الصور۔ جب قیام قیامت کے لیے صور پھونکا جائے گا تو وہ دن کفار کے لیے بڑا سخت ہوگا۔ ان کی کوئی تدبیر کام نہ آئے گی۔ ان کا کوئی عذر مقبول نہ ہوگا۔ ان کی ساری آسیں اور امیدیں ٹوٹ جائیں گی۔ ناقور: وہ صور ہے جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ اس کی اصل حقیقت اور شکل و صورت سے ہم کو آگاہ نہیں کیا گیا اور نہ اس کی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے۔

۹ یہاں سے ولید بن مغیرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی اور غضب کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اس قسم کا کلام غضب اور غضب کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس غضب شدید کی وجہ آیت ۱۸ سے شروع ہو رہی ہے۔ یہاں صرف اس کی احسان فراموشی اور کفران نعمت کا ذکر ہو رہا ہے۔ وحید کے بارے میں دو قول ہیں۔ یا تو خلقت کی ضمیر فاعل کا حال ہو گا مطلب یہ ہو گا کہ میں نے کسی مدد کے بغیر اس کو پیدا کیا ہے۔ مجھے اس کو پیدا کرنے کے لیے کسی اور کی اعانت کی ضرورت نہیں پڑی۔ یا مفعول کی ضمیر محذوف خلقتہ کا حال ہوگا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اس کو میں نے اس حالت میں پیدا کیا ہے کہ وہ تنہا تھا۔ نہ اس کے پاس مال تھا نہ دولت نہ زمین نہ جائیداد نہ اس کے پاس کوئی بیٹا تھا اور نہ کوئی ملازم۔ اب ہم نے اس پر یہ احسان فرمایا اس کو اتنا مال دے دیا جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ دس، بروایت تیرہ بیٹے دیے جو کسب رزق سے مستغنی ہیں۔ تجارت و کاروبار کے لیے انہیں دور دراز ملکوں کی خاک چھاننا نہیں پڑتی۔ کھیتی باڑی میں سارا سارا دن مصروف نہیں رہتے بلکہ تمام ضروریات سے بے نیاز ہو کر ہر وقت اپنے باپ کے پاس حاضر رہتے ہیں۔

۱۰ شہود کا معنی معروف و مشہور بھی کیا گیا ہے یعنی باپ کی طرح نامدار اور معزز ہیں۔ لوگ اپنی حاجات میں ان کے پاس بھی حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

۱۱ اس کا مفہوم علامہ پانی پتی کے الفاظ میں یوں ہے او بسطت له الریاسة والجاه العریض۔ یعنی میں نے اس کے لیے ریاست و سرداری اور عزت و جاہ کے اسباب فراہم کر دیے ہیں اور مکہ کا کوئی رئیس اس کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اس کی ہم قوم اسے ریحانہ قریش، قریش کا گل خنداں کہا کرتے تھے اور وہ اپنے آپ کو وحید بن وحید [illegible] کے الفاظ سے ملقب کیا کرتا۔

ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ

پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں ۱۱ ہرگز نہیں ۱۲ وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ

صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ

کٹھن چڑھائی چڑھے ۱۳ اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی ۱۴ اس پر خدا کی مار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی

۱۱۔ اتنے عظیم احسانات کے باوجود اسے شکر کی کوئی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول سے مخاصمت اور عناد اس کا شغل بن کر رہ گیا ہے۔ بایں ہمہ مزید نعمتوں کا امیدوار ہے۔

۱۲۔ ہرگز نہیں اب اس کے لیے انعام و اکرام کے دروازے بند کیے جاتے ہیں اور عذاب و عتاب کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ولید کا کاروبار ماند پڑ گیا۔ زراعت و تجارت کی ترقی رک گئی۔ خسارے کا چکر چلنے لگا۔

۱۳۔ أرهقه: أعجزه۔ سأرهقه: سأكلفه۔ ہم اسے مجبور کر دیں گے کہ وہ اس دشوار چڑھائی پر چڑھے۔ آرام و آسائش کی زندگی کا دور ختم ہو گیا اب ذلت و نامرادی، محرومی و تنگدستی کی زندگی بسر کرنا پڑے گی۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جہنم میں ایک پھسلواں پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے۔ ایسے پہاڑ پر چڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ جان توڑ کوشش کر کے جب وہ چوٹی کے قریب پہنچے گا تو اس کا پاؤں پھسل جائے گا اور دھڑام سے نیچے آ گرے گا۔ پھر ایسے ہی اوپر چڑھنے کا حکم ملے گا۔ اس کا مطلب یہ ہو گا۔ قال ابن عباس صعودا، مشقة من العذاب لا راحة له فيه۔ (قرطبی) حضرت ابن عباس نے اس کا معنی یہ بتایا کہ ہم اسے ایک ایسے عذاب کی مشقتوں میں مبتلا کریں گے جس میں اس کو پل بھر کے لیے بھی آرام نصیب نہیں ہو گا۔

۱۴۔ یہاں سے اس غضب شدید کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ آیات کی تشریح سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ وہ واقعہ پڑھ لیں جس کا ان آیات میں ذکر ہو رہا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی دعوت کا آغاز کیے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ حج کا موسم آ گیا۔ اس موقع پر سارے عرب کے اطراف و اکناف سے لوگ یہاں جمع ہوتے۔ اپنے اپنے رسم و رواج کے مطابق پوجا پاٹ کیا کرتے۔ اہل مکہ کو اب یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر محمد ان کی دعوت کی تبلیغ کرنے لگے تو جو کسی کے جی میں آیا کہہ دیا۔ اب بیرونی قبائل کے لوگ آ رہے ہیں وہ اس نئے دعوی کے بارے میں ضرور پوچھیں گے اگر ہم سب نے کوئی متفقہ جواب نہ دیا تو وہ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ اس لیے انہوں نے سوچا کہ ایک میٹنگ بلائی جائے اور اس میں طے کر لیا جائے کہ بیرونی لوگ اگر ان کے بارے میں پوچھیں تو انہیں کیا متفقہ جواب دیا جائے۔ چنانچہ دار الندوہ میں ان کا اجتماع ہوا۔ ولید نے ہی گفتگو کا آغاز کیا اور لوگوں کو اس مجلس کے انعقاد کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم سب ایک بات پر متفق ہو جائیں اور جو شخص بھی ان کے بارے میں پوچھے سب ایک ہی جواب دیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کاہن کا لفظ تجویز کیا۔ ولید نے کہا بخدا وہ کاہن نہیں ہیں۔ کاہنوں کے سے جوڑ توڑ اور فقرے میں نے سنے ہوئے ہیں۔ قرآن کو ان سے کیا نسبت۔ دوسرے لوگ کہنے لگے کہ انہیں مجنون کہنا چاہیے۔ ولید نے اس کی بھی تردید کی اور کہا کہ اگر تم نے ایسی بیہودہ بات کی تو لوگ تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ چند لوگوں نے کہا کہ ان کے لیے مناسب لفظ شاعر ہے۔ ولید نے کہا میں کتنے کلام شعر کی

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝۲۰ ثُمَّ نَظَرَ ۝۲۱ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝۲۲ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝۲۳

پھر (سن لو) برباد ہو کیسی بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا ۱۲ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔

تمام اصناف سے واقف ہو گیا قرآن کی کسی آیت پر ان میں سے کسی صنف کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ جو لوگ جب تک گفتگو میں شریک نہیں ہوتے تھے کہنے لگے اور کوئی اتفاق نہ ہے کہ ایسے موزوں ترین ہیں البتہ ہم انہیں بتاتے ہیں ان سے ساحر کہہ سکتے ہیں۔ ولید نے کہا دو شوہر جادوگروں کی طلیقاتی تھی اور پاک کردار اور بعثت سے کارم اخلاق کے ساتھ تمیں دیکھ پکے سے کوئی نسبت ہو سکتی ہے۔ ان الفاظ میں سے کوئی لفظ ہم نے استعمال کیا فوراً لوگ تم پر بدگمان ہو جائیں گے اور اسے جھوٹی تہمت خیال کریں گے پھر کہنے لگا واللہ ان لقولہ لحلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وانہ لاعلاہ مثمر وان اسفلہ لمغدق وانہ لیعلو ولا یعلیٰ علیہ۔ بخدا اس کلام میں بڑی شیرینی ہے۔ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں اس کی ٹہنیاں پھلوں سے لدی ہوئی ہیں یہ ہر ایک سے اونچا ہے اور کوئی اس سے اونچا نہیں ہو سکتا۔ ولید یہ کہہ کر مجلس سے اٹھا اور گھر چلا گیا۔ مجمع میں شور مچ گیا کہ ولید صابی ہو گیا۔ ابوجہل نے کہا اس کو میں ٹھکانے لگاتا ہوں چنانچہ بڑی افسردہ شکل بنا کر اس کے پاس گیا۔ ولید نے پوچھا خیر تو ہے۔ یہ ٹمکین منظر کیا ہے۔ ابوجہل نے کہا کہ اب غم و اندوہ کے لئے قریش کے لوگ تیرے لیے گھر گھر سے چندہ جمع کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ولید صابی ہو گیا ہے اس لیے محمد کا احترام کرتا ہے کہ اس کی طرف اور ابوبکر کی طرف ان کا بس چلا ہے کہ وہ اس کی مالی امداد کریں۔ کم ظرف متا فوراً مشتعل ہو گیا۔ کہنے لگا لات و عزیٰ کی قسم میں ان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر کے ٹکڑوں کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کے بارے میں جو الفاظ کہہ گئے ہیں وہ غلط ہیں۔ پھر بیٹھ کر غور سے سوچنے لگا یوں معلوم ہوتا تھا گویا بحر فکر میں غوطہ زن کر رہا ہے تاکہ آپ کے لیے کوئی موزوں ترین لقب تلاش کر سکے کافی دیر تک اسی حالت میں رہا اور آخرکار کہنے لگا کہ ہم اسے ساحر کہہ سکتے ہیں، دیکھو کہ اس نے بھائی کو بھائی سے بیٹے کو باپ سے جدا کر دیا ہے۔

اب ان آیات کو غور سے پڑھیے ایسے شخص کی جو تصویر کشی کی گئی ہے وہ اپنے اندر ایک اعجازی شان رکھتی ہے۔

وہ اس بارے میں غور و فکر کرنے لگا کہ اس نبی کریم کے لیے کون سا لفظ تجویز کیا جائے کاہن، شاعر، مجنون یا ساحر۔ طویل غور و خوض کے بعد اس نے طے کر لیا کہ انہیں ساحر کہنا درست ہے۔ ایسی سمجھ اور ایسی عقل پر صد ہزار تف۔ کتاب کی خوبیوں کو پوری طرح جانتے اور صاحب کتاب کے مکارم اخلاق کو تسلیم کرنے کے باوجود وہ ایسا الفاظ منہ سے نکالنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

۱۲ معلوم ہوتا ہے اس کا اپنا ضمیر بھی اس کو ملامت کر رہا ہے۔ وہ انتہائی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے اور اس کے آثار اس کے چہرے پر صاف نمایاں ہو رہے ہیں۔

آخری اعلان سے پہلے ایک مرتبہ پھر وحشت سے مجمع پر نگاہ ڈالتا ہے۔ پھر اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ منہ بسور کر پیچھے کو گردن موڑتا ہے۔ پھر تردد و تکبر سے منہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ یہ جادو ہے اور اس کتاب کا لانے والا جادوگر ہے۔ پھر لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے کہتا ہے کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ اس کا رواج قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ پرانے زمانے کے جادوگر اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم دیتے آئے ہیں اور یوں یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔ ان کو بھی کسی پرانے جادوگر نے یہ چیزیں سکھا دی ہیں اور گھر گھر میں جو انتشار و افتراق پیدا ہو گیا ہے یہ اسی جادو کا کرشمہ ہے۔

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ

پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ نہیں مگر انسان کا کلام بہت جلد میں ڈالوں گا اسے جہنم

سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾

میں ہمیشہ کے لیے اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے۔ نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی جھلسا دینے والی ہے آدمی کی کھال کو

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً

اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں اور ہم نے نہیں مقرر کیے آگ کے داروغے مگر فرشتے

ف اس پر ہم نے اتنے احسانات کیے۔ بیٹے دیے، بے اندازہ دولت دی، عزت و سرداری بخشی اور دراز عمر عطا فرمائی اور یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ نہ آپ ساحر ہیں اور نہ یہ کلام سحر ہے۔ لیکن محض اپنی جھوٹی انا اور نمود کے لیے اور چند روزہ سرداری کے سبب وہ ایسا الزام اپنے نبی مکرم پر لگا رہا ہے۔ ایسے نابکار کو ہم عنقریب دوزخ کا ایندھن بنائیں گے۔

ف نہ تو اسے زندہ رہنے دیتی ہے اور نہ اس کو جلا کر فنا کر دیتی ہے۔ جل کر کوئلہ ہو جاتے ہیں اور پھر عذاب چکھنے کے لیے زندہ کیے جاتے ہیں۔

ف لواح ھو تلویح الجسد وتغییرہ الی سواد۔ یعنی جلد کی رنگت سیاہ کر دینے والی ہے۔ بشر جمع ہے بشرۃ کی۔ اس کا معنی انسانی جلد ہے۔

ف ہم نے اس کشادہ اور وسیع دوزخ کی حفاظت کے لیے انیس داروغے مقرر کیے ہیں۔ کفار نے جب یہ آیت سنی تو بڑے زور سے قہقہے لگانے لگے۔ بس یہی کچھ ہے اس نبی کے خدا کی فوج۔ ہم تو سمجھے تھے بے شمار لشکر ہوگا جو جہنم کو چاروں طرف سے گھیرے کھڑا ہوگا اور ان کی گرفت سے بچ کر نکلنے کی کوئی بھی صورت نہ ہوگی لیکن انیس! کیا حقیقت ہے ان انیس کی۔ کفار کا مجمع لگا تھا یہی بات موضوع بحث بنی ہوئی تھی۔ ہر شخص بڑھ چڑھ کر نکتہ آفرینیاں کر رہا تھا۔ ابوجہل کہنے لگا دوستو! تم نے سن لیا اس نبی کے خدا کی فوج صرف انیس سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ کیا ہم دس دس مل کر بھی ایک ایک کو پکڑ کر اس کا کچومر نہ نکال دیں گے۔ ابو الاشد بن اسید جمحی جو اپنے قبیلہ بنی جمح کا نامور پہلوان تھا وہاں موجود تھا کہنے لگا ابوجہل! گھبراؤ نہیں۔ ان میں سے سترہ کو تو میں اکیلا کافی ہوں۔ باقی رہے دو تو آپ سب مل کر ان دو کو سنبھال لیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اے بیوقوفو! یہ تمہاری مانند نہیں جو گوشت پوست کے آدمی ہیں کہ دس دس مل کر ان کو پچھاڑ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جن کی قوت و طاقت کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں کچھ غلط فہمی ہو تو عاد و ثمود اور سدوم و عمورہ سے پوچھو وہ تمہیں ان کی قوت کے بارے میں بتائیں گے۔

ف جہنم کے داروغوں کی تعداد بیان کرنے میں کیا حکمت ہے؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سن کر کفار نے اور بھی مذاق اڑایا اور اس کے

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ

اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا تاکہ یقین کر لیں

أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ

اہل کتاب اور بڑھ جائے اہل ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں

أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

اہل کتاب اور مومن اور تاکہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے

سوال کو بطور تنقید و استہزاء بنایا۔ اس لیے اس کی حکمت بتائی جا رہی ہے کہ جن کے دلوں میں کفر بھرا ہوا ہے اور وہ کسی مصلحت کے باعث ظاہر نہیں کرتے تو وہ کفر بھی کھل کر سامنے آجائے۔ نیز اہل کتاب کو بھی یقین آجائے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور اپنے رب کا فرمان سنا رہا ہے اور مسلمان تو پہلے ہی نور ایمان سے مشرف ہیں۔ وہ تو بے دلیل و حجت اشرح صدر کے ساتھ اس عدد کو تسلیم کر لیں گے۔ اس طرح ان کے ایمان اور قوت ایمانی دونوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے ایمان میں اضافہ کی بات تو واضح ہے لیکن اہل کتاب کو اس سے کیسے یقین آگیا؟ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ اہل کتاب کی کتب میں بھی ان کی یہی تعداد مذکور ہے۔ اس پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ کتب اہل کتاب کی ورق گردانی کے باوجود کہیں نہیں ملا کہ ان کے نزدیک بھی دوزخ کے داروغوں کی تعداد انیس ہے۔ اس بارے میں عرض ہے کہ اہل کتاب کی کتب میں تحریف و تبدیل کا سلسلہ صدیوں جاری رہا ہو سکتا ہے یہ عدد کسی تحریف کی زد میں آگیا ہو اور آپ کو نہ ملا ہو۔ دوسرا شبہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر انیس کا عدد ان کی کتب میں درج بھی ہو جائے تو اس سے بھی ان کے یقین میں اضافہ کی کوئی صورت نہیں وہ تو الٹا یہ کہہ دیں گے کہ آپ نے ہماری کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اس کے لیے گزارش ہے کہ تمام اہل کتاب تو ہٹ دھرم اور متعصب نہیں۔ ان میں کئی حق پسند بھی تو ہوں گے۔ وہ تو یہ جانتے ہیں کہ اس نبی کریم نے عبرانی کتب کا مطالعہ تو کجا اپنی مادری زبان میں بھی لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تو پھر جا کر وہ عبرانی کتب سے اخذ کر کے قرآن مرتب کرتے رہے ہوں۔ باقی رہے متعصب تو ایسے لوگوں کے مقدر میں ہدایت لکھی ہی نہیں ان کا کیا ذکر۔

بعض علماء نے ان کے یقین میں اضافہ کی یہ توجیہ کی ہے کہ ان کے صحائف میں بھی ایسی چیزیں کثرت سے موجود ہیں جن کا تعلق عالم آخرت سے ہے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے ان کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ وہ لوگ بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ عدد بھی عالم آخرت کے حقائق میں سے ایک حقیقت ہے۔ اگر اس کی صحیح سمجھ نہ آسکے کہ اتنے وسیع جہنم اور اتنی بے شمار مخلوق کی حفاظت کے لیے انیس فرشتے کیسے کافی ہو سکتے ہیں تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جو صرف قرآن میں ہو۔ ہماری کتابیں بھی اس سے خالی نہیں۔

ایک تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اہل کتاب نے دیکھا یہ تعداد سن کر کفار نے واویلا مچایا کہ الامان والحفیظ لیکن حضور نے ان کی اس مخالفت اور استہزاء کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اسی وثوق سے قرآن کا پیغام پہنچایا تو انہیں یقین آگیا کہ مخالفت کے طوفانوں میں حق بات کہنا اور کہتے رہنا

وَالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ

اور کفار کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس عجیب بیان سے ۲۱ یونہی اللہ تعالیٰ

مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ

گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے ۲۲ اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بجز اس کے ۲۳

ع ۱۵

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝۳۱ كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝۳۲ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۝۳۳

اور نہیں ہے یہ بیان مگر نصیحت لوگوں کے لیے ۔ ہاں ہاں! چاند کی قسم ۲۴ اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے

صرف پیغمبر اسلام ہے۔ عام آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ جن کے دلوں میں شک کا روگ ہے اور وہ جن کے دلوں میں کفر سمایا ہوا ہے وہ کہتے ہیں اس تعداد کو بیان نہ کیا جاتا تو کیا بگڑ جاتا۔ اس کو ذکر کر کے حالات کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دیا گیا ہے۔ اس قسم کی باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں ایمان کا نور نصیب نہیں ہوتا۔

اس مرض سے مراد نفاق اصطلاحی نہیں، جو مدینہ طیبہ میں نمودار ہوا بلکہ اس سے مراد شک ہے اور مکہ میں جہاں ایسے لوگ موجود تھے جو کفر اور کفریات پر دل سے یقین رکھتے تھے، وہاں ایسے لوگوں کی بھی کثیر تعداد موجود تھی جنہوں نے اگرچہ اسلام کو قبول نہیں کیا تھا لیکن اسلامی دعوت کے بارے میں وہ تردد میں مبتلا تھے۔ کبھی کہتے ایسا ممکن ہے کبھی کہتے یہ غلط ہے۔ اس آیت کو محض اس لیے مدنی کہنا کہ اس میں مرض کا لفظ موجود ہے سراسر تکلف ہے۔

۲۲ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو گمراہ کر دیتا ہے اور مجبور کر کے کسی کو ہدایت دے دیتا ہے۔ اگر جبر ہے تو پھر اعمال نیک و بد کی ذمہ داری، میزان پر ثواب و عقاب جو اسلام کے بنیادی ارکان ہیں سب منہدم ہو کر رہ جائیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل و فہم، غور و فکر کی جو صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہیں اس کے بعد اسے آزادی دی گئی ہے کہ وہ ان سے نیکی کے لیے استعمال کرنا چاہے یا گمراہی کے لیے استعمال کرے۔ اگر کوئی شخص ان (قوتوں) کو ہدایت پذیری کے لیے صرف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت بخش دیتا ہے لیکن نہ ماننے والے کو جبراً گمراہی کے گڑھے میں پھینک نہیں دیا جاتا اور اگر وہ خود سمجھ بوجھ کر گمراہی کا اختیار کرتا ہے تو قدرت اسے مجبور نہیں کرتی کہ ضرور ہی صاحب (ہدایت بنے)۔ اللہ ہدایت قبول فرمائیے۔

۲۳ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کو اس کے بغیر کوئی جان نہیں سکتا۔ یہ بیچارہ ابوجہل کیا جانے کہ خالق السموات والارض کے لشکروں کی تعداد کیا ہے۔

۲۴ اس کا معنی کیا گیا ہے حقا القسم یعنی ہاں ہاں قمر کی قسم (اس وقت کلا پر وقف نہ ہوگا اور اگر کلا کو ان کے زعم باطل کے رد کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہو تو پھر کلا پر وقف کریں گے معنی ہوگا کہ ہرگز ایسا نہیں جیسا تم گمان کیے بیٹھے ہو کہ قیامت نہیں آئے گی جیسا کہ تمہارا خیال ہے

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ

اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے۔ یقیناً وہ دوزخ بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے ۲۵ ڈرانے والی ہے لوگوں کے لیے ۲۶ ان کے لیے

شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾

جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں یا پیچھے رہنا چاہتے ہیں ۲۷ ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے ۲۸

إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ ۛ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾

سوائے اصحاب یمین کے ۲۹ جو جنتوں میں ہوں گے اہل جنت پوچھیں گے مجرموں سے ۳۰

ایسا ہرگز نہیں ہوگا چاند کی قسم! قیامت ضرور آئے گی۔

چاند کی قسم کے بعد رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیر رہی ہو۔ بعض اہل لغت نے دَبَرَ اور اَدْبَرَ کا ایک ہی معنی کیا ہے۔ لیکن بعض نے فرق کیا جب رات پیٹھ پھیر رہی ہو اس کو اَدْبَرَ کہتے ہیں اور جب رات پیٹھ پھیر چکے یعنی گزر جائے تو دَبَرَ کہتے ہیں۔

۲۵ الکبر، جمع ہے کبریٰ کی جو اکبر کی تانیث ہے۔ اس کا مطلب ہے والکبر هی العظائم من العقوبات یعنی قیامت کا ان بڑی آفتوں میں سے ایک بڑی آفت ہے۔

۲۶ یہاں صفت مشبہ نہیں تاکہ اس کا معنی ڈرانے والا ہو بلکہ یہ مصدر ہے۔ قال الخليل النذير مصدر كالنكير ولذالك يوصف به المؤنث۔ خلیل نے کہا ہے کہ یہ نکیر کے وزن پر مصدر ہے۔ اس کا معنی ڈرانا ہے۔ ایسی چیز جس سے ڈرایا جاتا ہے۔ وقال الحسن والله ما انذر الخلائق بشیء ادهی منها حسن بصری فرماتے ہیں انسان کے لیے اس سے بڑا ڈراوا اور کوئی نہیں ہے جس سے اس کو خوفزدہ کیا جائے۔

۲۷ اب تمہاری مرضی کہ تم میں سے کون نیکیوں کی طرف سبقت کرتا ہے اور کون برائیوں میں پھنس کر پیچھے رہ جاتا ہے۔

۲۸ آیت میں رَهِينَةٌ، رَهِين کی تانیث نہیں ہے کیونکہ نحو کا یہ قاعدہ ہے کہ جب فعیل، مفعول کے معنی میں ہو تو مذکر و مؤنث دونوں کے لیے یہی صفت آتی ہے۔ اگر یہ رهین، بمعنی مرهون ہوتا تو یہاں اس کو مؤنث ذکر کرنے کی حاجت نہ ہوتی۔ بلکہ یہ شتیمة کی طرح مصدر ہے۔ اس کا معنی رہن اور گروی۔ والمعنی کل نفس رهن بما کسبت من السيئات بكفرها محبوسة في النار ابدا۔

۲۹ ان سے کون لوگ مراد ہیں اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ ان کا نامہ عمل دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور ایک پسندیدہ قول یہ بھی ہے کہ وہ لوگ جو اپنے اعمال اور نیکیوں پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اپنے رب کے فضل و احسان پر چشم امید لگائے بیٹھے ہیں۔

۳۰ آیت میں یتساءلون کا معنی یسألون ہے۔ یعنی اہل جنت دوزخیوں سے پوچھیں گے تمہیں کس جرم کی پاداش میں جہنم کے دردناک عذاب میں مبتلا کیا گیا؟ وہ جواب دیں گے ہمارے دو قصور ہیں جن کی ہم یہ سزا بھگت رہے ہیں۔ (۱) اپنے رب کریم کو سجدہ نہیں کرتے

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ

کہ کس جرم نے تم کو دوزخ میں داخل کیا۔ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اور مسکین کو

نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ

کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے اور ہم بیہودہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ بیہودہ سرائی میں لگے رہتے۔ اور ہم جھٹلایا کرتے تھے

بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۴۶﴾ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

روزِ جزا کو۔ یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا۔ پس انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی شفاعت کرنے

الشَّافِعِينَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿۴۹﴾ كَأَنَّهُمْ

والوں کی شفاعت ۳۱۔ پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگردانی کر رہے ہیں۔ گویا وہ

تھے اکثر اکثر رہتے تھے۔ کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ اس کریم کے کرم کے صدقے یہ زندگی عزت و آرام سے گزر رہی ہے اسے سجدہ بھی کرنا چاہیے۔ اس کی عبادت بھی ضروری ہے۔ اور دوسرا ظلم یہ ہے کہ خود تو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھایا کرتے لیکن غریبوں مسکینوں کی ضرورت کی طرف توجہ ہی نہ دیتے۔ وہ بیچارے پڑوس میں کئی کئی روز بھوکے بلکتے رہتے۔ ہم نے کبھی ان کی پروا تک نہ کی یہاں بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نماز جو تمام عبادتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے اس کا تارک اور فقراء و مساکین کی ضروریات زندگی سے غفلت برتنے والا کس عذاب و سزا کے مستحق ہیں۔ اسلام انسان کی معاشی ضروریات کی بہم رسانی کا کتنا خیال رکھتا ہے

۳۱۔ جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اس کی کوئی شفاعت نہ کر سکے گا۔ کسی کو اس کی شفاعت کی اجازت ہی نہ ہو گی۔ شفاعت اہل ایمان کے لیے ہے۔ اس موضوع پر کافی لکھا جا چکا ہے

علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: وقد انعقد الاجماع على جواز الشفاعة لكل مؤمن۔ وانكر الشفاعة اهل الهواء من المعتزلة والخوارج وغيرهم قبحهم الله تعالىٰ وقد تواترت في ذلك الاحاديث تواترا معنويا۔ کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر مومن کے لیے شفاعت جائز ہے۔ البتہ معتزلہ، خوارج اور ان کے علاوہ دیگر اہل ہوا نے شفاعت کا انکار کیا ہے اللہ ان کو تباہ کرے۔ حالانکہ احادیث شفاعت اتنی کثرت سے ہیں کہ تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔ یہ حدیث زید بن ارقم اور تیرہ دیگر صحابہ سے مروی ہے۔ شفاعتي يوم القيامة حق فمن لم يؤمن بها لم يكن من اهلها۔ قیامت کے روز میری شفاعت حق ہے جو شخص شفاعت پر اعتقاد نہیں رکھتا وہ شفاعت کا مستحق نہ ہو گا۔ (مظہری)

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ

گویا وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو بھاگے جارہے ہیں شیر سے بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے

مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ كَلَّا ۖ بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ۝

کہ اس کو کھلے ہوئے صحیفے دیئے جائیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا، دراصل وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں

كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ۝ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ

ہاں ہاں یہ قرآن تو نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے اور وہ نصیحت قبول نہیں کریں گے مگر اس کے کہ

يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝

اللہ تعالیٰ چاہے وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی بخشنے کے لائق ہے

ویسے تو ہر جانور کو قدرت نے اس حس سے نوازا ہے کہ وہ خطرے کو بھانپ لیتا ہے اور وہ حفاظتی تدبیر کر لیتا ہے لیکن ان تمام جانوروں میں گدھے کی شان نرالی ہے۔ جب یہ شیر کو دیکھ لیتا ہے یا اس کی بو سونگھ لیتا ہے تو ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے اور بدحواسی کی حالت میں بھاگ نکلتا ہے۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی مثال ایسے گدھے سے دی ہے جو شیر کی آہٹ پا کر دم دبا کر بھاگ نکلا ہو۔ حُمُر۔ حمار کی جمع ہے۔ قال ابن عباس اراد الحمر الوحشیۃ۔ جنگلی گدھے۔ قسورۃ شیر کو کہتے ہیں۔ ان تیراندازوں کو بھی قسورہ کہا جاتا ہے جو شکار کھیلنے کے لیے جاتے ہوں۔ القسورۃ، الرماۃ والصیادون۔ یہ جمع ہے۔ اس کا واحد قسور ہے۔

کفار کبھی اپنے ایمان لانے کے لیے کئی کئی شرائط پیش کرتے تھے کبھی کہتے ہمارے ان صحراؤں میں سرسبز کھیت اور شاداب باغات لہلہانے لگیں، یہاں نہریں جاری ہو جائیں۔ کبھی کہتے آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیں اور ایک کتاب لے آئیں ... ان کے احمقانہ مطالبات میں سے ایک مطالبہ یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتے اس عمومی دعوت کو قبول کرنے کے لیے ہم تیار نہیں۔ اگر ہم سب رئیسوں اور سرداروں کے نام علیحدہ علیحدہ آسمان سے خط آجائے ... تب ہم ایمان لانے کے بارے میں غور کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کیا پروا کہ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔ لوگوں کو اسلام کی ضرورت ہے ... اس قسم کے بے ہودہ مطالبات کی کوئی گنجائش نہیں۔

ان کے ان نامعقول مطالبات کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ ان کی اصل بیماری یہ ہے کہ ان کا آخرت پر ایمان نہیں اس لیے یہ ایسی احمقانہ باتیں کر رہے ہیں۔ اگر انہیں یقین ہوتا کہ مرنے کے بعد انہیں پھر زندہ کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے انہیں پیش کیا جائے گا اور ان سے ان کے عقائد و اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی تو وہ کبھی ایسی باتیں نہ کرتے۔

۳۵۔ قرآن کریم تو یہ ایک نصیحت ہے۔ غافلوں کو خبردار کرنے کے لیے نازل ہوا ہے۔ زبردستی کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا اس کا مقصد نہیں۔ جس کا جی چاہے اس سے نصیحت قبول کرے اور اپنی سعادت کا اہتمام کرے لیکن یہ سعادت اسی کو مل سکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے نوازتا ہے۔ محض علم و فہم اور تجربہ کافی نہیں۔

۳۶۔ آخر میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وہ ذات ہے جو اس بات کی مستحق ہے کہ بندہ اس سے ڈرتا رہے۔ خلوت ہو یا جلوت ایسے کاموں سے احتراز کرے جن سے اس نے منع فرمایا ہے اور اس کے احکامات کو بجا لانے میں کسی حالت میں بھی غفلت نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ بھی اسی کی شان ہے کہ جب کوئی بدکار اور روسیاہ اس کی بارگاہ میں معافی مانگنے کے لیے حاضر ہو تو اس کو معاف فرما دے۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کی بخشش عام ہے۔ اس کی مغفرت کا دامن بڑا کشادہ ہے۔

○

اللھم انت اھل التقوٰی واھل المغفرۃ وانت اکرم المسئولین ان توفقنی ان اکون من عبادک المتقین وان تغفر لی ولوالدی وللمؤمنین والمؤمنات انک انت العفو الرحیم

اللھم صل من صلواتک اجمعھا وسلم من تسلیماتک اکملھا ومن تحیاتک احسنھا علی حبیبک ونبیک وصفیک سید الورٰی سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ ومن احبہ واتبعہ الی یوم الدین۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورة القيامة

نام : اس سورۃ کے دو نام مذکور ہیں۔ سورۃ "لا اُقسم" اور سورۃ "القیامۃ" اس میں دو رکوع، چالیس آیتیں، ایک سو ننانوے کلمے اور چھ سو باون حروف ہیں۔

نزول : علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کی آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق مکی عہد کے ابتدائی دور سے ہے۔

مضامین : قیامت کے بارے میں کفار و مشرکین جن شکوک و شبہات میں بری طرح گرفتار تھے کئی قسمیں کھا کر ان کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ فرمایا کہ جس چیز کو تم محال سمجھ رہے ہو ہمارے لیے وہ بالکل آسان ہے۔ اس کے بعد قیامت کے ہولناک احوال کا ذکر کیا گیا اور غافل انسانوں کی بے بسی اور بے کسی کی تصویر کھینچ دی گئی۔

ابتداء میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نزولِ وحی کے وقت بڑی مشقت محسوس فرماتے۔ اس بات کا احساس بے چین رکھتا کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے۔ اس لیے جب جبرئیل امین کلامِ الٰہی کی وحی کرتے تو حضور جلدی جلدی ساتھ ساتھ اس کو دہراتے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدشہ کو ہمیشہ کے لیے دور کر دیا۔ فرمایا: اے حبیب! وحی کو آپ کے لوحِ قلب پر ثبت کر دینا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معانی اور مطالب کا سمجھانا، اس کے اسرار و معارف پر آگاہی بخشنا بھی ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے۔ آپ اس بارے میں ہرگز متفکر نہ ہوا کریں۔

اس اطمینان دہی کے بعد یہ بتایا کہ قیامت کے روز اللہ کے نیک بندے جب حاضر ہوں گے تو اُن کے چہرے گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ ہوں گے اُن کی مشتاق نگاہیں انوارِ الٰہی کے دیدار میں مستغرق ہوں گی۔ لیکن بدکار لوگ جب وہاں پکڑ کر لائے جائیں گے تو ان کے چہروں پر نحوست برس رہی ہوگی۔ خوف سے تھر تھر کانپ رہے ہوں گے۔ پھر ایسے لوگوں کی موت کا منظر پیش فرمایا۔ دوسرے رکوع میں نام لیے بغیر مکہ کے ایک مغرور اور خود سر شخص (غالباً ابوجہل ہے۔) کے اطوار و احوال بیان فرمائے اور اُس کو اس کے قطعی انجام سے آگاہ کر دیا، تاکہ عبرت پکڑنے والے عبرت پکڑ سکیں۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۱ - ۴ - ۷۷

سُورَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ ﴿٣١﴾ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ٤٠ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۃ القیامۃ مکی ہے اس میں ... آیات ہیں۔ — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿١﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿٢﴾ اَيَحْسَبُ

میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی ١ اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی (کہ حشر ضرور ہوگا) ٢ کیا انسان یہ خیال

الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿٣﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ

کرتا ہے کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں کو ٣ کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کی پور پور درست

١۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ابو اللیث سمرقندی کا قول ہے اجمع المفسرون ان معنی لا اقسم اقسم۔ سب مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لَآ اُقْسِمُ کا معنی ہے میں قسم کھاتا ہوں لیکن لَا کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لا زائدہ ہے اور کلام کو مزین و آراستہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ اہل عرب کے ہاں یہ استعمال عام ہے۔ بعض نے کہا کہ لا ان کے انکار قیامت کا رد ہے۔ عرب جب کہتے ہیں لا واللہ لا افعل ... فلکلام تقدم منفی ... فائدتہ توکید القسم فی الرد۔ یعنی لا سے پہلے کلام کا ابطال مقصود ہوتا ہے اور پھر قسم اٹھائی جاتی ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ قسم مؤکد ہو جاتی ہے۔

٢۔ دوسری قسم نفس لوامہ کی کھائی جا رہی ہے۔ حسن بصری کے نزدیک نفس لوامہ مومن کا نفس ہے جو ہر وقت اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ صوفیائے کرام کا ارشاد ہے کہ نفس جب سرکش ہو تو نفس امارہ کہتے ہیں جو امر کا مبالغہ ہے کیونکہ وہ ہر وقت برائی کا حکم کرتا رہتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی یاد ... شامل حال ہو جاتی ہے تو ... جب ... اپنے عیوب و نقائص منکشف ہونے لگتے ہیں، اس پر وہ پشیمان ہوتا ہے اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ اس نفس کو نفس لوامہ کہتے ہیں اور جب وہ ہر ماسوا سے قطع تعلق کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

یہاں دو قسمیں کھائی گئیں، لیکن مقسم علیہ مقدر ہے۔ ای لتبعثن کہ تم ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے۔

٣۔ بیہودہ انسان جو قیامت پر یقین نہیں رکھتا اسی قسم کے وسوسوں میں پھنسا رہتا ہے۔ وہ جب یہ سوچتا ہے کہ لوگوں کو مرے ہوئے سینکڑوں ہزاروں سال گزر چکے ہیں، ان کی قبروں کے نشان تک مٹ گئے ہیں، ان کی ہڈیاں گل کر مٹی میں مل گئیں اور اس مٹی کے ذرات کہاں کہاں ... الٹ پلٹ کر چکے اور کہیں کے کہیں اڑا کر جا چکے ہیں۔ ... بکھرے ہوئے ... ذرات کا اکٹھا ہو جانا ... کئی انسان تو ایسے تھے جو سمندر میں غرق ہوئے اور مچھلیوں کا لقمہ بن گئے، کئی لاشوں کو گدھ اور دوسرے پرندے ... کئی کو آگ نے جلا کر راکھ کر دیا۔ ان سب کا جمع ہونا پھر ان کا پہلی حالت میں لوٹ کر وہی انسان بن جانا ... کے گھوڑے دوڑاتا اور آخر اس نتیجہ پر پہنچتا کہ قیامت کا برپا ہونا محض گپ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

بَنَانَهٗ ۝٤ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝٥ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ

کردیں۔ سے بلکہ انسان کی خواہش تو یہ ہے کہ آئندہ بھی بدکاریاں کرتا رہے۔ شہ (ازراہ تمسخر) وہ پوچھتا ہے قیامت کب

ہوسکتا ہے الانسان سے مراد کوئی خاص انسان ہو جیسے روایات میں مذکور ہے کہ اس سے عدی بن ربیعہ مراد ہے۔ وہ ایک دن حضور کے پاس آیا اور قیامت کے بارے میں پوچھنے لگا حضور نے اس کو بتایا قیامت ضرور ہوگی ہر انسان کو اس کی نیکیوں کی پوری جزا اس دنیا میں نہیں مل سکتی اور نہ اس کو اس کی برائیوں کی پوری سزا یہاں ملتی ہے۔ انسان کے باشعور اور بااختیار ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ ایک ایسا دن آئے جب عدل کا ترازو رکھا جائے۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا اور سزا دی جائے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن ربیعہ کو پوری کوشش سے سمجھایا آخر وہ کہنے لگا لو عاینت ذلک الیوم لم اصدقک یا محمد ولم اومن بہ۔ اگر میں قیامت کو برپا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لوں تب بھی میں آپ کی تصدیق نہیں کروں گا اور نہ اس پر ایمان لاؤں گا۔ بعض نے کہا ہے الانسان سے مراد ابوجہل ہے۔ بہرحال عدی ہو یا ابوجہل ان کے مخصوص نظریات نہ تھے بلکہ ان تمام لوگوں کے خیالات و نظریات کے ترجمان تھے جو قیامت کے منکر ہیں۔ ان منکرین سے ایک سوال کیا جا رہا ہے اور سوال ایسا ہے کہ اس کا جواب اسی میں مضمر ہے۔ یعنی اگر میرا یہ دعویٰ ہوتا کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کوئی انسان جمع کرے گا تو تمہارا اعتراض بجا تھا۔ اگر میں یہ کہتا کہ منتشر ذرے خود بخود جمع ہو جائیں گے تب بھی تمہاری حیرت بجا تھی میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں میں نے تو تمہیں بار بار یہی بتایا ہے کہ اللہ جو خالق ارض و سما ہے جس نے مٹی پانی ہوا کے اجزا کو ترتیب دیا اور تم جیسا پیکر نازنین پیدا کر دیا کیا وہ بھی ان بکھرے ہوئے ذروں کو جمع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس کا انکار تو وہ مشرک بھی نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان کا خالق مانتے ہیں۔

سے تمہارے بڑے بڑے اعضاء اور ان میں جو ہڈیاں ہیں ان کو بنانا تو کجا ہے وہ تو ایسا قادر مطلق ہے کہ تمہارے ہاتھ پھر ان ہاتھوں کی چھوٹی چھوٹی انگلیاں اور پھر ان کے چھوٹے چھوٹے پوروں کو بھی جوڑ کر درست کر کے انہیں پہلی حالت پر لا سکتا ہے۔ بڑی ہڈیوں کو اپنی حالت پر لے آنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہو سکتا ہے۔

شہ ان کی طبیعتیں قیامت پر ایمان لانے کی طرف کیوں مائل نہیں ہوتیں۔ ان کے دل اس صاف ستھری بات کو قبول کرنے سے کیوں انکار کرتے ہیں؟ اس کی وجہ اس آیت میں ذکر کر دی کہ اصل بات یہ ہے کہ فسق و فجور شہوت پرستی اور خود غرضی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہے۔ اپنے سے کمزوروں پر ظلم و ستم، غریبوں کا استحصال کی انہیں ایسی لت پڑ چکی ہے کہ اب وہ اس سے باز آنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ اگر یہ قیامت کے دن پر ایمان لے آئیں اور ان کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ ان کے سارے اعمال پر ان کا محاسبہ ہوگا تو ساری خود غرضیاں کی کھلی منافقت و شاہد کی خود فریبیاں ختم ہو کر رہ جائیں ان کی اخلاق باختگی اور بے راہ روی ختم ہو جائے ان کی ساری لذتیں اور عیاشیاں ہرگز نہ رہیں سب ختم ہو جائیں۔ ہر قدم اٹھانے سے پہلے انہیں یہ دیکھنا پڑے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا کرنے والے کا کیا حال ہے۔ یہ پابندیاں ان سے نہیں اٹھائی جاتیں اس لیے وہ اس عقیدہ کے نزدیک بھی نہیں جاتے جو ان کی بزم نشاط کو الٹ کر رکھ دے۔ پھر ان کو کسی ضابطہ اخلاق کا پابند بنا دے۔

الْقِيٰمَةِ ﴿٦﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿٧﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿٨﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ

آنے کی ہے ۔ پھر جب آنکھ خیرہ ہو جائے گی ۔ اور چاند بے نور ہو جائے گا ۔ اور (بے نور کر دیں) سورج اور

وَالْقَمَرُ ﴿٩﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿١٠﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾

چاند یکساں ہو جائیں گے ۔ (اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے ۔ ہرگز نہیں، وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ

صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا ۔ آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو

وَاَخَّرَ ﴿١٣﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿١٤﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى

بعد میں چھوڑ آیا ۔ بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے ۔ خواہ وہ (زبان سے) بڑا دے معذرتیں

ف یہ سوال بھی محض مذاق اڑانے کے لیے ہے جو اُن کا معمول تھا۔

ف قیامت کے ساتھ مذاق کرنے والوں کے سامنے قیامت کا ہولناک منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ معمولی دن نہیں ہوگا اس کی ہولناکیوں کو دیکھ کر دہشت اور خوف کے مارے آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ برق بکسر الراء ہو تو اس کا معنی لمع تلالأ چمکا اور مبرق (بکسر العین) ہو تو اس کا معنی دهش و تحیر و لم یطرف۔ دہشت اور حیرت کے مارے اسے کچھ نظر نہ آیا۔

ف جب قیامت برپا ہوگی تو ابتدائی مرحلوں میں یہ سارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا یہ درخشندہ وتابندہ مہر و ماہ بے نور ہو جائیں گے۔ جُمِعَ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دونوں بے نور ہونے میں یکساں ہو جائیں گے۔ اور یا اس کا یہ مطلب ہے کہ کشش کا قانون جو اس عالم میں کارفرما ہے اور نظام شمسی کے کواکب وسیارات اپنے اپنے مقام پر جس وابستگی کے ساتھ موجود ہیں، یہ ختم ہو جائے گا اور چاند سورج کے ساتھ جا ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف یہ انسان جو آج نخوت وغرور سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات کو تسلیم نہیں کرتا جب قیامت برپا ہوگی تو اس وقت اسے یہ خیال ہوگا کہ وہ آج تک کس ہولناک مصیبت میں مبتلا ہو رہا ہے۔ وہ زور زور سے چلائے گا کہ کوئی پناہ کی جگہ ہو تو بتاؤ، میں بھی جا کر پناہ لوں لیکن اس دن اسے کوئی پناہ نہیں ملے گی۔ الوزر فی اللغۃ ما یلجأ الیہ من حصن او جبل او غیرھما (قرطبی)۔ وہ قلعہ، پہاڑ یا غار جہاں انسان جا کر پناہ گزیں ہو سکے اسے لغت میں وزر کہتے ہیں۔ المستقر: المنتھی۔ آخر کار ٹھہرنے کی جگہ۔

ف بما قدم واخر کی بہترین تفسیر وہ ہے جو ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ ای بما اسلف من عمل سیئ او صالح او اخر من سنۃ سیئۃ او صالحۃ یعمل بھا بعدہ (قرطبی)۔ یعنی جو برا یا نیک کام اس نے مرنے سے پہلے کیا ہے

مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ

بہانے پیش کرے۔ ۱۱ (اے حبیب!) آپ حرکت نہ دیجئے اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو۔ بلاشبہ ہمارے ذمہ ہے اس کو (آپ کے سینہ مبارک میں) جمع کرنا

اور اَخَّرَ سے مراد وہ بُرا یا اچھا طریقہ ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا اور جس پر لوگ عمل کرتے رہے۔ اَخَّرَ سے مراد بعض نے یہ لیا ہے کہ ایسے کام جن کا فیض جاری رہے اس کے مرنے کے بعد بھی ان کاموں کا اجر اسے ملتا رہے گا۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سبع یجری للعبد اجرھن من بعد موتہ وھو فی قبرہ من علم علما او اجری نھرا او حفر بئرا او غرس نخلا او بنی مسجدا او ورث مصحفا او ترک ولدا یستغفر له بعد موته۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سات کام ایسے ہیں جن کا اجر بندے کو اس کے مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا اور آں حالیکہ وہ اپنی قبر میں ہو گا۔ (۱) جس نے علم پڑھایا۔ (۲) جس نے نہر کو جاری کیا (۳) جس نے کنواں کھدوایا (۴) جس نے درخت لگایا (۵) جس نے مسجد بنائی ہو (۶) یا قرآن مجید پیچھے چھوڑا (۷) یا ایسی اولاد چھوڑی جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے مغفرت طلب کرتی رہی۔

۱۱ معاذیر کا معنی ہے بہانے گواہ۔ معاذیر، اگر معذار کی جمع ہو تو اس کا معنی ہو گا پردے اور اگر یہ عذر سے ماخوذ ہو تو پھر اس کا معنی ہو گا حیلے بہانے۔ ان دونوں آیتوں میں ایک راز سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے کہ انسان جو بُرائیاں کرتا ہے ان کا اسے بخوبی علم ہوتا ہے۔ دنیا کے سامنے اپنی راست گفتاری، راست روی، اخلاص اور دیانتداری کو ثابت کرنے کے لیے وہ لاکھ پاپڑ بیلے، ہزاروں جتن کرے، ممکن ہے لوگ اس کی بات کو سچا مان بھی لیں، ممکن ہے عدالت بھی اس کی حیلہ سازیوں کے باعث اسے بری قرار دے۔ لیکن کیا وہ اپنے ضمیر کے سامنے بھی اپنے آپ کو بے گناہ اور معصوم ثابت کر سکتا ہے۔ اس کا شعور تو اس وقت بھی اسے لعن طعن کر رہا ہوتا ہے جب وہ اپنے جھوٹے دعووں کا بھرم رکھنے کے لیے جھوٹ کے طومار باندھ رہا ہوتا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اگر کسی کا ضمیر مطمئن ہو کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا، اس کا دامن کسی آلودگی سے میلا نہیں۔ اگر یوسف صدیق علیہ السلام کی طرح تیرا دامن پاک ہے تو پھر سارا مصر یک زبان ہو کر تجھ پر الزام لگاتا ہے تیری نیند میں خلل نہ ہو گا، تیرے دل کی دنیا میں اطمینان کا نور برس رہا ہو گا۔ لیکن اگر ساری دنیا تجھے پاکباز کہتی ہو اور تیرا دل تجھے خائن گردانتا ہو تو پھر تجھے سکون اور اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہاں قیامت کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس روز انسان کو اس کے اعمال نیک و بد سے پوری طرح آگاہ کر دیا جائے گا تاکہ عدل و انصاف کے ظاہری ضابطے بھی پورے ہو جائیں ورنہ ہر انسان پر اس کے اعمال آشکارا ہیں۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے جو حیلے بہانے تراشا کرے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

۱۲ وحی کی گرانی اور گراں باریوں کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو احساس تھا۔ جب وحی نازل ہوتی تو حضور پوری طرح متوجہ ہوتے اور جبرئیل امین جونہی اللہ تعالیٰ کے کلام کی قراءت شروع کرتے حضور بھی اسے جلدی جلدی سے تلاوت کرتے مبادا کوئی لفظ رہ جائے۔ بیک وقت تین کام۔ سراپا گوش ہو کر سننا، پھر اسی وقت اس کی تلاوت کرنا اور اس کے مفہوم کو سمجھنا، بڑا دقت طلب اور تکلیف دہ کام تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی یہ تکلیف گوارا نہ ہوئی۔ اس زحمت سے بچانے کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اس سیاق و سباق میں یہ آیت شاید کسی کو بے ربط معلوم ہو لیکن حقیقت یہ نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انہیں ہوا کہا جیسے حضور

اعضا اس میں پیدا ہوئے۔ ان میں جو جو ذاتیں ہماری رکھی گئیں۔ پھر انسان کو کامل الاعضاء بنا کر اس تاریک کوٹھڑی سے نکالا اور اس رحم کا حیات میں کھڑا کر دیا۔ پھر کسی کو سانپ بننے کی اور کسی میں ال یہ بننے کی صلاحیتیں رکھ دیں۔ وہ قوتیں جو قدرت کے غیر مرئی ہاتھوں نے اس بچے میں ودیعت کی تھیں وہ اس دنیا میں آکر پروان چڑھتی گئیں اور انسان اپنی پیہم کوششوں کے باعث آج چاند کی سطح پر اپنی فتحمندی کے پرچم گاڑ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا شاہکار خود حضرت انسان ہے۔ کیا اتنی قدرت والا خدا اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو از سر نو زندہ کر دے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ فَبَلٰى

اے اللہ! تو ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ تو مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔
الٰہی! ہمارے مردہ دلوں کو بھی زندہ فرما دے۔ الٰہی! ہمارے سینوں میں اپنے ذکر کی شمع روشن کر دے۔ اللّٰھم اعنا علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک۔ وصل وسلم وبارک علی شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ سیدنا ومولانا محمد المصطفیٰ وآلہ الکرام واصحابہ الاتقیاء ومن احبہ واتبعہ الی یوم القیام

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ الدّھر

نام: اس کو سورۃ الدھر اور سورۃ ھل اتی علی الانسان کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے اور نام بھی ہیں لیکن وہ زیادہ مشہور نہیں۔ یہ دو رکوعوں، اکتیس آیتوں، دو صد چالیس کلموں اور ایک ہزار چون حروف پر مشتمل ہے۔

نزول: اس کے متعلق علماء میں شدید اختلاف ہے۔ البحر المحیط میں ہے کہ یہ جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ مدنی ہے۔ حضرت حسن بصری، عکرمہ اور کلبی کی رائے ہے کہ یہ سورت مدنی ہے سوائے آیت ۲۴ کے کہ وہ مکی ہے۔ (روح المعانی)

مضامین: انسان جو آج اپنے بازو کی قوت، ساز و سامان اور مال و دولت پر نازاں ہے اور اپنے خالق کو بھول بیٹھا ہے اسے بتایا جا رہا ہے کہ تو ہمیشہ سے ایسا نہ تھا، تجھے نیست سے ہست کیا گیا ہے اور تمہیں ہوش و گوش کی جو قوتیں عطا کی گئی ہیں ان کا مقصد تمہاری آزمائش ہے کہ کیا تم اللہ کے شکر گزار بندے بننا چاہتے ہو یا کفران نعمت کر کے نافرمانوں کے گروہ میں شامل ہونا چاہتے ہو۔ پھر ان انعامات کا ذکر فرمایا جو شکر گزار بندوں پر کیے جائیں گے۔

وہ دور خود بینی اور خود غرضی کا دور تھا۔ دوسروں کی خستہ حالی کو دیکھ کر رحمت و شفقت کے بجائے نفرت و حقارت کے جذبات اُبھرا کرتے تھے۔ ایسے زمانے میں ان لوگوں کی توصیف فرمائی جا رہی ہے جو مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو محض اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلایا کرتے تھے۔ پھر ان نوازشات کا ذکر فرمایا جن سے ایسے لوگوں کو نوازا جائے گا۔ آخری رکوع میں پھر اپنے محبوب کو بتا دیا کہ یہ کتاب مقدس ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔ اس کی تبلیغ میں جو تکلیف آئے اس پر صبر کیجیے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیے تاکہ روحانی قوتیں نشوونما پائیں اور حوصلے بلند رہیں۔

اس کے بعد دنیا پرستوں کے حالات بیان کیے اور ان کی کوتاہ نظری پر انہیں تنبیہ کی کہ وہ فانی زندگی کی لذتوں میں مگن رہے اور آخرت کی ابدی راحتوں کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ آخر میں بتایا کہ یہ کتاب پند و موعظت ہے اب جس کی مرضی ہے وہ اس کی نصیحتوں پر عمل کرے

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۲۱-۴-۷۷

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الدہر مکی ہے اس میں اکتیس آیات اور دو رکوع ہیں۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①

بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا [1]

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا

بلاشبہ ہم نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے [2] تاکہ ہم اس کو آزمائیں [3] پس اس غرض سے ہم نے بنایا

[1] یہاں ھَلْ استفہام کے لیے نہیں بلکہ بمعنی قَدْ ہے۔ یعنی ضرور انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے جبکہ یہ قابل ذکر چیز نہ تھا حِیْن: الزمان المطلق مطلق زمانہ طویل ہو یا مختصر الدھر قال الازھری اسم لزمان العالم من مبدأ الوجود الی انقضاءہ۔ وجود عالم کی ابتداء سے لے کر انتہا تک کے عرصہ کو دہر کہتے ہیں۔ (لسان العرب)

ان الفاظ کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب آیت کا معنی سمجھیے۔ ارشاد ہے کہ دنیا کی لمبی عمر میں ایک وقت ہر شخص پر ایسا گزرا ہے جبکہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ پیدا ہونے سے پہلے تو ویسے ہی معدوم تھا اس کے ذکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب رحم مادر میں اس نے قرار پکڑا تب بھی کسی کو کیا خبر تھی کہ اس صدف میں کس نوعیت کس آب و تاب اور کس قدر و قیمت کا موتی پرورش پا رہا ہے اور جب وہ پیدا ہوا تو کمزور سا بچہ، نہ چل سکے، نہ بول سکے۔ بہرحال ہر شخص پر کوئی نہ کوئی ایسا دور گزرا ہے جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا آج اگر وہ شہرہ آفاق عالم بن گیا ہے آج اگر وہ لشکر جرار کا سپہ سالار ہے، آج اگر دولت و ثروت کے انبار اس کے قدموں میں لگے ہیں تو اس کو مغرور ہو کر اپنے پروردگار کو فراموش نہیں کر دینا چاہیے بلکہ ہر لحظہ اپنی اصلیت پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

[2] انسان کی پیدائش کی حقیقت بیان کی جا رہی ہے۔ آیت میں غور کرنے سے پہلے دو لفظوں کی تشریح سمجھ لیں۔ نُطْفَة: الماء القلیل یبقی فی الدلو وقیل ھی الماء الصافی۔ (لسان العرب) وہ پانی کے چند قطرے جو ڈول میں رہ جاتے ہیں، صاف ستھرے پانی کو بھی نطفہ کہتے ہیں۔ مرد کے مادہ منویہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ اَمْشَاج: یہ جمع ہے اس کا واحد مَشِیْج ہے جیسے یتیم کی جمع ایتام۔ ابن سیدہ کہتے ہیں کہ مرد و عورت کے پانی کے خلط ملط ہونے کو مشیج کہتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ مرد کا پانی جو عورت کے پانی کے ساتھ مل جاتا ہے اسے مشیج کہا جاتا ہے۔ ابن سکیت کہتے ہیں الامشاج، الاخلاط یرید اختلاط النطفة لانھا ممتزجة من انواع ولذالک یولد الانسان ذا طبائع مختلفة۔ (لسان العرب) امشاج ان عناصر کو کہتے ہیں جن سے نطفہ کا قوام تیار ہوتا ہے کیونکہ یہ مختلف انواع سے مرتب ہوتا ہے۔ عناصر کے اسی تنوع کے باعث انسان کی طبائع میں اختلاف اور صلاحیتوں میں تفاوت ہوتا ہے۔

نطفہ واحد ہے۔ اس کی صفت بھی واحد ہی آنی چاہیے تھی۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ امشاج جمع نہیں واحد ہے اور حوالے

بَصِيرًا ﴿٢﴾ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴿٣﴾ إِنَّا أَعْتَدْنَا

ہے اس کو سننے دیکھنے والا ۔ ہم نے اسے رستہ بھی دکھا دیا (اب) خواہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا ۔ بے شک ہم نے تیار کر رکھی ہیں

لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ﴿٤﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن

کافروں کے لیے زنجیریں ، طوق اور دہکتی آگ ۔ بے شک نیک لوگ پئیں گے شراب کے ایسے

كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿٥﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا

جام میں سے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی ۔ (یعنی) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے اور جدھر چاہیں گے

مشیج کی جمع کہتے ہیں جیسے ... اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ لفظ اگرچہ واحد ہے لیکن یہ متعدد عناصر سے مرکب ہے اس لیے اس کے اجزا کا اعتبار کرتے ہوئے صفت جمع ذکر کر دی گئی۔

۳ فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے انسان کو گوناگوں خوبیوں اور قوتوں سے آراستہ کر کے اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہم اسے آزمائیں کہ آیا وہ ہمیں پہچانتا ہے یا نہیں ، پہچان کر ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے یا نہیں ۔ ای مختبرین ۔ (قرطبی) ۔ ... دوسرا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ ہم اسے اوامر و نواہی کا مکلف کر سکیں ۔ عقل ، ارادہ اور اختیار کی جو قوتیں اسے دی گئی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ احکام شرعی کا بوجھ اٹھا سکے ۔

۴ اسی لیے ہم نے سمیعا و بصیرا بنایا ۔ سمیعا صرف سننے والا نہیں بلکہ حق کو سننے والا ۔ بصیرا ، صرف دیکھنے والا نہیں بلکہ حق کو دیکھنے والا ۔ ہم نے اپنے فضل و کرم سے اس کو یہ صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں ۔ اب اس کی مرضی کہ وہ ان سے کام لیتا ہے یا انہیں بیکار چھوڑ دیتا ہے ۔

۵ ہم نے اپنے انبیا کے ذریعے اپنی کتابوں کے ذریعے اسے بتا دیا کہ یہ سیدھا راستہ ہے اور یہ ٹیڑھی راہ ہے ، یہ ہدایت ہے یہ گمراہی ہے ۔

۶ ہم نے اسے ... کی صلاحیتیں بھی بخشیں اور ... کے ذریعے حق و باطل کی پہچان کرادی ۔ اس کے بعد ارادہ و عمل کی آزادی بھی عطا فرمائی تاکہ ہم دیکھیں کہ یہ ... ثابت ہوتا ہے ۔ شکر کرنے والا ، ہمیں یاد کرنے والا ، ہمارے احکام کی تعمیل کرنے والا یا احسانات و انعامات پر ناشکری کرنے والا ... اور ... کو بھلا کر ... نفس امارہ کے ہاتھوں ... کر فسق و فجور کے گرداب میں غلطاں و پیچاں رہنے والا ۔

۷ اگر اس نے دوسری راہ اختیار کی اور کفر و انکار کا طرز عمل اپنایا تو وہ آج ہی کان کھول کر سن لے کہ اس کے لیے وہ زنجیریں تیار ہیں جن سے اس کو جکڑا جائے گا ۔ وہ طوق بھی جو اس کے گلے میں ڈالے جائیں گے اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ جس میں اسے جھونک دیا جائے گا ہر چیز بالکل تیار ہے جب یہ صاحب ... پہنچیں گے تو انہیں ایک لمحہ بھی انتظار کرنا نہیں پڑے گا ... اور طوق و سلاسل ... کر حاضر ہو جائیں گے ۔

۸ ابرار کے ساتھ جو ... کا برتاؤ کیا جائے گا اس کا ذکر ہو رہا ہے ۔ چند الفاظ کی تشریح پہلے سن لیں ۔ الابرار جمع ہے اس کا واحد بر ہے جو بر سے مشتق ہے ۔ بر نیکی کرنے اور صدق و احسان کو کہتے ہیں ۔ بعض نے ابرار کا واحد بار کہا ہے لیکن بار کی جمع

تَفْجِيرًا ﴿۶﴾ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿۷﴾

لے جا کر بہا لے جائیں گے۔ وہ جو پوری کرتے ہیں اپنی نذریں سلے اور ڈرتے ہیں اُس دن سے جس کا شر ہر سُو پھیلا ہوگا سلے

شَرِبَة ہوتی ہے۔ مُن اس کو کہتے ہیں جو اپنی زندگی اپنے رب کی فرمانبرداری میں گزار دے۔ ھو من امتثل امر اللہ یعنی مومن صادق۔ کَاس، اس پیالے کو کہتے ہیں جس میں شراب بھری ہو۔ (وقیل الکاس کل اناء فیہا الشراب) (صحاح)

مزاج: ملاوٹ، آمیزش۔ کافور: اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں کافور ملا ہوگا بلکہ خود تصریح فرما دی کہ کافور جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہو سکتی ہے کہ کافور کی طرح اس چشمہ کے پانی کی رنگت سفید براق ہوگی۔ اس کی تاثیر ٹھنڈی ہوگی اور اس سے کافور کی مہک آ رہی ہوگی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جنت میں تشریف فرما ہوں گے تو انہیں شراب طہور کے جام پیش کیے جائیں گے اور اس میں جو پانی ملایا جائے گا وہ اس چشمہ کا ہوگا جس کی رنگت خوشبو اور ٹھنڈک کافور کی مانند ہوگی۔

سلے ایسا نہیں ہوگا کہ اہل جنت کو جب پانی کی ضرورت ہو تو انہیں بالائی سطح سے نیچے اتریں۔ انہیں مشکیزہ یا گھڑے بھر کر لانے کی زحمت ہو بلکہ جدھر وہ اشارہ کریں گے اس چشمہ کا پانی اسی طرف بہتا چلا جائے گا۔ بلندی ہو یا پستی یا کوئی گڑھا اور وادی اس پانی کے رواں ہونے میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔

سلے ابرار کو جن اعمال حسنہ اور اخلاق حمیدہ کے باعث ان نوازشات سے مالامال کیا جا رہا ہے اب تفصیل سے ان کا بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا ایک تو ان کا یہ معمول تھا کہ جو نذر مانتے تھے اس کو پورا کیا کرتے تھے۔ النذر کی تشریح کرتے ہوئے مفسرین کرام لکھتے ہیں النذر ھو ایجاب المکلف علی نفسہ من الطاعات مالم یوجبہ لولا ایجابہ۔ یعنی کسی مکلف عاقل بالغ مومن کا اپنے اوپر کسی ایسی نیکی اور عبادت کو واجب کر لینا کہ اگر وہ خود اسے اپنے اوپر لازم نہ کرے تو اس پر لازم نہ ہو۔ اس کی تفصیلی بحث کا یہ مقام نہیں۔ اس کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ قتادہ نے النذر کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ما فرض اللہ علیہم من الصلوٰۃ والزکوٰۃ والصوم والحج والعمرۃ وغیرہا من الواجبات۔ یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ اور ان کے علاوہ دیگر واجبات کو وہ پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو عبادتیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں وہ ان کی ادائیگی میں بھی سستی نہیں کرتے اور جن نیکیوں اور مستحبات کو خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے ان کو بھی پابندی سے بجا لاتے ہیں۔

سلے ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر وقت قیامت سے خائف رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ دن جب آئے گا اس کی سختیاں اور ہولناکیاں چار سُو پھیل جائیں گی۔ دُور دُور تک کہیں گوشۂ عافیت نظر نہیں آئے گا۔

مُسْتَطِيرًا: فاشیًا وھو فی اللغۃ ممتدًا (قرطبی)

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا

اور جو کھانا کھلاتے ہیں ۱۲؎ اللہ کی محبت میں ۱۳؎ مسکین ، یتیم اور قیدی کو (اور کہتے ہیں) ہم

۱۲؎ ان کی تیسری خوبی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث اس کی حاجت مند مخلوق کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ حاجت مندوں کی فہرست اگرچہ طویل ہے۔ ان میں سے تین اہم اقسام کا ذکر کر دیا۔ اگر کوئی بھوکا، کوئی یتیم یا کوئی قیدی ان کے دروازہ پر آ کر دستک دے تو وہ اسے دھتکارتے نہیں بلکہ اس کو کھانا کھلا کر رخصت کرتے ہیں۔

مکہ کے اس پرستانہ ماحول میں اس قسم کے فقراء پر کیا گزرتی ہو گی وہ کسی سے مخفی نہیں غریبوں اور مسکینوں سے ان کی نفرت انتہا کو پہنچ چکی تھی حضور کے پاس اگر غریب لوگ بیٹھے ہوتے تو رؤسا قریش ان کی محفل میں بیٹھنا اپنے لیے باعث ننگ سمجھتے جو لوگ اس قسم کے غرباء و فقراء پر احسان کیا کرتے اللہ تعالیٰ ان کی عزت افزائی کر رہے ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہو تاکہ اسلامی معاشرہ میں کوئی مسکین، کوئی یتیم اور کوئی اسیر ایسا نہ ہو جو رات کو بھوکا سوئے۔

بعض مفسرین نے ایک واقعہ کو ان آیات کی شان نزول بتایا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ایک دفعہ حضرات حسنین کریمین بیمار ہو گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر صحابہ عیادت کے لیے گئے۔ کسی نے یہ تجویز پیش کی اے علی آپ نذر کیوں نہیں مانتے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان بچوں کو صحت دی تو آپ نذر کو پورا کریں گے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے تین روزے رکھنے کی منت مانی۔ اسی طرح حضرت سیدۃ النساء اور آپ کی کنیز فضہ نے بھی تین تین روزے رکھنے کی نذر مانی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات حسنین کو شفا بخشی۔ اب نذر کے ایفا کا وقت آ گیا۔ کاشانہ حیدری میں روزہ کے افطار کے لیے بھی کوئی چیز نہ تھی۔ چنانچہ آپ شمعون یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور تین صاع جو بطور قرض یا بعوض اجرت لے آئے۔ صبح کو سب نے روزہ رکھا حضرت سیدہ نے ایک صاع کو پیسا اور اس کی پانچ روٹیاں پکائیں۔ شام کی نماز کے بعد حضرت علی واپس تشریف لائے تو سب اہل خانہ کھانا تناول کرنے کے لیے بیٹھے اچانک کسی نے دروازہ پر دستک دی اور کہا میں مسکین ہوں بھوکا ہوں۔ آپ نے سب روٹیاں اٹھا کر اسے دے دیں اور خود سادہ پانی پی کر سو گئے۔ دوسرے روز افطار کے بعد کھانا کھانے بیٹھے تو دروازے پر پھر دستک ہوئی آواز آئی یتیم ہوں بھوکا ہوں۔ پھر پانچوں روٹیاں اٹھا کر اسے دے دی گئیں۔ تیسرے روز پھر روزہ رکھا گیا۔ جب کھانا کھانے بیٹھے تو ایک سائل نے آواز دی اسیر ہوں بھوکا ہوں چنانچہ سارا کھانا اس کو دے دیا گیا۔ تین دن اور تین راتیں مسلسل فاقے سے بچوں کی کمزوری کی یہ حالت ہو گئی کہ چوزہ کی طرح کانپ رہے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ انہیں لے کر بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے حضور سب کو لے کر حضرت سیدہ کے گھر تشریف لائے۔ دیکھا کہ فرط نقاہت سے حضرت سیدہ کی ایک کونہ میں بیٹھی پڑی ہیں۔ حضور بہت پریشان ہوئے۔ اس وقت جبرئیل سورۃ الدہر کی یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔

لیکن اہل تحقیق نے اس روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روایت اور درایت دونوں اعتبار سے یہ درست نہیں۔ علامہ قرطبی نے بڑی تفصیل سے اس پر جرح و تنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک فقیر آیا تھا تو اسے ایک روٹی دے دی جاتی اور باقی چار روٹیاں پانچوں حضرات کھا لیتے۔ اس طرح دوسرے دن اور تیسرے دن ایک سائل کو پانچوں روٹیاں دے دینے میں کوئی معقولیت نظر نہیں

نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿٩﴾ اِنَّا نَخَافُ

تمہیں کھلاتے ہیں اللہ کی رضا کے لیے نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے۔ ہم ڈرتے ہیں

مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ

اپنے رب سے اس دن کے لیے جو نہایت ترش رو اور سخت ہے۔ پس بچا لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کے شر سے

آئی نیز معصوم بچے ہیں جو مکلف نہیں اور بیمار ابھی ابھی وہ بیماری سے شفایاب ہوئے ہیں ان کو لگاتار تین دن تک روزہ رکھنے کی اجازت دینا شرعاً جائز نہیں۔ حضرت سیدنا علی اس کو کیسے روا رکھ سکتے تھے جبکہ اسلام نے جنگی قیدیوں کی خاطر مدارات کا حکم دیا ہے۔ ان کے کھانے پینے اور آرام کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ مدینہ طیبہ کے قیدیوں کی طرح انہیں بھیک مانگ کر پیٹ بھرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ اس لیے ترمذی لکھتے ہیں۔ ھذا حدیث مزوق مزیف۔ یہ حدیث من گھڑت اور ضعیف ہے

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: قال الحکیم الترمذی ھذا حدیث مفتعل لا یروج الا علی احمق و جاھل وا ورده ابن الجوزی فی الموضوعات۔ حکیم ترمذی کا قول ہے کہ اس حدیث کو صرف احمق اور جاہل آدمی ہی قبول کر سکتا ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوع احادیث میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اہل بیت کو جن کمالات سے مالا مال فرمایا ہے جو انہیں جن مراتب عالیہ اور مقامات رفیعہ پر سرفراز کیا ہے انہیں اس قسم کی خلاف عقل روایات کے سہارے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ان آیات کے اولین مصداق خانوادہ نبوت کے یہی حضرات ہیں جن لوگوں نے ان نفوس قدسیہ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ خانوادہ نبوت نے ساری زندگی اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضرورتوں کو فوقیت دی۔ خود تکلیف برداشت کی لیکن دوسروں کو خوش و خرم رکھا۔ اگر یہ واقعہ نہ بھی ہو تب بھی ان آیات کے اولین مصداق یہی حضرات ہیں۔

سلہ حُبّہٖ کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) اس کا مرجع طعام ہے یعنی انہیں خود کھانے کی ضرورت ہوتی ہے اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو نظرانداز کر کے دوسروں کی بھوک کا ازالہ کرتے ہیں۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی یہ کام وہ محض اللہ تعالیٰ کی محبت میں کرتے ہیں۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ اسی کی تائید کرتی ہے۔ یعنی وہ اپنے قول یا اپنے طرز عمل سے ان پر یہ بات واضح کر دیتے ہیں کہ اس خدمت کا وہ ان سے کوئی معاوضہ نہیں مانگیں گے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ وہ ان کا شکریہ ادا کریں اور لوگوں کے سامنے ان کی سخاوت کا تذکرہ کریں۔ انہوں نے یہ کام محض اپنے رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔

سلہ وہ کہتے ہیں کہ ہم آج اپنے رب کریم کو راضی کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ایک بہت سخت دن آنے والا ہے جس کی ہولناکیوں کا تصور کر کے جان سے وابستہ [illegible] بھی لرز جاتے ہیں۔ اگر ہم نے اپنے رب کو خوش کر لیا تو ہمیں یقین ہے کہ قیامت کے روز ہمیں کوئی کھٹکا نہ ہوگا

وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۚ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۙ﴿۱۲﴾

اور بخش دے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور ۱۵ اور عطا فرمائے گا انہیں ان کے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس ۱۶

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۚ﴿۱۳﴾

وہاں چھپر کھٹوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ نظر آئے گی انہیں وہاں سورج کی تپش اور نہ ٹھنڈک

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ

اور قریب ہوں گے ان سے اس کے درختوں کے سائے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے ہوں گے اور گردش میں ہوں گے

عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۙ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا

ان کے سامنے چاندی کے ظروف اور شیشہ کے چمکدار گلاس (وہ) شیشے بھی

عبوس: اس شخص کو کہتے ہیں جس نے اپنی پیشانی پر بل ڈال رکھے ہوں اور اس کے چہرے سے غصہ اور وحشت برس رہی ہو۔ القمطریر الشدید بہت سخت بہت کرخت۔ ہولناک منظر اور اس پر اس کی شدت پناہ بخدا!

۱۵ جن لوگوں کی یہ صفات ہوں گی اللہ تعالیٰ انہیں ہول قیامت سے محفوظ رکھے گا۔ ولقٰہم اعطٰہم ان کے چہرے چاندنی کی طرح تمتما رہے ہوں گے اور ان کے دل شاداں و فرحاں ہوں گے۔

۱۶ مومن کی ساری زندگی صبر سے عبارت ہے۔ احکام الٰہی کی ادائیگی پر صبر، نواہی سے اجتناب پر صبر، محرومیوں پر صبر، نقصانات پر صبر، شباب اسلام کے سامنے معرکہ کارزار میں صبر، لیو جنگ جیتنے کے بعد اپنے اقتدار و اختیار کے صحیح استعمال کرنے پر صبر۔ الغرض مومن کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی تو ایسا نہیں جہاں صبر کا نور جگمگ نہ کر رہا ہو۔ اس آیت میں ارشاد ہے کہ اہل ایمان نے زندگی کا سفر جس صبر و استقامت سے طے کیا جس کے سرکش گھوڑے کو جس عزم سے اپنا تھامے رکھا اور ایں رکھا آج ان تمام کاموں کا انہیں یہ صلہ ملے گا۔

یہاں سے لے کر آیت ۲۲ تک ان الطاف و عنایات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عالم آخرت میں سرفراز فرمائے گا۔ آیات کے مشکل الفاظ کی وضاحت کر دی جاتی ہے، مطلب سمجھنا مشکل نہیں۔ ارائک: اریکۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے تخت۔ اس مخصوص پلنگ کو کہا جاتا ہے جو زیبائش کے لیے بچھایا جاتا ہے۔ ای السریر المحلاۃ زمھریر: شدۃ البرد (قاموس) سخت ٹھنڈک۔

دانیۃ: دنا یدنو سے اسم فاعل مونث کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے قریب نزدیک۔ ذللت تذلیلا: ذللت علیہم وجعلت سہل التناول۔ کہ انگور کے گچھوں کو نیچے لٹکا دیا جائے گا اور جنتی بڑی آسانی سے ان سے تناول کر سکیں گے۔ آنیۃ: جمع ہے اناء کی ظرف، برتن۔ اکواب: کوب کی جمع ہے۔ وہ پیالہ یا پیالی جس کے ساتھ کنڈا نہ ہو۔ کانت قواریر من فضۃ کا مفہوم حضرت ابن عباس نے ان الفاظ میں بیان کیا

مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا

چاندی کی قسم کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں پورے اندازہ سے بنایا ہوگا۔ اور انہیں پلائے جائیں گے وہاں ایسے شراب کے جام جن میں زنجبیل کی

زَنْجَبِيْلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

آمیزش ہوگی۔ وہ زنجبیل جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے۔ ۱۸ اور چکر لگاتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک

مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿١٩﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ

ہی حالت پر رہیں گے ۱۹ جب تم انہیں دیکھو تو یوں سمجھو گویا یہ موتی ہیں جو بکھیر دیے گئے ہیں۔ اور جدھر بھی تم وہاں دیکھو گے

رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ

تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت نظر آئے گی ۲۰ ان کے اوپر لباس ہوگا باریک سبز ریشم کا بنا ہوا اور

ہے انہ من فضۃ صفاء کصفاء القواریر۔ یعنی یہ سارے برتن چاندی کے بنے ہوں گے لیکن ان میں چمک اتنی زیادہ ہوگی کہ خیال گزرے گا کہ شیشہ اور بلور سے ان کو بنایا گیا ہے۔ پہلا قول زیادہ قرین قیاس ہے۔ دوسرا قول ہے کہ ان کے اکواب کا حال ہے۔ دوسرا قول زیادہ مدلل ہے پہلے قول کا۔

۱۷ یعنی ساقی گری کی خدمت پر جو خدام مقرر ہوں گے وہ بھی بڑے سلیقہ شعار اور مزاج شناس ہوں گے۔ صراحی سے جام میں اتنی مقدار میں شراب انڈیلیں گے جتنی پینے والا چاہتا ہے گا۔ جتنی اس کی خواہش ہوگی اتنی ہی دیں گے۔ جس کو جتنی مقدار کی خواہش ہو اسے اتنا ہی دیں گے اور جو زیادہ پینا چاہتا ہو اسے چند قطرے اور دے دیں۔ جن کی دلداری اور عزت افزائی مقصود ہے وہ ان کی خواہشات کا پورا پورا احترام کریں گے۔

۱۸ ایک دوسری قسم کی شراب کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں ایسی شراب پلائی جائے گی جس میں زنجبیل کی لذت ہوگی۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ بھی جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے اور اسی کو سلسبیل بھی کہا جاتا ہے۔ اہل عرب شراب میں سونٹھ ملا کر پیتے تھے۔ انہی کا پسندیدہ مشروب ذکر فرمایا اور بتا دیا کہ جنت میں ایک چشمہ ہے اسی نام کا جاری ہے جس میں سونٹھ کی بو تو ہوگی لیکن اس کے ذائقہ کی تلخی نہ ہوگی۔

۱۹ یعنی ہر وقت ان کی خدمت بجا لانے کے لیے اور ان کے احکام کی تعمیل کے لیے ان کے آگے پیچھے چھوٹی عمر کے بچے دوڑ رہے ہوں گے۔ مرور وقت کے ساتھ ساتھ ان کی شکل و صورت اور ان کے رنگ و روپ میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اور جب وہ جنت کے مرغزاروں میں اہل جنت کی خدمت میں ادھر ادھر بھاگے پھر رہے ہوں گے تو یوں معلوم ہوگا کہ کوئی موتیوں کی لڑی ٹوٹ گئی ہے اور اس کے تابدار اور گول گول موتی ادھر ادھر لڑھکتے چلے جا رہے ہیں۔

۲۰ ثمّ و اشارۃ الی المکان یعنی بہ الجنۃ یہ ظرف ہے رویت کے فعل کے لیے یعنی جنت میں جدھر بھی تو دیکھے گا ہر طرف تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں نظر آئیں گی اور ایک وسیع مملکت ہوگی جو خداوند کریم نے اپنے ایک ایک بندے کو دے دی ہے۔ اس میں وہ ایک بادشاہ کی طرح رہ رہا ہے ...

إِسْتَبْرَقٌ ۖ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا

اطلس کا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے ۲۱؎ اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ

طَهُورًا ﴿٢١﴾ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ﴿٢٢﴾

شراب ۲۲؎ (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری کوششیں مقبول ہوئیں ۲۳؎

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ

ہم نے ہی اے حبیب! آپ پر تھوڑا تھوڑا کرکے کلام نازل کیا ۲۴؎ اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجیے اور

الدیباج الغلیظ۔ موٹا ریشمی کپڑا۔

۲۱؎ انہیں چاندی کے کنگن پہنائے گئے ہوں گے۔ ایک مقام پر پہلے گزر چکا ہے کہ ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہن رکھے ہیں۔ اس میں کوئی تضاد نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے ایک ہاتھ میں سونے اور چاندی کے بنے ہوئے کنگن ہوں گے۔ جب ان کا جی چاہے گا سونے کے اور جب جی چاہے گا چاندی کے کنگن پہن لیں گے یا ہاتھوں میں دونوں قسم کے کنگن پہنے ہوئے ہوں گے۔

۲۲؎ دو قسم کی شرابوں کا ذکر پہلے ہو چکا۔ ایک وہ جس میں کافور کے چشمے کا پانی ملا ہو گا۔ دوسری وہ جس میں زنجبیل کے چشموں کا پانی ملا ہو گا۔ اب تیسری قسم کی شراب کا ذکر ہے لیکن اس میں وہ خصوصیتیں ہیں جو پہلی دو قسموں میں نہیں پائی جاتیں۔ اس شراب کو شراب طہور کہا گیا ہے۔ نیز اس کو پلانے والا خود رب العالمین ہے۔ اس لیے حضرت یعقوب چرخی لکھتے ہیں:

المخلصین" (تفسیر چرخی)

یعنی سابقین اور مقربین کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے نیچے سے شراب طہور کا جو سب سے پہلے ... فرشتے پلائیں گے اور عام لوگوں کے ساقی غلمان ہوں گے۔ جب وہ شراب پئیں گے تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست ہو جائیں گے ... حق تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ انتہیٰ۔

۲۳؎ یہ نوازشیں اور یہ عنایتیں تمہارے ان مخلصانہ اعمال کی جزا ہیں اور تمہیں مبارک ہو کہ اس کریم و رحیم نے محض اپنے رحم و کرم سے تمہارے ناقص اعمال کو قبول فرما لیا ہے۔ ایک بندے کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کا اور کیا مقام ہو گا جب اسے یہ مژدہ سنایا جائے گا۔

۲۴؎ کفار کی شروع سے ہی یہ عادت رہی ... اعتراض کرتے ... جب ... کوئی اعتراض ثابت نہ ہوا تو کہنے لگے کہ ... یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ ان کا اپنا اختراع کردہ ہے۔ اگر خدا کی طرف سے ہوتا تو سارے کا سارا یکبارگی نازل ہو جاتا ...

لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝۲۴ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۲۵

نہ کہنا مانیے ان میں سے کسی بدکار یا احسان فراموش کا ۲۴ اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی ۲۶

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝۲۶ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ

اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجیے اور رات کے طویل وقت اس کی تسبیح کیا کیجیے۔ بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت

الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝۲۷ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ

کرتے ہیں اور پس پشت ڈال رکھا ہے انہوں نے بڑے سخت دن کو ۔ ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے اور

شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝۲۸ اِنَّ هٰذِهٖ

ان کے جوڑ بند مضبوط کیے ہیں ۲۷ اور جب ہم چاہیں تو ان کی شکلوں کو بدل کر رکھ دیں ۲۸ بے شک یہ ایک

موسیٰ علیہ السلام کو تورات ایک مرتبہ دی گئی تھی۔ یہ چونکہ خود گمراہ ہیں اس لیے جب گمراہ کرتے ہیں اسے اگر سنا دیتے ہیں۔ کبھی کم کبھی زیادہ۔ ان کے اس کلام کی تردید فرمائی جا رہی ہے کہ ہم نے اسے اپنے حبیب پر آہستہ آہستہ نازل کیا ہے۔ حسب حال اور حسب ضرورت نازل کرنے میں جو حکمتیں ہیں۔

۲۵ اے محبوب! آپ کو اپنے رب کے حکم کا انتظار ہے، ان کو پسند کرتے ہیں کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں۔ یہ بدکار اور ناشکرا احسان فراموش آپ کو اگر دنیاوی مال و دولت سے خوش کرنا چاہیں تو آپ ان کا کہا ہرگز نہ مانیں۔

۲۶ مومن کی طاقت کا سرچشمہ اور اس کی قوت کا راز ذکر الٰہی میں پنہاں ہے۔ پہلے اپنے نبی کریم کو صبر کی تلقین فرمائی۔ اب ذکر کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔ وہ شخص جو اپنے رب کا ذکر کثرت سے کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے اور جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہو جائے باطل کی طاغوتی طاقتیں اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتیں۔ بعض علماء نے اس سے مراد تمام نمازیں لی ہیں۔ بکرۃ سے مراد صبح کی نماز، اصیل زوال سے غروب کے وقت تک کو کہتے ہیں، اس سے مراد ظہر اور عصر کی نماز اور من اللیل سے مغرب و عشاء کی نماز اور سبحہ لیلا طویلا سے تہجد کی نماز مراد ہے۔

۲۷ اسر کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دینا۔ شددنا اسرھم۔ انسان کے مختلف اعضاء کو ایک دوسرے کے ساتھ پٹھوں، رگوں اور گوشت کے ذریعے بڑی خوبصورتی سے جوڑ دیا ہے۔ سب اعضاء اپنے اپنے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں اس کے باوجود ایک دوسرے سے پیوستہ بھی ہیں، ایک دوسرے کی قوت و طاقت کا ذریعہ بھی ہیں اور ایک دوسرے کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔ اگر اسی ایک بات پر تم غور کرو تو تمہارے شکوک و شبہات کے تار عنکبوت بکھر جائیں گے۔

۲۸ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ہلاک کر دیں، نیست و نابود کر دیں اور ان کی جگہ کوئی نئی قوم پیدا کر دیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ان کے چہروں کی رنگت اور خد و خال کو مسخ کر دیں۔ کسی ایسی بیماری میں مبتلا کر دیں کہ پہچانے بھی نہ جا سکیں۔

تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ

نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کے قرب کا راستہ ۲۹ اور (اے لوگو!) تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے بجز

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ

اس کے کہ اللہ خود چاہے ۳۰ بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے ۳۱ جس کو چاہتا ہے اپنے دامن رحمت

فِيْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

میں داخل کر لیتا ہے ۳۲ اور ظالموں کے لیے تو اس نے تیار کر رکھا ہے دردناک عذاب۔

۲۹؎ یہ قرآن ایک نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے اس نصیحت کو قبول کر لے۔ ہدایت کی اس روشنی میں سفر طے کرتا ہوا قرب و رضا کی منزل تک پہنچ جائے اور جس کا جی چاہے اپنی عمر برباد کرے۔

۳۰؎ ساتھ ہی بتا دیا کہ صرف تمہاری خواہش اور آرزو سے کچھ نہیں ہو سکتا جب تک میری مشیت تمہاری سعادت کا فیصلہ نہ کرے اس وقت تک تمہاری کوششیں لاحاصل، تمہاری جدوجہد بے ثمر۔ جب توفیق الٰہی دستگیری فرماتی ہے تو صبح شب تار نمودار ہوتی ہے، دعوت حق سنائی دیتی ہے، دل میں شوق کا طوفان اٹھتا ہے، راستے کی ساری مشکلیں سہل ہو جاتی ہیں اور جناب الٰہی درماندہ کو اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لیتی ہے۔

۳۱؎ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس بندے پر کس وقت مہربانی فرمانی ہے۔ کس مسکین کے دل مضطرب پر کیسے کرم فرمانا ہے اور کس اشکبار آنکھوں والے دلفگار کو اپنے جمال جہاں آرا سے سرشار کرنا ہے۔ وہ حکیم ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔

۳۲؎ جس کو چاہتا ہے گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور سے منور کر دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے ہجر و فراق کی ٹھوکروں سے رہائی بخش کر اپنے وصال کی لذت سے شاد کام کر دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے غفلت کی نیند سے بیدار کر کے اپنی یاد کی نعمت سے مالا مال کر دیتا ہے۔

○

اللّٰھم انت ولیی لا اشاء الا ما تشاء یا من بیدہ ناصیتی کن لی رؤفا رحیما۔ فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین و احشرنی تحت لواء حبیبک المکرم ورسولک المعظم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سورۃ المرسلت

نام : اس کا نام المرسلت ہے جو اس سورۃ کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں دو رکوع، پچاس آیتیں، ایک سو اسی کلمے اور آٹھ سو سولہ حروف ہیں۔

نزول : علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : متعدد چیزوں کی قسمیں کھا کر ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ پھر قیامت برپا ہونے کے ہولناک منظر کو بیان کیا گیا ہے۔ آیات نمبر ۱۶، ۱۷، ۱۸ میں ایک سنت الٰہی ذکر کی گئی ہے کہ جو شخص راہ راست کو چھوڑ کر بادیہ ضلالت میں بھٹکتا ہے فسق و فجور کے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کی مخلوق پر ظلم اور تشدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ ایسے شخص کو ہلاک و برباد کر دیا جاتا ہے اس کے بعد انسان کی تخلیق پھر اس کی بقا اور نشو و نما کے لیے جن اسباب و وسائل کی ضرورت ہے ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور آیت انتیس سے لے کر آخر تک کفار کے ساتھ روز حشر جو معاملہ کیا جائے گا اس کو بیان فرما دیا۔ ساتھ ہی آیت نمبر اکتالیس تا چوالیس میں متقین پر جو عنایات اور نوازشات کی جائیں گی وہ بتا دیں تاکہ لوگ دونوں گروہوں میں سے جس گروہ میں شامل ہونا چاہیں سوچ سمجھ کر شامل ہوں۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۲ - ۴ - ۷۷

سورۃ المرسلٰت مکیۃ ۳۳ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — خمسون ایۃ فیھا رکوعان

سورۃ المرسلات مکی ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — پچاس آیات اور دو رکوع ہیں۔

وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۙ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۙ﴿۳﴾

ان ہواؤں کی قسم جو پے درپے بھیجی جاتی ہیں[۱]۔ پھر ان کی قسم جو تندوتیز ہیں۔ اور ان کی قسم جو بادلوں کو پھیلانے والی ہیں۔

فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ۙ﴿۵﴾ عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۙ﴿۶﴾ اِنَّمَا

پھر ان کی جو (حق و باطل کو) جدا جدا کرنے والی ہیں۔ پھر ان کی قسم جو ذکر (الٰہی) القا کرنے والی ہیں۔ حجت تمام کرنے کے لیے یا ڈرانے کے لیے۔ بے شک جس

تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ۙ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۙ﴿۹﴾

بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ پس اس وقت جب ستارے بے نور کر دیے جائیں گے۔ اور جب آسمان میں شگاف پڑ جائیں گے[۲]۔

[۱] صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (تحریر فرماتے ہیں):
ان آیتوں میں جو قسمیں مذکور ہیں، وہ پانچ صفات ہیں جن کے موصوفات ظاہر نہیں مذکور نہیں۔ اسی لیے مفسرین نے ان کی تفسیر میں بہت وجوہ ذکر کیے ہیں۔ بعض مفسرین نے پانچوں صفتیں ہواؤں کی قرار دی ہیں۔ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔ بعض نے ملائکہ کی، بعض نے آیات قرآنی کی، بعض نے نفوس کاملہ کی جو تکمیل کے لیے ابدان کی طرف بھیجے جاتے ہیں، پھر وہ ریاضتوں کے جھونکوں سے ماسوائے حق کو اڑا دیتے ہیں، پھر تمام اعضا میں اس کا اثر پھیلاتے ہیں، پھر حق و باطل میں فرق کرتے ہیں اور ذات الٰہی کے سوا ہر شے کو ہالک دیکھتے ہیں، چونکہ الفاظ محتمل ہیں اس طرح کہ دولوں میں ہواؤں اور بعضوں میں ملائکہ کو مراد لیا گیا ہے اور ایک وجہ یہ ذکر کی ہے کہ پہلی تین صفتوں سے ہوائیں مراد ہیں اور باقی دو سے فرشتے۔ اس تقدیر پر معنی یہ ہیں کہ قسم ان ہواؤں کی جو لگاتار بھیجی جاتی ہیں، پھر زور سے جھونکے دیتی ہیں، ان سے مراد عذاب کی ہوائیں ہیں اور ناشرات سے مراد وہ رحمت کی ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ اس کے بعد جو صفتیں مذکور ہیں وہ قول اخیر پر صاحب ملائکہ کی ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ عارفات اور ملقیات سے ملائکہ مراد ہونے پر اجماع ہے۔ (خزائن العرفان)
[۲] جب قیامت برپا ہوگی تو کائنات کا سارا انتظام درہم برہم کر دیا جائے گا۔ ان گنت ستارے جو روشن چراغوں کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں سب بے نور ہو جائیں گے۔ یہ آسمان کی نیلگوں چھت جس پر ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود بوسیدگی اور کہنگی کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی اس میں شگاف اور دراڑیں پڑ جائیں گی اور یہ فلک بوس پہاڑ جن کے نیچے سخت تر ہیں، غبار بن کر یوں اڑ جائیں گے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ مختلف اوقات میں اور مختلف امتوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسل اپنی امتوں پر گواہی دینے کے لیے مقررہ وقت پر اکٹھے ہو جائیں گے۔

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾

اور جب پہاڑ (ملک شکر) ہوا میں اڑا دیے جائیں گے۔ اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر اکٹھا کیا جائے گا۔ (کیا تمہیں علم ہے) کس دن کے لیے (یہ تمام امور) ملتوی کیا گیا ہے؟ ۳

لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

فیصلہ کے دن کے لیے۔ (اے مخاطب!) تجھے کیا علم کہ فیصلے کا دن کیسا ہے۔ تباہی ہوگی اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ

جھٹلانے والوں کے لیے۔ ۳ کیا ہم نے ہلاک نہیں کر دیا جو ان سے پہلے تھے۔ ۵ پھر ہم ان کے پیچھے پیچھے روانہ کریں گے بعد

اس ہولناک منظر کے ذکر سے مقصود ان لوگوں کو اس دن سے ڈرانا ہے جو خواب غفلت میں پڑے ہوئے اپنی زندگی کے قیمتی لمحوں کو برباد کر رہے ہیں۔

۳ یہ مذکورہ بالا واقعات کب رونما ہوں گے؟ ان کے لیے کون سی تاریخ اور کون سا دن مقرر کیا گیا ہے۔ بتا دیا کہ ان کے لیے یوم الفصل کی تاریخ مقرر ہے۔ اے سننے والے! تم یوم الفصل کی حقیقت کو کیونکر سمجھ سکتے ہو۔ یہ وہ دن ہوگا جب تمام تنازعات تمام جھگڑے اور سارے اختلافات کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۳ اس روز بڑی تباہی اور ہلاکت کا سامنا ان لوگوں کو کرنا پڑے گا جو اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کی لائی ہوئی کتاب کی تکذیب کرتے ہیں جو وقوع قیامت کا انکار کرتے ہیں اور اسے ناممکن یقین کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات میں مشکل الفاظ کی تشریح:

طمست: ذہب نورها يقال طمس الشيء اذا ذهب۔ والطميس هو المطموس۔ طمست۔ کا مطلب یہ ہوگا کہ ستاروں کا نور زائل ہو جائے گا یا ان کی روشنی مٹ جائے گی، بے نور ہو جائیں گے۔ النسف: تفريق الاجزاء بمعنى تذروها الرياح۔ کسی چیز کو ریزہ ریزہ کر دینا کہ ہوا اس کے اجزاء کو اڑا کر لے جائے۔ فرجت: شقت فصارت بها فروج۔ کسی چیز کا پھٹ جانا۔ اس میں دراڑیں اور شگاف پڑ جانا۔ ویل: مصدر بمعنى حلول الشر والهلاك۔ یہ مصدر ہے اور اس کا معنی ہے تباہی اور ہلاکت کا نازل ہونا۔

۵ اہل مکہ جو بڑی شدت سے وقوع قیامت کا انکار کیا کرتے تھے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اپنے سے پہلے گزری ہوئی قوموں کے انجام پر غور کریں اور اس کی وجہ تلاش کریں تو انہیں قیامت پر ایمان لانے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ عاد، ثمود، قوم نوح، قوم فرعون جسمانی قوت و زور میں کسی سے کم نہ تھیں۔ دولت و ثروت کے جو سامان ان کے پاس تھے وہ ان کے پاس لشکر جرار تھے۔ ان کے سپاہی تجربہ کار اور جنگجو تھے۔ ان کے پاس ماہرین، جرنیلوں کی بھی کمی نہ تھی۔ اپنے زمانے کے معیار کے مطابق وہ علوم و فنون میں بھی کسی قوم سے پیچھے نہ تھے۔ ان کی کاریگری، صناعت بھی لاجواب تھی۔ اگر ان چیزوں کو پیش نظر رکھا جائے تو ان قوموں کو تب و تاب سے عزت و اقبال سے زندگی بسر کرنی چاہیے تھی۔ ان کے

الْاٰخِرِيْنَ ۝١٧ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝١٨ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ

بھی (تباہ کر دیں گے) پچھلوں کو۔ گناہگاروں کے ساتھ ہم ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔ تباہی ہوگی اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٩ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝٢٠ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ

جھٹلانے والوں کے لیے۔ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا پھر ہم نے رکھ دیا اسے ایک

قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝٢١ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝٢٢ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝٢٣

محفوظ جگہ (رحم مادر) میں مل ایک مقررہ مدت تک ملے پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا پس ہم کتنے بہتر اندازہ لگانے والے ہیں ملے

اقتدار کو تقویت دینے تک بجا رہا لیکن اسے ابل کہ انہیں یہ جانتے ہو کہ انہیں آنا تانا باہلاک کر دیا گیا۔ اس کی وجہ اس کے اخیر کا یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے اعمال برے تھے جیسے ان کی سرکشیں قرنی ویل اور ان کے اخلاق بہت بگڑے ہوئے تھے۔ حبت یہ حرص کم تولنا کم ناپنا کمزوروں پر ظلم و تشدد ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ وہ عیش و عشرت میں بڑی دیدہ دلی سے اپنی دولت کو لٹاتے اور معصوم عصمتوں کو بڑی بے دردی سے لوٹتے۔ گراہی اور برائی میں بھی جن کے ان کے یوں گم ہونے کا سبب یہی تو تھا کہ انہیں اپنے محاسبہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اگر انہیں یہ خیال ہوتا کہ ایک روز انہیں اپنے رب کے روبرو پیش ہو کر حساب دینا ہے تو وہ یوں فسق و فجور میں غرق نہ ہو جاتے۔ روز حساب سے بے فکر ہو کر وہ فسق و فجور کی وادی میں دور تک چلے گئے یہاں تک کہ ان کی بداعمالیوں کے طبعی نتائج اس دنیا میں ہی ظاہر ہو گئے اور انہیں تہس نہس اور برباد کر دیا گیا۔ اے اہل مکہ! اگر تم بھی اسی قسم کے ہولناک انجام سے دوچار ہونا چاہتے ہو تو بے شک اس روش کو مت چھوڑو اور اگر تم اپنے آپ کو تباہ و برباد نہیں کرنا چاہتے تو روز قیامت پر ایمان لاؤ۔ صرف محاسبہ کے خوف سے ہی تمہارے بگڑے ہوئے دماغ درست ہو سکتے ہیں۔

ملے اپنی قدرت و حکمت کے ان شاہکار کرشموں کا ذکر کر کے وقوع قیامت کے امکان کی طرف انہیں متوجہ کیا جا رہا ہے۔ قرار مکین کے کلمات غور طلب ہیں۔ رحم مادر میں جب نطفہ قرار پکڑتا ہے تو اس کی حفاظت کے کتنے مکمل اور مضبوط انتظامات کیے جاتے ہیں کہ وہ بیرونی اثرات سے محفوظ رہ کر تمام تغیرات کے نازک ترین مرحلوں سے بخیر و خوبی گزر جاتا ہے۔ خارجی حوادث اس کی نشوونما میں آسانی سے دخل انداز نہیں ہو سکتے۔ ماں اپنے گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہے محنت و مشقت کے کام بھی وہ کیا کرتی ہے لیکن کسی غیر معمولی حادثہ کے سوا حمل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اسے خوراک بھی پہنچتی رہتی ہے۔ اسے حرکت کرنے میں بھی کوئی دقت نہیں ہوتی۔ ان امور پر غور کر لینے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا یقین ہو جاتا ہے اور یہ بات سمجھ آ جاتی ہے کہ جو خالق حکیم اور قادر مطلق ایسا محیر العقول کام کر سکتا ہے اس کے لیے قیامت کا برپا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

ملے اس مخصوص مدت تک جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ حالانکہ اب سائنس نے بھی کوئی آلہ ایجاد نہیں کیا۔

ملے یعنی ہم نے اس کے بارے میں تمام امور کا اندازہ کر لیا اور ان کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ ساتھ ہی فرما دیا کہ ہم سے

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾

تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۔ کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی ۔

اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ

(سمیٹنے والی) زندوں اور مُردوں کو ۔ اور ہم نے بنا دیے اس میں مضبوط جمے ہوئے اونچے اونچے پہاڑ اور ہم نے پلایا تمہیں

بشر کی تخلیق اور بیحکمت انداز کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے ۔ عن ابن مسعود قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو الصادق المصدوق ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما نطفۃ ثم یکون علقۃ مثل ذالک ثم یکون مضغۃ مثل ذالک ثم یبعث اللہ ملکا باربع کلمات فیکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی او سعید ثم ینفخ فیہ الروح (متفق علیہ)

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جو سچے ہیں اور آپ کی تصدیق کی گئی ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ چالیس دن تک وہ اپنی ماں کے شکم میں نطفہ کی صورت میں رہتا ہے پھر اتنی مدت وہ لوتھڑا کی شکل میں ہوتا ہے پھر اتنی مدت وہ گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ چار باتوں کے ساتھ ایک فرشتہ کو مبعوث کرتے ہیں ۔ اس وقت اس کا عمل ، اس کی مدت کار ، اس کا رزق اور یہ بات کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت لکھ دی جاتی ہیں پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے ۔

لے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس شاہکار کو دیکھتے ہیں اور پھر اس کے نبی کی تکذیب کرتے ہیں اور قیامت کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے قیامت کے دن تباہی و بربادی کے سوا اور کیا ہوگا

ملہ اے قیامت کا انکار کرنے والو ہماری قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا مشاہدہ کرو ۔ دیکھو کہ زمین کو ہم نے اس طرح پیدا فرمایا ہے کہ ہر قسم کی زندہ اور مردہ مخلوق اس کے دامن میں سما جاتی ہے ۔ ہر قسم کے جانداروں کے لیے ان کے مزاج کے مطابق رزق کا اہتمام اسی سے ہوتا ہے ۔ گوشت خوروں کے لیے گوشت ، سبزی خوروں کے لیے طرح طرح کے چارے ، سبزیاں ، ترکاریاں اور اناج پیدا ہو رہے ہیں ۔ اگر انسان کی اپنی بے تدبیری اور حرص و لالچ آڑے نہ آئیں تو کسی کو خوراک کی قلت کی شکایت نہ ہو ۔ بچے کچھے کھانے اور فضلات اور بلند عمارتوں کی تعمیر کے لیے جس قسم کے سامان کی ضرورت ہو وہ بآسانی دستیاب ہو سکتا ہے ۔ جب یہاں سے اپنی زندگی کے مقررہ دن پورے کر کے کوئی چیز رخصت ہوتی ہے تو یہی زمین ہے جو اس کا لاشہ اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے تھی اپنا سینہ چیر کر اسے اپنے اندر چھپا لیتی ہے ۔

ملہ ہماری حکمت کا ایک اور نظارہ کرنا چاہو تو ان فلک بوس پہاڑوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو ان کے شکموں میں قیمتی معدنیات کے انبار لگے ہیں ، کہیں نمک ہے ، کہیں کوئلہ ، کہیں تانبہ ہے ، کہیں چاندی ، کہیں سونا ہے اور کہیں فولاد ۔ ان کی بلندی سے دودھ جیسی سفید بہنے والی جھیلیں ، تمہارے لیے میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی بہم رسانی کے مرکز ہیں ۔ چشمے ابل رہے ہیں ، ندیاں بہہ رہی ہیں اور دریا رواں دواں ہیں ۔ پہاڑوں کے دامن میں وہ قامت درخت اگتے ہیں جو مکان بنانے کے کام آتے ہیں ۔ ان میں ان گنت ایسی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں جو تمہارے امراض کے لیے اکسیر

مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى

میٹھا پانی پلایا ۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ۔ (انہیں حکم ملے گا) چلو اس (آگ)

مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ

کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ۔ چلو اس سایہ کی طرف جو تین شاخوں

شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ

والا ہے ۔ نہ وہ سایہ دار ہے اور نہ وہ بچا سکتا ہے آگ کی لپٹ سے ۔ وہ (آگ) تو پھینکے گی (ایسی) چنگاریاں جو

نکل کر بہتی ہیں۔ اس کے علاوہ ملکوں کی قدرتی حد بندی، دوسروں کے حملوں سے حفاظت، ان کا غیر معمولی دخل بارشوں میں، ان کا حصہ کس کس فائدہ کو تم گن سکتے ہو۔ پھر ہماری رحمت کا یہ پہلو بھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہ رہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جو پانی اترتا ہے وہ ان کی گودوں میں بھی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ ہموار میدانوں میں بھی دریا رواں دواں ہیں اور جہاں دریا نہیں وہاں کنوئیں کھود کر، ٹیوب ویل نصب کر کے تم پانی کے زیر زمین خزانہ سے سیراب ہو سکتے ہو۔

۳۲؎ اگر ان کھلی دلیلوں کے باوجود قیامت پر ایمان نہ لاؤ گے تو پھر اس روز تم پر جو تباہی نازل ہوگی اس کے تم خود ذمہ دار ہو گے اور اسی کے مستحق ہو گے۔ ... جس میں کوئی چیز لپیٹ لی جائے ... کفات کہتے ہیں۔ ... بلند ضُرَّا عذاب بیشمار پانی۔

۳۳؎ جب قیامت برپا ہوگی اور حشر ہوگا کیونکہ دلائل کے بعد کسی صاحب عقل سلیم کے لیے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس وقت منکرین قیامت کو حکم ہوگا چلو اس جہنم کی طرف جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔ چلو اس سائے کی طرف جس کی تین شاخیں بلند ہو رہی ہیں۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ سایہ ٹھنڈا سایہ نہیں جس کے نیچے آگ کی تپش سے نجات مل جائے۔ بظاہر تو یہ سایہ معلوم ہوگا لیکن حقیقت میں یہ دھواں ہے اٹھتا ہوا دھواں ہے۔ اگر کوئی بھاگ کر اس کے نیچے پناہ لینا چاہے گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ اس کی کوئی چھاؤں نہیں۔ اس کے نیچے کھڑے ہو کر بھی اسے کوئی ٹھنڈک محسوس نہیں ہوگی۔ ... اٹھتے ہوئے دھوئیں کو آپ نے دیکھا ہوگا وہ ایک جگہ سے کیسے اٹھتا ہے جب وہ فضا میں بلند ہوتا ہے تو اس کی کئی شاخیں الگ الگ بننے لگتی ہیں۔ دوزخ سے جو دھواں اٹھے گا اس کی تین شاخیں ہوں گی۔

كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾ كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾

جیسے محل ۔ گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں ۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ﴿٣٦﴾

یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ بول نہ سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ

تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۔ یہ فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم نے تمہیں اور

وَالْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونِ ﴿٣٩﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

اگلوں کو جمع کر دیا ہے ۔ پس اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو میرے خلاف استعمال کرو ۔ تباہی ہوگی اس روز

۱۳ یہاں آتشِ جہنم کی ہولناکی کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ اس کی آگ سے جو شرارے اٹھیں گے وہ اتنے بڑے بڑے ہوں گے جیسے کوئی شاہی محل ہو ۔ بجھنے لگیں جیسے بجھ کے تو اس کے شرارے اور چنگاریاں ہوں گی اور ان کی رنگت زرد ہوگی ۔ دیکھنے سے یوں پتہ چلے گا جیسے زرد رنگ کے اونٹوں کی قطار جنگل میں پھیل گئی ہو ۔ پہلے ان کے حجم کا ذکر کیا اب ان کی ڈراؤنی رنگت کی کیفیت بیان کی ۔ بعض نے صُفر کا معنی سیاہ بھی کیا ہے ۔

۱۵ جنہوں نے اتنے خوفناک دن اور ایسے دردناک عذاب کو دنیا میں تسلیم نہ کیا بلکہ اس کا انکار کرتے رہے اس کا مذاق اڑاتے رہے وہ خود ہی بتائیں کہ قیامت کے روز ان کے مقدر میں تباہی، رسوائی اور ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ۔

۱۶ اس روز ان منکرین کا کیا حال ہوگا ۔ شدید خوف کے مارے ان کی گھگھی بندھ جائے گی ۔ قوتِ گویائی سلب ہو جائے گی ۔ جو وقت قینچی کی طرح تیز چلنے والی زبان ایک لفظ بھی نہ بول سکے گی ۔

۱۷ دنیا میں حیلہ سازی کے فن میں وہ بڑی مہارت رکھتے تھے ۔ جب کہیں پھنس جاتے کوئی نہ کوئی ایسا عذر تراشتے کہ ان کی گلوخلاصی ہو جاتی ۔ ان کو اپنی اس قابلیت پر بڑا ناز تھا اور اسی چیز نے انہیں بدکاریوں پر دلیر کر دیا تھا ۔ دنیا میں تو بے شک ان کی یہ مہارت مسلّم تھی لیکن قیامت کے دن ان کے لبوں کو سی دیا جائے گا اور انہیں کسی قسم کا عذر بہانہ پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی ۔

۱۸ جب وہ اس طرح پھنسے ہوں گے تو ان کی تباہی و بربادی میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے ۔

۱۹ انہیں کہا جائے گا یہ مکہ کا بازار نہیں، یہ عکاظ کا میلہ نہیں [illegible] جو کسی [illegible] میں آئے بکتا چلا جائے ۔ یہ مقامات [illegible] کے فیصلے کا دن ہے ۔ یہاں کسی بدکار منکر کو یاوہ گوئی کی اجازت

لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٠﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ ﴿٤١﴾ وَفَوَاكِهَ

جھٹلانے والوں کے لیے ۔ ۲۱ بے شک پرہیزگار اللہ کی رحمت کے سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے اور (وہاں) پھلوں میں ہوں گے

مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا

جن کو وہ پسند کریں گے (انہیں کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو ان اعمال کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے ہم

كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾ كُلُوا

یونہی صلہ دیا کرتے ہیں نیکوکاروں کو ۲۲ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۲۳ (دوزخیو!) اب

نہیں مل سکتی۔

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ان پر فرد جرم ثابت ہو جانے کے بعد فرشتوں کے کہے جانے پر ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان پر گواہی دے چکے ہوں گے۔ اس سے پہلے تو وہ بڑے سیانے بنیں گے۔ کبھی کہیں گے ہم دنیا میں دن بھر کے لیے گئے اور واپس بلا لیے گئے۔ اس قلیل مدت میں ہم کیا کرتے۔ کبھی کہیں گے کہ ہمارے پاس آپ کا بھیجا ہوا کوئی رسول نہیں آیا اور نہ کسی نے ہم کو خواب غفلت سے جگایا ہے اور بعض کفار اور بدکار تو اپنے آپ کو بالکل معصوم عن الخطا کہیں گے کہ ہم نے زندگی بھر میں کوئی نافرمانی نہیں کی، کوئی حکم عدولی نہیں کی۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن جب دلائل سے ان کا مجرم ہونا ثابت ہو جائے گا اس وقت ان سے قوت گویائی سلب کر لی جائے گی۔

۲۰ تمہیں اپنی چالاکی اور عیاری پر بڑا گھمنڈ تھا۔ دنیا میں تم اپنے دشمنوں کے خلاف بڑی خطرناک چالیں چلا کرتے تھے۔ اے بڑے عیارو! بڑے چالبازو! اگر تمہاری پٹاری میں اب کوئی مکر، کوئی چال ہو تو اسے باہر نکالو اور اسے ہمارے خلاف استعمال کرو، ہم بھی تو دیکھیں تمہیں اس فن میں کتنا کمال حاصل ہے۔ لیکن اس وقت انہیں جان کے لالے پڑے ہوں گے۔ بھڑکتے ہوئے دوزخ کو سامنے دیکھ کر ان پر جو سکتے کی کیفیت طاری ہوگی، بجز خاموشی کے کوئی چارہ نہ ہوگا۔

۲۱ اس دن جھٹلانے والوں کے مقدر میں ہلاکت و تباہی ہوگی، وہ آج کیوں اس تباہی سے بچنے کے لیے فکر نہیں کرتے۔

۲۲ مجرموں کے ساتھ تو یہ سلوک ہوگا لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے گزاری، اس کے احکام کی پابندی کرتے رہے، قیامت کے خوف سے ہی ان کے دل لرزتے رہے۔ ان پاکباز اور نیک بخت لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اب اس کا بیان ہو رہا ہے۔

۲۳ اہل جنت کے ذکر کے بعد اس جملے کو دہرانے میں کیا حکمت ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں: حيث نال اعداءهم هذا الثواب العظيم وهم في العذاب الاليم۔ یعنی ان کے دشمن جن کو وہ ہر روز ستایا کرتے تھے، ان پر ظلم توڑتے رہے الخ

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾

کھا لو اور عیش کر لو تھوڑا سا وقت، بے شک تم مجرم ہو ۴۶ تباہی ہو گی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے اپنے رب کے سامنے جھکو تو نہیں جھکتے ۴۸ تباہی ہو گی اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۲

جھٹلانے والوں کے لیے ۴۹ آخر کس بات پر وہ اس کتاب کے بعد ایمان لائیں گے؟ ۵۰

طرح طرح کی انگشت نمائیاں کرتے رہتے، ان کو حقیر و نادان سمجھتے تھے، وہ آج اپنے پروردگار کے پاس فردوس بریں میں اس کے لطف و کرم سے متلذذ ہو رہے ہیں۔ فرشتے، غلمان اور حوریں ان کی ناز برداریاں کر رہی ہیں اور یہ جو بڑے معزز اور صاحب منصب بنے ہوئے تھے آج اس ذلت میں گرفتار ہیں۔

۴۶۔ سورت کے اختتام سے پہلے منکرین قیامت کو پھر جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ تھوڑا عرصہ کے لیے خوب سیر ہو کر کھا لو، ڈھیروں مزے اور رنگ رلیاں جو تمہیں حاصل ہیں ان سے جی بھر کر لطف اٹھا لو، یہ رونق میلہ چند روزہ ہے۔ درحقیقت تم بدترین مجرم ہو، صرف مہلت کی مدت گزرنے اور حقیقت کو ظاہر ہونے کا انتظار ہے، تمہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

۴۸۔ یعنی کفار کو جب کہا جاتا ہے کہ سرکشی اور نافرمانی کی روش ترک کر دو اور اپنے رب کے حضور میں تواضع و انکساری اختیار کرو، اس کے احکام کے سامنے اپنی اکڑی ہوئی گردنیں جھکا دو، اس کے رسول کے فرمان کو قبول کر لو اور نماز پڑھا کرو تو انہیں یہ بات سمجھ ہی نہیں آتی۔ نماز کو ادا کرنے کے لیے ان کے دل میں شوق پیدا ہی نہیں ہوتا۔ رکوع سے مراد پوری نماز ادا کرنا ہے۔ نماز کو رکوع سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بنی ثقیف کو جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور نماز کا طریقہ بتایا تو کہنے لگے کوئی ایسی نماز بتائیں جس میں یہ رکوع اور سجدہ نہ ہو۔ ہم ثقیف کے لیے یوں جھکنا اور پھر زمین پر منہ کے بل گر پڑنا بڑے عیب کی بات ہے۔ تو حضور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لاخیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا سجود۔ اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رکوع و سجود نہیں۔ وہ مسکین جو اپنے رب کو سجدہ نہیں کر سکتے، رکوع نہیں کر سکتے، نماز ادا نہیں کر سکتے اور پھر مسلمان ہونے کے مدعی بھی ہیں اور اس انداز پر خوش بھی ہیں، وہ اپنے انجام کے بارے میں خود سوچ لیں۔

۵۰۔ جن لوگوں کی پیشانیوں کو اپنے رب کی جناب میں سجدہ کرنے اور جھکنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، بار بار سمجھانے کے باوجود وہ اس شرف سے محروم ہے، ان کے لیے روز قیامت بجز ویل و ہلاکت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

۲۷ء اگر وہ عقل و خرد سے کام لیتے اور غور و فکر کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے تو قرآن کریم کے چشمہ صافی و شیریں سے وہ اپنی تشنہ لبی کا درماں کر لیتے۔ اس آفتاب ہدایت کے انوار سے وہ اپنی زندگی کی جلوتوں اور خلوتوں کو روشن کر لیتے۔ لیکن ان بدنصیبوں نے ایسا نہیں کیا۔ اب اس کے بعد اس سے زیادہ موثر، اس سے زیادہ تیز اس سے زیادہ حقیقت افروز کتاب انہیں کہاں نصیب ہوگی کہ وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ وہ اول بدبخت ہیں۔ ان کی قسمت میں ہدایت کی نعمت ہے ہی نہیں۔

○

اللھم إياك نعبد وإياك نستعين ونستعين وإليك نسعى ونحفد ونرجو رحمتك ونخشى عذابك إن عذابك بالكفار ملحق۔ اللھم صل وسلم وبارك على سيدنا ومولانا ونبينا وشفيعنا

محمد

المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله وأصحابه ومن أحبه واتبعه إلى يوم الدين۔ رب أوزعني أن أشكر نعمتك التي أنعمت علي وعلى والدي وأن أعمل صالحا ترضاه وأصلح لي في ذريتي إني تبت إليك وإني من المسلمين۔ فاطر السموات والأرض أنت ولي في الدنيا والآخرة توفني مسلما وألحقني بالصالحين۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورَۃُ النبأ

نام : اس سورت مبارکہ کا نام النبأ ہے جو دوسری آیت سے ماخوذ ہے۔ اس کے علاوہ اسے سورۂ عم، سورت تساءلون اور المعصرات بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دو رکوعوں اور چالیس یا اکتالیس آیتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد ۱۷۳ اور حروف کی تعداد ۹۷۰ ہے۔

نزول : باتفاق علماء یہ عہد نبوت کی ابتداء میں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات جیسے تو اہل مکہ کے لیے حیرت انگیز تھی۔ وہ لوگ حضور کی باتیں سنتے اور حضور کے اعمال کا مشاہدہ کرتے تھے قرآن پڑھ کر حبیب مکرم کی سرایکی طاری ہو جاتی ہے۔ سب سے زیادہ جس چیز نے انہیں پریشان کر رکھا تھا وہ نبی کریم کا یہ ارشاد تھا کہ اس جہان رنگ و بو کے بعد ایک اور جہان بھی ہے۔ اس چند روزہ زندگی کے بعد ایک ایسی زندگی بھی ہے جس کی انتہا نہیں۔ قیامت کے دن انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو قبروں سے نکال کر رب کائنات کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہاں اُن سے اُن کے چھوٹے بڑے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ ان کی عقل جس کی دقیقہ سنجی پر انہیں بڑا گھمنڈ تھا اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھی۔ ہزاروں صدیوں کی پہنائیوں میں اُن کی مشت غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کون جمع کرے گا اور پھر ان میں رُوح کیسے پھونکی جائے گی۔ وہ اس مسئلہ پر شب و روز غور کرتے آپس میں بحث و تمحیص کرتے ان کی مجلسوں میں اس موضوع پر گرما گرم مذاکرے ہوتے لیکن وہ کسی صورت میں وقوع قیامت کو ماننے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ پاتے۔ اس زمانے میں ایک نفسیاتی جھجک بھی سد راہ بنی ہوئی تھی اگر وہ وقوع قیامت کو تسلیم کرتے ہیں تو ان کی زندگی کا سارا نقشہ تلپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس معاشرہ میں انہیں لوٹ کھسوٹ کی جو آزادی میسر تھی، عیش و طرب کی محفلیں جن میں سرور اور سرمست جوانیاں ساری ساری رات محو رقص رہا کرتیں بادۂ ارغوانی کے بلوریں جام مصروف گردش رہتے، حسب کسی ضرورت استعمال کا استعمال مباح تھا۔ جہاں جی چاہا اپنے مقروض سے من مانی شرح پر سود لیا کرتا تھا اگر وہ روز حساب پر ایمان لاتے ہیں تو اُن کو تمام لغویات سے دست کش ہونا پڑتا ہے جس کے لیے وہ تیار نہ تھے۔ اس سنگ گراں کو ان کی راہ سے ہٹانے کے لیے قرآن کریم میں متعدد بار بڑے زور شور سے بڑے زوردار دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ میں بھی یہی موضوع زیر بحث ہے۔

پہلے تو دو ٹوک الفاظ میں یہ بتا دیا کہ تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ قیامت ضرور برپا ہوگی تم خود اپنی آنکھوں سے

اس کا مشاہدہ کرو گے اور اس کا اعتراف بھی کرو گے لیکن اُس وقت تمہارا قیامت پر ایمان لانا تمہیں جہنم سے بچا نہ سکے گا۔

پھر اُن کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ اُن کے منتشر ذرّوں کو کیسے جمع کیا جائے گا۔ بتایا کہ ان ذرّوں کو جمع کرنے والا وہ قادرِ مطلق اور حکیم و علیم خدا ہے جس کی قدرت اور حکمت کے جلوے قدم قدم پر اس کی کبریائی کی گواہی دے رہے ہیں جو ایسے محیر العقول کام سر انجام دے سکتا ہے اس کے لیے تمہیں از سرِ نو زندہ کرنا قطعاً مشکل نہیں ہے۔

اس کے بعد قیامت برپا کرنے کی حکمت بتائی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان ساری عمر لوگوں پر ظلم و ستم کرتا رہے تو بدلہ کو خوش نصیب رہے، داد عیش دیتا رہے، اپنے خالق کی نافرمانی کرتا رہے اور دوسرا شخص ساری عمر بنی نوعِ انسان کی خدمت کرتا رہے دکھیوں کی غمگساری، محتاجوں کی امداد، یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی کرتا رہے۔ اپنے ربِّ کریم کی اطاعت سے سرِ مو انحراف نہ کرے ان دو شخصوں کے عملوں میں اتنے سنگین تفاوت کے باوجود اس کا نتیجہ یکساں رہے۔ اس سے بڑی ناانصافی اور کیا ہو سکتی ہے۔ بتا دیا کہ قیامت برپا کرنے میں حکمتِ الٰہی یہ ہے کہ بدکاروں کو ان کی بدی کی سزا دی جائے اور نیکوں کو اُن کی نیکی کا عظیم مرحمت فرمایا جائے۔

آخر میں اُس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا جس میں اکثر کفار مبتلا تھے۔ وہ کہا کرتے کہ اگر قیامت آ بھی گئی تو اُس روز بھی اللہ کی نعمتیں ہمیں ہی ملیں گی۔ جیسے جو عزت اور سرفرازی اس دُنیا میں نصیب ہے۔ قیامت کے دن بھی یہ ہمیں نصیب ہوگی۔ ہمارے جاں نثار خدام اور وفادار غلام اس وقت ہمارے ارد گرد حلقہ زن ہوں گے۔ اگر کسی فرشتہ نے ہماری طرف دست تعدی دراز کیا تو ہمارے دو منزل جواں سال اور بہادر بیٹے اُن کو مزا چکھا دیں گے اور یہ ہمارے بُت جن کی ہم پرستش کرتے ہیں قیامت کے دن ہماری شفاعت کریں گے اس لیے ہمیں دوزخ کا کوئی اندیشہ نہیں۔ ان کو کھول کر بتا دیا کہ اس قسم کی خام خیالیوں کو اپنے دل سے نکال دو۔ وہاں کسی کی مجال نہ ہوگی کہ دم مار سکے۔ شفاعت کے لیے وہی زبان کھول سکے گا جس کو رحمٰن و رحیم نے منصبِ شفاعت پر سرفراز کیا ہوگا۔ تمہارے یہ بُت اُس روز خود دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ تمہاری نجات کا انہیں کب خیال ہوگا۔ آخر میں تنبیہ فرما دی کہ آج راہِ حق اختیار کر لو۔ اس فرصت کو غنیمت جانو ورنہ قیامت کے روز تمہاری حالت اتنی ناگفتہ بہ ہوگی کہ تم اپنی زندگی سے بے زار ہو گے اور بصد حسرت یہ کہہ رہے ہو گے يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۞ (کاش کہ میں مٹی ہو جاتا)۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۶-۴-۷۷

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ النبا مکی ہے، اور یہ چالیس آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ

وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں؟ کیا اس بڑی اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جس میں وہ اختلاف

مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥ اَلَمْ نَجْعَلِ

کر رہے ہیں۔ ہرگز نہیں، وہ یقیناً جان لیں گے۔ پھر ہرگز نہیں، وہ جان لیں گے کہ قیامت برحق ہے۔ کیا ہم نے نہیں

۱۔ یہ سورت ان سورتوں میں سے ایک ہے جو اعلانِ نبوت اور آغازِ دعوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جس ہمہ گیر انقلاب کے داعی بن کر تشریف لائے تھے اس کی کامیابی کا انحصار عقیدۂ قیامت پر تھا اور اسی عقیدہ کو تسلیم کرنا کفار مکہ کے لیے ازحد مشکل تھا۔ اس لیے اس سورت میں بھی قیامت کے بارے میں کفار کی غلط فہمیوں کو دور کیا جا رہا ہے اور ان کے سامنے اپنی قدرت کاملہ کے ایسے دلائل پیش کیے جا رہے ہیں کہ اگر وہ تعصب سے بلند ہو کر ان میں غور کریں تو انہیں وقوعِ قیامت پر یقین آجائے اور اس کے انکار میں جو گرہیں لگی ہیں وہ ان پر آشکارا ہو جائیں۔

عَمَّ، اصل میں عن ما تھا۔ ما استفہامیہ پر جب حرف جار داخل ہو تو تخفیف کے لیے الف کو گرا دیتے ہیں جیسے لِمَ، بِمَ، فِيمَ وغیرہ۔ اس طرح ما استفہامیہ اور خبریہ میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ پوچھا جا رہا ہے کہ یہ کفار کس موضوع پر تبادلہ خیال کرتے رہتے ہیں، کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ دوسری آیت میں خود بتا دیا کہ یہ بحث و تمحیص، یہ چہ میگوئیاں ایک بڑی اہم خبر کے بارے میں ہو رہی ہیں۔

علامہ راغب لکھتے ہیں والنبأ خبر ذو فائدة عظيمة۔ نبأ اس خبر کو کہتے ہیں جس میں بہت بڑا فائدہ ہو۔ اس کو عظیم کی صفت سے موصوف کیا یعنی غیر معمولی قسم کی خبر جس کا جاننا نہ جاننا برابر نہیں بلکہ اس خبر کا بہت بڑا فائدہ ہے اور یہ اپنی ذات میں بہت بڑی اور اہم ہے۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ اس سے مراد قیامت کے وقوع کی خبر ہے۔

۲۔ فرمایا کہ ان کی چہ میگوئیوں اور بحث و تمحیص کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس کے بارے میں وہ متفق الرائے نہیں ہیں مگر بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں۔ اس کے بارے میں ان کی آرا کے اختلاف کی کوئی حد نہیں۔ بعض لوگ وقوعِ قیامت کو اس لیے ناممکن کہتے ہیں کہ ان کے

کے نزدیک یہ عالم قدیم ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ نیلگوں آسمان، اس میں آویزاں ہزاروں چمکتے دمکتے ستارے، یہ سورج، یہ چاند، یہ فلک بوس پہاڑ، یہ مختلف عناصر، یہ سب چیزیں ہمیشہ ہمیشہ یونہی برقرار رہیں گی۔ ان کے درہم برہم ہوجانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ان کو درہم برہم کر دینا کوئی عاقلانہ فعل ہے۔ اس لیے قیامت کے بارے میں جو کچھ ہمیں بتایا جارہا ہے یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ ہماری صرف یہی دنیوی زندگی ہے، اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں۔ وہ کہتے ہیں ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین (سورۃ الانعام آیت ۲۹) یعنی ہماری یہی دنیوی زندگی ہے اور ہمیں دوبارہ زندہ کرکے ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے وہ کہا کرتے۔ من یحیی العظام وھی رمیم۔ جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی اور مٹی میں مل جائیں گی اور ذرے کے ذرے کئی جگہوں ادھر ادھر بکھر جائیں گے تو پھر ان بکھرے ہوئے ذروں کو جمع کرنا ناممکن ہے۔ اور بعض لوگ قیامت کو ناممکن تو خیال نہیں کرتے تھے لیکن انہیں یہ یقین نہ تھا کہ قیامت ضرور آئے گی۔ وہ گومگو کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین۔

اور بعض اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ پہلے تو قیامت برپا نہ ہوگی اور اگر بالفرض محال برپا ہو بھی گئی تو اس روز بھی اللہ تعالیٰ اپنے الطاف و احسان سے ہمیں ہی سرفراز کرے گا۔ یہ لوگ جو آخرت کے منکر ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا اس روز بھی کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔ ان میں سے کئی ایسے لوگ بھی تھے جنہیں علمائے نصاریٰ کے پاس اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملتا تھا اور ان کی باتوں سے متاثر ہو کر وہ اگرچہ جسمانی معاد کے قائل تو تھے لیکن روحانی معاد کو وہ تسلیم کرتے تھے اور بعض تناسخ کے قائل تھے کہ روح اپنے نیک و بد اعمال کے بعد جسم بدلتی رہتی ہے وغیرہ وغیرہ، جتنے منہ اتنی باتیں۔

سے ان آیتوں میں کلا کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ علامہ بدرالدین زرکشی نے اپنی کتاب البرہان فی علوم القرآن میں اس کی خوب تحقیق کی ہے۔ وہیں سے استفادہ کرتے ہوئے یہ چند سطور پیش خدمت ہیں

سیبویہ کے نزدیک کلا حرف ردع اور زجر ہے

صفار کہتے ہیں یہ اسم ہے اور کسی کلام کو مسترد کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون قال کلا یعنی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے۔ آپ نے ان کے اس کلام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کلا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ فرعون ہمیں پا نہیں سکتا ہے اور نہ ہمارا راستہ روک سکتا ہے۔ اور کبھی یہ حقا کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اب یہ کیسے معلوم ہو کہ کلا ردع اور زجر کے لیے مستعمل ہوا ہے یا حقا کے معنی میں مستعمل ہے تو علامہ زرکشی کہتے ہیں کہ اگر وقف کلا پر ہو تو اس وقت یہ ردع اور زجر کے معنی میں ہوگا اور کلا سے پہلے وقف ہو اور کلا سے اگلے جملے کی ابتدا ہو تو اس وقت یہ حقا کے معنی میں ہوگا۔ ان دو آیتوں میں کلا سے پہلے کی آیت ختم ہے اور وقف اس سے پہلے ہے اس لیے یہاں حقا کے معنی میں ہوگا۔ ومنہم من نظر الی المعنیین فیقف علیها اذا کانت بمعنی الردع ویبتدئ بها اذا کانت بمعنی التحقیق وهو اولیٰ والرازی ہے۔ اختلاف صرف اولیت میں ہے۔ اگر اسے ردع اور زجر کے معنوں میں لیا جائے تو یہ جملہ زرکشی اس کی ترکیب کے متعلق لکھتے ہیں۔ وتکون کلا بمعنی حقا عند الکسائی وتوجیهه انها تاکید تکون فی موضع المصدر ویکون موضعها نصا علی المصدر والعامل محذوف ای احقق ذلک حقا۔ البرہان یعنی کسائی کے نزدیک کلا حقا کے معنی میں ہوگا اور اس سے جملے کی ابتدا ہوگی۔ اس کا مقصد بعد میں آنے والے کلام کی تاکید کرنا ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ مصدر ہوگا اور اس کا عامل محذوف ہوگا اور منصوب ہوگی۔

الْأَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ وَّجَعَلْنَا

بنا دیا زمین کو بچھونا ؎ اور پہاڑوں کو میخیں ؎ اور ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں جوڑا جوڑا ؎ اور ہم نے بنا دیا ہے

نے علامہ زمخشری کی تحقیق کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

علامہ قرطبی نے بھی کلا کا معنی حقا ذکر کیا ہے۔ ای حقا لیعلمون (قرطبی)۔

ستعلمون کا مفعول مذکور نہیں لیکن سیاق کلام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نبأ عظیم ہے جس کے متعلق وہ چہ میگوئیاں کر رہے ہیں اور جیسے پہلے بتایا گیا ہے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد قیامت ہے۔

؎ منکرین قیامت سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا ہم نے اس کرۂ ارض کو تمہارے لیے بچھونے کی طرح آرام دہ نہیں بنا دیا۔ تمہاری بقا، تمہاری نشوونما اور آرام و آسائش کے لیے جو جو چیزیں مطلوب تھیں سب کی سب بڑی فیاضی سے تمہارے لیے مہیا کر دی گئی ہیں۔ سبزہ زار، چھوٹے بڑے میدان، ان میں لہلہاتے ہوئے کھیت، سرسبز باغات، ابلتے ہوئے چشمے، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے دریا کس نے بہا دیے ہیں۔ جس علیم و قدیر نے تمہیں زندہ و سلامت رکھنے کے لیے کمال حکمت سے ہر چیز فراہم کر دی ہے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔

؎ ذرا ان سلسلہ ہائے کوہ کی طرف دیکھو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کیل کی طرح انہیں زمین میں گاڑ دیا گیا ہے تاکہ ان کے وزن سے کرۂ زمین کی اضطرابی حرکت رک جائے۔ اس کے علاوہ ان پہاڑوں میں تمہارے لیے ان گنت فوائد و منافع ہیں۔ جو ذات اتنے بڑے بڑے پہاڑ پیدا کر سکتی ہے اس کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ مشت بھر کے انسان کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتی کتنا بڑا دھوکہ ہے۔

؎ اگر تمہاری نظر اتنی بینا نہیں کہ وسیع زمین اور فلک بوس پہاڑوں میں اس کی حکمت کے جلووں کو دیکھ سکو تو آؤ! اپنی ذات میں غور کرو۔ اس نے تم سب کو مرد ہی پیدا نہیں کیا اور نہ سب کو عورتیں بنایا، تم خود سوچو مرد و زن دونوں کی تخلیق اسی قطرۂ آب سے ہوتی ہے، ایک ہی رحم میں نشوونما پاتے ہیں، خوراک بھی دونوں کو یکساں ہے، لیکن کسی کو لڑکا بنا دیا اور کسی کو لڑکی۔ ایک باپ بننے کے قابل ہے دوسری ماں بننے کے قابل ہے۔ جسے باپ بنانا ہے اس کو تمام ایسے آلات، قوتیں اور صلاحیتیں بخش دی ہیں جس کے باعث وہ باپ بننے کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔ جس کو ماں بنانا ہے وہ ماں بننے کی تمام جسمانی و نفسیاتی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے۔ اگر تمہیں جوڑا جوڑا نہ بنایا جاتا تو افزائش نسل کیسے ہوتی۔ اگر تم جوڑا جوڑا پیدا نہ کیے جاتے تو زندگی کا یہ کٹھن سفر کیف و رنگ سے محروم ہوتا۔ جس ذات پاک نے نسل انسانی کو مرد و زن میں تقسیم کر کے ان کی تمام جنسی ضروریات کا اہتمام کیا ہے اس کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝

تمہاری نیند کو باعث آرام ۹ نیز ہم نے بنا دیا رات کو پردہ پوش ۱۰ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے بنایا ۱۱

۹ اگر ان باتوں میں غوطہ زنی کی تمہیں مہلت نہیں تو ذرا اپنی نیند اور بیداری کی دو مختلف حالتوں میں غور کرو۔ بیداری کی حالت میں تم ذہنی یا جسمانی مشقت کرتے ہو تم تھک کر چور ہو جاتے ہو۔ تم میں مزید کام کرنے کی سکت باقی نہیں رہتی اچانک نیند تمہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ کچھ وقت کے لیے تم دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہو۔ سب تفکرات اور اندیشوں سے تمہیں نجات مل جاتی ہے۔ کچھ دیر سو لینے کے بعد جب تم بیدار ہوتے ہو تو ذہنی و ماندگی اور جسمانی تھکاوٹ کافور ہو چکی ہوتی ہے۔ جوش و نشاط کی کیفیت عود کر آتی ہے اور تم از سر نو جدوجہد زندگی کا آغاز کر دیتے ہو۔

سو ہم نے ہی تمہارے لیے نیند کو آرام و راحت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اگر ہم تمہیں نیند کی نعمت سے محروم کر دیں تو یہ زندگی تمہارے لیے موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ بن جائے اور دنیا کی ساری لذتیں بے کیف ہو جائیں۔ یہ میری قدرت ہے جس نے نیند جیسی موت کی بہن کو کہا کرتے ہیں کو ہم نے فرحت و نشاط کا سرچشمہ بنا دیا ہے۔ جس کی قدرت کا یہ عالم ہے کیا اس کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا ناممکن ہے۔ کچھ تو انصاف سے کام لو۔

لفظ سبات کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: وجعلنا نومکم سباتا ای قطعا للعمل وصل السبت القطع والسبات الراحت کا معنی کسی چیز کے تسلسل کا منقطع ہو جانا جب انسان کو نیند آتی ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور وہ بے حس و حرکت پڑا رہ جاتا ہے۔ حکیم جوہری اپنی صحاح میں لکھتے ہیں: السبات النوم واصلہ الراحۃ منہ قولہ تعالٰی وجعلنا نومکم سباتا یعنی سبات کا اصل معنی راحت و سکون ہے اور اس آیت میں سبات اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

۱۰ ذرا شب و روز کے اس تسلسل پر غور کرو۔ رات آتی ہے ساری کائنات پر اپنا سیاہ لبادہ ڈال دیا جاتا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی چیز اس میں لپیٹ کر رہ جاتی ہے۔ جو کام دن کے اجالے میں تم نہیں کر سکتے وہ رات کی گھپ تاریکی میں تم بلا تکلف انجام دے سکتے ہو۔ دن بھر کی تگ و دو کے بعد تم گھر واپس آتے ہو اپنے بال بچوں کے ساتھ رات بسر کرتے ہو تمہیں رات کے تاریک سناٹوں میں جو آرام ملتا ہے اور جو میٹھی نیند تم سوتے ہو وہ آرام اور میٹھی نیند دن کے اجالے میں کہاں نصیب ہوتی ہے۔ شیطان اور نفس کے پرستار رات کو ہی اپنے عشرت کدوں کی رونق بڑھاتے ہیں اور خدا کے نیک بندوں کے لیے رات کا عالم ہی حسین ہے جب ساری دنیا سو رہی ہوتی ہے اور وہ سجدے میں پڑے اپنے مالک سے بخشش مانگ رہے ہوتے ہیں اپنے گزشتہ غفلت پر آنسو بہا رہے ہوتے ہیں۔ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی کہ کسی نے کیسی رات گزاری ہے۔ رات کو ایسا لباس اور مکمل پردہ ہم نے بنایا ہے۔

۱۱ معاشا ای سببا للمعاش (مظہری) رات کے برعکس جب دن کا سپیدہ نمودار ہوتا ہے اور ہر چیز نظر آنے لگتی ہے تو ہر چیز جاگ اٹھتی ہے۔ زندگی کی رکی ہوئی گاڑی پھر حرکت کرنے لگتی ہے۔ بازار کھل جاتے ہیں۔ منڈیوں میں چہل پہل شروع ہو جاتی ہے۔ کاشت کار اپنے کھیتوں میں چل پڑتے ہیں۔ غرضیکہ طلوع صبح ہوتے ہی کسب معاش کے لیے جدوجہد و تگ و دو کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿١٣﴾ وَّاَنْزَلْنَا

اور ہم نے بنائے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) ؎ اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا ؎ اور ہم نے برسایا

مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَّجَنّٰتٍ

بادلوں سے موسلا دھار پانی ؎ تاکہ ہم اگائیں اس کے ذریعہ اناج اور سبزی نیز گھنے

؎ ہماری قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی کاریگری کی شان ملاحظہ کرنی ہو تو ان آسمانوں کی اس نیلگوں چھت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو چودہ صدیاں بیت چکی ہیں اس سائبان کو تنے ہوئے ہیں۔ لیکن شکست وریخت کا کوئی نشان اس میں نظر آتا ہے کہیں کوئی شگاف کوئی سلوٹ کوئی جھول ہرگز نہیں۔ ینقلب الیک البصر خاسئا وھو حسیر۔ بار بار دیکھو، طاقت ور دوربینیں لگا کر دیکھو تمہیں کہیں کوئی دراڑ اور بوسیدگی کی کوئی علامت دکھائی نہ دے گی۔ ان کو اتنا مضبوط بنایا گیا ہے کہ بے شمار ستارے اس میں محو گردش ہیں، لیکن کسی کی مجال نہیں کہ اپنے مدار سے سر مو سرک سکے تیز رو ہوں یا سست گامی کا مظاہرہ کرے۔ یا یہ نظام اور یہ ان کے لیے مقرر ہے اس میں ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر نہ ہو۔ تم ہماری قدرت و طاقت کے اس کرشمہ پر غور کرو پھر بتاؤ کہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے کیا مشکل ہے۔

؎ سراج سے مراد سورج ہے۔ اس کو وہاج کی صفت سے موصوف کیا۔ الوھاج، ھو مفع النور والحرارۃ وہاج اس کو کہتے ہیں جو نور اور حرارت کا منبع ہو۔ مشہور مفسر علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔ جعل بیھا نورا وحرارۃ والوھج یجمع النور والحرارۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج میں نور اور حرارت دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

وہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے عالم کو منور کر رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ ہم ہیں۔ حد درجہ روشن ہی نہیں گرم بھی ہے۔ روشنی اور حرارت دونوں زندگی کا سرچشمہ ہیں۔ اہل علم سے مخفی نہیں کہ کائنات کی یہ ساری گہما گہمی، گلشن ہستی کی یہ حسن آرائیاں اور جلوہ آفرینیاں نور اور حرارت دونوں کا کرشمہ ہیں۔ اگر اس میں صرف نور ہوتا یا صرف حرارت ہوتی تو زندگی نام کی کوئی چیز یہاں نہ پائی جاتی۔

اس سورج کے بارے میں اگر انسان غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ ہونے کا یقین حاصل ہوتا ہے۔ زمین کے حجم سے اس کا حجم تیرہ لاکھ چونتیس ہزار گنا بڑا ہے۔ زمین سے اس کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ اس کا درجہ حرارت ایک کروڑ چالیس لاکھ ڈگری سینٹی گریڈ ہے۔ اس کا قطر آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار میل ہے جو زمین کے قطر سے ١٠٩ گنا ہے۔ آپ اس پر حیران ہوں۔ بعض ستارے سورج سے بھی بڑے ہیں کئی ایسے بھی ہیں جن کا قطر سورج کے قطر سے ہزار گنا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

زمین سے اتنا دور ہونے کے باوجود مناسب مقدار میں روشنی بھی پہنچا رہا ہے جس کے باعث اس کا چپہ چپہ روشن ہے اور مناسب مقدار میں حرارت بھی فراہم کر رہا ہے جس سے انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی برقرار ہے۔ زمین سے اس کی مناسب دوری، اس کے طلوع و غروب کا انتظام، موسموں کا تغیر و تبدل، سال کا آنا جانا، ہر چیز پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ اس کو بنانے اور روشن کرنے والا، اس کو مناسب دوری پر رکھنے والا، اس کے منظم طلوع و غروب کا ایک عمل پر مرتب کرنے والا قادر مطلق ہی ہے۔ حکیم کامل ہے اور علیم بھی۔

؎ معصرات، ھی الریاح تعصر السحاب یعنی معصرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو نچوڑتی ہیں اور بارش برستی ہے۔ معصرات ان بادلوں کو بھی کہتے ہیں جو بارش کے پانی سے لدے ہوتے ہیں اور ابھی انہوں نے برسنا شروع نہیں کیا ہوتا۔ قال الفراء المعصرات السحاب

اَلْفَافًا ؕ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۙ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ

باغات ۱۷ بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے ۱۸ جس روز صور پھونکا جائے گا تو

ثجاجا: شدید البہاؤ۔ ثجاجا صبابًا متدفقًا۔ پانی کا زور سے گرنا۔ موسلا دھار بارش۔

۱۳ یعنی بادلوں سے پانی کو موسلا دھار برسانے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس سے اناج اور سبزیاں اگائیں جو تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے ہر قسم کا چارہ اگاتے ہیں اور اس کے پانی سے گھنے باغات پیدا کر دیتے ہیں جن کی شاخیں ایک دوسرے میں الجھی ہوئی ہوں۔ یہ سب چیزیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے شاہکار ہیں جو اس کی حکمت بالغہ اور علم محیط کی گواہی دے رہی ہیں۔ جس کی قدرت کے حیرت انگیز نمونے تم دیکھ چکے ہو خود انصاف سے بتاؤ کیا تمہیں دوبارہ زندہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا نیز اس کی بے پایاں حکمت کے جلوے ملاحظہ کرنے کے بعد کیا تم اس کے بارے میں یہ باور کر سکتے ہو کہ اس نے انسان کو بے مقصد پیدا کیا۔ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، غور و فکر کی استعداد بخشی، عمل اور ارادہ کی آزادی مرحمت فرمائی، اپنی کائنات کو مسخر کر کے اس کی توانائیوں کو استعمال کرنے کا موقع دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو اپنی مرضی سے استعمال کرتا رہا۔ کسی نے اپنی توانائیوں کو خدمت خلق کے لیے صرف کیا، علم و حکمت کے کاروان کی قیادت کی، زندگی کے سنسان صحراؤں میں نیکیوں کے نخلستان آباد کیے اور شاہراہ حیات پر ہر قدم پر ذمہ داری سے اٹھایا اور آخر دم تک اس نے اپنے پروردگار کی بندگی میں کوتاہی نہ کی۔

اور بعض لوگ انسانیت کا سہاگ لوٹتے رہے، گلشن ہستی کو ویرانیوں اور بربادیوں کے شعلوں سے بھسم کرتے رہے، اپنی سفاکیوں اور خون آشامیوں سے بے گناہوں کے معصوم خون سے ہولی کھیلتے رہے۔ نہ انہوں نے اپنے خالق کو پہچانا اور نہ اپنے معبود کی بندگی اختیار کی اور نیکی کے جو چراغ ان کی راہ میں کسی نے جلائے انہیں گل کرتے رہے۔ اور اسی طرح اپنی زندگی کو برباد کر دیا تو خود سوچو کہ اگر ان دونوں کو دوبارہ زندہ کر کے جزا اور سزا نہ دی جائے تو اس سے بڑا ظلم بھی کوئی اور ہو سکتا ہے۔ کیا تم اس اندھیر گردی کی اپنے رب سے جو رحیم بھی ہے اور کریم بھی، توقع رکھ سکتے ہو؟ اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے نیک بندوں کو وہ زندہ کرے تاکہ اپنی ابدی نعمتوں سے سرشار کرے اور انہیں اپنے اعمال صالحہ کا شاندار صلہ نصیب ہو۔ بدکاروں اور ظالموں کو دوبارہ زندہ کر کے جہنم میں جھونک دے تاکہ انہیں اپنی ستمگریوں اور بدکاریوں کی پوری پوری سزا ملے۔ یہ دنیا دار العمل ہے اور وہ عمل جس پر کوئی نتیجہ مرتب نہ ہو وہ فضول اور عبث ہے۔ اس دار العمل میں انسان کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا نہیں مل سکتی۔ خود بتائیے کہ جو حق کی سربلندی کے لیے، اپنے وطن اور قوم کی آزادی کے حصول کے لیے لقمۂ اجل بنا، اس کو اس دنیا میں اس کا کیا اجر ملا۔ کیا آپ اس عمل کو اتنا عمل سمجھتے ہیں کہ اس کا اسے کوئی اجر نہ ملنا چاہیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہو، اس فنا ہو جانے والی دنیا کے بعد ایک اور جہان ہو، جہاں ہر شخص کو اپنے نیک یا برے اعمال کی پوری پوری جزا ملے۔

۱۷ کفار از راہ مذاق کہا کرتے تھے کہ جس قیامت کی آمد کے بارے میں اتنا شور مچایا جا رہا ہے اسے کیوں برپا نہیں کر دیا جاتا۔ ہم بھی تو اپنی

فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّسُيِّرَتِ

تو تم چلے آؤ گے فوج در فوج ۱۵ اور کھول دیا جائے گا آسمان تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا ۱۶ اور حرکت دی جائے گی

الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِينَ

پہاڑوں کو تو وہ سراب بن جائیں گے ۱۷ درحقیقت جہنم ایک گھات ہے ۱۸ (یہ) سرکشوں کا

آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جو آپ کہہ رہے تھے وہ حق ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کا برپا ہونا کوئی کھیل تماشا تو ہے نہیں کہ جب کسی نے کہا اسی وقت اس کی نمائش شروع ہو گئی۔ یہ تو ایک نہایت سنگین حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ تم ہزار باتیں بناؤ وقت مقررہ سے پہلے ایک منٹ بھی یہ برپا نہ ہوگی اور جب اس کا وقت آ جائے گا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو روک نہ سکے گی۔ تمہارا بھلا اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کی بات پر یقین کرو اور اس دن کے لیے تیاری شروع کر دو تاکہ اس دن تمہیں پچھتانا نہ پڑے۔

۱۵ آج تو تم اس کا انکار کر رہے ہو لیکن جب صور پھونکا جائے گا تو تم زمین کے جس گوشہ سے اور دراز گوشے میں تم مدفون ہوگے یا جہاں تمہارے ذرے بکھرے پڑے ہوں گے سب جمع ہو جائیں گے اور تم فوج در فوج کشاں کشاں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو جاؤ گے۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ چادر تان کر سو رہے یا کسی غار میں چھپ جائے یا کہیں بھاگ کر چلا جائے۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس روز گروہ بندی نسل، قوم یا رنگ و وطن کی بنیادوں پر نہ ہوگی بلکہ نیک و بد اعمال کی اساس پر ہوگی۔ مشرق و مغرب کے سود خور، حرام خور ایک صف میں اکٹھے ہوں گے۔ عرب و عجم کے ظالم و سفاک ایک جگہ جمع ہوں گے۔ اشتراکی اور سرمایہ دار گروں میں بسنے والے سارے زانی اور شرابی ایک مقام پر جمع ہوں گے اور سب ایک ساتھ ہانکے جائیں گے اور سب الگ الگ گروہوں میں حاضر کیے جائیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک لوگوں کی بھی الگ الگ جماعتیں ہوں گی۔ مجاہد اور شہدا ایک جگہ، علمائے ربانیین ایک جگہ، اولیائے کاملین ایک جگہ اکٹھے کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم ناچیز بندوں کا حشر بھی اس گروہ کے ساتھ کرے جن کے دلوں میں اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی شمع فروزاں ہے۔ آمین ثم آمین۔

۱۶ روز حشر کی کیفیت پہلے بیان ہوئی۔ قیامت کے ابتدائی مرحلوں کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ اس روز یہ عظیم الشان نیلگوں چھت پھٹ جائے گی، یوں معلوم ہوگا جیسے ہر جگہ دروازے ہی دروازے ہیں، آلام و مصائب کا طوفان کسی رکاوٹ کے بغیر ان سے امڈا چلا آ رہا ہے۔

۱۷ یہ بڑے بڑے پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے، ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑ جائیں گے۔ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ علامہ قرطبی نے سرابًا کا معنی واضح کیا ہے۔ جس طرح سراب کو دیکھنے والا اسے پانی سمجھ کر اس کی طرف بڑھتا ہے۔ جب قریب پہنچتا ہے تو وہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوتا۔ شیئت کا معنی ہے ہٹ جانا۔ اپنی جگہ سے ہٹ جانا۔ الشیء کا ان السراب کذلک شیئت ... الخ

... (قرطبی)

۱۸ منکرین قیامت کو جس عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اب اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ علامہ جوہری لفظ مرصاد کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے

مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾

ٹھکانا بنے گی ۱۹ وہ رہیں گے اس میں مدتہائے دراز ۲۰ وہ نہیں چکھیں گے اس میں کوئی ٹھنڈک ۲۱ اور نہ پانی۔

ہیں کہ جو شخص کسی کی گھات میں چھپا ہوا ہو اس کو راصد کہتے ہیں اور کسی کی گھات میں تیار ہو کر بیٹھنے کو مرصاد کہتے ہیں۔ اصمعی کہتے ہیں کہ گزرگاہ کو جہاں ایک جھپٹنے کے لیے بالکل تیار ہو کر بیٹھ جانے تو اس کے لیے مرصد واحد ہوتا ہے۔

یہ لکھنے کے بعد علامہ قرطبی اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں:

کانت جہنم معدۃ مترصدۃ ای ھی متطلعۃ لمن یاتی یعنی جہنم کتنا ہی کہ جہنم تیار ہو کر بڑی بے تابی سے آنے والوں کے لیے گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔

حسن، قتادہ کا معنی راستہ، رہگزر ہیں بتایا گیا ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ سب لوگ جہنم کے اوپر سے گزر جائیں گے جہنمی اس میں گر پڑیں گے اور جنتی سلامتی سے اسے عبور کر لیں گے جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت گزرنے لگے گی تو حضور پل صراط کے قریب کھڑے ہو کر دعا فرمائیں گے۔ یَا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ (اے میرے رب! امتی کو سلامتی سے گزار دے۔ (مظہری)

علامہ قرطبی نے مرصاد کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے: المرصاد مفعال من ابنیۃ المبالغۃ فکانہ یکثر من جہنم انتظار الکفار، یعنی مرصاد کا وزن مفعال ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ جہنم کفار کا بڑی شدت اور بے تابی سے انتظار کر رہا ہوگا۔

۱۹ طاغی کا معنی سرکش، کفر بھی سرکشی ہے اور بدکاری بھی سرکشی ہے۔ اس لیے طاغین کا لفظ کفار کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے اور گنہگاروں کے لیے بھی۔ مآب، مرجع، منزل، جہاں گھوم پھر کر انسان لوٹ کر جاتا ہے۔

۲۰ احقاب، حُقُب اور حُقْب کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے دہر۔ احقاب کا معنی ہے دھور۔ زجاج جو لغت عرب اور نحو کے امام ہیں وہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حُقْب اسی سال کی مدت کو کہتے ہیں۔ ہر سال بارہ ماہ اور ہر ماہ تیس دن کا ہوتا ہے اور آخرت کا ہر دن ایک ہزار دنیوی سالوں کے برابر ہوگا۔ پھر کہتے ہیں کہ اس آیت سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ یہ طویل مدت گزر جانے کے بعد جہنمی دوزخ سے رہائی پا لیں گے کیونکہ اگر احقاب کی تعداد بیان کی جاتی تو پھر ان احقاب کی انتہا متعین ہو جاتی کہ چار یا کم و بیش صدیاں وہ وہاں گزاریں گے۔ یہاں احقاب کی تعداد ذکر نہیں، اس لیے آیت کا معنی یہ ہے کہ انہم یلبثون فیہا احقابا کلما مضی حقب تبعہ حقب آخر (لسان) یعنی وہ قرنہا قرن وہاں رہیں گے جب ایک قرن ختم ہو جائے گا تو اس کے بعد دوسرا قرن شروع ہو جائے گا پھر تیسرا پھر چوتھا اور یہ سلسلہ ابد الآباد تک جاری رہے گا۔ اس لیے کفار کے جہنم سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لغت عرب کے ایک امام کی اس تشریح کے بعد کسی کج فہمی میں مبتلا ہونا سراسر نادانی ہے۔ خصوصاً جب قرآن کریم میں بیسیوں مقامات پر یہ تصریح کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور بعض مقامات پر صرف خالدین پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ابداً کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ اس لیے قرآن کریم کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرنا جو دوسری کثیر آیات کے خلاف ہو کسی مومن کو زیب نہیں دیتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَاءً وِفَاقًا ﴿٢٦﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ

بجز کھولتے پانی اور گرم پیپ کے ۔ ؎٢١ ان کے کرتوتوں کی پوری سزا ۔ یہ لوگ (روزِ) حساب کی توقع ہی نہیں

حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٩﴾

رکھتے تھے اور انہوں نے ہماری آیتوں کو سختی سے جھٹلایا ۔ ؎٢٢ حالانکہ ہر چیز کو ہم نے گن رکھا تھا لکھ کر ۔

فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾

پس (اب) مزہ چکھو اپنے کیے کا، اب ہم نہیں زیادہ کریں گے تمہارے لیے مگر عذاب ۔ ؎٢٣ بلاشبہ پرہیزگاروں کے لیے کامیابی (کی منزل) ہے ۔

حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾

(ان کے لیے) باغات اور انگوروں کی بیلیں ہیں ۔ اور نوخیز ہم عمر لڑکیاں ۔ اور چھلکتا ہوا جام ۔ ؎٢٤

الطویل غیر المحدود یعنی ایام جمع قلیل ہے۔ کہا ہے کہ حقب اس لمبے زمانہ کو کہتے ہیں جس کی کوئی حد نہ ہو۔

؎٢١ حمیم، کھولتا ہوا پانی۔ غساق پیپ، کچ لہو وغیرہ جو دوزخیوں سے نکلتا ہے۔ غساق: صدید اهل النار و قیحهم۔

؎٢٢ انہیں ایسی سزا دی جائے گی جو ان کے اعمال کے مطابق ہوگی۔ جزاء فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ اس لیے منصوب ہے۔ اس کا معنی ہے جوزوا بذالک جزاء وافق اعمالهم (قرطبی) کذاب باب تفعیل کے مصادر کا ایک وزن ہے۔ وهو احد مصادر المشدد لان مصدره قد یجیئ علی تفعیل مثل التکلیم وعلی فعال مثل کذاب وعلی تفعلة مثل توصیة وعلی مفعل مثل ممزق (قرطبی) باب تفعیل مصدر کے یہ چار وزن ہیں۔ الکذاب ایک فعال ہے۔

؎٢٣ یعنی تم بیٹھ سمجھو کہ تمہیں بے فکر ہو کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو تمہارے جی میں آئے کرتے رہو، تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ہم تمہارے اعمال، تمہارے انکار اور تمہاری سرکشی کو ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں اور یہ سارا ریکارڈ قیامت کے دن تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔

؎٢٤ اب ان لوگوں پر اپنے لطف و کرم کا ذکر ہو رہا ہے جو روزِ قیامت پر ایمان رکھتے تھے۔ خداوند ذوالجلال کے دربار میں حاضری کا خوف ان کو ہر گناہ سے باز رکھتا تھا ۔۔۔۔۔ مفاز ۔ موضع فوز و نجاۃ، کامیابی و نجات کی جگہ۔ یہ کامیابی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ حدائق حدیقة وہ باغ جس کے اردگرد چاردیواری تعمیر کر دی گئی ہو۔ اعناب ۔ انگور کی بیلیں۔ کواعب ۔ نوخیز لڑکیاں ۔ اتراب ۔ ہم عمر ۔ دهاق ۔ مملوء لبریز چھلکتا ہوا۔

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّن رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

نہ سنیں گے وہاں کوئی بیہودہ بات اور نہ جھوٹ۔ یہ بدلہ ہے آپ کے رب کی طرف سے بڑا کافی انعام ٣٥

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ

جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بڑا مہربان ٣٦ انہیں طاقت نہ ہوگی کہ اس سے

خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا

بات بھی کر سکیں ٣٧ جس روز روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے ٣٨ کوئی نہ بول سکے گا بجز اس

٣٥ آپ کے رب کی طرف سے ان متقین کو یہ جزا ملے گی یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہو گا وہ اتنی وافر مقدار میں دیا جائے گا کہ لینے والے کہیں گے بس بس، انہیں اتنا ہی دیا جائے گا جس قدر انہیں چاہیے۔ یہ انعام و اکرام کیونکہ ان کے اعمال صالحہ کے عوض میں ہے اس لیے اسے جزاء کہا گیا کیونکہ اس میں اس کا فضل و احسان جلوہ فرما ہے۔ اس لیے اسے عطاء کہا گیا ہے۔ پھر عطاء کی صفت حساباً ذکر کی گئی۔ قتادہ نے اس کا معنی کثیر کیا ہے۔ یقال احسبت فلانا ای کثرت لہ العطاء حتی قال حسبی۔ جب کسی کو کوئی چیز اتنی وافر مقدار میں دی جائے کہ وہ خود کہہ اٹھے بس بس مجھے اتنا کافی ہے تو اہل عرب یوں کہتے ہیں احسبت فلانا میں نے اسے بہت عطا کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ عطاء حساباً سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا کسی کے ساتھ وعدہ کیا ہے عطاء اس کے مطابق ہو گی۔ بعض کو ایک کے بدلے دس، بعض کو ایک کے بدلے سات سو اور بعض کو بے حد و حساب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ ہر شخص کو اس کے خلوص نیت، عجز و نیاز کی کیفیت کے مطابق اجر ملے گا۔ (قرطبی)

جزاء من ربک کے الفاظ اپنے اندر خصوصی کشش رکھتے ہیں۔ جب دوزخیوں کی سزا کا ذکر ہوا تو صرف جزاء وفاقا فرمایا گیا اور جب اہل جنت پر اپنے جود و کرم کی بارش فرمانے کا موقع آیا تو اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا اور اپنی شان ربوبیت کی اضافت اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف فرما دی۔ رب تو سب کا ہے لیکن صفت ربوبیت کا جو خصوصی تعلق ذات پاک مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں، نہ عرش کو نہ کرسی کو نہ جبریل کو نہ لوح و قلم کو۔

٣٦ یہ بدل ہے ربک سے۔ اس کا اصل مقصد تشریف ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں وفی ابدال ... تعظیم لا یخفی۔ اس بدل سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت شان اور ظاہر ہو رہی ہے جو کسی پر مخفی نہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ والایماء علی ما قیل الی ما روی فی کتب الصوفیۃ من الحدیث القدسی لولاک لما خلقت الافلاک۔ اس میں صوفیہ کی روایت کردہ اس حدیث قدسی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اے حبیب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا۔ الرحمٰن بھی بدل ہے یا صفت۔

٣٧ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے زبان نہ کھول سکے گا کسی میں دم مارنے کی ہمت نہ ہو گی۔ گنہگار و سرکش آج تو بے زبان ہو رہے

مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ

کے جسے کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے ۲۹ یہ دن برحق ہے سو جس کا جی

بیٹھے ہوئے ہیں اور وزیر ریاست کا ہی خیال رکھیں۔

۲۸۔ روح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک جبریل امین ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام بارگاہ خداوند ذوالجلال میں دست بستہ کھڑے ہوں گے اور مارے خوف کے کانپ رہے ہوں گے اور ان کی زبان پر یہ جاری ہو گا۔ لا الٰہ الا انت سبحانک ما عبدناک حق عبادتک جبریل کے علاوہ دوسرے ملائکہ بھی صف بستہ ہاتھ باندھے حاضر ہوں گے۔

۲۹۔ جلال خداوندی کا یہ عالم ہو گا کہ سب چپ چاپ دم بخود کسی میں لب ہلانے کی بھی ہمت نہ ہو گی۔ البتہ وہ نفوس قدسیہ جن کو اذن گویائی ملے گا وہ اپنے رب کے حضور اپنی گزارشات اور التجائیں پیش کر رہے ہوں گے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث شفاعت بڑی تفصیل سے ذکر کی ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

"کہ اس روز سب لوگ تمام پریشانیوں سے سخت گھبرائے ہوئے ہوں گے اور پسینوں میں شرابور ہوں گے کوئی ٹخنوں تک پسینے میں ڈوبا ہو گا کوئی گھٹنوں تک کوئی کمر تک کوئی گردن تک۔ پریشان ہو کر آخر سب آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کے لیے درخواست کریں گے۔ آپ اپنی معذوری بیان کریں گے۔ چنانچہ مختلف انبیاء کے پاس باری باری حاضر ہوں گے لیکن وہ ناامید ہو کر لوٹیں گے۔ آخر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے تو آپ جواب دیں گے کہ میں خود تو شفاعت کی جرات نہیں کر سکتا البتہ تمہیں ایک ایسی ہستی کا پتہ دیتا ہوں جس کے پاس سے کوئی سائل نامراد واپس نہیں لوٹتا۔ وہ سب کو بارگاہ محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ اطیب التحیۃ والثنا کی طرف جانے کا حکم دیں گے۔ سب وہاں حاضر ہوں گے۔ مخلوق شکستہ خاطر پراگندہ حال وہاں جائے گی اور شفاعت کی درخواست کرے گی۔ ان درخواست کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جو آج برملا آپ سے شفاعت مصطفیٰ کا انکار کرتے ہیں اور اگر انکار نہیں کر سکتے تو اس کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو اس کے ساتھ ہی خود ساختہ شرائط لگا کر کرتے ہیں کہ شان مصطفیٰ کا اظہار نہیں ہوتا۔ وہ لوگ بھی پاس دوڑ کر حاضر ہوں گے۔ حضور سرور عالم سب کی فریاد سن کر فرمائیں گے انا لہا، انا لہا۔ ہاں میں تمہاری شفاعت کروں گا۔ ہاں مجھے یہ منصب حاصل ہے کہ میں تمہاری شفاعت کروں۔ چنانچہ حضور عرش الٰہی کے قریب جا کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اپنے پروردگار کی حمد و توصیف کریں گے۔ عرش والا فرمائے گا یا محمد ارفع رأسک سل تعطہ اشفع تشفع۔ اے پیکر ہر خوبی و زیبائی اپنا سر مبارک اٹھاؤ تم مانگتے جاؤ میں دیتا جاؤں گا تم شفاعت کرتے جاؤ میں شفاعت قبول کرتا جاؤں گا۔ اور یوں شفاعت سے مشرف ہو کر مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے۔ لوائے الحمد حضور کے پرچم والے دست مبارک میں ہو گا اور جملہ انبیاء سب کے سب اس پرچم کے سایہ تلے ہوں گے۔"

اللّٰهم صل علی شفیع الامم۔ اللّٰهم سلم علی صاحب المقام المحمود۔ اللّٰهم بارك علی حامل لواء الحمد من الصلوات ازکاها ومن التسلیمات اسناها ومن البرکات اعلاها وعلی آله واصحابه وعلینا معهم اجمعین۔ اللّٰهم ارزقنا شفاعته واحشرنا فی زمرته تحت لواء الحمد۔ اللّٰهم انت اکرم الاکرمین۔

شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ

چاہے تو بنالے اپنے رب کے حضور ٹھکانا ۔ بے شک ہم نے ڈرا دیا ہے تمہیں عذاب سے جو قریب ہے ۔ اس دن

يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝

دیکھ لے گا ہر شخص وہ (اعمال) جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجے تھے اور کافر (ازراہِ حسرت) کہے گا کاش! میں خاک ہوتا۔

۳۰؎ آخر میں پھر بتا دیا کہ اس دن کا آنا برحق ہے، اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جس کا جی چاہے آج اس راستہ پر چل کر جو اس کو اس کے رب کی طرف لے جاتا ہے ٹھکانا بنالے۔

۳۱؎ کفار کے اعمال کا کچا چٹھا ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت سامنے نتیجے ہولناک ہوں گے سارے نخوت تکبر مٹ جائے گی۔ صرف حسرت رہ جائے گی۔ کاش! میں مٹی میں مل کر مٹی ہو گیا ہوتا اور مجھے یہ روزِ بد دیکھنا نہ پڑتا۔

بعض علماء نے الکافر سے مراد ابلیس لیا ہے۔ اس روز جب اولادِ آدم کے بیکار وں کی یہ عزت افزائیاں دیکھے گا تو کہے گا کاش! مجھے آگ سے پیدا نہ کیا جاتا اور اس کی وجہ سے مغرور ہو کر میں گمراہ ہوتا۔ کاش! میری تخلیق مٹی سے ہوتی۔ میں اپنے رب کے حضور عجز و انکسار کرتا اور آج اس رسوائی سے دوچار نہ ہوتا۔

○

سبحان ذی الملك والملكوت سبحان ذی العزة والعظمة والهيبة والكبرياء والجبروت سبحان الملك الحی الذی لا يموت سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح لا اله الا انت سبحانك انی كنت من الظالمين فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنيا والآخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحين واررقنی مرافقة حبيبك الكريم فی الدنيا والآخرة. اللهم صل وسلم وبارك علی شفيع المذنبين قائد الغر المحجلين وعلی آله الطاهرين واصحابه المكرمين وعلی من اتبعهم اجمعين

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورَۃُ النّٰزِعٰت

نام: اس سورۃ کا نام "النازعات" ہے۔ یہ لفظ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ اس کو "الساہرۃ" اور "الطامۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں دو رکوع، چھیالیس آیتیں ہیں، اس کے کلمات کی تعداد ایک سو اٹھانوے اور حروف کی تعداد سات سو تریپن ہے۔

نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس کا نزول سورۃ "النبا" کے متصل بعد ہوا۔ گویا یہ بھی عہد نبوت کے آغاز میں نازل ہوئی۔

مضامین: کفار کسی قیمت پر وقوعِ قیامت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ اُن کی اسی اُلجھن کو دُور کرنے کے لیے اس سورت میں بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی گئی ہے۔

اہم تکوینی فرائض کی انجام دہی پر جو ذی شان فرشتے مقرر ہیں اُن کی قسم اُٹھا کر فرمایا کہ قیامت ضرور برپا ہو گی۔ دُنیا کی کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ دُنیا بھر کے کفار و مشرکین اگر اس کا انکار بھی کرتے رہیں اور اس کے ناممکن ہونے کا فتویٰ بھی صادر کرتے رہیں، اور اس کے وقوع پر اپنی خشم ناکی اور برہمی کا اظہار بھی کرتے رہیں تب بھی قیامت برپا ہو کر رہے گی۔ خداوند ذوالجلال کا یہ اعلان وقوعِ قیامت کی مجملہ دلیلوں سے قوی اور ناقابلِ تردید ہے۔ بات اسی پر ختم کر دی جاتی تو مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہ تھی لیکن اس کے بعد اُن کے اس اعتراض کو بھی پیش کر دیا جو وہ بڑی شد و مد سے کیا کرتے تھے کہ بھلا یہ ہڈیاں جب بوسیدہ اور خستہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور ہوا کے تیز جھونکے ان کو زمین کے گوشہ گوشہ میں بکھیر دیں گے۔ ان ذروں کو پھر یکجا کرنا اور ان میں رُوح پھونکنا قطعاً ممکن نہیں۔ اس کا جواب یہ کہہ کر دے دیا کہ جس چیز کو تم ناممکن تصور کر رہے ہو اس کے لیے تو صرف ہمارے ایک جھڑکی کی ضرورت ہے، سب قبروں سے نکل کر میدانِ محشر میں کھڑے ہو جائیں گے۔ تم ایسا نہیں کر سکتے یہ درست ہے۔ تم ان بکھرے ہوئے ذروں کے مقام کو نہیں جانتے یہ درست ہے تم ان میں از سر نو رُوح نہیں پھونک سکتے یہ درست ہے لیکن کیا خالقِ کائنات بھی ایسا نہیں کر سکتا؟ کچھ تو سوچو کچھ تو عقل سے کام لو۔

پھر انہیں بتایا گیا کہ اُن سے پہلے بھی اس قسم کے سرکش لوگ گزرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ انہیں اپنی قوت اور سلطنت پر بڑا ناز تھا لیکن جب غضبِ الٰہی کی بجلی کوندی تو اُن کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ فرعون کو اے اہلِ مکہ! تم سب جانتے ہو اس نے میری مخلوق پر جو مظالم کیے، میرے کلیم کے خلاف جو محاذ آرائی کی اسکا

انجام تمہیں خوب معلوم ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو اس عبرت ناک انجام سے بچانا چاہتے ہو تو فرعونی روش کو ترک کر دو میرے حبیب کی نافرمانی چھوڑ دو جو دعوت وہ پاک نہاد تمہیں دے رہا ہے اس کو بطیب خاطر قبول کرو۔ دونوں جہانوں میں فوز و کامرانی ملیگی۔
اس کے بعد پھر اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے شواہد پیش کیے اور لوگوں کو دعوت دی کہ چشم بصیرت کھولیں اور خود فیصلہ کریں کہ جو ذات ان امور پر قادر ہے۔ اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ذرا مشکل نہیں۔ ساتھ ہی وقوع قیامت میں جو حکمت ہے اس کا ذکر فرمایا۔
کفار بار بار یہ پوچھتے کہ اگر قیامت آنی ہے تو آپ ذرا اس کی تاریخ تو بتا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب اس کی تاریخ بیان کرنا آپ کے فرائض میں سے نہیں اور حکمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ خبر صیغۂ راز میں رہے۔ آپ کا بس اتنا ہی فرض ہے کہ آپ انہیں ڈراتے رہیں تاکہ یہ لوگ اپنی بروقت اصلاح کر لیں۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۶-۴-۷۷

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ النازعات مکی ہے اس کی چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝١ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝٢ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝٣

قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں ۱ اور بند آسانی سے کھول دینے والے ہیں ۲ اور تیزی سے تیرتے چلے جانے والے ہیں ۳

۱۔ اس سورت کا آغاز بھی پانچ قسموں کے ذکر سے کیا گیا ہے لیکن یہاں بھی مقسم بہ کے بجائے ان کے اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے علما کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ پانچ کون سی چیزیں ہیں جن کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ یہاں صرف دو قول ذکر کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ ملائکہ کی صفات ہیں۔ اس قول کے مطابق آیات کا مفہوم یہ ہوگا کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جسموں میں غوطہ لگا کر بڑی سختی اور شدت سے روحوں کو باہر نکالتے ہیں۔ النزع جذب بالشدۃ۔ سختی سے کسی چیز کے کھینچنے کو نزع کہا جاتا ہے اور جب اس پر غرقًا کا اضافہ کر دیا جائے تو پھر اس شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ ای اغراقا فی النزع من اقاصی الاجساد (روح المعانی) یعنی جسم کے دور دراز عضووں میں ڈوب کر روح کو نکالنا۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کی روحوں کو قبض کرتے ہیں کیونکہ جب موت آتی ہے تو کافر کی روح جسم سے نکلنے سے انکار کر دیتی ہے۔ فرشتے اس کے رگ و ریشہ میں گھس کر اسے کھینچ لاتے ہیں۔

۲۔ النشط: الاخراج برفق وسہولۃ۔ کسی چیز کو نرمی اور آسانی سے باہر نکالنے کو عربی میں نشط کہتے ہیں جیسے کنوئیں سے پانی کا ڈول نکالا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومن کی روح کو قبض کرنے آتے ہیں۔ وہ روح پہلے ہی محبوب حقیقی کے وصال کے لیے بے تاب ہوتی ہے اور اس گھڑی کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہوتی ہے جب قفس جسم سے آزاد ہو۔ بایں ہمہ فرشتوں کو مومن کی روح قبض کرنے کے لیے کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ اشارہ ملتے ہی وہ بدن کی زنجیروں کو توڑ کر باہر نکل آتی ہے۔

۳۔ سبح کا معنی ہے پانی میں تیرنا، تیز رفتار گھوڑے کو بھی فرس سابح کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ان روحوں کو لے کر فضائے عالم میں تیرتے ہوئے نہایت برق رفتاری سے بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں۔ یا وہ فرشتے ہیں جو احکام کی تعمیل میں آناً فاناً شرق سے غرب اور اوپر سے نیچے محو پرواز رہتے ہیں۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿٤﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿٥﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾

پھر تعمیل ارشاد میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والوں کی۔ پھر جو حسب حکم ہر کام کا انتظام کرنے والے ہیں۔ جس روز تھرتھرانے کی تھرتھرانے والی

ے وہ فرشتے جو احکام خداوندی کے بجالانے میں ذرا سستی نہیں کرتے، دوڑ دوڑ کر ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ تعمیل ارشاد ربانی میں بڑی چستی اور مستعدی کا اظہار کرتے ہیں۔

ے یعنی تکوینی فرائض کی انجام دہی ان کو سونپی گئی ہے ان کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں۔ اس کارخانۂ ہستی میں موت و حیات، صحت و بیماری، بارش و طوفان، ہوائیں اور آندھیاں، اور دیگر مختلف تغیرات اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مختلف فرشتوں کو تفویض کیے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے الملائكة وكلت بتدبير احوال الارض فى الرياح والامطار وغير ذلك، کہ زمین کے متعلق احوال کی تدبیر مثلاً ہوائیں، بارشیں وغیرہ مختلف فرشتوں کو سونپی گئی ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سابط سے منقول ہے کہ امور دنیا کی تدبیر چار ملائکہ کے سپرد ہے۔ جبرائیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل۔ ہوائیں اور لشکروں کا انتظام جبرائیل کے ذمہ ہے۔ بارشوں اور کھیتی باڑی کے کام میکائیل کے سپرد ہیں۔ مجرم روحوں کو قبض کرنا عزرائیل کی ذمہ داری ہے اور اسرافیل تمام احکام ان تک پہنچاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صفات نفوس فاضلہ اور ارواح کاملہ کی ہیں اور انہی کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ نازعات سے مراد ان کا بدن سے اپنا تعلق منقطع کرنا ہے۔ جس جسم کے گھونسے پر سوار ہو کر انہوں نے مقامات عالیہ اور قرب خداوندی کی منزلیں طے کی ہیں اس سے جدائی انہیں شاق گزرتی ہے۔ عالم ملکوت کی طرف رجوع کرنے کا جب انہیں حکم ملتا ہے تو ان کی خوشی و نشاط کی حد نہیں رہتی۔ شاداں و فرحاں وہاں سے روانہ ہوتے ہیں۔ فضائے بسیط میں تیرتے ہوئے وہ حظائر قدس کی طرف تیزی سے پرواز کرتے ہیں۔ اپنے شرف اور قرب روحانی کے باعث انہیں المدبرات کے زمرے میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ مدبر کے اس مقام پر فائز ہونے کے باعث دنیا سے انتقال کے بعد بھی ان سے ایسے آثار و احوال ظاہر ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ اہل دنیا کرتے رہتے ہیں۔

یہ بیان کرنے کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں ولا شك فى انه يحصل لزائرهم مدد روحانى ببركتهم وكثيرا ما تنحل عقد الامور بالتوسل الى الله تعالىٰ بحرمتهم۔ (روح المعانی) یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص ان کی زیارت کے لیے جاتا ہے ان کی برکت سے اسے روحانی مدد نصیب ہوتی ہے اور اکثر مشکل امور کی پیچیدہ گرہیں اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کی حرمت کے وسیلہ سے کھل جایا کرتی ہیں۔

یہ پانچ قسمیں کھائی گئی ہیں لیکن جواب قسم محذوف ہے یعنی لَتُبْعَثُنَّ کہ تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

ے رجف، اضطراب، اصطلاحاً الشديد، قال ابو اسحاق الراجفة، الارض ترجف تتحرك حركة شديدة (لسان العرب) کسی چیز کے تھرتھرانے کو رجف کہتے ہیں۔ ابو اسحاق کا کہنا ہے کہ راجفہ سے مراد زمین ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں المراد بها الاجرام الساكنة التى تشتد حركتها حينئذ كالارض والجبال (روح المعانی) یعنی راجفہ سے مراد وہ تمام ساکن چیزیں ہیں جو اس وقت زور زور سے کانپنے لگیں گی جیسے زمین، پہاڑ وغیرہ۔ یہ اس وقت ہو گا جب نفخۂ اولیٰ ہو گا اور نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا ...

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝٨ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝٩

اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا ۶ کتنے ہی دل اس روز خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں (خوف سے) جھکی ہوں گی ۸

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝١٠ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا

کافر کہتے ہیں کیا ہم پلٹائے جائیں گے الٹے پاؤں ۹ (یعنی جب) ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں

نَّخِرَةً ۝١١ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝١٢ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۝١٣

گے، کہنے لگے یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہوگی ۱۰ (بس اس واپسی کے لیے) تو فقط ایک جھڑک کافی ہے۔

کے جھٹکوں سے زمین، پہاڑ، قلعے، مکانات، اور ان کے اونچے درخت سب ٹوٹ گئے ہیں۔

ش گھوڑے پر جو سوار کے پیچھے آدمی بیٹھتا ہے اس کو ردیف کہتے ہیں یعنی اس کے فوراً بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا۔ آسمان منتشر ہو جائیں گے، ستارے بکھر جائیں گے، ہر چیز اپنی جگہ سے اکھڑنے لگے گی۔ (قیل الراجفة النفخة الاولى والرادفة النفخة الثانية ... حتى تنشق ونتشر ...)

جس طرح اس کے نزدیک ردیف ہے۔ اول نفخہ کا سبب ہے جو پہلے نفخہ کے بعد ہوگا، اس کے بعد سب مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔

ش بڑے بڑے شیروں اور بہادر لوگوں کے دل دھڑک رہے ہوں گے۔ وجفت القلوب وجفا اضطربت من شدة الفزع (ع) ان کی آنکھیں فرط خوف سے جھکی ہوں گی، اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی انہیں ہمت نہیں ہوگی۔

یہ حال کفار و مشرکین کا ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس روز ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ ہوں گے۔ ان کے دل مطمئن ہوں گے، ان کی پیشانیوں پر کسی قسم کا اضطراب نہ ہوگا۔ لا یحزنھم الفزع الاکبر وتتلقٰھم الملٰئکة ھٰذا یومکم الذی کنتم توعدون (الانبیاء: ۱۰۳) ان کو سب سے بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے انہیں بشارت دیں گے کہ یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

۹ جب کوئی شخص اسی راستہ سے پلٹ جائے جس پر چل کر وہ آیا ہے تو عرب کہتے ہیں رجع فلان فی حافرته ای طریقته التی جاء فیها یعنی جس راستہ کو وہ اپنے قدموں سے کھود کر آیا ہے اور اپنے نقوش پا ثبت کر آیا ہے اسی پر واپس گیا۔

ان آیات میں کفار کی ان باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو قیامت کے انکار میں وہ ایک دوسرے کو کہتے تھے، ان کا خیال تھا کہ ہمیں پھر الٹے پاؤں لوٹایا جائے گا، یعنی جس شاہراہ حیات پر چل کر ہم قبر کی منزل تک پہنچے ہیں کیا پھر لوٹ کر زندگی کی اسی راہ پر ہمیں چلنا پڑے گا۔

۱۰ اور یہ واپسی اس کے بعد ہوگی جب صدیاں گزرنے کے بعد ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی۔ یہ بالکل انہونی بات ہے، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نخرة من نخر العظم اذا بلی وصار اجوف تمر به الريح فيسمع له نخير ای صوت (روح المعانی) جب ہڈی بوسیدہ ہو جاتی ہے اس کے اندر کا گودا گل جاتا ہے اور وہ خالی ہو جاتی ہے اور اس میں سے ہوا گزرتی ہے جس سے

فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ﴿١٥﴾ إِذْ نَادَاهُ

پس وہ ایک دم کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے ۱۲ (اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ کی خبر؟ جب ان کے رب نے

رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿١٧﴾

انہیں طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا ۱۳ (حکم دیا) جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش ہو گیا ہے۔

فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿١٩﴾

پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے اور (کیا تو چاہتا ہے) کہ میں تیری رہبری کروں تیرے رب کی طرف تاکہ تو اس سے ڈرنے لگے ۱۴

نخرۃ کا واحد ہے بوسیدہ ہڈیوں کو عظام نخرۃ کہتے ہیں۔

۱۱ کہنے لگے اگر ایسا ہو گیا تو پھر ہمیں تو خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔ ہم ساری عمر اس کا انکار کر کے جھٹلاتے رہے۔ اس کے لیے ہم نے کوئی عمل ہی نہیں کیا۔ کوئی تیاری ہی نہیں کی۔ ان کی یہ گفتگو بطور استہزا تھی۔

۱۲ تم وقوع قیامت کو محال سمجھ رہے ہو۔ بوسیدہ ہڈیوں اور بکھرے ہوئے ذروں کو اکٹھا کرنا اور ان کو زندہ کر دینا تمہیں بڑا مشکل نظر آرہا ہے۔ ایسا کرنا بے شک تمہاری دسترس سے باہر ہے لیکن ہمارے لیے یہ قطعاً مشکل نہیں۔ صرف ایک جھڑکی اور ڈانٹ کی دیر ہے۔ بحر و بر، شرق و غرب میں منتشر ذرے جمع ہو جائیں گے اور تم زندہ ہو کر حساب دہی کے لیے ہمارے روبرو ایک صاف چٹیل کھلے میدان میں کھڑے کر دیئے جاؤ گے۔ الساھرۃ: ارض البیضاء (قرطبی)

۱۳ قیامت کا ذکر ہو رہا ہے کہ اچانک روئے سخن فرعون کی طرف پھر گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار مکہ انکار قیامت پر سختی سے اڑے ہوئے تھے کسی دلیل سے وہ متاثر نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے ان کے سامنے ایک ایسے شخص کا دردناک انجام پیش کیا جا رہا ہے جو قیامت کا منکر تھا اور اسی وجہ سے وہ سرکشی و طغیان میں اتنا دور نکل گیا تھا۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اے میرے رسول کے ساتھ ٹکر لینے والو! اور اس کی باتوں کا انکار کرنے والو! تم سے پہلے فرعون جیسے مطلق العنان حکمران نے میرے رسول موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اسی طرح ٹکر لی تھی۔ وہ بھی ان کی تکذیب کرتا اور قیامت کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس کا جو انجام ہوا وہ تم نے بارہا سنا ہے۔ کیا تم اپنے لیے اسی قسم کا انجام پسند کرتے ہو۔ نیز اس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ ان کفار کے انکار اور ان کی ہٹ دھرمی پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ جس طرح ہم نے موسیٰ کو کامیاب کیا اور ان کے دشمنوں کو تباہ و برباد کیا، اسی طرح ہم آپ کے دین کا بول بالا کریں گے اور آپ کی نبوت کا پرچم ہر جگہ لہرا دیں گے۔ طُوًی: اس وادی کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

۱۴ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون نے بڑا اودھم مچا رکھا ہے۔ اس نے بڑی سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔ رعایا کو اس نے مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان کے مفادات کو آپس میں متصادم کر دیا ہے تاکہ وہ متحد ہو کر اس کے ظلم کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کر سکیں۔ کمزوروں

فَأَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿٢١﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾

پس آپ نے دکھائی اسے بڑی نشانی ۔ پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی ۔ ١٦ پھر روگردان ہو کر فتنہ انگیزی میں کوشاں ہو گیا

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ

پھر لوگوں کو جمع کیا پس پکارا اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں ۔ آخر کار گرفتار کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور

الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾ ءَاَنْتُمْ

دنیا کے دردناک عذاب میں ۔ ١٧ بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے ۔ کیا تمہیں

پر اس کے مظالم کی وجہ سے ہو گئی ہے۔ حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ آپ اس کے پاس جائیں اور اسے سمجھائیں کہ اس مشت خاک کو یہ غرور زیبا نہیں۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے رذائل سے پاک ہونے کا طریقہ سکھا سکتا ہوں۔ اگر تیرا یہ رجحان ہو تو اس وادی تک تجھے پہنچا سکتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی راہ ہے۔ اس طرح تیرے دل سے یہ غرور و پندار دور ہو جائے گا اور تیرے دل میں اپنے خدا کا خوف پیدا ہو جائے گا اور جب اس کا خوف پیدا ہو گیا تو یہ ساری سرکشیاں ختم ہو جائیں گی اور تو راہ راست پر گامزن ہو جائے گا۔

١٥ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے۔ اسے دعوت حق دی اور اپنی صداقت پر دلیل پیش کی۔ اپنا عصا اس کے سامنے زمین پر پھینکا تو وہ اژدہا بن کر پھنکارنے لگا۔ لیکن اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی وہ آپ کی تکذیب سے باز نہ آیا اور کہنے لگا کہ یہ سب جادو کی کرشمہ سازی ہے۔

١٦ پھر اس نے آپ کی طرف سے منہ موڑ لیا اور آپ کے اس معجزہ کا توڑ پیش کرنے کے لیے کوشاں ہو گیا۔ گوشے گوشے سے ماہر جادوگروں کو اکٹھا کیا اور ان کو بڑے بڑے انعامات کا لالچ دیا۔ وہ لوگ جنہیں اپنے فن پر بڑا ناز تھا بڑے کروفر سے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آگئے اور اپنی رسیوں اور لاٹھیوں پر ایسے منتر پھونکے کہ وہ سانپ بن کر لہرانے لگیں۔ یہ دیکھ کر اس کو اپنے غلبہ کا یقین ہو گیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا اور اسے دنیا و آخرت کے عذابوں میں مبتلا کر دیا۔

دنیا کے عذاب سے مراد وہ ذلت و رسوائی ہو سکتی ہے جو اسے مجمع عام میں اٹھانی پڑی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن کر ان سانپوں کی طرف لپکا اور انہیں نگل گیا۔ عبرتناک شکست فرعون کو نہیں ہوئی بلکہ جن ساحروں کو وہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے لایا تھا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ فرعونیت کو جو ہزیمت اور پسپائی اس میدان میں ہوئی اس کی نظیر نہیں مل سکتی اور قیامت کے دن جو اس کے ساتھ سلوک ہو گا اس کا آج تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

١٧ فرعون کی اس ہزیمت اور تباہی میں ہر اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور جو دل اس نعمت سے بے بہرہ ہیں وہ کسی نصیحت اور ہدایت کو قبول نہیں کریں گے۔ ان کی آنکھ صرف اس وقت کھلے گی جب قہر کا عذاب انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا اور اس کے غضب کی بجلیاں گر کر انہیں بھسم کر دیں گی۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَ

کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا۔ اس نے اسے بنایا ۲۸ اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اس کو درست کیا ۲۹ اور

اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾

تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو ۳۰ اور زمین کو بعد ازاں بچھا دیا ۳۱

۲۸ دلائل قیامت کا سلسلہ جو درمیان میں منقطع کر دیا گیا تھا اسے پھر شروع کیا جا رہا ہے۔ فرمایا ذرا غور کرو کہ تم، جو سمجھتے ہو کہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنا بڑا مشکل کام ہے، تم چند بالشت قد و قامت کے ہو کہ یہ ساراہ آسمان جس کی چوڑائیوں اور وسعتوں کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا پھر اس میں ان گنت تارے اور کہکشاؤں کا محیّر العقول اور لامتناہی سلسلہ ان سب کو کس نے پیدا کیا ہے۔ اگر تم عقل و انصاف سے بالکل محروم نہیں ہو گئے ہو تو تم بآسانی سمجھ سکتے ہو کہ جو عالم بالا کا خالق ہے اس کے لیے تمہیں پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

۲۹ آسمان کی تخلیق میں اپنی قدرت کے کرشموں کا ذکر ہو رہا ہے۔ سَمْک کا معنی سقف، چھت بھی ہے یعنی آسمان کو ہم نے بہت اونچا کر دیا اور سَمْک کا اطلاق ارتفاع اور بلندی کو بھی کہتے ہیں یعنی اس کی بلندی اور اونچائی معمولی نہیں جس کا تم اندازہ کر سکو۔ اس نے آسمان کی بلندی کو اتنا اونچا کر دیا ہے کہ تم اس کو پا نہیں سکتے۔ پھر اس گنبد مینائی کو اس طرح درست کر دیا ہے کہ اس میں کوئی جھول، کوئی شکن اور کوئی شگاف نہیں۔

۳۰ رات کی سیاہی اور دن کے اجالے کو آسمان کی طرف منسوب کیا کیونکہ اس کا تعلق آفتاب کے طلوع و غروب سے ہے جو اجرام سماوی میں سے ہے۔ اغطش لیلھا ای جعلہ مظلما

۳۱ دَحَا الْاَرْضَ يَدْحُوهَا دَحْوًا بَسَطَهَا زمین کو بچھا دینا، پھیلا دینا۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت قاہرہ کی اور نشانی بتاتے ہیں کہ میں نے ہی اس زمین کو تمہارے لیے بچھا دیا ہے اور راستے وسیع اور کشادہ کر دیے ہیں تاکہ اپنی ان گنت مخلوقات اس پر اپنی زندگی بسر کر سکے۔

اس مقام پر یہ شبہ دل میں پیدا ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق اور تسویہ کے بعد کی گئی۔ حالانکہ سورۃ بقرہ کی آیت (خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ) اور سورہ فصلت میں یہ صراحت مذکور ہے کہ زمین کی تخلیق پہلے ہوئی اور آسمان کو اس کے بعد پیدا کیا گیا۔ علمائے کرام نے اس کے متعدد جواب دیے ہیں۔ بعض نے فرمایا ہے کہ زمین کا کرہ پہلے بنایا گیا اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی لیکن زمین کو انسانی زندگی کے قابل بنانا اور اس پر اسباب زندگی کا فراہم کرنا آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا اور یہاں دحو زمین سے یہی مراد ہے لیکن اس جواب کو دوسرے حضرات پسند نہیں کیا کیونکہ سابقہ آیات میں صراحت موجود ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا تمہارے لیے زمین میں ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کے بعد آسمان کی طرف توجہ فرمائی اس لیے دوسرے حضرات نے اس کا یہ جواب فرمایا ہے کہ زمین میں زندگی کی جملہ ولایت کی بہم رسانی کی صلاحیت اور نشو و نما کی استعداد تو پہلے ہی رکھ دی گئی لیکن اس کا بالفعل ظہور اس وقت ہوا جب آسمان بنا اس میں سورج، جو منبع نور و حرارت ہے، اس کو پیدا کیا گیا۔ اس کی حرارت اور کرنوں کی تاثیر سے مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ بعض علماء کا ارشاد ہے کہ یہاں بعد ذلک

أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ

نکالا اس سے اس کا پانی اور اس کا سبزہ۔ اور پہاڑ، اس میں گاڑ دیے۔ سامانِ زیست ہے تمہارے لیے

وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ

اور تمہارے مویشیوں کے لیے ۲۲ پھر جب آئے گی سب سے بڑی آفت ۲۳ اس دن انسان یاد کرے گا جو

الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿٣٦﴾ فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ﴿٣٧﴾

دوڑ دھوپ اس نے کی تھی ۲۴ اور ظاہر کر دی جائے گی جہنم ہر دیکھنے والے کے لیے ۲۵ پس جس نے سرکشی کی ہو گی

سے تخلیق کی بعدیت مراد نہیں بلکہ مرتبہ کی بعدیت ہے لیکن اس کو جو تفسیر حضرت ابن عباس سے منقول ہے وہ تخلیق ہی کی بعدیت ہے کہ اس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی آپ فرماتے ہیں بعد ذلک اس جگہ مع ذلک کے معنی میں ہے جس طرح عتل بعد ذلک زنیم میں ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ منقول است کہ بعد ذالک دریں جا بمعنی مع ذالک است چنانچہ آیت عتل بعد ذلک زنیم میں بعد کا یہی معنی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مآل کی ہے۔

۲۲ پانی کے میٹھے چشمے جاری کر دیے۔ اس میں طرح طرح کی سبزیاں اور ترکاریاں اور چارہ پیدا ہونے لگا جس سے تم اپنی غذا بھی پوری کرتے ہو اور تمہارے مویشیوں کی خوراک کا سامان بھی مہیا ہو جاتا ہے۔ جو قادر مطلق ان تمام کاموں کو بڑی حکمت سے انجام دے رہا ہے اس کے بارے میں کہیں شک ہے کہ وہ قیامت کے دن تمہیں کیونکر زندہ کرے گا۔

ہماری آسائش اور نشو و نما کے لیے ہمارے گرد و پیش زمین کے شکم سے نکل رہی ہیں۔ آسمان کی بلندی ستاروں اور چاند کی گردشوں کے اثرات اور سلسلہ ہائے کوہ اور زمین کی زرخیزی ساری چیزوں کا جو حصہ ہے وہ اہل دانش سے مخفی نہیں۔ کائنات کے مختلف اجزا میں اگر یہ حسنِ نظم و نسق کو بحال رکھا جائے تو یہ سب تباہ ہو کر رہ جائے گی۔

۲۳ اب پھر اصل بات قیامت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ الطامۃ: اعظم الدواھی۔ سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت کو الطامۃ کہتے ہیں۔ جو چیز اپنی مقدار یا اپنی تعداد کی کثرت کے باعث دوسری چیزوں پر چھا جائے اسے الطامۃ کہا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں طما السیل طمم الرکیۃ۔ سیلاب آیا اور اس نے تمام کنوئیں اور چشموں کو لبریز کر دیا۔ جرى الوادى فطم على القرى۔ وادی میں پانی کا ریلا آیا اور اس نے تمام دیہات کو ڈھانپ لیا۔ قیامت کی مصیبت دوسری تمام مصیبتوں سے بڑھ کر ہو گی اور ہولناک ہے۔ اس لیے اس کو طامہ کہا گیا اور ساتھ ہی کبریٰ کا اضافہ کر کے بتا دیا گیا تاکہ کوئی شک نہ رہے۔

۲۴ اس وقت انسان کی نگاہوں کے سامنے اس کی زندگی کا ہر لمحہ آ جائے گا۔ وہ اعمال جو اس کو بالکل بھول گئے تھے ایک ایک کر کے نیان کی گہرائیوں سے ابھرنے لگیں گے۔ اگر اس نے اپنے کاموں میں زندگی گزاری تھی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ ہو گی اور اگر بداعمالیوں میں عمر برباد کر کے

وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ

اور ترجیح دی ہوگی دنیوی زندگی کو ۔ تو دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانا ہوگا ٣٦ اور جو

خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ

ڈرتا رہا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور روکا ہوگا اپنے نفس کو ہر بری خواہش سے۔ یقیناً جنت ہی

هِيَ الْمَاْوٰى ؕ﴿۴۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ

اس کا ٹھکانا ہوگا ٣٧ یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی۔ آپ کو اس کے بیان

آیا تھا کہ اس روز اس کا طلب ہوگا یا یہ کہ اس کے سامنے اس کے صحائف اعمال کھول کر رکھ دیے جائیں گے۔ جو آج اس کو فراموش ہو گئی تھیں وہ سب یاد آنے لگیں گی۔

٣٥ جس جہنم کا وہ آج تک انکار کرتا رہا تھا وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی۔

٣٦ اس وقت اولاد آدم دو گروہوں میں بٹ جائے گی۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہوگا جنہوں نے سرکشی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑ دیا اور دنیوی زندگی کے آرام و آسائش کو ابدی زندگی کے آرام و آسائش پر ترجیح دی۔ ان کی ساری جد و جہد دولت کے حصول، شہرت و ناموری حاصل کرنے کے لیے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کے شب و روز اسی ادھیڑ بن میں گزر رہے تھے کہ وہ اس دنیا میں اچھے سے اچھا منصب حاصل کریں۔ اپنی اخروی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے، وہاں سرخروئی حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی وقت نہ تھا اور نہ کبھی اس کے بارے میں انہوں نے سوچنے کی زحمت گوارا کی۔ فرمایا ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جن نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے وہ مرے جاتے تھے وہ فانی تھیں۔ چند روز ان کی چمک دمک رہی اور پھر ہمیشہ کے لیے فنا کی وادیوں میں گم ہو گئے۔

٣٧ اور دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو عمر بھر یہ تصور کر کے ڈرتے رہے کہ انہوں نے ایک دن اپنے رب کے روبرو پیش ہونا ہے۔ انہوں نے اپنے نفس کے گھوڑے کو کبھی بے لگام نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے شریعت کی قائم کی ہوئی حدود کو توڑنے کی اسے ہرگز اجازت نہیں دی۔ وہ اس کی ایسی خواہشات سے جو احکام الٰہی سے متصادم تھیں، سختی سے باز رکھا کرتے تھے۔ آج جنت کی بہاریں ان کے لیے چشم براہ ہیں۔ خوش رنگ اور خوشبودار پھولوں کے ہار لیے ہوئے حوریں ان کا انتظار کر رہی ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی ہوی کا معنی کرتے ہیں الھوی میل النفس الی الشھوۃ۔ دل کا کسی ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جو ناجائز ہو۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ الہوی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الھوی، الاسم ما والسقوط من علو۔ بلندی سے پستی کی طرف گرنا اور فرماتے ہیں ہوی کو ہوی اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ انسان کو دنیا میں ہر مصیبت میں پھنسا دیتی ہے اور آخرت میں ھاویہ یعنی جہنم میں گرا دیتی ہے۔ سمیت بہ لانہ یھوی بصاحبہ فی الدنیا الی کل داھیۃ وفی الآخرۃ الی الھاویۃ۔ پھر فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کے ترک کے کئی مرتبے ہیں

مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾

سب سے نیچے والا درجہ یہ ہے کہ احکام شریعہ کی مخالفت سے اجتناب، نیز اسلاف کرام کے متفق علیہ عقائد کی مخالفت سے پرہیز۔ اس کا درمیانی درجہ یہ ہے کہ انسان کسی گناہ کا ارادہ کرے اور پھر قیامت کی حاضری کے خوف سے اس سے باز رہے اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرے۔ حضرت ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی مخالفت کرتا رہے۔ مجددی طریقہ اقرب طرق الی اللہ سبحانہ، وھو المخالفۃ مع النفس۔ فرماتے ہیں کہ نفس کی جائز خواہش بھی ایک حد تک ہی کبھی گناہوں سے انسان کو اپنے رب سے دور کر دیتی ہے اور کبھی نیک اعمال کے باعث ریا اور خود بینی کے جذبات کو ابھار کر انسان کو دور کر دیتا ہے۔

شیخ زروق کہتے ہیں: والعصمۃ المعنوی فی لطف الکامل القائم المتشبث بدیل شیخ ان ذلک فی ذمام ان لا یفعل شیئا الا باسم۔ و اجازتہ یعنی ہواۓ نفس کی دست درازیوں اور شیطانی حملوں سے بچنے کا محفوظ ترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے شیخ کامل کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھے اس کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔

حضرت یعقوب چرخی نے اپنے شیخ خواجہ نقشبند سے پوچھا کہ اگر کسی کو ایسا شیخ کامل نصیب نہ ہو تو وہ کیا کرے تو آپ نے فرمایا کہ وہ کثرت سے استغفار کیا کرے یا ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ یہ استغفار پڑھے: استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ۔

آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک بھی سن لیجیے: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ هَوًى مُتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِيَ اَشَدُّهُنَّ۔ (رواہ البیہقی عن انس رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین چیزیں انسان کو ہلاک کرنے والی ہیں۔ نفس کی وہ خواہش جس کی پیروی کی جائے۔ بخل اور کنجوسی جس کی اطاعت کی جائے اور خود بینی کہ انسان اپنے نفس کو بہتر سمجھنے لگے، فرمایا یہ تیسری چیز سب سے زیادہ ہلاکت والی ہے۔

۲۸ جب کفار کو قیام قیامت کے متعلق بتایا جاتا تو وہ پوچھنا شروع کر دیتے بتائیے یہ قیامت کس تاریخ کو برپا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہیں اے میرے محبوب! آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ قیامت کے دن کا تعین کر کے انہیں بتائیں بلکہ آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہ ہے کہ آپ انہیں خواب غفلت سے بیدار کریں، انہیں دعوت حق سنائیں تاکہ آپ کی دعوت کو قبول کر کے اور آپ کے ارشادات پر عمل کر کے قیامت کے دن یہ سرخروئی حاصل کر سکیں۔ اور ان کا فائدہ اسی میں ہے۔ اگر ان کو قیامت کی تاریخ بتا بھی دی جاتے تو اس سے انہیں کیا فائدہ؟ یہ لوگ بے مقصد باتوں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اور وہ امور جن پر ان کا نفع یا نقصان ہے ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بعض نے فیم پر وقف کیا ہے اور انت من ذکرٰىها ان کے سوال کا جواب ہے کہ آپ اس قیامت کی علامات میں سے ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے ایک ہیں۔

۲۹ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جب وہ چاہے گا قیامت برپا ہو جائے گی۔

۳۰ آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ ان کے لیے قیامت کی تاریخ کا تعین فرمائیں بلکہ آپ کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾

گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا کہ وہ دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح

لوگوں کو یہ حقیقت ابھی ذہن نشین کرا دیں تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لیں۔

٣٤۔ آج تو انہیں دنیا کی زندگی بڑی طویل معلوم ہو رہی ہے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جو چیز اتنے لمبے عرصہ میں وقوع پذیر نہیں ہوئی اس کے بعد اس کے وقوع پذیر ہونے کا امکان ہی نہیں۔ اس کا انتظار کرنا عبث اور بے سود ہے۔ فرمایا جب قیامت برپا ہوگی تو اس وقت انہیں اپنی طویل زندگی بڑی مختصر معلوم ہوگی۔ اس وقت وہ قلت وقت کا شکوہ کریں گے۔ کہیں گے ہم تو ابھی دنیا میں گئے تھے اور پھر واپس بلا لیے گئے۔ ہمارا قیام تو آنکھ جھپکنے کی دیر یا صبح و شام کا وقت ہوگا۔ ہمیں غور و فکر کی مہلت ہی نہیں ملی۔ ہمیں سوچ بچار کا وقت ہی نہیں دیا گیا۔ اتنے قلیل وقت میں ہم اس حقیقت کو کس طرح سمجھ سکتے تھے۔

○

اللهم اجعلنا من السعداء الذين خافوا مقام ربهم ونهوا النفس عن الهوى وارزقنا اتباع حبيبك الاكرم
صلى الله تعالى عليه وآله وسلم
ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ عَبَسَ

نام : اس سورت کا نام عبس ہے جو اس سورت کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں ایک رکوع، بیالیس آیتیں، ایک سو تین کلمات اور پانچ سو تینتیس حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے خالہ زاد بھائی تھے اور اُن خوش نصیبوں میں سے تھے جن کا شمار "السابقون الاولون" میں ہوتا ہے، یہ نابینا تھے۔ ایک روز بارگاہِ رسالت میں شیبہ، عتبہ پسران ربیعہ، ابوجہل، امیہ ابن خلف، ولید ابن مغیرہ، عباس ابن عبدالمطلب اور دیگر رؤسائے قریش حاضر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی دلسوزی اور محبت سے انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکالنے کی سعی فرما رہے تھے۔ "حریص علیکم" کی شان اپنے پورے جوبن پر تھی۔ دریں اثنا عبداللہ ابن ام مکتوم حاضر ہوئے۔ نابینا ہونے کی وجہ سے محفل کا رنگ نہ دیکھ سکے۔ انہوں نے اپنے شوق فراواں سے مجبور ہو کر آتے ہی عرض کی "یا رسول اللہ علمنی مما علمك الله" (اے اللہ کے رسول جو اللہ نے آپ کو سکھایا اس میں سے مجھے بھی سکھا دیجئے)۔

یہ مداخلت بیجا حضور کو پسند نہ آئی۔ رخِ انور پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ آداب مجلس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جو سلسلۂ کلام پہلے شروع ہے وہ ختم ہو جائے تو نئی بات چھیڑی جائے۔ یہاں تو حضور تبلیغ کا نہایت اہم ترین فریضہ ادا کرنے میں مصروف تھے۔ عبداللہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے اُن کے پاس بے شمار مواقع تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ کی دلجوئی کرتے ہوئے یہ سورہ مبارکہ نازل فرمائی تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ اس بارگاہ میں شکستہ دلوں اور سوختہ جگروں کی جو قدر و منزلت ہے وہ کسی اور کی نہیں۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا ہے۔ وہاں محبت، پیار اور دلجوئی کی حد کر دی گئی ہے لیکن اُن مقامات کے برعکس یہاں اسلوبِ بیان میں بڑا جلال ہے۔ اندازِ خطاب میں تُندی کا پہلو غالب ہے۔ بظاہر غلطی حضرت عبداللہ کی ہے کہ انہوں نے مجلسِ نبوت کے آداب کا پاس نہ رکھا نیز حضور کسی اپنے ذاتی کام میں مصروف نہ تھے بلکہ "بلغ ما انزل الیك" کے حکم کی تعمیل میں مشغول تھے چاہیے تو یہ تھا کہ عبداللہ کو سرزنش کی جاتی کہ انہوں نے فرائضِ نبوت کی ادائیگی میں مداخلت کیوں کی ہے لیکن اُن کے بجائے اپنے

محبوب کریم کو تنبیہ فرما دی کہ آپ نے ناگواری کا اظہار کیوں کیا اور اس سے بے رخی کیوں برتی۔ اس میں کیا حکمت ہے۔ آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا تند لہجہ اختیار کر کے رؤسائے مکہ کی ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا مقصود ہے جس میں وہ بری طرح مبتلا تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کو ان کی بڑی ضرورت ہے۔ ان کے مسلمان ہونے سے اسلام کو چار چاند لگ جائیں گے پیغمبر اسلام کی عزت اور توقیر میں اضافہ ہوگا۔ انہیں اسلام کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس لیے جس محفل میں وہ موجود ہوں کسی دوسرے شخص کو در خور اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ یہاں تو اس کو پذیرائی بخشی جاتی ہے جو خلوص اور طلب صادق لے کر حاضر ہوتا ہے۔ خواہ وہ مفلس و کنگال ہی کیوں نہ ہو جس شخص کو اپنی دولت اور جاہ و منصب پر گھمنڈ ہے جس کے دل میں جذبہ صادق نہیں اس کی یہاں کوئی گنجائش نہیں، انہیں اسلام کی ضرورت ہے تاکہ اس کی برکتوں اور ضیا پاشیوں سے ان کا تاریک مستقبل درخشاں ہو جائے۔ اسلام کو ان کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اگر وہ اس سے فیض یاب نہ ہوں گے تو کئی دوسرے خوش نصیب اس چشمۂ شیریں سے آکر سیراب ہوں گے۔ قیامت تک آنے والے رئیسوں، دولتمندوں، خاقانوں اور قیصروں کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا۔ آیات کے لہجہ میں یہ تندی ایک اہم ضرورت کے پیش نظر اختیار کی گئی۔

جو لوگ ان آیات سے سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبۂ عالیہ کی تنقیص کرتے ہیں وہ بڑے درجے کے کم فہم ہیں پہلے بھی اہلِ نفاق کا یہ شیوہ تھا۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ ایک امام ہمیشہ نماز میں اسی سورت کی قرأت کرتا ہے تو آپ نے ایک آدمی بھیجا جس نے اس کا سر قلم کر دیا چونکہ وہ حضور کے مرتبۂ عالی کی تنقیص کے ارادے سے اس کی قرأت کیا کرتا تھا تاکہ مقتدیوں کے دل میں بھی حضور کی عظمت کم ہو جائے۔ اس لیے نگاہِ فاروق میں وہ مرتد تھا، اور مرتد واجب القتل ہوا کرتا ہے (روح البیان)۔ ایسے مقامات پر انسان کو سنبھل کر قدم اٹھانا چاہیے مبادا ایمان کی شمع گل ہو جائے۔

آیت نمبر ۱۷ سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے۔ انسان کی ناشکری کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے کہ جس ربِ کریم نے اس کو پیدا کیا اور اس کے ظاہری اعضاء اور باطنی قوتوں میں موزونیت کا خیال رکھا۔ پھر اس کی خوراک کا سامان مہیا فرما دیا اس کو کبھی خیال نہ آیا کہ وہ ایسے کریم پروردگار کا شکریہ ادا کرے۔ اس سے بڑھ کر اور بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے۔

آیت نمبر ۳۳ سے آخر تک احوالِ قیامت کی طرف متوجہ کر دیا تاکہ انسان آج ہی اس امتحان کے لیے تیاری شروع کر دے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۳-۳-۷۸

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعٌ وَّاحِدٌ كَذَا الْعَ

سورۂ عبس مکی ہے اس کی بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝١ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝٢ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝٣

چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا اس وجہ سے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ کو کیا معلوم شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا ہے ۳

لــــ ایک دفعہ بارگاہ رسالت میں رؤسائے قریش عتبہ، شیبہ پسران ربیعہ، ابوجہل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ حاضر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں دعوت اسلام دے رہے تھے کہ اچانک حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم آ گئے اور آداب مجلس کی رعایت کیے بغیر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اقرئنی وعلمنی مما علمک اللہ۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو سکھایا ہے مجھے بھی وہ سکھائیے اور مجھے پڑھ کر سنائیے۔ ان کا بار بار گفتگو میں مداخلت کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار گزرا۔ ناگواری کے آثار چہرۂ مبارک پر بھی نمایاں ہو گئے اور تیوری پر شکن پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اسی وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

امام فخرالدین رازی یہاں ایک سوال اٹھاتے ہیں پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ غلطی حضرت عبداللہ سے ہوئی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کو دعوت اسلام دے رہے تھے انہوں نے قطع کلام کرتے ہوئے اپنی بات چھیڑ دی نیز ایک کافر کو دعوت اسلام دینا ایک مسلمان کو قرآن کی تعلیم سے مقدم ہے نیز بارگاہ رسالت کے جو آداب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو سکھائے تھے وہ یہ تھے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حجروں میں ہوں تو باہر کھڑے ہو کر حضور کو نہ بلائیں بلکہ حضور کی آمد کا انتظار کریں۔ یہ اس قسم کی کوتاہی ہے اگر ادب ان کا ارادہ ہوتا تو انہیں چاہیے تھا کہ اس وقت تک انتظار کرتے جب تک حضور تبلیغ سے فارغ ہو جاتے اور پھر اپنی گزارش کرتے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر عتاب حضرت عبداللہ کو ہونا چاہیے تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عتاب کرنے میں کیا حکمت ہے۔

امام موصوف نے یہ ساری باتیں لکھی ہیں اور عتاب کی اس کے علاوہ اور کوئی حکمت نہیں کہ وہ کفار جو اس وقت حاضر تھے وہ مکہ کے سردار اور دولت مند لوگ تھے انہیں اپنی اس برتری کا احساس بھی تھا اور اس پر نازاں بھی تھے۔ ان کی موجودگی میں ایک مسکین نابینا کے ساتھ یہ بے التفاتی عام لوگوں کو اس غلط فہمی میں بآسانی مبتلا کر سکتی تھی کہ یہ بے رخی تبلیغ میں انہماک کی وجہ سے نہیں برتی گئی بلکہ ان لوگوں کی دولت و ثروت اور ان کی ریاست کی وجہ سے ان کی پاسداری کی گئی ہے اور عبداللہ کو محض اس لیے نظر انداز کیا گیا ہے کہ یہ غریب عوام کا ایک فرد ہے اور جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے غریبوں کا حامی بنا کر بھیجا جس کا مقصد آدمیوں کی شکستہ دلوں اور غمزدوں کی دلجوئی اور دلداری ہو اور جو تشریف ہی اس لیے لایا ہو کہ فقر و مسکینی کی عزت افزائی کرے اس ہستی سے کسی ایسی بات کا صدور جس سے اس کے منصب جلیل کے خلاف کوئی وہم پیدا ہو سکے اللہ تعالیٰ کو ہرگز گوارا نہیں۔

عبداللہ بن ام مکتوم کے دلِ نیاز مند پر صد ہا شیبہ و مقتدر ان کے جا سکتے ہیں۔ بارگاہ نبوت کے دردمندوں اور فقیروں کی دروشی و فقر کے سامنے دنیا بھر کے رئیسوں کی کوئی حقیقت نہیں۔

قطرہ آب وضوئے قنبرے

بہتر از خون ناحق صد قیصرے

قنبر کے وضو کے پانی کا قطرہ قیصر کے خون ناحق سے قدر و قیمت میں کہیں زیادہ ہے۔

لیکن اس عتاب میں بھی لطف و کرم اور پیار کے جلوے دیکھ رہے ہوں، عتاب کرتے ہوئے صیغہ خطاب کے صیغے استعمال نہیں کیے بلکہ غیاب کے صیغہ میں عتاب کیا گیا ہے کیونکہ صیغہ خطاب خاطر پر بہت گراں گزرتا۔

اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جب حضرت عبداللہ حاضر ہوتے تو حضور فرماتے مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی کہ خوش آمدید اس شخص کو جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا پھر پوچھتے ھل لک من حاجۃ کوئی کام ہے تو بتاؤ کسی قسم کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیرون مدینہ تشریف لے جاتے تو مدینہ میں اپنا کسی کو نائب بنا جاتے حضرت عبداللہ کو یہ شرف دو بار حاصل ہوا۔

ــ حضرت عبداللہ کو نابینا کہنے میں ان کی تحقیر مقصود نہیں بلکہ ان کی طرف سے معذرت پیش کی جا رہی ہے یعنی وہ نابینا معذور تھا نہ مجلس کو دیکھ سکا نہ حاضرین کو پہچان سکا اور دور سے ہی پتہ چلا کر آپ اس قدر مصروف ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعۃ الفہری ہے بنی عامر بن لوئی کے قبیلہ سے ہیں۔ رازی کہتے ہیں ام مکتوم ان کی دادی تھیں لیکن اکثر نے ام مکتوم کو ان کی والدہ کہا ہے۔ یہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔

ــ حضرت عبداللہ کے پاس خاطر کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ وہ کفار جن کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ تھے۔ ان میں سے کسی کے دل میں طلب حق کا جذبہ نہ تھا۔ انہیں قبائلی و دولت کا گھمنڈ اور اپنے رئیس ہونے پر ناز تھا۔ وہ آپ کی دعوت کو سمجھنے اور سمجھ کر اس کو قبول کرنے کی نیت سے حاضر نہیں ہوتے تھے بلکہ آپ کی خصوصی توجہ کے باعث وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اسلام کو ان کی اشد ضرورت ہے۔ اگر انہوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو اسلام کی ترقی اور عروج کے امکانات ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ ان نادانوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھا کہ یہ ان کو سیکھنا ہے جو حق ہے یہ بیاسا چشموں کا محتاج ہوا کرتا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ بجز اس خواہش کے کب گوارا کر سکتی تھی کہ وہ اپنے دل میں اسلام اور ہادی اسلام کے بارے میں اس قسم کے تصورات کو جگہ دیں اور یہ اندیش تو پہلے ہی حق کی شمع اپنے سینہ میں فروزاں کر چکا تھا اور حضور کی غلامی سے خود کو بادہ پلا چکا تھا۔ ان اہل محرومیوں کے ساتھ جو کوشش ہو رہی تھی انہیں اس کا کوئی فائدہ پہنچنے والا نہ تھا البتہ اسے جو آپ سکھاتے وہ اسے حرز جان بناتا صدق دل سے اس پر عمل کرتا۔ اس کا آئینہ دل اور زیادہ شفاف اور تابناک ہو جاتا۔

أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٤﴾ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ﴿٥﴾ فَأَنتَ لَهُ

یا وہ غور و فکر کرتا تو نفع پہنچاتا اسے یہ نصیحت ۴ لیکن وہ جو پروا نہیں کرتا ، آپ اس کی طرف تو

تَصَدَّىٰ ﴿٦﴾ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ ﴿٨﴾

توجہ کرتے ہیں ، اور آپ پر کوئی حرج نہیں اگر وہ نہ سدھرے ۔ اور جو آپ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا ۔

وَهُوَ يَخْشَىٰ ﴿٩﴾ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ﴿١٠﴾ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾ فَمَن

اور وہ ڈر بھی رہا ہے تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں ۵ ہرگز ایسا نہ چاہیے یہ تو نصیحت ہے ۔ سو جس کا

۴ یا آپ اسے جو کلام الٰہی سناتے وہ اس میں مزید غور و فکر کرتا اس سے نصیحت قبول کرتا۔ آپ کی ارشاد اس کے لیے بلاشبہ نفع بخش ہوتی۔ وہ تب اسلام اگرچہ لا چکا ہے لیکن اس سے فائدہ تو یہی اٹھاتا ہے جو اس میں غور و فکر کرے۔

۵ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سراپا رأفت و رحمت تھے۔ حضور کی یہ آرزو تھی کہ کوئی بھی نعمتِ ایمان سے محروم نہ رہے اس لیے پوری دل سوزی سے ہر مخاطب کو اس کے جانب سے رہنمائی دلانے کی سعی فرماتے۔ حضور کی اسی کیفیت کو قرآن نے حریص علیکم کے کلمات سے یاد کیا ہے۔ لیکن ان کی استعداد یکساں نہ تھی۔ ان کے نظریات و افکار میں بڑا اختلاف تھا کچھ تو ایسے تھے جن کے دلوں میں حق کی تلاش کا ذوق موجود تھا اور وہ حضور کی ذات اقدس کو ایسا سرچشمہ تصور کرتے تھے جہاں سے ان کے ذوق کی تسکین ہو سکتی تھی۔ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے پہلے سے طے کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ اگر داعی ان نااہلوں کی طرف زیادہ توجہ مبذول کرے اور حق کے متلاشیوں کی طرف سے بے اعتنائی برتے تو اس دعوت کی ترقی میں غیر معمولی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی تادیب و تربیت خود فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ وہ شخص جو اس دعوت کی طرف سے بے نیازی کا رویہ اختیار کیے ہوئے ہے آپ اس کی طرف تو ہمہ تن متوجہ ہیں، حالانکہ اگر وہ مسلمان نہ ہو تو آپ کی بلا سے۔ نہ آپ پر اس کے اسلام لانے کی کوئی ذمہ داری ہے اور نہ آپ کو اس کے کفر سے کوئی ضرر پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہ طالب حق جو پیغام حق سننے کے لیے منتظر ہے تاب ہے اور بڑے شوق سے آپ کے قدموں میں دوڑا چلا آ رہا ہے اور اس کے دل میں خدا کا خوف ہے آپ اس کی طرف سے کیوں بے اعتنائی برتیں۔ اے میرے حبیب! آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ ہدایت پر چلنے کے طلبگار ہونے والوں کی طرف سے بے رخی آپ کے شایان شان نہیں۔

شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝١٢ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝١٣ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝١٤ بِاَيْدِيْ

جو چاہے اسے قبول کرے ۔ (یہ) ایسے صحیفوں میں (لکھا ہوا) ہے جو معزز ہیں ۔ جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں ۔ ایسے کاتبوں کے

سَفَرَةٍ ۝١٥ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝١٦ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝١٧ مِنْ اَيِّ

ہاتھوں میں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں ۔ خدا کی مار ہو انسان پر وہ کتنا احسان فراموش ہے ۔ کس چیز سے

شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝١٨ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝١٩ ثُمَّ السَّبِيْلَ

اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ۔ ایک بوند سے ۔ اسے پیدا کیا پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی ۔ پھر زندگی کی راہ اس پر

ف اگر وقف تَذْكِرَةٌ پر ہو تو پھر اس کا معنی وہ ہوگا جو عرض کیا گیا ہے اور اگر تَذْكِرَةٌ پر وقف نہ ہو تو یہ معنی ہیں کہ یہ آیات تو ایک تذکرہ ہیں جس کا جی چاہے ان سے نصیحت قبول کرے اور اپنی بگڑی بنالے اور جس کا جی چاہے ان سے اعراض کرے۔ ان لوگوں کو فوز و فلاح حاصل کرنے کے لیے اس دعوت کی احتیاج ہے۔ اس دعوت کو ان کی ضرورت نہیں۔

ف قرآن کریم کی عظمت شان کا ذکر ہو رہا ہے کہ قدرت نے اسے ان باعزت صحیفوں میں محفوظ کر دیا ہے جن کی شان بہت اونچی ہے۔ ان کا مرتبہ بڑا عالی ہے یہ ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ کرے یا اس میں باطل کو ملا دے۔

ف سفرۃ سافر کی جمع ہے اس کا معنی ہے پوشیدہ چیز کو ظاہر کرنے والا۔ کاتب کو بھی سافر کہتے ہیں کہ وہ اپنی تحریر سے اپنے دل کی ضمیر کو ظاہر کرتا ہے۔

یہاں سے ان فرشتوں کی تعریف کی جا رہی ہے جنہوں نے ان پاکیزہ صحیفوں میں کلام الٰہی کو تحریر کیا ہے کہ وہ بڑے عالی مرتبہ اور متقی ہیں۔ اس لیے ان سے یہ توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے کچھ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہو گا یا کچھ کمی کر دی ہو گی۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں غفلت و سستی ان کے لیے ناممکن ہے۔

ف علماء کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی قُتِلَ الْاِنْسَانُ کے الفاظ آتے ہیں وہاں انسان سے مراد کافر ہے یعنی یہ انسان جو ہر لحظہ ہمارے احسانات سے بہرہ ور ہو رہا ہے بجائے اس کا شکریہ ادا کرنے کے بلکہ قرآن نصیحت کی روش اختیار کرکے نافرمانی اور عبادت پر آمادہ ہے بندگی کے بجائے کفر و شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ خدا سے ایسا انسان اس کا انجام دیکھ لے گا۔ اس کے لیے اب نجات کی راہ بند ہے۔

ف انہیں تعجب کے لیے آتا ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو دولت و ثروت کے دولتمندوں اور رئیسوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا بھی اپنی ہتک خیال کرتے تھے۔

ف ایسے لوگ اپنی اصلیت پر غور کریں جب یہ دنیا میں آئے تو کیا ان کی یہ دھج تھی؟ کیا عالم تھا ان کے فخر و غرور کا؟ ایک بوند ہی تو تھے کتنے کم ظرف ہیں یہ لوگ کہ اپنی اصلیت کو بھول گئے۔ بلکہ شکم مادر میں ان کو کس حال میں پیدا کیا گیا۔

يَسَّرَهُ ۝٢٠ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۝٢١ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ ۝٢٢ كَلَّا لَمَّا

آسان کر دی[۱] پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچایا[۲] پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا[۳] یقیناً اس نے ادا نہیں کیا جو

يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ۝٢٣ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝٢٤ أَنَّا صَبَبْنَا

خدا نے اسے حکم دیا تھا[۴] پھر ذرا انسان غور سے دیکھے اپنی غذا کو بے شک ہم نے زور

جس نے ان کے اعضا کی ساخت، شکل و صورت کا تعین، ان کی روحانی صلاحیتوں، ان کے حسن کی ترتیب، بلندی اور ان کی حسرت، شہرت کہاں سے میں آکر کیسے اس سامنے آیا؟ آج جبکہ ان کا طول و طول جاہے اس وقت بھی ان کو یہ مجال نہیں کہ اس انتہائی قصد میں رائی برابر ردوبدل کر سکیں۔ ایسی بے بسی اور عزیت کا دعویٰ پہلے سے بھی حماقت اور کوتاہ نظری ہے۔

[۲] یہ بڑی جامع آیت ہے۔ اس کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ رحم مادر میں اسے پروان چڑھایا، وہاں سے اس کے باہر آنے کی راہ آسان کر دی۔ اور یہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے کہ گوناگوں قوتوں کی اس کے خمیر میں تخم ریزی کی۔ جب اسے اس دنیا میں پیدا کیا تو وہ سکر سامان و ذرائع بھی مہیا کر دیے جن کی وجہ سے اس کی امکانی قوتیں عمل میں آسکیں، امکانات پوری طرح ظہور میں آسکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی نشوونما کے لیے سازگار فضا اور خوشگوار ماحول پیدا نہ کرتا تو وہ قوتیں بے نتیجہ رہ جاتیں۔ وہ بے نتیجہ گل سڑ جاتیں۔ یہ انسان جو کچھ بھی نظر آرہا ہے اس کو اس مرتبہ تک پہنچانے میں قدرت کے لطف و کرم کا ہاتھ ہے۔ نیز اس آیت میں یہ حقیقت بھی بیان کی گئی ہے کہ ابدی فوز و فلاح کی منزل کی طرف جانے والی شاہراہ بھی روشن کر کے دکھا دی گئی ہے۔ ہر سالک کو اپنی منزل تک پہنچنا آسان ہو گیا ہے۔ اگر رسالت کی تنویر راستے کے نشیب و فراز کو روشن نہ کرتی تو انسان کی کیا طاقت تھی کہ وہ بخیریت منزل تک پہنچ سکتا۔ کسی نہ کسی گمراہی کے گرداب میں ڈوب کر مر جاتا یا کوئی لغزش اسے کسی تاریک غار میں دھکیل دیتی اور وہ دوران ہجوم تو ہو چکا ہوتا۔

[۳] جب تک اس کی موت کا مقررہ وقت نہیں آتا، ہزاروں خطرات کے باوجود سلامت رہتا ہے۔ بارش کی طرح برستے ہوئے بم بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ دشمن کی کوئی سازش اس کو گزند نہیں پہنچا سکتی اور جب مقدر وقت آتا ہے اس کی موت کا پروانہ جاری ہو چکا ہے تو پھر بڑے [illegible] کے جھرمٹ میں سے بھی موت کا ہاتھ اسے اچک لیتا ہے۔ پھر کہیں بھاگ سکتا ہے نہ چھپ سکتا ہے نہ خود کو بچا سکتا ہے اور نہ اسے کوئی بچا سکتا ہے۔ اور پھر جہاں اس کے خالق کی مرضی ہوتی ہے وہاں اسے دفن کر دیا جاتا ہے۔ زمین کا شکم اپنے دامان اور دروازوں کے سوا اور قد دیا اس کا وہ فخر کہا گیا ہے؟ بے بسی کا یہ عالم اور اس پر اتنا غرور اور گھمنڈ؟

[۴] وہ قادر مطلق جس کے قبضے میں اس کی آفرینش، پیدائش، نشوونما، حیات اور موت کے بارے میں اٹل تھے، وہ جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر کے محاسبہ کے لیے [illegible]

[۵] یہاں [illegible] کے تقاضے سے یقینی انسان کو اس کے مالک نے جن احکام کو بجا لانے کا حکم دیا، افسوس کہ وہ ان کو بجا لانے سے قاصر رہا۔ اپنی کم فہمی کے باعث وہ ان احکام کو بوجھ سمجھتا رہا۔ اپنی ترقی کی راہ میں سنگ گراں خیال کرتا رہا۔ حالانکہ اگر وہ ان ارشادات کی کماحقہ تعمیل کرتا تو

الْمَآءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنْۢبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾

سے پانی برسایا ۔ پھر ایک عجیب طرح سے پھاڑا زمین کو ۔ پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ

وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً

اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات اور طرح طرح کے پھل

وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾ فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾

اور گھاس ۔ سامانِ زیست تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے [13] پھر جب آئے گی بہرا کر دینے والا شور اٹھے گا [14]

اس کا اپنا بھلا ہوتا۔

13 ۔ انسان کے احوالِ معاد ذکر کرنے کے بعد اب اس کے احوالِ معاش کا ذکر ہو رہا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور بے شمار نوازشات کے جلوے دکھائے جا رہے ہیں۔ ان کی طرف انسان کو متوجہ کیا جا رہا ہے۔ یعنی تم اپنے دسترخوان پر چنے ہوئے رنگا رنگ کے کھانوں کو شوق سے کھا جاتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو پیدا کیا ہے۔ بارش برستی ہے، بیج زمین کا سینہ چاک کر کے ہرے رنگ کی کونپل کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، پھر وہ بڑھتے ہیں، نشوونما پاتے ہیں، کہیں کھیت ہیں جہاں تمہارے لیے اناج کے ذخیرے تیار کیے جا رہے ہیں، کہیں انگوروں کی بیلیں زمین پر پھیل کر اپنی نشوونما پا رہی ہیں، کہیں ترکاریاں ہیں، جانوروں کے لیے چارہ اگ رہا ہے، زیتون اور کھجور کے درخت کہیں بہار دکھا رہے ہیں، کہیں شاداب اور گھنے باغات ہیں جن کے درختوں کی ٹہنیاں رنگا رنگ پھولوں اور پھلوں سے لدی ہوئی ہیں، کہیں گھاس اگ رہی ہے جو تمہارے جانوروں کے کام آتی ہے۔ اس طرح ہم نے اپنی رحمت و قدرت سے تمہارے لیے اور تمہارے حیوانوں کے لیے سامانِ زیست فراہم کر دیا ہے۔

مشکل الفاظ کی تشریح : صبًّا ۔ پانی کو اوپر سے انڈیلنا۔ شقًّا ۔ زمین کو پھاڑنا اس کا چیرنا۔ حبًّا ۔ سے مراد ہر قسم کا اناج ہے گندم، جو وغیرہ جس کا ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح شعیر اور سائر ما یحصد وغیرہ۔ قضبًا ۔ القضب کا معنی ہے کاٹنا، وہ چارہ جو کاٹنے کے بعد پھر اگ آتا ہے۔ اس کو بھی قضب کہتے ہیں اور وہ ترکاریاں جو کاٹ کر استعمال کی جاتی ہیں اور ان کی جڑیں پھر پھوٹ آتی ہیں ان کو بھی قضب کہا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں : هو القت والعلف ، سمّی بذلک لانہ یقضب ای یقطع بعد ظہورہ مرۃ بعد اخری (یعنی ہر وہ چیز جو کاٹ لی جائے)۔ غلبًا ۔ وہ درخت جو بھاری بھرکم ہوں اس کو غلبۃ کہتے ہیں، شیر کو اغلب کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ اس کی گردن موٹی اور بھاری ہوتی ہے۔ حدائق غلبًا کا معنی ہوگا گھنے باغات جن کے درخت بھاری بھرکم ہوتے ہیں، جن کی شاخیں باہم پیوست ہوتی ہیں۔ ابًّا ۔ هو ما تأكله البهائم من العشب، وہ چارہ اور گھاس جو جانوروں کے کھانے کے کام آتا ہے۔

14 ۔ ذکرِ معاش کے بعد پھر ذکرِ معاد ہو رہا ہے تاکہ لوگ اس کے لیے تیاری کریں اور اس طویل سفر کے لیے اعمالِ صالحہ کا زادِ راہ فراہم کریں۔

الصآخّۃ : خلیل اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں : الصاخۃ صیحۃ تصخ الآذان صخا ای تصمہا ۔ (قرطبی) یعنی ایسی چیخ جو کانوں کو بہرا کر دے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَ

اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور

بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ

اپنے بچوں سے۔ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی شگفتہ کئی چہرے

يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ

اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش و خرم ۳۹ اور کئی منہ

يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ

اس دن غبار آلود ہوں گے۔ ان پر کالک لگی ہوگی۔ یہی وہ کافر (اور)

الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

فاجر لوگ ہوں گے۔

گرجدار آواز کو کہتے ہیں جس کے شور سے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اس سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے جبکہ سب لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

۳۸ اس دن عجیب افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم ہوگا کسی کو دوسرے کی ہوش نہ ہوگی ہر ایک اپنی مصیبت میں پھنسا ہوگا۔

۳۹ اس ہولناک دن بھی بعض چہرے ایسے ہوں گے جو چمک رہے ہوں گے خوشی سے شاداں ہوں گے اور ان کے چہروں پر مسرت و فرحت کے آثار نمایاں ہوں گے۔ انہیں کوئی اندیشہ اور کوئی غم نہ ہوگا کیونکہ اولیاء اللہ ہوں گے ... ساری زندگی [illegible] رہی ہوگی۔

۴۰ لیکن وہ بدنصیب جنہوں نے سرکشی اور نافرمانی کی تھی ان کے چہروں پر خاک اڑ رہی ہوگی ان کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو ساری عمر کفر کرتے رہے اور فسق و فجور میں بہکتے رہے۔

اَللّٰهُمَّ انت ربنا وانت الرحمٰن الرحيم اجعل وجوهنا يومئذ مسفرة ضاحكة مستبشرة. انت اهل التقوى و اهل المغفرة بجاه حبيبك المكرم ورسولك المعظم الذي ارسلته رحمة للعالمين [illegible] الشفاعة المذنبين اللهم ابعثه مقاما محمودا يغبطه به الاولون والآخرون وصل وسلم وبارك عليه وعلى آله واصحابه ومن احبه و اتبعه الى يوم الدين يا اكرم الاكرمين يا ارحم الراحمين. فاطر السموات والارض انت وليّ في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين.

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ التکویر

نام : پہلی آیت میں کُوِّرَتْ باب تفعیل سے ماضی مجہول کا صیغہ مذکور ہے جس کا مصدر تکویر ہے۔ یہی اس سورۃ کا نام ہے۔

زمانہ نزول : آیات کا اسلوب گواہی دے رہا ہے کہ یہ آغاز رسالت کے عہد میں نازل ہوئی۔ جن میں دو مسئلوں قیامت اور رسالت کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ بھی انہی کی نشاندہی کرتا ہے۔

مضامین : قیامت اور رسالت کے بارے میں ہی یہاں دلائل و شواہد ذکر فرمائے جا رہے ہیں۔ قیامت کے دو مرحلے ہیں پہلا مرحلہ وہ ہے جب یہ موجودہ نظام کائنات درہم برہم کر دیا جائے گا۔ نہ یہ چرخ نیلوفری رہے گا نہ مہر و ماہ کی تابانیاں ہوں گی اور نہ ان گنت ستارے چمکتے رہیں گے۔ فلک بوس پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں غبار کی طرح اڑنے لگیں گے۔ چرند و پرند کی حالت دیدنی ہوگی۔ اس کے بعد اس کے دوسرے مرحلے کا ذکر فرمایا گیا جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا ہر چیز اپنی اپنی قبروں سے زندہ و بیدار اٹھ کھڑی ہوگی اور سب کو بارگاہ خداوند ذوالجلال میں محاسبہ کے لیے پیش کر دیا جائے گا۔ ایک طرف آنکھوں کے سامنے دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ دوسری طرف جنت اپنی تمام زینت اور آرائش کے ساتھ بندگان خدا کے لیے چشم براہ ہوگی۔

ذکر قیامت کے بعد رسالت کا تذکرہ فرمایا پہلے متعدد قسمیں کھائیں پھر بتایا کہ حامل قرآن اللہ کا رسول ہے۔ یہ کلام جو وہ تمہیں پڑھ کر سناتا ہے یہ نہ اس نے خود تالیف کیا ہے اور نہ کسی نے اسے سکھایا اور پڑھایا ہے بلکہ ایک معزز و محترم فرشتہ جس کی امانت و دیانت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ وہ فرشتہ اللہ کی جناب سے لے کر آیا ہے۔

اے نادانو! اس چشمۂ شیریں کو چھوڑ کر تم سراب کے پیچھے کیوں دوڑے جا رہے ہو ذرا بینش سے کام لو اپنی عاقبت برباد نہ کرو۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۷۷ - ۱۰ - ۶

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ التکویر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں ۲۹ آیات ہیں۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝٢ وَاِذَا الْجِبَالُ

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا ۱ اور جب ستارے بکھر جائیں گے ۲ اور جب پہاڑوں کو اکھیڑ دیا

سُيِّرَتْ ۝٣ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝٤ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝٥ وَ

جائے گا ۳ اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی ۴ اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیے جائیں گے ۵ اور

۱ وقوعِ قیامت کے وقت جو ہولناک تغیرات رونما ہوں گے ان کا ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ لوگ خوابِ غفلت سے آنکھیں کھولیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں تاکہ اس روز انہیں بے پناہ ہلاکت و پریشانی کا سامنا کرنا نہ پڑے۔

نظامِ شمسی میں آفتاب کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں۔ جب ابھرتا ہے تو اس کی کرنیں رات کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی دنیا کو تاباں و منور کر دیتی ہیں۔ اس کی حرارت سے زمین [illegible] لیکن اس روز اس کی نور افشانی کو ختم کر دیا جائے گا [illegible] لپیٹ دی جائیں گی [illegible] اس کی تیز رفتار شعاعوں کو [illegible] کا اندازہ [illegible]

جب کوئی شخص [illegible] کو لپیٹتا ہے تو عرب کہتے ہیں [illegible] اسی سے تکویر باب تفعیل ہے۔

۲ سورج کے بعد ستاروں کی حالت بیان کی جا رہی ہے کہ وہ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ [illegible] وانکدرت النجوم [illegible] ہر ایک ستارہ [illegible] اپنے مدار میں [illegible] ختم ہو جانے کی [illegible]

۳ [illegible] پہاڑوں کا [illegible] باقی نہیں رہے گا [illegible] روئی کے گالوں کی طرح [illegible] اڑتے پھریں گے [illegible] کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

۴ عشار اس گابھن اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو دس ماہ [illegible] ایک بچہ کو جنم دینے کے [illegible] اہل عرب کے نزدیک [illegible] اونٹنی جس کے حمل کو دس ماہ گزر چکے ہوں ان کے نزدیک [illegible] کی حفاظت [illegible] لیکن قیامت کے روز لوگوں کی [illegible] کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا [illegible] اپنی جان کی پڑی ہوگی۔

۵ [illegible] انسان [illegible] جنگلی جانور [illegible] انسان کی [illegible] دور بھاگتے ہیں [illegible]

إِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ

جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے ۵ اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑ دی جائیں گی ۶ اور جب زندہ درگور کی ہوئی (بچی)

سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا

سے پوچھا جائے گا ۷ کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی۔ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے اور جب

حیوانات بھو کر شہروں میں آگھسیں گے۔ مگر کوئی گدھا کسی کو دولتیاں نہ مارے گا، نہ کوئی سانپ کسی کو ڈسے گا اور نہ کوئی شیر کسی بکری کو پھاڑے گا۔ سب دم بخود اپنے ہی خوف سے ایک جگہ جمع ہوں گے۔

ف ۵ سمندروں میں اس روز پانی کی بجائے آگ کے شعلے اٹھ رہے ہوں گے۔ پانی سے شعلوں کا اٹھنا تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے لیکن اگر پانی کی اصلیت پر غور کیا جائے تو تعجب اس پر نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے آگ بھڑک اٹھے گی بلکہ حیرت اس پر ہوگی کہ پانی سے آگ بجھ کیوں جاتی ہے۔ پانی دو گیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے۔ ان میں سے ایک گیس بھڑکانے والی ہے اور دوسری بھڑک اٹھنے والی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جب ان کو اکٹھا کیا جاتا تو آگ کی شدت انتہا کو پہنچ جاتی لیکن قادر مطلق نے ان کے مرکب کو پانی کی شکل دے دی اور اس میں آگ بجھانے کی تاثیر رکھ دی۔ قیامت کے دن جب دوسرے تمام قوانین فطرت معطل کر دیے جائیں گے، سورج بے نور ہو جائے گا، ستارے بکھر جائیں گے تو پانی کے اس ضابطہ کو بھی ختم کر دیا جائے گا۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گی اور ان کے بے پایاں ذخائر جو سمندروں میں پانی کی صورت میں موجود ہیں، بھڑکتے شعلے بن جائیں گے۔ سبحان من تفرد بالملك والتصرف بالآيات فسبحانه۔

ف ۶ اس کا ایک مفہوم تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اعمال و اخلاق کے مطابق انسانوں کی گروہ بندی کر دی جائے گی۔ متقین کا ایک گروہ ہوگا، اصحاب یمین الگ ایک جگہ اکٹھے ہوں گے اور اصحاب شمال کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

قال الحسن: ألحق كل امرئ بشيعته۔ اور عکرمہ سے اس کا یہ معنی منقول ہے: تزوج الأرواح بالأجساد۔ یعنی قیامت کے دن روحوں کو پھر جسموں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ (قرطبی)

ف ۷ عہد جاہلیت میں کئی قبیح اور سنگدلانہ رسمیں رائج تھیں جنہیں وہ بڑے شرح صدر سے انجام دیا کرتے تھے۔ ان غیر انسانی رسوم سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اس پر شرمندہ و پشیمان ہونے کے بجائے وہ فخر و مباہات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اس ظالمانہ حرکت کے آغاز کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ ربیعہ قبیلہ پر ان کے دشمنوں نے شب خون مارا اور ربیعہ کے ایک سردار کی بیٹی کو وہ اٹھا کر لے گئے۔ جب دونوں قبیلوں کے درمیان صلح ہو گئی تو اس لڑکی کو واپس کر دیا گیا اور اسے اختیار دیا گیا کہ چاہے اپنے باپ کے پاس رہے اور چاہے تو اسیری میں جس کے ساتھ رہی تھی اس کے پاس واپس چلی جائے۔ اس نے اس شخص کے پاس جانا پسند کیا۔ اس کے باپ کو بڑا غصہ آیا اور اس نے اپنے قبیلے میں یہ رسم جاری کر دی کہ جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہو تو اس کو زندہ زمین میں دبا دیا جائے تاکہ آئندہ ان کی بیٹیاں رسوائی کا باعث نہ بنیں۔ پھر آہستہ آہستہ دوسرے

قبائل میں بھی یہ رواج مقبولیت اختیار کر گیا اور اس کی کئی وجوہات تھیں۔ ① عام اہل عرب کی معاشی حالت بڑی خستہ ہوا کرتی تھی، بچیوں کو پالنا پوسنا، کھلانا پلانا، پھر ان کی شادی کرنا وہ اپنے لیے ناقابل برداشت بوجھ تصور کرتے تھے اس لیے ان کو بچپن میں ہی ٹھکانے لگا دیا کرتے تھے۔ قبائل میں باہمی مخاصمت دشمنی روزمرہ کا معمول تھا لڑکے ہاتھ میں تلوار پکڑ کر ایسی لڑائیوں میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ لڑکیاں ان لڑائیوں میں بھی شرکت نہ کر سکتیں اور جیالوں کو دشمن کی دستبرد سے بچا سکنے کی بجائے ہمیں ان کی حفاظت کرنی پڑتی اس لیے وہ ان کو زندہ رکھنا اپنے لیے وبال جان سمجھتے۔ ② ان کی جاہلانہ نخوت بھی اس کا ایک سبب تھی، وہ کسی کو اپنا داماد بنانا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اس سے بچنے کا یہی آسان طریقہ تھا کہ بچی کو زندہ ہی زمین میں گاڑ دیا جائے نہ رہے بانس نہ بجے بانسری اور نہ کوئی ان کا داماد بنے۔

وجوہات اگرچہ مختلف اور متعدد تھیں لیکن یہ ظالمانہ رسم عرب کے جاہلی معاشرے میں اپنی جڑیں بہت گہری گاڑ چکی تھی، عام طور پر اسے کوئی معیوب چیز بلکہ ظلم بھی نہ سمجھا جاتا۔ باپ اپنی اولاد کا مالک کل ہے۔ چاہے اسے زندہ رکھے، چاہے قتل کر دے کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں لیکن اس سنگ دل معاشرے میں خال خال ایسے لوگ موجود تھے جو معصوم بچیوں کی بے کسی پر خون کے آنسو بہاتے اور ان سے جتنا کچھ بن آتا اس سے دریغ نہ کرتے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی زید بن عمرو بن نفیل کو جب پتہ چلتا کہ فلاں شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور وہ اس کو زندہ دفن کرنا چاہتا ہے تو وہ فوراً اس کے پاس جاتے اور اس بچی کی پرورش اور اس کی شادی وغیرہ کے اخراجات کی ذمہ داری اٹھاتے اور اس طرح اس معصوم کی جان بچاتے۔

مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ بن ناجیہ المجاشعی کا بھی یہی معمول تھا۔ علامہ آلوسی نے طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں بھی نیک کام کیے ہیں، کیا مجھے ان کا بھی اجر ملے گا؟ میں نے تین سو ساٹھ بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا اور ہر ایک کے عوض دو دو دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں اور ایک ایک اونٹ بطور فدیہ ان کے باپوں کو دیا۔ کیا مجھے اس عمل کا کوئی اجر ملے گا؟ فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لک اجرہ اذ من اللہ علیک بالاسلام۔ نبی رحمت نے فرمایا اس عمل کا اجر تجھے مل گیا، اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اسلام لانے کی توفیق مرحمت فرمائی اور نعمت ایمان سے تجھے سرفراز کر دیا۔ (روح المعانی)

چنانچہ فرزدق اپنے دادا کے اس کارنامے پر فخر کیا کرتا تھا۔ اس کا ایک شعر ہے۔

وجدی الذی منع الوائدات فاحیا الوئید فلم توأد

میرا دادا وہ ہے جس نے زندہ درگور کرنے والوں کو روکا۔ اس طرح ان بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچا کر زندگی بخش دی۔

لیکن اس ظالمانہ رسم کا پوری طرح قلع قمع اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ کا محبوب رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لایا اور بیٹی کو وہ شان بخش دی کہ وہ باعث عار ہونے کی بجائے اپنے والدین کے لیے موجب صد افتخار بن گئی۔ حضور نے اپنے دلآویز ارشادات سے اس غلط فہمی کو اہل عرب کے دلوں سے نکال دیا کہ بچی ایک ناگوار بوجھ ہے یا خاندان کی ذلت و رسوائی کا سبب ہے۔ چند ارشادات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ آپ کے دل میں اپنی بچیوں کی قدر و منزلت دو چند ہو۔

① من ابتلی من هذه البنات بشیء فاحسن الیهن کن له سترا من النار۔ جو شخص ان بچیوں کا باپ بننے سے آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لیے آتش جہنم سے پردہ ثابت ہوں گی۔ (بخاری و مسلم)

(۲) امام مسلم کی روایت ہے من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامۃ انا وھو کھاتین وضم اصابعہ جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح اکٹھے ہوں گے۔ یہ فرمایا اور اپنی انگلیوں کو باہم پیوست کر دیا۔

(۳) ابو داؤد کی حدیث ہے من کانت لہ انثی فلم یئدھا ولم یھنھا ولم یؤثر ولدہ علیھا ادخلہ اللہ الجنۃ۔ جس کی ایک بچی ہو وہ اسے زندہ درگور بھی نہ کرے، اس کی توہین بھی نہ کرے، اپنے بیٹے کو اس پر فوقیت بھی نہ دے تو اس امر کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

آخر میں تعلیم نبوی کی ہمہ گیری کا اندازہ کرنے کے لیے آپ یہ حدیث پاک پڑھیں:

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لسراقۃ بن جعشم الا ادلک علی اعظم الصدقۃ او من اعظم الصدقۃ قال بلی یا رسول اللہ، قال ابنتک المردودۃ الیک لیس لہا کاسب غیرک۔ (ابن ماجہ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑے صدقہ پر آگاہ نہ کروں۔ عرض کیا ضرور۔ یا رسول اللہ! فرمایا تیری وہ بیٹی جو طلاق پا کر یا بیوہ ہو کر تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا اس کے لیے کمانے والا کوئی نہ ہو۔

کثیر التعداد احادیث میں سے صرف چند احادیث یہاں ذکر کی گئی ہیں۔ حضور کے اس قسم کے ارشادات اور اپنی دختران عالی مرتبت کے ساتھ آپ کا نہایت درجہ پیار اور مروت بھرا برتاؤ ان کی تعداد فراوانی کے وہ اسباب تھے جن کے باعث بچیوں کے متعلق صرف عرب کے نظریات میں ہی انقلاب نہیں آیا بلکہ دنیا بھر میں بچیوں کی قدر و منزلت بلند ہو گئی۔

اب ذرا آیت کا مفہوم سمجھنے کی کوشش فرمائیے۔

یہ نہیں فرمایا کہ اس کے سنگدل باپ سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنی بچی کو کیوں زندہ درگور کیا بلکہ فرمایا کہ اس بچی سے پوچھا جائے گا کیونکہ یہ باپ جس نے اپنی بے گناہ بچی پر ایسا ظلم کیا ہے اتنا ناراض ہے کہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کو خطاب کیا جائے اسے منہ لگایا جائے۔ اظہار کمال الغیظ والسخط لوائدھا واسقاطہ عن درجۃ الخطاب والمبالغۃ فی تبکیتہ (روح المعانی) یعنی اس انداز سے اپنے غصے اور ناراضگی کی انتہا کا اظہار کیا گیا، اس کو مخاطب بنانے کے درجہ سے بھی گرا دیا گیا اور اس کو رسوا کرنے میں مبالغہ سے کام لیا گیا۔

نیز ظالم سے اگر اس کے ظلم کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ اس کے لیے کوئی حیلہ بہانہ تراش لے گا، اس لیے مناسب یہی ہے کہ مظلوم سے پوچھا جائے تاکہ وہ اپنے ظلم و ستم کی داستان بیان کرے۔

اس میں ایک اور حکمت بھی ہے۔ وہ یہ کہ دنیا میں کئی مظلوم ہو گزرے ہیں جنہیں بے گناہ قتل کر دیا جاتا ہے لیکن ان کا انتقام لینے کے لیے کوئی وارث نہیں ہوتا، بے نام و نشان ہیں یا کم از کم ان کی مظلومیت پر رنج و غم کے آنسو بہانے والے ہیں، یہ معصوم ایسی مظلوم تھی جس پر ظلم اس کے ماں باپ نے کیا۔ اس کی مظلومیت پر کسی نے صدائے احتجاج بھی بلند نہ کی۔ اس کی جوان مرگی پر کوئی آنکھ نمناک نہ ہوئی، بلکہ اطمینان کا سانس لیا گیا۔ اس کے قاتل پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کیے گئے، اسے غیرت مند اور اپنے خاندان کی ناموس کے پاسبان کا خطاب دیا گیا۔ کیا مظلومیت میں اس کا کوئی ہمسر ہے۔ اگر ایسی معصوم ستم رسیدہ بچی کی داد رسی اس کا پروردگار بھی نہ کرے تو اور کون کرے گا۔

اس سوال میں قیامت کے برپا کرنے کی حکمت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ تم خود سوچو کہ اگر قیامت برپا نہ ہو تو کیا اس مظلوم کی داد رسی کی کوئی

السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾

آسمان کی کھال ادھیڑ دی جائے گی ؂ اور جب جہنم دہکائی جائے گی اور جب جنت قریب کر دی جائے گی۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾ فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ

تو اس روز ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے ؂ پس میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے ستاروں کی اور قسم کھاتا ہوں سیدھے چلنے

الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ إِنَّهُ

والے، چھپ جانے والے ستاروں کی ؂ اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے ؂ اور صبح کی جب وہ سانس لے ؂ کہ یہ قرآن ایک

صورت ہو سکتی ہے ایسے ظالم کو سزا دینا ممکن ہے؟ اگر اتنا بڑا ظلم دلوں کو لرزا دینے والا ظلم محاسبہ سے بچ جائے تو اس سے بڑھ کر اندھیر گردی اور کیا ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عدل ہے انصاف ہے اندھیر گردی اور ظلم نہیں۔

؂ قیامت کے دوسرے واقعات بیان کیے جا رہے ہیں کشط کے معنی ہیں کسی کی کھال ادھیڑنا فاصل الکشط السلخ یعنی آج انسان پوری تیلوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو اس کے جلال و جمال کو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔ لیکن اس روز جب اس کی کھال اتار دی جائے گی تو جلال و جمال سب فنا ہو جائے گا اور اس کے پیچھے چھپی ہوئی دہشت رہ جائے گی۔

؂ اس وقت اعمال کے سارے پردے اٹھ جائیں گے۔ ہر شخص کو نامۂ اعمال دیا جائے گا اور اسے اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ اس نے اپنی زندگی میں کیا کھویا کیا پایا؟ اس کے اعمال نیک و بد اسے اپنے سامنے نظر آنے لگیں گے۔

یہاں تک سورت کا ایک مضمون اختتام پذیر ہوا۔ اس کے بعد دوسرا مضمون شروع ہوتا ہے اور وہ ہے حضور کی رسالت کا بیان۔

؂ یعنی خنس، جوار، الکنس کا لغوی معنی ذہن نشین کر لیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں الخنس جمع خانس من الخنوس۔ وھو الانقباض والاستخفاء۔ خنس کا واحد خانس ہے یہ خنوس سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے سمٹ جانا اور چھپ جانا ہے۔ الجوار، جمع جاریۃ من الجری وھو السیر السریع۔ جوار کا واحد جاریۃ ہے یہ جری سے مشتق ہے۔ اس کا معنی تیز رفتاری سے گزرنا۔

الکنس، جمع کانس و کانسۃ من کنس الوحش اذا دخل کناسہ۔ کنس کا واحد کانس اور کانسۃ ہے۔ یہ کنس الوحش سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے کہ جنگلی جانور اپنے ٹھکانے میں داخل ہو گیا۔ ان الفاظ سے کیا مراد ہے؟ تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا اس سے تمام ستارے مراد ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کیونکہ دن کے وقت آنکھوں سے چھپ جاتے ہیں اس لیے انہیں خنس کہا اور رات کے وقت اپنی اپنی جگہ پر نمودار ہو جاتے ہیں اس لیے انہیں کنس کہا۔ ابن ابی حاتم نے سیدنا علی مرتضیٰ سے یہ قول بھی نقل کیا ہے انہ قال ھی خمسۃ انجم زحل، عطارد، مشتری، مریخ اور زہرہ ہیں کہ آپ نے فرمایا ان سے پانچ ستارے مراد ہیں۔ ان کو نجوم متحیرہ کہتے ہیں۔

لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾

معزز قاصد (فرشتہ) کا (لایا ہوا) قول ہے ۱۴؎ جو قوت والا ہے، مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔

مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿٢١﴾ وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ رَآهُ

سب (فرشتوں) کا سردار اور وہاں کا امین ہے۔ اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں ۱۵؎ اور بلاشبہ اس نے اس

بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ

(قاصد) کو دیکھا روشن کنارہ پر ۱۶؎ اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں ۱۷؎ اور یہ (قرآن)

کیونکہ ان کی رفتار کا حال یکساں نہیں رہتا بلکہ مختلف ہوتا رہتا ہے۔ کبھی تو انہیں دیکھو گے کہ وہ ایک سمت کی طرف جا رہے ہیں، پھر وہ اس کے برعکس دوسری سمت کی طرف لوٹتے ہیں۔ کبھی وہ متحرک ہوتے ہیں اور کبھی وہ ٹھہرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس صورت میں خنس کا معنی ہو گا رجوع یعنی پیچھے پلٹنے والے ہوں گے اور کنس کا معنی اختفاء ہے، مقصد یہ ہے ان کا اپنے مغیب میں چھپ جانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۲؎ عسعس کے دو معنی کیے گئے ہیں۔ ان میں ایک ظلام ہے اور دوسرا اقبال۔ اندھیرے کا پیچھے پھر جانا جیسے رات کے اختتام کے وقت ہوتا ہے، اندھیرے کا آجانا جیسے ابتدائے شب میں ہوتا ہے۔ یہ دونوں معنے حضرت ابن عباس سے مروی ہیں۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا رات جب پیٹھ پھیر لے اور دوسری صورت میں معنی ہوگا رات جب چھا جائے۔

۱۳؎ تنفس: جب صبح سانس لے یعنی جب اس کی روشنی پھیلنے لگے۔ زمخشری کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب صبح طلوع ہوتی ہے تو نسیم صبح چلنے لگتی ہے۔

۱۴؎ یہ پانچ قسمیں کھانے کے بعد فرمایا تمہارا یہ کہنا سراسر باطل ہے کہ یہ قرآن حضور خود گھڑتے ہیں یا کسی انسان سے سیکھ کر لوگوں کو سناتے ہیں، بلکہ یہ وہ کلام ہے جو ایک محترم قاصد لے کر آیا ہے۔ اس سے مراد جبرئیل امین ہے۔ ان کی چند اور صفات بھی بیان کر دیں کہ وہ بڑے طاقتور ہیں، مالک عرش کی جناب میں ان کا مرتبہ بڑا بلند ہے اور تمام فرشتے ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور ان کی امانت میں کسی کو ادنیٰ سا شک بھی نہیں۔ جب لانے والا ان صفات عالیہ سے متصف ہو تو کون یہ خیال کر سکتا ہے کہ اس نے اس کلام میں کوئی کمی بیشی کی ہوگی۔

۱۵؎ لانے والے کی شان بیان کرنے کے بعد اس ذات اقدس و اطہر کا ذکر ہو رہا ہے جس کے پاس جبرئیل یہ کلام لے کر آیا۔ فرمایا وہ کوئی اجنبی نہیں ہے جس کی گزشتہ زندگی سے تم بے خبر ہو، جس کی سیرت و کردار کا تمہیں تجربہ نہ ہو۔ اعلان نبوت سے پہلے چالیس سال کا عرصہ انہوں نے تمہارے ساتھ بسر کیا ہے۔ زندگی کی مختلف منزلیں انہوں نے تمہاری آنکھوں کے سامنے طے کی ہیں۔ تم ان کی دیانت، پاکبازی، اولوالعزمی اور دانائی کے خود گواہ ہو۔ تم ہوش و حواس رکھتے ہوئے ان کو مجنون کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿٢٥﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ

کسی شیطان مردود کا قول نہیں ۔ پھر تم (اس قرآن سے) کدھر چلے جا رہے ہو ۔ یہ تو بس ایک نصیحت ہے

لِّلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَاءُونَ

سب اہل جہان کے لیے ۔ (لیکن ہدایت) اس کے لیے ہے جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے ۔ اور تم نہیں چاہ سکتے

۱۸ یعنی جو فرشتہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتا ہے وہ بھی ان کا جانا پہچانا ہے۔ انہوں نے دن کی روشنی میں آسمان کے افق پر اس کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس لیے انہیں اس کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جیسے معزز فرشتہ جس کو وہ اچھی طرح پہچانتے ہیں لے کر ان پر نازل ہوا ہے۔

۱۹ تمہارا انہیں کاہن کہنا سراسر زیادتی ہے۔ کاہن کے پاس تو غیب کا علم ہوتا ہی نہیں اور جو کچھ قیاس آرائی یا ظن و تخمین کی بنا پر وہ کہہ جاتا ہے اس کو بتانے کے لیے تیار نہیں جب تک اس کی مٹھی میں ...... نہ رکھ دی جائیں اور اس کا منہ نذرانہ پیش نہ کیا جائے وہ منہ سے کچھ اگلتا ہی نہیں۔ اور یہاں تو یہ حال ہے کہ علوم غیبیہ کے خزانے جو انہیں بخشے گئے ہیں وہ معارف الہیہ ہیں جن سے ان کا سینہ معمور ہے وہ حقائق ربانی جو آن کے قلب منیر پر ہر لحظہ نازل ہوتے رہتے ہیں یہ ان کو بتانے میں ذرا بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کے علوم و معارف کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور ہر تشنہ لب کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ کیا اس یقین کی شہادت کے باوجود تم انہیں کاہن کہہ سکتے ہو۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت پر جو تفسیری حاشیہ لکھا ہے وہ حضور کے علم غیب پر اعتراض کرنے والوں کے لیے باعث ہدایت ہو سکتا ہے۔ لکھتے ہیں :

"یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے، ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللہ کے اسماء و صفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا۔" (تفسیر عثمانی، الضنین، البخیل، بخیل اور کنجوس

۲۰ یعنی اس کلام میں توحید کی دعوت ہے۔ کفر و شرک سے احتراز کا حکم ہے۔ اخلاق حسنہ کی تاکید ہے۔ شیطان کو کیا پڑی ہے کہ وہ لوگوں کو توحید کی طرف بلائے، کفر و شرک اور صفات رذیلہ سے اجتناب کی تاکید کرے۔ یہ کلام اپنے مقاصد کے اعتبار سے تمہاری اس غلط فہمی کی پرزور تردید کر رہا ہے۔

۲۱ اس چشمہ صافی کو چھوڑ کر سراب کی طرف بھاگ کر جانا کہاں کی عقل مندی ہے۔ اس نور ہدایت کی تابانیوں سے منہ موڑ کر گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہنا تمہارے جیسے دانش مندوں کو زیب نہیں دیتا۔

۲۲ جس طرح اس کو نازل کرنے والا رب العالمین ہے اور وہ جس پر یہ نازل ہوا ہے وہ رحمۃ للعالمین ہے اسی طرح یہ کتاب بھی ذکر للعالمین ہے۔ زمان و مکان کی حدبندیوں سے آزاد ہے۔ تمام نوع انسان کے لیے قیامت تک کے لیے رشد و ہدایت کا چشمہ ہے۔

إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع

بجز اس کے کہ اللہ چاہے جو رب العالمین ہے ۲۱

آفتاب ہے لیکن ان سے مستفید وہی ہو سکتا ہے جس کے دل میں یہ خواہش ہو کہ وہ راہ راست پر گامزن ہو۔

۲۱ اور حقیقت یہ ہے کہ تم از خود اس کی خواہش بھی نہیں کر سکتے جب تک توفیق الٰہی دستگیری نہ کرے۔ فہم و فراست کے سلسلے چراغ بجھے رہتے ہیں، راہ راست پر ایک قدم بھی نہیں اٹھ سکتا اور جب اس کی نظر لطف چارہ سازی کرتی ہے تو سب حجاب اٹھ جاتے ہیں، ساری رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں اور انسان پوری یکسوئی کے ساتھ اس منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔

○

ما شاء الا ان يشاء الله رب العالمين لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم يا حي يا قيوم برحمتك استغيث لا تكلني الى نفسي طرفة عين واصلح لي شأني كله ۔

اللّٰهم صل وسلم وبارك على حبيبك المصطفى ونبيك المرتضى رسولك المجتبى افضل الصلوات واجمل التسليمات واكمل البركات وعلى آله وبه المسحات واصحابه اولي الطاعات وعلينا معهم يا ارحم الراحمين

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ الانفطار

نام : اس کی پہلی آیت میں "انفطرت" کا کلمہ ہے جس کا مصدر "انفطار" ہے۔ یہی اس سورت کا نام ہے اس میں ایک رکوع، انیس آیتیں، اسی کلمے اور تین سو ستائیس حروف ہیں۔

نزول : یہ بھی مکی دور کے آغاز میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے۔

مضامین : وقوع قیامت کا ہولناک منظر پیش کرنے کے بعد بتادیا کہ اس روز فریب کے سارے پردے چاک ہو جائیں گے حقیقت اپنی صحیح صورت میں نمایاں ہو جائے گی۔ ہر شخص کو خود بخود اپنے کارناموں کے بارے میں پتہ چل جائے گا کہ وہ دنیا میں کیا کرتا رہا! نیکی یا بدی کا جو بیج وہ بو آیا تھا اس کے اچھے یا برے کیا نتائج مرتب ہوئے؟

پھر انسان کو کوسا جا رہا ہے کہ اے انسان جس رب کریم نے تجھے اپنے لطف وکرم کے آغوش میں پالا اپنے بے پایاں احسانات سے نوازا تم اس کی ناشکری کر رہے ہو۔ تم یہ نہ سمجھو کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ فراموش کر دیا جائے گا اور روز محشر اس کا کوئی باضابطہ ثبوت پیش نہ کیا جا سکے گا۔ یہ تمہاری غلط فہمی ہے ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بلکہ ہم نے معتبر فرشتے مقرر کر دیے ہیں جو تیرے ہر فعل اور ہر حرکت کو ضبط تحریر میں لا رہے ہیں۔ اس قابل وثوق ریکارڈ کے مطابق نیکوں کو ان کی نیکی کا اجر اور بروں کو ان کی برائی کی سزا ملے گی۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۶-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ انفطار مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں انیس آیات ہیں

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ

جب آسمان پھٹ جائے گا — اور جب ستارے بکھر جائیں گے — اور جب سمندر بہنے

فُجِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ

لگیں گے — اور جب قبریں زیر و زبر کر دی جائیں گی ۱؎ — (اس وقت) جان لے گا ہر شخص جو اعمال اس نے آگے بھیجے تھے اور

اَخَّرَتْ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶ الَّذِیْ

جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا ۲؎ — اے انسان! کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے رب کریم کے بارے میں ۳؎ — جس نے تجھے

۱؎ قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اس کی بندشیں ڈھیلی پڑ جائیں گی اور شگاف نمودار ہو جائیں گے۔ ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ سمندر جو آج ساکن ہیں دریاؤں کی طرح بہنے لگیں گے۔ درمیانی حد جو ایک سمندر کو دوسرے سمندر سے آج خلط ملط نہیں ہونے دیتی وہ ٹوٹ جائیں گی اور سمندروں کا پانی بہنا شروع ہو جائے گا۔ قبروں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ ان میں جو لوگ دفن ہیں وہ باہر نکل آئیں گے۔ اس وقت انسان پر اس کے نیک و بد اعمال کی حقیقت آشکارا ہو گی۔ مشکل الفاظ کی تشریح: انفطار پھٹ جانا۔ انتثار بکھر جانا۔ تفجیر بہنا۔ بعثرۃ زیر و زبر ہونا۔

۲؎ اس کا ایک مفہوم تو وہ ہے جس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ یعنی جو اعمال، عبادات اور طاعات اس نے آج کے دن کے لیے پہلے بھیج دیے تھے ان کا بھی اسے پتہ چل جائے گا اور جو نیک کام اس نے جاری کیے تھے اس کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جو نیک نتائج مدت دراز تک ان پر مرتب ہوتے رہے ان سب کا اسے پتہ چل جائے گا۔ اسی طرح جو برے کام اس نے کیے اور جو برائی کی رسم اس نے چلائی اور جو گمراہی اخلاق و کردار میں اس کے باعث پیدا ہوئی اس کا بوجھ بھی اس کی گردن پر لاد دیا جائے گا۔
اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جن احکام الٰہیہ کی اس نے تعمیل کی اور جن کی بجا آوری سے وہ پیچھے رہ گیا ان سب کا اس کو علم ہو جائے گا۔ اس کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ جو کام اس نے ابتدائی زندگی میں کیے اور جو بعد میں کیے سب کے سب اس کے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔

۳؎ کتنے پیارے انداز میں غافل انسان کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کسی محبت بھرے اسلوب سے اس کو خواب غفلت سے جگایا جا رہا ہے۔ ارشاد ہے اے انسان! تیرا پروردگار جو کریم ہے جس کے لطف و عنایت کی آغوش میں تو پل کر جوان ہوا ہے جس کے انعام و احسان کا دسترخوان ہر وقت تیرے لیے بچھا ہوا ہے جس کی رحمت و رافت کے دروازے تیرے لیے کشادہ ہیں اس سے تجھے کس نے مغرور کر دیا ہے کس چیز نے

خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝٧ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ ۝٨

جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا، پھر تیرے عناصر کو معتدل بنایا ک اور جس شکل میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝٩ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝١٠ كِرَامًا

ہرگز نہیں، بلکہ تم جھٹلاتے ہو روزِ حساب کو ۹ حالانکہ تم پر نگران فرشتے مقرر ہیں ۱۰ جو معزز ہیں (اعمال نامہ)

كَاتِبِيْنَ ۝١١ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝١٢ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝١٣ وَ

لکھنے والے ہیں۔ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو ۱۲ بے شک نیک لوگ عیش و آرام میں ہوں گے۔ اور

دام فریب میں پھنس کر تو نے اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا ہے۔ شریف لوگ تو ایسا نہیں کیا کرتے۔ کیا تیرے نزدیک احسان کا بدلہ سرکشی اور بغاوت ہے۔ یہ کیسا انسانیت ہے۔ اگر تو کسی پر مہربانی کرے اور وہ تیرا شکر گزار ہونے کے بجائے تمہارا بیری بن جائے تو کیا تو اس کو پسند کرے گا۔

ک اس کریم نے تجھ پر جو گونا گوں نوازشات فرمائی ہیں، اگر وہ تجھے پیدا ہی نہ کرتا، یا تیری ساخت کو بگاڑ دیتا، یا تیرے عناصر ترکیبی میں اعتدال کو ملحوظ نہ رکھتا تو تو اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ یا اس کی عظمت و کبریائی میں اس سے کیا فتور پیدا ہوتا۔ اس نے تجھے پیدا کیا، تجھے مکمل اعضاء بخشے، ان میں مناسبت کا پورا پورا لحاظ رکھا۔ پھر تیری جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی ساخت کو بڑے اعتدال سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اب تو یہ ہے کہ اس کی طرف سے غافل رہنے اس کے ذکر اور اس کے شکر کی تجھے فرصت ہی نہیں ملتی اور اسی کی خواہشات تیرے لیے زندگی کا نصب العین ہے۔

ش بات دراصل یہ ہے کہ تجھے روزِ جزا پر یقین نہیں۔ اگر تجھے یہ یقین ہوتا کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جب تو اپنے خالق کریم کے حضور پیش کیا جائے گا اور تجھ سے تیرے اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا تو تو بغاوت و سرکشی کی یہ روش ہرگز اختیار نہ کرتا۔ تیری غفلت اور بے پروائی کی یہ کیفیت نہ ہوتی۔ ذمہ داری کا احساس اور جواب دہی کا خوف تمہیں شتر بے مہار بن کر زندگی بسر کرنے کی قطعاً اجازت نہ دیتا۔ ہر کام کرنے سے پہلے تو سوچتا اور بار بار سوچتا کہ ایسا کرنے سے روزِ حشر مجھے اپنے پروردگار کے روبرو شرمندگی تو نہ ہوگی۔

ك تمہارے انکار سے قیامت کا برپا ہونا ملتوی تو نہیں ہو جائے گا۔ ہم اس روز کے لیے پورے انتظامات کر رہے ہیں۔ تم جیسے خود فراموش کے ساتھ ہم نے ایسے فرشتے مقرر کر دیے ہیں جو تمہارے جملہ اعمال کی یادداشت تیار کر رہے ہیں۔ ہمارے یہ کارندے جن کو یہ اہم کام تفویض کیا گیا ہے معمولی قسم کے اہلکار نہیں ہوتے بلکہ بڑے بزرگ اور رفیع الشان ہیں۔ یہ نہ انہیں رشوت دی جا سکتی ہے نہ انہیں مرعوب کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ کسی کے اعمال کو ضبطِ تحریر میں لانے میں کوتاہی کر سکتے ہیں۔ نہ ان کی کسی سے ذاتی دوستی ہے اور نہ عداوت۔ جو کچھ تم کرتے ہو بلا کم و کاست وہ حرف بحرف لکھ رہے ہیں۔

ک ان کا علم ادھورا اور ان کی معلومات ناقص نہیں۔ تمہارا ہر ظاہر و باطن کام بلکہ اس کے پس پردہ جو نیت ہوتی ہے اس سے بھی وہ باخبر ہیں۔ تم خود غور کرو ایسے غیر جانبدار دیانتدار اور ہر چیز سے باخبر کارندے تمہارے اعمال کا جو ریکارڈ تیار کریں گے ان کو تم کیسے جھٹلا سکو گے۔

إِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا

یقیناً بدکار جہنم میں ہوں گے ۔ داخل ہوں گے اس میں قیامت کے روز ۔ اور وہ اس سے غائب

بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ

نہ ہو سکیں گے ۔ اور آپ کو کیا علم کہ روزِ جزا کیا ہے ۔ پھر آپ کو کیا علم کہ روزِ جزا

الدِّينِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿١٩﴾ ع ۱

کیا ہے ۔ وہ وہ دن ہوگا جس روز کسی کے لیے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا ۔ اور سارا حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا ۔ شہ

ہمیشہ رہیں گے۔

شہ قیامت کا دن کوئی معمولی دن نہیں ہوگا۔ اس دن سارے جھوٹے بادشاہوں کی بادشاہیاں ختم ہو جائیں گی۔ کوئی فرعون، کوئی نمرود مسلط رہنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ اس دن صرف اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہوگی اور اسی کا فرمان نافذ ہوگا۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس کی مرضی کے خلاف دم مار سکے یا اس کے فیصلہ کو رد کر سکے۔ اس کے اذن کے بغیر کوئی کسی کو نفع پہنچانے کا اختیار نہ رکھتا ہوگا۔

○

مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین۔ آمین ؛

اللهم صل وسلم وبارك على سيد الأولين والآخرين امام الأنبياء والمرسلين سيدنا ومولانا محمد المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله الطيبين واصحابه الأكرمين وعلينا معهم اجمعين الى يوم الدين.

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃ المطففین

نام: اس سورۂ پاک کا نام "المطففین" ہے جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، چھتیس آیتیں، ایک سو انہتر کلمات اور سات سو تیس حروف ہیں۔

نزول: حضرت ابن مسعود، ضحاک اور ان کے ہم خیال لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن حضرت ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ اس کا نزول ہجرت کے فوراً بعد مدینہ طیبہ میں ہوا۔ وہاں ایک تاجر تھا جس کا نام ابو جہینہ تھا۔ اس نے دو قسم کے باٹ رکھے ہوئے تھے۔ جب کوئی جنس خریدتا تو اس کے لیے اور باٹ استعمال کرتا اور جب فروخت کرتا تو اس کے لیے دوسرے باٹ۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ ایک تیسرا قول بھی منقول ہے کہ اس کا نزول عالم سفر میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ہوا۔

مضامین: اصلاحِ معاشرہ کے لیے آخرت پر ایمان جو مؤثر کردار انجام دیتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ جو لوگ روزِ جزا پر پختہ یقین رکھتے ہیں اُن کی بظاہر نگرانی نہ بھی کی جائے تو وہ راستی اور دیانتداری کی راہ پر ثابت قدمی سے بڑھتے چلے جاتے ہیں کوئی لالچ اور کوئی خوف انہیں جادۂ حق سے سر مو منحرف نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ معاشرہ جس کے افراد قیامت پر یقین نہیں رکھتے ان میں ہر طرح کی خرابیاں بڑی آسانی سے راہ پا لیتی ہیں۔ تھوڑا سا خوف اور تھوڑا سا لالچ انہیں راہ راست سے بھٹکانے کے لیے کافی ہے۔ اہل مکہ چونکہ عام طور پر تجارت پیشہ تھے اس لیے لین دین میں ڈنڈی مارنا ان کے ہاں عام مروّج تھا۔ اس کی خرابی صرف یہی نہیں تھی کہ دوسرے کی حق تلفی ہوتی تھی بلکہ انجام کار ایسا کرنے والے کی تجارت کا بھی ستیاناس ہو جایا کرتا تھا۔ اس لیے انہیں کو وقوعِ قیامت کی ضرورت اور حکمت پر غور کرنے کے لیے اس سورت میں جو دعوت دی جا رہی ہے۔ اس کی ابتداء "ویل للمطففین" سے کی اور انہیں بتایا کہ اگر وہ اس خسیس حرکت سے اپنی کاروباری سرگرمیوں کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی یہی ایک صورت ہے کہ وہ قیامت پر ایمان لے آئیں۔ اس صورت میں کسی کی جرأت نہ ہوگی کہ اس بددیانتی کا ارتکاب کرے۔

اس کے بعد یہ بتایا کہ قیامت تو ہر حال میں برپا ہوگی لیکن جو لوگ اس کے برپا ہونے کا یقین نہیں رکھتے تھے۔ وہ ساری عمر بدکاری اور دھوکہ بازی میں برباد کر کے آئے۔ آج وہ اس کی سزا بھگتیں گے جو بڑی دردناک ہوگی لیکن جن لوگوں نے قیامت کے وقوع کو تسلیم کر لیا اور اس روز جزا کے مواخذہ سے ساری عمر ڈرتے رہے اور کبھی بھولے سے بھی غلط راستے پر قدم نہ رکھا۔ قیامت کے روز ان کی جس طرح عزت افزائی کی جائے گی اس کا دلکش منظر بھی پیش کر دیا۔

آخر میں کفار کی ایک خسیس حرکت کا تذکرہ کر دیا گیا کہ وہ خود ساری خرابیوں کا مجموعہ ہیں۔ (اپنی غلاظتوں کو دیکھ کر انہیں کبھی ندامت نہیں ہوتی) باایں ہمہ اہل حق کو وہ بڑی حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہیں کنکھیوں سے اشارے کرتے ہیں۔ اللہ والوں کی تذلیل کے بعد جب گھر لوٹتے ہیں تو بڑے شاداں و فرحاں۔ گویا کوئی بڑا معرکہ سر کر کے آئے ہیں۔ خود بادیۂ ضلالت میں بھٹک رہے ہیں اور گمراہی کا الزام اُن پاک طینت لوگوں پر لگاتے ہیں جن پر انسانیت فخر کرتی ہے اور دین حق کو بجا طور پر ناز ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۔۔ ۔۳۔ ۷

سُورَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۃ المطففین مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں چھتیس آیتیں ہیں

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝١ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝٢

بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔

۱۔ اہل لغت کہتے ہیں مُطَفِّف، طفیف سے ماخوذ ہے۔ و ھو القلیل۔ اس کا معنی قلیل ہے۔ مُطَفِّف کو اس لیے مطفف کہا جاتا ہے کہ وہ حق دار کو اس کا پورا حق نہیں دیتا بلکہ اس میں کمی کر دیتا ہے۔ زجاج نے اس کی دوسری وجہ بیان کی ہے لانه لا یکاد یسرق من المکیال والمیزان الا الشیء الطفیف الخفیف۔ کہ یہ پیمانہ کو جھکا کر یا ترازو میں ڈنڈی مار کر گاہکوں کے حساب سے تو نہیں چرا سکتا بلکہ تھوڑا سا ہی اڑا سکتا ہے اس لیے اسے مُطَفِّف کہا۔

دور جاہلیت میں صرف عقائد میں ہی بگاڑ پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ معاملات اور کاروبار میں بھی بددیانتی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ قرآن کریم نے صرف عقیدے کی اصلاح پر ہی زور نہیں دیا بلکہ معاملات میں دیانت و امانت کی بھی تلقین کی ہے۔ اہل مکہ جن کا پیشہ ہی تجارت تھا ان کے ہاں اس قسم کی خرابیاں اپنے شباب پر تھیں۔ اس کاروباری بددیانتی سے باز آنے کی جب نصیحت کی گئی تو اس کے لیے بڑا پُرجلال انداز اختیار فرمایا کہ ویل للمطففین۔ یعنی ایسا کرنے والوں کے لیے ہلاکت و بربادی ہے اور ان کا مقدر رنج و اندوہ ہے۔ قیل الویل شدۃ الشر۔ وقیل الحزن والعذاب۔ آخرت میں تو اس کی جو سزا ملے گی وہ ملے گی اس دنیا میں بھی اس کے برے اثرات کاروبار کو تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ جب لوگوں کو اس کی بددیانتی کا پتہ چلے گا تو کوئی گاہک اس کی دکان کا رخ نہ کرے گا اور یہ سارا دن بیٹھا مکھیاں مارتا رہے گا۔ انجام کار غربت و تنگدستی اس کا مقدر بن جائے گی۔ صرف وہی تاجر کامیاب ہو سکتا ہے جس کی دیانت داری پر لوگوں کو پورا اعتماد ہو۔ صرف اخروی کامیابی ہی نہیں تمہاری دنیوی فلاح کا انحصار بھی اسی پر ہے کہ تم یہ خسیس حرکتیں چھوڑ دو۔ قرآن کریم میں جا بجا اس قبیح فعل سے باز رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا جہاں ذکر ہے وہاں بتایا گیا ہے کہ انہیں کاروباری بددیانتی کی پاداش میں برباد کر دیا گیا۔

اس قسم کے جرائم کی اصل سزا تو قیامت کو ملے گی لیکن ان کے برے اثرات اس دنیا میں بھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے اور ان کی نوعیت اتنی سنگین ہوتی ہے کہ انسان کو دن میں ہی تارے نظر آنے لگتے ہیں۔ ایک حدیث پاک ملاحظہ فرمائیے:

قال ابن عباس قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خمس بخمس ما نقض قوم العهد الا سلط الله عليهم عدوهم ولا حكموا بغير ما انزل الله الا فشا فيهم الفقر وما ظهرت الفاحشة فيهم الا فشا فيهم الموت ولا طففوا الكيل الا منعوا النبات واخذوا بالسنين ولا منعوا الزكاة الا حبس الله عنهم القطر (قرطبی عن بزار)

ترجمہ: حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ان پانچ چیزوں پر پانچ سزائیں ملتی ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن مسلط کر دیتا ہے۔ جو قوم احکام الٰہی کے خلاف فیصلہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو تنگ دست کر دیتا ہے جس قوم میں

وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴿٣﴾ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم

اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو ان کو نقصان پہنچاتے ہیں ۔ کیا وہ (اتنا) خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں

مَّبْعُوثُونَ ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾

قبروں سے اٹھایا جائے گا ایک بڑے عظیم دن کے لیے ۔ جس دن لوگ (حساب دینے) کے لیے کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے سامنے ۔

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ﴿٧﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ﴿٨﴾

ہرگز نہیں! بیشک بدکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہوگا ۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا ہے

كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿٩﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ

یہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی ۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ۔ جو جھٹلاتے ہیں

بدکاری عام ہو جاتی ہے آخر ان میں اموات کی کثرت ہو جاتی ہے اور جو قوم اپنے ناپ تول میں کمی کرتی ہے وہاں رزق کی پیداوار میں برکت اٹھ جاتی ہے اور قحط سالی چھا جاتی ہے۔ جو قوم زکوٰۃ نہیں دیتی اللہ تعالیٰ ان پر بارش نازل نہیں کرتا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ اس عادت بد کا بری طرح شکار تھے جب انہوں نے یہ آیت سنی تو توبہ کی اور آج تک اہل مدینہ میں کوئی تاجر کم تولنے اور کم ناپنے کا مرتکب نہیں ہوتا۔

۲؎ ان کفار کے دل میں روز قیامت کی باز پرس کا کوئی خوف نہیں۔ اگر اس کا شبہ بھی ہوتا کہ ایک دن آنے والا ہے جب اگلے پچھلے سب لوگ بارگاہ الٰہی میں حاضر کیے جائیں گے اور ان سے ان کی ہر ایک بات کی باز پرس ہوگی تو یہ لوگ اس طرح بے خوف ہو کر ان جرائم کا ارتکاب نہ کرتے۔

۳؎ وہ یہ نہ سمجھیں کہ قیامت تو عرصہ دراز کے بعد برپا ہوگی۔ اس وقت تک کسے یاد رہے گا کہ کس نے کیا کیا اور وہ صحیفے جن میں ان کے اعمال لکھے جا رہے ہیں وہ بھی بوسیدہ ہو کر پھٹ جائیں گے۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے کہ ان کے لیے ایک بہت بڑا دفتر ہے جس کا نام سجین ہے۔ جب یہ مر جائیں گے اور ان کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جائے گا تو ان کے تمام اعمال اس رجسٹر میں محفوظ کر دیے جائیں گے۔ اس لیے ان کے کرتوتوں کے فراموش ہونے یا ان صحائف کے بوسیدہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سجین کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن جب خود قرآن نے اس کی وضاحت کر دی کہ یہ اس کتاب کا نام ہے جس میں ان کے اعمال مستقلاً لکھ کر محفوظ کر دیے جائیں گے تو پھر مزید چھان بین کی ضرورت نہیں۔ اس لیے ان آیات میں سجین سے وہ دیوان مراد ہے جہاں اہل جہنم کے اسماء اور ان کے اعمال مندرج ہوں گے۔ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ سجین ایک جگہ کا نام ہے جہاں دوزخیوں کی روحیں محبوس

يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١١﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ اِذَا

روز جزا کو ۔ اور نہیں جھٹلاتا اسے مگر وہی جو حد سے گزرنے والا گنہگار ہے ۔ جب

تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ

پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں ۔ نہیں نہیں درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ

ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے ۔ یقیناً انہیں اپنے رب کے دیدار سے اس دن

جوڑی گئی اس لیے علامہ آلوسی لکھتے ہیں: وفی الکشف الرشیعہ ان یکون السجین علم الکتاب وعلم الموضع ایضا جمعا بین ظاہر الآیۃ و علو اصول الاعتقاد ۔ الکشف میں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کا نام بھی سجین ہو اور اس مقام کا نام بھی سجین ہو جہاں کفار کی روحیں رہتی ہیں تاکہ آیت اور اخبار میں کسی قسم کا تعارض نہ رہے ۔ (روح المعانی)

ے علامہ ابن منظور رَین کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الرین، الصدأ الذی یعلو السیف والمرآۃ والرین کالصدأ یغشی القلب وقال الحسن هو الذنب على الذنب حتى یسود القلب ۔ (لسان العرب) یعنی رَین اس زنگ کو کہتے ہیں جو تلوار یا آئینہ کو لگ جاتا ہے جو غبار دل کو زنگ کی طرح ڈھانپ لیتا ہے اس کو بھی رَین کہتے ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں جب پے در پے گناہ کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس سیاہی کو رَین کہتے ہیں۔ اس کی وضاحت حدیث شریف میں بھی آئی ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان العبد اذا اذنب ذنبا نکتت فی قلبه نکتة سوداء فان هو نزع واستغفر صقل قلبه وان عاد زادت حتى تعلو قلبه فذلك الران الذي ذكر الله تعالى في القرآن كلا بل ران على قلوبهم الخ۔

ترجمہ۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا بندہ جب گناہ کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ داغ بن جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرے اور اس گناہ سے باز آجائے اور استغفار کرے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر بار بار وہ گناہ کرتا ہے تو وہ داغ بڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ سارے دل کو گھیر لیتے ہیں۔ یہی وہ رین ہے جس کا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

جس طرح نیک اعمال کے نتیجہ میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ آئینہ دل شفاف رہتا ہے۔ اسی طرح بدکاریوں اور نافرمانیوں کے باعث دل کا آئینہ گرد آلود ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی چمک بالکل ناپید ہو جاتی ہے۔ ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ ان سرکشوں کا آئینہ دل تاریک ہو گیا ہے ان کی قوت بصیرت مسخ ہو چکی ہے اسی لیے یہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھوٹی کہانیاں اور بے سروپا افسانے خیال کرتے ہیں اور محض بے حیائی سے قرآن حکیم کا انکار کر رہے ہیں اور اس انکار کی وجہ سے یہ گمراہی کی دلدل میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔

لَمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي

روک دیا جائے گا ۔ پھر وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے پھر ان سے کہا جائے گا یہی وہ جہنم ہے

كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿١٧﴾ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ﴿١٨﴾ وَ

جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ۔ یہ حق ہے نیک کاروں کا صحیفہ عمل علیین میں ہو گا ۔ اور

مَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿١٩﴾ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ﴿٢٠﴾ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢١﴾

کیا تم نے سمجھا کہ علیون کیا ہے ۔ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے ۔ (حفاظت کے لیے) دیکھتے رہتے ہیں اسے مقربین ۔

ان نافرمانوں کو دیدار الٰہی کی نعمت عظمیٰ سے اس روز محروم کر دیا جائے گا ۔ ان کے سامنے اس کے انوار و تجلیات کی کوئی کرن نہیں پہنچے گی ۔ اولیاء اللہ جب لذت دیدار سے شادکام ہو رہے ہوں گے یہ بدنصیب ان حجابات کے پیچھے سر پیٹ رہے ہوں گے اور اپنی قسمت کو کوس رہے ہوں گے ۔

جس دیوان میں ابرار و صالحین کے اعمال حسنہ کو محفوظ کر دیا جائے گا اس کا نام علیین ہے ۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ علیین سبز رنگ کی زبرجد کی ایک لوح ہے جو عرش کے ساتھ معلق ہوگی اور اس میں صالحین کے اعمال مکتوب ہوں گے ۔ اس مقام پر علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے ایک بحث لکھی ہے جس کا خلاصہ ہدیہ ناظرین ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ شہداء اور مومنین کی ارواح جنت کے سبز رنگ پرندوں میں ہوں گی اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ مومن کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے ۔ مثلاً بخاری شریف میں موجود ہے کہ شب اسریٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ۔ احادیث میں اس تعارض کا کیا جواب ہے ۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان متعارض احادیث کی تطبیق اس طرح ہے ۔ مومنین کی ارواح کا مستقر (ٹھہرنے کی جگہ) تو علیین میں ہے یا ساتویں آسمان میں اور کفار کی روحوں کا ٹھکانا سجین میں ہے ۔ ومع ذلک لکل روح منها اتصال بالجسد في القبر لا يدرك كنهه الا الله وبسبب ذلك الاتصال يسمع سلام الزائر ويجيب المنكر والنكير ونحو ذلك ۔ یعنی اس کے باوجود ہر روح کا اپنے جسم کے ساتھ اپنی قبر میں ایک تعلق ہے جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ۔ اس تعلق کی وجہ سے میت اپنے زائر کے سلام کو سنتی ہے اور منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دیتی ہے ۔ اسی طرح دوسرے احوال جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں ظہور پذیر ہوتے ہیں ۔ اس کے بعد علامہ موصوف اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ جبریل کا اصل مقام تو آسمانوں میں ہے لیکن وہاں رہتے ہوئے وہ بارگاہ رسالت کے اس قدر نزدیک ہوتا کہ اپنے ہاتھ حضور کے زانوں پر رکھ دیتا ۔

علیون کے اعراب کے بارے میں فراء کا قول بھی سن لیجیے ۔ قال الفراء هو اسم موضوع على صيغة الجمع ولا واحد له من لفظه مثل عشرين وثلاثين ۔ یعنی یہ اسم ہے جو جمع کے معنی پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے ۔ اس کا اپنے لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِي

بے شک نیکوکار راحت و آرام میں ہوں گے۔ تختوں پر بیٹھے (مناظر جنت کا) نظارہ کر رہے ہوں گے شہ آپ پہچان لیں گے

وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿۲۵﴾ خِتَامُهُ

ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی۔ انہیں پلائی جائے گی سربمہر خالص شراب اس کی مہر

مِسْكٌ ۚ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهُ مِن

کستوری کی ہوگی۔ اس کے لیے چاہیے کہ کوشش کریں سبقت لے جانے والے شہ اس میں تسنیم کی

تَسْنِيمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿۲۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا

آمیزش ہوگی شہ یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقربین پئیں گے ۔ جو لوگ جرم کیا کرتے تھے

جیسے مشہور۔ ضیاء القرآن، صاحب روح المعانی اور تفسیر مظہری میں تحقیق ہوگا

شہ ابرار و صالحین کے ساتھ جو لطف و کرم فرمایا جائے گا اس کا بیان ہو رہا ہے۔

رحیق: پاکیزہ اور صاف شراب کو کہتے ہیں۔ علامہ لکھتے ہیں الرحیق: الخمر الخالصۃ البیضاء الصافیۃ من الغش النیرۃ (قرطبی)

یعنی ایسی شراب جس کا رنگ سفید ہو جو ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک اور چمکدار ہو۔ مختوم: سربمہر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن برتنوں مٹکوں میں یہ رکھی ہوئی ہوگی وہ سربمہر ہوں گے اور مہر بھی کستوری کی لگی ہوگی تاکہ کوئی دوسرا آدمی ان کو ہاتھ نہ لگا سکے۔ جب یہ مہمان خاص وہاں تشریف لے جائیں گے تو یہ سربمہر برتن ان کے سامنے کھولے جائیں گے اور خوبصورت نقرئی جام میں ڈال کر یہ شراب انہیں پیش کی جائے گی۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ مختوم کا معنی ممزوج ہے۔ یعنی اس میں خالص کستوری ملی ہوگی۔ دنیا کی شرابوں کی طرح اس سے بدبو نہیں آئے گی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شراب کا آخری گھونٹ پئیں گے تو انہیں یوں محسوس ہوگا کہ اس میں کستوری گھول دی گئی ہے اور تادیر یہی مہک انہیں محسوس ہوتی رہے گی۔

شہ تنافس: تسابق و رغبت، یعنی اگر تم کسی چیز کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہو تو یہ نعمت اس قابل ہے کہ اس کی طرف تم ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ وقال مالک فلیتبادر المتبادرون (قرطبی)

۹ اس شراب میں تسنیم کے چشمہ کا پانی ملایا جائے گا۔ جنت کی تمام شرابوں سے یہ اعلیٰ درجہ کی شراب ہوگی۔ یہ ضروری نہیں کہ عام صراحی ہوگی بلکہ بلوریں صراحیوں میں بند ہوگی جو کستوری سے سربمہر ہوں گی۔ ان میں تبدیلیاں سب کو کم دینے والے چشمہ تسنیم کا پانی ملا دیا جائے گا اور اس چشمہ شیریں کا پانی بھی ہر ایک کو پینا نصیب نہیں ہوگا صرف مقربین کے لیے

كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾

وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے سنلہ اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے

وَإِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا

اور جب اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے واپس آتے ۔ اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ

یقیناً یہ لوگ راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں سلہ حالانکہ وہ اہل ایمان پر محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے سلہ پس آج

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٣٥﴾

مومنین کفار پر ہنس رہے ہیں (آرام دہ) تکیوں پر بیٹھے کفار کی خستہ حالی کو دیکھ رہے ہیں سلہ

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

کیوں کیا بدلہ ملا کفار کو اپنے کرتوتوں کا، جو وہ کیا کرتے تھے ۔

محسوس ہوگا۔

سنلہ اب مجرموں کی سنگدلی، بدمزاجی اور خست طبعی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اہل ایمان کو دیکھ کر ان کا تمسخر اڑاتے اور ایک دوسرے کو آنکھیں مار کر اشارہ بازی کرتے ہیں۔ جب مسلمانوں کی دل آزاری کر لیتے اور جی بھر کر ان پر پھبتیاں کسنے کے بعد یہ بد نہاد اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو دل لگیاں کرتے جاتے ہیں، گویا کوئی بڑا قلعہ فتح کر کے گھر لوٹ رہے ہیں۔ ینقلبون الی اھلھم ... یعجبون بما ہم فیہ (قرطبی)

سلہ مسلمانوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو راہ راست سے بھٹک گئے ہیں، اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کو چھوڑ بیٹھے ہیں، اپنے خاندانی معبودوں سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔

سلہ اللہ تعالیٰ ان کی ان کمینہ حرکتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ تمہیں ان لوگوں کی کیا فکر ہے۔ تم ان کے بارے میں کیوں ہر وقت چہ میگوئیاں کرتے رہتے ہو، کیا تم ان کے نگران ہو؟ کیا تم پہ ان کو راہ راست پر چلانے کی ذمہ داری ہے۔ تم اپنی خیر مناؤ، اپنے انجام کا خیال کرو۔ ان درویشوں کو خواہ مخواہ کیوں دق کرتے ہو۔ ان کا دل دکھانے سے تمہیں کیا ملے گا۔

سلہ جب قیامت کا دن آئے گا، اس دن کفار دوزخ میں ہوں گے، اپنی بربادیوں پر آہ و فغاں کریں گے اور میرے محبوب کے یہ

پھولے اپنی ابدی فوز و فلاح پر خوش رہے ہوں گے۔ اپنے زرنگار پلنگوں پر بیٹھے ہوئے کفار کی تباہ حالیوں کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے۔
اس وقت سب کو پتہ چل جائے گا کہ منکرین نے جو کرتوت کیے تھے ان کا کس طرح انہیں پورا پورا بدلہ مل رہا ہے۔

○

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله و
اصحابه اجمعين۔
ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ اِنشقاق

نام: اس سورت کا نام "الانشقاق" ہے جو "انشقت" کا مصدر ہے۔ اس میں ایک رکوع، ۲۵ آیتیں، ایک سو سات کلمات، چار سو تیس حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین: ابتدائی آیات میں اُن ہولناک حادثات کا تذکرہ ہے جو وقوعِ قیامت کے وقت رُونما ہوں گے۔ اس کے بعد انسان کو بتایا جا رہا ہے کہ اُسے چار و ناچار ہر حالت میں اپنے رب کے حضور میں پیش کیا جائے گا۔ اس روز تمام اولادِ آدم دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہوگی۔ ایک گروہ وہ ہوگا جن کو از راہِ بشارت اُن کا صحیفۂ عمل اُن کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ اس وقت اُن کی خوشی کی انتہا نہ ہوگی۔ دوسرا وہ گروہ جن کو اُن کا نامۂ عمل پس پشت دیا جائے گا۔ اُن کی غم و الم اور رنج و اندوہ کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ اس لیے ہر شخص کو آج یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کس زمرہ کے ساتھ اپنا حشر چاہتا ہے۔ یہ فیصلہ کرتے ہوئے اُسے بار بار غور و فکر کرنا چاہیے کیونکہ جو فیصلہ سوچ سمجھ کر اپنے اختیار سے اپنے بارے میں تم کرو گے روزِ حشر اسی کے مطابق تمہارے ساتھ برتاؤ کیا جائے گا۔

آخر میں کئی قسمیں کھانے کے بعد انہیں بتایا جا رہا ہے کہ انہیں ان مرحلوں سے یکے بعد دیگرے ضرور گزرنا ہوگا۔ حیرت ہے اُن لوگوں پر جو یہ جاننے کے بعد ایمان نہیں لاتے۔ اور جب قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ سرِ نیاز خدا کی بارگاہِ جلال میں جھکا نہیں دیتے۔ اُن کا انجام بڑا دردناک ہوگا۔ روزِ محشر فقط اہل ایمان ہی ایسے اجر سے نوازے جائیں گے جس کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷ - ۴ - ۷۷

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — هِيَ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الانشقاق مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں پچیس آیات ہیں۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ

(یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا ۱؎ اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان ۲؎ اور اس پر فرض بھی یہی ہے ۳؎ اور جب زمین

مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾

پھیلا دی جائے گی ۴؎ اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی ۵؎ اور کان لگا کر سنے گی اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ

اے انسان! تو مشقت سے کوشاں رہتا ہے اپنے رب کے پاس پہنچنے تک پس تو ملاقات کرنے والا ہے اس سے ۶؎ پس جس کو

۱؎ قیامت کے برپا ہونے کی یاد دہانی کی جا رہی ہے۔ یعنی یاد کرو جب آسمان پھٹ جائے گا۔ آسمان پھٹنے کی یہ وجہ نہ ہوگی کہ وہ پرانا ہو کر بوسیدہ ہو جائے گا اس لیے اس میں جگہ جگہ شگاف پڑ جائیں گے۔ نہیں بلکہ اس کو اپنے رب کا حکم ملے گا کہ پھٹ جا تو وہ پارہ پارہ ہو جائے گا۔ آسمان کا یہ فرض ہے کہ اپنے خالق کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

۲؎ اَذِنَتْ کا معنی ہے کان لگا کر سننا اور یہاں کان لگا کر سننے سے اس کے مطابق عمل بھی کیا جانا مراد ہے اس لیے اُذُن کا معنی اطاعت و انقیاد کیا گیا ہے (مظہری) یعنی حکم کو سن کر بجا لائے اور تعمیل فرمان کرے۔

۳؎ یہ کہہ کر بتا دیا کہ آسمان نے تعمیل ارشاد کر کے کوئی احسان نہیں کیا، کوئی حیرت انگیز بات نہیں کی۔ بلکہ ہر مخلوق کی طرح اس کا بھی یہی فرض ہے کہ وہ بے چون و چرا اپنے خالق کے حکم کے سامنے سر افگندہ ہو جائے۔

۴؎ جس اطاعت و انقیاد کا مظاہرہ آسمان کرے گا اسی طرح زمین بھی حکم الٰہی بجا لائے گی جب اسے حکم ملے گا کہ پھیل جا، ہموار ہو جا تو اس میں کوئی نشیب و فراز باقی نہ رہے گا تو اونچے اونچے پہاڑ مٹی کا ڈھیر بن کر نشیبی جگہوں کو پر کر دیں گے۔ سمندروں کی گہرائیاں بھی بھر جائیں گی ایک وسیع و عریض ہموار میدان بن جائے گا جہاں سب جن و انس دست بستہ حاضر کیے جائیں گے۔

۵؎ اس کے شکم میں جتنے لوگ اس وقت تک مدفون ہوں گے اور جو خزانے اپنی تہوں میں اس نے سمیٹ رکھے ہوں گے حکم الٰہی ملتے ہی زمین وہ سب کو اگل دے گی۔

۶؎ کدح یکدح کدحا وھو کتابہ بمشقۃ۔ قال ابو اسحاق الکدح فی اللغۃ السعی والحرص والدءوب فی العمل فی باب الدنیا والآخرۃ (لسان العرب) یعنی کسی چیز کے حصول کے لیے پوری محنت و مشقت اٹھانا کدح کہلاتا ہے۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ لغت عرب میں ...

أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ ٧ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ٨ وَيَنقَلِبُ

دیا گیا اس کا نامۂ عمل اس کے داہنے ہاتھ میں، تو اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا اور واپس لوٹے گا

إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ مَسْرُورًا ٩ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ وَرَآءَ ظَهْرِهِۦ ١٠ فَسَوْفَ

اپنے گھر والوں کی طرف شاداں و فرحاں۔ اور جس بدنصیب کو اس کا نامۂ عمل پس پشت دیا گیا تو وہ چلائے گا

یہ ہے کہ انسان دنیا و آخرت کے سلسلے میں کسی کام میں کوشاں ہو، اس کے دل میں اس کی خواہش ہو اور اس کی یہ کوشش لگاتار جاری رہے ان سب امور کے مجموعہ کو کدح کہتے ہیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تو خواہ طالب دنیا ہو یا طالب عقبیٰ، مومن ہو یا کافر، بڑی جانفشانی سے اپنے کاموں کی انجام دہی میں کوشاں رہتا ہے۔ ہر قسم کی صعوبت کو برداشت کرتا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ تیرے رب سے تیری ملاقات کا وقت یعنی تیری موت کا وقت آ جائے۔ اس وقت تیری سعی و جہد ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اپنے اعمال شاقہ کا پھل کھانے کا وقت آ جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ تو اپنی کوششوں کا پھل ضرور پائے گا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ای تعالیف وتجتهد فی عملک من خیر و شر طول حیاتک الی لقاء ربک اعمال الموت وما تلقی عقیب ذلک۔ (روح المعانی) یعنی تو اپنے اچھے یا برے اعمال کو انجام دینے میں محنت و مشقت سے کام لیتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے رب سے تیری ملاقات کا یعنی تیری موت کا وقت آ پہنچتا ہے۔

ہر شخص روز قیامت بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا۔ جنہوں نے اپنی زندگی اس کی یاد اور اس کی عبادت میں گزاری ہوگی، وہ خوش نصیب ہوں گے تو ان کا نامۂ عمل ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا اور ان سے بڑی آسانی سے حساب لیا جائے گا۔ زیادہ چھان بین نہیں کی جائے گی۔ ان کے اعمال حسنہ کے باعث ان کے اعمال سیئہ سے صرف نظر کر لی جائے گی اور یہ لوگ جلدی فارغ ہو کر شاداں و فرحاں اپنے گھر والوں کے پاس واپس آئیں گے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیس احد یحاسب الا هلك۔ جس سے حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ پر قربان جاؤں کیا یہ اللہ تعالیٰ نہیں فرماتا فسوف یحاسب حسابا یسیرا۔ قال ذلک العرض یعرضون ومن نوقش الحساب هلك۔ یعنی یہ تو صرف پیشی ہوگی لیکن جس کے ساتھ حساب کے وقت سوال جواب شروع ہو گیا وہ تو مارا گیا۔

اللہم اجعلنا بطفیل حبیبک الکریم ہمارا نامۂ عمل ہمارے دائیں ہاتھ میں دینا اور ہم سے آسان آسان حساب لینا۔ آمین ثم آمین!

کافروں کے منہ پر ... وہ بائیں ہاتھ میں اپنا اعمال نامہ لینے سے شرمائیں گے اور اپنا ہاتھ پیچھے کر لیں گے لیکن فرشتے کب چھوڑنے والے ہیں۔ وہ ان کے بائیں ہاتھوں میں ان کی سیاہ کاریوں کے دفتر پکڑا دیں گے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کے دونوں ہاتھوں کی پیٹھ پیچھے باندھے جائیں گے اس لیے اسی حالت میں ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں پیچھے سے دیے جائیں گے۔

يَدْعُوا ثُبُورًا ﴿١١﴾ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴿١٢﴾ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾

وہ پکارے گا (اپنے لیے) موت کو ٩ اور داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں۔ بیشک وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم رہا کرتا تھا ١٠

إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ﴿١٤﴾ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾

وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا کیوں نہیں! اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾

پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ سمیٹ لیتی ہے اور چاند کی جب وہ ماہ کامل بن جاتا ہے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ﴿١٩﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قُرِئَ

تمہیں (ضرور) زینہ بزینہ چڑھنا ہے ١١ پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے ١٢ اور جب ان کے سامنے

ع ٩ اس وقت اس کی چیخ و پکار اور واویلا دیدنی و شنیدنی ہوگا۔ شور مچاتے ہوئے کہے گا ہائے موت! ہائے موت! تو کہاں گم ہو گئی، آ جا یا مجھے نگل لے تاکہ میں عذاب جہنم سے بچ جاؤں۔ والثبور الهلاك وهو جامع لانواع المكاره۔ (روح المعانی) ثبور کا معنی ہلاکت ہے۔ ہر قسم کی مکروہ اور ناپسندیدہ چیزوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یہاں اس سے مراد موت ہے کیونکہ موت سب سے زیادہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

١٠ اس کی یہ حالت کیوں ہوگی۔ وجہ بتائی جا رہی ہے کہ وہ دنیا میں بے فکر ہو کر رہتا رہا۔ خود بھی عیش کرتا اور اپنے اہل و عیال کو بھی عیش کراتا رہا۔ کبھی اس کو بھول کر بھی یہ خیال نہ آیا کہ اسے ایک روز اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونا ہے اور اپنی ان سرمستیوں اور بد اعمالیوں کا جواب دینا ہے۔ اس خود فراموشی کا نتیجہ صاف ہے جو آج دیکھ رہے ہیں۔

١١ تین چیزوں کی قسم کھانے کے بعد فرمایا کہ تم منزل بمنزل آگے بڑھتے چلے جاؤ گے۔ رحم مادر سے تم دنیا میں آئے، بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپا، صحت سے بیماری، غربت سے خوشحالی، ان مرحلوں کو طے کرتے ہوئے تم قبر میں آ گئے۔ پھر قیامت کے ہولناک مراحل سے گزرو گے۔ پھر خدا معلوم کیسی کیسی حالتوں سے گزرتے ہوئے تم اپنے ابدی مستقر اور آخری ٹھکانے پر پہنچو گے۔

١٢ ان تغیرات کا تم اپنی ذات میں اور اپنے اردگرد پھیلی ہوئی وسیع کائنات میں ہر لحظہ مشاہدہ کر رہے ہو پھر بھی قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔ وقوع قیامت میں جو حکمتیں اور انسانی اصلاح میں اس کے جو اثرات ہیں ان کو تسلیم نہیں کرتے۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔

عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۩ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿۲۲﴾

قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے ۱۳ بلکہ یہ کفار اسے (الٹا) جھٹلاتے ہیں ۱۴

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۴﴾ إِلَّا الَّذِينَ

اور اللہ خوب جانتا ہے جو (کینہ) وہ دلوں میں جمع کر رہے ہیں ۱۵ پس آپ انہیں خوشخبری سنائیے دردناک عذاب کی ۱۶ البتہ جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿۲۵﴾ ع ۲۵

ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا ۱۷

۱۳ اور ستم یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیتیں جن کی تاثیر سے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں اور پہاڑ لرز اٹھتے ہیں [illegible] ان کے سامنے قدرت کی جو نشانیاں ہیں لیکن یہ کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ انہیں تو کجا ان کے سر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز نہیں ہوتے۔

۱۴ متاثر ہونا یا سجدہ میں سر جھکانا تو رہا ایک طرف، یہ ظالم ان کو الٹا جھٹلانا شروع کر دیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں یہ جادو ہے، کبھی کہتے ہیں یہ ان کا خود ساختہ کلام ہے، کبھی کہتے ہیں ان کو کسی اور نے سکھایا ہے۔ اس سرکشی کے باعث [illegible] گئے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

۱۵ یُوْعُوْنَ: یجمعون فی الصدور من الکفر والعداوة (قالہ ابن عباس) [illegible] یکتمون (طبری) یعنی جو کفر و عداوت ان کے سینوں میں بھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی اچھی طرح آگاہ ہے۔

۱۶ یہ نابکار حق ناشناس اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں آپ دردناک عذاب کی بشارت دیں۔

۱۷ ان کا تو یہ حشر ہو گا لیکن جو لوگ سچے دل سے ایمان لائے اور ایمان کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نیک اعمال کرتے رہے انہیں اجر ملے گا۔ اجر بھی ایسا جو کبھی منقطع نہیں ہو گا۔ ابدالآباد تک ان پر نوازشات و انعامات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اپنے رب کریم کے لطف و کرم سے ہمیشہ ہمیشہ بہرہ اندوز ہوتے رہیں گے۔

○

اللھم لک الحمد ولک الشکر ومنک التوفیق [illegible] وتقبل منا ما نکدح و [illegible] انک سمیع الدعاء [illegible] وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبنا وشفیعنا وطبیب قلوبنا وشفاء ارواحنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

○

تعارف

WWW.NAFSEISLAM.COM

سُورۃ البُرُوج

نام: اس سورت کا نام "البروج" ہے جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، بائیس آیتیں ایک سو نو کلمات اور چار سو ساٹھ حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب اہل ایمان پر کفار کا ظلم و تشدد اپنے شباب پر تھا۔ انہوں نے خون، قبیلہ اور ہمسائیگی کے تمام تعلقات کو نظر انداز کر دیا تھا اور ان کے بس میں جتنی قوت تھی اسے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں صرف کر رہے تھے۔

مضامین: اصحاب الاخدود کون تھے؟ جن اہل ایمان کو انہوں نے انگاروں سے بھری ہوئی خندقوں میں پھینکا تھا۔ وہ کس علاقہ کے باشندے تھے؟ اور یہ کس زمانہ کا واقعہ ہے؟ یہ تفاصیل آپ کو اس سورت کی تشریح کے ضمن میں ملیں گی۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ کفر اور باطل نعمت ہدایت سے محروم ہونے کے باعث جوہر انسانیت سے بھی عاری ہوتا ہے۔ محبت و شفقت کا کوئی جذبہ اس کے دل میں باقی نہیں رہتا۔ کمزور اور بے بس حق پرستوں پر کفار بپھرے ہوئے وحشی درندوں کی طرح جھپٹتے ہیں۔ زندہ انسانوں کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں دھکیل دینے کو گوارا اور ان کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر خوشی سے رقص کرنا ان کا معمول ہوا کرتا ہے۔ لیکن جبر و تشدد کی انسانیت سوز قربانیوں میں اہل حق کی استقامت اور ثابت قدمی بھی اپنے اندر جو حسن اور دلفریبی رکھتی ہے اس کی بھی نظیر نہیں ملتی۔ وہ ظالم کی چکی میں پس رہے ہوتے ہیں، وہ تشدد کے شکنجوں میں کسے جا رہے ہوتے ہیں لیکن ان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی ہے۔ ان کی آنکھوں سے کوئی آنسو نہیں ٹپکتا، نہ وہ آہ کرتے ہیں نہ فریاد۔ اپنے مولائے کریم کی خوشنودی کے حصول کو وہ اپنی مسرتوں اور سعادتوں کی معراج یقین کرتے ہیں۔

اس واقعہ کو بیان کرنے سے مدعا یہ ہے کہ مسلمان بھی ظلم و ستم کے اس دور میں عالی ہمتی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں۔ وہ یقین رکھیں کہ کفر کا طلسم بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔ طاغوتی قوتیں سرنگوں ہو جائیں گی۔ مخالفت کے طوفان تھم جائیں گے۔ اسلام کو فتح مبین حاصل ہوگی۔ ابوجہل اور ابولہب سے پہلے بھی کئی فرعون اور نمرود گزرے ہیں، لیکن وہ اپنی موت آپ مر گئے اور حق کا پرچم لہراتا رہا اور قیامت تک لہراتا رہے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۵-۴-۵۵

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ۲۲ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ البروج مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں بائیس آیات ہیں

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳

قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے ۱ اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے ۲ اور حاضر ہونے والے کی اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں ۳

۱ اس سورت کا آغاز چند قسمیں کھا کر کیا گیا ہے اور قسم اس بات پر کھائی جا رہی ہے کہ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ۔ یعنی جن کھائی والوں نے اہل حق کو گرفتار کر کے ان دہکتے انگاروں اور بھڑکتے شعلوں میں پھینکا تھا اور یہ قصد کیا تھا کہ حق کا نام لینے والا کوئی نہ رہے۔ ہر طرف باطل کا غلبہ ہو۔ ہر جگہ کفر اور شرک کا اندھیرا چھا جائے۔ ایسا کرنے والے اور ایسا چاہنے والے برباد ہو گئے۔ ان کا نام و نشان تک بھی نہ رہا۔ ان کی عظمت خاک میں مل گئی۔ ان کے محلات کھنڈرات بن گئے۔ ان کے نگینے ٹوٹ پھوٹ گئے۔ حق کا بول بالا ہوا۔ صداقت کا آفتاب اب بھی ضو افشاں ہے۔ حق کی شمع پر جو قربان ہو گئے وہ انسانیت کا سر بلند کر گئے اور اپنے پیچھے جانبازی اور اولوالعزمی کی داستانیں اور ایسا جذبہ خیر چھوڑ گئے جن کے نقوش کی گرد سے باطل کو بچانا ... انہی کے نقوش پا سے زندگی کی شاہراہ آج بھی جگمگا رہی ہے۔ جب تک اس گلشن ہستی میں کوئی پھول کھلتا ہے، کوئی کلی مسکراتی ہے، کوئی بلبل نغمہ سرا ہے، حق کا پرچم اونچا ہے۔ اور ان کا ذکر زندہ رہے گا۔

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ علمائے قدیم مفسرین کے نظریات کے مطابق آسمان کو بارہ حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ہر حصہ کو برج کہتے ہیں اور ہر برج کے مخصوص ستارے ہیں اور ان ستاروں کی شکلیں جو ان سے بنتی ہیں، انہی کے باعث انہوں نے برجوں کے نام مقرر کر رکھے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سورۃ الحجر آیت ۱۶ کے حواشی۔ آپ فرماتے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آسمان ہمیشہ متحرک رہے اور ستارے اس میں گڑے ہوئے ہوں۔ لیکن حالات یا طلوع کی وجہ سے ہر کوکب اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیں ضیاء القرآن سورۃ الانبیاء آیت ۳۳)

جدید سائنسی تحقیقات نے قرآنی نظریہ تسلیم کر لیا ہے۔ اس لیے بروج سے یہاں مراد وہ اصطلاحی بروج نہیں بلکہ وہ بڑے بڑے ستارے مراد ہیں جو اپنی درخشانی کے باعث بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ وقیل المراد بالبروج عظام الکواکب سمیت بروجا لظہورہا کذا قال الحسن ومجاہد وقتادۃ (مظہری)

۲ اس سے مراد روز قیامت ہے جس کے آنے کا بار بار پختہ وعدہ کیا گیا ہے۔

۳ شاہد اور مشہود کے بارے میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں۔ شاہد سے مراد یوم جمعہ ہے۔ مشہود سے یوم عرفہ۔ شاہد سے مراد حضور نبی کریم ہیں اور مشہود سے مراد قیامت کا دن۔ شاہد سے مراد انبیائے کرام اور مشہود سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام۔ شاہد سے مراد اللہ تعالیٰ، فرشتے، کراماً کاتبین، انبیائے کرام، حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور جملہ اہل ایمان اور مشہود سے مراد [illegible] اور دین اسلام کی تمام صداقتیں جن کی ان سچے گواہوں نے گواہی دی ہے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِۙ۝۴ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِۙ۝۵ اِذْ هُمْ عَلَیْهَا

ہلاک ہو گئے کھائی کھودنے والے ۴ (یعنی) اس میں آگ تھی بہت ایندھن والی ۵ جب وہ اس کے کنارے پر

۴۔ یہ جواب قسم ہے۔ الاخدود۔ الشق العظیم المستطیل فی الارض کالخندق (قرطبی) یعنی وہ بڑا اور مستطیل گڑھا جو زمین میں خندق کی طرح کھودا جائے۔ اصحاب الاخدود کون لوگ تھے؟ ان کے بارے میں متعدد روایات مذکور ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے مذہبی رواداری نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ عقائد کے اختلاف کی بنا پر خون کے دریا بہا دیے جایا کرتے تھے۔ آبادیوں کی آبادیوں کو ان کے مکینوں سمیت نذر آتش کر دیا جاتا تھا۔ خصوصاً یہودیت و عیسائیت کی تاریخ اس قسم کی خونریزیوں سے بھری پڑی ہے۔ اس لیے ہر جگہ اس قسم کے واقعات وقوع پذیر ہوتے رہتے تھے۔ ان آیات میں کس مخصوص واقعہ کی طرف اشارہ ہے؟ اس کے بارے میں زیادہ قابل وثوق وہ روایت ہے جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ اس کا ترجمہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر خزائن العرفان سے پیش کرتا ہوں:

"مروی ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک بادشاہ تھا جب اس کا جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میرے پاس ایک لڑکا بھیج دے جسے میں جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا مقرر کر دیا۔ وہ جادو سیکھنے لگا۔ راہ میں ایک راہب رہتا تھا۔ اس کے پاس بیٹھنے لگا اور اس کا کلام اس کے دل نشین ہو گیا۔ اب آتے جاتے اس نے راہب کی صحبت اور نشست مقرر کر لی۔ ایک روز راستہ میں ایک مہیب جانور ملا لڑکے نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر یہ دعا کی کہ یا رب اگر راہب تجھے پیارا ہو تو میرے پتھر سے اس جانور کو ہلاک کر دے۔ وہ جانور اس کے پتھر سے مر گیا۔ اس کے بعد لڑکا مستجاب الدعوات ہوا اور اس کی دعا سے کوڑھی اور اندھے اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کا ایک مصاحب نابینا ہو گیا تھا۔ لڑکے نے دعا کی، وہ اچھا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ اس نے کہا تجھے کس نے اچھا کیا؟ کہا میرے رب نے۔ بادشاہ نے کہا میرے سوا اور بھی کوئی رب ہے؟ پھر اس پر سختیاں شروع کیں یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا پتہ بتایا۔ لڑکے پر سختیاں کیں، راہب کا پتہ بتایا۔ راہب پکڑا گیا اور اس سے کہا اپنا دین ترک کر۔ اس نے انکار کیا، اس کے سر پر آرا رکھ کر چیر دیا گیا۔ پھر مصاحب کو بھی چیر دیا۔ پھر لڑکے کو حکم دیا کہ پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا جائے۔ سپاہی اس کو پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ اس نے دعا کی، پہاڑ میں زلزلہ آیا، سب گر کر ہلاک ہو گئے۔ لڑکا صحیح سلامت چلا آیا۔ بادشاہ نے کہا سپاہی کیا ہوئے؟ کہا سب کو خدا نے ہلاک کر دیا۔ پھر بادشاہ نے لڑکے کو سمندر میں غرق کرنے کے لیے بھیجا۔ لڑکے نے دعا کی، کشتی ڈوب گئی۔ تمام شاہی آدمی ڈوب گئے۔ لڑکا صحیح سلامت بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے کہا وہ آدمی کیا ہوئے؟ کہا سب کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ تو مجھے قتل کر ہی نہیں سکتا جب تک وہ کام نہ کرے جو میں بتاؤں۔ کہا وہ کیا؟ لڑکے نے کہا ایک میدان میں سب لوگوں کو جمع کر اور مجھے کھجور کے تنے پر سولی دے، پھر میرے ترکش سے تیر نکال کر بسم اللہ رب الغلام (اللہ تعالیٰ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے) کہہ کر مار۔ ایسا کرے گا تو مجھے قتل کر سکے گا۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور واصل بحق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر تمام لوگ ایمان لے آئے۔ اس سے بادشاہ کو اور زیادہ صدمہ ہوا اور اس نے ایک خندق کھدوائی اور اس میں آگ جلائی اور حکم دیا کہ جو دین سے نہ پھرے اسے اس آگ میں ڈال دو۔ لوگ ڈالے گئے یہاں تک کہ ایک عورت آئی، اس کی گود میں بچہ تھا، وہ ذرا جھجکی، بچے نے کہا اے ماں! صبر کر، نہ جھجک، تو سچے دین پر ہے۔ وہ بچہ اور ماں بھی آگ میں ڈال دیے گئے۔" یہ حدیث صحیح ہے۔ مسلم نے اس کی تخریج کی۔ اس سے اولیاء کی کرامتیں ثابت ہوتی ہیں۔ آیت میں اسی واقعہ

قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷ وَمَا

بیٹھے تھے۔ اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے ۷ اور نہیں

نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸ الَّذِيْ

ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے مگر اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب سب تعریفوں سزاوار ہے ۸ جس کے

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹

قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے ۹ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ

بے شک جن لوگوں نے ایذا دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لیے

کو دگر ہے۔ (خزائن العرفان)

۷۔ [illegible] جس میں ایندھن ڈالا گیا مشکل کی ہیبت کا بیان ہے یعنی آگ جل رہی تھی اور اس میں لکڑیاں وافر ایندھن ڈالا جا رہا تھا۔

۸۔ ان کی سنگدلی کا یہ عالم تھا کہ ان کے بھائی بند، ان کے ہم قوم، ان کے ہم وطن جن میں آگ میں دھکیلے جا رہے تھے اور یہ پاس بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔

۹۔ کس جرم میں ان کو یہ ایذا دی جا رہی تھی؟ کون سا قصور ان سے سرزد ہوا تھا جس کا انتقام ان سے لیا جا رہا تھا؟ ان کی کون سی ایسی حرکت تھی جو انہیں ناگوار اور ناپسند تھی اور وہ اس سے برافروختہ ہو کر ستم کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ بتایا جا رہا ہے کہ ان بیچاروں کا اس کے سوا کوئی جرم نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئے تھے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ بےجان بتوں اور اپنے جیسے فرعون صفت حکمرانوں کو خدا ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ اس اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک سمجھتے تھے جو سب پر غالب، بزرگ و برتر اور تمام صفات کمال سے موصوف ہے۔

۱۰۔ جس کی حکمرانی کا سکہ آسمانوں اور زمین میں چل رہا ہے۔ کائنات ارضی و سماوی میں کوئی ذرہ اس کے حکم کے بغیر جنبش نہیں کر سکتا۔ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔

عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلائے جانے کی سزا ہے ۔ بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ

نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ۔ یہی

الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَ

بڑی کامیابی ہے ۔ بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے ۔ بے شک وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی

يُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ

دوبارہ پیدا کرے گا اور وہی بہت بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے ۔ عرش کا مالک ہے، بڑی شان والا ۔ کرتا ہے

لِمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾

جو کچھ چاہتا ہے ۔ ۱۲؎ کیا پہنچی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر ۔ یعنی فرعون اور ثمود کے لشکروں کی

۹؎ یہ ظالم اپنی طاقت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ کے مقبول اور اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اذیت پہنچا رہے ہیں اور حیرانی ان غیر انسانی حرکتوں سے تائب بھی نہیں ہو رہے ۔ [illegible] اس عذاب سے بچ نہیں سکیں گے [illegible] رہ جائیں گے [illegible] انہیں بھی اس قسم کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا ۔ اگرچہ دونوں آگوں کی نوعیت میں بعد المشرقین ہوگا ۔

۱۰؎ [illegible] آپ کے رب کی گرفت [illegible] اس کا ہر کام پر از حکمت ہوتا ہے ۔ [illegible] فرعون اور ثمود کی طرح [illegible] وقت آجاتا ہے تو پھر وہ ان کو سخت پکڑتا ہے [illegible] الا اور [illegible] کوئی بچا نہیں سکتا [illegible] جاتے ہیں ۔

۱۱؎ حضور کے رب کریم کی [illegible] پہلے پیدا کیا انہیں دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا ۔ [illegible] اس کی مغفرت [illegible] بڑی محبت ہے اور بے انداز پیار ہے ۔ اس کی محبت انہیں [illegible] گناہ [illegible] نہیں دیتی ۔

۱۲؎ عرش کا مالک وہ ہے ، ساری بزرگیاں ، ساری عظمتیں ، ساری شانیں اسی کے لیے مخصوص ہیں ۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جو اس

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾

بلکہ یہ کفار جھٹلانے میں مصروف ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے ۱۴؎ ایسی لوح میں لکھا ہے جو محفوظ ہے ۱۵؎

کی مرضی اور ارادہ ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

۱۳؎ اے میرے حبیب! سرکشی اور بغاوت کا علم بلند کرنے والے صرف یہی لوگ نہیں۔ ان سے پہلے بھی فرعون و ثمود اور ان کے جرار لشکر اپنا جاہ و جلال دکھا چکے ہیں، مخلوقِ خدا پر جور و ستم کی انتہا کر چکے ہیں، خدا کی زمین کو بے گناہوں کے خون سے رنگین بنا چکے ہیں۔ لیکن وہ سب تباہ ہو چکے۔ سب کا نام و نشان مٹ گیا۔ وہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ان سے طاقتور اور کوئی نہیں۔ ان کا گھیراؤ نہیں کیا جا سکتا لیکن وہ خداوندِ عالم اور اس کی طاقتوں کو جھٹلاتے ہوئے تھے۔

۱۴؎ ان قرآنی حقائق کو تم معمولی نہ سمجھو۔ ان میں غور و فکر کرو۔ ان کو حرزِ جان بناؤ۔ شاہراہِ حیات پر چلنے کو تو یہ شمع فروزاں تمہارے ہاتھوں میں ہو۔ پھر تمہیں گرنے، پھسلنے یا راہ سے بھٹک جانے کا کوئی اندیشہ نہ رہے گا۔ یہ قرآن عظمت والی اور اونچی شان والی کتاب ہے۔ اس کے سارے مندرجات حق ہیں، سچ ہیں، ہر شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔

۱۵؎ یہ ایسی لوح میں مکتوب ہے جو ہر بیرونی، خلل اندازی سے قطعاً محفوظ ہے۔

○

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله واصحابه ومن تبعه

واحبه واستمسك بحبله اجمعين الى يوم الدين۔

رب اوزعني ان اشكر نعمتك التي انعمت علي وعلى والدي وان اعمل صالحا ترضاه واصلح لي في

ذريتي اني تبت اليك واني من المسلمين۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورَۃ الطَّارق

نام : اس سورۂ پاک کا نام "الطارق" ہے جو اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس میں ایک رکوع، سترہ آیتیں، اکسٹھ کلمے، دو سو انتالیس حروف ہیں۔

نزول : اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : اس سورت میں بھی وقوعِ قیامت پر دلائل پیش کیے جا رہے ہیں لیکن اُن کے بیان سے پہلے قسمیں اُٹھا کر یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد اُسے آوارہ نہیں چھوڑ دیا گیا کہ اُس کے دل میں جو آئے کرتا رہے اور اُسے کسی باز پرس کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ یہ حکمتِ الٰہی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو گوناگوں صلاحیتوں سے مالامال کر کے پیدا کیا ہے اور یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ ان بخشی ہوئی نعمتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہے۔ اس کے محافظ بھی مقرر کر دیے ہیں۔

قیامت کے منکرین کو بتایا جا رہا ہے کہ میری قُدرت کا انکار کرنے سے پہلے ذرا اپنی پیدائش پر غور و فکر کرو۔ تمہاری اصل غلیظ پانی کی ایک بُوند ہے۔ تمہاری چشمِ نرگسیں، چاند کی مانند چمکتا ہوا تمہارا چہرہ، تمہاری خوبصورت پیشانی، موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے دانت، یہ قامتِ زیبا سب اُسی ایک بُوند سے نمودار ہوئی ہے۔ پھر جسمانی قوتیں، ذہنی اور رُوحانی استعداد بھی اسی میں بڑی خوش اسلوبی سے سمٹی ہوئی تھیں۔ جس کی قدرت کا یہ حیرت انگیز شاہکار تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے کیا وہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ کیا اس میں کسی شک کی گنجائش ہے؟ یاد رکھو اگر تم راہِ راست اختیار نہیں کرو گے تو اس دن تمہیں کوئی ایسا دوست اور مددگار نہیں ملے گا جو خداوندِ قہار کے عذاب سے تمہیں چھڑا سکے۔

سورت کے اختتام سے پہلے صاف طور پر بتا دیا کہ اہلِ مکہ اسلام کو ناکام کرنے کے لیے سازشوں میں مصروف ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بھی بے خبر نہیں۔ وہ ان کی کارستانیوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنی قدرت سے ان کے تمام منصوبوں کو ناکام بنا کر رکھ دے گا۔ یہ کروفر، یہ شان و شوکت جو انہیں بدمست کیے ہوئے ہے چند روزہ ہے۔ غور و فکر کے لیے جو مہلت انہیں دی گئی ہے وہ جب اختتام پذیر ہو گی تو پھر غضبِ الٰہی کی بجلی کوندے گی اور انہیں خاک سیاہ بنا کر رکھ دے گی۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۲۲-۳-۷۰

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ سَبْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الطارق مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں سترہ آیتیں ہیں۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾

قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی۔ اور آپ کو کیا معلوم رات کو آنے والا کیا ہے؟ ایک تارا ہے چمکتا ہوا۔ ۱

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾

کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی محافظ نہ ہو ۲ سو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ۳

۱۔ الطارق، طرق سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی معنی کوٹنا، کھٹکھٹانا ہے۔ رات کے وقت آنے والے مہمان کو طارق اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سوتے ہوئے میزبان کو جگانے کے لیے اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ ستارے کو بھی طارق کہتے ہیں کیونکہ وہ صرف رات کے وقت نمودار ہوتا ہے۔ یہاں الطارق سے مراد ستارہ ہے جیسا کہ اگلی آیت میں اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔ الثاقب، ثقب سوراخ کرنے کو کہتے ہیں۔ اور جب روشنی کی کرن ایسے دکھائی دیتی ہے گویا اس نے فضا میں سیاہی کی دیوار میں سوراخ کر دیئے۔ اس لیے وہ تارا جو نہایت چمکدار ہو اور جس کی تیز روشنی اندھیرے کو چیرتی ہوئی نظر آئے اسے النجم الثاقب کہتے ہیں۔ اس سے مراد کوئی مخصوص تارا نہیں بلکہ جنس ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ صبح کے وقت نمودار ہونے والے ستارے کو الطارق کہتے ہیں کیونکہ وہ صبح کا پیغامبر بن کر طلوع ہوتا ہے اس لیے اس کی بڑی شان ہوتی ہے۔ ہندہ زوجہ ابو سفیان احد کی جنگ میں یہ رجز پڑھا کرتی تھی۔

نحن بنات طارق — نمشی علی النمارق

اس میں طارق سے مراد ستارۂ صبح ہے۔ وہ کہتی ہے ہم نامور باپوں کی بیٹیاں ہیں۔ نرم و گداز قالینوں پر چلتی ہیں۔

۲۔ آسمان اور چمکدار ستارے کی قسم کھانے کے بعد جواب قسم کا ذکر ہو رہا ہے۔ فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس پر نگہبان مقرر نہ ہو۔ تم اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو کہ تمہیں پیدا کر کے ہم نے یونہی بے لگام چھوڑ دیا ہے۔ ایسا نہیں بلکہ ہم نے تمہاری نگہداشت کا پورا انتظام کر دیا ہے تاکہ تم اپنی منزل موعود تک پہنچنے سے پہلے کہیں برباد نہ ہو جاؤ۔ اگر کوئی حادثات تمہیں آ گھیریں تو تمہیں برباد نہ کر دیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کی حفاظت کے لیے ایک سو ساٹھ فرشتے مقرر ہیں جو ایسے حادثات و مصائب سے اس کی پاسبانی کرتے ہیں جو اس کی تقدیر میں نہیں۔ ۔ ۔ اگر انسان کو اس کے اپنے حوالے کر دیا جاتے تو شیاطین اور دوسرے انسان اور جن اس کی تکہ بوٹی کر کے رکھ دیں۔

غیر متوقع حادثات اور اچانک آفات سے کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ انسان کا بچ کر نکل جانا معجزہ سے کم نہیں۔ ہر انسان نے اپنی زندگی میں بارہا تجربہ کیا ہو گا کہ کوئی غیر مرئی طاقت اس کی حفاظت کر رہی ہے، ورنہ وہ سانپ جو اس کے پاؤں کو چھو کر نکل گیا ہے ضرور اسے ڈس لیتا۔ جس بلندی سے وہ گرا ہے اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی۔ مہلک بیماری کا جو حملہ اس پر ہوا ہے اس سے اس کا بچ جانا محال تھا۔ اس کا یہ مطلب

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾

اسے پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے جو (مرد و زن کی) پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے

بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا کہ جو چاہے کرتا رہے اور اس کا کوئی محاسبہ نہ ہو بلکہ اس کے تمام اعمال کو محفوظ کیا جا رہا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۂ رعد آیت ۱۱

لما کا میم اگر مشدد ہو تو یہ اِلَّا کے معنی میں ہوگا اور اِنْ نافیہ ہوگا اور میم مخفف ہو تو اِنْ اصل میں اِنَّ ہوگا۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہوگا اور ما زائدہ ہوگی۔ (مظہری، قرطبی)

۲۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا چشم ہوش سے مطالعہ کرتا ہے تو وقوع قیامت کا اسے یقین ہو جاتا ہے اس لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ ہر انسان اپنی آفرینش کی ابتدا میں غور کرے۔

۳۔ صُلب کہتے ہیں ریڑھ کی ہڈی کو۔ ترائب تریبۃ کی جمع ہے۔ ھی موضع القلادۃ من الصدر۔ (قرطبی عن ابن عباس) گلے کا ہار سینہ پر جس جگہ لٹکتا ہے اس کو ترائب کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ مادہ منویہ مرد کی پشت اور عورت کے سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین کے نزدیک جیسا کہ حسن بصری کہتے ہیں وقال الحسن المعنی یخرج من صلب الرجل وترائب الرجل ومن صلب المرأۃ وترائب المرأۃ (قرطبی) یعنی یہ مادہ مرد کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینہ کی ہڈی کے درمیان سے۔ اسی طرح عورت کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینہ کی ہڈی کے درمیان سے نکلتا ہے۔ یہی قول علمی تحقیقات کے مطابق ہے۔

اس آیت پر بعض ملحدین نے اعتراض کیا ہے کہ مادہ منویہ کے خروج کا کیا مطلب ہے۔ خروج کا مطلب اگر جسم سے باہر خارج ہونا ہو تو بالبداہت غلط ہے کیونکہ منی کا خروج یہاں سے نہیں ہوتا۔ اگر خروج کا معنی اس کا منبع ہے جہاں وہ جمع ہوتی ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس کا ذخیرہ اوعیۃ المنی، خصیتین ہیں نہ کہ پشت و سینہ۔ اگر خروج کا مقصد یہ ہے کہ اس کے اجزائے ترکیبی یہاں تیار ہوتے ہیں تو بھی درست نہیں کیونکہ اس کے بنانے میں سب سے زیادہ حصہ دماغ کا ہے نہ کہ صلب و ترائب کا۔

جن لوگوں نے ان امور کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے ان کے نزدیک معترض کا یہ اعتراض اس کی جہالت اور اس کے الحاد کی دلیل ہے۔ قرآن کریم نے بین الصلب والترائب کے مختصر اور جامع الفاظ سے حقیقت کی جس طرح ترجمانی کی ہے اس سے بہتر ناممکن ہے۔ جسم میں کوئی ایک عضو ایسا نہیں جو تنہا اس مادہ تولید کو بناتا ہو بلکہ تمام اعضائے رئیسہ کے اشتراک سے یہ مادہ تیار ہوتا ہے۔ دماغ، دل اور جگر کا حصہ اس میں نمایاں اور سب سے زیادہ ہے۔ دل اور جگر کا مقام تو واضح ہے بین الصلب والترائب ہے۔ رہا دماغ تو ریڑھ کی ہڈی میں نخاع (وہ سفید رنگ کی تار جو دماغ سے گردن سے گزرتی ہوئی ریڑھ کی ہڈی کے سارے مہروں سے ہوتی ہوئی کمر تک پہنچتی ہے) اس مادہ کی تیاری میں معاون ہے۔ یہاں اس کے اصلی عناصر تیار ہو کر گردوں تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے نکل کر کئی نالیوں کو طے کرتے ہوئے باہر نکلتے ہیں۔ چنانچہ علامہ طنطاوی نے اس حقیقت کو مندرجہ ذیل سطور میں بیان فرمایا ہے:

واللہ تعالیٰ اعلم بما النخاع والقوی النخاعیة والقلبیة والکبدیة [illegible] الفضل علی ما هو علیه [illegible]

إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ﴿٨﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ﴿٩﴾ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَ

بےشک وہ اس کو پھر واپس لانے پر قادر ہے۔ جس دن جانچے جائیں گے سب راز، تو نہ اس کے لیے کوئی قوت ہوگی اور نہ

لَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾

کوئی مددگار ہوگا۔ قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برستی ہے اور زمین کی جو (دانہ) نکلنے سے پھٹ جاتی ہے۔

لا يبعد ان يكون هذا اشارة الى ماثبت في موضعه من قوله سبحانه من بين الصلب والترائب عبارة مختصرة جامعة لثلاث من الاقسام الثلاثة فالترائب يشمل القلب والكبد ... والصلب النخاع ويتوسطه الدماغ (روح المعاني)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کا رشتہ دماغ، قلب اور جگر تینوں سب اس مادہ کو اس تولیدی عمل میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں یہاں تک کہ وہ انسان کا مبدا بن جاتا ہے۔ من بين الصلب والترائب کی مختصر اور جامع عبارت اسی امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ ترائب قلب اور جگر کو شامل ہے اور صلب سے وہ ریڑھ کی ہڈی کا رشتہ مراد ہے جس کے ذریعے دماغ اس کی تیاری میں حصہ لیتا ہے۔

علاوہ ازیں مادہ منویہ اگرچہ خصیتین پیدا کرتے ہیں اور گردے منویہ میں جمع ہوتا ہے مگر اس کے اخراج کا مرکز تحریک صلب اور ترائب کے درمیان واقع ہے اور دماغ سے اعصابی رو جب اس مرکز کو پہنچتی ہے تب اس مرکز کی تحریک سے مادہ منویہ نکلتا ہے اور اسی سے اولاد بچہ بنا کر نکلتا ہے۔ قرآن کریم کا بیان علم طب کی جدید تحقیقات کے عین مطابق ہے۔

علامہ بیضاوی اور علامہ شہاب الدین آلوسی نے بھی اپنی تفاسیر میں اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

شہ یعنی جو ذات ایسی ہستی کے لیے انسان کو دوبارہ زندہ کرنا مشکل نہیں۔

شہ فسر کے دو معنی بتائے گئے ہیں۔ تبلیٰ تظہر یعنی اس دن تمام راز ظاہر کر دیے جائیں گے کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی۔ دوسرا معنی تختبر یعنی جانچ پڑتال کی جائے گی، حق کو باطل سے الگ الگ کر دیا جائے گا۔ ان اسرار کو فاش کرنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے، ان میں وہ باتیں بھی ہیں جن کو صرف کرنے والا ہی جانتا تھا لیکن دوسرے لوگوں کو اس کام کا علم نہ ہوا یا علم تو ہوا لیکن اس کے پس پردہ جو نیت کارفرما تھی وہ صیغہ راز میں رہی اور بعض ایسے ہیں جن کا کرنے والے کو بھی دنیا میں علم نہ ہو سکا یعنی جو کام اس نے کیے ہیں ان کے نتائج کیسے نکلے اور ان نتائج کے اثرات کہاں تک اور کب تک موجود رہے۔ یہ ساری باتیں اس روز کھول کر سامنے رکھ دی جائیں گی۔

شہ نہ تو اس کے بازوؤں میں اتنا زور ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو بچا سکے اور نہ اس کے دوست احباب اس کے مددگار بن سکیں گے اور اس کو عذاب الٰہی سے چھڑا کر لے جائیں گے۔

شہ رجع کا معنی لوٹنا ہے۔ یہاں اس سے مراد بارش ہے کیونکہ یہ لوٹ لوٹ کر آتی ہے، بار بار برستی ہے۔ یہ نہیں کہ ایک

إِنَّهُۥ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝١٣ وَمَا هُوَ بِٱلْهَزْلِ ۝١٤ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝١٥

بلاشبہ یہ قرآن قولِ فیصل ہے ۱۳ اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے ۱۴ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اس سے ۱۵

وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝١٦ فَمَهِّلِ ٱلْكَٰفِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًۢا ۝١٧

اور میں بھی تدبیر فرما رہا ہوں ۱۶ پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت دیجئے اور مہلت دیجئے انہیں کچھ دیر ۱۷

بلند ہوا اور پھر بلند ہوتا گیا۔ وقت بے وقت اس کا برسنا جاری رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ پانی مختلف حالتوں میں گردش کرتا ہے۔ پھر جب اسے مناسب موسم کی ٹھنڈک پہنچتی ہے تو وہ لوٹ کر پانی بن جاتا ہے اور بارش کی صورت میں ٹپکنے لگتا ہے۔

صدع پھٹنے کو کہتے ہیں۔ جب بیج کا شگوفہ زمین میں پھوٹ پڑتا ہے تو زمین پر سے اگ کر سطح ہموار کر دیتا ہے۔ جب بیج اگتا ہے تو اس سطح میں سوراخ کر کے باہر نکلتا ہے۔

۱۳ ان حقیقتوں کی قسم جن کا تم ہر بار مشاہدہ کرتے رہتے ہو تم انجان اور ہٹ دھرمی کی ہزار کوشش کرو پھر بھی ان کا انکار نہیں کر سکتے اسی طرح قرآن بھی ایسے روشن حقائق کا مجموعہ ہے جن کا انکار کسی ہوش مند انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ قرآن فیصلہ ہے۔ اس کا ہر فیصلہ قطعی اور اٹل ہے۔ جس چیز کو اس نے حق کہہ دیا وہ حق ہے جس کو اس نے باطل کہہ دیا وہ باطل ہے۔ زمانہ کے تغیرات، حالات کے تقاضے قرآنی حقائق کو الٹ پلٹ نہیں سکتے۔ یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں جس کے ظاہر و باطن میں فرق ہو بلکہ اس کا ظاہر اس کے باطن کے عین مطابق ہے۔

۱۵ کفار اسلام کو زک پہنچانے کے لیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ناکام بنانے کے لیے ہر وقت سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ جیسے جب کوئی منصوبہ تیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو منصوبے بنا رہے ہیں میں ان کا توڑ کر رہا ہوں۔ ان کی ہر تدبیر الٹی ہو گی۔ ان کی کوشش ان کی ناکامی کا باعث بنے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہر چال کو ناکام بنا دے گا۔ ان کی ناکامی اور شکست کا باعث بنائے گا۔ واقعات گواہ ہیں کہ میدان بدر میں کفار نے اعلان کیا تھا کہ وہ آج اسلام کا چراغ بجھا کر واپس جائیں گے۔ لیکن ان کی یہی چال ان کی بربادی کا باعث بنی۔ ان کے بڑے بڑے سردار وہیں مارے گئے۔ مکہ کے گھر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ یہی حال ان کی دیگر سازشوں کا ہوا۔

۱۷ کس طرح اپنے محبوب کی دلنوازی کی جا رہی ہے کہ آپ ان نادانوں کو کچھ مہلت اور دیں۔ عنقریب ان کے لیے انہیں اپنے سامنے اسلام کی کامیابی دیکھ کر ان کی قوت و حشمت پر جو گزرے گی تو بہت جلد ان کو ان کے کرتوتوں کا مزا چکھا دیا جائے گا۔

رویدا۔ رود سے مشتق ہے جس کا معنی آہستہ آہستہ چلنا ہے۔ اس کی تصغیر بنائی گئی ہے۔ یعنی تھوڑی دیر کے لیے مہلت دیجئے۔ جیسا کہ علمائے تفسیر سے منقول ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں مہلت دی جا رہی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین وعلی آلہ وصحبہ ومن احبہ واتبعہ الی یوم الدین۔

رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ الاعلیٰ

نام : اس سُورۂ مُبارکہ کا نام "الاعلیٰ" ہے۔ اس میں ایک رکوع، اُنیس آیتیں، بہتر کلمات اور دو سو اکہتر حروف ہیں۔

نزول : جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ بعض نے اسے مدنی بھی کہا ہے لیکن علامہ جلال الدین سیوطی نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے امام بخاری اور دیگر محدثین سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے راوی حضرت براء ابن عازب ہیں، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سب سے پہلے ہجرت کر کے مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ اور ابن اُم مکتوم مدینہ تشریف لائے اور ہمیں قرآن کریم کی تعلیم دینی شروع کی۔ اُن کے بعد عمار، بلال اور سعد رضی اللہ عنہم یہاں پہنچے۔ پھر حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے بیس ساتھیوں کے ساتھ یہاں آئے۔ ان کے بعد رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین یثرب کو اپنے قدوم سے سرفراز کیا۔ میں نے اہل مدینہ کو جتنا اُس دن شاداں و فرحاں دیکھا ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ چھوٹے بچے اور بچیاں کہہ رہے تھے: "یہ اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے ہاں تشریف لے آئے ہیں۔" اُس وقت میں یہ سُورت پڑھ رہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے ہجرت کرنے سے پہلے ہی یہ نازل ہو چکی تھی۔

مضامین : اس سورت کا آغاز اس حکم سے ہو رہا ہے کہ اپنے ربِ اعلیٰ کی تسبیح بیان کرو یعنی وہ ہر نقص، ضعف اور ناتوانی سے پاک ہے۔ اُس کی ذات قُدرت و حکمت کا سرچشمہ ہے۔ آسمان، آفتاب و ماہتاب، فضا کی پہنائیاں، پہاڑوں کی بلندیاں، سمندروں کی بےکنارایاں اُسی نے پیدا فرمائی ہیں۔ ان تمام چھوٹی بڑی چیزوں کی تخلیق بے ہنگم اور بے جوڑ نہیں بلکہ ہر چیز کو اُس نے ایک اندازے اور سلیقہ کے مطابق پیدا فرمایا ہے اور ہر چیز کو اپنے طبعی فرائض انجام دینے کے لیے ظاہری اور باطنی قوتیں، اور اُن قوتوں سے کام لینے کے لیے آلات و جوارح بھی مرحمت فرمائے ہیں۔ اُس نے ہر چیز کی جسمانی خوراک کا بھی مناسب انتظام فرمایا ہے اور اُن کی اخلاقی اور رُوحانی بالیدگی کے لیے یہ صحیفۂ رُشد و ہدایت نازل کیا ہے اور اس کے ہر کلمہ کو آپ کی لوحِ قلب پر یُوں ثبت کر دیا ہے کہ اب اس کے بھُول جانے کا امکان تک بھی نہیں۔

اس کے بعد اپنے حبیب کو فرمایا کہ آپ کا کام نصیحت کرنا ہے جس کے دل میں حق پذیری کی صلاحیت ہوگی وہ اسے بصد ذوق و شوق قبول کر لے گا لیکن جو ازلی بدبخت ہے وہ اس سے دُور بھاگے گا۔ اور اس انکار کی اسے جو سزا ملے گی بڑی المناک ہوگی۔

آخری آیات میں سمجھا دیا کہ دارین کی کامیابی کا تاج فقط اس شخص کے سر کی زینت بنتا ہے جو فکری اور عملی گمراہیوں سے اپنا دامن بچاتا ہے اور ذکر الٰہی میں شب و روز معروف رہتا ہے۔ یہ ایک ابدی حقیقت ہے جسے قرآن کریم میں بھی بیان کر دیا گیا ہے اور اس سے پہلے جو آسمانی صحیفے انبیائے سابقین پر نازل ہوئے ان میں بھی اس حقیقت کو بیان کر دیا گیا تھا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷ - ۳ - ۷۷

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — وَهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس کی انیس آیات ہیں

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۪ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْ

پاکی بیان کیجیے اپنے رب کے نام کی جو سب سے بلند ہے۔[1] جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا[2] اور جس نے

قَدَّرَ فَهَدٰى ۪ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۪ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ؕ﴿۵﴾

(ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا پھر راہ دکھائی[3] اور جس نے زمین سے چارہ نکالا[4] پھر اسے بنا دیا خشک سیاہ کوڑا

[1] اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے رب کی پاکی بیان کیجیے۔ یعنی اپنے دل میں بھی اعتقاد رکھو اور اپنی زبان سے بھی اس کا اعتراف کرو کہ میرا پروردگار ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ ... رب کا لفظ ... ہر قسم کے اختیارات کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے کئی طریقے ہیں ... اس کے مقابلہ ... اس کی عظمت ... کے منافی ہو ... اس کا ذکر ایک جگہ ... اس کا ذکر کیا جائے ...

[2] رب نے ... اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت پر دلیل پیش کی ... جس نے ... اس کو ... ہر نعمت عطا فرمائی ... حبیب ... ضعف ہے۔

حضرت ... قدرت ... علم و حکمت ... سب سے ... پس ... حضور نے فرمایا اس کو اپنے سجدہ کی تسبیح بنالو

[3] ... خلق ... مخلوق ... ہر چیز کا وہ خالق ہے ... اس کو ... دی ہے ... وہی ہے۔

[4] ... اس کی تخلیق ... ترتیب ... کیفیت ... ہر ... افراد ہیں ... ترتیب ... ٹکلتے ہیں

[5] ہر چیز کی تخلیق کا مقصد بھی متعین کر دیا ہے۔ اس کی ... کا دائرہ بھی مقرر کر دیا ہے ... اس نے انجام دینا ہے ... مقصد کے لیے ... استعمال کیا جانا ہے ... تمام احوال ... تفصیل

سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤى ۙ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَمَا

ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ اسے نہ بھولیں گے شہ بجز اس کے جو اللہ چاہے شہ بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور جو

سے قبل ہی وقت طے کر دیئے گئے ہیں۔ مقصد ذکر ہی ایک ادھ جبلت ہی کی طرف متوجہ کیا کرے ورنہ تفصیل کا یار گراں بالا کرکسی چیز کو حالات کے جم وکرم پر چھوڑ نہیں دیا گیا بلکہ ان کی بجا آوری کے لیے جبلی صلاحیتوں اور ذہنی طاقتوں کی ضرورت تھی جو بیرونی اسباب و وسائل درکار تھے سب کے سب ہر چیز کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق مہیا کر دیئے گئے۔ یہ ہدایت کائنات کی ہر چیز کو دی گئی ہے۔ نباتات میں غور فرمائیے اگر گندم کا بیج اس موسم میں کاشت کیا جائے جو اس کی کاشت کے لیے موزوں ہے تو اگتا ہے، نشوونما پاتا ہے اور اس کے خوشے کی جیب میں دانوں کے موتی جڑے جاتے ہیں اور اگر کسی دوسرے موسم میں کاشت کیا جائے تو وہ اگتا ہی نہیں۔ زمین کتنی زرخیز ہو اس میں کتنی کیمیاوی کھاد ڈالی گئی ہو اس میں کتنی بار آبپاشی کی گئی سب بے سود سب بے اثر۔ اس سے بھی زیادہ اس طرح ہدایت کے جلوے حیوانی زندگی میں نظر آئیں گے۔ اگر آپ ایک بطخ کا انڈا اور ایک مرغی کا انڈا لیں۔ دونوں سے بیک وقت بچے نکلیں۔ اگر آپ ان کے سامنے پانی کا برتن رکھیں تو بطخ کا بچہ فوراً اس میں کود جائے گا اور مرغی کا بچہ دور ہٹ جائے گا۔

حضرت انسان خدا کی ایک عجوبہ ہے۔ اس کا وجود قدرت کی حکمت کی جلوہ گاہ ہے۔ اس کی حیوانی زندگی کو برقرار رکھنے والے اعضا معدہ جگر دل وغیرہ گوشت جسم کے اندر گشت کرتے مسلسل اپنے کام میں لگے ہوتے ہیں۔ اور آپ کو ان کی حرکت و کارکردگی کی خبر تک نہیں ہوتی۔ آپ کے ارادے کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں۔ انسانی زندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے آپ کو ظاہری حواس کے ساتھ ساتھ باطنی حواس اور ان سے بھی اعلیٰ چیز روشنی عطا فرمائی اور جہاں یہ تمام بیک سے دیتے ہیں اور آپ کی راہنمائی سے قاصر ہو جاتی ہیں یا آپ کو بھٹکانے لگتی ہیں تو اس وقت بارگاہ الٰہی سے نبی و رسول کے ذریعہ سے سراپا نور بن کر تشریف لاتا ہے اور شکوک و شبہات کے اندھیروں کو کافور کر دیتا ہے۔ اس کی حیات آفریں رہنمائی شیطان کی ساری فریب کاریاں اور عیاریاں کو بے اثر کر دیتی ہے۔ پھر اس میں بھی ہدایت خداوندی اور ہدایت یافتہ میں کے ان گنت درجات ہیں اور ایک مقام وہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا دست لطف و توفیق اپنے بندے کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور اس کو منزل مراد پر پہنچا دیتا ہے۔ شہاں را شئونی لطف خاص حق و القرآن کہ حد او نمی شمار رب الاعلیٰ۔ سبحان ربی العظیم۔

ف منزل سے مراد گھاس چارہ جو مویشیوں کی خوراک کے کام آتا ہے۔ غثاء یا یا ما خشک ہو کر گر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ احوی سیاہ جس کی سبزی و شادابی رخصت ہو جاتی ہے جس کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے۔

شہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت ہے کہ آپ کو تلاوت قرآن کی نعمت بے محنت عطا ہوگی اور یہ آپ کا معجزہ ہے کہ اتنی بڑی کتاب عظیم بغیر محنت و مشقت اور بغیر تکرار و دور کے آپ کو حفظ ہو گئی۔ (خزائن العرفان)

شہ مفسرین نے فرمایا کہ یہ استثناء واقع نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ آپ کچھ بھولیں۔ (خزائن العرفان)

يَخْفَىٰ ۝٧ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ۝٨ فَذَكِّرْ إِن نَّفَعَتِ الذِّكْرَىٰ ۝٩

چھپی ہوئی ہے ۔ اور ہم سہل بنا دیں گے آپ کے لیے آسانیاں ف۹ ۔ پس آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ مند ہو ف۱۰

سَيَذَّكَّرُ مَن يَخْشَىٰ ۝١٠ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۝١١ الَّذِي يَصْلَى

سمجھ جائے گا جس کے دل میں خدا کا خوف ہوگا ف۱۱ ۔ اور دور رہے گا اس سے بدبخت ۔ جو بڑی

النَّارَ الْكُبْرَىٰ ۝١٢ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۝١٣ قَدْ أَفْلَحَ

آگ میں داخل ہوگا ۔ پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جیے گا ۔ بے شک اس نے فلاح پائی

مَن تَزَكَّىٰ ۝١٤ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ۝١٥ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ

جس نے اپنے آپ کو پاک کیا ف۱۲ ۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا ۔ البتہ تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح

ف۹ حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کا بتایا ہوا راستہ بڑا آسان راستہ ہے کیونکہ اس کے قوانین فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔ اس کی صلاحیتوں کی نشو ونما میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ جن کے مزاج بگڑ چکے ہیں انہیں اس راہ پر قدم اٹھانا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بڑا احسان ہے کہ وہ اس آسان دین کو قبول کرنا آسان بنا دے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کے لیے اس دین کا راستہ ہموار اور آسان بنا دیا ہے اسی لیے حضرت صدیقہ سے جب حضور کے اخلاق حسنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا خُلُقُهُ الْقُرْآن۔

ف۱۰ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دعوت حق میں ہر لحظہ مشغول رہتے۔ وہ لوگ جو تعصب اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا کرتے انہیں بھی حضور بڑے خلوص اور دل سوزی سے تبلیغ فرماتے اور جب وہ انکار کرتے تو حضور کو دکھ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے حبیب! بے شک لوگوں کو نصیحت کرتے رہیے لیکن انہیں جنہیں اس نصیحت سے کوئی نفع پہنچنے کی امید ہو۔ اور جن کے دل پتھر کی طرح سخت ہیں ان پر خواہ مخواہ اپنا جگر صرف نہ کیجیے۔

ف۱۱ بتا دیا کہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہے خواہ وہ ذرہ بھر ہو وہ تو ضرور نصیحت قبول کرے گا بلکہ وہ خود ہر وقت اس کی کوشش میں رہے گا کہ اسے ایسی باتیں سنائی جائیں جن پر عمل کر کے وہ قیامت کے روز سرخرو ہو سکے۔ لیکن جو ازلی بدبخت ہے شقاوت جس کا مقدر بن چکی ہے اسے اگر آپ دعوت دیں گے تو وہ اسے قبول نہ کرے گا۔ ایسے کو اس عذاب میں جس کا ذکر آگے آ رہا ہے مبتلا کیا جائے گا۔

ف۱۲ اوپر کی آیات میں سعید اور شقی کا ذکر ہوا تھا اب اس پر مزید روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ فرمایا وہ شخص جو اپنے آپ کو شرک و کفر کی

الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ

دیتے ہو ۔ حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور زیادہ باقی رہنے والی ہے ۔ یقیناً یہ سب کچھ پہلے صحیفوں میں لکھا

آلودگیوں سے محفوظ کر لیتا ہے اپنے اعمال کو فسق و فجور، نافرمانی و سرکشی سے بھی آلودہ نہیں ہونے دیتا ہوا اپنے رب کی یاد میں ہر وقت مشغول رہتا ہے اور نماز پنجگانہ میں بھی کسی سستی نہیں کرتا ۔ ایسے لوگ سرخرو ہوں گے اور ان کی کامیابی کا تاج سجایا جائے گا ۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ فصلّٰی کا ایک معنی دعا بھی کیا گیا ہے یعنی جو شخص دعا مانگے ۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے ۔ آپ نے دعا کے آداب کے سلسلہ میں چند حدیثیں بھی لکھی ہیں ان میں سے دو آپ بھی ملاحظہ فرمائیں :

① حضرت فضالہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک روز تشریف فرما تھے ۔ ایک آدمی آیا ۔ اس نے نماز ادا کی پھر کہنے لگا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ ۔ اے اللہ ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عَجِلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ ۔ اے نمازی تو نے بڑی عجلت سے کام لیا ہے ۔ اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ، وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ ۔ کہ جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کر جس طرح اس کی شان کے لائق ہے ۔ پھر مجھ پر درود پڑھ ۔ پھر دعا مانگ ۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا ۔ اس نے نماز پڑھی نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کی ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا ۔ حضور نے فرمایا اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اُدْعُ تُجَبْ ۔ رواہ الترمذی ۔ اے نمازی ! اب دعا مانگ تیری دعا قبول کی جائے گی ۔

② حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضور کی خدمت میں حضرت ابوبکر و عمر بھی حاضر تھے ۔ جب میں نماز پڑھ چکا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ، پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا پھر اپنے لیے دعا کی ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سَلْ تُعْطَهْ ، سَلْ تُعْطَهْ ۔ رواہ الترمذی ۔ مانگ اب تجھے دیا جائے گا ۔ مانگ ، اب تجھے دیا جائے گا ۔

③ صاحب تفسیر مظہری رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر کے بعد لکھتے ہیں : بخاطر این فقیر می آید واللہ تعالیٰ اعلم کہ درین آیت اشارت است منازل سلوک ۔ اوّل تہذیب است و تزکیۂ نفس است بازالہ صفات مذمومہ و اکتساب صفات حمیدہ ۔ دوم مداومت بر ذکر لسانی و قلبی و ذکر روحی و سری تا بسر رسیدن بشاہدات ۔ قد افلح من تزکّٰی اشارت باولست و ذکر اسم ربہ اشارت بدوم فصلّٰی اشارت بسوم چون صلوٰۃ معراج مومن است ۔ وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ اشارت بدین سمت ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ترجمہ : اس فقیر کے دل میں یہ بات آتی ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے کہ ان آیات میں منازل سلوک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پہلی منزل تو یہ تزکیہ کی ہے کہ انسان صفات رذیلہ سے توبہ کرے اور ان سے اپنے آپ کو پاک کرے اور صفات حمیدہ کو اختیار کرے ۔ دوسری منزل یہ ہے کہ زبانی و قلبی ، روحی اور سری ذکر پر مداومت کرے اس سے مشاہدہ کی منزل آتی ہے ۔ قد افلح من تزکّٰی سے پہلی منزل کی طرف اشارہ ہے ۔ وذکر اسم ربہ سے دوسری اور فصلّٰی سے تیسری منزل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نماز کو مومن کی معراج فرمایا گیا ہے اور حضور کا ارشاد گرامی ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الْأُولَىٰ ﴿١٨﴾ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴿١٩﴾ ع ۱۹

پہلے ـ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں ـ

۱۳ ـ عقلمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم تزکیہ نفس کی طرف متوجہ ہوتے، ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور نماز ادا کرتے رہتے لیکن تم اخروی زندگی پر دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ ہر وقت تم اسی کوشش میں لگے رہتے ہو کہ یہ چند دن تم آرام و فارغ البالی سے بسر کرو۔ یوم آخرت کے بارے میں تم نے سوچنے کی زحمت بھی کبھی گوارا نہیں کی۔ حالانکہ آخرت کی راحتیں اور مسرتیں کہیں زیادہ بہتر ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

○

اللّٰهم وفقنا ان نؤثر الحيوة الآخرة على الحيوة الدنيا [illegible] في الدنيا والآخرة. اللّٰهم صل وسلم وبارك على عبدك المصطفى ورسولك المرتضى ونبيك المجتبى سيدنا ومولانا وحبيبنا محمد بدر الدجى شمس الضحى وعلى آله مصابيح الهدى واصحابه نجوم الرشد لمن اقتدى من له ... من التسليمات اطيبها ومن البركات ازكاها ومن التحيات احسنها رب اغفر لي ولوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب.

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ الغاشیہ

نام: اس سورت کا نام "الغاشیہ" ہے۔ اس میں ایک رکوع، چھبیس آیتیں، بانوے کلمات اور ۳۸۱ حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین: رسالت کے کئی دور میں سارا زور تین باتوں کو ذہن نشین کرانے پر دیا گیا۔

توحید ۔ رسالت ۔ آخرت۔

یہاں قیامت کا ذکر بڑے اچھوتے انداز سے ایک سوال کی صورت میں کیا جا رہا ہے۔ اے مخاطب! کیا تُو نے ایک ایسی چیز کے بارے میں کچھ سنا ہے جو ساری کائنات پر چھا جائے گی۔ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی چیز اس سے بچ نہ سکے گی۔ یہی روزِ قیامت ہے۔ اس روز بنی نوعِ انسان کو فقط دو گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک گروہ ان بدنصیبوں کا ہو گا جنہوں نے اللہ کے رسولوں کی دعوت کو مسترد کر دیا تھا۔ اس روز ان کی جو درگت بنے گی اس کا ایسا مؤثر ذکر کیا گیا ہے کہ اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسرا وہ گروہ جس نے اپنے رسولوں کی دعوت کو صمیمِ قلب سے قبول کیا، بڑی مضبوطی سے ان کے دامن کو تھام لیا، ہجومِ مصائب میں بھی اُن کے پاؤں نہ ڈگمگائے۔ اس روز اُن کی جس طرح عزت افزائی کی جائے گی اس کا دلنشیں نقشہ کھینچ دیا۔

اس تذکرہ کے بعد اب اہلِ عرب کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اور اس کے علم و حکمت پر اب بھی وہ ایمان نہیں لائے تو ذرا ان چار چیزوں کی تخلیق پر غور کریں جن کا مشاہدہ سفر و حضر میں وہ ہر وقت کرتے رہتے ہیں۔ ذرا اُونٹ کی طرف دیکھو جو بے آب و گیاہ میدانوں اور لق و دق وسیع ریگستانوں کو عبور کرتا ہے۔ اس کے پاؤں نہ وہ طویل سفر سے تھکتا ہے اور نہ پیاس کی شدت اُسے درماندہ کرتی ہے۔ تمہیں اور تمہارے بوجھ کو اٹھائے ہوئے ساربان وہ منزل کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔ کیا اس کی ساخت، اس کی قوتِ برداشت، بھوک اور پیاس کے باوجود اس کی بے پناہ توانائی اس بات کی گواہی نہیں دیتے، یہی کہ جس نے اس کو پیدا کیا ہے اس کی قدرت اور اس کی حکمت بے عدیل اور بے نظیر ہے۔ ذرا سر اُوپر اٹھاؤ اور ریزہ ریزہ حرب کے اس نیلگوں آسمان پر نظر ڈالو۔ اس کی وسعت، اس کی بلندی، اس کی دل لبھانے والی رنگت، پھر دن کے وقت اس میں چمکتا دمکتا سورج اور رات کے وقت ستاروں کی ان گنت قندیلیں دیکھ کر تمہیں یقین نہیں آتا کہ یہ ایسے خالق کی تخلیق ہے جس کی قدرت اور حکمت لاجواب ہے۔ یہ سلسلہ کوہ جو تمہیں ہر طرف

چھیلا ہُوا نظر آتا ہے اس کے پتھر اور اس کی چٹانیں اس کی اونچی چوٹیاں اور پست وادیاں اپنی آفرینش میں جو افادیت رکھتی ہیں کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو؟ یہ فرش زمین جو حد نگاہ تک پھیلا ہُوا ہے۔ جو اپنی تہوں میں تمہارے لیے بے شمار خزانے سمیٹے ہوئے ہے کیا تمہیں غرور و کبر کی دعوت نہیں دے رہے۔

آخر میں اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا کہ آپ کا کام فقط ان کو نصیحت کرنا ہے۔ یہ فریضہ حضرت آپ بڑی دلسوزی اور حسن و خوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو آپ اس پر دلگیر کیوں ہوں اللہ تعالیٰ ان نابکاروں سے خود نمٹ لے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۹ - ۴ - ۷۷

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — هِيَ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الغاشیہ مکی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ اس میں چھبیس آیات ہیں۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝٢ عَامِلَةٌ

کیا پہنچی ہے آپ کو چھا جانے والی آفت کی خبر ۔ کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے ۔ مشقت میں

نَّاصِبَةٌ ۝٣ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝٤ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝٥ لَيْسَ

مبتلا تھکے ماندے ۔ داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں ۔ انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے ۔ انہیں

۱۔ غاشیہ کا معنی ہے چھا جانے والی۔ اس سے مراد قیامت ہے۔ کیونکہ [illegible] کوئی چیز ایسی نہ رہے گی جس پر قیامت کی ہولناکیوں کا اثر ظاہر نہ ہوگا ساری مخلوقات [illegible] ہوگی۔ [illegible] نے کہا ہے کہ یہاں ھل استفہامیہ نہیں بلکہ بمعنی قد ہے یعنی آپ کے پاس اس کی خبر پہنچ چکی ہے۔

۲۔ قیامت کے روز [illegible] کی [illegible] گروہ [illegible] ہوں گی [illegible] بٹ جائے گی۔ ایک وہ جنہوں نے دنیوی زندگی [illegible] اور بغاوت میں برباد کی ہوگی۔ دوسرے وہ جو اطاعت و بندگی کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے۔ پہلی قسم کے لوگوں کی اس روز یہ حالت ہوگی کہ چہروں پر ذلت و رسوائی برس رہی ہوگی۔ عاملۃ: دوزخ میں [illegible] مشقت جھیل رہے ہوں گے۔ [illegible] ان کے گلے میں پڑے ہوں گے۔ [illegible] زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ آگ کی تپش الگ ہوگی۔ ناصبۃ: تھکے ماندے۔ انسان تھوڑی دیر ایسی مشقت میں مبتلا ہو تو وہ تھک جاتا ہے یہاں تو مشقتیں بھی جان لیوا ہوں گی اور پھر مسلسل [illegible] اس وقت انسان کی درماندگی اور تھکاوٹ کی جو کیفیت ہوگی اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

عاملۃ ناصبۃ کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام کو تو قبول نہیں کرتے لیکن ریاضات و مجاہدات میں دن رات مشغول رہتے ہیں [illegible] اور جوگی قسم کے لوگ [illegible] کرتے ہیں کہ [illegible] ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ غلط ہے اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کو انہوں نے قبول نہیں کیا اس لیے ان کی یہ ساری محنتیں اور شب بیداریاں رائیگاں جائیں گی۔ اسی طرح جو لوگ مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل کرنے کے لیے رات دن محنت شاقہ کرتے رہتے ہیں [illegible] ساری رات [illegible] کسی [illegible] کی کاوش کرتے رہتے ہیں ایمان کے بغیر ان کی یہ ساری جانفشانیاں ان کے کسی کام نہ آئیں گی۔

۳۔ آنیۃ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: الحمیم [illegible] تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ [illegible] انتہائی شدت اختیار کر لینا۔ [illegible] زنجیروں [illegible] آگ میں [illegible] پیاس کی شدت ہوگی اور پینے کو ایسے چشمے کا پانی [illegible] ہوگا۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِن ضَرِيعٍ ﴿٦﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ ﴿٧﴾

کوئی کھانا نہیں ملے گا بجز خار دار جھاڑ کے۔ جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾

کتنے ہی چہرے اس روز بارونق ہوں گے۔ اپنی کوششوں پر خوش ہوں گے۔ عالی شان جنت میں۔

لَّا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيهَا سُرُرٌ

نہیں سنیں گے وہاں کوئی لغو بات۔ اس میں چشمہ جاری ہوگا۔ اس میں اونچے اونچے تخت

مَّرْفُوعَةٌ ﴿١٣﴾ وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ﴿١٤﴾ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ﴿١٥﴾ وَزَرَابِيُّ

بچھے ہوں گے۔ اور ساغر قرینے سے رکھے ہوں گے۔ اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے۔ اور قیمتی قالین

ے اور جب بھوک شدت کی ہوگی تو کھانے کے لیے خار دار جھاڑ ملے گا۔ قال عکرمہ و مجاهد الضریع نبت ذو شوک لاصق بالارض۔ تسمیہ قریش الشبرق اذا کان رطبا فاذا یبس فھو الضریع۔ (قرطبی) ابن عکرمہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ ضریع ایک کانٹے دار بوٹی ہے جو زمین سے چمٹی رہتی ہے۔ جب وہ ہری ہو تو قریش اسے شبرق کہتے ہیں اور جب سوکھ جائے تو اسے ضریع کہا جاتا ہے۔

ے ضریع کا لفظ ہی کافر کی خوراک کی حقیقت بیان کرنے کے لیے کافی ہے۔ مزید بتا کر وہ اس کے کھانے سے نہ تو بھلا چنگا اور نہ بھوک کی شدت میں کمی آئے گی، مزید اس کی ناپسندیدگی کے بارے میں بتلا دیا۔

ے ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی حالت کو بیان کیا جا رہا ہے۔

ناعمۃ ترو تازہ، جن پر مسرت و راحت کے آثار نمایاں ہوں گے۔ لسعیہا جو کوشش وہ زندگی بھر کرتے رہے ہوں گے ان کی محنتیں اور جو عرق ریزیاں اور جدوجہد کے عوض جو انعامات انہیں ملیں گے انہیں دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہے گی۔ فردوس بریں میں اقامت گزیں ہوں گے۔ کوئی ایسی بات وہ نہ سنیں گے جو انہیں ناگوار ہو۔ تخت اور منبر پانی کے چشمے جاری ہو رہے ہوں گے ان کے لیے اونچے اونچے پلنگ بچھے ہوں گے۔ بڑے قرینے سے ساغر اور طلائی جام رکھے ہوں گے۔ نمارق جمع ہے اس کا واحد نمرقۃ جو چھوٹے تکیے اور گدے جو بیٹھنے کو بچھائے اور تکیہ لگانے کے لیے ڈالے جاتے ہیں ان کو نمارق کہتے ہیں۔ زرابی، اس کا واحد زربیۃ ہے قالین، جاجم جو فرش پر بچھائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ان عنایات کی جنت میں حفاظت و مدارات ہوگی ان کے آرام و آسائش کے جو سامان مہیا کیے جائیں گے انہیں دوش بدوش بتانے کا اور ان کا ذکر کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ جو لوگ ان وعدوں کی سچائی پر ایمان رکھتے ہیں وہ انہیں سب کچھ چھوڑ کر یکسر جان دے کر بھی اللہ تعالیٰ کو

مَبْثُوْثَةٌ ﴿١٦﴾ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ

بچھے ہوں گے۔ کیا یہ لوگ (غور سے) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے (عجیب طرح) پیدا کیا گیا ہے ۵ اور آسمان کی طرف نہیں

كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ

دیکھتے کہ اسے کیسے بلند کیا گیا ہے ۵ اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف

كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ

کہ اسے کیسے بچھایا گیا ہے۔ پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں، آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے ۵ آپ ان کو جبر سے منوانے والے

واضح کرنا ہے کہ انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

۵ کفار کو جب اپنی قدرت کے شاہکاروں میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے اونٹ کی طرف ان کی توجہ مبذول کی کیونکہ یہ جانور عرب میں بکثرت پایا جاتا ہے اس کی خوبیوں اور خصلتوں سے یہ لوگ پوری طرح آگاہ تھے۔ اس لیے انہیں اس کی تخلیق میں غور و فکر میں ایمان لانے کی دعوت دی گئی۔

یہ اتنا بڑا جانور ہے لیکن ایک چھوٹا سا بچہ اس کی نکیل پکڑ لے تو یہ چپ چاپ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ وہ بیٹھے کو کہے تو بیٹھ جاتا ہے اٹھنے کا اشارہ کرے تو اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ بوجھ لادے تو اٹھا لیتا ہے۔ کیونکہ اسے ریتیلے ریگستانوں کو عبور کرنا پڑتا ہے جہاں پانی کی شدید قلت ہے اس لیے اس کے خالق نے اسے ایسا پیدا کیا ہے کہ دوسرے جانوروں کی طرح اسے بار بار پیاس نہیں لگتی۔ دس دس دن بغیر پانی پیے سفر کر سکتا ہے۔ وہ جھاڑیاں جو دوسرے جانور نہیں کھاتے، انہیں کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہے۔ دوسرے سارے جانوروں کی تمام خوبیاں اس میں پائی جاتی ہیں۔ بعض جانور دودھ دیتے ہیں، بعض بوجھ اٹھاتے ہیں، کوئی سواری کے کام آتے ہیں، کسی کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اونٹ ایسا ہے جو دودھ بھی دیتا ہے، بوجھ بھی اٹھاتا ہے، سواری کے کام بھی آتا ہے اور ذبح کر کے اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔ اس کی ایک اور خصوصیت بھی ہے کہ سواری کے دوسرے جانوروں پر جب کوئی سوار ہوتا ہے تو وہ بیٹھتے نہیں بلکہ کھڑے رہتے ہیں اور یہ سواری کے وقت بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی گردن لمبی، اس کے پاؤں میں نرم گدیلے، اس کے سینے کے نیچے ایک گدی سی بنی ہوئی ہے۔ الغرض اس کی جس چیز میں آپ غور کریں گے آپ کو اپنے رب کی حکمتوں کے ان گنت جلوے نظر آئیں گے۔

۵ پھر آسمان کی بلندی اور پہاڑوں کے جم کر کھڑا ہونے اور فرش زمین کے بچھائے جانے پر غور کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔

۵ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں کہ آپ کا کام ان کو نصیحت کرنا ہے۔ ان کو خواب غفلت سے جگانا ہے۔ آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیے۔ اس کے باوجود اگر یہ ہدایت قبول نہ کریں تو آپ فکر مند کیوں ہوں۔ ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا کہ اگر یہ ایمان نہ لائیں تو آپ سے باز پرس ہو۔ صحاح اور لسان العرب میں مسیطر کا یہی معنی کیا گیا ہے۔ المسیطر [illegible] [illegible] [illegible]

بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ إِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ

تو حیں ہیں ۔ مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب

الْأَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾

دے گا ۔ بے شک ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے ۔

المسلط علی الشیٔ لیشرف علیہ ویتعہد احوالہ ویکتب عملہ ۔ یعنی وہ شخص جس کو کسی پر مسلط کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی نگرانی کرے اس کے احوال کی خبر رکھے اور اس کے اعمال کو شمار کرے اسے مصیطر کہتے ہیں ۔

یعنی جو بدبخت آپ کی طرف سے منہ پھیرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دے گا ۔

○

اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنا یا اکرم المسئولین یا ارحم الراحمین واحشرنا فی عبادک المکرمین وصل وسلم وبارک علی محب الفقراء والمساکین قائد الغر المحجلین وعلی آلہ واصحابہ وسائر امتہ الی یوم الدین ۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورَةُ الفَجر

نام: اس سورت کا نام "الفجر" ہے۔ اس میں ایک رکوع، اُنتیس یا تیس آیتیں، ایک سو اُنتالیس کلمے اور پانچ سو ستانوے حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کے مضامین پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول اس وقت ہوا جب کفار نے مسلمانوں پر بے دریغ مشقِ ستم شروع کردی تھی۔ وہ انہیں جبراً کفر کی طرف لوٹنے پر مجبور کر رہے تھے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے اس سورت کا نزول ہوا۔

مضامین: ابتداء میں کفار نے اسلام کی دلوں کو مسخر کرلینے والی قوت کا صحیح اندازہ نہ لگایا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ آواز لوگوں کے معاندانہ پختگی سے ٹکرا ٹکرا کر خود ہی اپنا سر پھوڑ لے گی اور معاملہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن جب اس دعوت کے داعی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی تابانیاں تعصب و ہٹ دھرمی کی سنگین فصیلوں میں شگاف پیدا کرنے لگیں اور کفر و شرک کے بلند بالا ستون گرنے لگے تو اہلِ مکہ نے مزید رواداری اور چشم پوشی کا رویہ ترک کردیا اور لنگوٹے کس کر اسلام کے سیلِ رواں کو روکنے کے لیے میدان میں نکل آئے اور ہر ایسے شخص پر ظلم و ستم کی حد کر دیتے جو اسلام قبول کر لیتا۔

اللہ تعالیٰ اپنے سرفروش اور جاں نثار بندوں کی حوصلہ افزائی فرما رہا ہے اور انہیں بتا رہا ہے کہ کفار کی یہ سنگدلانہ حرکات نرالی نہیں۔ آج سے پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ بڑے بڑے جابر اور طاقتور قبائل نے اور سنگدل حکمرانوں نے اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر اہلِ حق کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی کوششیں کیں۔ لیکن عذابِ خداوندی نے اُن کو نیست و نابود کر دیا۔ اگر مکہ کے ان رئیسوں نے اپنی یہ ظالمانہ روش نہ چھوڑی تو ان کا انجام بھی ایسا ہی المناک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے ہر قسم کے اعمال کو بڑے غور سے دیکھ رہا ہے اور مناسب وقت پر اُن کو عبرتناک سزا دی جائے گی۔

یہاں ایک نظریہ کا ابطال کر دیا جس میں اکثر خدا فراموش قومیں اور افراد پہلے بھی مبتلا تھے اور اب بھی مبتلا ہیں۔ اُن کا یہ خیال ہے کہ اگر انسان خوشحال اور با وقار زندگی بسر کر رہا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا منظورِ نظر ہے۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے اُس کو خدا کی پسندیدگی کی سند حاصل ہے۔ کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ اور جو شخص کسمپرسی اور افلاس کی زندگی گزار رہا ہے وہ خدا کی نظروں میں گرا ہوا ہے۔ اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ بتا دیا کہ یہ نظریہ سراسر باطل ہے۔ مال کی فراوانی اور مال کی قلت الٰہی آزمائش کے دو رُخ ہیں۔ وہ اپنے بندوں کو قارون کی دولت اور فرعون کا جاہ و جلال دے کر

آزماتا ہے اور کبھی فقر و فاقہ کی سختیوں سے دو چار کر کے ان کو پرکھتا ہے جس نے اس کی نعمتوں پر شکر ادا کیا، اور مصائب میں صبر کا دامن نہ چھوڑا وہ دربارِ خداوندی میں سرخرو اور کامیاب ہے۔ اے اپنی ثروت کی کثرت اور اپنی ریاست و امارت پر فخر کرنے والے! کبھی تو نے اپنے اعمال کی طرف دیکھنے کی زحمت گوارا کی ہے۔ نہ یتیم کا احترام، نہ غریب سے ہمدردی، مال و دولت سمیٹنے کے بغیر اور کوئی مقصد ہی تمہیں نظر نہیں۔ جائز و ناجائز ذرائع میں بھی امتیاز روا نہیں رکھتے ہو۔ یاد رکھو! قیامت کا دن آنے والا ہے اس وقت تمہاری چشم ہوش کھلے گی لیکن بے سود۔ البتہ وہ پاک نہاد، قدسی صفات لوگ جو ذکرِ الٰہی سے اپنے قلب کی تسکین کا اہتمام کرتے رہے، جب وہ اس دارِ فانی سے رخصت ہوں گے تو انہیں رضائے الٰہی کے مژدہ سے خورسند کیا جائے گا۔ اللّٰھم اجعلنا منھم۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۹ - ۳ - ۷۷

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الفجر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس کی تیس آیات ہیں

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴

قسم ہے اس صبح کی اور ان (مقدس) دس راتوں کی اور قسم ہے جفت اور طاق (اشیاء) کی سلہ اور رات کی جب گزرنے لگے ۲

سلہ دعوتِ اسلام سے مکہ کے مشرکانہ ماحول میں ایک ہلچل پیدا ہو گئی۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت اس وقت دو چیزوں تک محدود تھی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور روزِ جزا پر ایمان۔ وہ لوگ وقوعِ قیامت پر طرح طرح کے اعتراضات کیا کرتے اور اسے محال اور خلافِ عقل گمان کرتے۔ ان کے شکوک کے ازالہ کے لیے دیگر متعدد مقامات کی طرح اس سورت کا آغاز بھی پانچ قسمیں کھا کر کیا جا رہا ہے۔ ایسی پانچ چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں کہ انسان اگر ان میں غور و تدبر کرے تو قیامت کے بارے میں اس کے تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔ اس کا وقوع ممکن بلکہ عین حکمت معلوم ہونے لگے گا۔

فرمایا قسم ہے فجر کی۔ اس فجر کے بارے میں متعدد اقوال ہیں کہ کونسی فجر مراد ہے لیکن اولیٰ یہی ہے کہ اسے کسی فجر سے مخصوص نہ کیا جائے بلکہ ہر صبح مراد ہو۔ سورج طلوع ہوتا ہے تو رات کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھٹ جاتی ہے۔ ہر طرف روشنی پھیل جاتی ہے۔ پرند، چرند، انسان جو آرام و سکون سے اپنی اپنی آرام گاہوں میں رات بسر کر رہے ہوتے ہیں اب اپنے اپنے معمولات اور فرائض کو انجام دینے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا قسم ہے دس راتوں کی جو بڑی شان والی ہیں۔ تنکیر تفخیم شان کے لیے ہے۔ ان سے مراد کون سی راتیں ہیں، ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں، رمضان کی آخری دس راتیں، محرم کی پہلی دس راتیں۔ علماء سے تینوں قول منقول ہیں۔

اس کے بعد فرمایا قسم ہے شفع (جفت) کی اور وتر (طاق) کی۔ اس کے مصداق کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ مجھے ان میں سے یہ قول پسند ہے شفع سے مراد مخلوق اور وتر سے مراد خالق۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عطیہ، مجاہد اور دیگر جلیل القدر علماء نے تفسیر شفع کی یہی توضیح دی ہے اور اس کی تشریح یوں کی ہے۔ ساری مخلوق دو دو ہے۔ کفر و ایمان، ہدایت و ضلالت، سعادت و شقاوت، لیل و نہار، زمین و آسمان، بحر و بر، شمس و قمر، جن و انس، تلخی و شیرینی، زندگی اور موت، عزت و ذلت، علم و جہالت وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی تمام شانوں اور صفات میں یکتا ہے اور طاق ہے۔ وہاں زندگی ہے موت نہیں، عزت ہے ذلت نہیں، علم ہے جہالت نہیں، قوت ہے ضعف نہیں۔ اس کی ذات بھی یکتا، اس کی تمام صفات بھی یکتا۔

بعض نے شفع سے مراد وہ نمازیں لی ہیں جن کی دو رکعتیں ہیں یا چار ہیں اور وتر سے وہ نمازیں جن کی رکعتیں طاق ہیں جیسے نماز مغرب اور وتر۔

۲ یسر اصل میں یسری ہے یعنی جب رات رخصت ہونے لگتی ہے اور صبح کے طلوع کا وقت قریب آ جاتا ہے۔

ان تمام قسموں کا جواب لَتُبْعَثُنَّ محذوف ہے یعنی تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ یہ ساری چیزیں جب تخلیق اور ارتقاء کے مختلف مظاہر ہیں اور اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ یہ ساری فطرت کی کارفرمائی نہیں بلکہ ایک قادر، حکیم اور علیم ذات کا ارادہ ان

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝٥ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦

یقیناً اس میں قسم ہے عقلمند کے لیے ۳ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد سے

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝٧ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝٨ وَثَمُوْدَ

ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے ۵ نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل دنیا کے ملکوں میں ۶ اور ثمود کے ساتھ کیا کیا

کو معرض وجود میں لانا ہے جس کی قدرت کا یہ عالم ہو اس کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و کمال ہے کہ وہ اپنی ربوبیت سے انسان کو ان قوتوں سے سرفراز کرنے کے بعد اس کو یونہی بے مہار نہیں چھوڑ دیتا کہ وہ ان سے پوچھے بھی نہیں کہ انہوں نے خدا کی دی ہوئی قوتوں اور نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا ہے۔ یہ بات بھی اس کی حکمت کے سراسر منافی ہے کہ جن لوگوں نے اس کی دی ہوئی قوتوں کو صحیح استعمال کیا ان میں اس کی مخلوق کو فائدہ پہنچایا، نیکی اور اخلاق حسنہ کی آبیاری کی، ان کو تو کوئی اجر نہ ملے، اور جنہوں نے ان نعمتوں پر ناشکری کی، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی تباہی و بربادی کے لیے انہیں استعمال کیا اور فسق و فجور کی داغ بیل ڈالی ان کو ان کے کرتوتوں کی کوئی سزا نہ دی جائے۔

۳ ۔ فرمایا جو لوگ عقل و خرد سے بہرہ ور ہیں ان کو ان ساری قسموں کے بعد انہیں روز جزا کا یقین آ جائے گا اور اس کے بعد انہیں مزید کسی قسم کی ضرورت نہیں رہے گی اور جو لوگ عقل ہی سے محروم ہیں ان کے سامنے جتنی بھی قسمیں کھائی جائیں وہ ان سے کوئی ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ عقل کو حجر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ غلط کاموں سے روکتی ہے۔ غلط راستہ پر کوئی چلنے لگے تو اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

۴ ۔ اہل مکہ دعوت حق کو بڑی بے نیازی سے پس پشت ڈال رہے تھے۔ چند قوموں کی داستانیں بطور عبرت سنائی جا رہی ہیں جو ثروت و شوکت میں، اپنے اپنے زمانہ میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، لیکن اخلاقی بیماریاں ان کو گھن کی طرح کھا گئیں، اپنے جرائم اور اعمال کے بوجھ تلے دب کر وہ فنا ہو گئیں۔ اہل مکہ اور دیگر اہل عرب قبائل ان قوموں سے اچھی طرح روشناس تھے۔

تاریخ میں عاد کے دو قبیلے بہت مشہور ہیں۔ ایک کو عاد ارم کہا جاتا ہے یا عاد اولیٰ اور دوسرے کو عاد اُخریٰ۔ عاد اولیٰ کا نسب نامہ یہ ہے: عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح۔ اسی عاد کی اولاد قوم عاد کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت ہود علیہ السلام انہی کی طرف مبعوث ہوئے لیکن انہوں نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا اس لیے تباہ کر دیئے گئے۔ اس قبیلہ کے جو لوگ اس عذاب سے بچ گئے اور پھر ان کی نسل بڑھی وہ بھی قوم عاد ہی کہلائی۔ دونوں میں امتیاز کرنے کے لیے پہلی قوم کو عاد اولیٰ یا عاد ارم کہا جاتا ہے اور دوسری کو عاد اُخریٰ۔

۵ ۔ علامہ جوہری نے عماد کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: العماد الابنیۃ الرفیعۃ واحدھا عمادۃ۔ وقال الشاعر عمرو بن کلثوم

ونحن اذا عماد الحی خرت ۝ علی الاحفاض نمنع من یلینا

وفلان طویل العماد اذا کان منزلہ معلما لزائرہ (الصحاح) بلند و بالا قصور اور محلات کو عماد کہتے ہیں۔ عربوں کے قدیم شاعر کا شعر ہے کہ ہم معیب کسی قوم کا قصر و عمارت گر جاتا ہے تو ہم ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ جس کا اونچا مکان اس کے زائرین کو دور سے معلوم ہو جائے تو

الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِينَ

جنہوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں ؎ اور (دیکھا) فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا ؎ جنہوں نے

طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ

سرکشی کی تھی اپنے اپنے ملکوں میں ۔ پھر ان میں بکثرت فساد برپا کر دیا تھا ۔ پس آپ کے رب نے ان پر

سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا

عذاب کا کوڑا برسایا ؎ بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے ۔ مگر انسان بھی عجیب شے ہے کہ جب

عرب کہتے ہیں رجلاً طویل العماد۔

؎ یہ قد و قامت میں بھی دوسرے لوگوں سے ممتاز تھے اور جسمانی قوت و طاقت میں بھی اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔

؎ قوم ثمود سنگ تراشی کے فن میں بڑا ملکہ رکھتی تھی۔ انہوں نے پہاڑوں کی چٹانوں کو کھود کر اور کاٹ کر اپنے لیے رہائش گاہیں تعمیر کر رکھی تھیں۔ انہیں ان کی پائیداری اور پختگی پر بڑا ناز تھا۔ انہیں یقین تھا کہ کوئی زلزلہ، کوئی سیلاب، کوئی جھکڑ ان کو ڈھا نہیں سکتا۔ وادی القریٰ میں اب بھی ان کے تراشے ہوئے مکانات دیکھنے والوں کو محو حیرت کر دیتے ہیں۔ جس مہارت سے انہوں نے ان سخت چٹانوں کو کاٹ کر جس خوبصورتی سے دروازوں پر بیل بوٹے بنائے انہیں دیکھ کر اس فن کے ماہرین بھی ان کی مہارت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

؎ عاد، ثمود یہ دو قومیں جزیرہ عرب کی بسنے والی تھیں۔ ان سے اہل عرب خوب واقف تھے۔ ان کی تباہی کی داستانیں بھی اپنے آباء و اجداد سے سنتے آئے تھے۔ فرعون اگرچہ مصر کا فرمانروا تھا لیکن بنی اسرائیل کے ساتھ اہل عرب کا میل جول تھا۔ انہوں نے اس کے مظالم اور پھر اس کی غرقابی کے قصے بھی ان سے سنے تھے۔ اس لیے فرعون کا ذکر ان کے نزدیک اجنبی کلام نہ تھا۔

فرعون کو ذی الاوتاد کہا گیا ہے۔ اوتاد، وتد کی جمع ہے۔ خیمے کی میخوں کو کہتے ہیں اور لکڑی کی کھونٹیاں جن کے ساتھ خیموں کی رسیاں باندھی جاتی ہیں ان کو بھی کہتے ہیں۔ فرعون کا بہت بڑا لشکر تھا۔ جب وہ پڑاؤ ڈالتا تو لشکر کے خیموں کو نصب کرنے کے لیے کھونٹیوں کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے ہمراہ ہوتا۔ یا بعض لوگوں پر ان کا عتاب نازل ہوتا تو ان کو زمین پر لٹا کر ان کے ہاتھ پاؤں میں لوہے کی میخیں گاڑ دیا جاتا تھا۔ اس لیے اس کو ذی الاوتاد کہا گیا ہے۔

؎ ان قوموں کی تباہی کی وجہ بتا دی کہ انہوں نے سرکشی اختیار کی، ظلم و ستم کی حد کر دی۔ کسی کی آبرو، کسی کی جان، کسی کی جائیداد محفوظ نہ رہی۔ جس طرح چاہتے تھے زیردستوں کو لوٹ لیتے۔ ان کی عصمتوں کو تاراج کر دیتے تھے اور مال کے ڈھیر لگا دیا کرتے تھے اور اس بے محابا ظلم کی وجہ یہ تھی کہ انہیں روز حساب کا کوئی خوف نہ تھا۔ جب ان کے مظالم کی حد ہو گئی، ان کے اصلاح کی امید ختم ہو گئی، ان کی اصلاح سے مایوس ہو گئے، اللہ کے ہدایت یافتہ بندوں کی کوئی امید نہ رہی تو عذاب الٰہی کا کوڑا ان مفسدوں پر برسا کہ ان کی خاک تک اڑا کر رکھ دی گئی۔ ان کی تہذیبوں کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ ان کی داستانِ عبرت

ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ

آزماتا ہے اسے اس کا رب یعنی اس کو عزت دیتا ہے اور اس پر انعام فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب

اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا

اس کو (یوں) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ایسا نہیں ہے

سل نسل کے لیے ان کے قصور و محلات کے شکستہ کھنڈرات باقی رہ گئے۔

اے اہل مکہ! تم قیامت کا انکار کرتے ہو اسی لیے تم اپنی باغیانہ روش سے باز نہیں آتے۔ ان گزری ہوئی قوموں کی تباہی تمہارے لیے عبرت کے صد ہا سامان ہیں۔ اگر تم بھی اپنی اصلاح نہیں کرو گے تو اسی انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔

سلہ بعض لوگوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے۔ منصب کے اعلیٰ اور شاندار مکانات ہوتے ہیں۔ اولاد کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ معاشرے میں بھی انہیں قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے برعکس بعض لوگ مفلس اور تنگ دست ہوتے ہیں اور کئی قسم کی محرومیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کا طرز عمل یکساں نہیں ہوتا۔ جو ظاہر پرست ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ خوش حالی اور قدر و منزلت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہ بڑے معزز و محترم ہیں۔ اس لیے ان پر نوازشات کی بارش ہو رہی ہے اور جب وہ تنگ دستی اور غربت کا شکار ہوتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نظر کرم سے محروم کر دیا ہے تبھی ان کے ساتھ ایسا سلوک ہو رہا ہے۔ بعض کاشت کرتے ہیں تو فصل نہیں اگتی، باغات ہیں تو وہ پھلتے نہیں، تجارت ہے تو روبہ تنزل ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ناراضگی کا دارومدار دولت کی کمی بیشی پر ہے۔ لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ پر یقین ہے اور شریعت اسلامیہ کی سچائی پر جن کا پختہ ایمان ہے ان کی سوچ کا انداز بالکل الگ ہوتا ہے۔ وہ دونوں حالتوں کو امتحان سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ وہ دونوں قسم کے امتحانوں میں کامیاب ہوں۔ اگر ان کی مالی حالت اچھی ہوتی ہے اور معاشرہ میں ان کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو اس پر وہ خداوند کریم کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اپنے مال و دولت اور اثر و رسوخ کو اس کی مخلوق کی خدمت میں صرف کرتے ہیں۔ غریبوں کی امداد کرتے ہیں۔ کمزور اور ضعیف لوگوں پر کوئی ظلم کرنے لگے تو سینہ تان کر آگے ہو جاتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کی بیخ کنی کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اگر فقر و غربت کا دور آ جائے تو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ اپنی مالی حالت کو درست کرنے کے لیے حرام ذرائع اختیار نہیں کرتے۔ اس طویلے افلاس میں بھی انہیں اپنے علیم و حکیم پروردگار کی حکمتیں نظر آتی ہیں۔

قرآن کریم کی ان آیات میں ان دونوں حالتوں کو ابتلاء و آزمائش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دولت کی قلت و کثرت اللہ تعالیٰ کی رضا و ناراضگی کا معیار نہیں بلکہ ان دونوں صورتوں میں جو طرز عمل آپ اختیار کریں گے اسی کے باعث آپ اپنے رب کی خوشنودی یا غضب کے مستحق ہوں گے۔

سلہ ان نادانوں کے اس نظریہ کا ابطال کر دیا۔ دولت اس کے فضل کی نشانی نہیں اور افلاس اس کی تحقیر کی وجہ سے نہیں بلکہ

بَلْ لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّونَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾

بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ۱۲ اور نہ تم ترغیب دیتے ہو مسکین کو کھانا کھلانے کی ۱۳

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّآ

اور ہڑپ کر جاتے ہو میراث کا سارا مال ۱۴ اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو ۱۵ یقیناً

الغنی فضلہ والفقر لیس لہ۔ (قرطبی) نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت سے اس حقیقت کو بیان فرمایا۔ یقول اللہ عز وجل کلا انی لا اکرم من اکرمت بکثرۃ الدنیا ولا اھین من اھنت بقلتھا انما اکرم من اکرمت بطاعتی واھین من اھنت بمعصیتی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں جس کی عزت کرتا ہوں کثرت دنیا کی وجہ سے نہیں اور جس کو ذلیل کرتا ہوں افلاس کی وجہ سے نہیں بلکہ میں اپنی اطاعت کی وجہ سے کسی کو سرفراز کرتا ہوں اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے کسی کو ذلیل و خوار کرتا ہوں۔

۱۲ ان کی مادہ پرستانہ ذہنیت ان کو یتیم و غریب پر رحمت و شفقت کے جذبہ سے محروم کر دیتی ہے۔ وہ ان یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ بھی نہیں پھیرتے بلکہ ان کو نحوست کی علامت خیال کرتے ہیں اور ان کے سامنے سے یوں دور بھاگتے ہیں، حتیٰ کہ قریبی رشتہ دار بھی ان سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

۱۳ ان کی بستی میں، ان کے محلے میں، بلکہ ان کے پڑوس میں کئی لوگ فاقہ کشی کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اپنی مگن میں مست رہتے ہیں۔ انہیں کبھی ان مسکینوں کی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ نہ وہ خود ان کی طرف دست تعاون دراز کرتے ہیں نہ دیگر خوشحال لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں۔ انسان کا دل جب ہمدردی کے جذبات سے خالی ہو جاتا ہے تو اس کی سنگ دلی کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

۱۴ صرف یہی نہیں بلکہ جب کوئی تمہارا قریبی رشتہ دار مر جاتا ہے تو اس کی ساری جائیداد تم خود سمیٹ لینا چاہتے ہو۔ خواہ اس کی بیوی کو کچھ ملے یا نہ ملے بلکہ مرنے والے کے یتیم بچوں کو تم بالکل محروم کر دیتے ہو۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں وکان اھل الشرک لا یورثون النساء ولا الصبیان بل یاکلون میراثھم مع میراثھم۔ یعنی مشرکین عورتوں اور بچوں کو ورثہ میں سے کچھ نہ دیتے تھے بلکہ ان کے حصہ کو اپنے حصہ کے ساتھ ملا کر ہڑپ کر جاتے تھے۔

لَمًّا جمعا اصل اللمّ فی کلام العرب الجمع یقال لممت الشیء الُمّه لمّا اذا جمعته۔ ترجمہ: لمّا کا معنی ہے جمع کرنا۔ کلام عرب میں لمّ کا مادہ اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ جب تم کسی چیز کو جمع کرو اور سمیٹ لو تو تم کہو گے لممت الشیء الُمّه لمّا۔

۱۵ مال کی محبت تمہارے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی ہے۔ تم حلال و حرام کی تمیز ہی نہیں کرتے۔ جس طرح بھی ہو سکے دولت کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے میں مصروف رہتے ہو۔ الجم: الکثیر۔ بہت زیادہ۔ رشوت، بھتہ، سود، لوٹ کھسوٹ، ڈاکہ زنی و قزاقی، کسی طرح بھی مال حاصل ہو تم اس پر ٹوٹ پڑتے ہو۔ اگر انسان غور کرے تو مال کی بے پناہ خواہش ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اگر لوگوں کے دلوں سے اس کی بے جا چاہت ختم ہو جائے تو جرائم کا دائرہ بہت محدود ہو جائے اور مظالم کی شدت بھی کم ہو جائے۔

إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾

جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔

وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ

اور سامنے لائی جائے گی اس دن جہنم۔ اس روز انسان کو سمجھ آئے گی لیکن اب سمجھنے کا

الذِّكْرَىٰ ﴿٢٣﴾ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ

کیا فائدہ؟ ۱۷؎ (اس دن) کہے گا کاش! میں نے آگے بھیجا ہوتا اپنی (اس) زندگی کے لیے۔ ۱۸؎ پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح

عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ

کوئی عذاب نہ دے سکے گا۔ اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا۔ ۱۹؎ اے نفس

الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِي

مطمئنہ۔ ۲۰؎ واپس چل اپنے رب کی طرف ۲۱؎ اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ۲۲؎ پس شامل ہو جاؤ

یہ طریقہ کار صرف زمانہ جاہلیت کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ آج بھی اکثر لوگ جن کو اسلام کے بکثرت ... پر پورا یقین نہیں وہ سب اسی چکر میں سرگرداں ہیں۔ اس کے بعد نجات کی کوئی راہ نہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام کا نظریہ حیات واضح اور دلنشیں اسلوب میں پیش کیا جائے تاکہ وہ اشتراکیت اور سرمایہ داری کے سرابوں سے منہ پھیر کر قرآن کے چشمہ صافی و شیریں کی طرف متوجہ ہوں۔

۱۶؎ جب قیامت برپا ہوگی تو سارا نظام عالم درہم برہم کر دیا جائے گا۔ اس وقت ان غافل انسانوں کی آنکھ کھلے گی۔ اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے جو بتایا تھا وہ حق تھا جو قرآن نے دعوت دی تھی وہی ان کی فلاح کا ذریعہ تھا لیکن اس روز ان کا یہ سمجھنا ان کے کسی کام نہ آئے گا اور انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

۱۷؎ اس روز انسان کف افسوس ملے گا اور کہے گا کاش! میں نے آج کے دن کے لیے اس ختم ہونے والی زندگی کے لیے کچھ توشہ فراہم کیا ہوتا۔ کاش اس راہ میں میرا دامن تہی دست نہ ہوتا۔

۱۸؎ اس روز اللہ تعالیٰ کی گرفت بڑی سخت ہوگی اور اسے ایسی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔

۱۹؎ کفار و منکرین کے حسرت ناک انجام کے ذکر کے بعد اب اپنے مقبول اور محبوب بندوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔

پہلے آپ یہ دیکھیے کہ نفس مطمئنہ کسے کہتے ہیں۔ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں جس طرح مچھلی کو پانی میں سکون اور قرار حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس

فِىْ عِبٰدِىْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ﴿۳۰﴾

میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں ۲۲

جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں سکون و اطمینان نصیب ہو اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس اطمینان کا اس وقت تک تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک انسان سے صفات رذیلہ دور نہ ہو جائیں اور وہ اس وقت تک دور نہیں ہوتیں جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی صفات حمیدہ کی تجلیات سے سرشار نہ ہو۔ ان میں وہ فنا ہو جائے اور ان کے ساتھ اس کو بقا نصیب ہو۔ اس وقت انسان کو ایمان حقیقی نصیب ہوتا ہے اور اسی وقت اسے اطمینان کی دولت ارزانی ہوتی ہے۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ گیر و دار اور اضطراب کے بعد جو سکون ملتا ہے اسے اطمینان کہتے ہیں اور نفس کو سکون تب میسر آتا ہے جب وہ یقین و معرفت اور شہود کی اعلیٰ منزل پر فائز ہو جائے اور یہ مقام ذکر الٰہی کی کثرت اور دوام سے حاصل ہوتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب جب انسان اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو پھر اسے تسکین سے نوازا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے رہزنی کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔

علامہ سید شریف جرجانی نے نفس مطمئنہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

النفس المطمئنة هي التي تنورت بنور القلب حتى تخلت عن صفاتها الذميمة وتحلت بالاخلاق الحميدة۔ یعنی نفس مطمئنہ وہ ہے جو نور قلب سے منور ہو گیا ہے یہاں تک کہ اس کی مذموم صفات ختم ہو جاتی ہیں اور وہ اخلاق حمیدہ سے مزین و آراستہ ہو جاتا ہے۔

ایسے نفس مطمئنہ کو اپنے خطاب دلنواز سے یوں مشرف کیا جائے گا کہ واپس آ جا اپنے رب کے پاس۔ یعنی وہ مخصوص مقام جہاں وہ اپنے بندوں کو اپنی خصوصی عنایات سے سرفراز کرتا ہے۔ تو اس کی محبت میں آنسو بہاتا رہا تو اس کے عشق کی آگ میں جلتا رہا اور اس کے فراق میں تڑپتا رہا۔ اب فراق کی طویل رات ختم ہو گئی ہے۔ [illegible] اپنے [illegible] دل [illegible] نگاہ [illegible] حاضر ہو جا۔

۲۱ اور کس شان سے آ۔ اس کو بیان ان دو کلمات میں فرمایا کہ تو گھبراتے ہوئے نہیں۔ اس خیال سے پریشان ہو کر نہیں کہ جس رب کو راضی کرنے کے لیے تو نے اپنی زندگی وقف کی وہ راضی ہوا یا نہیں۔ ان خدشات کو ان وسوسوں کو دل سے نکال کر باہر [illegible] اس شان سے آ کہ تو بھی اپنے رب کریم پر راضی اور وہ بندہ نواز بھی تجھ سے راضی۔ کیا بات ہے۔ کیا کرم ہے۔ کتنی بلند قسمت ہے اس خاکسار بندے کی جس پر یہ عنایت ہوگی۔

۲۲ میرے وہ بندے جن پر شیطان کا کوئی زور نہ چلا [illegible] میری خاطر سب [illegible] میری بندگی کے بغیر جن کا اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ اے نفس مطمئنہ! تو بھی ان میں داخل ہو جا اور میری وہ جنت جو میری ذاتی اور صفاتی تجلیات کے لیے مخصوص ہے اس میں تشریف لے چل۔ فالدخول الاول عبارة عن الخواص [illegible] والدخول الثاني [illegible] البدنية (روح البیان) یعنی یہاں دو سعادتوں کا ذکر ہوا۔ ایک خاص [illegible] بندوں کی رفاقت۔ یہ روحانی سعادت ہے۔ دوسری ان کی معیت میں جنت میں داخل ہونا، یہ جسمانی سعادت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے اس روحانی سعادت کے لیے یوں التجا کی تھی: فاطر السموات والارض انت
ولیّ فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ (یوسف آیت ۱۰۱)
حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی بعینہٖ یہی دعا مانگی تھی۔

یہ بشارت کس وقت دی جائے گی۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ روز محشر جب یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس وقت انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا جائے گا۔ بعض کی رائے ہے کہ مرتے وقت یہ بشارت دی جائے گی لیکن علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: ھٰذا یقال لھا عند الاحتضار وفی یوم القیامۃ ایضاً یعنی دونوں وقت اسے یہ خوشخبری دی جائے گی

یہاں ایک روایت بھی ملاحظہ ہو: قال عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اذا توفی العبد المؤمن ارسل اللہ ملکین وارسل الیہ بتحفۃ من الجنۃ فیقال لھا اخرجی ایتھا النفس المطمئنۃ اخرجی الی روح وریحان ورب عنک راض الخ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ جب بندۂ مومن وفات پانے لگتا ہے اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو اس کی طرف بھیجتا ہے وہ اسے کہتے ہیں اے نفس مطمئنہ! اس جائے فانی سے نکل اور راحت و آرام اور گل ہائے خوشبودار کی طرف چل اور اپنے اس پروردگار کی طرف چل جو تجھ سے راضی ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر بارگاہ رسالت میں حاضر تھے عرض کرنے لگے یارسول اللہ ما احسن ھذا۔ اے اللہ کے رسول یہ کتنی پیاری بات ہے۔ فقال اما انہ سیقال لک ھذا۔ حضور نے فرمایا اے ابوبکر جب تم اس دنیا سے رخصت ہوگے تو تمہیں بھی یہ بشارت دی جائے گی۔ (ابن کثیر)

علامہ ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال لرجل قل اللھم انی اسئلک نفسا بک مطمئنۃ تؤمن بلقائک وترضی بقضائک وتقنع بعطائک۔ اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے نفس مطمئنہ کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، جو تیری قضا پر راضی ہو اور جو تیری عطا پر قانع ہو۔

○

الحمد للہ رب العالمین واجمل الصلوات واحسن التسلیمات واکمل البرکات واطیب التحیات علی صاحب المقام المحمود وحامل لواء الحمد سیدنا محمد المبعوث رحمۃ للعالمین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین وازواجہ الطاہرات امہات المؤمنین وعلی سائر الصحابۃ والتابعین واولیاء امتہ الکاملین وعلماء ملتہ الراسخین وعلینا معہم الی یوم الدین الٰہی اسئلک بحق ... نفسا مطمئنۃ تؤمن بلقائک وترضی بقضائک وتقنع بعطائک

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سورۃ البلد

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام البلد ہے۔ یہ لفظ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، بیس آیتیں، بیاسی کلمے، تین سو بیس حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کی آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے رئیسوں کے گھٹیا کردار کو ہدف تنقید بنانا شروع کر دیا تھا۔

مضامین: قسم کھا کر انہیں بتا دیا گیا کہ تمہارا یہ خیال سراپا غلط ہے کہ تم اتنے طاقتور ہو کہ تم پر کسی کا قابو نہیں۔ تم فضول باتوں میں اور جھوٹی نمود کے لیے اپنا روپیہ پانی کی طرح لٹاتے ہو اور پھر اس پر اتراتے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جس نے تمہیں یہ رزق عطا فرمایا ہے وہ تمہارے اس غلط استعمال سے آگاہ نہیں۔

اسلام دین فطرت ہے۔ وہ انسان کے جسمانی اور روحانی دونوں قسم کے تقاضوں کی تکمیل پر یکساں توجہ مبذول کرتا ہے۔ نہ وہ انسان کو مادی لذتوں میں کھو جانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ان سے کلیتاً قطع تعلق کر کے صرف روحانی لطافتوں میں محو ہو جانے کی تلقین کرتا ہے۔ اس سورت میں ان اعضاء اور جوارح کا ذکر کرنے کے بعد جو انسان کو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے مرحمت فرمائے گئے ہیں۔ اسے تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تجھے عقاب کی قوت پرواز دی گئی ہے اس سے کام لیتے ہوئے تمہارا فرض ہے کہ اخلاق حسنہ کی بلندیوں کو سر کرنے کے لیے پر کشا رہو۔ اس مقصد کے لیے جو اعمال ناگزیر ہیں ان کا ذکر بھی کر دیا۔ غلاموں کو آزاد کرنا۔ قحط سال کے دنوں میں فاقہ زدہ لوگوں کی خوراک کا اہتمام کرنا۔ یتیموں اور مسکینوں پر شفقت کرنا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایمان کے چراغ کو روشن رکھنا۔ خود صبر کرنا اور دوسروں کو صبر اور ہمدردی کی تلقین کرنا۔ یہ وہ اعمال ہیں جن کے ذریعے انسان اپنی منزل پا لیتا ہے لیکن جو غریبوں کی مادی ضروریات کو استطاعت کے باوجود پورا کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۹-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ البلد مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں بیس آیات ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝١ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝٢ وَوَالِدٍ

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی۔ درآں حالیکہ آپ تشریف فرما ہیں اس شہر میں۔ اور قسم کھاتا ہوں

وَّمَا وَلَدَ ۝٣ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝٤ اَيَحْسَبُ اَنْ

باپ کی اور اولاد کی۔ بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں زندگی بسر کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ

۱۔ لا زائدہ ہے اور قسم کو مؤکد کرنے کے لیے ذکر ہوا ہے۔

البلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ یہاں شہر مکہ کی اس حیثیت سے قسم اٹھائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حبیب محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء اس میں تشریف فرما ہے۔ یہ شہر اگرچہ گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے لیکن اس کی اس نرالی شان کی وجہ سے جو عزت و شرف اس کو حاصل ہوا ہے اس کی شان ہی نرالی ہے۔

وانت حل بھذا البلد جملہ حالیہ ہے مقسم بہ البلد کا۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں اقسم اللہ سبحانہ بمکۃ مقیدا بحلول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم [illegible] اس کے دو اور مفہوم بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفار کی اذیت رسانیوں پر اظہار تعجب کیا جا رہا ہے کہ دیکھو تو اس شہر کو یہ لوگ اس کا شہر قرار دیتے ہیں جو وہاں کسی جانور کو ستاتے ہیں نہ اس کے درختوں اور گھاس کو کاٹتے ہیں۔ ان کے باپ کا قاتل بھی اگر حرم میں پناہ لے لے تو وہ اس پر بھی دست درازی نہیں کرتے لیکن اسی حرم میں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو دکھ دینے اور اذیت پہنچانے کو اپنے لیے حلال سمجھ رکھا ہے اور حضور کو تکلیف دینے سے وہ کبھی باز نہیں آتے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے یہ شہر حلال کر دیا گیا ہے۔ آپ کسی کافر کو قتل کریں یا اس کو سزا دیں آپ اس کے مجاز ہیں۔

۲۔ والد سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور ما ولد سے مراد آپ کی ساری اولاد ہے۔ اس کی تفسیر میں بھی متعدد اقوال ہیں۔

۳۔ یہ جواب قسم ہے۔ یعنی ہم نے انسان کی تخلیق اس لیے نہیں کی کہ وہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کر کے بزم عالم سے رخصت ہو جائے بلکہ اس کی زندگی کا سفینہ طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے بنایا گیا ہے۔ خطرات و مصائب اور اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب اس کا حمل رحم مادر میں قرار پکڑتا ہے تو اس وقت سے ہی طرح طرح کے خطرات اس کے گرد منڈلانے لگتے ہیں۔ ہر لحظہ اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ دامن گیر رہتا ہے۔ جب وہ اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو بیماریاں، ناکامیاں، محرومیاں اور مخالفین کی مخالفتیں، نفس و شیطان کی ریشہ دوانیاں قدم قدم پر اس کا راستہ روکنے کو کھڑی ہو جاتی ہیں اور اس کی زندگی کے کارواں کو انہی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے گیا

لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿٦﴾

اس پر کسی کا بس نہیں چلنے کا ؟ کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا

أَيَحْسَبُ أَنْ لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾ أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ وَلِسَانًا

کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا ؟ کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لیے دو آنکھیں اور ایک زبان

انسان کی زندگی کا مشقتوں، مصیبتوں اور تکلیفوں سے دوچار ہونا ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس میں مضمر امکانی قوتیں اور صلاحیتیں کبھی نشوونما پا سکیں اور نہ [illegible] کبھی وہ شعور نہ کر سکے۔ تکبد، المشقة والشدة (المفید لغۃ) یعنی مشقت اور شدت کو کبد کہتے ہیں۔

ہ اس کے باوجود کہ مشکلات و آلام نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اس کے گھمنڈ کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس سے بالاتر کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس سے باز پرس کر سکے یا جس کے حکم کے سامنے وہ سر جھکانے پر مجبور ہو۔ یہ محض اس کی کم فہمی ہے۔ اس کی بے بسی کی تو یہ کیفیت ہے کہ حادثات کا ایک ریلا اس کو پھونک کر رکھ دے اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔

ے لُبَدًا، لُبْدَة کی جمع ہے۔ وہ چیز جس کو ڈھیر و لپیٹ کر جمع کیا جاتا ہے۔

دنیا دار لوگ اپنی شہرت کی نمائش کے لیے ہزاروں لاکھوں روپے پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ کبھی کوٹھیاں اور محلات تعمیر کر کے اپنی دولت مندی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، کبھی کاروں کی خرید کر کے اپنی رئیسانہ ٹھاٹھ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے امراء اور افسروں کی ضیافتیں کی جاتی ہیں، شادی بیاہ کے مواقع پر لاکھوں روپے اڑا دیے جاتے ہیں اور اس چیز کو یہ لوگ اپنے لیے فخر و مباہات کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اس پر شیخی مارتے ہیں کہ ہم نے ڈھیروں مال خرچ کر دیا اور ہم نے روپیہ پانی کی طرح بہا دیا۔

ے اس آیت سے ان کی اس حرکت کی مذمت کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اور جس طرح اپنی دولت لٹا رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ان حرکتوں کو دیکھ رہا ہے اور وہ ان سے اس فضول خرچی کے بارے میں باز پرس کرے گا کہ تمہارے پڑوس میں غریب اور مسکین ضروریات زندگی کے لیے ترس رہے ہیں اور تم لوگ اپنی نام و نمود کے لیے دولت کو لٹا رہے ہو۔ تمہیں یہ خیال نہ آیا کہ یہ حق تمہیں اللہ نے دیا ہے اور تم پر یہ فرض تھا کہ تم اس کے حکم کے مطابق اس کو صرف کرتے اور غریبوں اور مسکینوں کی، یتیموں اور بیواؤں کی ضروریات بہم پہنچاتے۔

ے یہاں ان نعمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اس ناشکرے انسان کو عطا کی گئی ہیں۔ اگر وہ ان کی قدر پہچانتا اور ان سے صحیح کام لیتا تو یوں آنکھیں بند کر کے مسرفی کی راہ اختیار نہ کرتا۔ فرمایا ہم نے اس کو دو آنکھیں دی ہیں جن سے وہ اپنے معاشرے کے نشیب و فراز کو پہچان سکتا ہے، مصیبت زدہ لوگوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، بے نوا اور بے کس لوگوں کے حالات کو پہچان سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے ان کی امداد کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو زبان دی ہے اور اس کو دو ہونٹ عطا فرمائے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے مافی الضمیر کا

وَّشَفَتَيْنِ ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ

اور دو ہونٹ ۔ اور ہم نے دکھا دیے اسے دونوں نمایاں راستے ۔ پھر وہ داخل ہی نہیں ہوا (عمل خیر کی) دشوار گھاٹی میں۔ اور

اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ

کیا آپ سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے ۔ وہ (غلام کی) گردن چھڑانا ہے ۔ یا کھانا کھلانا ہے بھوک کے دن

مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ

(قحط سالی) میں ۔ یتیم کو جو رشتہ دار ہے ۔ یا خاک نشین مسکین کو ۔ پھر

میں اظہار کر سکتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی نیکی کی دعوت دے سکتا ہے غرباء و مساکین کی امداد پر انہیں برانگیختہ کر سکتا ہے۔

۸ النجد: الطریق فی ارتفاع ۔ بلند جگہ پر جو راستہ ہو اس کو نجد کہتے ہیں۔ یعنی ہم نے صرف انسان کو حواس ظاہری اور باطنی ہی عطا نہیں فرمائے بلکہ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اس کے سامنے نیکی اور بدی کے راستوں کو واضح کر دیا ہے۔ اسے ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے کہ اب جس راستے کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اس پر گامزن ہو جائے۔ [illegible] حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے: یا ایھا الناس انما ھما النجدان نجد الخیر و نجد الشر فلم تجعل نجد الشر احب الیک من نجد الخیر (قرطبی) اے لوگو! تمہارے لیے دو راستے ہیں، ایک بھلائی کا راستہ ایک برائی کا راستہ۔ پس تم کیوں برائی کے راستے کو نیکی کے راستہ سے زیادہ پسند کرتے ہو۔

۹ اقتحم کا معنی ہے بلا سوچے سمجھے اپنے آپ کو کسی چیز میں جھونک دینا۔ الاقتحام الرمی بالنفس فی شیء من غیر رویۃ۔ جب گھوڑا اپنے سوار کو منہ کے بل گرا دے تو عرب کہتے ہیں تقحم الفرس بفارسہ تقحیما علی وجہہ۔ العقبۃ: الطریق الصعب من الجبال، الطریق فی اعلی الجبال، (السعود) دشوار گزار پہاڑی راستہ۔ وہ راستہ جو پہاڑ کی چوٹی کی طرف جاتا ہو۔

آیت کا مدعا یہ ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ جھوٹی ناموری حاصل کرنے کے لیے اپنی دولت کو یوں لٹانے کے بجائے جب اس کے سامنے بھلائی اور برائی کے راستے واضح کر دیے گئے تھے تو وہ اس راستے پر چلتا جو نیکی کی بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے اگرچہ وہ راستہ کٹھن ہے اور اس کو طے کرنا دشوار ہے لیکن جس منزل کی طرف وہ جاتا ہے وہ منزل انسان کی عظمتوں کے شایان شان ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہر قسم کی مشقت کو بطیب خاطر اسے قبول کرنا چاہیے تھا لیکن سہولت کوشی اور [illegible] طبیعت کو کوئی مناسبت نہیں۔ وہ [illegible] اپنی [illegible] بلندیوں کی طرف [illegible] ۔

۱۰ یہاں سے اس کٹھن راستہ کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے جو انسان کے شایان شان ہے۔ بجائے فضول خرچی کرنے کے کام تو یہ تھا کہ وہ کسی غلام کو آزاد کرنے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا۔ کسی رشتہ دار یتیم کو قحط سالی کے دنوں میں کھانے پینے کی ضروریات مہیا کرتا یا ایسے مسکین کی طرف دست تعاون دراز کرتا جس کو فقر و تنگدستی نے خاک نشین بنا دیا ہے۔ بے شک ان امور میں مال خرچ کرنے سے ان کی شہرت کا

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا

وہ ایمان والوں سے ہو [۱۱] جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت

ڈالنا ہوگا۔ اسی طرح اگر چہ اس کی دولت کی نمائش لوگوں کی آنکھیں خیرہ نہ کرتی لیکن ضرورت مندوں کی امداد کرکے ایک انسان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر سکتا تو وہ ایسا کام کر گیا جس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر ہے۔

چند مشکل الفاظ۔ مَسْغَبَةٍ: مصدر میمی ہے سغب سے۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ عام بھوک کو سغب کہتے ہیں۔ امام راغب نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے ھو الجوع مع التعب۔ بھوک اور تھکن دونوں کے مجموعے کو سغب کہتے ہیں۔ یعنی ایسے دنوں میں کھانا کھلانا جب ہر طرف قحط کا دور دورہ ہو، غلّہ اور اجناس بازاروں میں کمیاب ہوں اور ان کی قیمت گراں ہو جائے۔ ایسی حالت میں اپنے رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا بڑا ایک عمل ہے۔ یہ یتیم کی امداد کرنا اگرچہ کار ثواب ہے لیکن رشتہ دار یتیم کی اعانت سے دگنا ثواب ملتا ہے کیونکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں یکجا ہو جاتی ہیں۔ مسکینا ذا متربة، متربة بھی مصدر میمی ہے یعنی جب وہ اتنا محتاج ہو جائے کہ مٹی کے ساتھ مل جائے۔

یہاں تین چیزیں مذکور ہیں۔ ① عام قحط سالی اور غذائی اجناس کی نایابی کے وقت کھانا کھلانا۔ ② اپنے قریبی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا۔ ③ اور ایسے مسکین کو کھانا کھلانا جو خاک نشین ہو۔ اس عمل کو قرآن نے عقبہ کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب غذائی اجناس کی ارزانی ہو اور ہر چیز سستی ہو، بآسانی خریدی جا سکے اس وقت کسی کو کھانا کھلانا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ غذائی اجناس گراں اور نایاب ہوں اور انسان کو اپنی غذائی ضرورتوں کا خطرہ بھی لاحق ہو۔ نیز قریبی رشتہ دار کو اگر کھانا کھلایا جائے تو لوگوں کی نگاہوں میں یہ کوئی قابل قدر چیز نہیں ہوگی۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ اپنے یتیم رشتہ دار کو کھانا کھلایا ہے کسی غیر کو تو نہیں کھلایا۔ اس لیے اس سے وہ شہرت حاصل نہیں ہو گی جو اہل دنیا کے پیش نظر ہوا کرتی ہے۔ نیز وہ لوگ جن کا پیشہ ہی گداگری ہے ان کو اگر آپ کچھ دیں گے تو وہ جگہ جگہ آپ کی فیاضی اور سخاوت کا چرچا کریں گے لیکن وہ مسکین جس میں دست سوال دراز کرنے کی ہمت بھی نہیں، جسے سوال کرنے کی عادت بھی نہیں، جس میں اتنی ہمت بھی نہیں کہ وہ کسی کے سامنے حرف مدعا زبان پر لاسکے۔ ایسے شخص کی جب آپ امداد کریں گے تو وہ اس کو قبول کرے گا۔ دل سے آپ کا شکر گزار بھی ہوگا لیکن اس میں یہ ہمت ہی نہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے آپ کی سخاوت کے گن گا سکے۔ اس لیے ایسے لوگوں پر اپنی ضرورت کے وقت اپنی دولت خرچ کرنا صرف ان لوگوں کا ہی کام ہے جو فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کے متمنی ہیں۔ دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے خواہش مند لوگ یہاں مال خرچ نہیں کر سکتے۔ وہ تو وہیں کریں گے جہاں ان کی سخاوت کے گن گائے جائیں گے۔

[۱۱] یعنی ان تمام اعمال کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو کیونکہ کوئی عمل ایمان کے بغیر مقبول نہیں۔ فان شرط قبول الطاعة الایمان باللہ۔

ثم کان من الذین اٰمنوا کا معنی علامہ قرطبی نے یہ کیا ہے ای عمل ھذہ الاشیاء وھو مؤمن۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں ثُمَّ بمعنی واو ہے۔

بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

کرتے ہیں رحمت کی ؎ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں ؎ اور جنہوں نے انکار کیا

ع ۲۰ ۵ بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

ہماری آیتوں کا وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں ۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی ؎

؎ آیت کے ان دو جملوں میں اسلامی معاشرہ کی دو خصوصیتیں بیان کی گئیں کہ ان میں سے ہر فرد دوسرے کو صبر کی تلقین کرتا ہے۔ راہ حق میں پیش آنے والی مشکلات اور مصائب کو بطیب خاطر گوارا کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ خود تو وہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوتے ہیں لیکن وہ اس پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ امت کا ہر فرد صبر کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وتواصوا بالمرحمة، وہ سنگ دل نہیں ہیں، وہ ایک دوسرے کی تکلیفوں سے بے نیاز نہیں ہیں بلکہ اگر مشرق کے بھائی کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو مغرب میں بسنے والا کلمہ گو بیتاب ہو جاتا ہے۔ ان کا باہمی رشتہ رحمت و شفقت کا ہے۔ آپ خود سوچیے کہ جو قوم ان دو خصوصیتوں سے متصف ہوگی وہ حق کا بول بالا کرنے کے لیے کتنا زبردست کردار ادا کر سکتی ہے۔ انفرادی نیکی بھی نیکی ہے۔ انفرادی خوبیاں بھی خوبیاں ہیں۔ لیکن جب تک ان میں اجتماعی اور عمومی رنگ پیدا نہ ہو وہ انسانیت کی تقدیر کو نہیں بدل سکتیں، وہ اس ظلمت کدہ عالم کو بھی مسرتوں کے نور سے منور نہیں کر سکتیں۔ اس لیے اسلام نے مسلمانوں کو انفرادی طور پر نیک، صالح، متقی اور صابر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی بھی تاکید کی ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوشش کریں۔

؎ یعنی یہ لوگ جن کے سینوں میں ایمان کا چراغ ضو فشاں ہے اور جو مذکورہ بالا صفات سے بھی متصف ہیں یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کو ان کے اعمال نامے قیامت کے روز دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

؎ جو بدنصیب ان خوبیوں سے محروم ہیں ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ مؤصدۃ ای مطبقۃ مغلقۃ۔ جب دروازے کو بالکل بند کر دیا جائے تو اہل عرب کہتے ہیں اوصدت الباب ای اغلقتہ۔ یعنی ان کو آگ میں پھینک دیا جائے گا اور دروازے بند کر دیئے جائیں گے نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔ اعاذنا اللہ منھا

اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک وموتا فی بلد حبیبک
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃ الشمس

نام : اس کا پہلا کلمہ "الشمس" ہی اس کا نام ہے۔ اس میں ایک رکوع، پندرہ آیتیں، چوّن کلمات اور دو سو سینتالیس (۲۴۷) حروف ہیں۔

نزول : یہ باتفاق علماء مکہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : متعدد قسمیں اٹھانے کے بعد انسان کو اس حقیقت سے خبردار کیا کہ جس حکیم خالق نے اس کو پیدا فرمایا ہے اس کو گوناگوں قابلیتیں عطا کی ہیں اور ان کو استعمال میں لانے کے لیے اعضاء سے نوازا ہے۔ اس نے اس کی فطرت میں نیک و بد اور خیر و شر میں امتیاز کی تخم ریزی کر دی ہے۔ جو شخص اس بیج کی مناسب نگہداشت کرتا ہے۔ اس کی نشو و نما پر پوری توجہ دیتا ہے وہ کامیاب و کامران ہے۔ لیکن جو شخص اپنے لاشعور سے ابھرنے والی آواز کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا، کسی برائی کے اقدام پر اس کے خلاف جو ہلچل برپا ہوتی ہے اس کی پروا نہیں کرتا اور اپنے نفس کی خواہشات کے ریلے میں تنکوں کی طرح بہتا چلا جاتا ہے، وہ دونوں جہانوں میں خائب و خاسر ہوگا۔ سورج کے کہا جانے میں بھی وہ اندھوں کی طرح بھٹکتا پھرتا ہے۔ قوم ثمود کا تذکرہ تم بار بار سن چکے ہو۔ ان کے نبی نے ان کے مطالبہ کے مطابق معجزہ دکھایا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ چٹان پھٹی اور اس سے ایک جیتی جاگتی اونٹنی نمودار ہوگئی لیکن جن کے دل کی آنکھ اندھی تھی انہیں پھر بھی ہدایت نصیب نہ ہوئی۔ بلکہ ان کے ایک بدبخت انسان نے اس ناقہ کی کونچیں کاٹ کر اللہ کے غضب کو چیلنج کیا۔ خود بھی برباد ہوا اور اپنی ساری قوم کو بھی برباد کر ڈالا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۹-۴-۷۷

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ٢٦ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — فِي خَمْسَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الشمس مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے | اس میں پندرہ آیات ہیں

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۝١ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝٢ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝٣

قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی ۱ اور قسم ہے چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے ۲ اور قسم ہے دن کی جب وہ آفتاب کو روشن کر دے ۳

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝٤ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝٥ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝٦

اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے ۴ اور قسم ہے آسمان کی اور اسے بنانے والے کی ۵ اور زمین کی اور اس کو پھیلانے والے کی ۶

۱ اس سورت کا آغاز متعدد قسموں سے کیا جا رہا ہے تاکہ مخاطب پوری توجہ اور انہماک سے اس گفتگو کو سننے کی کوشش کرے اور جس حقیقت کو اتنی قسمیں کھا کر بیان کیا گیا ہے اس کی اہمیت کا پورا احساس اس کے دل میں پیدا ہو۔ لغت و نحو کے امام مبرد نے ضحٰی کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا اصل الضحح ہے جس کا معنی ہے آفتاب کی روشنی۔ الضحح کی دوسری حا کو الف سے بدل دیا گیا۔ قال المبرد اصل الضحٰی من الضح وھو نور الشمس والالف مقلوبۃ عن الحاء الثانیۃ۔ (قرطبی)

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی معنی نقل کیا ہے۔ عن ابن عباس وضحاها قال جعل فیها الضوء وجعلها حارۃ۔ یعنی ضحٰی سے سورج کی روشنی اور حرارت دونوں مراد ہیں۔

۲ تیسری قسم چاند کی کھائی جا رہی ہے جب وہ سورج کے غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتا ہے۔ قمری مہینہ کے ابتدائی چند دنوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ادھر سورج غروب ہو گیا ادھر چاند نمودار ہو جاتا ہے اور آخری نصف میں چاند پہلے طلوع ہوتا ہے اور سورج اس کے بعد نمودار ہوتا ہے۔

۳ چوتھی قسم دن کی کھائی جا رہی ہے جب وہ سورج کو روشن کر دیتا ہے۔ یعنی دن جیسے چڑھتا جاتا ہے سورج کی روشنی بھی زیادہ تیز ہوتی جاتی ہے۔ جلّٰها کی ضمیر منصوب کا مرجع سورج بھی ہو سکتا ہے جس طرح ذکر ہوا اور اس کا مرجع اور چیزیں بھی ہو سکتی ہیں جیسے زمین، دنیا، ظلمت وغیرہ۔ اس وقت معنی ہوگا قسم ہے دن کی جب وہ ساری زمین کو روشن کر دیتا ہے۔

۴ گویا جب رات آتی ہے تو سورج کو اپنے اندھیروں میں لپیٹ لیتی ہے۔ زمین کا جو حصہ پہلے سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا وہاں رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے۔

۵ ان آیات میں ما مصدریہ بھی ہو سکتا ہے اور ما بمعنی مَن بھی ہو سکتا ہے۔ امام حسن بصری، مجاہد اور طبری کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ ما بمعنی مَن ہے۔ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔ باقی رہا یہ شبہ کہ ما کا استعمال بے جان مخلوق اور غیر عاقل اشیاء کے لیے ہوتا ہے یہاں ما سے اللہ تعالیٰ کی ذات کیسے مراد لی جا سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ما بکثرت مَن کے معنی

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ

قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو ۔ یقیناً فلاح

میں استعمال ہوا ہے مثلاً فانکحوا ما طاب لکم من النساء ۔۔۔ ولا انتم عابدون ما اعبد ۔

۱۔ طحی اور دحو دونوں ہم معنی ہیں اس سے طحاہا کا مطلب یعنی اسے ہر طرف سے کشادہ کر دیا ہے اور بچھا دیا ہے۔

۲۔ انسان کی ظاہری ساخت، اس کے ظاہری و باطنی حواس، اس میں غور و فکر اور فہم و استنباط کی صلاحیتیں جس علیم و حکیم نے بڑی خوبصورتی اور سلیقہ سے اس میں ودیعت فرمائی ہیں، اس ذات کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

۳۔ علامہ ابن منظور الہام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اللَّهْم: الابتلاع۔ لَهِمَ الشیء لَهْماً ولَهَمَةً والتهمہ: ابتلعہ مرۃ۔ یعنی کسی چیز کو نگل جانا اس سے الہام مشتق ہے۔ والالہام ما یلقی فی الروع۔ والالہام ان یلقی اللہ فی النفس امرا یبعثہ علی الفعل او الترک۔ (لسان العرب) یعنی اللہ تعالیٰ کا نفس میں ایسا خیال پیدا کر دینا جس کے باعث وہ کسی کام کو کرے یا ترک کرے۔

علامہ راغب اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الالہام القاء الشیء فی الروع ویختص ذلک بما کان من جہۃ اللہ تعالیٰ وجہۃ الملأ الاعلیٰ (المفردات) یعنی الہام کسی چیز کے دل میں ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اور الہام اس خیال کے لیے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو یا ملأ اعلیٰ کی طرف سے ہو۔

آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو نیکی و بدی، حق و باطل اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کا شعور عطا فرما دیا ہے۔ وہ اچھی اور بری چیزوں میں پوری طرح امتیاز کر سکتا ہے۔ اس کا یہ مفہوم نہ سمجھا جائے کہ انسان میں نیکی کرنے اور برائی کرنے کی دونوں صلاحیتیں موجود ہیں اب اس کی مرضی کہ وہ نیکی کو پسند کرتا ہے یا برائی کو اختیار کرتا ہے۔ اس سے پہلے سورت میں بھی اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وھدیناہ النجدین۔ اس کے علاوہ متعدد مقامات پر قرآن کریم میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا واما کفورا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے قال قرأ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فالھمھا فجورھا وتقواھا قال اللھم آت نفسی تقواھا وزکھا انت خیر من زکاھا انت ولیھا ومولاھا۔ (قرطبی) حضور نے اس آیت کو پڑھا اور اس کے بعد یہ دعا مانگی: الٰہی! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور تو ہی اس کو پاک فرما، تو بہترین پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا مالک اور مددگار ہے۔

۴۔ حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَعِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَدَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا

حضرت زید فرمایا کرتے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیں یہ دعا سکھایا کرتے تھے اور ہم تم کو یہ دعا سکھا رہے ہیں۔

اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝٩ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝١٠ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

پا گیا جس نے پاک کر لیا اپنے نفس کو ف۹ اور بے شک نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا دیا ف۱۰ جھٹلایا قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے

بِطَغْوٰىهَآ ۝١١ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝١٢ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(اپنی سرکشی کے باعث جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بدبخت ف۱۱ تو کہا انہیں اللہ کے رسول نے کہ خبردار رہو ا

(مسند احمد، ابن کثیر)

ترجمہ: الٰہی! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں عاجز ہونے سے، سستی سے، بڑھاپے سے، بزدلی سے، بخل سے اور عذاب قبر سے۔

الٰہی! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا کر، اس کو پاک کر، تو بہترین پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا مالک اور مددگار ہے۔

الٰہی! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو، ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسی دعا سے جو مقبول نہ ہو۔

ف۹ یہ ہے وہ حقیقت جس کو آشکارا کرنے کے لیے اتنی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ فرمایا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہو گیا اور جس نے اسے گناہوں کی خاک میں دبا دیا وہ خائب و خاسر رہا۔ علامہ زمخشری کشاف میں التزكية الانماء والاعلاء والتدسية النقص والاخفاء۔

جو شخص اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھتا ہے، اپنے آپ کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرتا ہے اس کی فطرت سلیمہ نشوونما پاتی ہے، اس کی قوت و توانائی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اپنے اندر ایسا عزم اور ہمت محسوس کرتا ہے کہ وہ مشکل سے مشکل کام کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو وہ پرکاہ کی وقعت نہیں دیتا۔ نہایت ثابت قدمی سے نیکی کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ اس کی زندگی کا دامن اعمال حسنہ اور روشن کارناموں سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اس کی روحانی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور آخر کار وہ اس منزل پر فائز ہو جاتا ہے جس کے بارے میں حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے: اكون بصره الذي يبصر به۔ میں خود اس کی بینائی بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے الخ۔ جب اس کی ظاہری زندگی رعنائیوں اور برکتوں کا گلزار و رشک ہوتی ہے تو آخرت میں اس کی جو عزت افزائی ہو گی اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

ف۱۰ اس کے برعکس جس نے اپنے نفس کی صلاحیتوں کا گلا گھونٹ دیا، جس نے گناہوں کے ڈھیر کے نیچے اس گوہر یکتا کو دبا دیا اور اس کی قوتوں کا غلط استعمال کر کے ناشکری کی انتہا کر دی، وہ شخص اپنی بدنصیبی اور محرومی کا جتنا بھی ماتم کرے کم ہے۔ قال اهل اللغة الاصل دسسها من التدسيس وهو اخفاء الشيء في الشيء فابدلت سينه ياء كما قيل تقضيت اظفاري واصله تقضضت اظفاري۔ یعنی اہل لغت کہتے ہیں کہ دسّٰھا اصل میں دسّسھا ہے، یہ تدسیس سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کو دوسری چیز میں چھپا دینا۔ اس کے آخری سین کو یا سے بدل دیا گیا جس طرح تقضیت اظفاری اصل میں تقضضت اظفاری تھا، آخری ضاد کو یا سے

نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝۱۳ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۝۱۴ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ

اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے۔[۱۲] پھر انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ہلاک کر دیا[۱۳] انہیں ان کے

رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۴ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۵

رب نے ان کے گناہ کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا۔ اور کوئی ڈر نہیں (اللہ کو) ان کے برے انجام کا۔

بدل دیا۔

۱۱ انسانی تاریخ سے ایک مثال پیش کر کے یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ جنہوں نے اپنے نفسوں کو گناہوں کی مٹی کے نیچے دبا دیا وہ خائب و خاسر رہتے ہیں۔ قوم ثمود کے حالات سے اہل عرب بے خبر نہ تھے۔ عذاب الٰہی کی جس بجلی نے ثمود کو پیس دیا تھا اس کی تفصیلات سے بھی وہ بخوبی آگاہ تھے۔ تجارتی سفروں میں بارہا ان کا گزر ان کے کھنڈروں سے ہوتا۔ جہاں کبھی قوم ثمود شیر کی طرح دندناتی پھرتی تھی۔ اہل مکہ کو ان کی غلط روش سے باز رکھنے کے لیے ان کی قوم ثمود کے عبرت ناک انجام کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے بھی اپنے نبی کو جھٹلایا تھا۔ وہ اونٹنی جو ان کی خواہش کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام نے بطور معجزہ پیش کی تھی اور ان کو اچھی طرح متنبہ کیا تھا کہ خبردار! اس اونٹنی کو ہرگز اذیت نہ پہنچانا۔ ایک دن کنویں سے سارا قبیلہ پانی پیئے۔ دوسرا دن اس اونٹنی کے لیے مخصوص کر دو۔ اس میں ردوبدل کی کوشش ہرگز نہ کرنا ورنہ خدا کا عذاب تمہیں تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔ لیکن غرور و نخوت کی جو شراب انہوں نے پی رکھی تھی اس نے انہیں سرکش و نافرمان بنا دیا تھا۔ اسی سرکشی کے باعث انہوں نے اپنے نبی کی ہدایات کی پروا نہ کی، بلکہ ان کو جھٹلانا شروع کر دیا اور اس ناقہ کی کونچیں کاٹ دیں اور اسے ہلاک کر دیا۔ جس شخص نے یہ ظلم ڈھایا اس کا نام قدار بن سالف تھا جو سارے ثمودیوں میں سے بڑا شریر، مفسد اور خبیث النفس تھا۔ لیکن اسے ساری قوم کی تائید حاصل تھی۔ اس لیے ساری قوم کو عذاب الٰہی نے ہلاک کر دیا۔ مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا اتدری من اشقی الاولین اے علی! کیا تم جانتے ہو کہ پہلے لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور رسول اعلم۔ حضور نے فرمایا اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا۔ پھر دریافت فرمایا اتدری من اشقی الآخرین کہ بعد میں آنے والوں میں سب سے زیادہ بدبخت کون ہے؟ حضرت علی نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قاتلک تیرا قاتل سب سے زیادہ بدبخت ہے۔

۱۲ ناقة اللہ منصوب ہے جس طرح کہتے ہیں الاسد الاسد۔ اس کا فعل محذوف ہے۔ ای احذروا ناقة اللہ۔

۱۳ علامہ قرطبی دمدم کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں الدمدمة اهلاک باستئصال ... دمدم علیهم ای اهلکهم فحصلهم ... کسی کو جڑ سے اکھیڑ کر تباہ کر دینا کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ یعنی ان کو نیست و نابود کر دیا گیا ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

۱۳؎ قوم ثمود اپنے عہدِ عروج میں بڑی نامور قوم تھی۔ دیگر قبائل و اقوام کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ یقیناً انہوں نے یہ بات سوچ رکھی ہوگی کہ اگر کسی قوم پر کوئی تاخت و تاراج کرے گا تو سب مل کر حملہ آور کا مقابلہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ثمود جیسی قوم کو تباہ و برباد کر دینے کے نتائج کا مجھے کوئی خوف نہیں۔ ان کے کسی حلیف قبیلہ یا دوست قوم کی یہ مجال نہیں کہ ہم سے ان کی بربادی کا انتقام لے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام خدشات سے بالاتر ہے۔ اس کی قوت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں۔ وہ جس کو تباہ و برباد کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين

اللهم صل على حبيبك الكريم وعلى آله واصحابه ومن تبعه وبارك وسلم

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃُ الّیل

نام : اس سُورت کا نام اَللّیل ہے۔ جو اس سورت کا پہلا لفظ ہے۔ اس میں ایک رکوع، اکیس آیتیں، اکہتّر کلمے اور تین سو دس حروف ہیں

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : اس سورت میں دیگر اہم نکات کے علاوہ ایک نفسیاتی راز سے پردہ اُٹھایا گیا ہے۔ وہ یہ کہ جو انسان اپنے آپ کو نیک اعمال کا عادی بنا لیتا ہے۔ اُس کے لیے اچھے کام خواہ کتنے کٹھن اور مشکل ہوں آسان ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے لیے تو طاعت و تقویٰ کا راستہ بڑا دشوار گزار اور خاردار ہوتا ہے لیکن وہ شخص اس پر یُوں خراماں خراماں گزر جاتا ہے جیسے اُس کے راستہ میں اطلس و کمخواب کا فرش بچھا ہو۔ اس کے برعکس جو لوگ برائیوں کے خوگر ہو جاتے ہیں، وہ ان گناہوں میں ایسی کشش اور لذت محسوس کرتے ہیں جو درحقیقت اُن کی بربادی، بدنامی اور رسوائی کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ ایک شراب کے گھونٹ کے لیے بڑی فراخدلی سے اپنی دولت لُٹاتے رہتے ہیں۔ جُوئے کی ایک بازی پر وہ اپنی بیگمات کی عصمتوں کو داؤ پر لگانے سے بھی باز نہیں آتے۔ اپنے سگے بھائی کے قتل پر بھی نہ انہیں جھجک محسوس ہوتی ہے اور نہ خجالت۔

ارشادِ الٰہی ہے کہ لوگوں کو دعوتِ حق دینا ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہُوا ہے لیکن اس کو قبول کرنے پر ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے۔ جو چاہے اپنی خوشی سے راہِ حق پر گامزن ہو جائے۔ اور جو چاہے ہلاکت کے گڑھے میں کود جائے۔ اس کو صلہ ویسا ہی ملے گا جیسا اُس نے اپنی مرضی سے عمل کیے تھے۔ اللہ کے بندے اپنا مال ضرورتمندوں میں رات کی تاریکی میں چپکے چپکے بانٹ رہے ہوتے ہیں۔ اس سے اُن کا مقصد کسی کے سابقہ احسان کا بدلہ چکانا نہیں ہوتا۔ وہ محض اپنے ربِ اعلیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اور اُنہیں مبارک ہو۔ ہر گوہرِ مقصود انہیں بخشش دیا جائے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۹-۴-۷۴

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا احدى وعشرون

سورۂ لیل مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں اکیس آیات ہیں

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝١ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝٢ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ

قسم ہے رات کی جب وہ (ہر چیز کو) چھپا لے۔ اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے۔ اور اس کی قسم جس نے پیدا کیا نر

وَالْاُنْثٰى ۝٣ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝٤ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝٥

اور مادہ کو۔ ١ بےشک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں۔ ٢ پس جس نے (راہِ خدا میں اپنا مال) دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا۔

١۔ اس سورت کا آغاز بھی متعدد قسموں سے کیا گیا ہے۔

٢۔ یہ ان قسموں کا جواب ہے۔

آفتاب رسالت کے طلوع ہونے سے پہلے ہر طرف کفر و شرک اور جاہلیت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ تمام فاسق و فاجر اور مشرک جو بیاں سب کی سب ایک ہی ڈگر پر رواں دواں تھے۔ لیکن حضور کی بعثت نے عرب کے معاشرے کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ دونوں گروہوں کے عقائد و نظریات، افکار و جذبات اور اعمال و کردار میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ بعد تھا۔ ہر گروہ پورے جوش و ولولہ سے اپنی اپنی منزل کی طرف گرم سیر تھا۔ اللہ تعالیٰ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ جس طرح رات اور دن، نر اور مادہ الگ الگ ہیں اور ہر ایک کی اپنی خصوصیات اور الگ الگ نتائج ہیں اسی طرح ان دو گروہوں کے اعمال کی نوعیت بھی جداجدا ہے۔ ان میں کسی قسم کی یکسانیت نہیں۔ ایک گروہ اپنے خالق و مالک کی بندگی اختیار کیے ہوئے ہے۔ اس کے احکام کی بجاآوری میں کوشاں ہے اور اس کی رضا کا جویا ہے۔ اور دوسرا گروہ معبودانِ باطل کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہے۔ اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل میں روز و شب مصروف ہے۔ عارضی لذتوں اور فانی جاہ و جلال کے حصول کے علاوہ اس کے پیش نظر کوئی منزل نہیں۔ اس بین تفاوت کے باوجود ان دو گروہوں کی جد و جہد یکساں نہیں ہو سکتی اور اس پر ایک جیسے نتائج مرتب نہیں ہو سکتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے: الناس غادیان، فمبتاع نفسه فمعتقها، وبائع نفسه فموبقها (قرطبی) لوگ جب صبح کرتے ہیں تو ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ اپنے نفس کو خرید کر اس کو آزاد کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے نفس کو فروخت کر کے اس کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

شتّٰی، شتیت کی جمع ہے جس طرح مرضٰی، مریض کی جمع ہے۔ معنی ہیں متفرق اور منتشر۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان سے کم از کم شتیت ہی ہوتا کہ اسم اور خبر دونوں واحد ہوتے۔ لیکن سعی مسلسل جد و جہد کو کہتے ہیں جو متعدد اعمال و افعال پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لیے اگرچہ سعی لفظاً واحد ہے لیکن معناً جمع ہے۔ اس کے اسی معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی خبر شتّٰی جمع ذکر کی گئی۔

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝٦ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝٧ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ

اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی ۳؎ تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے آسان راہ ۴؎ اور جس نے بخل کیا

۳؎ ان دو گروہوں کی جدوجہد کے چند اہم پہلو ذکر کر کے ان کے باہمی تضاد اور تفاوت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس سعادت مند گروہ کی جدوجہد اور سعی پیہم کے اہم پہلوؤں کو ذکر فرمایا۔ جس گروہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو صمیم قلب سے قبول کیا، حضور کے دست حق پرست پر ہاتھ رکھ کر اسلام کی بیعت کی اور جو قیمت بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کے پرچم کو سربلند کرنے اور سربلند رکھنے کا عزم کیا۔ فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے اس کی رضا، اس کے دین کی سربلندی اور اس کے ضرورت مند بندوں کی اعانت کے لیے اپنا مال بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ اس کو وہ ضائع نہیں سمجھتے، اس کو تاوان اور چٹی خیال نہیں کرتے، بلکہ سب کچھ دے کر شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کے رب نے ان کو مال بھی بخشا اور اپنے رستے میں اسے خرچ کرنے کی توفیق بھی مرحمت فرمائی۔ ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ انہوں نے تقویٰ کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں بڑے سرگرم ہیں، منہیات اور محرمات کے قریب تک نہیں پھٹکتے۔ ان کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہے۔

ان کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے جن اچھی چیزوں کی انہیں تعلیم دی ہے ان کی وہ تصدیق کرتے ہیں اور دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ باتیں سراسر حق ہیں۔

۴؎ یہ جملہ بڑا توجہ طلب ہے۔ فرمایا جس گروہ میں یہ تین صفات پائی جاتی ہیں ہم ان کے لیے وہ راہ آسان کر دیتے ہیں جو انہیں ابدی فلاح اور حقیقی مسرتوں کی طرف لے جانے والی ہے۔ اس راہ پر چلنے کی لگن ہم ان کے دل میں پیدا کر دیتے ہیں۔ اپنی منزل سے انہیں والہانہ عشق ہو جاتا ہے۔ جو کام لگن اور عشق سے کیا جائے وہ کتنا ہی کٹھن کیوں نہ ہو، جذبہ عشق کی برکت سے وہ ذرا مشکل نہیں ہوتا۔ اس راہ کے کانٹے بھی پھولوں سے زیادہ پیارے لگتے ہیں۔ ہر مشکل گھاٹی اپنی کونی لذتوں سے آشنا کرتی ہے۔ نماز اس کے لیے بوجھ نہیں رہتی بلکہ اس کی روح کی غذا بن جاتی ہے جس کے بغیر اسے قرار نہیں۔ تمام عبادات کی ادائیگی میں اسے گرانی محسوس نہیں ہوتی بلکہ اسے وہ فرحت و مسرت حاصل ہوتی ہے جس کا اندازہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کا شوق نئے نئے بہانے تلاش کرتا ہے اور جب اس کی رضا کے لیے سر کٹانے کا موقع آتا ہے تو اس وقت اس کا ذوق سرفروشی فرشتوں کو بھی محو حیرت کر دیتا ہے۔

اب ذرا آیت کے الفاظ میں غور فرمائیے:

علامہ آلوسی فَسَنُيَسِّرُهٗ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اصل التیسیر من الیسر بمعنی السھولۃ لکن ارید التھیئۃ و الاعداد للامر۔ یعنی تیسیر، یُسر سے باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس کا اصل معنی آسانی اور سہولت ہے لیکن یہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کے لیے کسی کو مستعد اور تیار کر دینا۔ عرب جب گھوڑے پر زین ڈال کر اور اس کے منہ میں لگام دے کر سواری کے لیے بالکل تیار کر دیتے ہیں تو کہتے ہیں یَسَّرَ الفرس للرکوب اذا اسرجھا والجمھا۔

علامہ ابن منظور نے بھی لسان العرب میں اس کا یہی مفہوم بتایا ہے اور متعدد احادیث بطور استشہاد پیش کیں۔ ان میں سے ایک

وَاسْتَغْنٰی ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ﴿۱۰﴾

اور بے پروا بنا رہا۔ اور اچھی بات کو جھٹلایا ہے تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے مشکل راہ ہے

آپ بھی سن لیجیے!

قال المعنیٰ اعملوا وسددوا وقاربوا فکل میسر لما خلق لہ۔ اسی حدیث میں حضور نے فرمایا کہ نیک اعمال کرو، درست روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو۔ ہر شخص جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا اس کی استعداد اس میں رکھ دی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی اس جملہ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں: فسنہیئہ للخصلۃ التی تؤدی الی یسر وراحۃ کدخول الجنۃ ومبادیہ۔ یعنی ہم اسے ایسی خصلت کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں جو اسے آسانی اور راحت کی طرف لے جاتی ہے جس طرح دخول جنت اور اس کے ابتدائی ذرائع۔ یسریٰ، صفت مؤنث ہے لیکن اس کا موصوف مقدر ہے۔ اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ، رضائے الٰہی، دخولِ جنت سب اس کے موصوف ہو سکتے ہیں۔ ان امور کو آسان اور سہل فرمایا گیا ہے۔ اس لیے بھی کہ جب انسان ان کو حاصل کر لیتا ہے تو اس کو ابدی راحت و آرام نصیب ہو جاتا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اس کی فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہے۔ جو کام انسان کی فطرت سے ہم آہنگ ہو اس کا کرنا مشکل نہیں ہوتا بلکہ انسان بڑی سہولت سے اس کو انجام دے سکتا ہے۔ مشکل کام تو یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اس کی فطرت کے تقاضوں کے خلاف کوئی کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسے قدم قدم پر اپنی فطرت سے جنگ کرنی پڑتی ہے۔ اپنے جذبات سے برسرپیکار ہونا پڑتا ہے اور اپنے مزاج کی مخالفت کرنی پڑتی ہے اور یہ کام واقعی بڑا کٹھن اور مشکل ہوتا ہے۔

علامہ جوہری نے اس کا معنی "وفقہ" لکھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے خوش نصیب بندوں کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

اس میں انسانی نفسیات کا ایک دلچسپ مسئلہ بھی حل کر دیا گیا۔ بتا دیا گیا کہ جو شخص نیک اعمال کرتا ہے اس میں مزید نیک اعمال کرنے کی قوت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب وہ راہ راست پر گامزن ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید آگے بڑھنے اور بلند ترین منزل پر خیمہ زن ہونے کا شوق مرحمت فرما دیتا ہے جس کے باعث نیک اعمال اس کے لیے بالکل آسان ہو جاتے ہیں۔

شہ اہل سعادت کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد اب اہل شقاوت کی قبیح عادات اور ان پر مرتب ہونے والے تلخ نتائج و اثرات کا بیان ہو رہا ہے۔

ان کی ایک خصلت یہ ہے کہ راہ حق میں ایک دمڑی خرچ کرنا بھی ان کے لیے بڑی مصیبت ہے۔ ویسے اپنی نام ونمود کے لیے وہ بے دریغ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اپنی بزم عیش و طرب سجانے کے لیے پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لیے، دعوت اسلام کو کامیاب بنانے کے لیے اگر ان کی دولت کی ضرورت ہو تو ان کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ ایک پائی خرچ کرنے کی توفیق بھی انہیں نصیب نہیں ہوتی۔

ان کی دوسری خصلت یہ ہے کہ ان کی ساری تگ و دو دنیوی شہرت اور ناموری حاصل کرنے تک محدود ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے انجام کو بالکل بھلا دیا ہے۔ اپنے رب کو راضی کرنے کا خیال تک بھی کبھی ان کے دل میں نہیں گزرا۔ گویا وہ بے مہار بنا دیے گئے ہیں

وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ﴿١١﴾ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾

اور اس کے کسی کام نہ آئے گا اس کا مال جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا۔ بے شک ہمارے ذمہ کرم پر ہے رہنمائی کرنا۔

اپنے خدا کی خوشنودی ہے نہ اپنے نیک انجام کی کوئی آرزو ہے۔ اگر زیادہ سے زیادہ وہ دولت سمیٹ لیں اور اونچا سے اونچا منصب انہیں مل جائے تو گویا انہوں نے اپنا گوہر مقصود پا لیا۔ ان کی تیسری خصلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول جن اعلیٰ اور عمدہ باتوں کی انہیں تعلیم دیتا ہے، جن ابدی صداقتوں اور اقدار عالیہ کی سچائیوں سے انہیں آگاہ کرتا ہے وہ ان کی سچائی کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کو ناقابل عمل قرار دے کر ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں۔ جب ان کی یہ عادتیں اور خصلتیں ہیں تو آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ ان کی اور ان پاکبازوں کی جدوجہد اور جدوجہد کیونکر یکساں ہو سکتی ہیں اور ان کے نتائج ایک جیسے کیونکر ہو سکتے ہیں۔

ف آخر میں فرمایا کہ جن کی یہ عادات ہوں ہمارا یہ طریقہ کار ہے کہ ان کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ ان کے دلوں میں ان کرتوتوں کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے جو انہیں کشاں کشاں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔ انہیں نیکیوں سے نفرت ہو جاتی ہے گندگی کے کیڑوں کی طرح فسق و فجور کی غلاظتوں میں وہ بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ شراب نوشی اور بدکاری سے ان کا لگاؤ اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا مال اور اپنی جائیداد تک ان کی راہ میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اپنی ذاتی عزت اور خاندانی وقار کو بھی خاک میں ملا دیتے ہیں۔ اپنی بیوی کے کانوں کی بالیاں اتار کر بھی وہ دخت رز سے اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔ جوئے کی ایسی لت انہیں پڑ گئی ہے کہ کوئی سزا انہیں اس سے باز نہیں رکھ سکتی ہر وہ چیز جو ان کی تباہی کا باعث ہے اس پر سو جان سے وہ فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں کوئی لاکھ سمجھانے کی کوشش کرے وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

عُسْرىٰ صفت مونث ہے۔ اس کا موصوف بھی محذوف ہے۔ اعمال سیئہ، بداخلاقی، جہنم سب اس کے موصوف ہو سکتے ہیں۔ ان کو مشکل کہنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب انسان ان میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی انتہا ہو جاتی ہے اور اس لیے بھی انہیں عسریٰ کہا گیا کہ ان کرتوتوں کے کرنے وقت انسان اپنی فطرت سے، اپنے ضمیر سے جنگ لڑ رہا ہوتا ہے۔ قدم قدم پر اس کی فطرت سلیمہ صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ اس کا ضمیر اس کو بری طرح ملامت کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا گناہوں میں مگن رہنا بڑا کٹھن اور دشوار کام ہے۔

اس حقیقت کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مختلف اسالیب سے بیان فرمایا گیا ہے۔ سورۃ انعام کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیے فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ۔ ترجمہ: اور جس خوش نصیب کے لیے اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ ہدایت دے کشادہ فرما دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے اور جس بدنصیب کے لیے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کرے تو بنا دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ، بہت تنگ گویا وہ زبردستی چڑھ رہا ہے آسمان کی طرف۔ (انعام: ۱۲۵)

ف جس مال کی محبت میں آج وہ اندھا ہو رہا ہے۔ جائز و ناجائز، حرام و حلال کے درمیان امتیاز بھی نہیں کرتا جب اسے اٹھا کر جہنم رسید کیا جائے گا تو یہ مال اس کے کسی کام نہ آئے گا۔ اس وقت وہ بصد حسرت چاہے گا کہ اس کی ساری جائیداد لے لی جائے اور اس کے عوض اسے

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾

یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں ۔ پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے ۔

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا

اس میں نہیں جھونکا جائے گا مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے (نبی کریم کو) جھٹلایا اور روگردانی کی ۔ اور دور رکھا جائے گا اس سے

الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ

وہ نہایت پرہیزگار جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لیے ۔ اور اس پر کسی کا کوئی

مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾

احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دیا جا رہا ہو ۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طالب ہے ۔

زیورات ملے لیے جاتے، اس کی تجوریوں میں کھنکتے اور چمکتے ہوئے چاندی اور سونے کے سکے سب لے لیے جاتے اور اس کی جان گھٹ گھٹ کر نکل جائے لیکن اس روز اس کی کوئی بات نہیں مانی جائے گی۔ اس کی سب فریادیں صدا بصحرا ثابت ہوں گی۔ اس کی ساری پیشکشوں کو ٹھکرا دیا جائے گا۔ اذا تردّٰی ای سقط فی جہنم ۔

ف سیدھی راہ دکھانا ہمارا کام ہے اور اس راہ پر چلنا انسان کا کام ہے۔ حق و باطل کو الگ الگ کر دینا ہمارا کام ہے اور باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرنا اس کا کام ہے۔

ف جب ہم نے بروقت انہیں خبردار کر دیا ہے اس کے باوجود جو راہ حق اختیار نہیں کرتا اور غلط راستہ پر چل کر سیدھا جہنم میں جا گرتا ہے تو اس سے زیادہ بدبخت اور شقی کون ہو سکتا ہے۔ یہاں اشقیٰ سے مراد امیہ بن خلف اور اس کے ٹولے کے وہ سرغنے ہیں جنہوں نے دانستہ دعوت حق کو جھٹلایا اور محض عناد اور تعصب کی بنا پر باطل پر اڑے رہے۔

ف ایک طرف اشقیٰ ہے جس کا طریقہ کار حق کی تکذیب اور اسلام سے روگردانی ہے۔ اس کے مقابل وہ شخص ہے جو تقویٰ اور پارسائی میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہے۔ جو دعوت حق کو کامیاب کرنے کے لیے بصد مسرت اپنا سارا مال و متاع قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا ہے۔ دونوں کا انجام یکساں نہیں ہو سکتا ہے۔ ان کے انجام میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ان کے فکر و عمل میں تفاوت ہے۔

ف اقلیم تقویٰ و پارسائی کا یہ تاجدار اپنا مال جس دریا دلی سے خرچ کر رہا ہے وہ کسی کا احسان اتارنے کے لیے نہیں، کسی کی نیکی اور حسن سلوک کا معاوضہ ادا کرنے کے لیے نہیں۔ اس کی نیت ان تمام آلائشوں سے پاک ہے۔ اس کے پیش نظر صرف ایک ہی مقصد ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اپنی متاع جان و مال تک قربان کرنے کے لیے بیتاب ہے۔ وہ مقصد فقط اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾

اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہوگا ۱۲؎

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہونے والے سب ایسی صفات سے متصف تھے اور ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت صدیق اکبر کے عمل سے ملتی ہے۔ ہجرت سے پہلے وہ اپنی دولت نو مسلم غلاموں اور کنیزوں کو ان کے کافر آقاؤں سے خرید کر آزاد کرنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ جب سفر ہجرت میں مدینہ طیبہ کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا تو گھر میں جتنا روپیہ تھا ساتھ لے لیا۔ ہجرت کے بعد جہاد کے لیے جب بھی سامان کی ضرورت ہوئی تو آپ نے سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر اپنے گھر کا سارا اثاثہ اپنے محبوب کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیا۔ جب حضور نے دریافت کیا کہ ابوبکر! اپنے گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ آئے ہو؟ تو عرض کیا آپ کا نام اور آپ کے پروردگار کا نام چھوڑ کر آیا ہوں۔

ان آیات کے شان نزول کے بارے میں حضرت ابن عباس سے یہ قول مروی ہے کہ جب حضرت بلال نے اسلام قبول کیا تو ان کے مالک امیہ بن خلف نے ان کو طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔ ایک روز وہ آپ کو اذیت دے رہا تھا۔ آپ پر غشی طاری تھی اس وقت بھی آپ کی زبان پر احد احد جاری تھا۔ اس اثنا میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ فرمایا احد تمہیں بچائے گا۔ یعنی احد کا اسم لے رہے ہو یہی تمہیں اس ظلم سے نجات دے گا۔ حضور نے صدیق اکبر سے بلال کی کیفیت بیان کی۔ وہ اسی وقت حضور کے مدعا کو سمجھ گئے۔ اسی وقت گھر گئے اور کچھ سیم و زر لے کر امیہ بن خلف کے پاس پہنچے اور کہا کیا تو بلال کو بیچنا چاہتا ہے؟ اس نے ہاں میں جواب دیا آپ نے منہ مانگی قیمت ادا کر کے انہیں خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

آپ کے والد ابو قحافہ کو جب علم ہوا کہ ان کا بیٹا ابوبکر کمزور اور نحیف غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کر دیتا ہے تو انہوں نے کہا میرے بیٹے! تم ضعیف اور کمزور لوگوں کو آزاد کرتے ہو اگر تم طاقتور اور بہادر غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے تو وہ کسی مشکل کے وقت تمہارے کام آتے۔ آپ نے فرمایا ابی انما ارید ما عند اللہ۔ (ابن کثیر) ابا جان! میرا اس سے مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

۱۲؎ یرضیٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ اور صدیق اکبر دونوں ہو سکتے ہیں۔ اگر فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو جملہ کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر راضی ہو جائے گا جس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ اس کی رضا اس کو حاصل ہو جائے گی۔ اور اگر فاعل ابوبکر صدیق ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا مینہ ابوبکر پر برسائے گا کہ ابوبکر اپنے رب کریم کے لطف و کرم اور جود و عطا کو دیکھ کر خوش ہو جائے گا۔

○

اللّٰھم انت ربنا بس نطلب رضاک فارض عنا برحمتک ومکرماتک انک رؤف رحیم وصل وسلم
وبارک علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورَۃ والضُّحٰی

نام: اس سورۂ مبارکہ طیبہ کا نام والضحیٰ ہے جس سے اس سورت کا آغاز فرمایا جا رہا ہے۔ اس میں ایک رکوع، گیارہ آیتیں، چالیس کلمے، ایک سو بہتر حروف ہیں۔

شانِ نزول: کتب تفاسیر میں اس کی شان نزول کے بارے میں متعدد روایات مندرج ہیں۔ میرے نزدیک روایت اور درایت کے نقطۂ نظر سے جو قول زیادہ مستند اور قرین قیاس ہے وہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر دُرِّ منثور میں ذکر کیا ہے جو پیش خدمت ہے:

اخرج احمد وعبد بن حميد والبخاري ومسلم والترمذي والنسائي وابن جرير والطبراني والبيهقي وابو نعيم معاً في الدلائل عن جندب البجلي قال اشتكى النبي صلى الله عليه وسلم فلم يقم ليلتين او ثلاثا فاتته امرأة فقالت يا محمد ما ارى شيطانك الا قد تركك لم يقربك ليلتين او ثلاثا فانزل الله والضحى والليل اذا سجى الخ (در منثور)

ترجمہ: "جندب البجلی سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت مبارک درست نہ رہی۔ چنانچہ حضور دو یا تین راتیں شب خیزی نہ فرما سکے۔ ایک گستاخ عورت آئی اور حضور کا نام لے کر کہنے لگی کہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تیرا شیطان تجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ ہم نے دو تین رات سے اسے تمہارے قریب آتے نہیں دیکھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی۔"

مضامین: اس کے مضامین کے بارے میں تو آپ آیات کی تشریح کے ضمن میں تفصیلات ملاحظہ فرمائیں گے یہاں مختصراً یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ ان آیات میں ان عنایات بے پایاں اور احسانات عظیم کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے جو رحمٰن و رحیم رب العالمین نے اپنے محبوب ترین بندے اور رؤف و رحیم رسول پر فرمائیں۔ بعد ازاں اس رحمۃ للعالمین کو اپنی مخلوق پر ابر رحمت بن کر برسنے کے جو سلیقے اور آداب سکھائے ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ دینے والے کی شانِ کریمی کی کوئی حد نہیں تو لینے والے کے ظرف اور دامن کی وسعت بھی فکر انسانی کی حدود سے ماوراء ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۹-۴-۷۷

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الضحیٰ مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے | اس میں گیارہ آیات ہیں

وَالضُّحٰى ۝۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝۳ وَ

قسم ہے روز روشن کی ۱ اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے ۲ نہیں چھوڑا آپ کو آپ کے رب نے اور نہ ہی وہ ناراض ہوا ۳ اور

۱ آیات کی تشریح سے پہلے اس کی شان نزول آپ سن لیں۔ سورت کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ شیخین کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم طبیعت ناساز ہونے کے باعث دو تین راتیں سحری کے وقت بیدار ہو کر مصروف عبادت نہ ہو سکے تو ابولہب کی بیوی ام جمیل جس کا مکان حضور کے مکان کے پڑوس میں تھا آئی اور کہنے لگی یا محمد انی لارجو ان یکون شیطانک قد ترکک لم اره قربک منذ لیلتین او ثلاث۔ میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ دو تین رات سے میں نے اس کو تمہارے نزدیک آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس گستاخی کے جواب میں یہ سورۂ پاک نازل فرمائی۔

دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ ابتدائے بعثت میں کچھ عرصہ نزول وحی کا سلسلہ جاری رہا اور پھر یکدم رک گیا۔ یہ انقطاع بارہ یا پندرہ یا پچیس یا چالیس دن تک باختلاف روایات برقرار رہا۔ حضور کی طبع مبارک پر بہت گراں گزرا۔ وہ کان جو کلام الٰہی سننے کے عادی ہو چکے تھے وہ دل جو ارشادات ربانی کا خوگر ہو چکا تھا اس کے لیے یہ بندش ناقابل برداشت تھی۔ نیز کفار نے بھی طعنہ زنی شروع کر دی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو خدا نے چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہے اس لیے وحی کا نزول رک گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ان خرافات کی تردید قسم اٹھا کر کی اور اپنے محبوب کریم کو بھی تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ جس طرح دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی میں گوناگوں حکمتیں ہیں اسی طرح نزول وحی اور پھر اس کے انقطاع میں بھی بڑی بڑی حکمتیں مضمر ہیں۔

جب سورج پوری آب و تاب سے چاشت کے وقت چمکنے لگتا ہے اس وقت کو الضحیٰ کہتے ہیں۔ اس کی لغوی تحقیق سورۃ الشمس میں گزر چکی ہے۔ لیکن علامہ قرطبی اور کئی دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ الضحیٰ کا لفظ رات کے مقابلہ میں ذکر کیا جائے تو اس وقت اس سے مراد سارا دن ہوتا ہے جیسے سورۂ اعراف میں ہے۔ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ۔ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ

ترجمہ: کیا بستی کے باشندے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آئے جب وہ سوئے ہوئے ہوں۔ کیا بستی کے باشندے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن کے وقت آئے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں۔

یہاں ضحیٰ سے مراد چاشت کا وقت نہیں بلکہ سارا دن ہے۔

والضحیٰ کے بعد واللیل اذا سجیٰ ہے اس لیے یہاں بھی دن کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ علامہ ابن منظور کی یہی رائے ہے۔ انه النهار كله۔ (لسان العرب)

۲ جب رات خوب تاریک ہو جاتی ہے اور ہر چیز اس کے سکون میں ڈوب جاتی ہے تو عرب کہتے ہیں سجی اللیل۔ قال الفراء اذا اظلم و رکد

لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝

یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے۔ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ۵

طولہ کما یقال بحر ساج وليل ساج۔ سمندر پرسکون ہے اور رات پرسکون ہے۔

حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ ضحیٰ سے مراد وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور رات سے مراد شب معراج ہے۔ (قرطبی)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر عزیزی کی چند سطور اہل شوق و محبت کے مطالعہ کے لیے نقل کر رہا ہوں:

"بعضے از مفسرین چنیں گفتہ اند کہ مراد از ضحیٰ روز ولادت پیغمبر است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و مراد از لیل شب معراج است و بعضے گویند کہ مراد از ضحیٰ نور سینہ پیغمبر است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و از لیل موئے او کہ در سیاہی ہمچو شب است۔ و بعضے گویند کہ مراد از ضحیٰ علم او است کہ آنجناب را او روز بسبب آں بر وے نشوناں عالم غیب تجلی منکشف گشتہ و مراد از شب خلق عفو او ست کہ عیب ہائے امت را پوشید۔ و بعضے گویند کہ مراد از روز علانیہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم است یعنی احوال ظاہرہ آنجناب ست کہ خلق بر آں مطلع شدہ و مراد از شب سر آنجناب یعنی احوال باطنی او کہ غیر از علام الغیوب کسے بر آں مطلع نیست۔"

ترجمہ: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ضحیٰ سے مراد حضور کی ولادت باسعادت کا دن اور لیل سے شب معراج مراد ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد حضور کا رخ انور ہے اور لیل سے زلف عنبریں۔ اور بعض نے فرمایا کہ ضحیٰ سے مراد وہ علم ہے جو آنجناب کو دیا گیا تھا جس کے سبب عالم غیب کی اشیاء بے نقاب اور منکشف ہو گئیں اور لیل سے مراد حضور کا عفو و درگزر کا خلق ہے جس نے امت کے عیبوں کو ڈھانپ دیا۔ بعض علما کا ارشاد ہے کہ دن سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری احوال ہیں جن سے مخلوق آگاہ ہے اور رات سے مراد حضور کے احوال باطنی ہیں جن کو علام الغیوب کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

۳۔ روشن دن اور تاریک اور پرسکون رات کی قسم کھا کر کفار کے اعتراضات اور مطاعن کی تردید فرمائی اور ساتھ ہی اپنے حبیب کی دلجوئی کرتے ہوئے کہا اے محبوب! آپ کے پروردگار نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا ہے۔ بلکہ وحی کے نزول میں بھی اس کی حکمت تھی اور اس کے انقطاع میں بھی کئی حکمتیں مضمر ہیں۔

۴۔ فرمایا بلکہ آپ پر آپ کے رب کے لطف و کرم اور انعام و احسان کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ ہر آنے والی ساعت گزری ہوئی ساعت سے، ہر آنے والی گھڑی گزری ہوئی گھڑیوں سے، ہر آنے والی حالت گزشتہ حالات سے اعلیٰ سے اعلیٰ، بہتر سے بہتر اور ارفع سے ارفع ہو گی۔ اس ایک جملہ سے کفار کے طعن و تشنیع اور الزام تراشیوں کا سدباب بھی ہو گیا اور اسلام کے درخشاں مستقبل کے بارے میں مژدہ جانفزا بھی سنا دیا۔

دعوت اسلام کے ابتدائی دور کا تصور کیجئے جس میں یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ گنے چنے افراد نے اس دین حق کو قبول کیا تھا باقی تمام اہل مکہ حضور کے خون کے پیاسے تھے۔ انہوں نے عزم صمیم کر لیا تھا کہ اسلام کے چراغ کو بجھا کر رہیں گے۔ توحید کا یہ گلشن جو مصطفیٰ نے لگایا ہے

اپنی اس کو ایک ایک پودا جڑ سے اکھیڑ پھینکیں گے۔ اس وقت کون یہ خیال کر سکتا تھا کہ یہ دین چند سالوں میں اتنی ترقی کر جائے گا کہ سارا جزیرہ عرب اس کے نور سے جگمگانے لگے گا۔ اس نبی کریم کو اللہ تعالیٰ وہ عزت و سروری اور شان محبوبی عطا فرمائے گا کہ آج جو خون کے پیاسے ہیں کل اشارہ ابرو پر اپنی جانیں قربان کرنا سعادت سمجھیں گے اور حضور کے وضو کا پانی نیچے نہیں گرنے دیں گے۔ اس کو اپنے چہروں اور سینوں پر مل لیں گے۔

قال ابن عباس أُرِي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ما يفتح الله على أمته بعده فسُرّ بذلك فنزل جبريل بقوله وللآخرة خير لك من الأولى۔ یعنی حضور کے بعد امت جو فتوحات کرے گی وہ سب کی سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دکھائی گئیں جنہیں دیکھ کر حضور بہت مسرور ہوئے۔ اسی وقت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے وللآخرة خير لك من الأولى۔ یعنی جاری فتوحات صرف ان فتوحات ہی میں منحصر نہیں بلکہ آپ کی ہر آنے والی شان پہلی شان سے اعلیٰ و بالا ہوگی۔

۵ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کی اشاعت و ترقی کے لیے ہر وقت فکرمند رہا کرتے۔ وہی آپ کی مرضی تھی کہ اسی کے لیے حضور نے اپنی تمام توانائیاں اور کوششیں وقف کر رکھی تھیں۔ ایک لمحہ بھی اس سے دگر نہ تھا۔ اپنی امت کی بخشش و مغفرت کا خیال ہر وقت مضطرب رکھتا تھا۔ ان تمام تفکرات اور اضطرابات کو یہ فرما کر دور کر دیا کہ آپ کا رب اپنے لطف و کرم کا آپ پر وہ مینہ برسائے گا کہ آپ کا قلب پاک خوش و مسرور ہو جائے گا۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں، ہو وعدة كريمة شاملة لما أعطاه الله تعالى عز وجل في الدنيا من كمال النفس وعلوم الأولين والآخرين وظهور الأمر وإعلاء الدين بالفتوح الواقعة في عصره صلى الله تعالى عليه وسلم وفي أيام خلفائه عليه الصلاة والسلام وغيرهم من الملوك الإسلامية وفشو الدعوة والإسلام في مشارق الأرض ومغاربها ولما ادخر له عز وجل وعلا له عليه الصلاة والسلام في الآخرة من الكرامات التي لا يعلمها إلا هو جل جلاله وعم نواله۔

ترجمہ یہ اللہ تعالیٰ کا کریمانہ وعدہ ہے جو ان تمام عطیات کو شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے حضور کو دنیا میں سرفراز فرمایا یعنی کمال نفس، اولین و آخرین کے علوم، اسلام کا غلبہ، دین کی سربلندی، ان فتوحات کے باعث جو عہد رسالت میں ہوئیں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئیں یا دوسرے مسلمان بادشاہوں نے حاصل کیں اور اسلام کا دنیا کے مشارق و مغارب میں پھیل جانا نیز یہ وعدہ ان عنایات اور عزت افزائیوں کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم کے لیے آخرت کے لیے محفوظ رکھی ہیں جن کی حقیقت اور نہایت کو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جان سکتا۔

علامہ آلوسی نے یہاں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے۔

حرب بن شریح کہتے ہیں کہ میں نے امام مذکور سے پوچھا کہ جس شفاعت کا ذکر اہل عراق کیا کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ نے فرمایا بخدا حق ہے۔ مجھے محمد بن حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی۔ ان رسول اللہ صلى الله تعالى عليه وسلم قال اشفع لامتي حتى يناديني ربي أرضيت يا محمد فاقول نعم يا رب رضيت۔

حضرت سیدنا علی سے مروی ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اپنی امت کے لیے شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا اور پوچھے گا یا محمد کیا آپ راضی ہو گئے ہیں عرض کروں گا ہاں اے میرے پروردگار میں راضی ہو گیا۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ﴿٦﴾ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ﴿٧﴾ وَ

کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی ۶ اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا ۷ اور

اس کے بعد امام باقر نے اس شخص سے کہا کہ اے اہل عراق تم یہ کہتے ہو کہ قرآن کریم کی سب سے امید افزا آیت یہ ہے یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی میں سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث نقل کی ہے: عن ابن عمرو ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تلا قول اللہ تعالیٰ فی ابراہیم علیہ السلام فمن تبعنی فانہ منی وقولہ تعالیٰ فی عیسیٰ ان تعذبہم فانہم عبادک الآیۃ فرفع علیہ السلام یدیہ وقال اللّٰھم امتی امتی وبکی. فقال اللہ تعالیٰ یا جبریل اذہب الی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقل انا سنرضیک فی امتک ولا نسوءک۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرو فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے فمن تبعنی فانہ منی یعنی جس نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی جس میں عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی ان تعذبہم یعنی اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ پھر اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھایا اور عرض کی الٰہی میری امت، میری امت۔ پھر حضور زار و قطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا کہ میرے حبیب کے پاس جاؤ اور انہیں جا کر یہ پیغام پہنچاؤ کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے معاملہ میں راضی کریں گے اور کبھی آپ کو پریشان نہیں کریں گے۔

یہاں رب کی اضافت اس ضمیر کی طرف ہے جس کا مرجع حضور کی ذات ہے۔ اس میں لطف و محبت کا جو اظہار کیا گیا ہے وہ ارباب ذوق سے مخفی نہیں۔

۶۔ وہ لطف و کرم جس سے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کرم کو نوازنے والا ہے اس کے ذکر کے بعد اب ان انعامات و احسانات کو بیان فرمایا جا رہا ہے جن سے آپ کو اس سے پہلے سرفراز کیا جا چکا ہے تاکہ قلب مبارک کی تسکین و مسرت کا باعث ہو۔ اس لیے اس جملہ کو الگ مستقلاً ذکر کیا گیا۔

اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شکم مادر میں ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا۔ پیدا ہوئے تو یتیم تھے، لیکن والدہ ماجدہ نے انتہائی محبت و پیار سے پروان چڑھایا۔ عمر شریف چھ سال کی ہوئی تو والدہ ماجدہ بھی دار البقاء کو سدھاریں۔ تو آپ کی پرورش کی خدمت آپ کے دادا عبدالمطلب نے سنبھالی۔ آٹھ سال کی عمر تھی کہ جد محترم بھی داغ مفارقت دے گئے۔ تو یہ سعادت حضور کے حقیقی اور شفیق چچا جناب ابو طالب کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے تادم واپسیں اس خدمت کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ ویسے تو ہر ماں اپنے لخت جگر پر سو جان سے قربان ہوتی ہے۔ دادا اپنے متوفی فرزند کے یتیم بچے کو بڑی محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے اور چچا کو پیار ہوتا ہے اپنے فوت شدہ بھائی کے فرزند کے لیے، یہ اتنی بڑی بات نہیں۔ لیکن یہاں معاملہ ہی بالکل نرالا ہے۔ یہاں تو یہی بچہ علامات سعادت و نجابت و آثار فوقیت کا مظہر ہے جس نے ماں، دادا اور چچا کی محبت میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔

حضور کی معصومانہ ادائیں اور پاکیزہ اطوار اور نجابت و سعادت کے وہ آثار جو صبح و مسا نمایاں ہوتے رہتے تھے انہوں نے حضور کی محبت میں اتنا اضافہ کر دیا تھا اور آپ کی قدر و منزلت کو ان حضرات کی نگاہوں میں اتنا بلند فرما دیا تھا جو کسی بچے کو نصیب نہیں ہو سکتی اور یہ ساری ادائے دلبری اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازی تھی اس لیے فہدیٰ کی نسبت اپنی جناب فرمائی کہ ہم نے اپنی خاص مہربانی سے ان کے دلوں میں حضور کی محبت اور ادب و احترام اور قدر و منزلت پیدا فرما دی۔

علامہ قرطبی نے مجاہد سے ایک اور تفسیر نقل کی ہے قال مجاہد هو من قول العرب درة يتيمة. گویا یہاں یتیم سے مراد در شہوار ہے جو اپنی آب و تاب اور قدر و قیمت میں بے مثال ہو۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں والمعنى الم يجدك واحدا عديم النظير لم يكن مثلك صدف الانسان فآواك اليه ... بہتر ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری مخلوقات میں یگانہ اور در یتیم (بے نظیر) بنایا۔ صدف امکان کو آپ جیسا موتی آج تک نصیب نہیں ہوا پس اللہ تعالیٰ نے اپنی آغوش رحمت میں آپ کو پناہ دی۔ (روح المعانی)

ے اس آیت کے ترجمہ میں بڑے بڑے اعیان علم نے بڑی طرح ٹھوکر کھائی ہے اس لیے اس کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش فرمائیے۔ ضال، ضلالت سے اسم فاعل ہے۔ عام طور پر ضلالت کا یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے راہ راست سے بھٹک جانا، گمراہ ہونا، عقیدہ و عمل میں غلط راستہ اختیار کرنا۔ علمائے اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلان نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی عقیدہ اور عمل کی ہر کجی سے معصوم تھے۔ حضور نے اس مشرکانہ ماحول میں عمر بسر کی لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی شرک نہیں کیا۔ زمانہ جاہلیت کی لغویات سے حضور کا دامن ہمیشہ محفوظ رہا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ عرب معاشرہ جس قسم کی فکری اور عملی گمراہیوں میں مبتلا تھا حضور علیہ السلام ان سے ہمیشہ بالکل منزہ اور بیزار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی سابقہ زندگی کو آپ کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ فقد لبثت فيكم عمرا من قبله افلا تعقلون (یونس: ۱۶) میں نے اپنی عمر اس سے پہلے تمہارے درمیان گزاری ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ سورۃ النجم کی اس آیت میں ما ضل صاحبكم وما غوى میں بھی حضور سے عقیدہ اور عمل کی گمراہی کی نفی کی گئی ہے۔ ان آیات کی موجودگی میں، تاریخ کی اس شہادت کے باوجود یہاں ضالا کا معنی گمراہ یا بھٹکا ہوا کرنا خود بڑی ضلالت ہے۔ العیاذ باللہ۔

علمائے تفسیر نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے بہت سے اقوال بیان کیے ہیں۔ ان میں سے چند آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

(۱) ضلالت کا لفظ غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لا يضل ربي ولا ينسى (طٰہٰ: ۵۲) یعنی لا يغفل۔ میرا رب کسی چیز سے غافل ہوتا ہے اور نہ کسی چیز کو فراموش کرتا ہے۔ مذکورہ آیت میں ضالا بمعنی غافل مستعمل ہوا ہے۔ یعنی آپ قرآن اور احکام شرعیہ کو پہلے نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کا علم بھی بخشا اور احکام شرعیہ کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا۔ ای طرح کی تفسیر ضالا عن معرفة القرآن والشرائع فهداك الله الى القرآن وشرائع الاسلام۔ ضحاک، شہر بن حوشب وغیرہ سے یہ قول منقول ہے۔ (قرطبی)

(۲) جب پانی دودھ میں ملا دیا جاتا ہے اور پانی دودھ کی رنگت وغیرہ میں غائب ہو جاتا ہے تو عرب کہتے ہیں ضل الماء في اللبن کہ پانی دودھ میں غائب ہو گیا۔ اس استعمال کے مطابق آیت کا معنی ہو گا کہ مکہ میں آپ سب لوگوں میں گھلے ملے تھے، فاظهرك الله تعالى ... [illegible]

دکھیں یعنی آپ کو میں کفار کے درمیان گھرے ہوئے تھے تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی تو آپ نے اس کے دین کو غالب کیا

③ ایسا درخت جو کسی بے آب و گیاہ صحرا میں تن تنہا کھڑا ہو اور مسافر اس کے ذریعے اپنی منزل کا سراغ لگائیں اس کو بھی عربی میں الضال کہتے ہیں العرب تسمی الشجرة الفريدة في الفلاة ضالة اس مفہوم کے پیش نظر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جزیرہ عرب ایک سنسان ریگستان تھا جس میں کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر ایمان اور عرفان کا پھل لگا ہوا ہو صرف آپ کی ذات تھی جو جہالت کے اس صحرا میں ایک چھتنار درخت کی مانند تھی لیکن اب نے آپ کے ذریعے مخلوق کو ہدایت بخشی۔ وكنت شجرة فريدة في مفازة الجهل فوجدتك ضالا فهديت بك الخلق۔

④ کسی قوم کے سردار کو بطور استعارہ کہا جاتا ہے لیکن اصل مخاطب قوم ہوتی ہے یہاں بھی یہی معنی ہے۔ ای وجد قومك ضالا فهداهم بك اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کو گمراہ پایا اور آپ کے ذریعے ان کو ہدایت بخشی۔ علامہ ابو حیان اندلسی اپنی تفسیر میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک رات خواب میں میں اس آیت کی ترکیب پر غور کر رہا تھا کہ خواب میں دل میں خیال آیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ اصل میں عبارت یوں ہے ووجد رهطك ضالا فهداه بك پھر میں نے کہا کہ جس طرح واسئل القرية اصل میں واسئل اهل القرية ہے اور اہل مضاف محذوف ہے اسی طرح یہاں بھی رہط مضاف محذوف ہے۔ (البحر المحیط)

⑤ حضرت جنید قدس سرہ سے منقول ہے کہ ضالا کا معنی متحیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کے بیان میں متحیر پایا تو آپ کو اس کے بیان کی تعلیم فرمادی۔

⑥ امام رازی لکھتے ہیں کہ الضلال بمعنی المحبة کما فی قوله تعالیٰ انك لفي ضلالك القديم یعنی یہاں ضلال سے مراد محبت ہے جس طرح سورہ یوسف کی اس آیت میں ہے۔ مذکورہ آیت کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو ایسی شریعت سے بہرہ ور فرمایا جس کے ذریعے آپ اپنے محبوب حقیقی کا قرب حاصل کر سکیں گے۔ علامہ اسماعیل حقی نے اس قول کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

قال بعض الصوفية معناه وجدك محبا عاشقا مضطرا الى الله بالعشق . . . فهداك . الى وصل محبوبك حتى كنت قاب قوسين او ادنى۔ یعنی بعض صوفیا فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت اور اپنے عشق میں وارفتہ پایا تو آپ کو اپنے محبوب کے وصال کی طرف رہنمائی کی یہاں تک کہ آپ قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر فائز ہوئے۔

علامہ آلوسی نے اس آیت کے ضمن میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار حضور عہد طفولیت میں اپنے دادا جان سے الگ ہو کر مکہ کی گھاٹیوں میں چلے گئے۔ حضرت عبد المطلب نے بہت تلاش کیا لیکن آپ نہ ملے جس سے آپ کی بے چینی بہت بڑھ گئی اور غلاف کعبہ کو پکڑ کر بارگاہ الٰہی میں فریاد کرنی شروع کر دی۔ حضور کسی گھاٹی میں گھوم رہے تھے اسی اثنا میں ابو جہل اپنی اونٹنی پر سوار اپنے ریوڑ کو ہانک کر لا رہا تھا۔ اس نے جب حضور کو دیکھا تو اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور حضور کو اٹھا لیا اور اپنے پیچھے بٹھایا اور خود آگے بیٹھا اور اونٹنی کو اٹھنے کا اشارہ کیا لیکن اونٹنی اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی۔ جب بڑی کوشش کے باوجود اس نے جنبش نہ کی تو ابو جہل حیران رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کو قوت گویائی بخشی اور اس نے کہا یا احمق هو الامام وكيف يكون خلف المقتدي۔ اے بیوقوف! یہ امام ہیں اور امام مقتدی کے پیچھے کبھی نہیں ہوا کرتا۔ اس نے ناچار آپ کو اٹھا کر آگے بٹھایا تو اونٹنی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ذریعے اپنی والدہ تک پہنچایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس امت کے فرعون ابو جہل کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے دادا جان تک پہنچایا۔

وَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ۝ فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا

اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا ۸ پس کسی یتیم پر سختی نہ کیجیے ۹ اور جو

۸ عائل کے دو معنی کیے گئے ہیں (۱) المفتقر تنگ دست۔ (۲) ذو عیال، اہل وعیال والا۔ اگر یہ معنی ہو تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عیال دار پایا کیونکہ ساری امت حضور کی عیال ہے۔ تو غنی کر دیا۔ آپ کو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔ ظاہری غنی کی صورت یہ تھی کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی جان، اپنا سارا مال حاضر کر دیا اور اپنے تمام رشتہ داروں کی موجودگی میں یہ اعلان کر دیا کہ یہ مال اب میرا نہیں بلکہ ان کا ہے۔ چاہے تو انہیں تقسیم کر دیں چاہے اپنے پاس رکھیں۔ ام المومنین کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر نے اپنا سارا مال، متاع حضور کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ لیکن حقیقی غنی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ ارزانی فرمائی کہ قلب مبارک کو غنی کر دیا اور زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائیں اور کائنات کی ہر چیز کو تابع فرمان فرما دیا۔ ایک دن حضور کاشانۂ اقدس میں تشریف لائے۔ مسلسل فاقہ کشی کے باعث شکم مبارک کمر کے ساتھ پیوست ہو گیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عائشہ بے تاب ہو گئیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ شکم مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کی یا رسول اللہ! اپنے رب سے اتنا تو مانگیے کہ یوں فاقوں کی نوبت تو نہ آئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو یہ سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلنا شروع کر دیں۔ تو حضرت کا یہ فقر اضطراری نہ تھا بلکہ فقر اختیاری تھا۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے خوب کہا ہے۔

گر چہ فقر کو خزاں دل است کی کب اے ؎

بمشت خاک نظر دوختہ است سلطانی

یعنی حضور نے فقر کو پسند فرمایا کیونکہ جس کو کعب اور کی سرداری بخشی گئی ہو وہ مشت خاک پر حکومت کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتا

۹ آپ یتیم تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی آغوش لطف و کرم کو آپ کے لیے کشادہ کر دیا۔ اب دنیا بھر کے یتیموں کے لیے آپ کے بے پایاں شفقت و محبت کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہنا چاہیے۔ کسی یتیم سے ناروا سلوک نہ کرنا۔ اس پر غصہ ہو نا یا اس سے بے اعتنائی کرنا آپ کو ہرگز زیبا نہیں۔ اس یتیم پرور آقا نے اپنے غلاموں کو بھی یتیم پروری کی بڑی تاکید فرمائی۔ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں اپنی سنگدلی کی شکایت کی۔ حضور نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے تو یتیم کے سر پر دست شفقت پھیر اکرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انا وکافل الیتیم فی الجنۃ کھاتین واشار بالسبابۃ والوسطیٰ کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں ساتھ ساتھ ہوں گے پھر اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ان الیتیم اذا بکی اهتز لبکائه عرش الرحمٰن کہ جب یتیم روتا ہے تو خداوند رحمٰن کا عرش لرزنے لگتا ہے

السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ ﴿١٠﴾ وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿١١﴾ ع ۱۸

مانگنے آئے اس کو مت جھڑکیے ؎۱۰ اور اپنے رب کریم کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجیے ؎۱۱

؎۱۰ سائلوں سے برافروختہ وہ ہوتا ہے جس کو اپنے سرمایہ کے ختم ہو جانے یا کم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ جب آپ کے رب نے آپ کو غنی کر دیا ہے، آپ کو ایسے خزانے عطا فرمائے ہیں جن کے ختم ہونے کا اندیشہ نہیں، پھر آپ کسی سائل کو کیوں جھڑکیں یا سائلوں کی کثرت سے تنگ دل کیوں ہوں۔ آپ کو آپ کے رب نے بے شمار دولتیں اور بے حساب نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ آپ انہیں سائل کی استعداد کے مطابق بانٹتے رہا کریں اور آپ کے دروازے سے کوئی سائل خالی نہ جائے۔

سیرت کی کتب ایسے ان گنت واقعات سے بھری پڑی ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جود و کرم کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو سائل در اقدس پر حاضر ہوا اس کی جھولی بھر کر اسے واپس کیا گیا اور آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ کی سخاوت کی وہی دھوم مچی ہے۔ کوئی آئے جو چاہے مانگے اسے خالی واپس نہیں کیا جاتا۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے کیا خوب لکھا ہے "معلوم شود کہ ہر چہ ہست ہمہ کرامت اوست ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود میدہد" (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۳۹۶)

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری — بدرگاہش بیا و ہر چہ میخواہی تمنا کن

یعنی معلوم ہوتا ہے کہ سب کے معاملات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست ہمت و کرامت کے سپرد ہیں۔ جو چاہتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔

امام بخاری نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نے کبھی کسی سائل کے جواب میں "لا" (نہیں) نہ فرمایا۔

ما قال لا قط الا فی تشهده — لو لا التشهد کانت لاؤه نعم

یعنی حضور نے لا کبھی نہیں کہا سوائے کلمۂ شہادت کے۔ اگر کلمۂ شہادت نہ ہوتا تو حضور کی "لا" بھی ہاں ہوتی۔

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ بحرین سے نوے ہزار درہم آئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک چٹائی پر ان کا ڈھیر لگا دیا۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد ان کو بانٹنا شروع کیا اور ظہر تک ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔ جب سب درہم بانٹ دیے گئے تو اتفاقاً ایک سائل آگیا۔ حضور نے فرمایا اب تو کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ البتہ تم کسی دکاندار کے پاس چلے جاؤ اور جس چیز کی ضرورت ہے اس سے لے لو اور اسے کہو کہ وہ میرے نام لکھ لے میں اس کی قیمت ادا کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت تھے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ آپ اتنی زحمت کیوں گوارا کرتے ہیں کہ قرض لے کر سائل کو دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا مکلف تو نہیں کیا۔ حضور کو یہ بات پسند نہ آئی اور رخ انور پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ ایک انصاری بھی اس وقت بارگاہ اقدس میں حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کیا انفق ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔ اے اللہ کے پیارے رسول! بے دریغ خرچ فرمایا کیجیے اور عرش والے پروردگار سے قلت کا خوف نہ کیجیے۔ یہ سن کر حضور خوشی سے ہنس پڑے۔ چہرۂ مقدس پھول کی طرح شگفتہ ہو گیا۔ ارشاد فرمایا کہ مرا بہمیں امر فرمودہ اند۔ یعنی میرے رب نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ (تفسیر عزیزی)

لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر جو فضل و کرم فرمائے اس کا ذکر اور اس کا اظہار بھی شکر ہے۔ والتحدث بنعمۃ اللہ و الاعتراف بها شکر۔ (قرطبی)

اس آیت میں نعمت سے مراد کونسی نعمت ہے ؟ علامہ آلوسی لکھتے ہیں : والظاهر ان المراد بالنعمة ما افاضه الله تعالیٰ علی نبیه صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم من فنون النعم التی من جملتها ما تقدم (روح المعانی) یعنی اس نعمت سے مراد وہ گوناگوں نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر ارزانی فرمائیں جن میں سے چند وہ ہیں جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔

چنانچہ سرور کون و مکاں ، فخر زمین و زماں ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ان انعامات کا ذکر و اظہار اکثر فرمایا کرتے تھے جن سے آپ کے رب کریم نے آپ کو بڑی فیاضی سے نوازا ہے۔ بے شمار احادیث میں سے صرف ایک حدیث پیش ہے۔ ایمان تازہ ہو جائے گا۔

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم انا سید ولد آدم یوم القیامة ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ آدم ومن سواه الا تحت لوائی وانا اول من تنشق عنه الارض ولا فخر۔ (مشکوٰۃ شریف، رواہ الترمذی)

ترجمہ : حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار میں ہوں گا یہ بات میں فخر نہیں کہہ رہا بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اس روز حمد کا پرچم میرے دست مبارک میں ہو گا یہ بات میں فخر نہیں کہہ رہا بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اس دن تمام نبی آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ جتنے ہیں سب کے سب میرے پرچم کے نیچے ہوں گے اور قیامت کے دن سب سے پہلے زمین سے میں ابھر آؤں گا۔ یہ بات فخر نہیں کہہ رہا بلکہ اظہار حقیقت ہے۔

مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر لکھتے ہیں :

ومن هذا القبیل ما قال الشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنه ،

وکل ولی له قدم و انی — علی قدم النبی بدر الکمال

وقول قدمی هذه علی رقبة کل ولی اللہ

یعنی حضرت شیخ محی الدین عبد القادر گیلانی رضی اللہ عنہ کے ارشادات اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر ولی کا اپنا اپنا مقام ہوتا ہے اور میں حضور کے نقش قدم پر ہوں جو کمالات صوری اور معنوی کے ماہ چہاردہم ہیں۔ نیز آپ کا یہ ارشاد کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔

اسی طرح حضرت مجدد صاحب نے اپنے مدارج قرب کا جو ذکر کیا ہے اور اپنے آپ کو مجدد اور قیوم کہا ہے یہ اقوال بھی اسی نوع سے تعلق رکھتے ہیں۔

فمن انکر علی امثال هؤلاء الرجال بمثل هذه المقال فکانه انکر هذه الآیة الکریمة من اللہ ذی الجلال۔

جو شخص ان اعاظم رجال کے ان ارشادات کا انکار کرتا ہے اور زبان طعن دراز کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی اس آیت کا انکار کرتا ہے۔ (مظہری)

ہر نعمت کا شکر واجب ہے اور شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اس نعمت کو منعم کی رضا میں صرف کیا جائے۔ نصاب مال کا شکریہ ہے

کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خلوص نیت کے ساتھ اسے خرچ کرے۔ صحت کی نعمت کا شکریہ یہ ہے کہ فرائض کو ادا کرے اور گناہوں سے اجتناب کرے اور علم و عرفان کی نعمت کا شکریہ یہ ہے کہ جاہلوں کو علم سکھائے اور گم کردہ راہوں کو راہ راست پر گامزن کرے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورت کا ایک مجرب عمل ذکر فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

”اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو اس سورت کو انسان سات بار پڑھے اور اپنے سر کے اردگرد انگشت شہادت پھیرائے جب سات بار پڑھ چکے تو کہے اصبحت فی امان اللہ وامسیت فی جوار اللہ امسیت فی امان اللہ واصبحت فی جوار اللہ خواندہ انگشت زند۔ اور مال بجا ست (تفسیر عزیزی)

○

الحمد للہ علی حسن توفیقہ

والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمد المبعوث رحمۃ للعالمین

وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

یا فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ الانشراح

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام "الانشراح" ہے جو "الم نشرح" سے باب "انفعال" کا مصدر ہے۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، ستائیس کلمے اور ایک سو تین حروف ہیں۔

نزول : اس کا نزول بھی مکہ مکرمہ میں سورۂ "والضحٰی" کے مابعد ہوا۔

مضامین : نبوت کا بارِ امانت کوئی معمولی بوجھ نہ تھا۔ یہ وہ کوہِ گراں تھا جسے آسمانوں اور پہاڑوں نے بھی اٹھانے سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کا آغاز کیا تو مکہ کی ساری فضا سلگنے لگ گئی۔ لوگوں کے تیور بدل گئے۔ ہر چہرہ پر نفرت، ہر آنکھ میں عناد کے شعلے ناچنے لگے۔ ان ناموافق حالات میں قلبِ نبوت کے لیے راحت و سکون کا اگر کوئی پیغام ہو سکتا تھا تو وہ اس کے کریم پروردگار کا ہی ارشاد ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جبرائیل امین حاضر ہوئے اور یہ سورت اپنے ملکوتی اور نورانی ہونٹوں سے تلاوت کر کے سنائی۔ ہر آیت میں ایک عظیم احسان کا مژدہ، ہر آیت میں دلجوئی اور بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ جس سے اپنوں نے بھی آنکھیں پھیر لی تھیں، رشتے توڑ لیے تھے، جس کی گلشنِ حیات کو اجاڑنے کے لیے تند و تیز آندھیاں امڈی ہوئی تھیں اس کو یہ بشارت دی جا رہی ہے کہ "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" اے حبیب پاک! ہم نے آپ کے ذکر کو بلند فرما دیا ہے۔ عرب کے ریگزاروں میں ہی نہیں، دنیا کے شرق و غرب میں ہی نہیں بلکہ فرازِ عرشِ بریں پر بھی تیرے ذکر کا سماں ہو گا۔ جہاں جہاں خالقِ کائنات کا ذکر ہو گا وہاں وہاں باعثِ تخلیقِ کائنات کے ذکر کے زمزمے بھی فضا گونج رہیں گے۔

بتا دیا کہ یہ کالی رات سحر آشنا ہونے ہی والی ہے۔ مصائب کی گھنگھور گھٹائیں تھوڑی دیر میں چھٹنے والی ہیں۔ وہ دن عنقریب طلوع ہونے والا ہے جب اہلِ نظر تیری راہ میں آنکھیں بچھائیں گے۔ اہلِ دل تو جان سے تیری خاکِ راہ پر تصدق ہوں گے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ جونہی فریضۂ تبلیغ سے کچھ فراغت ملے تو یادِ الٰہی میں مشغول ہو جایا کریں۔ یہی زندگی کی مراد ہے اور اسی منزلِ مراد سے زندگی کو رعنائیاں، دلفریبیاں نصیب ہوتی ہیں اور اسی کے فیض سے زندگی کا دامن سچی مسرتوں سے معمور ہو جاتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی جو نعت اور مدحت ان چند آیات میں فرمائی ہے، دنیا بھر کے نعت گو اس سے دریوزہ گری کرتے رہیں گے۔

سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

سورۃ الانشراح مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس کی آٹھ آیات ہیں

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِیْٓ

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا[1] اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ[2] جس نے

[1] علامہ راغب اصفہانی الشرح کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: أصل الشرح بسط اللحم ونحوه يقال شرحت اللحم وشرّحته، ومنه شرح الصدر أي بسطه بنور إلهي وسكينة من جهة الله وروح منه۔ (المفردات) یعنی گوشت کاٹنے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو الشرح کہتے ہیں، اسی سے شرح صدر ماخوذ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نور الٰہی سے سینہ کا کشادہ ہو جانا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے تسکین و طمانیت کا حاصل ہو جانا۔ اس کی طرف سے دل میں مسرت و راحت کا شعور پیدا ہو جانا۔

علامہ سید محمود آلوسی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ الشرح اصل میں کشادگی اور فراخی کا مفہوم ادا کرتا ہے کسی الجھی ہوئی اور مشکل بات کی توضیح کو بھی شرح کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ شرح کے لفظ کا استعمال دل سرور اور قلبی خوشی کے لیے بھی ہوتا ہے آخر میں لکھتے ہیں: وقد يراد به تأييد النفس بقوة قدسية وأنوار إلهية بحيث تكون ميدانا لمواكب المعلومات وسماء لكواكب الملكات وعرشا لتنزلات التجليات وفرشا للسوانح الواردات فلا يشغله شأن عن شأن ويستوي لديه ما يكون وما كان۔ (روح المعانی)

یعنی شرح صدر کا یہ مفہوم بھی لیا جاتا ہے کہ نفس کو قوت قدسیہ اور انوار الٰہیہ سے اس طرح مؤید کرنا کہ وہ معلومات کے قافلوں کے لیے میدان بن جائے۔ ملکات کے ستاروں کے لیے آسمان بن جائے اور گوناگوں تجلیات کے لیے عرش بن جائے جب کسی کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو اس کو ایک حالت دوسری حالت سے مشغول نہیں کر سکتی۔ اس کے نزدیک مستقبل، حال اور ماضی سب یکساں ہو جاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: والأنسب بمقام الامتنان هذا المعنى الأخير۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا ذکر فرما رہا ہے اس لیے یہاں شرح صدر کا یہی آخری معنی زیادہ مناسب ہے۔

اس تحقیق کے بعد آیت کی تشریح یوں الفاظ فرماتے ہیں:

والمعنى ألم نفسح صدرك حتى حوى عالمي الغيب والشهادة وجمع بين ملكتي الاستفادة والإفادة فما صدك الملابسة بالعلائق الجسمانية عن اقتباس أنوار الملكات الروحانية وما عاقك التعلق بمصالح الخلق عن الاستغراق في شؤون الحق۔ (روح المعانی)

یعنی آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ نہیں کر دیا کہ غیب و شہادت کے دونوں جہاں اس میں سما گئے ہیں۔ استفادہ اور افادہ کی دونوں ملکتیں جمع ہو گئی ہیں۔ علائق جسمانیہ کے ساتھ آپ کی وابستگی ملکات روحانیہ کے انوار کے حصول میں رکاوٹ نہیں۔ خلق کی بہبودی کے ساتھ آپ کا تعلق معرفت الٰہی میں استغراق سے رکاوٹ نہیں۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کی تفسیر بیان کی ہے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اس میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا"

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو علوم و معارف عطا فرمائے امام بوصیری نے قصیدہ بردہ میں یوں بیان کیا ہے۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا — وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

ترجمہ یعنی دنیا اور آخرت دونوں آپ کی جود و کرم کے مظہر ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔

علامہ علی قاری حنفی آخری مصرعہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علمهما انما يكون سطرا من سطور علمه ونهرا من بحور علمه۔ کہ لوح و قلم کا علم آپ کے علم کے دفتر کی ایک سطر ہے اور آپ کے علم کے سمندروں کی ایک نہر ہے۔ (شرح قصیدہ بردہ۔ ملا علی قاری قلمی کتب خانہ گولڑہ شریف)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی اس آیت کی آئینہ دار ہے۔ حضور نے جس بلند حوصلگی اور اولوالعزمی سے فرائض نبوت کو ادا کیا، جس صبر اور تحمل کے ساتھ اس راہ میں آنے والی مشکلات کو برداشت کیا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرح صدر کے بغیر ممکن نہ تھا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے علم کے نور سے منور کیا، اس کو بھی شرح صدر کی برکت کے بغیر اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں کئی مفسرین نے شق صدر کی روایات بھی ذکر کیں لیکن علامہ آلوسی لکھتے ہیں: وحمل الشرح في الآية على ذلك الشق ضعيف عند المحققين کہ یہاں جو شرح صدر مذکور ہے اس سے شق صدر مراد لینا محققین کے نزدیک ضعیف ہے۔ البتہ شق صدر کا ثبوت احادیث نبوی سے ہوتا ہے۔

اس آیت میں غور کرنے سے کلیم اور حبیب کے درمیان فرق بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ دونوں کو شرح صدر بخشا گیا لیکن کلیم کو مانگنے پر اور حبیب کو بن مانگے۔ پھر دونوں کے شرح صدر میں بھی زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔

۲۔ یہ دو آیتیں غور طلب ہیں۔ پہلے مشکل الفاظ کی تشریح ملاحظہ فرمائیے:

الوزر: الحمل الثقيل، بار گراں۔ انقض کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: انقض، انقض ظهره ایسا بوجھ جو پیٹھ کو بوجھل کر دے۔

صاحب قاموس نے انقض کا ایک اور معنی تحریر کیا ہے یعنی کسی چیز کا لاغر اور دبلا ہونا۔ قال ابن عرفة: اي اثقله حتى جعله نقضا وهو المهزول ومنه الذي اتعبه السفر والعمل فنقض لحمه (تاج العروس) یعنی اس بوجھ نے آپ کی پیٹھ کو دبلا اور لاغر کر دیا کیونکہ پیہم سفر اور متواتر کام کرنے سے گوشت دبلا ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "آں بار گراں کہ وے بر پشت تو" یعنی وہ بوجھ جس نے آپ کی پشت کو بوجھل بنا دیا تھا۔ میں نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ جیسے لغت عرب میں جب اونٹ کی پشت پر زیادہ بوجھ لادا جاتا ہے

اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

جو جھل کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو ۔ اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو ۔ پس یقیناً ہر مشکل کے ساتھ

تو اس کی پسلیوں سے ایک قسم کی کڑکڑ کی آواز نکلتی ہے اسے بھی انقض کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

وہ بھاری بوجھ کیا تھا جو پشت کو گراں بار کر رہا تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے اٹھا لیا ۔ علمائے تفسیر نے متعدد اقوال لکھے ہیں ۔ ان میں سے دو قول ہمارا پسندیدہ ہیں :

(۱) اپنی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ کر خاطر عاطر کو بہت تکلیف ہوتی تھی ۔ ان کا بے جان بتوں کو پوجنا فسق و فجور میں غرق رہنا قمار بازی اور شراب نوشی میں اپنی صحت و دولت کو برباد کرنا غریبوں پر ظلم ڈھانا ان کے حقوق غصب کرنا باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت ان کی اخلاقی پستی ان کی معاشی بدحالی اور ان کی سیاسی ابتری ان تمام چیزوں کو دیکھ کر حضور کو بہت دکھ ہوتا اور اس صورت حال کو یکسر بدل ڈالنے کے لیے دل ہر وقت مضطرب رہتا ۔ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا اور قرآن کریم جیسا صحیفۂ رشد و ہدایت عطا فرمایا ۔ دین اسلام جیسا جامع اور مکمل نظام حیات مرحمت فرمایا جس سے یہ بوجھ اتر گیا ۔ منزل کا تعین بھی ہو گیا اور اس منزل کی طرف لے جانے والا راستہ بھی نور نبوت سے روشن ہو گیا ۔

(۲) یا اس بوجھ سے بار نبوت و رسالت مراد ہے ۔ ایسے لوگ جو صدیوں سے معبودان باطل کی پوجا پاٹ میں مشغول تھے جن کی کئی پشتیں اخلاقی آوارگی کی نذر ہو چکی تھیں ۔ ظلم و ستم لوٹ مار جن کے نزدیک فخر و مباہات کا باعث تھی ان کو ان پستیوں سے نکال کر توحید ، اخلاق حسنہ ، نظم و ضبط کی بلندیوں پر لے جانا بڑا جان جوکھوں کا کام تھا اس راستہ میں مشکلات کے فلک بوس پہاڑ سینہ تانے کھڑے تھے ۔ اور ناکامیوں کی عمیق غاریں منہ کھولے ہوئے نگل جانے کے لیے بے تاب تھیں ۔ اس فرض کی ادائیگی کا احساس دل کو ہر وقت بے چین رکھتا ان کا تعصب ، عناد باطل سے چمٹے رہنے پر ان کا اصرار اس بے چینی میں مزید اضافہ کر دیا کرتا ۔ اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کی دولت سے مالا مال فرما کر اس بوجھ کو ہلکا کر دیا ۔ طبیعت میں قلق و اضطراب کی جگہ صبر و عزیمت نے لے لی ۔ اپنی قوم کی بے التفاتی اور ان کی ایذا رسانیوں پر دل گرفتہ ہونے کے بجائے ہمت و حوصلہ پیدا ہو گیا ۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح اپنے مخصوص انداز میں فرمائی ہے اور خوب فرمائی ہے :

" آپ کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات و مقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھی قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا انسانی کشیدگیوں کی وجہ سے ان پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا تو وہ دشواریاں جاتی رہیں اور وہ بوجھ ہلکا ہو گیا ۔ "

۳ـ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اتانی جبرئیل علیہ السلام وقال ان ربک یقول اتدری کیف رفعت ذکرک قلت اللہ تعالیٰ اعلم قال اذا ذکرت ذکرت معی ۔

یعنی حضرت جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا رب کریم پوچھتا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کیا؟ میں نے جواب دیا اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کے ذکر کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں آپ کا بھی میرے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: وای رفع مثل ان قرن اسمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام باسمہ عزوجل فی کلمتی الشہادۃ وجعل طاعتہ طاعتہ وصلی علیہ وملائکتہ وامر المؤمنین بالصلاۃ علیہ وخاطبہ بالالقاب کیا ایہا المدثر یا ایہا المزمل ویا ایہا النبی یا ایہا الرسول وذکرہ سبحانہ فی کتب الاولین واخذ علی الانبیاء علیہم السلام وامہم ان یؤمنوا بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر رفع ذکر کیا ہو سکتا ہے کہ کلمہ شہادت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب کا نام لیا۔ حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ ملائکہ کے ساتھ آپ پر درود بھیجا اور مومنوں کو درود پاک پڑھنے کا حکم دیا اور جب بھی خطاب کیا معزز القاب سے مخاطب فرمایا جیسے یا ایہا المدثر، یا ایہا المزمل۔ پہلے آسمانی صحیفوں میں بھی آپ کا ذکر خیر فرمایا۔ تمام انبیاء اور ان کی امتوں سے عہد لیا کہ وہ آپ پر ایمان لے آئیں۔ آج دنیا کا کوئی آباد ملک ایسا نہیں جہاں روز و شب میں پانچ بار حضور کی رسالت کا اعلان نہ کیا جاتا ہو۔

حضور کے سوانح پر اپنوں اور بیگانوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں دنیا کے کسی نبی، مصلح، فاتح اور سلطان کے بارے میں نہیں لکھی گئیں۔ بے شمار اہل پایہ کے لوگوں نے حضور کریم کے ذکر پاک کو حرز جاں بنائے رکھا۔ اپنی عمریں، اپنی علمی قوتیں، روحانی طاقتیں، اپنا مال اور اپنے وسائل وقف کیے ہیں۔ کسی دوسرے کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے عشاق نے نثر و نظم میں انسانیت کو جو گراں قدر ادب عطا فرمایا ہے اس کی نظیر ہی نہیں ملتی۔ الحاد و دہریت کے اس دور میں بھی آپ کے دین کی تبلیغ اور آپ کی سنت کے احیاء کی کوششیں بڑے خلوص سے کی جا رہی ہیں۔ آپ کا نام پاک لے کر آپ کا ذکر خیر کر کے اور آپ کے محاسن گن گن کر کروڑوں دلوں کو جو سرور و طمانیت نصیب ہوتی ہے اس کا جواب نہیں۔ اپنے تو رہے ایک طرف، بیگانوں اور متعصب مخالفوں کو بھی ناموس رسالت میں خراج عقیدت پیش کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔

اگر آپ ان حالات کو پیش نظر رکھیں جن حالات میں یہ آیت نازل ہوئی اور پھر اس آیت کو پڑھیں تو اس کے پڑھنے کا لطف دو چند ہو جائے گا۔ ساری دنیا مخالف ہے، مکہ کے سردار اور عوام چراغ مصطفوی کو بجھانے کے درپے ہیں۔ جس گلی سے گزرتے ہیں وہاں مخالفت کے نعرے لگائے جاتے ہیں اور کانٹے بچھائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہوتے ہیں تو مرے ہوئے اونٹ کا اوجھ اٹھا کر گردن مبارک پر لاد دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کون یہ تصور کر سکتا تھا کہ ان کا ذکر پاک دنیا کے گوشہ گوشہ میں بلند ہو گا ان کے دین کی روشنی سے مہذب دنیا کا بہت بڑا علاقہ منور ہو گا اور کروڑوں انسان ان کے نام پر جان دینے کو اپنے لیے باعث افتخار تصور کریں گے۔ لیکن رب العالمین مولا کریم نے اپنے برگزیدہ بندے اور محبوب رسول کے ساتھ کیا وعدہ پورا کر دیا اور قیامت تک ذکر محمدی کا آفتاب ضو فشانیاں کرتا رہے گا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

يُسْرًا ۝٥ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٦ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝٧ وَ

آسانی ہے۔ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پس جب آپ فارغ ہوں (فرائض نبوت سے) تو (عبادت میں) [illegible]

ملے کفار مسلمانوں کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ تم نادار اور مفلس ہو۔ تم کمزور اور ناتواں ہو۔ ہم جب چاہیں تمہیں پیس کر رکھ دیں گے۔ ہم تمہارا نام و نشان تک مٹا دیں گے۔ جو شخص اسلام کو قبول کرتا اس کو بے پناہ ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا۔ وہ جب [illegible] فریاد کرتا تو اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ ہوتا۔ بھوکا پیاسا وہ سنگدل اس کو تڑپتا ہوا دیکھ کر تالیاں بجاتے اور خوشی کے نعرے بلند کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے حبیب! ان دشواریوں اور تکلیفوں سے پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہمارا یہ قانون ہے کہ ہر تکلیف کے بعد راحت ہوتی ہے۔ ہر دشواری کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ یہ تکالیف جن سے آپ کے ماننے والے دوچار ہیں یہ عسرت و تنگدستی جس کے باعث بیگانے تو ایک طرف اپنے بھی گریز کرنے لگے ہیں ختم ہو جائے گی اور عزت و اقبال، خوش حالی اور فارغ البالی کا ایک درخشاں دور شروع ہوگا۔

ملے یعنی جب تم ایک عبادت سے فارغ ہو جاؤ تو اس عبادت کی توفیق پر شکر ادا کرنے کے لیے دوسری عبادت شروع کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اپنے محبوب کریم پر فرمائی تھیں ان کا شمار کیا گیا اور جن نعمتوں سے مستقبل میں سرفراز کرنا تھا ان کا وعدہ کیا گیا۔ اس کے بعد حکم دیا گیا کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرو اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی عبادت میں مشغول رہا کرو۔

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس سے اس کا یہ مفہوم نقل کیا ہے: عن ابن عباس انه قال اذا فرغت من الصلٰوۃ [illegible] یعنی اے حبیب! آپ نماز ادا کرنے سے فارغ ہو جائیں تو بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگنا شروع کر دیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ بندہ مومن کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس کے سارے اوقات یا تو عبادت الٰہی میں مستغرق رہیں یا دنیا کے ضروری کاروبار سے جونہی فرصت ملے خداوند کریم کے ذکر میں مشغول ہو جائے۔ بندہ مومن کا بیکار بیٹھنا یا فضول مشاغل میں کھوئے رہنا بڑی بے عقلی اور نادانی ہے۔ یہاں انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ پر از حکمت ارشاد نقل کیا ہے: انی لاکرہ [illegible] یعنی میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں کہ میں تمہیں نکما بیٹھے ہوئے دیکھوں، نہ تم دنیا کا کوئی کام کر رہے ہو اور نہ تم اپنی آخرت کو سنوار رہے ہو۔ (روح المعانی)

آپ نے فارغ کے ساتھ متصل کا وزنی اور رعب دار لفظ استعمال فرمایا ہے اور خود ہی اس کی تشریح بھی فرما دی ہے۔ یکار نکما بیٹھنا دنیا کی فکر نہ عاقبت کا اندیشہ۔ [illegible] صبح سے شام تک وقت ضائع کرتا رہتا ہے۔ یہی فاروقی تربیت تھی جس کی برکت سے امت مسلمہ نے چند سالوں میں مشرق اور مغرب، عالی عالم پر فتح حاصل کی تھی اور اپنی عظمت کے پرچم گاڑ دیئے تھے۔ جس سبب و روزی سے آج ہم اپنا قیمتی وقت برباد کرتے ہیں اور جس سنگدلی سے ہم اپنے شخصی اور ملی فرائض کی ادائیگی میں کاہلی اور بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتے ہیں انہیں دیکھ کر خون کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔

اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ⑧

اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جایا کیجئے ۹

ہمارے نوجوان جن کے دلوں میں ملی غیرت کا درد ہے۔ جو اپنی قوم کے مستقبل کو درخشاں دیکھنا چاہتے ہیں جو موجودہ پستی اور انحطاط پر شکوہ سنج نظر آتے ہیں کاش! وہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو بلکہ اپنے رب کریم کے اس فرمان واجب الاذعان کو اپنی زندگی کا شعار (MOTTO) بنا لیں۔ جب بھی ایک فرض کی ادائیگی سے فارغ ہوں دوسرا فرض ادا کرنے کے لیے کمر ہمت باندھ لیں۔

نصب کا لفظ بھی توجہ طلب ہے۔ نصب ایسا کام کرنا جس کے کرنے سے تھکاوٹ ہو جاتی اور یہ ظاہر ہے کہ معمولی نوعیت کے کاموں سے تو تھکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ وہ کام بڑی اولوالعزمی سے کیے جاتے ہیں، وہ مہم جو بڑی محنت اور ریاضت سے سر کی جاتی ہیں وہ فرائض جن کی انجام دہی کے لیے دریزیوں، جگر پاشیوں اور شب بیداریوں کی ضرورت پڑتی ہے ایسے کاموں کے کرنے کی یہاں تلقین کی جا رہی ہے۔ اہل حق تو مشکل پسند ہوا کرتے ہیں۔ سہل اور آسان کاموں میں تو ان کا جی ہی نہیں لگتا۔ بحمد اللہ تعالیٰ گوارا نہیں کرتا کہ آسان کاموں کے کرنے میں وہ اپنی عمر صرف کریں۔ ایسے کاموں کے لیے اور بہت سی قومیں ہیں۔ ان کے لیے تو کٹھن اور دشوار کام ہیں۔

جنگ بدر کے بارے میں فرمایا کہ تم تو چاہتے تھے کہ تجارتی قافلہ پر قبضہ کر لو جس کے پاس مزاحمت کے آلات نہیں لیکن ہم لے جانا چاہتے کہ تمہاری طاقتوں کو باطل کی ایک بڑی قوت سے ٹکرا دیں تاکہ حق کا بول بالا ہو اور باطل کو رسوائی اور ذلت نصیب ہو۔

ارشاد باری ہے وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّہَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ۔ (الانفال: ۷)

۹ اے حبیب! آپ اپنے رب کی طرف ہی راغب ہوا کریں۔ اسی کی وہ ذات ہے جو تیرا رب ہے جس نے اس منصب عالی اور مقام بلند پر فائز ہونے کے لیے آپ کی تربیت فرمائی ہے۔ اگرچہ وہ سارے جہانوں کا رب ہے لیکن اس کی شان ربوبیت کا جو خصوصی تعلق تیرے ساتھ ہے وہ کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ تو اس کا ہو رہ تیرا کسی غیر کی یہاں کیا گنجائش

○

اللھم انت رب حبیبنا المصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء وعلیٰ آلہ النیرۃ المنیبۃ ... اوجبت علینا ... کلماتک ورفع ذکر نبیک احسن الاداء۔ انت الموفق ومنک ارجو التوفیق
ایاک نعبد وایاک نستعین۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ التین

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام "التین" ہے جو اس کا پہلا لفظ ہے۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، چونتیس کلمے، ایک سو پانچ حروف ہیں۔

نزول: جمہور علماء کے نزدیک اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ مدنی ہے لیکن یہ درست نہیں۔ کیونکہ "هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ" یہ امن والا شہر سے بلا اختلاف مکہ مراد ہے۔ هٰذَا کا اشارہ اسی کی طرف اسی وقت ہی درست ہو سکتا ہے جب کہ اس کا نزول یہاں ہوا ہو۔ مدنی سورتوں میں مکہ کا ذکر هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْن سے کسی طرح مناسب نہیں۔

مضامین: بعض ان مقامات کی قسمیں کھا کر اس سورت کا آغاز کیا گیا ہے جن کا تعلق اولو العزم رسولوں میں سے کسی کے ساتھ ہے۔ پھر بتایا کہ ہم نے انسان کی آفرینش اس انداز سے کی ہے کہ صوری اور معنوی اعتبار سے یہ احسن الخلق اور اکمل الخلق ہے۔ انسانی عظمت کا تصور جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے دنیا کا کوئی فلسفی، نفسیات کا کوئی ماہر، عمرانیات کا کوئی استاد، طبیعیات کا کوئی محقق اس کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن نے عظمت انسان کا جو نظریہ پیش کیا ہے جب اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو باقی سب مدعیان دانش نادان بچوں کی طرح تاریک گوشوں میں ٹکریں مارتے نظر آتے ہیں۔

انسان کو احسن تقویم کے لقب سے سرفراز فرمانے کے بعد اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ نوع انسانی کے بعض افراد اپنے مقام رفیع کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور نفس کے سفلی جذبات کی تسکین کے درپے رہتے ہیں یہاں تک کہ اپنے آپ کو ایسی پستیوں میں گرا لیتے ہیں جس سے مزید کسی پستی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ وہ لوگ جو خود شناس ہیں اپنی خداداد صلاحیتوں کے قدردان ہیں، ایمان اور عمل صالح سے اپنے دامن حیات کو معمور رکھتے ہیں ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی پایاں پذیر نہ ہوگا۔

اس حقیقت کے بیان کرنے کے بعد قیامت کی ضرورت اور اس کے برپا کرنے میں جو حکمت ہے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ جب اللہ احکم الحاکمین ہے تو اس کے عدل و انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہو جب ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے۔ اگر ساری عمر بھول کھلانے والا اور ہر سمت میں چراغ روشن کرنے والا اور ساری عمر کانٹے بونے والا اور اندھیرا کرنے والا ایک ہی انجام سے دوچار ہوں تو اس سے بڑی اندھیر گردی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیا کوئی ذی ہوش اس ذات سے جو احکم الحاکمین ہے اس اندھیر گردی کی توقع رکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ ‏ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ‏ وَهِيَ ثَمَانِي اٰيَاتٍ

سورۃ التین مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں آٹھ آیات ہیں

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿۲﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿۳﴾

قسم ہے انجیر اور زیتون کی [۱] اور قسم ہے طور سینا کی [۲] اور اس امن والے شہر مکہ مکرمہ کی [۳]

[۱] اس سورت کا افتتاح چار چیزوں کی قسمیں کھا کر کیا جا رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سامعین ہمہ تن گوش ہو کر اس سورت کو سنیں کیونکہ اس میں نہایت اہم مضامین بیان کیے جانے والے ہیں۔

تین اور زیتون سے کیا مراد ہے؟ علمائے تفسیر کے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس، حسن، مجاہد وغیرہم کا قول یہ ہے کہ تین سے مراد انجیر ہے اور زیتون سے مراد زیتون کا مشہور و معروف درخت ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ انجیر کا پھل اور زیتون کا درخت اور اس کا تیل بے شمار فوائد اور خوبیوں کے مالک ہیں، اس لیے ان کی قسم کھائی۔ حضرت ابن عباس سے یہ قول بھی مروی ہے کہ تین اس مسجد کا نام ہے جو نوح علیہ السلام نے جودی پہاڑ پر تعمیر کی تھی اور زیتون سے مراد بیت المقدس کی مسجد ہے۔ قتادہ کی رائے یہ ہے کہ تین اس پہاڑ کا نام ہے جس پر دمشق کا شہر آباد ہے اور زیتون اس پہاڑ کا نام ہے جس پر بیت المقدس کا شہر ہے۔ ایک اور قول یہ بھی ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ ای منابت التين والزيتون یعنی وہ علاقے جو انجیر اور زیتون کی پیداوار کے لیے مشہور ہیں۔ علامہ قرطبی کی رائے یہ ہے کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ بعض علماء نے قتادہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

علامہ آلوسی کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں

اقسام بمقاح مكة شريفة على مذهب اليهكثير۔ (روح المعانی) کہ یہاں مبارک مقامات کی قسمیں اٹھائی گئی ہیں۔ اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[۲] وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا اس کا نام طور سینین ہے۔ اسے طور سینا اور طور سینا بھی کہتے ہیں۔

[۳] اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مکہ مکرمہ کا شرف محتاج بیان نہیں۔ اس کا سنگ بنیاد اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند جلیل حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا۔ اس شہر کے لیے جو دعا آپ نے مانگی۔ رب اجعل هذا البلد آمنا۔ اس دعا کی قبولیت کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سارا جزیرۂ عرب غارت گری، خونریزی اور قتل و غارت کا میدان بنا ہوا تھا اس وقت بھی مکہ مکرمہ فتنہ و فساد کی آگ سے محفوظ تھا۔ کسی کے باپ کا قاتل بھی اگر حرم میں پناہ لیتا تو اس کو کچھ نہ کہا جاتا۔ اگر جنگل میں کوئی شکاری ہرن کو شکار کرنے کے لیے اس کے تعاقب میں دوڑتا اور ہرن حدود حرم میں داخل ہو جاتا تو شکاری اس کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا جاتا۔ یہاں کے درختوں اور گھاس کو بھی کوئی نہیں کاٹتا تھا۔ کعبہ مقدسہ کی تعمیر سے اس شہر کو جو شرف نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خطہ پر مزید کرم یہ فرمایا کہ اسے اپنے محبوب صلی اللہ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۫ۖ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ

بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے احسن شکل کے اعتبار سے، بہترین اعتدال پر ۔ پھر ہم نے لوٹا دیا اسے پست ترین

تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ولادت بنایا اور خصوصاً نبوت کا اعلان بھی یہیں سے کیا جس کے باعث مکہ کی عظمت کو چار چاند لگ گئے۔ طور کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسبت کی وجہ سے عزت نصیب ہوئی یہیں آپ کو پیغمبری ملی یہیں شرف ہمکلامی سے مشرف ہوئے یہیں الواح تورات مرحمت ہوئیں، دمشق حضرت مسیح علیہ السلام کا مسکن رہا وہی آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہا اور بیت المقدس کو بے شمار انبیاء و رسل سے نسبت کا شرف حاصل رہا اس لیے ان بابرکت مقامات کی قسمیں اٹھائی گئیں جہاں ایسے نفوس قدسیہ کی ولادت باسعادت ہوئی جہاں انسانیت کے اعلیٰ ترین افراد نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہوئے جن سے ارفع کسی اور مقام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

گے یہ جواب قسم ہے یعنی ہم نے انسان کو شکل و صورت، قد و قامت، عقل و ذہن، قوت قلبی و روحانی بہترین اعتدال و توازن سے متصف کر کے پیدا فرمایا ہے۔ ابن عربی لکھتے ہیں: ليس لله تعالى خلق احسن من الانسان فان الله خلقه حيا عالما قادرا مريدا متكلما سميعا بصيرا مدبرا حكيما (قرطبی) کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے ان عظیم صفات سے متصف فرمایا یعنی حی، عالم، با اختیار، با ارادہ، متکلم، شنوا، بینا، مدبر اور حکیم

اگر انسان کو بنظر غور دیکھا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ صوری اور معنوی حسن و کمال میں کوئی چیز بھی انسان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ گراں قیمت حیوان اژدہا، گو، بچھو، وغیرہ پرندے ہوائی اور آبی مخلوقات سب کی سب انسان کے سامنے سرافگندہ ہیں اور اس کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ گراں ڈیل ہاتھی ہے ایک ننھا سا انسان جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ بے مہار اونٹ کا بچہ اونٹوں کی ایک قطار کو جدھر چاہتا ہے لے کر چلا جاتا ہے۔ شوخ و شنگ، برق رفتار گھوڑے پر جب انسان سوار ہوتا ہے تو وہ اس کی مرضی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ فضا میں خلا ہے کو وہ اپنی علمی قوت سے مسخر کر کے ان میں اپنی جاگیر بنا رہا ہے۔ عقل و فکر و نظر و قیاس اور استنباط کی جو صلاحیتیں اللہ نے اسے بخشی ہیں کائنات کی کوئی چیز اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ اس کے علم و عرفان کی رفعتوں کا تو یہ حال ہے کہ نوری فرشتے بھی اس کو سجدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کی قامت راست اور اعضا کی ساخت بھی بے نظیر ہے۔ ہر جانور اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے اپنا منہ زمین تک جھکاتا ہے لیکن انسان کو اس کے لیے سر جھکانا نہیں پڑتا بلکہ اس کے ہاتھ لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کے جس پہلو کو دیکھا جائے بے ساختہ تبارک اللہ احسن الخالقین کا نعرہ بلند ہونے لگتا ہے۔ علامہ قرطبی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی کی اپنی بیوی کے ساتھ شدید محبت تھی۔ ایک دن اس نے اس سے کہا انت طالق ثلاثا ان لم تكوني احسن من القمر۔ اگر تو چاند سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تو تجھے تین طلاقیں۔ اس نے جب اپنے خاوند کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو اٹھ کر اندر چلی گئی اور پردہ کر لیا اور کہا کہ تو نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ اب ہمارا ازدواجی تعلق منقطع ہو گیا۔ عیسیٰ نے بڑی مشکل سے رات بسر کی صبح سویرے خلیفہ منصور کے پاس پہنچا اور اسے اس واقعہ کی اطلاع دی اور اپنی گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کیا۔ خلیفہ نے فقہا کو اپنے دربار میں بلایا اور ان سے فتویٰ پوچھا۔ جتنے فقہا حاضر تھے سب نے کہا کہ طلاق واقع ہو گئی ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے شاگردوں سے ایک شخص خاموش بیٹھا رہا منصور نے پوچھا آپ کیوں چپ

سَافِلِيْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ

حالت کی طرف سے بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے

دیں۔ کیوں کوئی بات نہیں کرتے تو وہ شخص گویا ہوا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ اے امیرالمومنین! اس ارشاد الٰہی کے مطابق انسان سب چیزوں سے زیادہ حسین ہے اور کوئی چیز اس سے زیادہ حسین نہیں ہے۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا کہ اس شخص نے جو کہا ہے درست کہا ہے تم اپنی بیوی کے ساتھ رہ سکتے ہو اور اس کی بیوی کو بھی کہلا بھیجا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اس لیے اسے چاہیے کہ اپنے خاوند کے گھر جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان باطن اور ظاہر، صورت اور سیرت کے جمال، رعنائی، بناوٹ کی ندرت میں اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے زیادہ حسین و جمیل ہے۔ فلاسفہ نے اسی وجہ سے انسان کو عالم اصغر کہا ہے۔

ے لیکن جب انسان ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتا بلکہ اپنی عدیم النظیر صلاحیتوں کو غلط استعمال کرتا ہے، جو عقل و فہم کے سامنے چراغ گل کر دیتا ہے اور جو اپنے نفس کی پیروی میں لگ جاتا ہے اپنے خالق و رازق کی فرمانبرداری سے منہ موڑ لیتا ہے، اس کے رسول کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتا ہے تو اسے اس جرم کی سزا بھی بڑی سخت دی جاتی ہے۔ وہ بے شعور اور بے عقل حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ اس سے ایسی ایسی ذلیل حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جن کا کسی بھلے آدمی سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے ہاتھوں سے گڑھا کھود کر وہ اپنی بچیوں کو زندہ مٹی میں دفن کر دیتا ہے۔ وہ اپنے سگے بھائی کا گلا کاٹنے سے بھی نہیں شرماتا۔ حصول اقتدار کے لیے وہ اپنی قوم اور وطن سے غداری کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ آپ خود سوچیے وہ بدبخت جو اپنے قومی مفاد کو چند ٹکوں کے لالچ میں دشمن ممالک کو ناجائز ذرائع سے برآمد کرتا ہے، جو انجینئر سڑک کی شاہراہوں، پلوں اور ڈیموں کی تعمیر میں بددیانتی کرتا ہے، جو صنعت کار اجناس خوردنی اور ادویہ میں ملاوٹ کرنے کا کاروبار کرتا ہے، جو تاجر اجناس خوردنی کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے کیا وہ کتے اور خنزیر سے بھی پست تر نہیں، جو شخص فسق و فجور کی غلاظتوں میں خوش رہتا ہے گندگی میں جنم لینے والے کیڑوں سے کیا وہ کسی صورت میں بہتر ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص سے انسانیت کی خلعت فاخرہ واپس لے لی جاتی ہے۔ اس کے سر سے اشرف المخلوق ہونے کا تاج اتار لیا جاتا ہے۔ معاشرہ کی نگاہوں میں وہ حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ ایسے انسانوں کے لیے دوزخ کے طبقات میں سے وہ طبقہ مخصوص کیا جائے گا جو پست ترین ہو گا۔

دیکھیے قرآن حکیم، انسانی حمیت کو کس طرح مہمیز لگاتا ہے، انسانی شرف کا واسطہ دے کر خود فراموش انسانوں کو خواب غفلت سے کس طرح جھنجھوڑتا ہے، انسان کے احساس عظمت کو گرگرا کر اسے پستی کی دلدل سے نکل آنے کی جو دعوت دیتا ہے، اس کا اسلوب کتنا اثر آفرین ہے۔

غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝٦ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ۝٧ أَلَيْسَ اللَّهُ

والا اجر ہے۔ پس کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو اس کے بعد جزا و سزا کے معاملہ میں۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ

بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ۝٨

سب حاکموں سے بڑا حاکم۔

۶۔ فرمایا جو لوگ اپنی انسانیت کی لاج رکھتے ہیں، اس کے دامنِ شرف پر کوئی داغ نہیں لگنے دیتے، اپنے خالق کے ذکر کی شمع روشن رکھتے ہیں، اس کے احکام کی بجا آوری میں سرگرم رہتے ہیں، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا شوق انہیں رات دن بے چین رکھتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو احسن تقویم کے کمالات سے موصوف ہیں۔ ان کو ہی اللہ تعالیٰ ایسا اجر دے گا جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ جب تک وہ اس دنیا میں زندہ رہیں گے ان پر ان کے رب کی رحمت نازل ہوتی رہے گی۔ جب یہاں سے رختِ سفر باندھیں گے تو انہیں ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ کی نوید جانفزا سنائی جائے گی۔ جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے تو لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون کی شان ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہی ہوگی اور جب فردوسِ بریں میں قدم رکھیں گے تو سلام قولا من رب رحیم سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ انہوں نے تو کچھ مدت اپنے رب کی بندگی میں گزاری لیکن ان کا رب جن نعمتوں سے انہیں نوازے گا وہ پایاں ناپذیر ہوں گی۔

۷۔ اس آیت کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے مجھے وہ مفہوم زیادہ پسند ہے جو علامہ قرطبی نے قتادہ اور فراء سے نقل کیا ہے۔ قال قتادۃ والفراء المعنی فمن یکذبک ایہا الرسول بعد ھذا البیان بالدین واختارہ الطبری یعنی قیامت کے برپا ہونے اور اس روز نیک و بد کو جزا و سزا کا جو فکر آپ نے پیش کیا ہے کون عقل مند اس کی تکذیب کر سکتا ہے۔ یہ کہنے کی جرأت کس میں ہے کہ جس شخص نے ساری عمر احکامِ الٰہی کی بجا آوری میں گزاری، جس نے اپنے آرام و آسائش کو بنی نوع انسان کے آرام و آسائش کے لیے وقف کر دیا، جس نے نورِ حق پھیلانے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دیں، اس کو اس کی عمر بھر کی تگ و دو کا کوئی اجر نہ ملے اور جو اپنے کرتوتوں کے باعث اسفل السافلین تک پہنچا اس کو کوئی سزا نہ ملے؟

۸۔ اگر کسی چھوٹے سے خطہ کا کوئی حاکم ہو تو تم اس سے عدل و انصاف کی توقع رکھتے ہو اگر وہ ظلم و ستم پر اتر آئے تو تم اس سے نفرت کرنے لگتے ہو اور اگر حالات اجازت دیں تو اس کا تاج و تخت بھی چھین لیتے ہو۔ خود ہی بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ سے بڑا حاکم اور کون ہے؟ اس کی حکومت سے بڑی حکومت کس کی ہے؟ اس کی مملکت سے وسیع مملکت کہاں ہے؟ اس کے بارے میں تم نے کیا گمان کر لیا کہ اس ظلم کو روا رکھے گا، اس سے تم توقع رکھتے ہو کہ وہ ظالم کو کچھ نہیں کہے گا اور مظلوم کی داد رسی نہیں کرے گا۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اس سورت کی تلاوت ختم کرو تو کہو بلی وانا علی ذلک من الشاہدین۔ کبھی حضور اس کی تلاوت کے بعد فرماتے سبحانک فبلی (روح المعانی)

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ والصلوٰۃ والسلام علی رحمۃ

للعالمین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

تعارف

WWW.NAFSEISLAM.COM

سُورہ اِقرأ

نام : اس کو سورۃ "العلق" اور سورۃ "اقرأ" دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ "العلق" دوسری آیت میں مذکور ہے۔ اور "اقرأ" سے اس کا آغاز کیا گیا ہے اس میں ایک رکوع، انیس آیتیں، بانوے کلمے اور دو سو اسی حروف ہیں

نزول : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد جن میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے اسماء سرفہرست ہیں اور بے شمار علمائے تفسیر کا یہ قول ہے کہ نزول قرآن کا آغاز اسی سورت کی پہلی پانچ آیتوں سے ہوا۔ بقیہ آیات بعد میں نازل ہوئیں۔

مضامین : جس طرح اوپر بتایا گیا ہے۔ یہ سورت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلی پانچ آیتیں جبریل امین لے کر پہلی مرتبہ غار حرا میں تشریف لائے اور پہلی وحی آکر تسلیم کی جس کی تفصیل آپ آیات کی تشریح کے ضمن میں مطالعہ کریں گے۔

سورت کا دوسرا حصہ بعد میں اس وقت نازل ہوا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کی حضور کا انداز عبادت اہل مکہ کے لیے بالکل انوکھا تھا۔ لوگ دیکھ کر حیران ہوتے اور گزر جاتے۔ لیکن ابوجہل جو جہالت اور ہٹ دھرمی میں اپنی مثال آپ تھا وہ اس انداز عبادت کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکا اور دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ اس کی حماقت اور حرماں نصیبی پر ناراضگی کا اظہار فرمایا جا رہا ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۱۰-۳-۷۷

سُورَۃُ الْعَلَقِ مَکِّیَّۃٌ ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ ھِیَ تِسْعَ عَشْرَۃَ اٰیَۃً

سورۃ العلق مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے | اس میں انیس آیات ہیں

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾

آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا ۱؎ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے ۲؎

۱؎ مفسرین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے اسی سورت کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس سلسلہ میں سب سے صحیح روایت وہ ہے جس کی راویہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ جسے امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

حضرت ام المومنین کہتی ہیں کہ وحی کی ابتدا سچی خوابوں کی صورت میں ہوئی۔ جو خواب آپ رات کو دیکھتے دن کو اس کی تعبیر ہو بہو سامنے آجاتی۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر حضور کے دل میں خلوت گزینی کا شوق پیدا ہوا۔ مکہ سے چند میل کی مسافت پر ایک غار ہے جسے غار حرا کہتے ہیں۔ جب کہ آستانہ بیکس پناہ ہے۔ حضور اس غار میں تشریف لے جاتے۔ چند روز وہاں قیام فرماتے اور مشغول عبادت رہتے۔ پھر گھر لوٹ آتے اور کچھ وقت گھر بسر کرنے کے بعد کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر حرا کی تنہائیوں میں آکر مصروف عبادت ہو جاتے۔ کافی مدت یہ معمول رہا ایک رات آپ اسی غار میں مصروف ذکر و فکر تھے کہ جبرئیل امین آئے اور کہا اقرأ۔ آپ نے جواب دیا ما انا بقارئ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ جبرئیل نے آپ کو سینہ سے لگا کر خوب زور سے بھینچا جس سے آپ کو کافی تکلیف پہنچی پھر جبرئیل نے کہا اقرأ۔ آپ نے اب بھی وہی جواب دیا۔ جبرئیل نے دوسری بار پھر سینہ سے لگا کر خوب بھینچا اور کہا اقرأ۔ حضور نے پھر وہی جواب دیا جبرئیل نے تیسری بار پھر زور سے سینے سے لگا کر بھینچا اور کہا اقرأ باسم ربک تا مالم یعلم حضور نے یہ پانچ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ اس اچانک واقعہ سے حضور پر خوف طاری ہو گیا۔ گھر لوٹے دہشت سے دل کانپ رہا تھا حضرت خدیجہ کو فرمایا زملونی زملونی مجھ پر کپڑا ڈال دو مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ انہوں نے کپڑا ڈال دیا جب دہشت و سراسیمگی دور ہو گئی تو حضور نے سارا واقعہ حضرت خدیجہ سے بیان کیا اور فرمایا مجھے تو اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ آپ کی دانشمند رفیقہ حیات نے تسلی دیتے ہوئے جواباً عرض کیا کہ یہ اندیشہ آپ ہرگز نہ کریں۔ بخدا آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ صلہ رحمی آپ کا شیوہ ہے۔ لوگوں کا بوجھ آپ برداشت کرتے ہیں۔ ناداروں کی امداد کرتے ہیں مہمان کی خاطر تواضع آپ کا شعار ہے۔ مصیبت کے وقت لوگوں کی امداد کرنا آپ کا طریقہ ہے۔ پھر حضرت خدیجہ آپ کو اپنے ہمراہ ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ان کا چچا زاد بھائی تھا اور زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب اختیار کر چکا تھا اور انجیل کو عبرانی زبان سے عربی زبان میں لکھا کرتا تھا۔ اب وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ نے ورقہ سے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! ذرا اپنے بھتیجے کی بات سنو۔ ورقہ نے کہا بتائیے آپ نے کیا دیکھا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ورقہ نے سن کر کہا کہ یہ وہی ناموس (روح الامین) ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا۔ کاش! میں اس وقت طاقتور ہوتا۔ کاش میں اس

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ

پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے ۳ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے ۴ اسی نے سکھایا انسان کو

وقت زندہ ہوں جس وقت آپ کی قوم آپ کو جلاوطن کرے گی حضور نے فرمایا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے ورقہ نے کہا ایک جو بھی وہ چیز لے کر آیا جو آپ لے کر آئے ہیں تو اسے اذیت دی گئی اگر اس وقت میں زندہ ہوا تو آپ کی بھرپور امداد کروں گا اس کے بعد ورقہ جلد انتقال کر گئے۔

حکم ہو رہا ہے کہ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھنا شروع کرو۔ پہلی آیت میں بھی ربوبیت کی اضافت اس ضمیر کی طرف کی جس کا مرجع آپ ہیں۔ اس میں جو لطف ہے وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بعثت سے پہلے بھی حضور کو اپنے رب کا عرفان حاصل تھا اسی لیے تو ربک کا استعمال ہوا۔ اگر عرفان نصیب نہ ہوتا تو پہلے رب کی پہچان کرائی جاتی اس کے بعد اس کا نام لے کر پڑھنے کا حکم دیا جاتا جو کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہاں خلق کا مفعول کل شیء محذوف ہے۔

۲۔ انسان کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا شاہکار ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ انسان کی آفرینش کی ابتدا جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے کی گئی۔ ایک حقیر اور بے حقیقت شے سے اس سراپا کمال و جمال انسان کا پیدا کرنا اس کی شان کبریائی اور عظمت کی روشن دلیل ہے۔ نیز انسان کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کر دیا تاکہ وہ گھمنڈ اور غرور کا شکار ہو کر اپنے خالق کا انکار اور اس کے احکام سے سرتابی نہ شروع کر دے۔

۳۔ حضور نے جبرئیل کو تین بار جواب دیا کہ ما انا بقارئ۔ آخر جبریل نے عرض کیا کہ اقرأ باسم ربک الذی خلق کہ آپ پڑھیے اور یہ فکر نہ کیجیے کہ میں جب پڑھنا نہیں جانتا تو کیونکر پڑھوں۔ یہ کوئی فکر نہیں آپ خود تو نہیں پڑھ رہے آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھ رہے ہیں اور اس کی شان کریمی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ جب وہ پڑھنے کا حکم دے اور آپ اس کا نام لے کر پڑھنا شروع کریں تو پھر آپ کو علوم و معارف سے سیراب کر دینا اس کا کام ہے۔ کریم کے بجائے اکرم فرمایا۔ یا اکرم ربک کی تعبیر ہوا اس کی صفت کریم کی بجائے اکرم فرمایا تاکہ زیادہ مبالغہ ہو۔ [illegible] یعنی کریم سے بھی زیادہ مبالغہ ہے اور اکرم اس کو کہتے ہیں جو بلا غرض انعام کرے اور ناشناسی جس کے کم و کیف کا شمار نہ ہو سکے۔

۴۔ اس کی شان کریمی کا ایک جلوہ یہ ہے کہ اس نے قلم کو تعلیم کا واسطہ بنا دیا۔ علم کی نشر و اشاعت میں قلم کا جو حصہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ قدیم زمانہ کے علماء و فضلاء کے علوم کو اگر قلم کے ذریعے صفحہ قرطاس پر تحریر نہ کر دیا جاتا تو صدیاں سال بعد آج ہم ان سے کیونکر استفادہ کر سکتے۔ اگر قلم کا واسطہ نہ ہوتا تو آج زمین کے دور دراز گوشوں میں بسنے والے فضلاء کی تحقیقات اور تجربات سے دور بسنے والے کیونکر مستفید ہو سکتے۔ یہ قلم ہی کی برکت ہے کہ علم کا کارواں آج ان دشوار گزار وادیوں پر تیزی سے رواں ہے اور رفعت و بلندی کو مسخر کرنے کا عزم کیے ہوئے ہے اور جب تک قلم کا فیض جاری رہے گا علوم و فنون میں ترقی اور اضافہ ہوتا رہے گا۔

۵۔ جس طرح قلم کے ذریعہ سے علوم و معارف کی دولت سے اپنے بندوں کو مالا مال کر رہا ہے وہ جب چاہتا ہے تو قلم

مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾ کَلَّاۤ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰۤی ۙ﴿۶﴾ اَنۡ رَّاٰہُ اسۡتَغۡنٰی ؕ﴿۷﴾

جو وہ نہیں جانتا تھا ۔ شہ ہاں ہاں! بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے ۔ شہ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے

اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجۡعٰی ؕ﴿۸﴾ اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡہٰی ۙ﴿۹﴾ عَبۡدًا اِذَا

(اے غافل) یقیناً تمہارے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے۔ اے حبیب! آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے شہ ایک بندے کو جب

کے سوا ہی جس کے سینے کو چاہے انوار و تجلیات کی جلوہ گاہ بنا دیتا ہے اور بغیر کسی واسطہ کے اس کا دل علم کی روشنی سے بقعۂ نور بن جاتا ہے۔ تنکما علومہ بحاسۃ القارئ بواسطۃ الکتابۃ بالقلم یعلمک بدونہا

شہ انسان کو جو کچھ سکھایا ہے اللہ تعالیٰ نے ہی سکھایا ہے۔ سارے علوم و فنون، اسرار و معارف، اکتشافات و ایجادات اسی کے بیکراں علم کی نہریں ہیں۔ جتنا چاہتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ ابو البشر آدم علیہ السلام کو علم الاسماء کی تعلیم دی گئی۔ انبیائے کرام کے سینوں کو رشد و ہدایت کے نور سے اسی نے منور کیا۔ سابقہ آیت میں علّم فعل کا ذکر ہے مفعول کا ذکر نہیں کیا۔ یہاں فعل اور مفعول دونوں ذکر کیے تاکہ اس کی قدرت کے کمال پر دلالت کریں۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں والذی تشعر بہ الآیۃ تعالیٰ یعلمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من العلوم ما لا یحیط بہ العقول ما لا یخفٰی۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے علوم سکھاتا ہے کہ جن کا احاطہ عقلیں نہیں کر سکتیں۔ (روح المعانی)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں یحتمل ان یکون المراد بالانسان محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ... فاللہ سبحانہ علم نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بتلک الطرق الثلاث علوم الاولین والآخرین۔ (مظہری) یعنی ممکن ہے کہ اس آیت میں الانسان سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تین طریقوں سے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اولین و آخرین کے علوم سکھا دیے۔

شہ یہ آیات پہلی پانچ آیات کے نزول کے کافی دنوں بعد نازل ہوئیں۔ پہلے یہ بتایا کہ فطرت انسان کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ جب اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو جاتی ہے اور ایک طاقتور جتھا اس کا فرمانبردار بن جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اپنے رب سے بھی مستغنی سمجھنے لگتا ہے۔ گویا اس نے اپنے خالق سے ہر قسم کا تعلق توڑ لیا۔ اب اسے اس کی (العیاذ باللہ) کوئی ضرورت نہیں اور جب اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو وہ سرکشی اختیار کرتا ہے۔ نہ اسے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ اس کے بھیجے ہوئے رسول کے ارشادات کو وہ قابل اعتنا سمجھتا ہے۔ اس کے جی میں جو آتا ہے کر گزرتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ ہفت کشور کا سلطان بھی بن جائے اگر دنیا بھر کی دولت بھی وہ جمع کر لے تو وہ بھی ایک بے بس انسان ہے۔ جب اس کی موت کا وقت آئے گا تو فرشتۂ اجل اس کی اکڑی ہوئی گردن مروڑ کر رکھ دے گا اور آخر کار اسے اس کے پروردگار کے دربار میں جواب دہی کے لیے پیش ہونا پڑے گا۔ اس وقت اس کو اپنی ناتوانی اور بے نوائی کا احساس ہوگا۔

شہ اس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ابوجہل نے لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر اس

صَلّٰى ⑩ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰىٓ ⑪ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ⑫

نماز پڑھتا ہے۔ بھلا دیکھو تو اگر وہ (بندہ) ہدایت پر ہو ، یا پرہیزگاری کا حکم دیتا ہو (تو اس کو روکنا کتنا ستم ہے)

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ⑬ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ⑭

آپ نے دیکھا اگر اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی ۔ کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ⑮ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ

خبردار اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے گھسیٹیں گے اس کے پیشانی کے بالوں سے۔ وہ پیشانی جو جھوٹی (اور)

نے جو حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اعلان کیا کہ وہ حضور کی گردن کو روند دے گا اور آپ کے چہرہ کو خاک آلود کر دے گا (العیاذ باللہ)۔ علی رغمہ و لیعفرن وجہہ۔ ایک دن اس نے حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھا تاکہ اپنی قسم پوری کرے۔ جب اس بری نیت سے نزدیک پہنچا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کسی چیز کو پرے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پوچھا کیا ہوا، کیوں پیچھے ہٹ آئے ہو۔ کہنے لگا جب میں نزدیک ہوا تو مجھے ان کے درمیان اور اپنے درمیان ایک خندق دکھائی دی جو آگ سے بھری ہوئی ہے اور اس سے شعلے اٹھ رہے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا اگر وہ میرے نزدیک آنے کی جرأت کرتا تو فرشتے اس کا انگ انگ جدا کر دیتے۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ۃ اگر ابوجہل ہدایت قبول کر لیتا اور لوگوں کو بھی تلقین کرتا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں تو اس کے لیے کتنا اچھا ہوتا۔ اب جب اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ سیدنا نبی کریم کی تکذیب کی اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے روگردانی کر لی ہے تو کیا اب وہ عذاب الٰہی سے بچ سکتا ہے؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اس کے سارے کرتوتوں کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور اس کا یہ طریقہ ہے کہ اس قسم کے نابکار مجرموں کو وہ بڑے شدید عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ان آیات میں ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے:

یہاں اَرَءَيْتَ کا کلمہ تین مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ دوسرے اَرَءَيْتَ میں ضمیر خطاب دراصل ابوجہل ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اے ابوجہل تو جس بندے کو نماز سے منع کرتا ہے اگر وہ ہدایت پر ہو اور لوگوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہو تو پھر تمہارا انجام کیا ہوگا؟ وہ ہدایت یافتہ انسان جو تقویٰ کا نور پھیلانے میں کوشاں ہو اس کو ایسے نیک کام سے منع کرنے والا کیا غضب الٰہی سے بچ سکتا ہے؟

خَاطِئَةٍ ۚ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۙ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ ﴿١٨﴾ كَلَّا ۖ

خطا کار ہے۔ ۹؎ سو بلالے وہ اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لیے)، ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلالیں گے۔ ہاں ہاں!

۹؎ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک روز مقام ابراہیم پر نماز ادا کر رہے تھے کہ ابوجہل کا وہاں سے گزر ہوا اور گستاخانہ لہجہ میں کہنے لگا کیا میں نے تمہیں نماز پڑھنے سے روکا نہیں، تم پھر یہی کام کر رہے ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے جھڑک دیا، جواب میں ابوجہل بولا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تم مجھے کیونکر دھمکی دے سکتے ہو۔ اعوان و انصار کی اتنی جمعیت میرے پاس ہے بطحا کی ساری وادی میں اور کسی رئیس کے پاس نہیں۔ ایک آواز دوں تو ساری وادی میں تل دھرنے کے لیے بھی جگہ نہ رہے۔ اس وقت جبرئیل امین یہ آیات لے کر نازل ہوئے جن میں بتایا گیا کہ اگر یہ نابکار اپنی گستاخیوں سے باز نہ آیا تو ہم اس کو اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹیں گے۔ اور یہ پیشانی لوگوں کی نظروں میں تو کسی ایک رئیس کی پیشانی ہے، قریش کے ایک نامور سردار کی پیشانی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ ایک ایسے شخص کی پیشانی ہے جو جھوٹا ہے، جو خطا کار ہے۔ ایسے شخص کی پیشانی اس قابل ہے کہ اسے مٹی میں تر کر کے اور اسے خاک مذلت پر گھسیٹا جائے۔ اگر وہ اپنے ہم نشینوں، دوستوں اور مددگاروں کو بلائے گا تو ہم جہنم کے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس نابکار کی اور اس کے اعوان و انصار کی تکہ بوٹی کر دیں۔

زبانیہ۔ ملائکۃ العذاب موصوف الاصل الشرط ای الاعوان والانواع … الملک … واحدھم زبنیۃ۔ عذاب کے فرشتوں کو کہتے ہیں۔ اس کا اصل معنی پولیس ہے جو افسروں کی اعانت پر مقرر ہوتی ہیں۔ ملائکہ عذاب کو زبانیہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ مجرموں کو دھکے دے کر جہنم میں پھینکیں گے۔

ان آیات میں جو مشکل الفاظ ہیں ان کی تشریح بھی سن لیجئے!

لنسفعا: اصل میں لنسفعن ہے جو مضارع جمع متکلم کے آخر میں نون تاکید خفیفہ ہے لیکن قرآن کے رسم الخط کا اتباع کرتے ہوئے اسے لنسفعا کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ یہ سفع سے ماخوذ ہے۔ قال المبرد، السفع الجذب بشدۃ۔ کسی چیز کو زور کے ساتھ کھینچنا۔ وقیل، السفع الضرب۔ طمانچہ مارنا۔ وقیل ھو ماخوذ من سفعتہ النار والشمس اذا غیرت وجہہ الی سواد … آگ اور دھوپ کی وجہ سے جب کسی کے چہرے کی رنگت سیاہی مائل ہو جائے۔

ناصیۃ: شعر مقدم الراس۔ پیشانی پر جو بال ہوتے ہیں انہیں ناصیہ کہتے ہیں، یعنی ہم اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر اس کے منہ پر تھپیڑ رسید کریں گے اور اسے گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینک دیں گے۔ ناصیہ کا معنی تو پیشانی کے بال ہے لیکن اس سے سارا وجود اور پورا شخص بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں کاذبۃ خاطئۃ کا معنی یہ ہوگا کہ یہ نابکار سراسر جھوٹا اور خطا کار ہے۔

نادیہ: اہل مجلسہ وعشیرتہ۔ انسان کے ہم نشین اور اس کے قبیلہ والوں کو نادی کہتے ہیں۔

زبانیۃ: یہ جمع ہے۔ اس کے واحد کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ کسائی کا قول ہے کہ اس کا واحد زبنی ہے۔ اخفش کی رائے ہے کہ اس کا واحد زابن ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں زبنیۃ ہے۔ بعض نے زبانی بتایا ہے۔ بعض علمائے لغت کے نزدیک یہ اسم جمع ہے جیسے

لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ﴿١٩﴾

اس کی ایک نہ سنیے بلکہ حبیب! سجدہ کیجیے اور (ہم سے) اور قریب ہو جائیے

ابابیل اور عبادید۔ جن کی کثرت بہت سخت مزاج اہل عرب انہیں زبانیہ کہتے ہیں۔ قال الشاعر۔

مطاعیم فی القصوی مطاعین فی الوغی   زبانیۃ غلب عظام حلومها

ترجمہ۔ وہ لوگوں کو خوب کھانا کھلانے والے ہیں اور جنگ میں ان کی نیزہ زنی بہت سخت ہے ان کی گرفت بہت شدید ہے ان کی گردنیں موٹی ہیں اور ان کی عقلیں بہت بڑی ہیں۔ آیت میں اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اپنی جسامت کے لحاظ سے بڑے گرانڈیل اور بہ لحاظ اقتدار بڑے سخت اور کرخت ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اس بدبخت بدکار کی بات مت مانیے یہ اگر نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے تو اس کی پروا نہ کیجیے۔ آپ اپنے پروردگار کی جناب میں ہمیشہ سجدے کرتے رہیے اور کثرت سجود سے اس کا قرب حاصل کرتے رہیے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی۔ علیک بکثرۃ السجود فانک لا تسجد للہ تعالیٰ سجدۃ الا رفعک اللہ بها درجۃ وحط عنک بها خطیئۃ۔

اے ثوبان! کثرت سے سجدہ کیا کر کیونکہ جب تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ ہر سجدے کے ساتھ تیرا ایک درجہ بلند کرے گا اور تیری ایک خطا معاف کرے گا۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد۔ کہ بندہ اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب یہ آیت پڑھتے تو سجدۂ تلاوت ادا فرماتے۔

○

اللھم وفقنا ان نسجد لک ونقترب الیک یا ارحم الراحمین وصل وسلم وبارک علی حبیبک الکریم وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعہ الی یوم الدین۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورَۃُ القَدر

نام : اس کا نام القدر ہے۔ اس میں ایک رکوع، پانچ آیتیں، تیس کلمے اور ایک سو بارہ حروف ہیں۔

نزول : علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین رقمطراز ہیں کہ سورت کے نزول کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ابو حیان اندلسی نے اپنی تفسیر بحر محیط میں لکھتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے۔ علامہ واحدی کا قول ہے۔ یہ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی لیکن اکثر علماء تفسیر کا یہی قول ہے کہ یہ مکی ہے۔ پہلے قول کی تائید میں جو روایات ذکر کی جاتی ہیں وہ سند کے اعتبار سے قابل اعتبار نہیں۔ نیز سورت کا مضمون بھی دوسرے قول کی تائید کرتا ہے۔ اس سے پہلی سورت میں نزول قرآن کا ذکر تھا اس سورت میں اس رات کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے جسے یہ اعزاز نصیب ہوا۔

مضمون : قدر کا معنی تقدیر اور قسمت بھی ہے اور عزت و منزلت بھی۔ یہاں دونوں معنے لیے جاسکتے ہیں۔ بتایا کہ یہ معمولی رات نہیں بلکہ وہ رات ہے جس میں اللہ کے اس کلام معجز نظام کے نزول کی ابتدا ہوئی جو قسمت اور تقدیر کو بدلنے والا ہے کسی ایک شخص یا قبیلے یا ملک کی نہیں بلکہ نوع انسانی کے ان تمام افراد کی جو اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیتے ہیں۔ پھر اس میں کسی زمانہ کی تخصیص بھی نہیں۔ جس طرح اس رسول کی رسالت قید زمانی سے ماورا ہے۔ اسی طرح اس کا لایا ہوا کلام بھی ان زمانی حدود سے نا آشنا ہے۔ یا اس سے اس رات کی قدر و منزلت بیان فرمائی جا رہی ہے جس رات کی خاموشیوں میں یہ صحیفہ رشد و ہدایت نازل ہوا اور اس ذات اقدس و اطہر کو منصب نبوت پر فائز کیا گیا۔ بتا دیا کہ اس رات کی عبادت و برکت ہزار ماہ کی عبادت سے برتر ہیں۔ ساری رات فرشتوں کی آمد اور رحمتوں کے نزول کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور سلامتی کی بشارتیں دی جاتی رہتی ہیں۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۱۰-۴-۰۷

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ هِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۃ القدر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس کی پانچ آیتیں ہیں

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَیْلَةُ

بیشک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں۔ اور آپ کچھ جانتے ہیں کہ شب قدر کیا ہے۔ شب

الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا

قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح القدس اس میں

۱؎ اگرچہ یہاں قرآن حکیم کا صراحۃً ذکر نہیں لیکن انزلناہ کی ضمیر منصوب کا مرجع بالاتفاق قرآن حکیم ہی ہے۔ فرمایا قرآن کسی فرشتہ یا کسی انسان کا کلام نہیں۔ نہ ان میں سے کسی ایک کی یا مجموعی کی تصنیف ہے۔ اس کو اتارنے والے ہم ہیں یہ ہمارا کلام ہے۔ اس میں کسی غیر کے اختراع کا کوئی وجود نہیں۔ اور ہم نے اس کو اس رات میں اتارا ہے جو قدر و منزلت کے اعتبار سے بے مثل رات ہے یا اس رات میں اتارا جو تقدیر ساز ہے۔ جس کی برکت سے صرف اہل مکہ اور ساکنان جزیرہ عرب کے مقدر کا ستارہ ہی طلوع نہیں ہوا بلکہ ساری انسانیت کا بخت خفتہ بیدار ہو گیا۔ اس رات میں وہ کتاب نازل ہوئی جس نے بنی نوع انسان کو اپنی پہچان اور اپنے خالق کا عرفان عطا فرمایا۔

[illegible] سمیت بها للعظمة والشرف ۔ [illegible] علامہ قرطبی نے اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یوں بیان کی ہے قیل سمیت بذلک لانه انزل فیها کتابا ذا قدر علی رسول ذی قدر علی امة ذات قدر یعنی اسے شب قدر اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک بڑی قدر و منزلت والی کتاب بڑی قدر و منزلت والے رسول پر اور بڑی قدر و منزلت والی امت کے لیے نازل فرمائی۔ اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کی عمروں کو مختصر پایا اور خیال ہوا کہ وہ مختصر عمر میں اتنے اعمال صالحہ نہ کر سکیں گے جتنے پہلی امتوں نے اپنی طویل عمروں میں کیے ہیں۔ فاعطاه الله لیلة القدر خیر من الف شهر (مظہری) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو لیلۃ القدر عطا فرمائی جو ہزار مہینہ سے بہتر ہے۔

۲؎ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مخاطب فرمایا اب اس کی جلالت شان کا بیان ہو رہا ہے۔ خود ہی سوال کیا اور خود ہی جواب دیا۔ فرمایا کیا تم جانتے ہو لیلۃ القدر کیا ہے؟ خود ہی جواب دیا کہ یہ ایک رات ایک ہزار ماہ سے بھی افضل ہے۔ یہ بہتری اور افضلیت کس اعتبار سے ہے۔ اکثر مفسرین کا یہ قول ہے العمل فیها خیر من العمل فی الف شهر لیس فیها لیلة القدر کہ اس ایک رات میں جو عمل کیا جاتا ہے وہ ایک ہزار ماہ کے عمل سے بہتر ہے جس میں لیلۃ القدر نہ ہو۔ علامہ قرطبی نے اپنے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ [illegible] کہ اس رات میں اتنی خیر کثیر تقسیم کی جاتی ہے جتنی ایک ہزار مہینے میں بھی تقسیم نہیں ہوتی اور یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ انسان کی اصلاح اور فلاح کے لیے جو کام اللہ تعالیٰ نے اس ایک رات میں کیا وہ ہزار مہینوں کی کوششوں سے بھی بہتر

اور افضل ہے۔

رہی یہ بات کہ یہ رات کس مہینہ کی ہے اور کس تاریخ کو آتی ہے۔ مہینہ کا فیصلہ تو خود قرآن کریم نے کر دیا کہ قرآن کا نزول رمضان میں ہوا۔ ثابت ہو گیا کہ یہ رات ماہ رمضان ہی کی کوئی رات ہے۔ تاریخ کے تعین کے بارے میں علماء کا بڑا اختلاف ہے۔ چالیس کے قریب اقوال مذکور ہیں۔ لیکن بخاری کی صحیح حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ تحروا لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان کہ رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رمضان شریف کی ستائیسویں رات لیلۃ القدر ہے۔ حضرت ابی بن کعب تو اس پر قسم بھی کھایا کرتے تھے۔

اس کو متعین نہ فرمانے میں بھی کئی حکمتیں ہیں تاکہ مسلمان اس رات کی تلاش میں زیادہ نہیں تو کم از کم پانچ طاق راتیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں گزاریں۔ اگر رات متعین کر دی جاتی تو لوگ صرف اسی رات کو ہی جاگتے اور عبادت کرتے۔ نیز اس رات کو اگر مقرر کر دیا جاتا تو اسے ذکر و عبادت میں گزارنے والے تو اجر عظیم کے مستحق قرار پاتے لیکن اسے گناہوں میں صرف کرنے والے بھی سنگین سزاؤں میں مبتلا کیے جاتے کیونکہ انہوں نے شب قدر کو پہچانتے ہوئے اسے خدا کی نافرمانی میں ضائع کیا۔ اس لیے رحمت کا تقاضا یہی ہے کہ اسے مستور رکھا جائے تاکہ اگر کوئی بدنصیب بے خبری میں اس رات کو گناہوں کی بھینٹ چڑھا دے تو اسے گناہ ایک عام رات کا ملے اور جاگنے والے زیادہ راتیں جاگتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو رات اپنے محبوب حقیقی کی یاد میں بسر ہوتی ہے اہل عشق کے لیے وہ بھی لیلۃ القدر ہے۔ عارف ربانی حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ کا یہ شعر کتنا پیارا ہے۔

وکل اللیالی لیلۃ القدر ان دنت — کما کل ایام اللقاء یوم جمعۃ

ترجمہ: اگر محبوب کا قرب نصیب ہو جائے تو ساری راتیں لیلۃ القدر ہیں جس طرح اس کی ملاقات کا ہر دن جمعہ کا مبارک دن ہے۔

۳۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا کان لیلۃ القدر نزل جبرائیل فی کبکبۃ من الملائکۃ یصلون علی کل عبد قائم او قاعد یذکر اللہ عزوجل یعنی لیلۃ القدر کو جبرئیل فرشتوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں اور ملائکہ کا یہ گروہ ہر اس بندے کے لیے دعائے مغفرت اور التجائے رحمت کرتا ہے جو کھڑے ہوئے یا بیٹھے ہوئے اللہ عزوجل کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان سے مصافحہ بھی کرتے ہیں۔

کتنا خوش نصیب اور بلند اقبال ہے وہ بندہ جو اس رات کو اپنے پروردگار کی یاد میں بسر کرتا ہے۔ جبرئیل اور فرشتے اس کے ساتھ مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کرنے کے لیے آسمان سے اتر کر اس کے پاس آتے ہیں اور اس کی مغفرت و بخشش کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔

حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رمضان شریف کے آخری عشرہ کے لیے خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ کا ارشاد ہے کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا دخل العشر شد مئزرہ واحیا لیلہ وایقظ اہلہ (متفق علیہ) یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب یہ آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ تہبند کس کر باندھ لیتے۔ راتوں کو ذکر الٰہی سے زندہ کرتے اور اپنے اہل و عیال کو بھی عبادت

بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

اپنے رب کے حکم سے ہر امر (خیر) کے لیے۔ یہ سراسر (امن و) سلامتی ہے۔ یہ رات رہتی ہے طلوع فجر تک۔

کے لیے جاگتے۔

حضرت عائشہ ہی کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جتنا مجاہدہ اس آخری عشرہ میں فرماتے کسی دوسرے وقت میں ایسا مجاہدہ نہ کرتے۔

اس آخری عشرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعتکاف بھی بیٹھا کرتے تھے اور یہ معمول آخر تک جاری رہا اور اپنے غلاموں کو بھی اعتکاف بیٹھنے کی ترغیب دلاتے۔ حضور کے وصال کے بعد امہات المومنین بھی اپنے آقا کی اس سنت پر پابندی سے عمل کیا کرتیں۔

آیت میں الروح سے مراد جبرئیل امین ہے۔ ان کی جلالت شان کے پیش نظر خصوصیت سے ان کا ذکر کیا گیا۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ الروح فرشتوں کی ایک صنف ہے جو تمام فرشتوں سے زیادہ لطیف ہے۔ جس طرح ہم فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے تمام فرشتے اس صنف کو اس کی حد درجہ لطافت کے باعث نہیں دیکھ سکتے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ الروح کا معنی رحمت ہے۔ یعنی فرشتوں کا وہ گروہ جو جبرئیل کی قیادت میں اس رات زمین پر اترتا ہے اپنے ساتھ رحمت خداوندی کے بے اندازہ خزانے لے کر آتا ہے۔

ؒ یعنی فرشتوں کا یہ نزول از خود نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور اس کے مشارق و مغارب کو پھر لگاؤ جہاں کہیں میرے محبوب کا کوئی امتی میرے ذکر کی شمع روشن کرکے بیٹھا ہے اس کے پاس پہنچو اور اس کو ہماری طرف سے مژدہ رحمت سناؤ اس سے مصافحہ کرو اور اس کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگو۔ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کے محبوب کی اور اس کے طفیل کیا شان ہے اس کے غلاموں کی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس مقام پر لکھتے ہیں: "یعنی فرود می آیند ملائکہ از آسمانہا و ارواح از مقام علیین درآں شب برائے ملاقات اہل کمال واقتباس انوار اعمال بنی آدم و تلذذ بادراک کیفیات کہ در نفوس ایشاں بنسبت محبوب و معبود خود حاصل شدہ است۔"

ترجمہ: یعنی آسمان سے اس رات فرشتے اترتے ہیں اور علیین سے روحیں نازل ہوتی ہیں تاکہ با کمال انسانوں کے ساتھ ملاقات کریں اور ان کے اعمال کے انوار سے روشنی حاصل کریں اور اپنے محبوب اور معبود کی محبت کا جو جذبہ ان کے سینوں میں جوش مار رہا ہے اس کی لذت سے بہرہ ور ہوں۔

ؒ علامہ آلوسی نے لکھا ہے کل امر سے وہ تمام امور مراد ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک سال تک فیصلہ کر دیا ہے۔

ؒ یعنی یہ رات امن و سلامتی کی رات ہے۔ نفس و شیطان کی وسوسہ اندازیاں عابدوں کو پریشان نہیں کرتیں۔ بڑی جمعیت خاطر کے ساتھ وہ اپنے رب سے لو لگائے رہتے ہیں اور اس کے ذکر سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں اور یہ تروح پرور اور ایمان افروز کیفیت دلت طلوع صبح کے طلوع ہونے تک جاری رہتی ہے۔ بعض علماء نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ ملائکہ وارواح دراں شب بر جمیع مومناں سلام می گویند و با اہل کمال مصافحہ می نمایند پس ایں آیت بیان کیفیت ملاقات آنہا است بعد از بیان نزول آنہا۔"

یعنی فرشتوں کے زمین پر اُترنے کے بیان کے بعد اب ان کی ملاقات کی کیفیت ذکر کی جا رہی ہے کہ وہ اس رات کو تمام اہلِ ایمان کو سلام پیش کرتے ہیں اور اہلِ کمال سے مصافحہ کرتے ہیں۔ (عزیزی)

اس رات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔

انسان کو چاہیے کہ پوری سرگرمی سے اس رات کی تلاش کرے۔ غفلت اور کاہلی سے کام نہ لے۔ ذوق و شوق سے رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں کو بیدار رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے گزارے۔ سب دعا مانگے تو ایسی جامع دعا مانگے کہ پھر کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ لیلۃ القدر نصیب ہو تو کیا دعا مانگوں؟ حضور نے فرمایا یوں دعا کرو۔

اللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي

اے اللہ تعالیٰ تو بہت درگزر فرمانے والا ہے تو درگزر کو بہت پسند کرتا ہے میرے گناہوں سے بھی درگزر فرما۔

اس رات کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشادِ گرامی بھی پیشِ نظر ہے:

من قام ليلة القدر إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه

یعنی جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور حصولِ ثواب کے لیے قیام کرتا ہے اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

○

واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين
اللهم صل وسلم وبارك على خاتم الانبياء وسيد المرسلين شفيع المذنبين
رحمة للعالمين وعلى آله واصحابه ومن تبعه باحسان الى يوم الدين

○

تعارف

سُورۃ البیّنہ

نام: اس کا نام سورۃ "البیّنۃ" اور سورۃ "لم یکن" دونوں بتائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، چورانوے کلمے اور تین سو ننانوے حروف ہیں۔

نزول: اس کے نزول کے بارے میں بھی علماء کے دو قول ہیں۔ علامہ ابوحیان اندلسی کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ مکی ہے۔ ان کے برعکس ابن الزبیر، عطاء، ابن یسار اور ابن عطیہ کی رائے ہے کہ یہ مدنی ہے۔ اس کو بھی جمہور کا قول کہا گیا ہے۔ ایک صحیح روایت سے اس دوسرے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ امام احمد، طبرانی اور ابن مردویہ نے ابی خیثمہ البدری سے روایت کیا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو جبرائیل نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ابی ابن کعب کو پڑھ کر سنائیے۔ حضور نے ابی کو جب یہ بات بتائی تو انہوں نے از راہ حیرت عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اس بندے کو وہاں بھی یاد فرمایا جاتا ہے؟ حضور نے فرمایا: بے شک۔ ابی اپنی یہ عزت افزائی دیکھ کر رو پڑے۔ علامہ آلوسی یہ روایت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:
"ھذا اتفق الاصح" یہی زیادہ صحیح ہے۔ مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کا ذکر بھی اسی قول کی تائید کرتا ہے۔

مضامین: سورۃ العلق میں نزول کتاب، "القدر" میں اس رات کی قدر و منزلت اور اس سورت میں رسالت کی ضرورت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ مشرک اور اہل کتاب اس وقت تک اپنے باطل عقائد سے دستبردار نہیں ہوں گے جب تک ایسا رسول تشریف نہ لے آئے جس کی ذات اور جس کا کردار اس کی دعوت کی صداقت کی روشن دلیل ہو۔ پھر بتایا کہ اہل کتاب کا راہ حق سے انحراف اس وجہ سے نہ تھا کہ ان کے پاس کوئی آسمانی صحیفہ نہیں آیا تھا یا ان کی طرف کوئی رسول مبعوث نہیں کیا گیا تھا، بلکہ یہ لوگ محض ذاتی اغراض اور شخصی مفاد کی وجہ سے حق کو چھوڑ گئے۔

پھر اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ سب نبی اور رسول ایک ہی دین کی دعوت دینے کے لیے مبعوث کیے جاتے رہے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پورے خلوص اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت، نماز کی اقامت اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم رہو۔ جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا اور اس پر عمل کرنے سے گریزاں رہے وہ بدترین خلائق ہیں لیکن جن خوش نصیبوں نے اس دعوت کو صمیم قلب سے قبول کیا اور خلوص سے اس کی ہدایات پر عمل پیرا رہے وہ تمام مخلوق سے اعلیٰ و ارفع ہیں۔ جنت کی بشارت کے ساتھ انہیں یہ مژدہ جانفزا بھی سنایا جا رہا ہے کہ انہوں نے اپنے رب سے ترساں لرزاں جس طرح اپنی زندگی گزاری اس کے عوض انہیں اس منصب رفیع پر فائز کیا جائے گا جہاں خداوند ذوالجلال ان سے اور وہ اپنے خداوند کریم سے راضی ہوں گے۔

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ البینۃ مدنی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں آٹھ آیات ہیں

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

جن لوگوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا (۱) اور مشرکین (کفر سے)

مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا

باز آنے والے نہ تھے جب تک نہ آجاتی ان کے پاس ایک روشن دلیل۔ یعنی ایک رسول اللہ کی طرف سے جو پڑھ کر سناتے

۱۔ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کے باشندے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جو سرے سے کسی نبی پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ ان کے پاس کوئی آسمانی صحیفہ تھا۔ ان میں سے کوئی بتوں کی پوجا میں مگن تھا کوئی کواکب کی عبادت میں کھویا ہوا اور کوئی آگ کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھا۔ ان کے عقائد میں شدید اختلافات کے باوجود شرک قدرِ مشترک تھا۔

دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو کسی نبی کے امتی ہونے کے دعویدار تھے۔ ان کے پاس کوئی نہ کوئی آسمانی کتاب بھی تھی لیکن مرورِ زمانہ سے وہ بھی کامل گمراہی میں پھنس چکے تھے۔ ان کے آسمانی صحیفے تحریف کی نذر ہو چکے تھے۔ ان کے اعمال و عقائد میں واضح بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ انبیاء کی تعلیمات سے انہوں نے منہ موڑ لیا تھا اور خود ساختہ معتقدات کو اپنا دین بنا لیا تھا۔ ان کا بگاڑ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ کوئی حضرت عزیر کو فرزندِ خداوندی کوئی سیدنا مسیح کو خدا کا بیٹا یقین کرتا تھا۔ اگرچہ شرک میں یہ لوگ بھی دیگر مشرکین سے پیچھے نہ تھے لیکن قرآن کریم نے ان دو گروہوں کو ہمیشہ الگ الگ ناموں سے یاد کیا ہے۔ پہلے گروہ کو مشرک کہا گیا اور دوسرے گروہ کو اہل کتاب۔ اس لیے کہ دوسرا گروہ اپنے آپ کو ایک ایسے دین کا پیرو کہلاتا ہے جو بنیادی طور پر دین توحید ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے انہیں مشرکین کے لفظ سے یاد نہیں کیا۔ شرعی احکام میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھا گیا۔ مشرکین کا ذبیحہ بھی حرام اور ان کی عورتوں کے ساتھ شادی بھی قطعاً ممنوع۔ اس کے برعکس اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی بھی اجازت ہے اور ان کا ذبیحہ بھی حلال ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کریں اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ذبح کریں۔

مذکورہ آیت میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ان دونوں گروہوں میں کفر و شرک کی اتنا راسخ ہو چکا ہے کہ اب دور سے دور جیسی کوشش انہیں اس دلدل سے نہیں نکال سکتی۔ کوئی عالم، کوئی زاہد، کوئی مصلح اب ان کو راہِ راست پر نہیں چلا سکتا۔ جن تاریکیوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا ہے کوئی معمولی روشنی اس محاصرہ کو نہیں توڑ سکتی۔ ان کی ہدایت کے لیے تو کسی ایسی قوی اور تابندہ دلیل کی ضرورت ہے جس کی کرنیں تاریکیوں کا سینہ چاک کر کے رکھ دیں اور شرک و شبہات کے غبار کو یکسر نابود کر دیں۔ طلوعِ آفتاب سے جس طرح زمین کا گوشہ گوشہ چمک اٹھتا ہے ہدایت کا کوئی ایسا آفتاب طلوع ہو جو ان کے قلب و اذہان کے کونے کونے میں اجالا کر دے۔

منفکین ۔ الانفکاک ۔ ہے کسی چیز کا کسی چیز سے الگ ہو جانا۔ جدا ہو جانا۔ البینۃ ۔ روشن دلیل جو حق کو واضح کر دے۔

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا

پاک صحیفے جن میں لکھی ہوئی ہوں اور درست باتیں اور نہیں بٹے فرقوں میں اہل

الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝٤ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا

کتاب مگر اس کے بعد کہ آگئی ان کے پاس روشن دلیل حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر

۲ — اس دوسری آیت میں بتا دیا کہ وہ البینۃ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رسالت کے منصب پر فائز کر کے گمراہوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ قال الزجاج رسول رفع علی البدل من البینۃ (قرطبی) رسول مرفوع ہے کیونکہ یہ البینۃ کا بدل ہے۔

یہ رسول روشنی اور ہدایت کا وہ بلند مینار ہے جس کی تابندہ شعاعوں سے عالم انسانیت کے نشیب و فراز جگمگا رہے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ وہ ایسی کتاب کی تلاوت فرماتا ہے جو ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔ دوسری مذہبی کتابوں کی طرح اس میں شرف انسانیت سے گری ہوئی کوئی بات نہیں، عقل سلیم کو سر پیٹنے والی کوئی حکایت نہیں۔ اخلاق باختگی کی طرف بلانے والی کوئی دعوت نہیں ہے۔ ہر عیب سے وہ پاک ہے، ہر نقص سے وہ منزہ ہے۔

۳ — ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں صرف ایسے احکام و ہدایات ہیں جو سراسر حق اور درست ہیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کتابیں یہاں کتب سے مراد احکام ہیں۔ ای الکتب ھنا بمعنی الاحکام (قرطبی) قیمۃ ای مستقیمۃ مستویۃ محکمۃ (قرطبی) یعنی راست درست اور محکم۔ حضور کی ذات اقدس جملہ انسانی کمالات کی مظہر اتم تھی۔ حضور کے اخلاق، سیرت اور اعمال ہر آلائش سے پاک تھے۔ [illegible] دیکھ لینے سے حضور کی صداقت کا یقین دلوں میں پیدا ہو جاتا تھا۔ پھر جو کتاب مقدس آپ پڑھ کر سناتے تھے اس کا ہر جملہ سراپا اعجاز تھا۔ جو نظام حیات اس کتاب نے انسانیت کو بخشا وہ اپنی افادیت، اپنی ظاہری و باطنی برکتوں کے اعتبار سے لاثانی ہے۔ جب ہدایت کے یہ تمام سامان بہم ہو جائیں تو پھر ہدایت پذیری میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی بجز اس کے کہ انسان کو اس کی بدبختی اس چشمہ فیض سے سیراب ہونے سے محروم کر دے۔

۴ — یہود و نصاریٰ بے شمار فرقوں میں بٹ چکے تھے۔ ہر فرقہ اپنے آپ کو ہی اپنے دین کا ٹھیکیدار یقین کرتا تھا۔ باقی تمام فرقے اس کے نزدیک گمراہ اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے اور دوزخ کا ایندھن تھے۔ ان میں مذہبی تنگ نظری کے باعث باہمی جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہتا جس کو [illegible] سروں پر [illegible] کشتوں کے پشتے لگ گئے اور خون کے دریا بہا دیئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کی یہ فرقہ بازیاں اور تشتت و افتراق جہالت اور بے علمی کا نتیجہ نہیں بلکہ بدبختوں نے اس وقت فرقہ بازی کی آگ بھڑکائی جب حق کو کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔ دلائل و براہین نے حق و باطل کو ممتاز کر دیا تھا۔ محض اپنے ذاتی مفادات اور جھوٹی انا کی قربان گاہ پر اپنے دین اور ملی اتحاد کو بھینٹ چڑھا دیا۔ بعض علمائے تفسیر نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ یہاں بھی البینۃ سے مراد حضور کی ذات بابرکات ہے۔ حضور کی تشریف آوری سے

لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے ۔ بالکل یکسو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز

وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اور ادا کرتے رہیں زکوٰۃ اور یہی نہایت سچا دین ہے ۔ بے شک جنہوں نے کفر کیا

پہلے جملہ اہل کتاب حضور کے لیے چشم براہ تھے بڑی بے چینی سے انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے جب کفار کے ساتھ برسر پیکار ہوتے تو رسول خاتم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسم پاک کا وسیلہ پکڑ کر حضور سے فتح حاصل کرنے کی دعا مانگا کرتے ۔ لیکن جب وہ ہادی برحق تشریف لے آیا تو ان کے تیور بدل گئے ۔ حسد و عناد کے شعلے بھڑک اٹھے اور حضور پر ایمان لانے سے انہوں نے انکار کر دیا ۔ اپنی آسمانی کتب میں آخر الزمان نبی کی بیان کردہ نشانیاں حضور میں مشاہدہ کرلینے کے باوجود حضور کو جھٹلانے پر کمربستہ ہو گئے ۔ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۔ (البقرہ : ۸۹) (مظہری، قرطبی وغیرہ) اہل کتاب حضور کے وسیلہ سے کفار پر فتح طلب کیا کرتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئے تو انہوں نے نہ پہچانا ۔ حضور کے ساتھ کفر کرنا شروع کر دیا ۔

ف وہ قومیں جو آج گوناگوں شرک میں مبتلا ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی قوم نہیں جس کو اس کے نبی یا رسول نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کا حکم نہ دیا ہو اور غیر اللہ کی عبادت کو ضلالت و گمراہی نہ کہا ہو ۔ ان انبیاء نے انہیں یہی تلقین کی کہ اپنے عقائد کو شرک و کفر کی ہر آلائش سے پاک صاف رکھیں ۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے عقیدہ پر مضبوطی سے جم جائیں ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس عقیدۂ توحید کی انہیں دعوت دی ہے یہ کوئی نئی دعوت نہیں ۔ پہلے انبیاء و رسل نے بھی اپنی اپنی قوموں کو یہی درس دیا اور اس پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی ۔ ہر باطل سے منہ موڑ کر جو شخص صرف حق کی طرف متوجہ ہو جائے تو اسے حنیف کہتے ہیں ۔ حُنَفَاءَ اس کی جمع ہے یعنی انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ ان کے گرد و پیش باطل اپنی مختلف شکلوں میں موجود ہے ۔ ہر باطل سے منہ موڑ کر پوری یکسوئی کے ساتھ حق کی طرف متوجہ ہو جائیں ۔ عقیدہ کی اصلاح کے ساتھ ساتھ انہیں عبادات نماز ، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کا بھی بار بار حکم دیا گیا ۔ حق پرستی اور راست بازی کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ حضور کی دعوت کو قبول کرلیں اور اس بارگاہ حق کے حضور جھک کر اپنا سر نیاز جھکا دیں ۔

ف یہی دین سچا اور صحیح دین ہو سکتا ہے جس میں اصلاح عقائد و اصلاح اعمال کا جامع نظام موجود ہو ۔ اسلام کے علاوہ کہیں بھی انہیں عقائد و اعمال کا یہ حسین امتزاج نظر نہیں آئے گا ۔ القیمة کے بارے میں کئی اقوال ہیں ۔ القیمة صفت ہے ۔ اس کا موصوف الملة محذوف ہے عبارت یوں ہے ذالک دین الملة القیمة یعنی ایک راست رو امت کا دین ہے ۔ دوسرا قول یہ ہے جو زیادہ واضح اور پسندیدہ ہے القیمة کے آخر میں تا تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کی ہے جیسے علامہ میں ۔ اور دین جو موصوف ہے اس کو صفت کی طرف مضاف کر دیا گیا ۔ القیمة القائم لاعوج فیہا ۔ جس میں کوئی کجی نہ ہو یعنی ادیان برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ دین ایسا دین ہے جس میں کوئی کجی نہیں کوئی خامی نہیں اور کوئی کمی نہیں ۔

اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَالۡمُشۡرِكِیۡنَ فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ اُولٰٓئِكَ

اہل کتاب سے (ہوں) اور مشرکین آتش جہنم میں ہوں گے (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی لوگ

هُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّةِ ؕ۶ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

بدترین مخلوق ہیں ف (اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے،

اُولٰٓئِكَ هُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّةِ ؕ۷ جَزَآؤُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتُ

وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں ف ان کی جزا ان کے پروردگار کے پاس ہمیشگی کی جنتیں

عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ

ہیں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ ان میں تا ابد رہیں گے ف اللہ تعالیٰ ان

ف آفتاب ہدایت ضو فشاں ہے، صحیفۂ رشد و ہدایت ان کے سامنے ایسا نظام حیات پیش کر رہا ہے جو ان کی جسمانی اور روحانی نشو و نما اور ان کی دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن ہے۔ جو لوگ اب بھی اس کا انکار کرتے ہیں، جواب میں ایک کوڑی کو بھی ... سمجھ کر نہیں یقیناً وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔ وہ اسی لائق ہیں کہ انہیں دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے۔ وہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں۔ یہ لوگ کسی رعایت اور رحم کے مستحق نہیں۔

ف ان کے برعکس جو لوگ راستے کی صعوبتوں کو خاطر میں نہیں لاتے، آگے بڑھ کر اس رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لے آتے ہیں اور آپ کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں، یہی نفوس قدسیہ فخر روزگار ہیں اور انسانیت کی آبرو ہیں۔ کائنات کی کوئی چیز ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ان کا دل پاک، نگاہیں پاک، نیت پاک، عزم بلند، شوق فراواں اور منزل اونچی، اتنی اونچی کہ کوئی نوری فرشتہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا۔

ف بہشت کے سایہ دار باغات، انہی کے لیے سرسبز ہیں۔ وہاں بہنے والی ندیاں، انہی کے شوق دید میں گرم سیر ہیں۔ وہاں کا ہر پھول مہکتا، ان کی محبت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ وہ وہاں رہیں گے، تا ابد وہاں رہیں گے۔ جنت کی ساری رونقیں ان کے دم قدم سے ہیں۔ یہ وہاں نہ رہیں تو شگفتگیاں اداسیوں میں بدل جائیں، بہاریں بھی روٹھ جائیں۔

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝۸

سے راضی اور وہ اس سے راضی سلہ یہ سعادت اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے سلہ

سلہ جنت اور اس کی وسعت انگیز اور سنہری سے بھی ایک اعلیٰ ترین انعام انہیں بخشا جائے گا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو جائے گا۔ یہ رضا و خوشنودی یکطرفہ نہیں، دو طرفہ ہو گی۔ ان کا پروردگار ان کی محبت اور نیاز مندی کو دیکھ کر ان پر راضی ہو جائے گا اور وہ نیاز مند اپنے کریم رب کی بے پایاں عنایات سے بہرہ ور ہو کر اس سے راضی ہو جائیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو پکاریں گے یا اہل الجنۃ۔ وہ جواب عرض کریں گے لبیک ربنا وسعدیک والخیر کلہ فی یدیک۔ اے ہمارے پروردگار ہم حاضر ہیں۔ ساری سعادتیں اور بھلائیاں تیرے دست قدرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ دریافت کریں گے کہ اب تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم تجھ پر راضی کیوں نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں ایسی نعمتوں سے سرفراز کیا ہے جو کسی مخلوق کو نصیب نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں اس سے بھی ایک اعلیٰ انعام تمہیں عطا نہ کروں؟ وہ کہیں گے الٰہی! اس سے افضل اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں تمہیں اپنی رضا اور خوشنودی سے اس طرح سرفراز کر دوں کہ اس کے بعد میری ناراضگی کا تمہیں کوئی اندیشہ نہ رہے۔ (متفق علیہ)

سلہ یہ مقام بلند اور منصب رفیع ہر ایک کو نہیں بخشا جاتا۔ صرف آرزو ہی کرنے والوں کو اس پر فائز نہیں کیا جاتا۔ یہ شرف ان سعادت مندوں کا حصہ ہے جو زندگی بھر اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس کی حکم عدولی کی انہیں جرأت ہی نہیں ہوتی۔ اگر بھول سے لغزش ہو جائے تو خوف اور ندامت کے باعث رو رو کر آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو محبت کی خلعت فاخرہ پہنائی جاتی ہے۔

چوں تمام افتد سراپا ناز می گردد نیاز　　قیس را لیلیٰ ہمی نامند در صحرائے ما

○

اللھم اجعلنا منھم ومعھم وانت اکرم المسئولین۔ فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

مسکیں بکرم عرضہ کند۔ اے بجناب حشاق آنجوش
گر من از ایں شاں نیستم در کار ایشاں کن مرا

اللھم صل وسلم وبارک علی حبیبک الاکرم محبوبک الکرم صاحب الوجہ الجمیل والمقال الاسیل والطرف الکحیل وعلیٰ اٰلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء امتہ۔ وعلیٰ سائر محبیہ الیٰ یوم الدین

شاعر سے معذرت کے ساتھ۔ اصل الفاظ ہیں: مسکیں حسن بے گوید اے الخ

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سورۃ الزلزال

نام : اسے سورۂ "اذا زلزلت" اور سورت "زلزال" بھی کہتے ہیں۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں ۳۵ کلمے اور ایک سو انتالیس حروف ہیں۔

نزول : اس کے نزول کے بارے میں بھی علماء کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباس مجاہد اور عطاء کے نزدیک یہ مکی ہے۔ قتادہ اور مقاتل نے اسے مدنی بتایا ہے لیکن سورت کے مضامین میں غور کیا جائے تو پہلے قول کی تائید ہوتی ہے۔

مضامین : خدا فراموش انسان بڑی بے باکی اور بے حیائی سے زمین کے گوشے گوشے کو اپنے گناہوں سے داغدار کرتا رہتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ یہ درخت یا یہ خاک کے ذرے گونگے بہرے ہیں۔ انہیں اس کے کرتوتوں کا احساس تک نہیں لیکن یہ اس کی نادانی ہے۔ جب قیامت کے جھٹکوں سے کرۂ زمین پھٹ جائے گا، اس میں چھپی ہوئی سب چیزیں آشکارا ہو جائیں گی۔ اس وقت زمین کے وہ درخت جن کی گھنی چھاؤں میں وہ داد عیش دیتا رہا اور وہ چٹانیں جن کی اوٹ میں وہ گناہوں کی بزم آباد کرتا رہا وہ چشم دید گواہوں کی طرح گویا ہو جائیں گے اور اس کے اعمال کا کچا چٹھا کھول کر سامنے رکھ دیں گے۔ اس وقت اس کی آنکھ کھلے گی لیکن بے سود!

اس وقت لوگ گروہ در گروہ پیش کیے جائیں گے۔ ہر شخص کی ہر چھوٹی بڑی نیکی کا اجر اسے ملے گا۔ اسی طرح ہر شخص کی ہر چھوٹی بڑی برائی کا نتیجہ بھی اسے دیکھنا پڑے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۱۰-۴-۷۷

سُورَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

سورۃ الزلزال مدنی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں آٹھ آیات ہیں

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾

جب تھرتھرا دی جائے گی زمین پوری شدت سے ۱ اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھ (یعنی دفینوں) کو ۲

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ

اور انسان (حیران ہو کر) کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ۳ اس روز وہ بیان کر دے گی اپنے سارے حالات ۴ کیونکہ

۱ زور زور کے جھٹکے جو بار بار آئیں انہیں زلزلہ کہا جاتا ہے۔ امام راغب لکھتے ہیں التزلزل، الاضطراب وتکریر حروف لفظہ تنبیہ علی تکریر معنی الزلل۔ (مفردات)۔ یعنی تزلزل، مضطرب ہونے کو کہتے ہیں اور حروف کا تکرار جھٹکوں کے تکرار پر دلالت کرتا ہے۔ زلزالہا تاکید اور شدت و قوت کے اظہار کے لیے ہے یعنی جب زمین زوردار جھٹکوں کے باعث پوری قوت کے ساتھ تھرتھرانے لگے گی۔

بعض علماء کے نزدیک اس سے پہلا وہ زلزلہ ہے جو قرب قیامت کے وقت آئے گا۔ اس کے باعث پہاڑ جیسے ریزہ ریزہ اور بڑے بڑے محلات اور سنگین قلعے ریزہ ریزہ ہو کر پیوند زمین ہو جائیں گے اور بعض کا خیال ہے کہ نفخۂ ثانیہ کے وقت زمین جو لرزے گی یہاں اس دوسرے زلزلہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعد والی آیت اس کو ترجیح دیتی ہے۔

۲ نفخۂ ثانیہ کے وقت جب زلزلہ آئے گا تو زمین کے بطن میں جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ اسے نکال کر باہر پھینک دے گی۔ سارے مُردے جو اس میں دفن ہوتے رہے وہ جس حالت میں ہوں گے، باہر نکل آئیں گے۔ اگر ان کے ذرے منتشر ہو کر زمین کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہوں گے تو ان کو بھی یکجا کر دیا جائے گا۔ سونا، چاندی، جتنے خزانے اور ذخائر اس میں مستور ہوں گے، سب ظاہر ہو جائیں گے۔

۳ انسان سے مراد یہاں وہ انسان ہے جو قیامت کا شدت سے انکار کیا کرتا تھا۔ اور دلائل سن لینے کے باوجود اس کا دل اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ جب وہ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے دیکھے گا تو حیران و ششدر رہ جائے گا۔ فرط حیرت سے پوچھے گا یہ کیا ہو رہا ہے۔ سورۂ یٰسین میں ہے من بعثنا من مرقدنا یعنی ہمیں ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھا دیا ہے۔ اہل ایمان جنہیں وقوع قیامت کا یقین تھا وہ جب دیکھیں گے کہ مردے زندہ ہو کر قبروں سے نکل رہے ہیں تو ان کا علم الیقین اب عین الیقین سے بدل جائے گا۔ وہ کہیں گے ھذا ما وعدنا الرحمٰن وصدق المرسلون یعنی یہ وہی ہے جس کا وعدہ ہم سے کیا گیا تھا اور رسولوں نے بالکل سچ فرمایا تھا۔

۴ اس وقت زمین اپنی سرگزشت کھول کر بیان کرے گی کہ گزشتہ دنیا میں جو حالات و واقعات اس پر رونما ہوئے کہ کون نیک

کام اس پر کیے گئے، جن گناہوں کا اس پر ارتکاب کیا گیا سب کے سب یہ زمین بیان کرے گی۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر صحابہ سے پوچھا جانتے ہو وہ خبریں کیسی ہوں گی صحابہ نے جواب دیا اللہ ورسولہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ قال فان اخبارھا ان تشھد علی کل عبد او امۃ بما عمل علی ظھرھا۔ (ترمذی، نسائی) زمین ہر بندہ اور ہر بندی کے متعلق گواہی دے گی کہ اس نے سطح زمین پر کیا کچھ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام کو ہدایت فرمایا کہ تحفظوا من الارض فانھا امکم وانہ لیس من احد عامل علیھا خیرا او شرا الا وھی مخبرۃ کہ زمین سے اپنی حفاظت کیا کرو یہ تمہاری ماں ہے۔ جو کام بھی اس پر کوئی شخص کرے گا یہ اس کی اطلاع دے دے گی۔

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ بیت المال کا سب روپیہ حق داروں میں تقسیم کر دیتے۔ جب وہ خالی ہو جاتا تو اس میں دو نفل ادا کرتے اور پھر فرماتے اے بیت المال کے در و دیوار تمہیں گواہی دینی ہو گی کہ میں نے تمہیں حق کے ساتھ بھرا اور حق کے ساتھ خالی کر دیا۔

آج سے کچھ عرصہ قبل جب یہ آیات تلاوت کی جاتیں تو کمزور ایمان والے لوگ ان کی مختلف تاویلات کرتے۔ (زمین بھی زمین کو کیا پتہ کہ اس پر کیا ہوا) ہے جب یہ اس کی دیواروں کو کیا جانیں کہ ان کے سامنے کیا کیا گل کھلائے جا رہے ہیں، بد اعمالیاں اور نیکیاں، ایک وہ اعمال کی جو دنیا آباد رہی ان کا سراغ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے شکوک انہیں پریشان کیا کرتے۔ لیکن سائنس کی محیر العقول ایجادات نے ان سب سوالات کا عملی جواب ہم پہنچا دیا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ٹیپ ریکارڈر کی ایجاد نے ان تمام شکوک کا ازالہ کر دیا۔ جب ریڈیو سٹیشن سے نشر ہونے والی آواز آن واحد میں دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جاتی ہے اور سنی بھی جا سکتی ہے۔ جب ٹیلی ویژن اسٹیشن پر پیش کیا جانے والا پروگرام اپنی تفصیلات کے ساتھ دور دراز گھر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مکانوں کی دیواریں، درختوں کی ٹہنیاں اور اونچے اونچے پہاڑ اور گھنے جنگلات ان تصاویر کو دیکھنے میں مانع نہیں ہو سکتے۔ جب ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ ہر آواز کو اس کے لب و لہجہ اور زیر و بم کے ساتھ محفوظ کیا جا سکتا ہے اور جب کوئی چاہے انہیں بار بار سن سکتا ہے۔ اگر سائنس کی ادنیٰ ترقی اتنے ذرائع اور آلات سے ہماری آوازوں کا سراغ لگا سکتی ہے تو اب اس بات میں کوئی شبہ رہا کہ زمین کا ذرہ ذرہ ایک خاموش تماشائی کی طرح ہماری کارستانیوں کو دیکھ رہا ہے اور اس کا ریکارڈ مرتب کر رہا ہے۔ قیامت کے روز ہماری زندگی کی پوری فلم تفصیل سے ہمیں دکھا دی جائے گی پھر کس میں یہ ہمت ہو گی کہ وہ ان حقیقتوں کا انکار کرے؟

قرآن کریم نے بڑی صراحت سے ان انتظامات کا تذکرہ کیا ہے جو قدرت کی طرف سے روز حساب کے فیصلوں کو عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق کرنے کے لیے کر دیے گئے ہیں۔ کراماً کاتبین موقع پر ہمارے نیک و بد اعمال کا تحریری ریکارڈ تیار کر رہے ہیں۔ ہمارے اعضا قیامت کے دن سلطانی گواہ کی حیثیت سے پیش کیے جائیں گے۔ ارشاد ہے الیوم نختم علی افواھھم وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون (یٰسین) کہ آج ہم ان کے لبوں پر مہر لگا دیں گے ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ گفتگو کریں گے اور ان کے پاؤں ان پر گواہی دیں گے۔ اگر پھر بھی کسی نے ذہنی خلل کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو اس کے سامنے اس کے ٹیپ ریکارڈ اور اس کی زندگی کی فلم پیش کر دی جائے گی۔

رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ﴿٥﴾ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا

آپ کے رب نے اسے یونہی حکم بھیجا ہے ف۱ اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ در گروہ ف۲ تاکہ انہیں دکھائے جائیں

أَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَن

ان کے اعمال۔ پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے

يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾

ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا ف۳

ف۱ زمین کے شکم سے مُردوں کا زندہ ہو کر نکلنا یا زمین کا اپنی سرگزشت کو من وعن بیان کرنا از خود نہ ہوگا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ ایسا کرنے کا حکم دے گا۔

ف۲ دو لفظ ہیں وارد اور صادر۔ وارد کہتے ہیں آنے والا اور صادر کہتے ہیں لوٹ کر آنے والا۔ آیت کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں کہ لوگ حساب دینے کے بعد جب لوٹیں گے تو وہ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوں گے۔ نیک نیکوں کے ساتھ، نمازی نمازیوں کے ساتھ، غازی غازیوں کے ساتھ اور شہید شہیدوں کے ساتھ۔ اسی طرح چور چوروں کے ساتھ، گناہ گار گناہ گاروں کے ساتھ، قاتل قاتلوں کے ساتھ۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب قبروں سے نکل کر بارگاہِ الٰہی میں حساب کتاب کے لیے جا رہے ہوں گے تو اس وقت وہ جلیلہ ہو کر جائیں گے۔

ف۳ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ انسان ایک ذمہ دار مخلوق ہے۔ جو اچھا یا برا کام یہ کرتا ہے اس کے لیے جواب دہ ہے۔ فرمایا افحسبتم انما خلقنٰکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف لوٹایا نہیں جائے گا۔ دوسری جگہ ہے ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا کہ تمہارے کان آنکھیں اور تمہارا دل سب سے باز پرس کی جائے گی۔ اسی حقیقت کو یہاں بھی ایک نئے اسلوب میں بیان کیا جا رہا ہے کہ تم سے جو اعمال حسنہ یا افعال سیئہ کا صدور ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں تو یہ اصول طے پا چکا ہے کہ اگر ذرہ کے برابر کوئی نیکی کرے گا تو اسے معمولی سمجھ کر ضائع نہیں کر دیا جائے گا بلکہ اس کو خوب حفاظت سے رکھا جائے گا اور جس نے وہ نیکی کی تھی اس کو دکھا دیا جائے گا۔ اسی طرح معمولی سے معمولی گناہ بھی پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا جائے گا اور اسے بدکار کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

اگر عقل سلیم ہو اور انسان خود اس سنجیدگی سے انہی آیات کو پڑھے تو اس کی ہدایت کے لیے کسی وعظ و نصیحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

ایک اعرابی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ پڑھا دیجیے۔ حضور نے یہی سورت پڑھ کر اسے سنا دی۔ سن کر کہنے لگا والذی بعثک بالحق لا ازید علیہا ابدا کہ آپ کے رب کی قسم! مجھے اب اس سے زیادہ وعظ کی ضرورت نہیں رہی اور رخصت لے کر واپس جانے لگا۔ حضور نے دوبار فرمایا یہ شخص کامیاب ہو کر جا رہا ہے۔

بسا اوقات انسان چھوٹی نیکی کو حقیر سمجھ کر اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔ بسا اوقات انسان صغیرہ گناہوں کی پروا نہیں کرتا انہیں معمولی خیال کر کے ان کا ارتکاب کرتا رہتا ہے۔ دونوں کو تنبیہ کر دی کہ ذرہ کے برابر اگر نیکی کرو گے تو اس کا بھی اجر ملے گا۔ ذرہ کے برابر اگر برائی کرو گے تو اس کی بھی سزا ملے گی۔ اس لیے نہ کسی نیکی کو حقیر سمجھ کر اس کو ترک کرو اور نہ کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر اس کا ارتکاب کرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات خاص توجہ کے مستحق ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من تصدق بعدل تمرۃ من کسب طیب ولا یقبل اللہ تعالیٰ الا الطیب فان اللہ یتقبلہا بیمینہ ثم یربیہا لصاحبہ کما یربی احدکم فلوہ حتی تکون مثل الجبل (متفق علیہ)

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسب حلال سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول کر کے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے پھر اس کی نشوونما کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی طرح بڑا ہو جاتا ہے۔ حضور نے حضرت ابوہریرہ کو ارشاد فرمایا کہ کسی نیکی کو حقیر مت سمجھا کرو اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملا کرو۔

یہاں ایک چیز دل میں کھٹکتی ہے کہ جب یہ اصول تسلیم کر لیا گیا کہ ہر شخص کو اس کی ذرہ برابر نیکی کا اجر اور ذرہ برابر بدی کی سزا ملے گی تو کیا کفار نے جو نیک کام کیے ہیں انہیں قیامت کے دن ان کا ثواب ملے گا؟ یا نیک لوگوں نے جو گناہ کیے ہیں انہیں ان کی سزا بھگتنی ہو گی؟ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ کفار کے نیک اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بے وضو نماز ادا کرے۔ ان کے اعمال صالحہ کی قبولیت کے لیے ایمان شرط تھا۔ شرط کے مفقود ہونے کے باعث ان اعمال کی کوئی حیثیت نہیں ہو گی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کفار کو ان کے نیک اعمال کی جزا اس دنیا میں دے دی جاتی ہے۔ عزت، شہرت، اولاد، دولت کی کثرت، ان صورتوں میں ان کا حساب چکا دیا جاتا ہے۔ نہ قیامت پر ان کا ایمان تھا نہ انہوں نے اس نیت سے نیکیاں کی تھیں کہ انہیں اس روز اس کا ثواب ملے گا۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جس کی موت کفر پر ہو گی، خلود جہنم سے تو اس کو کوئی نیکی نہیں بچا سکے گی البتہ ان کے اعمال کا اثر عذاب کی شدت میں تخفیف کی صورت میں ظاہر ہو گا۔

دوسری بات یعنی مومنوں سے جو خطائیں سرزد ہوتی ہوں گی ان کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے توبہ کر لی اس کی خطائیں بخش دی جائیں گی۔ نامۂ اعمال سے بھی انہیں محو کر دیا جائے گا۔ فرشتوں کو بھی یاد نہ رہے گا کہ انہوں نے کیا جرم کیے تھے۔ یا ان کی لغزشوں کی سزا انہیں دنیا میں بیماری، غربت اور ناکامی کی شکل میں دے دی جائے گی۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر خدمت اقدس میں حاضر تھے اور کھانا کھا رہے تھے۔ یہ بات سن کر کھانا چھوڑ دیا۔ عرض کیا کیا ہم اپنے تمام نیک و بد اعمال کو دیکھیں گے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

ما رأيت من مكروه فبمثقال ذرة من الشر ويدخر لكم مثاقيل ذر الخير حتى تعطوه يوم القيامة۔ (قرطبی) اس دنیا میں جو تمہیں تکلیف پہنچتی ہے یہ تمہاری خطاؤں کا نتیجہ ہے اور تمہاری نیکیاں محفوظ رکھی جائیں گی اور قیامت کے دن تمہارے حوالے کر دی جائیں گی۔

○

ربنا اللهم ربنا نسألك أن تغفر لنا وترحمنا إنك أرحم الراحمين بجاه حبيبك ونبيك وصفيك محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعه وأحبه إلى يوم الدين

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ العٰدیٰت

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام "العٰدیٰت" ہے جو اس کا پہلا لفظ ہے۔ یہ ایک رکوع، گیارہ آیتوں، چالیس کلمات اور ایک سو تریسٹھ حروف پر مشتمل ہے۔

نزول : اس کے بارے میں دو قول ہیں بعض علماء کے نزدیک یہ مکی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے اور بعض علماء اسے مدنی کہتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں ہی مروی ہے۔

مضامین : متعدد قسمیں کھا کر چند حقائق کی نقاب کشائی کی جا رہی ہے۔ پہلے تو یہ بتایا کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ بستا رہتا اس کی زمین پر ہے سانس اس کی ہوا میں لیتا ہے۔ اس کے دسترخوانِ نعمت کا ریزہ چین ہے۔ اس کے باوجود نہ اس کا شکر ادا کرتا ہے اور نہ ہی اس کی عبادت و اطاعت کو اپنا وظیفۂ حیات بناتا ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے جس پر اس کے اپنے اعمال و اطوار بطور گواہ پیش کیے جا سکتے ہیں۔ یہ کسی دوسرے گواہ کی ضرورت ہے اور نہ کوئی مزید ثبوت درکار ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دولت کی محبت اس کے دل میں گھر کر چکی ہے۔ وہ اس کو حاصل کرنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی ہوس میں دیوانوں کی طرح شب و روز سرگرداں رہتا ہے۔ اس کی عقل و فہم پر جتنا افسوس کیا جائے اتنا کم ہے۔ اسے اتنی بھی خبر نہیں کہ اس کا خالق اس کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اس کے سینے کے راز بھی اس پر عیاں ہیں۔ قیامت کے دن اسے اس رب کا ئنات کے سامنے پیش ہونا ہے جو اس کے جملہ حالات سے پوری طرح باخبر ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۱۰-۳-۲۲

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ العادیات مکی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں گیارہ آیات ہیں

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿١﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿٢﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿٣﴾

قسم ہے تیز رفتار دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں۔ پھر ٹھوکروں سے آگ کی چنگاریاں نکالتے ہیں۔ پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿٤﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿٥﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ

پھر اس سے گرد و غبار اڑاتے ہیں۔ پھر اسی وقت دشمن کے لشکر میں گھس جاتے ہیں۔ بےشک انسان اپنے رب کا بڑا

لے آیات میں جو مشکل الفاظ ہیں پہلے ان کی وضاحت کی جائے گی اور اس کے بعد ان کا مفہوم سمجھنے میں وقت نہ ہوگی۔

العادیات۔ العادیات بسرعۃ بڑی تیزی سے دوڑنے والیاں۔ الضبح۔ الصوت جہیر عند العدو الشدید لیس بصہیل ولا رغاء ولا نباح۔ ضبح وہ آواز جو تیز دوڑتے وقت گھوڑے کے سینے سے نکلتی ہے یہ آواز ہنہنانے وغیرہ سے بالکل جدا ہوتی ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں المعہود حلف اللہ تعالیٰ بخیل الغزاۃ فی سبیل اللہ تعالیٰ۔ کہ جمہور علماء کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے راستہ میں جہاد کرنے والے غازیوں کے گھوڑوں کی قسم کھائی جا رہی ہے جو تیزی سے دوڑ رہے ہیں۔

موریات۔ الایراء اخراج النار والقدح۔ ہو الضرب والصک یقال قدح فاوری اذا اخرج النار قدح سے آگ نکالنے کو ایرا کہتے ہیں۔

قدح۔ وہ سخت چیزوں کا آپس میں ٹکرانا جس سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔ یہاں مجاہدین کے گھوڑوں کی دوسری صفت بیان کی جا رہی ہے کہ اپنے سم جب زور سے پتھر پر مارتے ہیں تو اس سے چنگاریاں جھڑنے لگتی ہیں۔ ان چنگاریوں کو اہل عرب نار الحباحب کہتے ہیں۔ حباحب ایک بخیل آدمی کا نام تھا۔ وہ کھانا پکانے کے لیے اس وقت آگ جلاتا جب سب لوگ کھانا پکا کر اور کھا کر سو جاتے اور کسی مہمان کے آنے کا وقت بھی گزر جاتا۔ اس وقت بھی وہ آگ کو زیادہ روشن نہ کرتا بلکہ بڑی مدھم سی آگ جلاتا اور کسی کے پاؤں کی آہٹ سنتا تو اس کو بجھا دیتا۔ ایسی آگ جس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جا سکے اسے نار الحباحب کہتے ہیں۔ گھوڑوں کے سموں سے جو آگ نکلتی ہے اسی وجہ سے اس کو بھی اس لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

المغیرات۔ الغارۃ علی العدو۔ ہجوم علیہ بغتۃ بخیل۔ کسی پر اچانک حملہ کر دینا۔ حملہ آور اکثر صبح کے وقت دشمن پر ناگہانی حملہ کرتے تھے تاکہ دشمن کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ وہ وقت آرام و سکون کا ہوتا ہے اور دشمن کی غفلت سے فائدہ اٹھانے کا بہترین موقع ہوتا ہے۔ نیز صبح کے اجالے میں خوب دیکھ کر نشانہ باندھا جا سکتا ہے۔

النقع۔ غبار کو کہتے ہیں۔ اثرن غبار اڑانا۔ گرد کو پھیلانا۔ جمع بجمع الجیوش اللشکر۔ حملہ آور جب حملہ کرتے ہیں تو وہ دشمن کی صفوں میں داخل ہو کر ان پر چڑھ کر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

مشکل الفاظ کی تشریح کے بعد اب آیات کے مفہوم پر مزید غور فرمائیے۔

لَكَنُوْدٌ ۞ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۞ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۞

ناشکرا ہے ٢ اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے ٣ اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے ٤

اس سورت کا آغاز بھی قسم کھا کر کیا جا رہا ہے اور قسم مجاہدین کے ان گھوڑوں کی کھائی جا رہی ہے جو ان خوبیوں سے متصف ہوتے ہیں۔ تیز رفتاری سے جب دوڑتے ہیں تو ان کے سینوں سے ایک خاص قسم کی آواز نکلتی ہے جو دشمن کو مرعوب کرنے میں بڑی مؤثر ہوتی ہے۔ وہ اپنے سواری صبح دم جب پتھریلی زمین پر دوڑتے ہیں تو آگ کی چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں، علی الصبح وہ دشمن پر یلغار کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے ساری فضا گرد و غبار سے اٹ جاتی ہے۔ وہ بے خطر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں اور ان کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتے ہیں۔

حافظ ابو بکر ابن العربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں: اقسم بمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال یٰس والقرآن الحکیم واقسم بحیاتہ فقال لعمرك انهم لفي سكرتهم يعمهون واقسم بخيله وصهيلها وغبارها وقدح حوافرها النار من الحجر (احکام القرآن)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور کی ذات کی بھی قسم اٹھائی جیسے یٰس والقرآن الحکیم میں ہے۔ حضور کی حیات طیبہ کی بھی قسم اٹھائی جس طرح لعمرك الآیۃ اور حضور کے گھوڑوں کی، ان کے ہنہنانے کی، ان کی اڑائی ہوئی غبار کی اور ان کے سموں سے جو آگ نکلتی ہے اس کی بھی قسم اٹھائی۔

ان آیات میں اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں فقط صفات بیان کی گئی ہیں۔ عادیات، موریات وغیرہ لیکن ان کا موصوف بیان نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر زمانہ کے غازیوں کے سامان حرب کی اللہ تعالیٰ قسم اٹھا رہا ہے جن میں یہ صفات پائی جائیں۔ اس زمانہ میں مجاہد گھوڑوں پر سوار ہو کر حملہ کیا کرتے تھے اور ان گھوڑوں میں یہ صفات پائی جاتی تھیں۔ آج گھوڑوں کی جگہ ٹینکوں نے لے لی ہے اور یہ تمام صفات بدرجہ اتم ان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ وہ جب تیزی سے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ان سے ایک خاص قسم کی گڑگڑاہٹ نکلتی ہے۔ وہ آگ بھی اگلتے ہیں، جہاں سے گزرتے ہیں گرد و غبار بھی اڑاتے ہیں اور دشمن کے مورچوں میں بھی گھس جاتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان ٹینکوں کی بھی قسم ہے تو کوئی بعید نہ ہوگا اور مستقبل قریب میں کوئی اور اسلحہ تیار ہو جائے جو ٹینکوں کی جگہ لے لے اور اس میں یہ خوبیاں پائی جائیں تو ان کا اطلاق اس جدید اسلحہ پر بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

٢ یہ جواب قسم ہے کہ انسان اپنے رب کے احسانات اور نوازشات پر سخت ناشکری کا اظہار کرنے والا ہے۔ اس کے لبوں پر ہمیشہ شکوہ رہتا ہے، ہزاروں نعمتوں کے باوجود اگر اس کی کوئی ایک تمنا پوری نہ ہو تو شکایات کا دفتر کھول دیتا ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: لکنود، الکفور جحود لنعم اللہ تعالیٰ۔ کنود کا معنی کفور ہے یعنی ناشکرا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا۔ حسن بصری کہتے ہیں: یعد المصائب وینسی النعم، کہ مصیبتوں کا ذکر کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ الکنود، الذی یمنع رفدہ وینزل وحدہ ویضرب عبدہ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرے اس کو کنود کہتے ہیں۔ اس

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾

کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے ۹ اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے ۱۰

لیے اس زمین کو بھی کنود کہتے ہیں جو بنجر اور کاشت کے قابل نہ ہو۔ حسب۔ الارض الکنود التی لا تنبت شیئا۔

۳ اس چیز کو ثابت کرنے کے لیے کہ انسان ناشکرا ہے کسی بیرونی خود ونوض کی ضرورت نہیں۔ انسان کے اپنے اطوار و اعمال اس بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہیں۔

۴ خیر سے مراد یہاں مال و دولت ہے اور مال و دولت سے انسان کی محبت اظہر من الشمس ہے۔ گناہوں کا یہ میل بے پناہ، مظالم کی یہ آندھیاں، مزدور اور سرمایہ داروں کے درمیان یہ خونریز تصادم، سب کے پس پردہ دولت کی یہی بے پناہ محبت اور لالچ کارفرما ہے۔ دوست، دوست کو لوٹ رہا ہے، بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے، انسان انسان کے درپے آزار ہے۔ یہ سب کچھ دولت کے لالچ کے باعث ہو رہا ہے۔ تمام تعلقات، تمام دوستیاں، تمام رشتہ داریاں، دولت کے طلسم ہوشربا کے سامنے بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ انسان کا عمل اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس کو جتنی ہوس سیم وزر کی ہے اس کے دل میں جتنی چاہت دولت و ثروت کی ہے، اتنی اور کسی چیز کی نہیں۔ اس کے حصول کے لیے جوان تھک محنتیں کرتا ہے اپنے وطن کو چھوڑتا ہے، اپنی آسائش سے دست کش ہوتا ہے اور بسا اوقات اپنی عزت و آبرو کو بھی خاک میں ملا دیتا ہے اور اپنی زندگی کو طرح طرح کے خطرات سے دوچار کر دیتا ہے اس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی۔

۵ یہ شخص جو دولت کے حصول میں تمام اقدار کو بڑی بے دردی سے پامال کر رہا ہے، اپنے رب کو بھی بھولے ہوئے ہے اور اس کی مخلوق کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا رہا ہے۔ کیا اس نادان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ایک دن آنے والا ہے جب اسے قبر سے نکال کر حشر کے میدان میں کھڑا کر دیا جائے گا اور اس سے اس کی دنیوی زندگی کے بارے میں سختی سے باز پرس کی جائے گی۔

۶ قال ابن حیان حصل، اُظہر۔ یعنی اس کو مکمل طور پر ظاہر کر دیا جائے گا۔ قیامت کے دن صرف اس کے ظاہری اعمال کی ہی جانچ پڑتال نہیں ہوگی بلکہ اس کے ارادوں، نیتوں اور اس کے قلبی جذبات اور باطنی کیفیات سب کی سب آشکارا کر دی جائیں گی اور ہر ایک کو پرکھا جائے گا کہ اس نے جو کچھ کیا اس کے پس منظر میں کون سے جذبات کارفرما تھے، کس نیت سے اس نے یہ سارے کام کیے اس کے وہ گھناؤنے مقاصد جن پر اس نے حسین بیانات کے ریشمی غلاف چڑھا رکھے تھے سب ظاہر کر دیے جائیں گے۔ نہاں خانہ دل میں کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی۔ اگرچہ دنیوی عدالتیں بھی مجرم کی نیت اور ارادے کو اہمیت دیتی ہیں لیکن ان کے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں جس کے ذریعے وہ اس نازک ذمہ داری کو پورے وثوق کے ساتھ انجام دے سکیں۔ یہ کام صرف عدالتِ الٰہیہ میں ہی بحسن و خوبی انجام پا سکتا ہے۔ اس لیے اس عدالت کے فیصلے سراسر حق ہوں گے۔ عدل و انصاف کے ادنیٰ سے ادنیٰ اور نازک سے نازک تقاضوں کو بھی پورا کیا جائے گا۔

ع ۱
۲۵

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا ؎

؎ اگرچہ اللہ تعالیٰ آج بھی ان کے حالات سے پوری طرح واقف ہے لیکن اس روز کی آگاہی اور باخبری کی کیفیت بالکل جداگانہ ہوگی۔ ای عالم لا یخفی علیہ منھم خافیۃ۔ وھو عالم لھم بذالک الیوم وفی غیرہ ولکن المعنی انہ یجازیھم فی ذالک الیوم۔

○

اللھم انا نشھد انک [illegible] ونشھد انک عفو کریم تحب العفو فاعف عنا یا غفور یا رؤف
یا رحیم ۔ اللھم صل وسلم وبارک علی شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔
ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورَۃ القارعۃ

نام : اس سورۃ کا نام القارعۃ ہے۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، چھتیس کلمے اور ایک سو باون حروف ہیں۔

نزول : باتفاقِ علماء یہ مکی سورت ہے۔

مضامین : پہلے قیامت کے بارے میں استفسار کر کے لوگوں کو چوکنا کر دیا۔ اس کے بعد ان لرزہ خیز حالات کو بیان کیا جو بروزِ قیامت رونما ہوں گے۔ لوگ پروانوں کی طرح مدہوش بکھرے پڑے ہوں گے۔ پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اُون کی طرح فضا میں اُڑ رہے ہوں گے۔

پھر ارشاد فرمایا، سُن لو! جس شخص کی نیکیوں کا پلڑا اُس روز بھاری ہو گا فقط اُسے ہی خوشی و خرم زندگی نصیب ہو گی لیکن جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو گا وہ "ہاویہ" میں پھینک دیا جائے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷۷-۴-۱۰

سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ القارعہ مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ | اس میں گیارہ آیات ہیں

اَلْقَارِعَةُ ﴿١﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٢﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٣﴾ يَوْمَ

دل ہلا دینے والی کھڑک۔ وہ دل ہلا دینے والی کھڑک کیا ہے؟ اور آپ کو کیا معلوم کہ یہ کھڑک کیا ہے ١ جس دن

يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿٤﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ

لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے ٢ اور پہاڑ رنگ برنگ دھنکی ہوئی اون کی

الْمَنْفُوْشِ ﴿٥﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿٦﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ

مانند ہوں گے ٣ پھر جس کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ دل پسند عیش (و مسرت)

١ دو چیزوں کا آپس میں شدت سے اس طرح ٹکرانا کہ خوفناک آواز پیدا ہو۔ اسے عربی میں القرع کہتے ہیں۔ القرع هو الضرب بشدة بحيث يحصل منه صوت شديد (روح المعانی)

علامہ قرطبی کہتے ہیں واهل اللغة يقولون تقول العرب قرعتهم القارعة وفقرتهم الفاقرة اذا وقع بهم امر فظيع۔ یعنی علمائے لغت کہتے ہیں کہ جب کوئی قوم کسی حادثہ فاجعہ سے دوچار ہو اور کسی عظیم مصیبت میں مبتلا ہو تو عرب کہتے ہیں قرعتهم القارعة وفقرتهم الفاقرة۔ اس سے مراد وقوع قیامت کے وقت ہولناک دھماکے والی آواز ہے جو پیدا ہوگی جب اجرام فلکی آپس میں ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے جب فلک بوس پہاڑ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ اس وقت جو زبردست گڑگڑاہٹ اور روح فرسا کڑک پیدا ہوگی اس کا اندازہ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ کسی بڑی توپ کو گولہ چھوڑتے کانوں کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔ آپ اس وقت کا تصور کیجئے جب ستارے اور مشتری، زحل اور مریخ جیسے سیارات باہم ٹکرائیں گے تو کتنا خوفناک دھماکا پیدا ہوگا۔ ما القارعة، اور وما ادراك ما القارعة، اس کڑک کی دہشت کو [illegible] بطور استفہام ذکر کیا جا رہا ہے۔

٢ وقوع قیامت کے پہلے مرحلے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس وقت کے ہولناک واقعات سے انسان ہوش و حواس کھو بیٹھے گا، ذہنی توازن برقرار نہ رہے گا۔ جس طرح بکھرے ہوئے پروانے سراسیمگی کی حالت میں ادھر ادھر گر رہے ہوتے ہیں اسی طرح مدہوش انسان کی بھی حالت ہوگی۔ کوئی مدہوش بادشاہ یہاں گرا پڑا ہوگا کوئی وہاں گرا پڑا ہوگا۔ انسان کا غرور و تکبر سب کافور ہو جائے گا۔ المبثوث، المتفرق المنتشر یعنی بکھری ہوئی پراگندہ۔

٣ رنگدار اون کو العہن کہتے ہیں۔ العهن: الصوف المصبوغ۔ منفوش، دھنی ہوئی یعنی پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے اور دھنی ہوئی

رَّاضِيَةٍ ۞ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۞ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۞

میں ہوگا۔ اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔

رنگدار صوف کی طرح ہوا میں اڑتے پھرتے ہوں گے۔

ہلکے موازین جمع ہے۔ اس کے واحد کے بارے میں دو قول ہیں۔ یہ موزون کی جمع ہے یا میزان کی۔ پہلی صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جس کے نیک اعمال وزنی ہوں گے۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہوگا جس کے نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ عیشۃ راضیۃ ای عیش مرضی ... یعنی پسندیدہ زندگی جس کو زندگی بسر کرنے والا پسند کرے۔ الفاعل بمعنی المفعول ای عیشۃ مرضیۃ۔

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے ان کو ایسی زندگی بخشی جائے گی جس میں آرام و آسائش کے ہزاروں سامان ہوں گے۔ حزن و ملال کا وہاں نام و نشان نہیں۔ ہر گھڑی زندگی گزارنے والا اپنی زندگی سے مطمئن اور مسرور ہوگا۔ توقع سے بہت زیادہ وہ شاداں و فرحاں ہوگا۔

لیکن ساری مخلوق کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے کیونکہ نفاق کی وجہ سے ان کے وہ اعمال جو بظاہر نیک اور صالح تھے بارگاہِ الٰہی میں ان کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ ان بدنصیبوں کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم انہ لیأتی الرجل العظیم السمین یوم القیامۃ لا یزن عند اللّٰہ جناح بعوضۃ ثم قرأ فلا نقیم لہم یوم القیامۃ وزنا۔ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا آدمی پیش کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر سے بھی وہ ہلکا ہوگا۔ پھر یہ آیت پڑھی فلا نقیم الآیۃ کہ قیامت کے دن ان کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ الہاویۃ، دوزخ کے طبقات میں سے ایک طبقہ کا نام ہے جو اتنا گہرا ہوگا کہ اس کی گہرائی کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوگا۔ (مظہری)

لیکن یہ معاملہ سب کو پیش نہیں آئے گا بعض وہ خوش نصیب ہوں گے جنہیں بلا حساب جنت میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی اور بعض ایسے مجرم ہوں گے جن کے چہروں سے ہی ان کے جرم کی نوعیت عیاں ہوگی اور انہیں ان کی پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیا جائے گا۔ یعرف المجرمون بسیماہم فیؤخذ بالنواصی والاقدام۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ترازو نصب کیے جائیں گے، پھر اہلِ صلوٰۃ کو بلایا جائے گا اور ان کا ترازو وزن پورا پورا کر کے ان کو اجر دیا جائے گا اسی طرح حاجیوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے گا لیکن جب اہلِ بلاء کی باری آئے گی تو ترازو نصب کیا جائے گا نہ ان کے اعمالنامے کھولے جائیں گے بلکہ ان پر اجر و ثواب کو بغیر حساب بارش کی طرح برسایا جائے گی جس طرح قرآن کریم میں ہے: انما یوفی الصابرون اجرہم بغیر حساب۔ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔

علامہ طبرانی نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے: لعل المراد باہل البلاء ... العشاق المحبین ... بالبلاء کرتہا ... (مظہری)

وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ⑩ نَارٌ حَامِيَةٌ ⑪

اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ ہاویہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے ۶؎

شاید اہل بلا سے مراد اللہ تعالیٰ کے عاشق اور محب ہیں جو اس کی نازل کی ہوئی مصیبتوں پر بھی اسی طرح راضی رہتے ہیں جس طرح اس کی نعمتوں پر وہ راضی رہتے ہیں

۶؎ وہ آگ جو حرارت اور تپش میں تمام حدود سے تجاوز کر گئی ہو۔ حامیۃ ای بلغت النہایۃ فی الحرارۃ

○

ربنا قنا عذاب النار انك انت الغفار
واحشرنا مع الابرار انك انت الستار
اللهم صل على سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورَۃُ التکاثر

نام: اس سورت کا نام التکاثر ہے یہ لفظ پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد اٹھائیس اور حروف کی تعداد ایک سو بیس ہے۔

زمانۂ نزول: اگرچہ بعض روایات میں یہ سورت مدنی ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہی ہوا۔ یہی قول قرین صحت ہے۔

اس کے شانِ نزول کے بارے میں تفسیر جریر میں یہ روایت مذکور ہے کہ قریش کے دو قبیلوں یعنی عبد مناف اور بنی سہم کے درمیان اس بحث کا آغاز ہوا کہ ان دونوں میں سے اعلیٰ وارفع کون ہے۔ چنانچہ اپنے حریف پر اپنی فوقیت اور برتری ثابت کرنے کے لیے ہر قبیلہ نے اپنے اموال، اپنی جائیدادیں اور اپنے افراد کی کثرت تعداد کو پیش کیا یہاں تک کہ جو لوگ اس روز سے پہلے مر چکے تھے ان کی قبروں کا بھی شمار کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرما کر ان کی اس احمقانہ معرکہ آرائی کی حقیقت کو آشکارا کر دیا۔

مضامین: اس سورت میں بڑی وضاحت سے ان لوگوں کی نادانی اور کم بینی کا پردہ چاک کیا گیا ہے جو ایسی چیزوں پر فخر کرتے ہیں جو فانی ہیں۔ ان امور کو اپنے لیے باعث عزو افتخار شمار کرتے ہیں جو مقام انسانیت سے فروتر ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم اپنے انجام سے آنکھیں بند کیے ہوئے دولت کے انبار سمیٹنے میں از حد مصروف ہو تمہیں اتنی فرصت بھی نہیں کہ اپنے مستقبل کے بارے میں غور و فکر کر سکو لیکن یاد رکھو جب تمہیں موت کا پیالہ پلایا جائے گا تو اس وقت تمہاری بند آنکھیں کھلیں گی اور مستور حقیقتیں عیاں ہو جائیں گی۔ تمہیں جہنم کی وادی پر کھڑا کر دیا جائے گا اس وقت تم پچھتاؤ گے، کف افسوس ملو گے لیکن سب بے سود۔ اگر تم چاہتے ہو کہ مرنے کے بعد تمہیں شرمندگی اور ندامت نہ ہو تو اب آنکھیں کھولو۔ ہوش میں آؤ۔ اور فانی لذتوں کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو میں اپنی صلاحیتوں کو وقف کر دو۔ یہ مال و دولت، یہ فرزند و زن، یہ عزو جاہ جس نے تمہیں بدمست کر دیا ہے اور منعم حقیقی کی یاد کا چراغ بھی تم نے گل کر دیا ہے۔ یہ تمہیں اس لیے تو نہیں دی گئی تھیں کہ تم سرکش بن جاؤ اور اپنے پروردگار کے خلاف علم بغاوت بلند کرو۔ عقلمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم احسان شناس بنتے اور ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے رب کریم کا شکر بھی ادا کرتے۔ یاد رکھو قیامت کے دن جب تم داور محشر کے سامنے پیش کیے جاؤ گے تو تم سے ان تمام نعمتوں کے بارے میں باز پرس کی جائے گی اور تمہیں اس کا جواب دینا ہوگا۔

سُورَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — وَهِيَ ثَمَانِي اٰيَاتٍ

سورۃ التکاثر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں آٹھ آیات ہیں

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾

غافل کر دیا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے ۱؎ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے ۲؎ ہاں ہاں تم جلد جان لو گے ۳؎

۱؎ علامہ راغب لکھتے ہیں اللھو مایشغل الانسان عما یعنیہ ویھمہ (المفردات) یعنی جو چیز انسان کو مفید اور اہم امور سے غافل کر دے اسے لہو کہتے ہیں۔

التکاثر: اس کے دو معنی ذکر کیے گئے ہیں۔ مال جمع کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا، دوسرا مال و دولت کی کثرت پر فخر کرنا۔

جو لوگ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی دوڑ میں لگے ہوتے ہیں ان کو ہر چیز کا اہم اور ضروری چیزیں فراموش ہو جاتی ہیں۔ دولت سمیٹنے کی خواہش جنون کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس وقت انہیں نہ خدا یاد رہتا ہے نہ موت یاد آتی ہے اور نہ قبر کا وہ تاریک گڑھا جس میں انہوں نے ایک دن آکر فروکش ہونا ہے۔ بس ایک ہی خیال میں مگن رہتے ہیں کہ جیسے بھی بن پڑے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر لی جائے خواہ اس کے لیے کوئی نادانستہ قوم سے خیانت اپنے ملک سے غداری، اپنی عزت نفس کی ارزانی، بے حیائی کے جرائم سرزد ہوتے رہیں تو ہوتے رہا کریں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے بدنصیب لوگ نہ صرف خدا اور آخرت کو ہی بھول نہیں جاتے بلکہ وہ یہ بھی ہے کہ خود فراموش ہو جاتے ہیں۔ اپنی ذات، اپنی آبرو، اپنی شہرت سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں اور اکثر یہ بازی ہار جاتے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لَوْ اَنَّ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ اَحَبَّ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ وَادِيَانِ، وَلَنْ يَمْلَاَ فَاهُ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ (بخاری) اگر کسی شخص کے پاس سونے سے بھری ہوئی ایک وادی ہو تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کاش اس کے پاس ایک کے بجائے سونے سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوتیں۔ اس کے منہ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ جو رجوع کرتا ہے اس پر کرم فرماتا ہے۔ دوسری حدیث میں نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قناعت و بے نیازی کی یوں تلقین فرمائی ہے۔ مطرف سے روایت ہے انیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وھو یقرأ الھاکم التکاثر قال یقول ابن آدم مالی مالی۔ ھل لک یا ابن آدم من مالک الا ما اکلت فافنیت، او لبست فابلیت، او تصدقت فامضیت، وما سوی ذلک فذاھب وتارکہ للناس (مسلم) مطرف کے والد گرامی کہتے ہیں میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور اس وقت الھاکم التکاثر پڑھ رہے تھے۔ فرمایا کہ انسان میرا مال، میرا مال کہتا ہے۔ اے فرزند آدم کیا تمہارا مال کچھ ہے سوائے اس کے کہ جو تم نے کھایا اور فنا کر دیا یا پہنا اور بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کیا اور اس مال کو اپنے لیے آگے بھیج دیا تاکہ قیامت کے دن کام آئے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے تو اسے لوگوں کے لیے چھوڑ کر چلا جانے کا۔

تکاثر کا دوسرا معنی کیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ الھاکم ایھا الناس المباھاۃ بکثرۃ المال والعدد عن طاعۃ ربکم وعما ینجیکم من سخطہ علیکم یعنی اے لوگو! تم مال و دولت کی بنا پر فخر کرتے ہو۔ اس چیز نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دیا ہے اور

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝٤ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝٥

پھر (سن لو) ہاں ہاں! تمہیں (اپنی اس مشغولی کا انجام) جلد معلوم ہو جائے گا ۔ ہاں ہاں! اگر تم (اس انجام کو) علم الیقین کی رو سے جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے) ۵ے

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝٦ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝٧ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ

تم ضرور دیکھ کر رہو گے دوزخ کو ۔ پھر (آخرت میں) تم دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے ۶ے پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے

اس چیز سے بے پروا کر دیا ہے جو تمہیں اس کی ناراضگی سے بچا سکتی ہے۔ تم اسی لغو چیزوں میں اتنے مصروف رہتے ہو کہ تمہیں اپنے خالق کی یاد کی بھی فرصت نہیں ملتی اور نہ تمہارے پاس ایسے کام کرنے کے لیے وقت ہے جن کے باعث اس کے غضب سے اپنے آپ کو بچا سکو۔

۲ے تم اسی دھن میں مست رہتے ہو یہاں تک کہ حیات مستعار کا سورج ڈوب جاتا ہے۔ موت کا فرشتہ آ کر تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور تم ہمیشہ کے لیے قبر کی آغوش میں لٹا دیے جاتے ہو۔ جو شخص مر جائے اہل عرب کہتے ہیں قد زار قبرہ۔ گویا زیارت قبر کا لفظ قبر میں دفن ہونے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

۳ے کلّا زجر و توبیخ کے لیے ہے یعنی جو نادانی کا وتیرہ تم نے اختیار کیا ہے یہ ہرگز درست نہیں۔ اگر تم اس سے باز نہ آئے اور اسی بیہودہ شغل سے دل بستہ رہے اور ذکر الٰہی اور احکام کی بجاآوری کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور اسی غفلت کی حالت میں موت آگئی تو اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ تم کتنے غلط کار تھے۔ تم کتنے خسارے کے کاروبار میں مصروف رہے۔ لیکن اس وقت آنکھیں کھل بھی گئیں تو کیا فائدہ؟ جب فرصت کی گھڑیاں تم نے خود برباد کر دیں۔

۴ے وعید بعد وعید۔ دوبارہ دھمکی دی جا رہی ہے اور تکرار سے مراد تاکید اور تغلیظ ہے۔ لیکن حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ پہلی وعید سے مراد عذاب قبر ہے اور دوسری وعید سے مراد عذاب آخرت ہے۔ دونوں حالتوں کو الگ الگ بیان کیا گیا، تکرار نہیں۔

۵ے یہ بھی زجر و توبیخ کے لیے ہے یعنی اگر تم کو اس بات کا یقینی علم ہوتا تو تم فانی لذتوں، ناپائیدار عزتوں اور دولت و ثروت کے لیے اپنے اوقات کا قیمتی خزانہ اس بے دردی سے نہ لٹاتے۔ تمہارا ہر سانس، ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی، ابدی نعمتوں اور لازوال راحتوں کے حصول کے لیے وقف رہتا۔ لو تعلمون کا جواب محذوف ہے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں علم الیقین کا معنی ہے ای علماً کعلم الامر الیقین (زمخشری) یعنی ایسا علم جو ایک یقینی بات کا ہوتا ہے۔

۶ے قیامت کے دن تم جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ مومن بھی اسے دیکھیں گے اور کفار بھی لیکن دونوں کے دیکھنے میں فرق ہوگا۔ فھی للکفار دار وللمؤمنین ممر۔ کفار کے لیے یہ گھر ہوگا۔ وہ یہیں ٹھہریں گے اور مومنوں کے لیے محض گزرگاہ۔ کئی بجلی کی سرعت کے ساتھ گزر جائیں گے، کوئی ہوا کی تیزی سے اور کوئی پرندوں کی طرح، اپنے اپنے درجات کے مطابق ان کے گزرنے کی رفتار ہوگی۔

ع ۱ ۲۷

يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝

اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں ٭

٭ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت لکھی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اس آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو ابوبکر و عمر سے ملاقات ہوئی۔ حضور نے پوچھا اس وقت تم دونوں اپنے گھروں سے باہر کیسے آئے ہو۔ دونوں نے عرض کی الجوع یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے پیارے رسول! سخت بھوک لگی ہے۔ حضور نے فرمایا مجھے بھی اسی وجہ سے باہر نکالا ہے۔ حضور دونوں کو ہمراہ لے کر ایک انصاری کے گھر تشریف لے گئے۔ دوسری روایت میں ان کا نام مالک بن التیہان درج ہے۔ لیکن وہ گھر میں موجود نہ تھے۔ ان کی بیوی نے جب حضور کو دیکھا تو بڑی گرمجوشی سے خوش آمدید کہا۔ حضور نے پوچھا تمہارا شوہر کہاں ہے؟ اس نے عرض کیا ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد انصاری آگئے۔ جب حضور کو اور حضور کے ساتھیوں کو دیکھا تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کہنے لگے الحمد للہ ما احد الیوم اکرم اضیافا منی۔ الحمد للہ آج روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے پاس میرے مہمانوں سے زیادہ عزت والے مہمان آئے ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے باغ کی طرف چلا گیا اور کھجوروں کا ایک گچھا توڑ کر لے آیا جس میں پختہ، نیم پختہ اور تر کھجوریں تھیں۔ خدمت اقدس میں رکھا اور تناول فرمانے کی التجا کی۔ پھر اس نے چھری پکڑی۔ حضور نے فرمایا ایاک والحلوب۔ شیردار بکری کو ذبح نہ کرنا۔ پس اس نے ایک بکری ذبح کی۔ ان معزز مہمانوں نے اس کا گوشت بھی تناول فرمایا اور کھجوریں بھی کھائیں اور ٹھنڈا میٹھا پانی بھی پیا۔ جب سیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دونوں یاروں سے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ روز قیامت تم سے آج کی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ فاقہ نے تم کو اپنے گھروں سے نکالا اور تم ان نعمتوں سے شاد کام ہو کر اب واپس جا رہے ہو۔

اس آیت میں تمام انسانوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر جو انعام فرماتا ہے وہ اس کا شکر ادا کرنے کی کوشش کریں اور اس بات کو کبھی فراموش نہ کریں کہ ان کے بارے میں ان سے باز پرس ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ہر قسم کی نعمتوں سے بہرہ ور فرمائے اور ہمیں ان کا حق ادا کرنے کی بھی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ جب قیامت کے روز باز پرس ہو تو ہمیں ندامت نہ ہو۔ واللہ ولی التوفیق

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورَۃ وَالعصر

نام : اس سورت کا نام العصر ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد چودہ اور حروف کی تعداد اڑسٹھ ہے۔

زمانہ نزول : جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کا اسلوب بیان اسی قول کی تائید کرتا ہے۔

شانِ نزول : حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا شانِ نزول یہ بتایا ہے کہ کلدہ بن اسید جس کی کنیت ابوالاسدین تھی۔ عہد جاہلیت میں حضرت ابوبکر سے اس کا بڑا یارانہ تھا۔ حضرت ابوبکر مشرف باسلام ہوئے تو یہ ناصح مشفق بن کر آپ کو سمجھانے آیا۔ کہنے لگا کہ اے ابوبکر! تمہاری عاقبت اندیشی اور دانشمندی ہر شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ کاروبار میں بھی تمہارا کوئی ہمسر نہ تھا۔ اپنی تاجرانہ مہارت کے باعث تمہارا ہر سودا نفع بخش ہوا کرتا تھا۔ بایں فہم و دانش تم نے اپنے آباؤاجداد کا طریقہ چھوڑ دیا۔ لات و ہبل کی عبادت ترک کردی اور ان کی شفاعت سے اپنے آپ کو محروم کر دیا۔ تم سے ایسی نادانی کی توقع ہرگز نہ تھی۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ آپ نے اس کو جواب دیا کہ جو شخص حق کو قبول کر لیتا ہے اور ثابت قدمی سے راہ راست پر گامزن ہو جاتا ہے وہ زیاں کار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی جس سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ (تفسیر عزیزی)

مضامین : یہ تین آیات ہیں یا اسرار و معارف کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر ہیں جن کا کنارا ناپید ہے اور اپنی گہرائی بے اندازہ ہے۔ عبارت کے ایجاز کو دیکھ کر فصحاء عرب تصویر حیرت بن گئے اور معانی کے شانِ اعجاز کو دیکھ کر عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عمرو بن عاص ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ ان کی ملاقات مسیلمہ کذاب سے ہوئی۔ اثنائے گفتگو میں مسیلمہ نے پوچھا کہ بتاؤ اس عرصہ میں تمہارے صاحب پر کیا نازل ہوا ہے۔ عمرو نے کہا بڑی مختصر اور نہایت بلیغ سورت نازل ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا کون سی؟ انہوں نے یہ سورت پڑھ کر سنائی۔ چند لمحے اس نے توقف کیا پھر کہا اسی قسم کی سورت مجھ پر بھی نازل ہوئی ہے اور یوں پڑھنے لگا :

"یاوَبَرُ یاوَبَرُ وانما انت اذنان وصدر وسائرک حفر نقر۔"

پھر داد طلب نگاہوں سے عمرو بن عاص کی طرف دیکھنے لگا اور پوچھا بتاؤ کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے مسیلمہ تجھے خوب علم ہے کہ میں تجھے پرلے درجے کا جھوٹا جانتا ہوں۔ وَبَر بلی کی شکل ایک جانور ہے جس کے دونوں کان اور

سینہ بہت بڑے ہوتے ہیں اور اس کا بقیہ جسم بڑا بدصورت ہوتا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے چاہا قرآن کریم کی اس نورانی سورت کا ایسے خرافات سے مقابلہ کرے۔ بھلا قرآن کی آیات کے مقابلہ میں اس کے ہذیان سرائی کی کیا وقعت ہو سکتی تھی۔ اہل ایمان تو کجا ایک ایسا شخص جو ابھی کفر و شرک کی آلائشوں سے آلودہ ہے اس کا ذوق سلیم بھی اس مجموعہ خرافات کو مسترد کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرام کو اس سورت کی معنویت اور عظمت کا بڑا احساس تھا، چنانچہ طبرانی نے عبداللہ بن حفص سے روایت کیا ہے کہ جب کبھی دو صحابی ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو رخصت ہونے سے پہلے ایک صاحب یہ سورت پڑھ کر سناتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل بجا کہا ہے:

لو تدبر الناس هذه السورة لوسعتهم۔ یعنی اگر لوگ اس ایک سورت میں ہی غور و تدبر کریں تو ان کی فلاح دارین کے لیے یہ ایک سورت ہی کافی ہے۔

سُورَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

سورۃ العصر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں تین آیات ہیں

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

قسم ہے زمانہ کی [۱] یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے [۲] بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لائے اور نیک

۱۔ اس سورت کا آغاز العصر کی قسم کھا کر کیا جا رہا ہے۔ عصر کا معنی زمانہ بھی ہے اور عصر دن کے اس حصہ کو بھی کہتے ہیں جس میں ظہر اور مغرب کی نمازوں کے درمیان نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس سورت میں جو حقیقت بیان کی جا رہی ہے اس کی صداقت پر سب سے بڑا گواہ خود زمانہ ہے۔

آپ انسانی تاریخ کے کسی دور کا مطالعہ کریں آپ یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچیں گے جو اس مختصر سورت میں بیان کیا گیا ہے۔ جو افراد اور قومیں ان مذکورہ چار صفات سے متصف نہیں ہوئیں وہ خائب و خاسر ہو کر رہی ہیں۔ نمرود اور فرعون کو دیکھو، قوم نوح اور قوم ہود کے حالات کا مطالعہ کرو، ہر جگہ اس حقیقت کی سچائی روز روشن کی طرح واضح ہے۔ نمرود اپنے وقت کا بہت بڑا بادشاہ تھا، ساری رعایا اس کی فرمانبردار تھی، ملک کی ساری دولت اس کے قبضہ میں تھی، اس کے شاہی خزانے سونے چاندی اور دیگر نوادرات سے بھرے ہوئے تھے۔ فوج بھی اپنے بادشاہ کے ساتھ وفا کے جذبہ سے سرشار تھی۔ یہی حال فرعون کا تھا۔ ان دونوں کے پاس اگر کسی چیز کی کمی تھی تو صرف یہ کہ وہ دونوں ان صفات جلیلہ سے محروم تھے جو انسانی فوز و فلاح کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا انجام کیا ہوا۔ ایک مطلق العنان بادشاہ فرمانروا کو ایک حقیر مچھر نے ہلاک کر دیا۔ دوسرے کو سمندر کی موجیں خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔ اس کے حسرتناک انجام پر ایک آنکھ بھی اشکناک نہ ہوئی۔ ایک دل بھی سوگوار نہ ہوا۔ وما بکت علیہم السماء والارض۔ ان بدبختوں کی تباہی و بربادی پر چشم فلک سے کوئی آنسو نہ ٹپکا اور نہ ہی زمین کی آنکھیں اشکبار ہوئیں۔ خس کم جہاں پاک۔ قوم نوح کو جب طوفان کی بپھری ہوئی موجوں نے گھیر لیا اور وہ سب کے سب غرق ہو گئے تو ان ظالموں کی بربادی پر کائنات نے حمد باری تعالیٰ کے گیت گائے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ والعصر سے مراد وہ عہد ہمایوں ہے جب یہ جہاں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود مسعود سے منور رہا۔ ویسے تو ہر زمانہ اس سورت میں بیان کردہ مضامین کی حقانیت کا گواہ ہے لیکن جیسی اٹل ناقابل تردید شہادت عہد مصطفوی نے دی ہے اس کی کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔ جن قوموں نے دعوت محمدی کو قبول نہ کیا وہ اپنی امارتوں، ریاستوں اور گوناگوں دیگر خصوصیتوں کے باوجود نیست و نابود ہو گئے۔ انسانیت نے ان کو فراموش کر دیا اور جن کی کچھ یاد باقی ہے ان کا نام گالی کے طور پر ہی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جن خوش نصیبوں نے اس ہادی برحق کی دعوت کو قبول کر لیا اس کی غلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے کے باعث ان چار خوبیوں سے اپنی زندگی کا دامن بھر لیا وہ انسانیت کی آبرو بن گئے۔ چشم گیتی کا نور، گلشن ہستی کی بہار اور فخر موجودات بن گئے۔ ان کا نام زبان پر آتا ہے تو پاکبازی اور تقویٰ و رسالت کی دنیا میں نور پھیل جاتا ہے۔ ان کے ذکر سے طاقتور طاقتور پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ایک لاکھ میں ہزاروں میلوں کا گرد اور ان کے نقوش پا کو چومتا

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾

عمل کرتے رہے ۲؎ نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے ۳؎

بنانے والے کاروانِ انسانیت کی قیادت کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی قربانیوں اور خلوصِ عمل سے انسان کے سرِ افتخار کو بلند کر دیا ہے۔

اس لیے اگر والعصر سے عہدِ رسالت مراد لیا جائے تو نہایت موزوں ہوگا۔

۲؎ زندگی کے اس کاروبار میں ہمارا سرمایہ وقت ہے اور اس سے بیش قیمت اور عزیز القدر کوئی دوسرا سرمایہ نہیں۔ جو لوگ اس کو بے مقصد ضائع کر گئے ہیں، عیش و عشرت میں برباد کرتے ہیں، باقیات صالحات کے بجائے زوال پذیر اور فانی چیزوں کے حصول میں صرف کرتے ہیں وہ کاروبارِ زیست سے نفع کیا خاک حاصل کریں گے۔ انہوں نے تو اپنی پونجی ہی ڈبو دی ہے۔ اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ نفع کے بجائے نقصان اٹھایا اور نقد وقت بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ کاروبارِ زیست کو از سرِ نو شروع کرنے کا امکان بھی ختم ہو گیا۔ آپ نے کبھی اس مسافر کی حالت کا نظارہ کیا ہے جو منزل کی طرف [illegible] رات کی تاریکی چار سو پھیل رہی ہو۔

۳؎ البتہ نوعِ انسانی کے وہ خوش قسمت افراد جن میں مندرجہ ذیل خوبیاں پائی جاتی ہیں، حقیقی فلاح کا تاج انہی کے سر پر سجایا جاتا ہے۔

پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ وہ صدقِ دل سے اپنے رب کریم پر ایمان لے آئیں۔ نیز ان کے پروردگار نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جس نبی کو مبعوث فرمایا ہے اس کی تصدیق کریں اور اس نبی نے ان کے سامنے جو نظامِ حیات پیش کیا ہے اس کو تہِ دل سے قبول کریں۔

دوسری صفت یہ ہے کہ اپنی زبان سے جس قلبی ایقان کا انہوں نے اظہار کیا ہے، میدانِ عمل میں اٹھنے والا ان کا ہر قدم اس کی تصدیق کرے۔

۴؎ جہاں تک ان کی انفرادی کامیابی کا تعلق ہے وہ تو ان دو صفتوں کے پائے جانے سے حاصل ہو گئی۔ لیکن اسے پائدار کون کرے؟ جو اپنے ماحول کی کامرانیوں کو شاداب کرے اور ویرانوں کو آباد کرے، صحراؤں اور چٹیل میدانوں کو سیراب کر کے رشکِ فردوس بنا دے۔ اس لیے فرمایا تیسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے حلقۂ اثر میں حق کی پذیرائی اور اس کی بالادستی قائم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتی جب تک یہ خود اور اس کی محنت سے حق کو قبول کرنے والے اس راہ کی صعوبتوں کو جوانمردی سے برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا نہ کریں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ ایک دوسرے کو صبر و استقامت کا درس دیتے رہیں، مصائب و آلام میں خود استقامت کا مظاہرہ کر کے دوسروں کے لیے دلکش نمونہ پیش کرتے رہیں۔ یہ صبر کامیابی کی اہم اور چوتھی شرط ہے۔ اس سے مراد فقط یہی نہیں کہ جب کوئی تکلیف آئے تو آپ گھبرائیں نہیں، بلکہ اس کے علاوہ نیکیاں کرنے پر صبر، گناہوں سے اجتناب پر صبر، احکامِ شرعیہ کی پابندی پر صبر، ماحول کے دباؤ کے مقابلہ میں صبر۔ جب ایک ایسی امت وجود میں آ جائے گی جو ان صفات سے متصف ہوگی تو پھر حق کو

پرچم ہمیشہ سربلند رہے گا کوئی طوفان اس کو سرنگوں نہ کر سکے گا کوئی آندھی اس کی روشنی کی ہوئی شمع کو بجھا نہ سکے گی۔ آپ ان خوش نصیب انسانوں کی سعادت مندی کا اندازہ لگائیں جن کی عرق ریزیاں، جگر کاویاں اور شب بیداریاں کے باعث حق کو قوت و غلبہ نصیب ہوا اور جن کی سرفروشی اور وفا، ایثار و خلوص نے ایسی شمعیں روشن کر دی ہیں کہ جن سے وہ راستہ جگمگا رہا ہے جو انسان کو اپنی حقیقی اور بلند منزل تک لے جانے والا ہے۔

یہاں تواصوا کا استعمال اور اس کا تکرار بڑا غور طلب ہے۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں اوصی الرجل و وصلہ۔ عہد الیہ (لسان العرب) یعنی کسی شخص کا کسی دوسرے کو کسی کام کی تاکید کرنا۔ علامہ راغب اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں الوصیۃ، التقدم الی الغیر بما یعمل بہ مقترنا بوعظ من قولھم ارض واصیۃ متصلۃ النبات (المفردات) کسی کو پند و موعظت سے کوئی کام کرنے پر ابھارنا، اسے تاکید کرنا۔ اس کے علاوہ اس میں تسلسل کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ وہ زمین جس میں مسلسل کاشت ہوتی رہے اور فصلیں اگتی رہیں اسے ارض واصیۃ کہتے ہیں۔ جوہری نے صحاح میں اور زبیدی نے تاج العروس میں اس کی یہی تشریح کی ہے۔

اس تحقیق کی روشنی میں آیت کے اس جملہ کا مفہوم یہ ہو گا کہ حق کو قبول کرنے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ کرتے وقت صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین و تاکید کی جا رہی ہے۔ ان کے آباء و اجداد نے ان کو ان امور کے بارے میں جو وصیت کی ہے وہ آنے والی نسلوں کو اسی کی وصیت کر گئے ہیں۔

کیونکہ حق کو قبول کرنا اور اس راہ میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا دونوں باتیں نہایت اہم ہیں اس لیے تواصوا کو مکرر ذکر کیا تاکہ قاری ان کی مستقل ذاتی حیثیت کو پیش نظر رکھے۔

○

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سورۃ الھمزۃ

نام : اس سورت کا نام الھمزہ ہے جو اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک رکوع اور نو آیات پر مشتمل ہے۔
اس کے تیس کلمات اور ایک سو تیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : کفار مکہ یوں تو سب کے سب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغض و عناد رکھتے تھے، لیکن ان میں چند ایسے بد باطن بھی تھے جو جھوٹے الزامات لگانے اور بہتان تراشی میں پیش پیش تھے۔ ان کی کیفیت بھی یکساں نہ تھی۔ کچھ ایسے تھے جو پس پشت ترغیب و عیب جوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے لیکن روبرو کوئی نازیبا بات کہنے کی وہ جرأت نہ کرتے، بعض بدبخت اور بے حیا ایسے بھی تھے جو منہ پر بھی طعن و تشنیع سے باز نہ آتے۔ اخنس بن شریق ان کا سرغنہ تھا۔ انہی لوگوں کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی۔

بتایا جا رہا ہے کہ چاند کی چاندنی سے روشن تر، قطرہ ہائے شبنم سے پاکیزہ تر، گلاب کی پتی سے بھی زیادہ لطیف سیرت طیبہ پر جو لوگ نازیبا الزام لگاتے ہیں ان کا اپنا کردار کیا ہے۔ ان کے دلوں میں دولت کی محبت رچی بسی ہوئی ہے۔ مال جمع کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ دراہم و دنانیر کو گننا اور بار بار گننا ان کی مرغوب تفریح ہے۔ خود تو گھٹیا کی طرح دنیا کی غلاظتوں پر بھنبھنا رہے ہیں اور بے ادبیاں کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس محبوب کی ذات اطہر پر جس کی ضیاء پاشیوں سے ایک عالم منور ہے۔

وہ صرف دولت کے پجاری اور پرلے درجے کے کنجوس ہی نہیں بلکہ عقل و فہم سے بھی بے بہرہ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دولت کی فراوانی انہیں موت کے چنگل سے چھڑا دے گی۔ کوئی بیماری ان کے قریب نہیں آئے گی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ان سے پہلے جو ان سے بھی کئی گنا زیادہ دولت مند لوگ تھے وہ خاک میں مل کر خاک نہ ہو چکے ہوتے۔ کیا یہ لوگ آج ان کا کوئی نام و نشان دکھا سکتے ہیں! ایسے ناعاقبت اندیش لوگوں کے انجام کے بارے میں بھی وضاحت فرما دی تاکہ کوئی شخص کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے جس شخص کی تمنا ہے کہ وہ ایسے انجام سے دوچار نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ آج ہی سلامتی اور ہدایت کی راہ پر گامزن ہو جائے۔

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعُ اٰيٰتٍ

سورۃ الہمزہ مکی ہے اور اس کی نو آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝١ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝٢

ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لیے جو (رو در رو) طعنہ دیتا ہے (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے

۱۔ یہاں دو لفظ ہیں۔ ہُمزہ۔ لُمزہ۔ استعمال ہوئے ہیں۔ علمائے لغت نے ان کی تشریح کرتے ہوئے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ قال ابن عباس هم المشاؤن بالنميمة المفرقون بين الاحبة۔ الباغون للبرآء العيب ومعناهما واحد۔ یعنی یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ ہر چغل کھانے والے، دوستوں میں جدائی اور تفرقہ ڈالنے والے، بے قصور اور بے عیب انسان میں نقص نکالنے والے کو ہمزہ اور لمزہ کہتے ہیں۔

مقاتل کا قول ہے الهمزة الذي يعيبك في الوجه واللمزة الذي يعيبك بالغيبة۔ یعنی جو روبرو طعنہ زنی کرے اسے ہمزہ اور جو پس پشت عیب جوئی کرے اسے لمزہ کہتے ہیں۔ ابوالعالیہ اور حسن نے اس کا معنی برعکس کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال مذکور ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ الفاظ اتنے قریب المعنی ہیں کہ اہل لغت کے لیے ان کا الگ الگ معنی متعین کرنا مشکل ہو گیا۔

کفار میں یہ کمزوری عام تھی، جہاں کسی غریب اور کمزور سے آمنا سامنا ہوا تو اس کے منہ پر اس کو برا بھلا کہتے کیونکہ انہیں اس کی طرف سے کسی مزاحمت یا جوابی کارروائی کا کوئی اندیشہ نہ ہوتا اور جہاں کوئی ایسا شخص جو طاقتور تھا مقابل ہوا اس کے سامنے اس کی تعریف بھی کر دی، اس کی خوشامد میں چند جملے بھی بول لیے اور جب وہ چلا گیا تو اس کی غیبت کرنا شروع کر دی۔ یہ ایسا ہے، ویسا ہے، اس میں یہ عیب ہے، اس میں فلاں کمزوری ہے۔ ناحق شناس لوگ اس اخلاقی کمزوری میں مبتلا ہوتے ہیں۔

۲۔ دوسرے لوگوں پر زبان طعن دراز کرنے کی عادت اس میں اس لیے ہے کہ یہ بڑا مال دار اور دولت مند ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھنے لگتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بنظر حقارت دیکھتا ہے لیکن دولت مند ہونے کے باوجود بڑا کنجوس ہے۔ گن گن کر بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھتا ہے۔ ایک درہم بھی خرچ کرنے کی اسے ہمت نہیں ہوتی۔ بعض علماء نے عدّدہ کا معنی اعدّہ کیا ہے یعنی اس نے ناگہانی مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے مال جمع کر رکھا ہے۔ وعده ٹھکانا الزلزلہ۔

يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝٣ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝٤ وَ

وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے ۳؎ ہرگز نہیں وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے گا ۴؎ اور

مَا أَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝٥ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝٦ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى

تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے ۔ وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی ۵؎ جو دلوں تک جا

الْأَفْئِدَةِ ۝٧ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝٨ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝٩

پہنچے گی ۶؎ بے شک وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی ۷؎ اس کے شعلے ایسے لمبے ستونوں کی صورت میں ہوں گے ۸؎

۳؎ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اگر اس کی دولت اس کے پاس رہی تو موت کا فرشتہ اس کے قریب نہیں پھٹکے گا۔ اسی کروفر کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا کبھی فنا نہ ہوگا کبھی ختم نہ ہوگا۔

۴؎ نبذ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں النبذ القاء الشیء وطرحہ لقلۃ الاعتداد بہ۔ کسی چیز کو حقیر سمجھتے ہوئے اسے پھینک دینا کہتے ہیں نبذت النعل الخلق میں نے پرانی جوتی اتار کر پھینک دی۔

ایسے مجسمہ انانیت کو دوزخ میں پھینکنے کا ذکر کرتے وقت ایسا لفظ استعمال فرمایا جو اس مفہوم کو ادا کرنے کے ساتھ اس کی تحقیر و تذلیل کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے۔

یعنی آج وہ اپنے آپ کو بڑا معزز اور سردار تصور کرتا ہے معاشرہ میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے دولت کی کثرت کے باعث لوگوں کے دلوں پر اس کا رعب بیٹھا ہوا ہے اس لیے وہ اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھنے لگا ہے لیکن خداوند کریم کے نزدیک وہ ایک پرانی جوتی سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

حطمۃ، حطم سے ہے۔ اس کا لغوی معنی توڑ دینا، پیس ڈالنا، ریزہ ریزہ کر دینا۔ یہ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے جس کی آگ اتنی تیز ہوگی کہ جو چیز اس میں پھینکی جائے گی آن واحد میں اس کو پیس کر رکھ دے گی اس کے پرخچے اڑا دے گی۔

۵؎ اس حطمہ کی خود تشریح کر دی، یہ وہ آگ ہے جسے اللہ نے جلایا ہے جو ہمیشہ بھڑکتی رہے گی کبھی نہیں بجھے گی۔

۶؎ جس کی آنچ دلوں تک پہنچ جائے گی، اس کی سوزش اور تپش سے دل پگھل کر کباب ہو جائیں گے۔

۷؎ جب کسی دروازے کے کواڑوں کو بھیڑ کر بند کر دیا جائے اور کنڈی لگا دی جائے اور ان کے دوبارہ کھلنے کا بظاہر کوئی صورت نہ ہو تو عرب کہتے ہیں آصدت الباب۔ اسی سے مؤصدۃ اسم مفعول ہے۔ یعنی ان ستمگاروں کو حطمہ میں ڈال دیا جائے گا اس کے دروازے بڑی مضبوطی سے مقفل کر دیے جائیں گے نہ انہیں کوئی کھول سکے گا اور نہ اس عذاب الیم سے ان کے نکلنے کی کوئی صورت ہوگی۔

ف۵ عَمَد، عمود کی جمع ہے یعنی ستون۔ ممدّدۃ: طویل، لمبے۔ یعنی اس آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں بلند ہوں گے۔ وہ تھمیں گے اور نہ ان کے درد والم میں کوئی تخفیف ہوگی۔

○

یا حی یا قیوم برحمتك استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفة عین واصلح لی شانی کله
وقنا من عذاب النار وتوفنا مع الابرار وصل وسلم وبارك علی النبی المختار وآله
واصحابه الاخیار۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ الفیل

نام : اس سورہ مبارکہ کا نام الفیل ہے۔ اس میں ایک رکوع، پانچ آیتیں، ۲۳ بیس کلمات اور چھیانوے حروف ہیں۔

زمانہ نزول : مکہ مکرمہ میں عہد نبوت کے آغاز میں نازل ہوئی۔

تاریخی پس منظر : اس سورت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس واقعہ کی تفصیلات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے۔ صرف اسی طرح ہم اس سورت کے مقصد نزول سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

نقشہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ بحر احمر کے دائیں طرف یمن کا ملک ہے اور اس کے بالمقابل دوسری طرف براعظم افریقہ کا ملک حبشہ ہے جسے ایتھوپیا یا ابی سینیا بھی کہا جاتا ہے۔ علم انساب کے ماہرین کا خیال ہے کہ حبش کے باشندے دراصل یمن کی قوم سبا کے ہی افراد تھے جنہوں نے یمن کی خوشحالی کے دور میں یمن سے نقل مکانی کر کے ایبے سینیا کے ساحل پر اپنی تجارتی منڈیاں اور مراکز قائم کر لیے تھے۔ زیادہ دیر تک وہ اپنی انفرادیت قائم نہ رکھ سکے۔ افریقہ کے اصلی باشندوں کے ساتھ ان کے شادی بیاہ کا سلسلہ شروع ہو گیا یہاں تک کہ نہ وہ خالص سبائی رہے اور نہ خالص افریقی بلکہ ایک مخلوط قوم بن گئے۔ اسی لیے ان کو حبش کہا جاتا ہے جس کا معنی اختلاط و امتزاج ہے۔ گویا سبا کی قوم دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ اپنے اصلی وطن یمن میں اقامت پذیر رہا انہیں سبائے حمیر کہا جاتا ہے اور جو لوگ ترک وطن کر کے یہاں آ کر آباد ہو گئے انہیں سبائے حبش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یمن کے اصلی باشندے ستاروں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ مختلف ستاروں کے لیے انہوں نے بڑے بڑے معبد بنوا رکھے تھے، لیکن اس زمانہ میں افریقہ قیصر روم کے قبضہ میں تھا۔ رومی عیسائی تھے۔ ان کے حکومتی اثر اور سرگرم تبلیغی کوششوں کے باعث عیسائیت کو یہاں بڑا فروغ حاصل ہوا۔ حبشہ کے باشندے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی اکثریت نے عیسائی مذہب کو قبول کر لیا۔ یمن میں بھی عیسائی مبلغین کی کوششوں سے نجران کے خطہ میں عیسائیت نے اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا۔ ذونواس حمیر کا آخری بادشاہ، عیسائیت کے فروغ سے آتش زیر پا ہو گیا اور اس نے گڑھے کھدوائے ان میں آگ جلائی اور ان عیسائیوں کو آگ میں پھینک کر جلا دیا۔ اس کا تفصیلی تذکرہ آپ ابھی ابھی سورۃ البروج میں پڑھ چکے ہوں گے۔ یمن کا ایک عیسائی امیر دوس بن ثعلبان جو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا، وہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس فریادی ہوا۔ نجاشی نے قیصر روم سے مشورہ کیا اور یمن پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ چند عیسائی جو بچ گئے تھے وہ قیصر کے پاس

قسطنطنیہ پہنچے اور وہاں جا کر اپنے بھائیوں کی داستان الم بیان کی۔ قیصر نے نجاشی کو یمن پر حملہ کرنے اور ان مقتولین کا انتقام لینے کی ہدایت کی۔ چنانچہ حبشی لشکر یمن پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ قیصر نے اپنا بحری بیڑہ فراہم کیا تاکہ یہ لشکر جزیرہ اس کے ذریعہ بحر احمر کو عبور کرے۔ قیصر نے یہ رویہ کیوں اختیار کیا؟ اس فراخدلانہ اعانت کا محرک کیا صرف مذہبی جذبہ تھا؟ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ محض بہانہ تھا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ اس تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کی جائے جس کے ذریعے مشرقی ممالک کا قیمتی سامان تجارت مغربی ممالک تک پہنچتا ہے۔ اس سے پیشتر اس شاہراہ پر اہل عرب کی اجارہ داری تھی اور انہی کے اگنت اونٹوں پر مشتمل قافلے اس سامان کو بحر احمر کی بندرگاہ سے اٹھا کر بحر روم کے ساحل تک پہنچایا کرتے تھے۔ کئی صدیوں سے رومی للچائی ہوئی نظروں سے اس شاہراہ کو دیکھتے تھے اور محض کسی بہانہ کی تلاش میں تھے۔ جن دنوں رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ شروع تھی اور حالت جنگ میں اس راستہ کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ممکن ہے قیصر کے اس اقدام کے محرک یہ دونوں سبب ہوں۔

الغرض جب حبشی لشکر حملہ آور ہوا تو شاہ یمن ذونواس نے عدن اور حضرموت کے ساحل پر اس کا استقبال کیا اور اسے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ حبشی وطن واپس آئے اور از سر نو بڑے زور شور سے دوبارہ حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ اس دفعہ ذونواس ان کے حملے کی تاب نہ لا سکا۔ اس کا حمیری لشکر بری طرح شکست سے دوچار ہوا۔ ذونواس نے راہ فرار اختیار کی اور اپنا گھوڑا ایک دریا میں ڈال دیا، لیکن وہیں اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ اس کے قتل کے بعد اس کا نائب ذوجدن مقابلہ کے لیے بڑھا لیکن وہ بھی مارا گیا۔ ذوالنیران نے حبشی فوج کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوا۔ اس طرح ۵۲۵ عیسوی میں سارا یمن حبشیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ عرب مؤرخین کے نزدیک اس حبشی لشکر کے سالار کا نام ارباط تھا۔ شاہ نجاشی نے اسی کو وہاں کا والی مقرر کر دیا لیکن یونانی مؤرخ اس سالار کا نام اسمیفیوس بتاتے ہیں اور اس وقت کے نجاشی کا نام 'ایلباسس' لکھتے ہیں۔

عربی روایات کے مطابق ارباط نے تقریباً ۲۰ سال تک یمن پر حکومت کی۔ اس کے بعد حبشی فوج کے ایک فوجی افسر ابرہہ کی قیادت میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ارباط مارا گیا اور ابرہہ یمن کا والی بن بیٹھا۔ سال کا تعین مشکل ہے البتہ ایک کتبہ جو ابرہہ کا نصب کردہ ہے اس پر ۶۵۸ یمنی سال مرقوم ہے جو ۵۴۳ء کے مطابق ہے۔

نجاشی نے ابرہہ کی بغاوت اور ارباط کے قتل کی خبر سنی تو بہت غضبناک ہوا۔ قسم اٹھائی کہ وہ خاک یمن کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالے گا اور ابرہہ کا خون بہائے گا۔ ابرہہ نے ایک شیشی میں اپنا خون بھرا اور یمن کی کچھ مٹی ایک خریطہ میں بند کی۔ دونوں کو بادشاہ کے پاس بھیجا اور لکھا کہ میں آپ کا حلقہ بگوش غلام ہوں۔ آپ نے جو حلف اٹھایا ہے اس کو پورا کرنے کے لیے اپنا خون اور یمن کی مٹی بھیج رہا ہوں۔ آپ اس مٹی کو اپنے پاؤں سے روند ڈالیے اور میرا خون جو شیشی میں ہے اسکو زمین پر بہا دیجیے۔ ابرہہ کی اس پیشکش سے نجاشی بہت خوش ہوا اور اسے یمن کا والی برقرار رکھا۔

جب ابرہہ کو کچھ اطمینان ہوا تو اس نے یمن میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے تحریک شروع کر دی۔ بڑے بڑے شہروں

ہیں گرجے تعمیر کیے اور یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک بہت بڑا عظیم الشان گرجا تعمیر کیا جس کو عرب القلیس یا القلیس کہتے ہیں، یہ لفظ کلیسا کا معرب ہے۔ اس کی زیب و زینت و آرائش پر دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ ان تمام کوششوں اور اقدامات کے باوجود عیسائیت کی اشاعت میں اسے حسب منشا کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس کے سامنے ایک ایسی رکاوٹ تھی جس نے اس کی کوششوں کو تقریباً بے اثر بنا دیا۔ مکہ مکرمہ میں جو کعبہ حضرت خلیل اللہ اسماعیل علیہم السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا ہر عربی باشندے کو اس سے قلبی اور فطری عقیدت تھی، وہ کسی قیمت پر اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا تھا عیسائیت قبول کرنے کا فوری نتیجہ اس رشتہ کا انقطاع تھا جس کے لیے اہل عرب بالکل تیار نہ تھے۔

ابرہہ نے اس رکاوٹ کو اپنے راستہ سے ہٹانے کا عزم کر لیا۔ اس نے عرب کے تمام علاقوں میں منادی کرا دی کہ میں نے تمہارے لیے ایک بہت خوبصورت کعبہ بنایا ہے تم وادی غیر ذی زرع میں واقع ان گھڑے مٹی اور پتھروں کے بنے ہوئے کعبہ کے بجائے یہاں آکر اپنا حج کیا کرو جو صنعاء کی جنت نظیر وادی میں انسانی فن تعمیر کا ایک شاہکار ہے، لیکن اس کی یہ دعوت صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ لوگ اس کے ہر طرح کے پراپیگنڈے کے باوجود تپتے ہوئے صحرا اور بے آب و گیاہ ریگزاروں کو مستانہ وار عبور کرتے ہوئے مکہ مکرمہ حاضر ہوتے اور کعبہ مشرفہ کا طواف کر کے سکون دل حاصل کرتے۔ اس چیز نے ابرہہ کو اور مشتعل کر دیا۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ اس گھر کو گرا کر نیست و نابود کر دے گا۔ ان حالات میں ایک اور واقعہ رونما ہوا جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کہتے ہیں بنی کنانہ کے کسی شخص نے رات کو اس کلیسا میں جا کر قضائے حاجت کر دی بعض کی رائے ہے کہ چند عرب نوجوانوں نے اس کلیسا کو نذر آتش کرنے کی کوشش کی لیکن مقاتل بن سلیمان کی رائے یہ ہے کہ چند مسافر رات بسر کرنے کے لیے اس گرجا کے پڑوس میں اترے، انہوں نے کھانا پکانے کے لیے آگ جلائی۔ آندھی آگئی اور کوئی چنگاری اڑ کر اس گرجے میں جا پہنچی جس سے وہاں آگ بھڑک اٹھی۔ ابرہہ یہ سن کر برافروختہ ہو گیا اور اس نے مکہ پر فوری چڑھائی کا عزم کر لیا۔ چند روز میں ایک لشکر جرار کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہو گیا اس کا سالار اعلیٰ خود ابرہہ تھا۔ جزیرۃ العرب میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی خود یمنی امراء و سرداروں نے کعبہ مقدسہ کو بچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ یمن کے ایک رئیس ذونفر نے اپنی قوم اور مجملہ قبائل عرب کو ابرہہ کا مقابلہ کرنے کے لیے للکارا۔ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے بے شمار لوگ اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن ذونفر کے لشکر نے شکست کھائی اور یہ خود گرفتار کر لیا گیا۔ ابرہہ اس کو اپنے ہمراہ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا جب اس کا گزر بلاد خثعم سے ہوا تو بنی خثعم کے سردار نفیل بن حبیب خثعمی نے اس کا مقابلہ کیا بنی خثعم کے دونوں قبیلے شہران اور ناہس اسکے ساتھ تھے لیکن انہیں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا نفیل گرفتار کر لیا گیا۔ ابرہہ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اسے معاف کر دیا۔ اس نے اس کو بھی ساتھ لیا تاکہ بلاد حجاز میں وہ اس کا دلیل کارواں بن سکے

جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو اہل طائف کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں ابرہہ ان کے مندر کو منہدم نہ کر دے جس میں ان کے معبود لات کا بت نصب تھا چنانچہ وہاں کے رؤساء ابرہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے بتایا کہ ہمارا یہ معبد وہ نہیں جس کو گرانے کا تم نے قصد کیا ہے بلکہ وہ آگے مکہ میں ہے اور ہم اس سلسلہ میں آپ کی ہر خدمت بجا لانے کے لیے

تیار ہیں۔ چنانچہ ابرہہ نے ان کو اطمینان دلایا، ان کی عزت و تکریم کی۔ انہوں نے ابو رغال کو اس کے ہمراہ بھیجا تاکہ وہ راستہ بتانے اور کعبہ کی نشاندہی کرے۔ جب ابرہہ اپنے لشکر جرار کو ساتھ لیے مکہ کے نزدیک وادی مغمس میں خیمہ زن ہوا تو اس کے لشکریوں نے مار دھاڑ شروع کر دی، بھیڑ بکریاں اور اونٹ جو چیزان کے ہاتھ لگی ہانک کر وہ اسے اپنے پڑاؤ میں لے آئے۔ اس لوٹ کے مال میں حضرت عبدالمطلب کے دو صد اونٹ بھی تھے۔

ابرہہ نے حمیر قبیلہ کے حناطہ نامی ایک شخص کو مکہ بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں کو یہ بتائے کہ ابرہہ ان سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ خانہ کعبہ کو گرانے آیا ہے۔ اگر اہل مکہ نے مزاحمت نہ کی تو انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا لیکن اگر انہوں نے مزاحمت کی کوشش کی تو پھر نتائج کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔ حناطہ مکہ گیا تو اس نے لوگوں سے پوچھا تمہاری بستی کا سردار کون ہے؟ انہوں نے حضرت عبدالمطلب کا نام لیا۔ اس نے آپ سے ملاقات کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے بتایا کہ ابرہہ سے جنگ کرنے کا نہ ہمارا ارادہ ہے اور نہ ہم میں اس کی ہمت ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے خلیل کا حرم ہے اگر وہ چاہے گا تو خود اس کی حفاظت کرے گا ورنہ جیسے اس کی مرضی۔ حناطہ نے آپ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ آپ اس کے ہمراہ ابرہہ کے پاس تشریف لائے۔ آپ کی بارعب شخصیت اور نورانی چہرہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا۔ تخت سے نیچے اتر آیا اور آپ کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا۔ ترجمان کے ذریعے اس نے پوچھا کوئی ارشاد؟ آپ نے کہا میری درخواست تو یہ ہے کہ تمہارے لشکری میرے دو صد اونٹ ہانک کر لے آئے ہیں وہ مجھے واپس کر دیے جائیں۔ ابرہہ اس غیر متوقع جواب سے بہت حیران ہوا۔ کہنے لگا جب میں نے آپ کا پہلی مرتبہ دیکھا میرے دل میں آپ کا از حد احترام پیدا ہو گیا لیکن آپ کی یہ حقیر درخواست سن کر احترام کا جذبہ ناپید ہو گیا۔ آپ کو اپنے اونٹوں کا تو اتنا خیال ہے اور کعبہ کا ذرا خیال نہیں جس کی وجہ سے تمہاری عزت کی جاتی ہے۔ آپ نے بڑا ہی دلکش جواب دیا۔ اِنِّیْ اَنَا رَبُّ الْاِبِلِ وَاِنَّ لِلْبَیْتِ رَبًّا سَیَمْنَعُهٗ۔ یعنی میں اونٹوں کا مالک ہوں ان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے بڑے غرور سے کہا اب اس گھر کو میری تاخت و تاراج سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ حضرت عبدالمطلب واپس آ گئے اور قریش کو حکم دیا سب مکہ سے کوچ کر جائیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جائیں تاکہ کہیں لشکر ان کو تہس نہس نہ کر دے۔ آخر میں آپ اپنی قوم کے رئیسوں کو ساتھ لے کر کعبہ کے پاس آئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کریں کہ وہ انہیں اور کعبہ کو ابرہہ کی دست برد سے بچائے۔ کعبہ کے دروازہ کے کنڈا کو پکڑ کر عبدالمطلب نے بڑے عجز و نیاز سے فریاد کی پیش کیا:

لَاهُمَّ اِنَّ الْمَرْءَ یَمْنَعُ رَحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكْ

اے اللہ! ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

لَا یَغْلِبَنَّ صَلِیْبُهُمْ وَمِحَالُهُمْ اَبَدًا مِحَالَكْ

کل ان کی صلیب اور ان کی قوت تیری قوت پر غالب نہ آ جائے۔

اِنْ كُنْتَ تَارِكَهُمْ وَكَعْبَ ... لَتَنَا فَاَمْرٌ مَا بَدَا لَكْ

(اگر تو انہیں اور ہمارے قبلہ کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تیری مرضی ہو ایسا کر)

ابن جریر نے عبدالمطلب کے یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو اس موقع پر دعا مانگتے ہوئے انہوں نے ارتجالاً کہے :

یَا رَبِّ لَا اَرْجُو لَهُمْ سِوَاكَا ۔۔۔ یَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاكَا

(اے میرے پروردگار تیرے بغیر ان کے مقابلہ کی کسی سے توقع نہیں رکھتا۔ اے میرے پروردگار ان کی دستبرد سے اپنے حرم کی حفاظت فرما)

اِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مَنْ عَادَاكَا ۔۔۔ اِمْنَعْهُمْ اَنْ يُّخْرِبُوا قُرَاكَا

(اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے ان کو روک دے کہ وہ تیری بستی کو ویران نہ کریں۔)

دعا سے فارغ ہونے تو سب کو ساتھ لے کر پہاڑوں میں قریش بھی گئے۔ ابرہہ نے صبح سویرے مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ اس کے لشکر میں تقریباً بارہ جنگی ہاتھیوں کا دستہ تھا۔ سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا۔ جب اس ہاتھی کو مکہ کی طرف پیشقدمی کے لیے ہانکا گیا تو وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ فیل بان نے آنکس سے بڑے کچوکے دیئے اور تیر سے اسے مارا لیکن وہ اٹھنے کا نام نہ لیتا تھا اگر کسی اور سمت کو اسے چلنے کا اشارہ کیا جاتا تو بغیر کسی توقف کے وہ چلنے لگتا۔ نفیل بن حبیب بنی خثعم کا سردار جو اب تک ابرہہ کے ہمراہ تھا بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ انہی حالات میں فضا میں چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول در غول نمودار ہونے ہر ایک نے ایک سنگریزہ اپنی چونچ میں اور ایک ایک اپنے دونوں پنجوں میں پکڑا ہوا تھا ـــــــ ان سنگریزوں کی مقدار چنے یا مسور کے دانہ کے برابر تھی ہر سوار پر ایک ایک پرندہ ایک کنکر مارتا تھا جو اس کے فولادی خود، آہنی زرہ اور اس کے جسم کو چیرتا ہوا زمین میں دھنس جاتا تھا۔ لشکر کا اکثر حصہ تو وہیں تباہ و برباد ہو گیا۔ ایک مختصر تعداد جن میں ابرہہ بھی تھا وہاں سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئی، لیکن ان کے جسموں میں اتنی زبردست خارش پیدا ہو گئی کہ وہ ہر وقت کھجلاتے رہتے۔ کھجلانے سے زخم نمودار ہو گئے۔ زخموں سے پیپ اور لہو بہنے لگا۔ گوشت گل سڑ کر نیچے گرنے لگا۔ کئی راستہ میں ہی ہلاک ہو گئے۔ ابرہہ صنعا پہنچ گیا لیکن اس کی حالت یہ تھی کہ سارا جسم ناسور بنا ہوا تھا اور وہ ہیل تن گرانڈیل جوان چوزے کی مانند دبلا پتلا ہو گیا تھا۔ یہ تحقیق بڑھتی گئی یہاں تک کہ اس کا سینہ شق ہو گیا اور اس نے دم توڑ دیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی وہ دشمن جسے اپنی قوت اور لشکر کی کثرت پر بڑا گھمنڈ تھا اس کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کی سنگباری سے فنا و برباد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو بنی کنانہ کے سردار ذونفر کے ہاتھوں اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا اگر چاہتا تو بنی خثعم کے سردار نفیل کو اس کی بربادی کا باعث بنا دیتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ دشمن کو حرم خلیل تک پیشقدمی کرنے کی مہلت دے اور تمام لوگوں کے سامنے اپنی قوت قاہرہ کا مظاہرہ کرے تاکہ قیامت تک کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اس سال کو اہل عرب عام الفیل کہتے ہیں۔

یہ واقعہ سنہ ۵۷۰ عیسوی میں رونما ہوا۔ محرم کا مہینہ تھا۔ اسی سال ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں کعبہ مقدسہ کو بتوں کی نجاستوں سے پاک کرنے والے، اس کے در و دیوار کو نور توحید سے منور کرنے والے اور اس کو ذکر الٰہی کے نغموں سے آباد کرنے والے اللہ تعالیٰ کے حبیب لبیب محبوب اکرام اس کی مخلوق کے ہادی و مرشد محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۃ الفیل مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ | اس میں پانچ آیات ہیں

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿۱﴾ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ

کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ لے کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کو

لے یہ حیرت انگیز واقعہ کس سال میں ظہور پذیر ہوا اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ لیکن صحیح قول وہ ہے جو ابن عباس اور دیگر محققین علما سے منقول ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً پچاس دن پہلے یہ واقعہ رونما ہوا یعنی محرم کے ماہ محرم کی سترہ تاریخ تھی اور بارہ ربیع الاول کو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رونق افروزِ بزمِ گیتی ہوئے۔ ارشادِ نبوی ہے: ولدت عام الفیل، کہ میری ولادت عام الفیل میں ہوئی۔

الوسیم لکھتے ہیں کہ حملہ آور فوج نصاریٰ تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اور انجیل کو ماننے والے تھے۔ اہل مکہ کا اس وقت مذہب بت پرستی تھا، تین سو ساٹھ بت کعبہ شریف میں رکھے ہوئے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان مشرکین اور بت پرستوں کے مقابلہ میں ابرہہ کی مدد کی جاتی اور کعبۂ خلیل کو صنم کدہ بنانے والوں کو عبرتناک سزا دی جاتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ اب کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کرنے والے کی آمد کا وقت قریب تھا۔ ابرہہ اگرچہ عیسائی تھا لیکن وہ بلکہ عیسائیت میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے مجسموں کی پرستش بڑے زور شور سے کی جاتی تھی اس لیے حقیقت کے لحاظ سے مشرکین مکہ اور ابرہہ میں اگر کوئی فرق تھا تو محض چہرے اور نام کا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی ولادت کے سال میں اہل مکہ پر ایسا فضل و کرم فرمایا جس کا شکریہ وہ تاقیامت ادا نہیں کر سکتے۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: کانت قصة الفیل توطیة لنبیه ومقدمة لظهوره وبعثته یعنی اس قصہ کا وقوع حضور کی آمد سے پہلے بطور تمہید کے تھا۔

آیت میں استفہام اظہارِ تعجب و حیرت کے لیے ہے۔ الم تر کا معنی جاننا، مطلع ہونا بھی کیا گیا ہے۔ مزید لطف یہ ہے کہ الم تر ما فعل ربک کے بجائے الم تر کیف فعل ربک فرمایا گیا ہے۔ یعنی آپ کے رب نے کیسا سلوک کیا۔ مقصد یہ ہے کہ اس واقعہ کا ظہور اس صورت میں ہوا کہ اس کا ہر پہلو انسان کو محو حیرت کر دیتا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، علم محیط اور کعبہ کی عظمت و شرف کی گواہی دے رہی ہیں۔

لے ابرہہ کا لشکر ساٹھ ہزار جنگجو سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ لیکن اس میں ایک ہاتھیوں کا دستہ بھی تھا جس میں ۹ یا ۱۳ ہاتھی شریک تھے۔ یہ دستہ لشکر کے جلو میں جھوم جھوم کر چل رہا تھا۔ اہل مکہ بلکہ اہل عرب نے نہ کبھی ایسی فوج دیکھی تھی اور نہ اس ساز و سامان اور اسلحہ کا انہوں نے کبھی تصور کیا تھا۔ ہاتھی اہل عرب کے لیے بالکل ایک نئی چیز تھی۔ اسی خصوصیت کے باعث اس سارے لشکر کو اصحاب الفیل کہا گیا۔ چند غیرت مند قبائل نے ابرہہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ مکہ والے بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں کعبہ کو چھوڑ کر دور پہاڑوں میں جا چھپے۔ کعبہ کو گرانے میں بظاہر کوئی رکاوٹ نظر نہ آتی تھی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو جس طرح بچایا اور طاغوت پر اپنے

فِیْ تَضْلِیْلٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ اَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۙ﴿۳﴾ تَرْمِیْهِمْ

ناکام نہیں بنا دیا ؟ اور (وہ یوں کہ) بھیج دیئے ان پر ہر سمت سے پرندے ڈاروں کے ڈار۔ جو برساتے تھے

بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾

ان پر کنکر کی پتھریاں پس بنا ڈالا ان کو جیسے کھایا ہوا بھوسہ

رسول کی اولین اور بڑی گھر کی عزت وحرمت کا سکہ جس طرح لوگوں کے دلوں پر بٹھایا، عقل انسانی اس کو دیکھ کر محو حیرت ہے۔ انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جس ذات کا یہ گھر ہے اس کی قدرت بے پناہ، اس کی حکمتیں بیکراں اور اس کی تدبیر لاجواب ہیں۔ جس بات کا وہ ارادہ فرماتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے، کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

۲۔ ابن منظور نے الکید کے دوسرے معانی کے ساتھ اس کا یہ معنی بھی ذکر کیا ہے۔ الکید: التدبیر بباطل او بحق (لسان العرب) یعنی کسی اچھے یا برے غلط یا صحیح کام کرنے کے لیے تدبیر کرنا۔ یہاں اس کا یہی معنی مراد ہے۔ ابرہہ کی لشکر کشی پوشیدہ اور چھپی ہوئی نہیں تھی۔ اس کے مذموم ارادے بھی کوئی راز نہ تھے۔ اس نے ڈنکے کی چوٹ سے یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے آیا ہے۔ یہاں کید کا معنی خفیہ تدبیر یا مکر کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ تضلیل کہتے ہیں کسی تدبیر کا ناکام ہو جانا، کسی سعی کا رائیگاں ہو جانا، کسی جدوجہد کا اکارت جانا۔

ابرہہ نے کعبہ مقدسہ کو گرانے کا عزم کیا۔ اس عزم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے پوری تدبیر کی۔ مکہ کا شہر جس کی آبادی چند ہزار سے زیادہ نہ تھی، ان میں بوڑھے، بچے اور عورتیں بھی تھیں، اس شہر پر اتنے بڑے عظیم لشکر سے حملہ آور ہوا، اس بات کی پوری یقین تھا کہ وہ ان کا نام و نشان مٹا دے گا۔ وہ شکست کے ہر امکان کو ختم کر دینا چاہتا تھا پھر جنگی ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ یہ ساری تدبیریں صاف شاہد تھیں کہ وہ اپنے اس ارادے کو ہر قیمت پر عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے جنگی منصوبے میں اتنی کامیابی فیصد شامل کر لیا تھا کہ اور اس کے حلیف قبائل اگر اپنے تمام جنگجو مردوں کو جمع کر لیتے تو اس لشکر کا عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ ابرہہ نے تو کوئی تدبیر بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ لیکن اے محبوب! آپ کے پروردگار کی حکمت نے اس کی ساری تدبیروں کو ناکام بنا دیا۔ اس کی ساری چالوں کو خاک میں ملا دیا۔ کسی کوشش یا تدبیر کو ناکام بنانے کو عربی میں تضلیل کہتے ہیں۔

۳۔ ان کے اس حملہ کو پسپا کرنے کے لیے رب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے کیا جوابی کارروائی کی اس کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے کہ اس لشکر جرار کو جو ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھا اس کے آگے آگے چنگھاڑتے ہوئے مست ہاتھی اپنی سونڈیں لہرا لہرا کر دلوں پر خوف و ہراس پیدا کر رہے تھے۔ ایسے لشکر کو تباہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کسی غیر معمولی طاقت کے استعمال کی ضرورت نہ تھی۔ اپنے مختلف قسم کے ان گنت لشکروں میں سے اس نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے چند ڈار بھیج دیئے جو ساحل سمندر کی طرف سے امڈ پڑے اور چونچوں کی سنگباری سے اس لشکر کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ علامہ قرطبی اپنی تفسیر ابابیل کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ابابیل، قال عکرمة مجتمعة، وقیل متتابعة بعضها في اثر بعض، وقیل مختلفة متفرقة تجيء من كل ناحية من ههنا ومن ههنا.
قال النحاس هذه الاقوال متفقة وحقيقة المعنى انها جماعات عظام. (قرطبی)

یعنی عکرمہ کہتے ہیں کہ ابابیل کا معنی مجتمع ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی مختلف ٹکڑیوں کا یکے بعد دیگرے آنا ہے۔ بعض نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ہر طرف سے اور ادھر ادھر سے مختلف جھنڈ نمودار ہو گئے۔ نحاس کہتے ہیں کہ ان مختلف اقوال کا مفہوم ایک ہی ہے۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ پرندوں کی بڑی بڑی جماعتیں اچانک ہر طرف سے نمودار ہو گئیں۔

ان پرندوں کو خدائی اسلحہ خانہ سے مسلح کر کے بھیجا گیا تھا۔ ان کا اسلحہ چھوٹے چھوٹے سنگریزوں سے عبارت تھا۔ وہ سنگریزے ایسے تھے جنہیں آتش جہنم میں پکایا گیا تھا۔ ایسی بھٹیوں میں جو چیز پک کر آتی ہے اس کی تباہ کاری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جو بم ان پرندوں نے اٹھائے ہوتے تھے وہ تو جہنم کی بھٹی میں تیار ہوتے تھے۔ ان کا حجم چنے یا مسور کے دانے کے برابر تھا لیکن ان کی قوت کا اندازہ فقط اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر پرندے کو صرف تین بم برسانے کا حکم دیا گیا تھا۔ ایک بم اس نے اپنی چونچ میں اور دو بم اپنے پنجوں میں پکڑے ہوئے تھے۔ وہ اترتے ہوئے آتے آن واحد میں لشکر پر چھا گئے اور حسب حکم ایک ایک سنگریزہ ایک ایک سوار پر پھینکا۔ مسور کے حجم کا وہ دانہ فولاد و خود ان کی آہنی ٹوپیوں کو چیرتا ہوا ان کے گٹھے ہوئے جسموں کو کھاتا ہوا ان کی سواری کے جانوروں کو چھلنی کرتا ہوا زمین میں دھنس جاتا۔ نشانہ خطا ہونے کا امکان ہی نہ تھا۔ جس کو لگا اس کے جسم میں زہریلے اثرات سرایت کر گئے۔ فوراً پھنسیاں پھوڑے نمودار ہونے لگے اور ان سے پیپ اور خون بہنے لگا۔ درد کی شدت ناقابل برداشت تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گوشت گل سڑ کر گرنے لگا۔ اس ناگہانی تباہی نے ان کے اوسان خطا کر دیئے۔ فوجی نظم و ضبط کی پابندی کا کسی کو ہوش تک نہ رہا۔ چند لمحے پہلے جو فوج فوجی نظم و ضبط سے بڑے کروفر کے ساتھ مکہ کی طرف بڑھ رہی تھی اب بدنظمی کا شکار تھی۔ ہر کوئی جدھر منہ اٹھاتا بھاگا جا رہا تھا۔ لشکر کا بیشتر حصہ تو وہاں ہی تباہ و برباد ہو گیا۔ چند لوگ صنعاء تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ جسم پھوڑوں سے بھرے ہوئے، ہر پھوڑے سے پیپ کا دریا رواں، ابرہہ کے بدن سے گوشت گرتا جا رہا تھا۔ ان کی آہ و فغاں سے صنعاء کی فضا دہشت ناک ہو گئی تھی۔ ان لوگوں میں ابرہہ بھی تھا۔ وہ مرد وجاہت، خوبرو جوان اور قوت و طاقت کا مجسمہ اب گل سڑ کر ایک چوزے کی مانند ہو گیا۔ اس کا گوشت آہستہ آہستہ گلتا جا رہا تھا یہاں تک کہ اس کا سینہ گل کر پھٹ گیا اور اس طرح کعبہ کو گرانے کا ارادہ کرنے والے اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

ان لوگوں کو اپنے دار السلطنت صنعاء میں زندہ پہنچانے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ صرف اہل مکہ ہی نہیں بلکہ یمن والے بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں کہ جو لوگ ایسی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں غضب الٰہی ان کو کس طرح تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

۵ ان کی خستہ حالی اور تباہی کی کتنی صحیح اور موثر تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔ عصف کہتے ہیں گندم، باجرہ، مکئی وغیرہ کے پتوں کو، مأکول جس کو کھا لیا گیا ہو۔ جب کوئی جانور چارہ کھاتا ہے تو پہلے وہ اسے اپنے دانتوں سے چبا کر ریزہ ریزہ کرتا ہے۔ وہ چبائے ہوئے پتے معدے میں جا کر ہضم کا مرحلہ طے کرتے ہیں اور آخر گوبر بن کر باہر نکلتے ہیں۔ خود سوچو ان پتوں کی حالت کتنی خستہ اور تباہ ہوتی ہے؟ یہی حالت ان کی بھی ہو گئی تھی۔

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محض اپنی سمجھ کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ واقعہ جیسے قرآن نے بیان کیا ہے قابل تسلیم نہیں۔

اس لیے وہ اس کی تاویلیں کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کنکر سے مراد پتھر نہیں بلکہ وبال ہے اور حجارۃ سے مراد چیچک اور خسرہ کی بیماری ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کہیں سے پرندوں کی ٹکڑیاں نمودار نہیں ہوئیں، ان کی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے تھے اور انہوں نے سنگباری کی کہ اس لشکر کو تہس نہس کیا، بلکہ اس لشکر میں خسرہ، چیچک کی وبا پھوٹ پڑی اور اس کی وجہ سے وہ لشکر تباہ ہو گیا۔

اگر ان کی اس بے بنیاد تاویل کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ وبا اس لشکر تک ہی کیوں محدود رہی، وہاں کی مقامی آبادی اس سے کیونکر محفوظ رہی؟ ایک مثال بھی وہ لوگ نہیں بتا سکتے کہ اہل مکہ میں سے کوئی شخص اس وقت اس وبا سے مرا ہو۔ آیات قرآنی کی من مانی تاویلیں کر کے اغیار کی خوشنودی کے لیے اسلام دشمن و ہول کرنا جیسے شاید اوصاف قبول کرتے ہیں تو یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی خطاؤں کو معاف فرمائے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ نے جب اپنی قدرت کاملہ سے حملہ آوروں کو تباہ و برباد کر دیا اور اپنے گھر کو بچا لیا تو حضرت عبدالمطلب نے ان الفاظ سے اپنے رب کی حمد اور اس کا شکر ادا کیا:

أنت منعت الحبش والأفيالا — وقد رعوا بمكة الأجيالا

وقد خشينا منهم القتالا — وكل أمر لهم معضالا

شكرا وحمدا لك يا ذا الجلال

ترجمہ: تو نے ہی حبشی لشکر اور ہاتھیوں سے ہماری حفاظت کی اور وہ کافی دن تک مکہ کی چراگاہوں میں اپنے جانوروں کو چراتے رہے۔ ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ وہ ہم سے برسر پیکار ہوں گے۔ اے خداوند ذوالجلال ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور ہم تیری ثنا کرتے ہیں۔

جیسے کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ بنی خثعم کے سردار نفیل بن حبیب کو ابرہہ اپنے ہمراہ لایا تھا کہ وہ طائف کے راستوں سے آگاہ کرے۔ جب ابرہہ کا لشکر کعبہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا تو وہ وہاں سے کھسک کر ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر فروکش تھے۔ اس نے جب پرندوں کو سنگباری کرتے ہوئے اور ابرہہ کے لشکر کو تباہ و برباد کرتے ہوئے دیکھا تو وہ کہنے لگا:

ردينة لو رأيت ولا تريه — لدى جنب المحصب ما رأينا

اے ردینہ (اس کی بیوی کا نام) کاش تو اس منظر کو دیکھتی جو ہم نے وادی محصب کے قریب دیکھا تھا۔

إذا لعذرتني وحمدت أمري — ولم تأسي على ما فات بينا

تب تو مجھے معذور سمجھتی اور میرے کارنامہ کی تعریف کرتی اور جو چیز فوت ہو گئی ہے اس پر تو افسوس نہ کرتی۔

حمدت الله إذ أبصرت طيرا — وخفت حجارة تلقى علينا

جب میں نے پرندوں کے جھنڈ کو دیکھا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور جب پتھر برسنے لگے تو میں خوفزدہ ہو گیا۔

فكل القوم يسأل عن نفيل — كأن علي للحبشان دينا

ابرہہ کی فوج کا ہر سپاہی پوچھتا تھا کہ نفیل کہاں ہے تاکہ وہ انہیں یہاں سے بھاگ جانے کا راستہ دکھائے۔ وہ میرے بارے میں یوں استفسار کر رہے تھے گویا ان حبشیوں کا کوئی قرض میرے ذمہ واجب الادا تھا۔

ان اشعار سے بھی ہمارے متجدد پسند مفسرین کے مفروضے کی تکذیب ہوتی ہے۔

اس واقعہ کا ایک خوش آئند اثر یہ ہوا کہ مشرکین عرب کا اعتقاد ان بتوں سے اٹھ گیا اور تمام اللہ رب العزت کی بارگاہ بے کس پناہ میں اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے بڑی عاجزی سے فریاد کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ یہ اثر ان پر سات سال تک باقی رہا اور وہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے رہے۔

اس سورت سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اے اہل مکہ اگر تم میرے حبیب کی دعوت توحید کو بڑی بے رخی سے ٹھکرا رہے ہو اور ان بتوں کی الوہیت کے نظریہ سے دستبردار ہونے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں ہو تمہیں عام الفیل کا وہ واقعہ بھول گیا؟ آج روز تمہیں اس لشکر جرار سے کس نے نجات دی تھی کس نے عالم غیب سے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے تھے؟ کس کے حکم سے ان پرندوں نے سنگباری کر کے تمہارے دشمن کو تہس نہس کر دیا تھا؟ اس نے تمہارا بال بیکا نہ ہونے دیا اور اس گھر کی بھی حفاظت فرمائی جس سے تمہاری عزتیں اور عظمتیں وابستہ ہیں۔

○

سبحان ذی الملک والملکوت

سبحان ذی العزۃ والهیبۃ والکبریاء والجبروت

لا اله الا انت انک انت العزیز الحکیم

اللهم زد حبیبک شرفا وشرفا وصل وسلم علی رسولک الذی ارسلته بالهدی

ودین الحق لیظهره علی الدین کله

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ قریش

نام : اس سورہ پاک کا نام قریش ہے۔ یہ کلمہ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کا ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں۔
اس کے کلمات کی تعداد ستر اور حروف کی تعداد تہتر ہے۔

زمانہ نزول : اگرچہ ضحاک اور کلبی کی رائے میں یہ سورت مدنی ہے لیکن جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں سورۃ الفیل کے بعد جلد ہی ہوا۔ مضمون کی یک گونگت اور کلمات کا باہمی تعلق بھی اسی قول کی تائید کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض حضرات نے انہیں دو علیحدہ علیحدہ سورتوں کے بجائے ایک سورت ہی شمار کیا ہے لیکن حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے جو نسخے کتابت کرائے تھے ان میں ان دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ مرقوم ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ دو الگ الگ سورتیں ہیں۔

مضامین : اس میں قریش پر اپنے عظیم احسانات کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے اور ان احسانات کو یاد دلانے کے بعد انہیں اپنے رب کریم کی عبادت کی دعوت دی جا رہی ہے۔

قریش عرب کا ایک مشہور اور معزز ترین قبیلہ ہے۔ اس کا اطلاق نضر کی اولاد پر ہوتا ہے جس کا نسب نامہ یہ ہے: نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ بعض علماء کے نزدیک نضر کے پوتے فہر بن مالک کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے لیکن پہلا قول صحیح ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے بھی اسی قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: اِنَّا وُلْدُ النضر بن کنانۃ لا نقفو اُمّنا ولا ننتفی من ابینا (قرطبی)۔ یعنی ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔ نہ ہم اپنی ماؤں کو متہم کرتے ہیں اور نہ اپنے باپوں سے اپنے نسب کی نفی کرتے ہیں یعنی ہمیں اپنی ماؤں کی عفت پاکی اپنے باپوں کی شرافت و بزرگی دونوں پر ناز ہے۔ دوسرا ارشاد ہے جو امام مسلم نے روایت کیا ہے: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِنّ اللہ اصطفٰی کنانۃ من ولد اسمٰعیل واصطفٰی من بنی کنانۃ قریشا واصطفٰی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم۔

ترجمہ : حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل سے کنانہ کو چنا اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو۔

ان احادیث سے بھی معلوم ہوا کہ کنانہ کے بیٹے نضر کی اولاد قریش کہلاتی۔

کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی اولاد کا شمار قریش میں نہیں ہو گا

وجہ تسمیہ: قبیلہ قریش کی وجہ تسمیہ کیا ہے اس کے بارے میں متعدد اقوال منقول ہیں۔

۱۔ یہ تقرش سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی التجمع والالتئام کسی کا منتشر و متفرق ہو جانے کے بعد اکٹھا اور مجتمع ہو جانا۔ قریش کا قبیلہ پہلے سارے عرب میں منتشر تھا قصی بن کلاب نے انہیں مکہ مکرمہ میں یکجا کیا اور حرم کے پڑوس میں آباد کیا۔ شاعر کہتا ہے:

ابو نا قصی کان یُدْعٰی مُجمِّعًا ۔۔۔ بہ یجمع اللّٰہ القبائل من فھر

ہمارا باپ قصی ہے جسے مجمّع کہا جاتا ہے فہر کی اولاد کے قبائل کو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ جمع کیا۔

۲۔ یہ تقرش سے ماخوذ ہے جس کا معنی تکسب ہے کیونکہ قریش تجارت پیشہ تھے اور اس طرح اپنا رزق خود کمایا کرتے تھے، اس لیے انہیں قریش کہا گیا۔

۳۔ تقرش کا ایک اور معنی تفتیش اور تلاش ہے۔ اس قبیلہ کا یہ شیوہ تھا کہ حاجیوں کی ضروریات و مشکلات کے بارے میں تجسس کیا کرتے تھے اور جب انہیں پتہ چلتا تو ان ضروریات کو پورا کرنے اور ان مشکلات کو دور کرنے کی حتی الامکان سعی بلیغ کرتے۔ اس لیے ان کو قریش کہا گیا۔

۴۔ یہ قول حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت ابن عباس سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا: لدابۃ فی البحر من اقوی دوابہ یقال لہا القرش تاکل ولا تؤکل وتعلو ولا تعلٰی۔ سمندری جانوروں میں سے ایک بڑے طاقتور جانور کو قرش کہتے ہیں جو دوسرے جانوروں کو ہڑپ کر جاتا ہے لیکن اس کو کوئی نہیں کھا سکتا۔ مقابلہ میں وہ ہمیشہ غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں: عبد مناف کے چار فرزند تھے۔ ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل۔ چاروں بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ہر ایک نے اپنے پڑوسی بادشاہوں میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے اور انہوں نے ان کو یہ مراعات دی تھیں کہ یہ لوگ ان کے ملکوں میں ہر طرح کی تجارت اور کاروبار کر سکتے ہیں اور جس شخص کے پاس ان کا دیا ہوا امان نامہ ہو گا اسے بھی یہ رعایت حاصل تھی۔ ہاشم کے تعلقات شام کے بادشاہ سے تھے، عبد شمس نے حبشہ، مطلب نے یمن، نوفل نے فارس کے بادشاہوں سے اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے مراعات حاصل کر لی تھیں۔

قریش نے تجارت کے پیشہ کو کن حالات میں اختیار کیا اس کے بارے میں بھی علامہ قرطبی نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے قصی نے قریش کو حرم کعبہ کے پڑوس میں لا کر آباد تو کر دیا لیکن یہاں کھیتی باڑی کا کوئی امکان نہ تھا۔ نہ پانی دستیاب تھا اور نہ زمین قابل کاشت تھی۔ ان کی معیشت کا سارا انحصار ان نذرانوں اور خدمات پر تھا جو ایام حج میں جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ سے آنے والے حاجی پیش کیا کرتے تھے۔ جب قریش کا کوئی خاندان مفلس اور کنگال ہو جاتا اور فاقہ کشی کی نوبت پہنچتی تو اس کے افراد ایک مقررہ جگہ پر چلے جاتے اور وہاں ایک خیمہ نصب کر لیتے اور اس کے اندر داخل ہو جاتے یہاں تک کہ موت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی۔

عبد مناف کا بلند اقبال فرزند جن کا نام عمرو تھا اور جو ہاشم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام اسد تھا
بنی مخزوم کے قبیلے کے ایک لڑکے سے اسد کا دوستانہ تھا۔ اس کے خاندان کو جب بھوک نے اپنے ترغے میں لے لیا اور انہوں نے
حسب دستور فیصلہ کیا کہ کل وہ مقررہ جگہ پر خیمہ نصب کر کے اس میں داخل ہو جائیں گے یہاں تک کہ موت ان کا قصہ تمام کر دے۔
اپنے دوست کی یہ بات سن کر اسد کو بہت صدمہ پہنچا۔ وہ روتا ہوا اپنی ماں کے پاس آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ماں نے اسد کو
اس کے مخزومی دوست کے خاندان کے لیے چربی اور آٹا کی وافر مقدار دی۔ چنانچہ چند روز کے بعد جب وہ راشن ختم ہو گیا
اور نوبت فاقہ کشی پر آ پہنچی۔ اس نے اپنے دوست اسد کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اسد روتا ہوا اس دفعہ اپنے باپ عمرو
(ہاشم) کے پاس آیا اور ساری داستان بیان کی۔ عمرو کو یہ سن کر از حد قلق ہوا۔ انہوں نے اپنے قبیلہ کا اجلاس عام طلب کیا اور
تقریر کرتے ہوئے کہا کہ تم نے ایک ایسا طریقہ اختیار کر لیا ہے جس سے تمہاری تعداد گھٹتی چلی جا رہی ہے اور دوسرے عرب
قبائل کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم کمزور اور ذلیل ہو جاؤ گے اور دوسرے قبائل تم پر غلبہ
پالیں گے حالانکہ تم اللہ کے حرم کے باشندے ہو اور اولاد آدم میں سب سے زیادہ معزز و محترم ہو۔ باقی تمام لوگ تمہارے پیروکار
ہیں۔ یہ موت کے خیمہ میں داخلہ کی رسم تمہیں فنا کر کے رکھ دے گی۔ سامعین نے کہا آپ حکم دیں ہم آپ کا حکم ماننے کے لیے
تیار ہیں۔ ہاشم نے کہا پہلے اسد کے دوست کے والدین کو اس ہلاکت خیز رسم سے بچا لیں۔ چنانچہ اسی وقت ان کے لیے خورد و نوش کا اہتمام کر
دیا گیا پھر ہاشم نے خود اونٹ بھیڑ بکریاں ذبح کیں۔ ان کے شوربہ میں روٹی کو تر کر کے ثرید بنائی اور لوگوں کو خوب کھانا کھلایا
اسی وجہ سے عمرو کا لقب ہاشم مشہور ہوا۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے :

عمرو الذی ھشم الثرید لقومہ ورجال مکۃ مسنتون عجاف

یعنی عمرو وہ ہے جس نے اپنی قوم کی ضیافت کے لیے شوربہ میں روٹی کو بھگو دیا، حالانکہ مکہ کے دوسرے لوگ بُری طرح
قحط کا شکار تھے اور مسلسل فاقوں سے لاغر و کمزور ہو گئے تھے۔

اس کے بعد ہاشم نے اپنے قبیلے کے ہر خاندان کو تجارت کرنے کی ترغیب دی۔ ہر خاندان سال میں دو تجارتی سفر اختیار کیا کرتا۔
سردیوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف۔ ان کے قافلے بحر احمر کی مشرقی بندرگاہوں سے مشرقی ممالک کا آیا ہوا مال اٹھا
اور اسے شام اور مصر تک پہنچاتے پھر اسی طرح شام سے مال اٹھاتے اور یمن کی بندرگاہوں پر پہنچا دیتے۔

اس کاروبار اور تجارت سے انہیں جتنا نفع حاصل ہوتا وہ امیر و غریب آپس میں برابر تقسیم کر لیتے۔ اس طرح تجارت اور اس کے
نفع کی مساویانہ تقسیم سے چند سالوں میں سارے قریش کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی۔ یہاں تک کہ دولت و ثروت میں
عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ ان کا ہمسر نہ تھا۔ اس شعر میں اسی کی طرف اشارہ ہے :

والخالطون فقیرھم بغنیھم حتی یصیر فقیرھم کالکافی

یعنی ہم (قریش) وہ لوگ ہیں کہ غریب کو امیر کے ساتھ حصہ دار بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ فقیر بھی
کسی کا محتاج نہیں رہتا۔

وہ اسی حالت میں تھے کہ اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا۔

مقصد: مکہ کے معزز قبیلہ قریش کو اپنے احسانات کی یاد دلائی جا رہی ہے۔ پھر انہیں یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ کس نے ابرہہ کے حملہ کو پسپا کیا تو اس کی حفاظت تمہارے ان بتوں نے نہیں کی بلکہ رب العالمین نے پرندوں کی ایک ٹکڑی بھیج کر ابرہہ کے لشکر جرار کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور اس گھر کی حفاظت فرمائی۔

تجارت کا راستہ کھول کر تمہارے لیے خوشحالی اور فارغ البالی کا سامان بھی اللہ تعالیٰ نے فراہم کیا۔ لوگوں کے دلوں میں تمہارا اس قدر احترام پیدا کر دیا جس کے باعث تم بڑے امن و سکون سے جہاں چاہو جا سکتے ہو۔ تمہارے کاروان تجارت کی طرف کوئی میلی آنکھ سے نظر نہیں اٹھا سکتا۔ جس نے تمہیں ان انعامات سے بہرہ ور فرمایا ہے وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

◎

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سورۃ القریش مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس کی چار آیتیں ہیں

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ① اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيْفِ ②

اس لیے کہ مانوس کر دیا قریش کو، (یعنی) مانوس کر دیا انہیں سردی اور گرمی کے سفر سے ۱ ۲

۱۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش پر گوناگوں بے شمار احسانات فرمائے ہیں۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ اس کے شکر گزار بندے بنتے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتے۔ بڑے ذوق و شوق سے اس کی عبادت و بندگی میں مصروف رہتے۔ اگر دوسرے احسانات انہیں یاد نہیں ہیں اور ان کا شکر ادا کرنے کا احساس ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوا تو وہ اس احسان کو تو فراموش نہ کرتے کہ اس وادی غیر ذی زرع میں، اس لق و دق صحرا میں جہاں غذائی اجناس کے پیدا ہونے کا احتمال تک نہیں، سامان خورد و نوش اور ضروریات زندگی کا کلیۃً فقدان ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی روزی رسانی کا بھی انتظام فرمایا کہ ان کے دلوں میں تجارت کی الفت پیدا فرما دی۔ جاڑے اور گرمی کے موسموں میں یہ الگ الگ علاقوں میں کاروبار کرنے کے لیے جاتے ہیں اور انہیں کوئی تنگ نہیں کرتا۔ اس لیے یہ صحرا میں رہنے کے باوجود دنیا بھر کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ کھانے کی اشیائے خوردنی کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ تازہ پھلوں سے ان کی دکانیں بھری ہوئی ہیں تو انہیں چاہیے تھا کہ اس گھر کے رب کی عبادت کو اپنا شعار بنا لیتے اور کسی غیر کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ لایلف پر جو لام ہے وہ اجلیہ تعلیلیہ ہے اور اس کا متعلق فلیعبدوا ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی اسی توجیہ کو پسند کیا ہے۔ لکھتے ہیں ای فلیعبدوا ھولاء رب ھذا البیت لایلفھم رحلۃ الشتاء والصیف للامتیار (قرطبی) یعنی انہیں چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں کیونکہ کسب معاش کے لیے اس نے ان کے دلوں میں جاڑے اور گرمی کے تجارتی سفروں کی الفت و محبت پیدا کی۔

۲۔ جس طرح تفصیل سے سورۃ کے تعارف میں بیان کیا جا چکا ہے قریش تجارت پیشہ تھے۔ وہ سردیوں کے موسم میں جزیرہ عرب کے جنوبی سمندری بندرگاہوں میں پہنچتے جہاں ہندوستان اور جنوبی ایشیا کے دوسرے ممالک کی مصنوعات وغیرہ موجود ہوتیں انہیں خریدتے اور واپس لوٹ کر دوسرے ممالک کے علاوہ شام میں لے جا کر فروخت کرتے۔ اسی طرح گرمی کے موسم میں شام و فلسطین کے ٹھنڈے اور خنک علاقوں میں جاتے۔ وہاں سے مغربی دنیا کی درآمدات و مصنوعات خرید کر یمن میں لے جا کر فروخت کرتے۔ جو خرید و فروخت کی سکت نہیں رکھتے تھے وہ باربرداری میں کافی اجرت کما لیتے۔ یمن اور شام کے درمیان ایک وسیع صحرا ہے۔ یہ لوگ ہی اس کے نشیب و فراز سے واقف تھے۔ اس کو طے کرنے کا حوصلہ بھی انہی کو تھا۔ اس زمانے میں عرب میں کوئی متحدہ حکومت نہ تھی۔ افراتفری کا دور دورہ تھا۔ تجارتی قافلوں کو قدم قدم پر صحرائی بدوؤں اور رہزنوں سے واسطہ پڑتا تھا لیکن قریش کا یہ تمام خطرات اور دشواریوں سے محفوظ تھے۔ عرب کا کوئی شخص ان کے قافلے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا اور سامان پر دست درازی کی کسی میں ہمت تھی۔ سوچیں یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان تھا کہ اپنے گھر کی برکت سے جزیرہ عرب کے تمام باشندوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے قریش کے لیے مسخر کر دیا تھا۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝٣ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ

پس چاہیے کہ وہ عبادت کیا کریں اس گھر (کعبہ) کے رب کی ۳ جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی ۴

وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝٤

اور امن عطا فرمایا انہیں (ہر قسم کے) خوف سے ۵

۳ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی رزق رسانی کا ایسا باعزت انتظام فرما دیا ہے تو انہیں چاہیے کہ اب اسی ذات کی عبادت کریں جو اس کعبہ کا مالک ہے۔ جس نے ابھی چند سال پہلے ابرہہ کی یلغار سے اس کی حفاظت کی اور حملہ آوروں کو ایسی عبرت ناک سزا دی کہ اب آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کر سکے گا۔

۴ یہاں بھی حسن تعبیر قابل توجہ ہے۔ یعنی کافی عرصہ ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ رہی۔ بارہا فاقہ کشی کی نوبت بھی آ جاتی لیکن اس نے اپنی حکمت سے ان کے دلوں میں کاروبار کی رغبت پیدا کر کے ان کو خوشحال بنا دیا۔

۵ جزیرہ عرب میں ہر طرف بدامنی کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ فتنہ و فساد کی آگ لگی ہوئی تھی۔ عام شاہراہوں پر لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہتا۔ کسی مسافر کا سلامتی سے واپس گھر پہنچنا ایک معجزہ تصور کیا جاتا۔ جو قبیلہ اپنی جگہ تھا خوفزدہ رہتا۔ شہروں اور دیہات میں بھی ہر وقت قزاقوں کے آ دھمکنے کا دھڑکا لگا رہتا لیکن قریش کا قافلہ بےخوف سفر کرتا۔ جہاں جاتے ان کی عزت کی جاتی۔ ان پر دست درازی کی کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اس نے لوگوں کے دلوں میں ان کا احترام پیدا کر دیا تھا اور اس کی محض یہ وجہ تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے خادم ہیں۔

○

ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم

وصل وسلم وبارک علی حبیبک الکریم محمد وآلہ واصحابہ ومن تبعھم الی یوم الدین

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورَۃُ الماعون

نام : اس سورت کی آخری آیت میں الماعون کا کلمہ مستعمل ہے۔ یہی اس سورت کا عنوان ہے۔ اس کی سات آیتیں اور ایک رکوع ہے پچیس کلمات اور ایک سو پچیس حروف پر مشتمل ہے۔

نزول : علماء و عابد کے نزدیک یہ مدنی ہے۔ حضرت ابن عباس کا ایک قول بھی یہی ہے۔ لیکن جمہور نے اسے مکی سورتوں میں شمار کیا ہے۔

مضامین : اس سورت میں ان لوگوں کے اخلاق و کردار کی تصویر کشی کی گئی ہے جو روز جزا پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس فانی زندگی کو ہی انسانی زندگی خیال کرتے ہیں اور اسی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ اور پرلطف بنانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ خود سوچیے جو معاشرہ وجود میں آتا ہے ان والے خستہ حال یتیموں کو دھکے دے کر اپنے ہاں سے نکال دیتا ہے۔ جو غریب فاقہ کشوں کے منہ پر خود رحم کھاتا ہے اور نہ دوسرے لوگوں کو ان کی اعانت کی ترغیب دیتا ہے۔ از خود تو اس سے انسانی ہمدردی کے جذبہ کا اظہار نہیں ہوتا لیکن اگر کوئی چار و ناچار اس سے بھلائی صادر ہو جاتی ہے تو پھر ریا و نمود سے اس کو غارت کر دیتا ہے۔ نیکی کی توفیق سے وہ اس قدر محروم ہے کہ کسی کے لیے کوئی بڑا ایثار تو رہا ایک طرف اس سے تو معمولی نیکی بھی نہیں ہوتی۔ وہ روز مرہ کے استعمال میں لائی جانے والی چیزیں بھی اپنے دوستوں اور پڑوسیوں کو استعمال کے لیے نہیں دیتا۔ جس شخص کا کردار یہ ہو اس سے زیادہ بدبخت کون ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کا ہم پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ذلت و رسوائی اور نخوت کے اس گڑھے سے نکلنے اور بلندیوں پر آشیاں بنانے کا درس دیا۔

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ الماعون مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں سات آیات ہیں

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿۲﴾

کیا آپ نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے (روز) جزا کو ۱؎ — پس یہی وہ (بدبخت) ہے جو دھکے دے کر نکالتا ہے یتیم کو ۲؎

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳﴾ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾

اور نہیں برانگیختہ کرتا ہے دوسروں کو ۳؎ کہ غریب کو کھانا کھلائیں ۴؎ — پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لیے

۱؎ استفہام اظہار تعجب کے لیے ہے۔ رؤیت سے آنکھوں سے دیکھنا بھی مراد ہو سکتا ہے اور کسی کو جاننے اور پہچاننے کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے۔

الدین کے دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ الدین سے مراد دین اسلام ہو۔ یعنی کیا تم اس شخص کے حالات کو جانتے ہو جو اس دین حق کی تکذیب کرتا ہے۔ اور اگر دین سے مراد روز جزا ہو تو پھر معنی ہوگا کہ جو نادان روز جزا پر ایمان نہیں رکھتا کیا تم نے اس کی اخلاقی پستی کا اندازہ لگایا؟

۲؎ یہاں فا جزائیہ ہے جملہ شرطیہ محذوف ہے یہ عبارت اس کی جزا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ اصل عبارت الذی یکذب بالجزاء او بالاسلام ان لم تعرفہ فذلک الذی یعنی جو روز جزا یا دین اسلام کا منکر ہے اگر تم اس کی حالت کو جانتے ہو تو فبہا اور اگر نہیں جانتے تو اب جان لو کہ اس کی اخلاقی پستی کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی یتیم اس کے ہاں رحمت و شفقت کا خواستگار بن کر آتا ہے تو اس کو اس کی خستہ حالی پر ذرا ترس نہیں آتا۔ اس کی بے کسی کو دیکھ کر اس کا دل نہیں پسیجتا بلکہ تلخ اور حقارت آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور دھکے دے کر اس کو اپنے ہاں سے نکال دیتا ہے۔ دع یدع الیتیم ای دفعہ دفعا عنیفا یعنی دھکے دے دے کر نکالنا۔ اس کا دوسرا معنی کسی کو کسی کے حق سے محروم کر دینا ہے۔ ای یدفعہ عن حقہ (قتادہ، بقرطبی و مظہری) یتیم کے ساتھ ان کے اس سنگدلانہ برتاؤ کی کیا وجہ ہے؟

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہیں اس سنگدلی پر معاشرہ کی طرف سے کسی رد عمل کا کوئی اندیشہ نہیں۔ انہیں یقین ہے کہ یتیم بچوں سے ان کا حق چھین لینے کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند نہ ہوگی اور ان سنگدلانہ حرکتوں کے باعث ان کی ساکھ میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت پر انہیں یقین ہی نہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس یتیم کے ساتھ کوئی احسان کیا تو یہ بے آسرا، بے سہارا اور مسکین بچہ ہمیں اس کا کیا معاوضہ دے گا۔ جہاں دست و فرض کر کے ملنے کی امید نہ ہو وہاں اپنا مال خرچ کرنا سراسر بے وقوفی خیال کرتے ہیں۔ اگر انہیں قیامت پر یقین ہوتا تو وہ اس امید پر اس بچے کے ساتھ احسان و مروت کا سلوک کرتے کہ اگرچہ یہاں تو مجھے اس کا کوئی معاوضہ نہیں ملے گا لیکن جب قیامت برپا ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس کو اس کا اجر دیا جائے گا۔

۳؎ قیامت پر ایمان نہ رکھنے والے انسانی ہمدردی کے جذبہ سے کس قدر بے بہرہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ خود تو ان یتیموں کی

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ۶

جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں ف جو ریاکاری کرتے ہیں ف

کچھ امداد وغیرہ کر سکے گنجائش نہ تھی یا بخل نے ہاتھ پکڑ لیے لیکن دوسرے لوگوں کو تو ان مفلوک الحال لوگوں کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کی ترغیب دے سکتے تھے۔ وہ بدنصیب اس سے بھی گریزاں ہے۔ کوئی غریب ان کے نزدیک امداد و اعانت کا مستحق نہیں۔ انہوں نے ایک خود ساختہ ضابطہ بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ (یٰس) یعنی اگر اس غریب کو فارغ البال کرنا منظور ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کس چیز کی کمی تھی۔ وہ خود اس کو ضروریاتِ زندگی مہیا فرما دیتا۔ جب اس نے مفلس و کنگال رہنا پسند کیا ہے تو ہم ایسے گستاخ کیونکر ہو سکتے ہیں کہ ایسے شخص کی امداد کر کے مشیتِ خداوندی کا مقابلہ کریں۔

ان آیات میں غور فرمائیے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب معاشرہ کے بے سہارا، ضرورت مند افراد کی امداد اور ان کو ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کو کتنی اہمیت دیتی ہے۔ جو لوگ اسلامی تعلیمات کے اس پہلو کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے وہ کتنے کوتاہ نظر ہیں اور ان کے رویہ میں کتنی سنگدلی اور کجی پائی جاتی ہے۔

ف اس کا مفہوم راغب نے اطعام المسکین بتایا ہے۔ میں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔ لیکن دوسرے علماء نے طعام سے مراد غذا ہی لی ہے۔ اگرچہ وہ غذا اس شخص کی ملکیت ہے جس نے اس کو پکایا ہے اور جو اپنے ہاتھوں سے غریبوں کو دے رہا ہے۔ لیکن یہاں اس کی اضافت المسکین کی طرف کر کے یہ بتا دیا کہ یہ کھانا اس مسکین کا حق ہے۔ گویا یہ دینے والے کی ملکیت نہیں بلکہ لینے والا اس کا مالک ہے۔ دینے والا دے کر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ اس کی چیز اسی کو دے رہا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں وفی اضافۃ الطعام الی المسکین کانہ مالک لما یعطی لہ وفیہ اشارۃ الی عدم الامتنان (روح المعانی)

ف کچھ بندوں کو آخرت کا انکار کرتے تھے ان کا حال آپ نے سنا۔ اب ذرا ان منافقین کا حال بھی سنیے جنہوں نے بظاہر تو اپنے آپ کو مسلمانوں کے زمرے میں شامل کر رکھا ہے لیکن ان کے دلوں میں قیامت پر ایمان نہیں۔ اس لیے نماز کے بارے میں بڑی غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ساھون، غافلون یعنی نماز کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ ادا ہو گئی تو ہو گئی، نہ ہوئی تو انہیں پروا نہیں۔ اگر نماز پڑھتے ہیں تو کسی ثواب کے امیدوار نہیں ہوتے اور اگر نہیں پڑھتے تو کسی عذاب کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اگر لوگوں میں گھر گئے تو نماز پڑھ لی تنہا ہوئے تو ہضم کر گئے یا نماز پڑھتے تو ہیں لیکن صحیح وقت پر ادا نہیں کرتے۔ یونہی بیٹھے گپیں ہانکتے رہتے ہیں اور جب وقت ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے تو جلدی سے اٹھتے ہیں اور ٹھونگیں مار کر فارغ ہو جاتے ہیں یا نماز میں جس خشوع و خضوع کی ضرورت ہے اس کی انہیں ذرا بھر بھی پروا نہیں ہوتی۔ کثرت سے لوگ نماز میں لاحق ہوتے ہیں لیکن وہ انکار غیر سے پڑھتے ہیں۔ عبادت وہ گویا الٰہی کی اطاعت سے کبھی سرشار نہیں ہوتے کہ غفلت کا سبب کیسیں ہیں۔ سچے مومن کو چاہیے کہ ان تمام سے پرہیز کی پوری پوری کوشش کرے۔ حضرت عطاء نے بڑی پیاری بات کہی ہے فرماتے ہیں الحمد للہ الذی قال عن صلاتھم ساھون ولم یقل فی صلاتھم یعنی اللہ کا شکر ہے کہ عن صلاتھم فرمایا فی صلاتھم نہیں فرمایا۔ ورنہ شاید ہی کوئی نمازی اس وعید سے محفوظ رہتا۔ ہر مسلمان کو اثنائے نماز میں سہو و نسیان سے کبھی نہ کبھی سابقہ پڑ کر رہتا ہے اس کی تلافی کے لیے سجدہ سہو کا حکم دیا گیا۔

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ﴿٧﴾

اور (مانگے بھی) نہیں دیتے روزمرہ استعمال کی چیز ــــه

ــــه نماز کے معاملہ میں غافل ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ریاکار بھی ہیں۔ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں کرتے۔ خلوص نیت سے یکسر محروم ہیں۔ جو نیکی کرتے ہیں اس خیال سے کرتے ہیں کہ لوگ انہیں نیک کہیں گے۔ ان کی عبادتوں کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت پیدا ہو جائے گی۔ انہیں شہرت و ناموری حاصل ہو گی اور اس طرح وہ دنیوی منفعتیں اور مفادات آسانی سے حاصل کر سکیں گے۔

ــــه ماعون کے متعدد معانی بتائے گئے ہیں۔ حضرت سیدنا علی، ابن عباس، محمد بن حنفیہ کی رائے میں ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے لیکن علمائے تفسیر کی کثیر جماعت نے اس کا معنی روزمرہ استعمال کی چیزیں بتایا ہے جو ہر شخص بوقت ضرورت اپنے پڑوسی سے عاریۃً لیتا ہے اور اپنی ضرورت پوری کرکے مالک کو واپس کر دیتا ہے جیسے ہنڈیا، ڈول، کلہاڑا، چقماق وغیرہ وغیرہ۔

منکرین قیامت کی اخلاقی پستی، منافقین کی عبادات سے بے رغبتی، اپنے پروردگار اور اپنے ہمسایوں، عزیزوں، دوستوں، رشتہ داروں سے عام ضرورت کی چیزوں کو روکنے کی قبیح عادت کا ذکر کرکے مسلمانوں کو ان سے اجتناب کی تلقین کی۔ بتایا یہ خصلتیں ان لوگوں کی ہیں جو دین کو نہیں مانتے۔ جن کے دلوں میں نفاق کی غلاظت ہے۔ تم تو قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر یقین رکھتے ہو۔ تمہیں تو اپنے دامن کو ان آلائشوں سے ہرگز آلودہ نہیں ہونے دینا چاہیے ورنہ تم میں اور ان لوگوں میں وجہ امتیاز کیا رہے گی۔ اختلاف فاصل کہاں کھینچا جائے گا۔

○

لا الٰه الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين فاطر السموات والارض انت ولى فى الدنيا
والآخرة توفنى مسلما والحقنى بالصالحين۔
ورب صل وسلم على من خلقه عظيم واسوته حسنة وشمائله سنية وعلى آله واصحابه
وحبيه الى يوم الدين۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃ الکوثر

نام : اس سورۂ طیبہ کا نام الکوثر ہے جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ یہ ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے دس کلمات اور چالیس حروف ہیں۔

نزول : علامہ جلال الدین سیوطی نے اس سورت کے نزول کے بارے میں دو قول لکھے ہیں۔ ایک حضرت انس کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سورت کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا اور ان کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم حضور کی خدمت میں حاضر تھے اچانک نزول وحی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ حضور کا سر مبارک جھک گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تبسم فرماتے ہوئے اپنے سر کو اٹھایا لوگوں نے تبسم کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابھی مجھ پر یہ سورت نازل فرمائی ہے۔ پھر الکوثر کی تلاوت کی لیکن ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، ام المومنین عائشہ صدیقہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ ان اکابر صحابہ کے قول کو بہرحال حضرت انس کے قول پر ترجیح دی جائے گی۔ اور ان کی اس روایت کی توجیہ یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ کئی سورتیں ایسی ہیں جن کا نزول متعدد بار ہوا ہو سکتا ہے یہ سورت اس محفل میں کسی خاص حکمت کے پیش نظر دوسری بار نازل کی گئی ہو۔ اس کی تائید حضرت انس کی دوسری روایت سے ہوتی ہے جسے امام مسلم اور ترمذی و دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج جب میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں ایک نہر دیکھی۔ اس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے نصب تھے میں نے جب اس کے پانی میں ہاتھ مارا تو اس سے خالص کستوری کی مہک اٹھنے لگی میں نے اس کے بارے میں جبرئیل سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ھذا الکوثر الذی اعطاکہ اللہ۔ یعنی یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ معراج تو مکہ میں ہوئی اسی رات کو الکوثر کے عطا فرمانے کا مژدہ ملا۔ اس لیے اس کی اطلاع بھی مکہ میں ہی دی گئی ہو گی۔ چنانچہ سیوطی لکھتے ہیں: المشھور بین اھل التفاسیر والمغازی انہا۔ ھذہ السورۃ مکیۃ (درمنثور) یعنی علماء تفسیر اور مغازی کے نزدیک یہی بات زیادہ مشہور ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اس کا انداز بیان بھی مکی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

شان نزول : ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے تولد ہوئے۔ ایک صاحبزادے کا نام نامی قاسم اور دوسرے کا اسم گرامی عبداللہ تھا۔

ان کا لقب طیب اور طاہر بھی ہے۔ اعلانِ نبوت سے پہلے یہاں کے باشندے حضور کا بڑا احترام کرتے تھے انھوں نے آپ کی ذات سے بڑی حسین توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ آپ کی سیرت و کردار سے وہ اتنے متاثر تھے کہ آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضور نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر جب قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا کی دعوت دی تو اہلِ مکہ کے تیور بدل گئے۔ دلوں میں نفرت، حقارت اور عداوت کے جذبات اُمڈ آئے۔ انہیں حضور کی ہر بات سے چڑ ہو گئی۔ ہر وہ حادثہ جس سے نبی کریم کے خاطرِ عاطر کو دکھ پہنچا ان کے لیے وہ مسرت و شادمانی کا باعث بنتا۔ چنانچہ جب دونوں صاحبزادے یکے بعد دیگرے کمسنی میں وفات پا گئے تو ان جاہلوں اور نادانوں پر اہلِ مکہ کو ذرا رنج نہ ہوا بلکہ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور خوشی کے شادیانے بجائے۔ ان کے اعتقادات، ان کے رسم و رواج اور ان کے تمدن و معاشرہ کو اسلام سے جو سنگین قسم کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اس کی شدت میں کمی آگئی۔ انہوں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بہلانا شروع کر دیا کہ جب ان کی شمعِ زیست بجھے گی تو ان کا یہ لایا ہوا دین بھی دم توڑ دے گا۔ ان کا کوئی بیٹا نہیں جو اس سلسلہ کو جاری رکھ سکے۔

ابتر۔ اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی فرزند نہ ہو۔ قریش کے گستاخ یہی لفظ اللہ تعالیٰ کے محبوب کے حق میں استعمال کرنے لگے تھے۔ ابولہب حقیقی چچا تھا، لیکن بغض و عناد کی یہ حالت تھی کہ جب حضور کے دوسرے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو اس کی خوشی کی حد نہ رہی۔ دوڑا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور ان کو یہ مژدہ جانفزا سنایا بتر محمد اللیلۃ۔ یعنی آج رات محمد کی نسل منقطع ہو گئی ہے۔ عاص بن وائل بھی کہا کرتا تھا، ان محمدا ابتر لا ابن لہ یقوم مقامہ بعدہ فاذا مات انقطع ذکرہ واسترحتم منہ۔ یعنی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتر ہیں ان کا کوئی بیٹا نہیں جو ان کی وفات کے بعد ان کا جانشین بنے جب یہ فوت ہو جائیں گے ان کا ذکر مٹ جائے گا اور اس وقت تمہیں راحت و آرام کا سانس لینا نصیب ہو گا۔

اس قسم کی دلآزاریاں جب تہذیب و شائستگی کی ساری حدود کو توڑ گئیں، ان کے طعن و تشنیع کے تیروں سے صبر کا دامن تار تار ہونے لگا۔ اس وقت اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول پر یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی جس میں انتہائی مختصر اور بعد مؤثر انداز میں ان بے حد و بے حساب خیرات و برکات کا مژدہ سنایا گیا جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مالک بنا دیا تھا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ بتا دیا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے محبوب کا ذکر مٹ جائے گا۔ ان کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ سن لو! یہ سراسر غلط ہے میرے پیارے رسول کا چشمۂ فیض تا ابد جاری رہے گا۔ دنیا اس سے ہمیشہ ہمیشہ سیراب ہوتی رہے گی۔ اہلِ دل اس کی بارگاہِ جمال میں اپنے عقیدت و محبت کے رنگین پھول پیش کرتے رہیں گے۔ اربابِ ذوق و شوق بزمِ عالم کو اس کے ذکرِ خیر سے آباد رکھیں گے۔ درود و سلام کی زمزمہ پرور صدائیں ہر لحظہ گلشنِ ہستی کے لیے مژدۂ بہار ثابت رہیں گی جب تک میری کبریائی کا پرچم فرش و عرش پر لہرا رہا ہے اس وقت تک میرے پیارے رسول کا ذکر ہوتا رہے گا۔ یہ شمع جس کو میں نے خود روشن کیا ہے۔ تند و تیز طوفانوں کے باوجود ہمیشہ نور افشاں رہے گی۔ فنا تو وہ ہو گا، نام و نشان تو اس کا مٹے گا جڑ تو اس کی کٹے گی جس کے دل میں میرے نبی کریم کی عداوت ہو گی۔ بسلام

کی چند صد سالہ تاریخ اس ارشادِ خداوندی کی تصدیق و توثیق کر رہی ہے اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا بلکہ ان لوگوں نے خود دیکھا کہ چند سال بعد وہ دل و جان سے اس کے خادم اور بہی خواہ بن گئے تھے۔ وہ ذاتِ اقدس و اطہر جس نے ایک تاریک شب میں مکہ سے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں ہجرت کی تھی جس کا رفیقِ سفر صدیقِ اکبر کے بغیر اور کوئی نہ تھا چند سال بعد وہ دس ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مکہ کی سمت بڑھا تو مکہ نے اپنے بند دروازے اس کے استقبال کے لیے کھول دیے اور قریش کے سارے سردار گردنیں جھکائے ہوئے اس کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔

ایک نکتہ اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ قرآن کریم میں جس جس موقع پر حضور رحمۃ للعالمین کی شانِ رفیع کا بیان ہوا ہے ان تمام آیات میں ایک بات قدرِ مشترک ہے وہ یہ کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد اپنے حبیب کی شان بیان کی ہے مثلاً سبحان الذی اسری بعبدہ لیلًا۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ اسی طرح یہاں بھی انا اعطینٰک الکوثر۔ اس کی حکمت کیا ہے؟ جہاں تک اس ناقص کی فہمِ نارسا کی رسائی ہے مجھے تو اس میں دو حکمتیں جلوہ کناں نظر آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگ حضور کے بے اندازہ کمالات کو دیکھ کر حضور کو خدا نہ سمجھنے لگیں۔ بتا دیا کہ یہ کمالات ان کے ذاتی نہیں، بلکہ میں جو رب السموات والارض ہوں، نے انہیں ارزانی فرمائے ہیں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ کوئی کم نظر حضور کے کمالات کا انکار نہ کر سکے کیونکہ یہ سب کمالات خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں جو علیم بھی ہے حکیم بھی ہے اور قدیر بھی ہے جو کمالاتِ رسالت کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور اس کی صفتِ جود و عطا کا انکار کرتا ہے۔

الحمد للہ الذی اعطی نبینا من المواهب السنیۃ ما لا تحصی والمحامد الجلیلۃ ما لا تعد۔

سُورَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

سورۃ الکوثر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں تین آیات ہیں

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ اِنَّ

بیشک ہم نے آپ کو (ہر خیر وخوبی میں) بے حد و بے حساب عطا کیا [۱] پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لیے اور قربانی دیں [۲] یقیناً

[۱] حضور رحمت للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محامد و کمالات کے ذکر کا جو سلسلہ سورۃ والضحیٰ سے شروع ہوا ہے وہ ابھی جاری ہے۔ ان تمام سابقہ سورتوں میں مختلف عنوانوں سے اللہ تعالیٰ نے ان انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا جو اس نے اپنے حبیب لبیب پر اور اس کے طفیل اس کی امت پر فرمائے ہیں۔ اس سورت میں ان تمام عنایات کو الکوثر کے ایک کلمہ میں سمو کر رکھ دیا ہے تاکہ چشم حق بین حسن محمدی کے ایک ایک جلوے کو دیکھتی رہے اور سرشار ہوتی رہے۔ اس کا ہر جملہ اور رعنائی دلنشین ہے اور دلربا ہے۔ جو دل اس حسن سرمدی کی دلنوازیوں پر قربان ہو گیا ہے۔ اس کی ایک ایک ادا جان پرور ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ روح افزا اور ایمان افروز ہے۔ جب اپنے حبیب کی شان بیان کر رہا ہے تو یہاں اسلوب بھی نرالا اختیار کیا جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا اِنَّا۔ ہم نے۔ جمع کی ضمیر استعمال ہوئی۔ جمع کا صیغہ بھی کثرت اور عظمت پر دلالت کرتا ہے اور کبھی عظمت وشان کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ یہاں یہی مقصد ہے۔ یعنی ہم نے جو زمین و آسمان کے خالق و مالک ہیں، ہم جو ہر گوشہ گیتی کو سنوارنے اور نکھارنے والے ہیں، ہم جن کے جود و کرم کا وسیع دستر خوان ہر وقت بچھا ہوا ہے اور ہر ایک کے لیے صلائے عام ہے۔ اے حبیب! ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے۔ جو چیز ہم عطا فرما دیں اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جو چیز ہم عطا فرمائیں اسے کوئی چھین نہیں سکتا۔

یہاں اٰتَیْنَا کے بجائے اَعْطَیْنَا مذکور ہے۔ ان دونوں کے مفہوم میں بڑا فرق ہے۔ اعطی کے لفظ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے ابن منظور رقمطراز ہیں:

الاعطاء والعاطات جمیعا المناولۃ وکذا اعطاہ الشیء وعطوت الشیء تناولتہ بالید۔ یعنی اپنے ہاتھ سے کوئی چیز کسی کے حوالے کر دینا (لسان العرب)

اس تحقیق کی رو سے آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے الکوثر آپ کے حوالے کر دیا اور آپ کو اس کا مالک بنا دیا۔ علامہ میتا پوری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں گوناگوں مبالغے ہیں: منھا التصدیر بان ومنھا الجمع المفید للتعظیم ومنھا لفظ الاعطاء دون الایتاء وفی الاعطاء دلیل التملیک دون الایتاء ومنھا صیغۃ الماضی الدالۃ علی التحقیق (میتاپوری)

ترجمہ: اس آیت کی ابتدا اِنَّ سے کی گئی ہے جو تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ پھر ضمیر جمع ذکر کی گئی ہے جو تعظیم کا مفہوم دیتی ہے۔ نیز یہاں اعطاء کا لفظ استعمال ہوا ہے ایتاء کا نہیں اور اعطاء میں ملکیت پائی جاتی ہے ایتاء میں یہ معنی نہیں پایا جاتا۔ پھر یہاں ماضی کا صیغہ ذکر کیا جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی یہ کام ہو گیا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں و فی اسناد الرھط الیھود الیہ اشارۃ الی ان ذالک اثبات لی جہۃ التملیک۔ یہاں اعطاء کا اسناد ضمیر متکلم کی طرف کیا گیا ہے اپنا کا نہیں۔ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو الکوثر کا مالک بنا دیا ہے کیا شان ہو گی جود و عطا کے مالک کی اور کیا مقام رفعت و عظمت ہے لینے والے کا۔

اب لفظ الکوثر کو سمجھنے کی کوشش کیجئے تب آپ کو پتہ چلے گا کہ اس میں فضائل و کمالات کے کتنے سمندر سمو دیئے گئے ہیں۔

۱۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں الکوثر ھو فوعل من الکثرۃ صفۃ مبالغۃ الشیء الکثیر کثرۃ مفرطۃ کوثر کثرت سے ماخوذ ہے اس کا وزن فوعل ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کا اتنا کثیر ہونا کہ اس کا اندازہ نہ لگایا جا سکے۔

۲۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں والعرب تسمی کل شیء کثیر فی العدد والقدر والخطر کوثرا۔ یعنی جو چیز تعداد میں، قدر و قیمت میں اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو اسے کوثر کہتے ہیں یہاں ایک چیز بڑی غور طلب ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ موصوف اور صفت دونوں کا ذکر ہوتا ہے لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ الکوثر جو صفت ہے وہ مذکور ہے لیکن اس کا موصوف مذکور نہیں ہے اس میں کیا حکمت ہے؟ علماء فرماتے ہیں اگر ایک چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کوثر و بے حد و بے حساب عطا کی ہوتی تو اس کو ذکر کر دیا جاتا۔ اگر چند چیزیں ہوتیں تو ان کے بیان کا تکلف کیا جاتا۔ یہاں تو حالت یہ ہے کہ جو عطا فرمایا بے حد و بے حساب عطا فرمایا۔ کس کا ذکر کیا جاتا اور کس کا ترک کیا جاتا اس لیے صفت ذکر کر دی اور موصوف کو قاری کے ذوق پر چھوڑ دیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ اے حبیب ہم نے آپ کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ بے حد و بے حساب ہیں۔ علم، حلم، جود و کرم، عفو و درگزر الغرض جن محامد سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو سرفراز فرمایا وہ ایک سمندر ہے بے پایاں کنار، جس کی تہ کو کوئی پا نہیں سکتا۔

علمائے تفسیر نے الکوثر کی تفسیر میں متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ چند آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ کوثر سے مراد جنت کی وہ نہر ہے جس سے جنت کی ساری نہریں نکلتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا فرمائی ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الکوثر نھر فی الجنۃ حافتاہ من ذھب ومجراہ علی الدر والیاقوت تربتہ اطیب من المسک وماءہ احلی من العسل وابیض من الثلج

ترجمہ: یعنی حضور نے فرمایا کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں۔ موتیوں اور یاقوت کا فرش بچھا ہوا ہے اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ شفاف ہے۔

۲۔ اس حوض کا نام ہے جو میدان حشر میں ہوگا جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے پیاسوں کو سیراب فرمائیں گے اس کے کناروں پر پیالے اتنی کثرت سے رکھے ہوں گے جتنے آسمان پر ستارے ہیں تاکہ اے حبیب اگر کوئی پیاسا ہے تو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ اس حوض کے بارے میں احادیث متواترہ مذکور ہیں اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے۔ ولا یرد علیہ الا من احبّ الخلفاء الاربعۃ۔ اس کے چاروں کونوں پر خلفائے اربعہ تشریف فرما ہوں گے۔ جو شخص ان میں سے کسی کے ساتھ بغض رکھے گا اسے حوض کوثر سے ایک گھونٹ بھی نہیں ملے گا۔

۳۔ النبوۃ، انبیاء تو حضور سے پہلے بھی تشریف لائے لیکن نبوت محمدیہ کے فیوض و برکات کی کثرت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ بعثت کا یہ سارا فیضان نوع انسانیت کو ہمیشہ پہنچتا رہے۔ بلکہ آپ ساری کائنات کے نبی ہیں۔ آپ کا بحر رسالت زمان و مکان کی حدود سے

آمنت ناشیہ

۴. کوثر سے مراد قرآن کریم ہے۔ انبیاء سابقین کو صحائف اور کتابیں دے کر بھیجا گیا لیکن جو جامعیت اور ہمہ گیریت اس کی تعلیمات میں ہے اس کی نظیر کہاں۔ علوم و معارف کے جو خزینے اس صحیفہ رشد و ہدایت میں مستور ہیں وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ انسانی زندگی کے ان گنت مسائل جس طرح اس کتاب مبین کا نور ضیا پاشیاں کر رہا ہے وہ کسی بصیرت والے سے مخفی نہیں۔

۵. اس سے مراد دین اسلام ہے۔

۶. اس سے مراد صحابہ کرام کی کثرت ہے۔ جتنے صحابہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تھے کسی دوسرے نبی اور رسول کو اتنے صحابہ نصیب نہیں ہوئے۔

۷. اس سے مراد رفعتِ ذکر ہے۔ ساری کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں جس طرح اس نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کا ڈنکا بج رہا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

۸. قال جعفر الصادق علیہ وعلی آبائہ الکرام السلام۔ نورا فی قلبہ دلہ علی اللہ تعالٰی وقطعہ عما سواہ میں امام موصوف کے نزدیک کوثر سے مراد حضور کے دل کا نور ہے جس نے آپ کی اللہ تعالیٰ تک رہنمائی کی اور ما سواہ سے ہر قسم کا رشتہ منقطع کر دیا۔

۹. مقام محمود روز محشر جب منصب شفیع المذنبین شفاعت عامہ فرمائیں گے۔

۱۰. حضرت ابن عباس نے الکوثر کی تفسیر بیان کی ہے الخیر الکثیر۔ یعنی خیر کثیر۔

حضرت سعید بن جبیر نے عرض کیا کہ لوگ تو کہتے ہیں کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے آپ نے فرمایا وہ بھی اس خیر کثیر میں سے ایک ہے۔ ہو من الخیر الکثیر۔

علامہ اسماعیل حقی الکوثر کے بارے میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: والاظہر ان جمیع نعم اللّٰہ علیہ فی الکوثر ظاہرۃ وباطنۃ۔ فمن الظاہر خیرات الدنیا والآخرۃ ومن الباطنۃ العلوم اللدنیۃ الحاصلۃ بالفیض الالٰہی۔ (تفسیر الکتاب) یعنی ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری ظاہری و باطنی نعمتیں کوثر میں داخل ہیں۔ ظاہری نعمتوں سے مراد دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں اور باطنی نعمتوں سے مراد وہ علوم لدنیہ ہیں جو بغیر کسب کے محض فیضانِ الٰہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

علامہ قرطبی نے بھی اسی سے ملتی جلتی تشریح کی ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں انہ الخیر الکثیر والنعم الدنیویۃ والاخرویۃ من الفضائل والفواضل۔۔۔۔ وفیہ اشارۃ الی ان ما فی الاحادیث من تفسیرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایاہ بالنہر من باب التمثیل والتنصیص لنکتۃ۔ یعنی کوثر سے مراد خیر کثیر ہے اور دنیوی و اخروی نعمتیں جن میں فضیلتیں اور فضائل سب شامل ہیں۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ احادیث میں کوثر کا معنی نہر بتایا گیا ہے یہ بطور تمثیل ہے۔

۲ پہلے اپنی بے پایاں عنایات سے اپنے حبیب کو سرفراز کرنے کا ذکر فرمایا۔ اب ان انعامات و احسانات کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے۔ ارشاد ہے اے حبیب! اپنے رب کے لیے نماز پڑھا کر اور اسی کی خاطر قربانی دیا کر۔ کم فہم لوگ کہتے تھے اللہ تعالیٰ کے دستر خوان سے ہیں پلتے اس کی رحمت کے ٹکڑوں پر ہیں، شب و روز اسی کے خوانِ لطف و کرم سے پا رہے ہیں لیکن شکریہ دل کا ادا کرتے ہیں، عبادت باطل معبودوں کی کرتے ہیں۔ قربانیاں بتوں کے نام پر دیتے ہیں۔ اے میرے محبوب! آپ ان کی روش کو اختیار نہ کرنا۔ یہ

شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام و نشاں ہوگا۔ ۳

سب سے بڑی ناشکری اور کفرانِ نعمت ہے۔

اس حبیبِ خبیر اور حبیب لبیب کی تعمیلِ ارشاد کی یہ حالت تھی کہ ساری ساری رات کھڑے رہ کر نماز ادا فرماتے رہتے یہاں تک کہ پاؤں بھی سوج جاتے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور تو مغفور ہیں۔ رحمت کی اس شدت میں فرمایا افلا اکون عبداً شکوراً کیا میں اپنے رب کی بے پایاں نعمتوں پر اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ ساری عمر یہی عبادت اور ذکر الٰہی میں بسر ہوئی۔ روز و شب کا ایک لمحہ بھی تو غفلت میں نہ گزرتا تھا۔ ہمارے نبی مکرم، ہادیِ معظم کی ساری زندگی سجود و رکوع اور خضوع و خشوع میں گزر رہی۔ اس کی امت اگر اپنے رب کے ذکر سے محروم ہو جائے، ان کی پیشانیاں اگر سجدوں کے نشان سے چمک نہ رہی ہوں۔ انہیں اگر نماز کی سعادت نصیب نہ ہو تو اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے۔

۳ شانئ، مبغض، جس کے دل میں بغض و عداوت ہو اس کو شانی کہتے ہیں۔ اَبتر، بتر سے ہے اور بتر کا معنی القطع کسی چیز کو کاٹ دینا۔ اہل لغت کے نزدیک وہ مرد جس کا ذکر نہ ہو اسے ابتر کہتے ہیں۔ وہ چوپایہ جس کی دم نہ ہو اسے بھی ابتر کہتے ہیں نیز ہر وہ کام جس کا انجام اچھا نہ ہو اسے بھی ابتر کہتے ہیں۔ (قرطبی)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ اولاد پیدا ہوئی۔ قاسم، پھر زینب، پھر عبد اللہ، پھر ام کلثوم، پھر فاطمہ، پھر رقیہ۔ صلی اللہ علی ابیہم وعلیہم اجمعین۔ پہلے قاسم کا انتقال ہوا پھر عبد اللہ جن کا لقب طیب و طاہر ہے، داغِ مفارقت دے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ نبوت کے بعد تو سارے کے سارے دشمن بن گئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے دونوں فرزند فوت ہو گئے ہیں، اب صرف صاحبزادیاں باقی ہیں تو انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں۔ عاص بن وائل کہنے لگا قد انقطع نسلہ یعنی ان کی نسل منقطع ہو گئی یہ ابتر ہیں۔

کفار جب اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھتے تو اپنا دل بہلانے کے لیے کہتے کہ فکر کی کوئی بات نہیں، یہ چند روزہ کھیل ہے۔ ان کا کوئی بیٹا نہیں جو ان کے بعد اس مشن کو جاری رکھ سکے۔ یہ چند سال کے مہمان ہیں۔ جب یہاں سے رخصت ہوں گے تو ان کا یہ دین بھی اسی روز نیست و نابود ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ایک آیت سے ان کی گستاخیوں کا منہ توڑ جواب دیا۔ ان کی خوش فہمیوں کا خاتمہ کر دیا۔ فرمایا جو میرے محبوب کا دشمن ہو گا، جو اس کے دین کا بدخواہ ہو گا، جو اس کے نظامِ شریعت سے پرخاش رکھے گا وہ مٹ جائے گا۔ اس کی قوم اسے بھول جائے گی، تاریخ اسے فراموش کر دے گی۔ اس کا کوئی نام لینے والا نہیں ہو گا۔ اس کی اولاد بھی اس کا نام لینا چھوڑ دے گی۔ اس کی طرف ہر قسم کی نسبت ان کے لیے باعثِ ننگ و عار بن جائے گی اور میرے حبیب کی یہ شان ہے کہ اس کا ہر امتی خواہ وہ کسی قبیلہ کا فرد ہو، کسی ملک کا رہنے والا ہو، کوئی زبان بولنے والا ہو، میرے محبوب کریم کے ذکر پاک کی شمع ہر وقت روشن رکھے گا۔ دوسرے لوگوں کی نسل ان کے بیٹوں سے چلتی ہے لیکن میرے حبیب کی نسل ان کی نورِ نظر لختِ جگر بتول زہرا، خاتونِ جنت سیدہ طاہرہ

ذکیہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چلاؤں گا اور اس نسل میں اتنی برکت دوں گا کہ دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں یہ نسل پھیل جائیگی۔

یہ سورت اپنے اختصار و ایجاز کے باوصف فصاحت و بلاغت کا وہ مرقع جمیل ہے کہ فصحائے عرب، بلغائے حجاز کو بھی اسے پڑھ کر کہنا پڑا ما ھذا کلام البشر۔ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

○

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا رسول اللہ الذی اعطاہ ربہ الکوثر کلما ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون۔ اللھم ارزقنا حبہ واتباعہ واحشرنا فی زمرتہ تحت لوائہ واغفر لنا ولوالدینا وذریتنا بشفاعتہ یا رب العٰلمین یا اکرم الاکرمین۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سورۃ الکافرون

نام : اس سورت کا نام الکافرون ہے۔ اس کی آیتیں چھ اور ایک رکوع ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد چھبیس اور حروف کی تعداد چورانوے ہے۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور حضور نے مجمع عام میں جا کر اس کی تلاوت کی۔

مقاصد نزول : باطل بڑا عیار ہے۔ حق سے نبرد آزما ہونے کے لیے وہ طرح طرح کے بھیس بدل کر آیا کرتا ہے۔ کسی قسم کا حربہ استعمال کرنے میں اسے کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ بسا اوقات وہ اپنے موقف میں بھی بے حد لچک پیدا کر لیا کرتا ہے اس کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ حق حق نہ رہے۔ باطل تو بہر حال میں باطل ہے کسی چیز کی ملاوٹ اسکے بطلان پر اثر انداز نہیں ہو سکتی بلکہ جو پاک چیز اس میں ملے گی وہ بھی پلید ہو جائے گی۔ وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے کہ حق صرف اس وقت تک حق ہے جب تک یہ ہر قسم کی ملاوٹ اور آمیزش سے پاک ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب دعوت توحید کا آغاز کیا تو ابتدا میں کفار نے اس کو در خور اعتنا ہی نہ سمجھا۔ لیکن سعادت مند روحیں اس کی طرف جب کھچ کھچ کر جانے لگیں انہیں اپنے ماحول میں تبدیلی کے کچھ آثار دکھائی دینے لگے تو انہوں نے اس دعوت کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ انہوں نے سوچا کہ ہمارے پاس بے پناہ وسائل ہیں۔ اس داعی حق کو خریدنے کے لیے ہم بڑی سے بڑی قیمت ادا کر سکتے ہیں؛ چنانچہ حضرت ابو طالب کی معرفت سودا بازی کا آغاز ہوا کفار کے ایک وفد نے جناب ابو طالب سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کرتا ہے وہ ہمارے لیے ناقابل برداشت ہیں، آپ قوم کے سردار ہیں ہمارے دلوں میں آپ کا از حد احترام ہے۔ اسی وجہ سے ہم آپ کے بھتیجے کی باتیں سن کر اب تک خاموش رہے ہیں۔ لیکن اب پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ آپ اپنے بھتیجے کو کہیں کہ اگر اس کو مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم سونے چاندی کا ڈھیر اس کے قدموں میں لگانے کے لیے تیار ہیں۔ اگر اس کو حاکم بننے کا شوق ہے تو ہم متفقہ طور پر اس کو اپنا رئیس اعلیٰ تسلیم کرنے پر رضامند ہیں اور اگر کوئی رشتہ مطلوب ہے تو وہ صرف اشارہ کر دیں ہم فخر و مسرت کے ساتھ وہ رشتہ پیش کر دیں گے۔

طالع آزما لوگ یا مذہب و دین کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے بطور زینہ استعمال کرتے ہیں انہی چیزوں میں سے کوئی چیز ان کا مقصد ہوا کرتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ان کی یہ پیشکش سنی تو فرمایا کہ وہ نادان مجھے پہچان نہیں سکتے۔

میرے دائیں ہاتھ پر اگر وہ سورج لا کر رکھ دیں اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں تو بھی میں اپنے رب کی توحید کی تبلیغ میں رائی برابر بھی سستی نہیں کروں گا۔

جب اس سودا بازی میں ناکام ہوئے تو انہوں نے ایک اور چال چلی۔ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف رؤسا مکہ اکٹھے ہو کر ایک روز حضور کے پاس آئے۔ کہنے لگے آپ کی تبلیغ اور دعوت سے قوم میں انتشار و افتراق پھیل رہا ہے۔ یہ کسی اچھے مستقبل کا پیش خیمہ نہیں۔ اگر ہمارے اور آپ کے درمیان انتشار کی یہ خلیج یونہی وسیع ہوتی چلی گئی تو ایک دن ایسا آئے گا جب ہماری قوت کا جنازہ نکل جائے گا اور دشمن قبائل ہم پر حملہ بول کر ہمیں ختم کر کے رکھ دیں گے۔ اس صورتِ حال سے ہم بہت پریشان ہیں۔ آؤ ایک ایسی تجویز پر متفق ہو جائیں کہ آپ کی بات بھی رہ جائے اور قوم کی یکجہتی اور اتحاد بھی برقرار رہے۔ اس کے لیے انہوں نے یہ تجویز پیش کی۔ ایک سال ہم سب مل کر آپ کے خدا کی عبادت کیا کریں اور دوسرے سال آپ ہمارے ساتھ مل کر ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں۔ یہ تجویز سن کر نبی مکرم نے فرمایا: معاذ اللہ ان اشرک باللہ غیرہ۔ میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراؤں۔ اس وقت یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی جس نے ان کی ساری امیدوں کو خاک میں ملا دیا اور انہیں ہمیشہ کے لیے مایوس کر دیا کہ وہ اپنی حیلہ سازیوں سے حق کو اپنے دام فریب میں پھانس سکتے ہیں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حرم میں تشریف لے گئے۔ کفر و شرک کے سارے سرغنے وہاں جمع تھے مجمع عام میں بڑی جرأت کے ساتھ حضور نے یہ سورت پڑھ کر انہیں سنائی تاکہ ان کے دل میں پھر اس قسم کے فاسد خیال پیدا ہونے کا امکان ہی نہ رہے۔

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۃ الکافرون مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس کی چھ آیات ہیں

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ

آپ فرما دیجئے اے کافرو! ۱ میں پرستش نہیں کرتا ان بتوں کی جن کی تم پرستش کرتے ہو ۲ اور نہ ہی تم عبادت

۱۔ وہ لوگ اگرچہ کفر و شرک میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے لیکن اپنے آپ کو کافر نہ کہتے اور نہ یہ پسند کرتے کہ ان کو کافر کہا جائے۔ حضور کو یہاں انہیں یا ایہا الکافرون سے خطاب کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے گویا اعلان کر دیا کہ مجھے تمہارا کوئی ڈر نہیں۔ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی عزت و احترام نہیں اور نہ ہی میں کسی مداہنت کے پیش نظر تمہارے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا روا رکھتا ہوں جس سے اس قسم کا شائبہ تک بھی پیدا ہو۔ میرے نزدیک تم کافر ہو اور میں اسی لفظ سے تمہیں مخاطب کر رہا ہوں نیز کافرون کہہ کر اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ میری تمہاری کوئی ذاتی مخاصمت نہیں۔ میری اور تمہاری عداوت کی وجہ یہ نہیں کہ تمہارے اور میرے دنیاوی مفادات میں تصادم ہے۔ میں نے تو فقط اس لیے تم سے قطع تعلق کر لیا ہے کہ تم نے کفر کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اگر تم کفر و شرک کو چھوڑ دو اور ایمان قبول کر لو تو میری اور تمہاری دشمنی محبت و اخوت میں بدل جائے گی۔ میں تمہیں اپنے سینے سے لگا لوں گا اور ہم سب توحید کے پرچم کے نیچے متحد و متفق ہو جائیں گے۔

۲۔ ان آیات کا ترجمہ تو واضح ہے۔ بظاہر ان میں تکرار نظر آتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں۔ پہلی دو آیتیں مستقبل سے متعلق ہیں اور پچھلی دو آیتیں ماضی سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضور کو ان الفاظ میں فرمایا کہ نہ میں نے زمانہ ماضی میں کبھی تمہارے معبودان باطل کی پرستش کی اور نہ آئندہ کبھی تم مجھ سے اس کی توقع کر سکتے ہو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایک سال تمہارے معبودوں کی پرستش کروں اور ایک سال تم میرے خداوند حقیقی کی عبادت کرو۔ کان کھول کر سن لو ایک سال تو بڑا لمبا عرصہ ہے میں تو ایک لمحے کے لیے بھی تمہارے ان بے جان خداؤں کی عبادت نہیں کروں گا۔ میرا سر جھکے گا تو صرف اپنے پروردگار کے سامنے جو وحدہ لا شریک ہے۔ میری جبین نیاز سجدہ ریز ہو گی تو صرف اپنے اس خداوند قدوس کی بارگاہ اقدس میں جو کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مجھے بھی ایسے پیدا بھی اسی نے کیا ہے۔ مجھے نبوت و رسالت کا رتبہ بھی اسی نے بخشا ہے۔ میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ اس کے علاوہ کسی غیر کو اپنا معبود و مسجود بناؤں۔ چنانچہ علامہ زمخشری کہتے ہیں لا اعبد اُرید بہ العبادۃ فیما یستقبل لان لا لا تدخل الا علی مضارع فی معنی الاستقبال۔ یعنی مضارع پر لا داخل ہے اور اس صورت میں مستقبل کی نفی کرتا ہے۔

ان آیات کی تفسیر میں مندرجہ ترجمہ کے علاوہ متعدد اقوال بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ چوتھی آیت دوسری آیت کی تاکید کر رہی ہے کیونکہ دوسری آیت جملہ فعلیہ ہے جو تجدد و حدوث پر دلالت کرتا ہے اور چوتھی جملہ اسمیہ ہے جو ثبات اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے۔ چوتھی آیت نے دوسری آیت کو مؤکد کر دیا۔ تیسری آیت کی تاکید پانچویں آیت کر رہی ہے کیونکہ الفاظ

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ

کو جسے تم پوجتے ہو اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں اور نہ ہی میں عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو اور نہ تم اس

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین

بالکل یکساں ہیں، کلام عرب میں اس قسم کی تاکید نظم ونثر دونوں میں کثیر الاستعمال ہے۔ چنانچہ ایک شعر ہے ؎

نعق الغراب ببین لیلیٰ غدوۃ ۔۔۔ کم، کم وکم بفراق لیلیٰ ینعق

کہ جدائی کا کوا صبح کے وقت لیلیٰ کی جدائی کی خبر دینے کے لیے بولا وہ کب تک کب تک، کب تک لیلیٰ کے فراق پر چلاتا رہے گا

اس تکرار کا مدعا یہ ہے کہ کفار کو ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جاتے کہ مسلمان ان کے کفر کو ایک لمحے کے لیے بھی قبول نہیں کریں گے۔ نیز ان کے بارے میں بتا دیا کہ وہ کبھی مسلمان نہیں ہوں گے۔ وفائدۃ ھذا التوکید قطع اطماع الکفار وتحقیق الاخبار بموافاتھم علی الکفر وانھم لا یسلمون ابدا (بحر)

لے الکافرون سے کیونکہ وہ گنتی کے چند بدبخت مراد ہیں جن کی قسمت میں ایمان لانے کی سعادت نہ تھی اس لیے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جس حی وقیوم کی میں عبادت کرتا ہوں تم کبھی اس کی عبادت نہ کرو گے کیونکہ تم اس قدر متعصب ہو کہ تم نے غور وفکر کے سارے دیئے بجھا دیئے ہیں۔ عقل وفہم کی قوتوں کو تم نے بانجھ بنا دیا ہے۔

لے زمخشری کہتے ہیں کہ اس کا تعلق زمانہ ماضی سے ہے کہ میں نے آج تک کسی معبود باطل کی عبادت نہیں کی جن کے سامنے تم اپنی پیشانیوں کو گھساتے رہتے ہو اور اپنی ناک رگڑتے رہتے ہو یعنی لم تعھد منی عبادۃ صنم فی الجاھلیۃ فکیف ترجی منی فی الاسلام۔ (کشاف) نبوت کے اعلان سے پہلے جب میرا دامن کفر وشرک کی ہر آلائش سے پاک رہا ہے تو اب جبکہ میں نے اپنی نبوت کا اعلان بھی کر دیا ہے اور میرے خداوند نے میرے سینے کو نور نبوت سے روشن اور منیر کر دیا ہے شک وشبہ کا شائبہ تک بھی باقی نہیں رہا اس وقت اگر تم مجھ سے شرک کی توقع کرو تو تم سے بڑا بے وقوف دنیا میں اور کوئی نہیں۔

ش اسی طرح تم نے گزشتہ زمانے میں کبھی اس معبود برحق کی عبادت نہیں کی جس کی عبادت کا شرف مجھے حاصل رہا کہا جاتا ہے کہ ما کا لفظ عام طور پر غیر ذوی العقول اور بے جان چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے ما اعبد کی جگہ من اعبد ہوتا تو زیادہ بہتر تھا۔ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں، ایک یہ کہ پہلی دو آیتوں میں ما الذی کے معنی میں مستعمل ہے اور دوسری دو آیتوں میں ما مصدریہ ہے۔ ای لا اعبد عبادتکم ولا تعبدون عبادتی یعنی جس طرح تم عبادت کرتے ہو میں عبادت نہیں کرتا اور جس طرح میں عبادت کرتا ہوں اس طرح تم عبادت نہیں کرتے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ

ما یہاں ذات پر دلالت کرنے کے لیے نہیں بلکہ صفت پر دلالت کر رہا ہے۔ کما قال لا اعبد الباطل ولا تعبدون الحق

لے حق و باطل میں آمیزش کا میں قائل نہیں۔ مجھے ایسے اتحاد کی بھی ضرورت نہیں جو باطل کے ساتھ مصالحت پر موقوف ہو۔ بے شک تم اپنے کفر پر ڈٹے رہو۔ میری خاطر تم اس کفر میں توحید کا پیوند نہ لگاؤ۔ ان دونوں میں کوئی جوڑ نہیں۔ ان میں کوئی مناسبت نہیں۔ اس طرح میں تمہارے فریب میں آکر توحید کو کدر ہرگز نہیں کروں گا کیونکہ اس صورت میں توحید توحید نہ رہے گی۔ حق کا نور پھیلانے کے لیے مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر میں تمہاری بات مان لوں تو حق' باطل بن جائے گا۔

تم اپنے حال میں مست رہو۔ میں اپنے حق پر ثابت قدم رہتا ہوں۔ حق و باطل کا یہ معرکہ اپنے طبعی نتیجہ پر پہنچ کر رہے گا۔ تم دیکھو گے کہ چند بد نصیبوں کے سوا سارا جزیرۂ عرب اسلام قبول کر لے گا۔

لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وصفیہ محمد وعلی
آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃُ النصر

نام : اس سورہ مبارکہ کے کئی نام ہیں۔ اسے سورۃ تودیع یعنی الوداعی سورت بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اللہ کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرائض نبوت کو بحسن وخوبی انجام دینے کے بعد اپنے رب کے حضور میں مراجعت فرما ہونے سے پہلے اپنے جاں نثار غلاموں کو الوداع کہہ رہا ہے۔

اسے سورت فتح بھی کہتے ہیں لیکن اس کا مشہور ترین نام النصر ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

یہ ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد اُنیس ہے اور حروف کی اناسی۔

زمانۂ نزول : ہجرت کے بعد جو سورتیں نازل ہوئیں، انہیں مدنی کہا جاتا ہے خواہ ان کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا ہو یا اثنائے سفر مدینہ سے باہر کسی دوسرے مقام پر۔ ہجرت کے بعد جو سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اسے بھی مدنی سورتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن ہجرت کے بعد نازل ہوئی اس لیے اسے مدنی ہی کہا جاتا ہے۔

علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ قرآن کریم کی یہ آخری مکمل سورت ہے جو سرور عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔

اس سورت کے نزول کے وقت کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی۔ یہ وہ ساعت سعید ہے کہ چند سال پہلے جو ہستی یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئی تھی اور اس کے ساتھ صرف ایک جاں نثار ابوبکر تھا، آج وہ دس ہزار کے لشکر جرار کو ہمراہ لیے مکہ میں داخل ہو رہی ہے۔ اہل مکہ نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہیں دیکھا تھا۔ ہر قبیلہ کا اپنا اپنا رسالہ ہے۔ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہیں۔ جسموں پر آہنی زرہیں اور سروں پر فولادی خود چمک رہے ہیں۔ جوش وخروش کا عجیب عالم ہے۔ جب یہ فوج ظفر موج وادی بطحا سے گزرتی ہے تو زمین ان کے قدموں کے نیچے لرز جاتی ہے۔ ایک عجیب روح پرور منظر ہے۔ کفر کے سارے دفاعی مورچے پیوند خاک ہو چکے ہیں۔ مخالفت کے طوفان ختم کر دیے گئے ہیں۔ ہر شخص کو اپنے انجام کی فکر نے بد حواس بنا کر دیا ہے لیکن اس لشکر کے سپہ سالار نے کڑی ہدایات جاری کر دی ہیں کہ خونریز خرابہ سے قطعاً اجتناب کیا جائے۔ کسی پر دست درازی نہ کی جائے۔ تلواریں میانوں میں، تیر ترکشوں میں، کمانیں کندھوں سے آویزاں رہیں۔ اس وقت تک کوئی تلوار بے نیام نہ ہو جب تک مکہ والوں کی طرف سے پہل نہ ہو۔ اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ جو حرم میں پناہ لے گا، جو گھر کے کواڑ بند کر دے گا، بلکہ جو ابو سفیان کی حویلی میں داخل ہو جائے گا سب کو امان ہے۔

مکہ کا فاتح اگر کوئی بادشاہ ہوتا، کوئی ڈکٹیٹر ہوتا، کوئی فوجی جرنیل ہوتا تو آج مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی، قتل عام کا حکم دے دیا جاتا۔ پل بھر میں کشتوں کے پشتے لگ جاتے، خون کے دریا بہنے لگتے ہر سو آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوتے، لیکن ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی تو آج نہیں ہو رہی۔ کیونکہ آج کا فاتح محمد رسول اللہ ہے۔ آج کا فاتح زرہ بکتر کی خلعت فاخرہ پہنے ہوئے ہے۔ آج کا فاتح قیامت تک فاتح بن کر داخل ہونے والوں کے لیے اپنا اسوۂ حسنہ پیش کرنا چاہتا ہے۔ حضور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہیں۔ سر فخر سے تنا ہوا نہیں۔ گردن غرور سے اکڑی ہوئی نہیں۔ بلکہ سر جھکا ہوا ہے اتنا جھکا ہوا کہ پالان کے سامنے والی لکڑی کو چھو رہا ہے۔ چشم مبارک سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہے۔ ہونٹوں پر اپنے خدائے کریم کی عظمت و کبریائی کے کلمات ہیں۔ دل اپنے رؤف و رحیم پروردگار کے الطاف بے پایاں پر شکر گزار ہے۔ ہر ادا دلنواز ہے، ہر نگاہ روح پرور ہے۔ ہر قدم ناز پر امید و اطمینان کے چمن آباد ہو رہے ہیں۔ اس وقت جبرئیل امین یہ مبارک سورت لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں اور فتح و کامرانی کی تقریب منانے کا الٰہی منشور پیش کرتے ہیں۔

دیگر روایات کے مطابق یہ سورت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ منیٰ کا میدان قدسی صفات بندوں کے پرنور چہروں اور ضیا بار پیشانیوں کے باعث نور علیٰ نور ہے۔ تہلیل و تسبیح کی دلنواز صدائیں ہر گوشہ سے بلند ہو رہی ہیں۔ بہ برکت دین پرستی کے وطن میں آج توحید کا بابرکت پرچم نصب کیا جا رہا ہے۔ سارا جزیرۂ عرب اسلام قبول کر چکا ہے۔ عناد و فساد کی آخری چنگاری بھی بجھ گئی ہے۔ انسانیت کا ہادی برحق اور مرشد کامل اپنے خالق کا محبوب بندہ اور برگزیدہ رسول اپنی ناقہ پر سوار ہو کر اپنا تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرما رہا ہے۔ بین الاقوامی قانون، بین الاقوامی اخلاقی ضابطوں اور فلاح دارین کے اصول بیان کر رہا ہے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوتی ہے جس میں فتح و کامرانی کی حالت میں جن آداب کی پابندی ضروری ہے ان کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

ہر میدان میں اسلام کی عظمت کے پرچم لہرانے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے اور ہر حالت میں ہمیں ان آداب کی پابندی کی ہمت بخشے جو اس نے امت محمدیہ علی صاحبہا احسن الصلوٰۃ واجمل التحیہ کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

◎

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سورۃ النصر مدنی ہے اور اس کی تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝١ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ

جب اللہ کی مدد آ پہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج

اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝٢ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝٣

در فوج۔ تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے [1] اور اس سے مغفرت طلب کیجئے بیشک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے

۱؎ پہلی آیت میں ہی بتا دیا کہ اگر تکمیل فرض کی سعادت حاصل ہو، کسی مہم میں کامیابی نصیب ہو تو اے بندگان خدا بھولے سے بھی یہ خیال نہ کرنا کہ اس کامیابی میں تمہاری قابلیت، تمہاری ہوشیاری، تمہاری ہوشیاری کا بھی دخل ہے۔ بلکہ یقین رکھنا کہ میرے بندہ نواز خدا کی نصرت اور تائید کی برکت ہے۔ میری یہ کامیابی اسی کی امداد کی مرہون منت ہے۔ اگر تم اسے اپنی قابلیت کا نتیجہ خیال کرو گے تو تمہارے دل میں غرور پیدا ہو جائے گا اور مغرور فاتحین سے ایسی ایسی ناروا حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ ان کی کامیابی شکست سے بھی زیادہ ان کے لیے رسوا کن ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول اور پیارے بندے محمد مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو فرماتا ہے کہ جب میری مدد و نصرت شامل حال ہو جائے اور میری مہربانی سے فتح نصیب ہو جائے اور جو لوگ اب تک اسلام کو مٹانے کے لیے طوفان بن کر اٹھتے رہے وہ اس پر پروانوں کی طرح نثار ہونے لگیں اور فوج در فوج اس دین کو قبول کرنے لگیں تو آپ کا فرض یہ ہے کہ آپ اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کریں۔

فتح مکہ کے بعد نو دس ہجری میں جزیرہ عرب میں دور و نزدیک جتنے قبائل آباد تھے وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے اور حضور کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کثرت سے لوگوں کے اسلام قبول کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کثرت سے فرمایا کرتے۔

خود سوچیے جس قوم کو دشمن پر مکمل فتح بھی مدہوش اور بدمست نہ کر سکے وہ کتنی عالی ظرف قوم ہے۔ اس کا وجود انسانیت کے لیے منبع خیر و سعادت ہے۔ جب تک اس کا آفتاب اقبال چمکتا رہے گا غم و اندوہ کی تاریکیاں انسانیت کے نزدیک آنے

کی جرأت نہ کر سکیں گی۔

۲۔ اس جملے سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول کو استغفار کا حکم دے رہا ہے تاکہ قیامت تک آنے والے غلاموں کے لیے استغفار ان کے نبی کی سنت بن جائے اور کوئی شخص طلب مغفرت میں تذبذب محسوس نہ کرے۔ علمائے تفسیر نے اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اپنی امت کے گناہوں کے لیے اپنے رب سے بخشش کی التجا کیجیے۔ آپ کے ہاتھ استغفار کے لیے جب اٹھیں گے تو وہ خالی واپس نہیں کیے جائیں گے۔ چنانچہ علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں: او المعنی استغفر لامتك (تفسیر مظہری)، یعنی اے حبیب! آپ اپنی امت کے لیے مغفرت طلب کیجیے۔ یہی الفاظ علامہ قرطبی نے بھی تحریر کیے ہیں۔ وقیل استغفر لامتك۔ (قرطبی)

اس مفہوم کو حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص انداز میں یوں لکھا ہے:

"چوں عارف بمرتبہ تکمیل رسید و از ہر گونہ مردم تابع او شدند و استعدادات آں ہا در نقصان و کمال تفاوت فاحش دارد لاجرم او را می باید کہ برائے تکمیل ناقصاں طلب آمرزش نماید تا آں ہمہ نقصانات اصلی استعداد و اتباع او روز محشر متغیر بکمال استحقاق او گردد۔"

ترجمہ: جب عارف ایسے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے جہاں وہ دوسروں کو باکمال بنا سکتا ہے تو اس کے مریدوں میں ہر قسم کے لوگ شامل ہو جاتے ہیں جن کی صلاحیتوں اور استعدادوں میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ کوئی بالکل ناقص اور کوئی کامل۔ اس وقت عارف کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تاکہ اس کے ناقص مرید بھی مرتبہ کمال پر فائز ہو جائیں اور عارف کی اس دعائے مغفرت کے باعث جبلی استعدادوں میں جو خامی تھی وہ دور ہو جائے۔

۳۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ جب کوئی روسیاہ اور بدکار اس کے در کرم پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے اور اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ دوسرا معنی شاہ صاحب موصوف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"مرآئینہ او تعالیٰ بتضیق رجوع می کند در حق ناقصاں و تکمیل رحمت می فرماید پس از وے بعید نیست کہ اتباع ترا بطفیل تو کامل سازد" یعنی اللہ تعالیٰ اپنی تکمیل فیض سے ناقصوں کی طرف توجہ فرماتا ہے اور ان کے نقص کو کمال سے بدل دیتا ہے۔ اے اللہ کے رسول! اس کی رحمت سے ذرا بعید نہیں کہ وہ آپ کے طفیل آپ کے ناقص امتیوں کو مرتبہ کمال پر فائز فرمائے۔

○

اللّٰهم تب علينا انك انت التواب الرحيم بجاه حبيبك محمد الرؤف الرحيم عليه و على اٰله واصحابه افضل الصلوٰة واجمل التسليم۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورَۃُ اللّھب

نام : اس سورت کا نام اللھب ہے۔ اس میں ایک رکوع، پانچ آیتیں، بیس کلمات اور ستتر حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کی شان نزول کے بارے میں اس سورت کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ قرآن کریم میں نام لے کر ابولہب کا ذکر کیوں کیا گیا۔ حالانکہ مکہ، مدینہ اور دیگر قبائل عرب میں حضور کے دشمنوں اور دین کے بدخواہوں کی کمی نہ تھی۔ ان کی اذیت رسانیاں، دلآزاریاں اور اسلام کو شکست دینے اور ناکام کرنے کی کوششیں ابولہب کی سازشوں سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ پھر اس کی کیا خصوصیت ہے جس کے باعث اس کا نام لے کر اس کی گرفت کی گئی۔

جہاں محبت کی توقع ہو وہاں سے اگر نفرت و عداوت کا لاوا پھوٹ نکلے جہاں سے تائید و اعانت کی امید ہو وہاں سے مخاصمت کا طوفان امڈنے لگے تو یقیناً یہ چیز بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ابولہب حضور کا حقیقی چچا تھا۔ حضرت عبداللہ اور ابولہب دونوں حقیقی بھائی تھے۔ اس سے بجا طور پر یہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے سگے بھائی کے یتیم بیٹے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہوگا اور اس کی تائید و نصرت میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرے گا۔ نیز یہ بنی ہاشم کا رئیس تھا۔ عرب کا وہ معاشرہ جس میں ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اس میں ہر قسم کی مرکزیت قبیلہ کو حاصل تھی۔ قبیلہ کے ہر فرد کی امداد کرنا اس قبیلہ کے سردار کی اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری تھی۔ اگر وہ فرد ظالم بھی ہوتا تو مظلوم کی مدد کے بجائے قبیلہ کے سارے افراد اپنے ظالم بھائی کی مدد کرنا ضروری سمجھتے۔ ابولہب بنی ہاشم کا رئیس تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہاشمی تھے۔ اس کا یہ فرض اولین تھا کہ وہ اپنے خاندان کے ایک باکمال فرد کی دعوت کو قبول کرتا اور دعوت کو کامیاب بنانے کے لیے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیتا۔

خونی اور خاندانی قریبی تعلقات کے علاوہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوسی تھا۔ دونوں مکانوں میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔ پڑوسی کا حق دنیا کے ہر معاشرہ میں مسلم ہے۔ نیز ہمسائیگی کے باعث وہ حضور کے ذاتی اور عائلی ایسے حالات کو بھی جانتا تھا جن سے عموماً دوسرے لوگ واقف نہیں ہوتے۔ ایسی پاکیزہ زندگی، ایسی من موہنی سیرت، ایسے بے داغ کردار کا مشاہدہ وہ شب و روز کرتا اور پھر بھی اس ارفع و بے مثال خصائل پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہ آتا تھا۔ پھر جس شدت اور خست سے وہ اپنی عداوت کا مظاہرہ کیا کرتا اس کی بھی نظیر مشکل سے ہی ملے گی۔ حضور اپنے گھر میں جب مصروف عبادت ہوتے تو وہ ذبح شدہ جانوروں کے بدبودار اوجھ گلی سڑی آنتیں اٹھا کر لاتا اور حضور پر پھینک دیتا۔ گھر کے آنگن میں

کوڑا کرکٹ ڈالنا اور جہاں ہنڈیا پک رہی ہوتی وہاں غلاظت پھینکنا اس کا روزمرہ کا معمول تھا۔ صرف اسی پر بس نہیں، اس کی بدبخت بیوی امارت و وجاہت کے باوصف خود جنگل میں جاتی اور خاردار ٹہنیاں چنتی، ان کا گٹھا اپنے سر پر اٹھا کر لاتی اور رات کے وقت حضور کی راہ میں ڈال دیتی تاکہ آخر شب جب حضور حرم کی طرف تشریف لے جائیں تو آپ کے نرم و نازک پاؤں میں کوئی کانٹا ہی چبھ جائے۔

اعلان نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صاحبزادیاں اس کے دو بیٹوں، عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ بیاہی گئی تھیں۔ جب سرور عالم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا اور بڑے اشتعال انگیز الفاظ میں کہا کہ اگر تم ان کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو تمہارے میری بول چال، لین دین، آنا جانا قطعاً بند ہو جائے گا، تم میرا منہ بھی نہ دیکھ سکو گے۔ چنانچہ دونوں نے حضور کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی اور عتیبہ نے اپنے خبث باطن کا کچھ زیادہ ہی مظاہرہ کیا۔ کہنے لگا میں والنجم اذا ھوی کے رب کا کفر کرتا ہوں۔ اس ناپاک نے روئے انور پر تھوکنے کی جسارت کی جو تھوک اسی کے قبیح منہ پر آ پڑی۔ حضور کی زبان سے نکلا الٰہی اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس نابکار پر مسلط فرما دے۔ چنانچہ ایک سفر میں ایک شیر نے اسے پھاڑ ڈالا لیکن نہ اس کا ناپاک خون پیا اور نہ اس کے پلید گوشت کو کھایا۔ اس قصہ کی تفصیل آپ سورۃ النجم کے حواشی میں پڑھ چکے ہوں گے۔

ابولہب کی بدباطنی کا ایک اور واقعہ سنیے: نبوت کے ساتویں سال کفار مکہ نے حضور کے ساتھ اور حضور کے سارے خاندان بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا تو بنی ہاشم اور بنی مطلب کے وہ افراد بھی جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا محض قبائلی عصبیت کے باعث شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے، لیکن ابولہب نے ہاشمی ہوتے ہوئے حضور کی مخالفت کی اور اس بائیکاٹ میں کفار مکہ کا ساتھ دیا۔

دین اسلام اور رسول اسلام سے اس کا بغض و عناد اتنا شدید تھا کہ وہ ہر وقت حضور کے پیچھے لگا رہتا اور حضور کی تکذیب کرتا۔ حضور کا یہ معمول تھا کہ جہاں کہیں تجارتی بازار لگتے یا لوگوں کا اجتماع ہوتا وہاں تشریف لے جاتے اور حاضرین کو توحید کی دعوت دیتے۔ یہ کمبخت ہر ایسے موقع پر پہنچ جاتا اور چلا چلا کر لوگوں کو کہتا کہ اے لوگو! یہ میرا بھتیجا ہے، یہ دیوانہ ہو گیا ہے (معاذ اللہ) اس کے قریب مت جانا، اس کی بات ہرگز نہ سننا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ الغرض اس سے اسلام کی تائید و نصرت کی جو توقعات وابستہ کی جا سکتی تھیں وہ ان کے برعکس اتنی شدت سے اسلام کی مخالفت میں سرگرم رہا کرتا۔ عداوت و مخالفت میں اس کا بڑا نمایاں کردار تھا جو ایک انفرادی حیثیت کا مالک تھا۔ اسی لیے قرآن کریم میں اس کا نام لے کر لعنت کی بوچھاڑ کی گئی۔ ابولہب اس کی کنیت تھی اور اسی سے وہ زیادہ مشہور تھا۔ عبدالعزیٰ اس کا نام تھا۔ یہ ناپاک نام اس قابل نہ تھا کہ اس کو قرآن میں ذکر کیا جاتا۔ اس لیے اس کے نام کے بجائے اس کی کنیت ابولہب ذکر کی گئی تاکہ لوگوں کو اس کے دوزخی ہونے کا بھی پتہ چل جائے۔

اس سورت کے مطالعہ سے اس امر کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بارگاہ رسالت میں معمولی سی گستاخی سے جبین قدرت پر کس طرح شکن پڑ جاتے ہیں، غضب خداوندی کے شعلے کس طرح بھڑکنے لگتے ہیں۔ اس بدنصیب نے تو ایک انگلی اٹھا کر

اشارہ کیا اور نازیبا الفاظ نکلے۔ اس کے جواب میں رحمتِ عالم نے تو اسی علم اور عفو و درگزر کا ثبوت دیا جو آپ کی شایانِ شان تھا لیکن غیرتِ خداوندی جوش میں آگئی اور تبت یدا ابی لہب فرما کر ہر بے ادب اور ہر گستاخ کو صاف صاف بتا دیا کہ اگر تم سے کوئی ایسا لفظ یا فعل صادر ہوا جس سے میرے حبیب کی شان میں بے ادبی کا کوئی پہلو نکلے تو یاد رکھو غضبِ الٰہی کا کوندا لپکے گی اور تمہیں جلا کر خاکستر کر دے گی۔ حضرت بخاری نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

سورہ اللہب مکی ہے۔ اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ① مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ②

ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا [1] کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا [2]

[1] تبّ کا لفظ خسران، نامرادی اور بربادی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ومعنی تبّت خسرت وقیل خابت وقیل ضلت وقیل هلكت۔ (قرطبی)

جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وانذر عشیرتک الاقربین کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ اس ارشاد الٰہی کی تعمیل کے لیے حضور صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہوئے اور یا صباحاہ بلند آواز سے کہا۔ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی ناگہانی آفت آجاتی اور لوگوں کو امداد کے لیے بلانا مقصود ہوتا تو یا صباحاہ کے الفاظ سے پکارتے۔ لوگوں نے جب یہ آواز سنی تو بھاگتے ہوئے صفا کی پہاڑی کے دامن میں آپہنچے اور جو خود حاضر ہونے سے معذور تھے انہوں نے حقیقت حال دریافت کرنے کے لیے اپنے نمائندے بھیجے۔ جب سارے قریشی قبیلے جمع ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے دشمنوں کا لشکر سوار ہو کر تم پر حملہ کرنے کے لیے آرہا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے بیک زبان جواب دیا بے شک ہم آپ کی تصدیق کریں گے کیونکہ ہم نے آج تک آپ کی زبان سے سچ ہی سنا ہے۔ حضور نے فرمایا میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ اگر تم شرک سے باز نہ آئے تو خدا کا عذاب تمہیں نیست و نابود کر دے گا۔ ابولہب جو حضور کا چچا تھا اس نے انگلی اٹھا کر اشارہ کیا اور گستاخی کرتے ہوئے بولا: تبا لک الهذا جمعتنا۔ اللہ تعالیٰ کو اس گستاخ کی گستاخی اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سخت ناگوار گزری اور اللہ تعالیٰ نے غضب اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں جن ہاتھوں کی ایک انگلی بے ادبی کے لیے اٹھی ہے وہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ انہیں کبھی اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو۔ یہ بد دعا ہے۔ وتبّ فرمایا کہ وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ وہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا۔ اس کا جسم ریزہ ریزہ کر دیا گیا اور جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا اسے پورا ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ بزدلی کے باعث بدر کی جنگ میں یہ شریک نہ ہوا لیکن بدر کی عبرتناک شکست پر ابھی صرف ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ اس کے جسم پر ایک زہریلا چھالا (العدسہ) نمودار ہوا اور چند دنوں میں اس کے سارے جسم پر پھیل گیا۔ ہر جگہ سے بدبودار پیپ بہنے لگی۔ گوشت گل گل کر گرنے لگا۔ اس کے بیٹوں نے جب دیکھا کہ اسے ایک متعدی بیماری لگ گئی ہے تو انہوں نے اس کو اپنے گھر سے باہر نکال دیا اور تڑپتے تڑپتے اس نے جان دے دی۔ اب ہم اس کی نعش کو ٹھکانے

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴

عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں ۳ اور اس کی جورو بھی سکے بدبخت ایندھن اٹھانے والی ۴

نکالنے کے لیے کوئی قریب نہ گیا۔ تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی جب اس کے تعفن اور بدبو سے لوگ تنگ آگئے اور اس کے بیٹوں کو لعنت ملامت شروع کی تب انہوں نے چند حبشی غلاموں کو اس کی لاش ٹھکانے لگانے پر مقرر کیا۔ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے اس کی لاش کو دھکیل کر اس گڑھے میں پھینک دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔ اتنے بڑے قوم کے سردار اور مکہ کے چوٹی کے رئیسوں میں سے ایک رئیس کا یہ حشر اللہ تعالیٰ کے غضب ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اولاد اپنے باپ کو یوں کسمپرسی کے عالم میں نہیں چھوڑا کرتی مرنے کے بعد اس کی لاش کو یوں گلتے سڑتے نہیں دیکھ سکتی لیکن جب اللہ تعالیٰ کا غضب آتا ہے تو اولاد کے دل میں محبت یا کم از کم ظاہر داری کے جذبات بھی ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا یہی حشر ہوتا ہے جو اس گستاخ بارگاہ نبوت کا ہوا۔ سارے اہل مکہ نے دیکھا کہ مصطفیٰ کریم نے اپنے رب کی طرف سے جو پیشگوئی کی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ نعوذ باللہ من غضبہ ومن غضب رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

بعض علما کا خیال ہے کہ تَبَّتْ یہ جملہ خبریہ ہے اور تَبَّ بھی جملہ خبریہ اور اس سے مراد تاکید ہے۔ لیکن علامہ قرطبی نے فراء کا قول نقل کیا ہے کہ تَبَّتْ یَدَاۤ یہ بددعا ہے اور تَبَّ جملہ خبریہ ہے پہلے فرمایا ایسا ہو جائے پھر بتا دیا ایسا ہو گیا۔ قال الفراء الاول دعاء والثانی خبر۔ قرطبی۔ علامہ پانی پتی بھی فرماتے ہیں: والعطف بعد الاخبار للتاکید او الاولی دعائیۃ والثانی اخباریۃ۔ (مظہری)

ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا اپنے حسن و جمال اور چمکتے ہوئے چہرے کی وجہ سے اس نے اپنی کنیت ابولہب رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کنیت ذکر کی اور اس کا نام ذکر نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے نام سے زیادہ اپنی کنیت سے مشہور تھا اور دوسری وجہ یہ کہ عبدالعزیٰ (عزیٰ کا بندہ) یہ نام اس قابل نہ تھا کہ اسے قرآن کریم میں ذکر کیا جاتا۔

۲ یہ مکہ کے چار دولت مندوں میں سے ایک تھا۔ اس کے پاس ایک سیر سے زیادہ سونے کی اینٹیں تھیں۔ دیگر جائیداد، سامان، مال مویشی اس کے ماسوا تھے۔ اور صاحب اولاد بھی تھا۔ اس کے کئی لڑکے تھے جو اس کی موجودگی میں پلے بڑھے جوان ہوئے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسے پکڑا اور ایک زہریلا آبلہ اس کے جسم پر نمودار ہوا تو سارے نوکر خادم، بھائی، رشتہ دار حتیٰ کہ اس کے اپنے فرزند بھی اس کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ اس دنیا کی آنکھ نے دیکھ لیا کہ جس دولت کی کثرت پر وہ فخر کیا کرتا تھا جن بیٹوں پر اس کو بڑا ناز تھا مصیبت کے وقت وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے گئے اور اس کے ذرا کام نہ آئے۔ مَا كَسَبَ کا معنی بعض علماء نے اولاد کیا ہے۔

۳ آج یہ میرے محبوب کی جناب میں گستاخی کر رہا ہے بے ادبی سے انگلی کا اشارہ کر رہا ہے اور بڑی ڈینگیں مار رہا ہے تھوڑے عرصے کے بعد ہم اسے اس گستاخی کا مزا چکھائیں گے اور اسے ایسی آگ میں جا جھونکیں گے جس میں شعلے اٹھ رہے ہوں گے۔

۴ اس کی بیوی کا نام اروہ تھا اور کنیت ام جمیل تھی یہ ابوسفیان کی بہن تھی اور بھینگی تھی اور اس کے دل میں حضور کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسلام دشمنی میں یہ اپنے بدبخت خاوند سے کسی طرح پیچھے نہ تھی۔ اس کا مشغلہ یہ تھا کہ دن کے وقت جنگل میں نکل جاتی خاردار لکڑیاں چنتی رہتی اور گٹھا باندھ کر اٹھا لاتی اور رات کے وقت اس راستے میں ان کانٹوں کو بچھا دیتی جس سے گزر کر اللہ کا حبیب اپنے رب کا

فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۵

اس کے گلے میں مونج کی رسی ہو گی ۵

کی جناب میں سجدہ ریز ہونے کے لیے حرم کی طرف تشریف لے جاتا۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو یہ سن کر آگ بگولا ہو گئی اور اپنی مٹھیوں میں سنگریزے بھر کر حضور کی تلاش میں نکلی کر یہاں بیٹھے ہیں گے ان پتھروں سے خبر لوں گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ کے پاس بیٹھے تھے حضرت ابوبکر صدیق حاضر خدمت تھے حضرت ابوبکر صدیق نے جب اس کو آتے ہوئے دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ! اُم جمیل آرہی ہے اور یہ ضرور کوئی خباثت کرے گی۔ حضور نے ارشاد فرمایا وہ مجھے نہ دیکھ سکے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ قریب آکر حضور کو نہ دیکھ سکی اور بڑبڑاتے ہوئے واپس چلی گئی۔ ارشاد فرمایا بس آگ میں اس کا گستاخ خاوند جلایا جائے گا اسی آگ میں وہ بھی جھونک دی جائے گی۔

۵ حطب ایندھن کو کہتے ہیں۔ جلانے کی لکڑی۔ حمالۃ: اٹھانے والی ان الفاظ سے اس کے اس عمل کو بیان کیا گیا ہے جس پر وہ عمل پیرا رہی۔

حمالۃ الحطب کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص لوگوں کے درمیان چغل خوری کرے اس کے بارے میں کہتے ہیں فلان یحطب علی فلان اذا ورّش علیہ۔ جب کوئی شخص لوگوں کے درمیان چغلیاں کھائے اور مخالفت کی آگ کو بھڑکائے تو اس کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ایسے شخص کی حدیث پاک میں بھی بڑی مذمت کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: لا یدخل الجنۃ نمام۔ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

کعب احبار سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں قحط پڑ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ہمراہ تین دن تک بارش کی دعا کرتے رہے لیکن ایک بوند بھی نہ گری۔ آخر آپ نے عرض کی: الٰہی عبادک۔ الٰہی یہ تیرے بندے ہیں، اگر تو رحم نہیں فرمائے گا تو کون رحم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ موسیٰ میں تمہاری دعا قبول نہ کروں گا اور نہ تمہارے ساتھیوں کی کیونکہ ان میں ایک ایسا آدمی ہے جو چغل خور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا رب العالمین! وہ کون ہے تاکہ ہم اسے اپنی صفوں سے نکال دیں۔ ارشاد ہوا اے موسیٰ! میں تمہیں چغل خوری سے روکتا ہوں۔ میں خود اس شخص کی چغلی کیسے کھا سکتا ہوں۔ چنانچہ سب نے مل کر توبہ کی پھر انہوں نے بارش کے لیے دعا مانگی جو قبول ہوئی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ چغل خوری کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض کا قول ہے: ثلاث تھد العمل الصالح ویفطرن الصائم وینقضن الوضوء، الغیبۃ والنمیمۃ والکذب یعنی تین ایسی باتیں ہیں جو نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہیں، روزہ توڑ دیتی ہیں اور وضو ٹوٹ جاتا ہے: غیبت، چغلی اور جھوٹ۔

اس کی ترکیب کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس کی نصب مذمت کی وجہ سے ہے۔ حمالۃ الحطب بالنصب علی الذم کانھا اشتھرت بذلک فجاءت الصفۃ للذم لا للتخصیص۔ یعنی اپنی اس صفت کی وجہ سے وہ مشہور و معروف تھی اس لیے یہ صفت اس کی تخصیص کے لیے نہیں بلکہ اس کی مذمت کے لیے ہے۔

۶ جید، گردن۔ حبل، رسی۔ مسد، مونج۔ ام جمیل کے بارے میں خصوصی طور پر یہ الفاظ استعمال کرنے میں

پیدا ہے کہ وہ مکہ کے رئیس اعظم کی بیوی تھی۔ اس کے گلے میں جواہرات کا گراں بہا ہار تھا اور وہ کہتی تھی، واللات والعزیٰ لانفقنھا فی عداوۃ محمد۔ کہ لات و عزیٰ کی قسم میں موتیوں کے اس بیش قیمت ہار کو فروخت کر کے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عداوت میں خرچ کروں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس اکڑی ہوئی گردن میں جس میں آج جواہرات کا ہار ہے، ہم مونج کی رسی ڈال کر اسے جہنم میں گھسیٹیں گے جو سخت کھردری ہوگی۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ حسب معمول خاردار لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے آ رہی تھی۔ وہ گٹھا مونج کی رسی میں بندھا ہوا تھا۔ وہ ایک پتھر پر آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئی، وہ گٹھا پیچھے ہٹ گیا اور رسی اس کے گلے میں حائل ہوگئی جس سے اس کا دم گھٹ گیا اور وہ مر گئی۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اللھم انا نعوذ بک من سوء الادب فی حضرۃ المصطفیٰ
و نعوذ بک بجاھہ عندک من سخطک و سخط نبیک و
حبیبک واجعلنا من خدامہ المتادبین فی جنابہ
المتمسکین بحبلہ المقتفین باثارہ النیرۃ علیہ و
علی آلہ من الصلوات اطیبھا ومن التسلیمات ازکاھا

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ الاخلاص

نام : اس سورۂ مبارکہ کے بہت سے نام ہیں جو اس کی عظمتِ شان اور مقام رفیع پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے چند آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

سُورۃ توحید کیونکہ اس میں عقیدۂ توحید کو بڑی جامعیت اور دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

سُورۃ نجات : اس کے ذریعہ انسان کو کفر و شرک کی آلودگیوں سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ نیز عذابِ جہنم سے بھی رستگاری کا ذریعہ ہے۔

سُورۃ مقشقشۃ : تقشقش کہتے ہیں بیماری سے شفایاب ہو جانا۔ اس سورت کے ذریعے کیونکہ کفر و شرک کے مرض سے شفا نصیب ہوتی ہے اسی لیے اسے مقشقشۃ کہا گیا۔

سُورۃ الاساس : کیونکہ ایمان و عمل کا قصر رفیع توحید کی بنیادوں پر تعمیر ہوتا ہے۔ اس کے بغیر اعلیٰ سے اعلیٰ عمل بھی بے معنی اور بے سود ہے

سُورۃ المانعہ : یہ اپنے قاری کو عذابِ دوزخ سے بچا لیتی ہے۔

سُورۃ النور : اس کی ضیاء پاشیوں سے مومن کے دونوں جہاں روشن ہو جاتے ہیں۔ اس کے ذہن اور اس کے دل دونوں میں اُجالا ہو جاتا ہے۔

سورۃ الامان : اس سورت پر ایمان رکھنے والے کو خداوند ذوالجلال کے قہر و غضب سے امان مل جاتی ہے۔

سورۃ الاخلاص : اس سورت کے متعدد ناموں میں سے یہ اس کا مشہور ترین نام ہے کیونکہ توحید خالص کا مضمون پوری فصاحت سے اس میں مذکور ہے گویا یہ نام اس سورت کے لیے بطور علامت مستعمل نہیں ہوا بلکہ اس کے مضامین و مطالب کا ایک جامع عنوان ہے۔

اس کی آیات کی تعداد چار اور بروایت پانچ ہے۔ پندرہ کلمات اور ۴۷ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول : اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور بعض کے نزدیک مدینہ طیبہ میں۔ کتب حدیث میں دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ بعض سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں یہ سورت نازل ہوئی۔ پہلے ہم وہ احادیث آپ کے

سامنے پیش کرتے ہیں جن سے اس کے مکی ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ عن ابی العالیہ عن ابی بن کعب ان المشرکین قالوا للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا محمد انسب لنا ربک فانزل اللہ تعالیٰ قل ھو اللہ احد الآیۃ (رواہ احمد)

ترجمہ: ابوالعالیہ، ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ مشرکین کا ایک گروہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! جس رب پر ایمان لانے کی آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اس کا نسب نامہ تو ہمیں بتائیے تاکہ ہمیں اس کی پہچان ہو جائے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے انکے جواب میں یہ سورت نازل فرمائی۔

۲۔ عن الشعبی عن جابر ان اعرابیا جاء الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال انسب لنا ربک فانزل اللہ قل ھو اللہ احد الآیۃ۔

ترجمہ: شعبی، حضرت جابر سے نقل کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، کہنے لگا کہ اپنے رب کا نسب نامہ ہمیں سنائیے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

۳۔ عن ابی وائل عن ابن مسعود قالت قریش لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انسب لنا ربک فنزلت ھذہ السورۃ

ترجمہ: ابی وائل حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ قریش نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرمائش کی کہ اپنے رب کا نسب نامہ تو ہمیں بتائیے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔

ان تینوں روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ وہیں کے مشرکوں اور قریش نے یہ سوال پوچھا اور انہیں کو یہ جواب دیا گیا۔

لیکن مندرجہ ذیل روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔

۱۔ عن ابن عباس ان الیہود جاءوا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و معھم کعب بن اشرف فقالوا یا محمد ھذا اللہ خلق الخلق فمن خلق اللہ فغضب نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فنزل جبرئیل فسکنہ وقال اخفض جناحک یا محمد فنزل قل ھو اللہ احد الآیۃ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ ان کے ساتھ کعب بن اشرف یہودی بھی تھا۔ انہوں نے کہا یہ اللہ ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا، پس اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ازحد غضبناک ہو گئے۔ جبریل حاضر ہوئے تو حضور کو تسلی دی اور عرض کیا اپنے پروں کو نیچا کیجئے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔

۲۔ روی عطاء عن ابن عباس قال قدم وفد نجران فقالوا صف لنا ربک أمن زبرجد او یاقوت او ذھب او فضۃ۔ وقال ان ربی لیس من شئ لانہ خالق الاشیاء فنزلت قل ھو اللہ احد۔

ترجمہ: عطاء حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ جب نجران کے نصاریٰ کا وفد آیا تو انہوں نے حضور سے کہا کہ

اپنے رب کی حقیقت ہمیں بتائیے وہ زر جوہر کا بنا ہوا ہے یا قوت کا بنا ہوا ہے یا سونے چاندی کا بنا ہوا ہے حضور نے فرمایا کہ میرا رب ان چیزوں میں سے نہیں، میرا رب ان تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔
یہودیوں کا وفد بھی مدینہ طیبہ میں حاضر خدمت ہوا تھا اور نجران کے عیسائی بھی اسی مقام پر حاضری سے شرف یاب ہوئے تھے۔ ان دو حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔

اہل تحقیق نے روایات کے اس تعارض کو یہ کہہ کر ختم کیا کہ اس سورت کا نزول دو بار ہوا۔ ایک بار مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں۔ اس کی توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ یہ سورت نازل تو مکہ مکرمہ میں ہوئی لیکن جب اسی قسم کے سوالات یثرب کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں نے پوچھے تو ان کے جواب کے لیے اس سورت کی طرف توجہ مبذول کرادی۔ اسی کو تنزول سورت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مضامین : اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کاملہ کے بارے میں جس قسم کی غلط فہمیاں نوع انسانی کے کسی طبقہ میں پائی جاتی تھیں ان تمام کا ازالہ اس سورت نازل کرکے کردیا۔ بعض کہتے تھے کہ یہ عالم قدیم ہے۔ اس کا کوئی خالق اور موجد نہیں۔ اپنی محیر العقول بوقلمونیوں اور بے عدیل باہمی نظم و ضبط کے ساتھ یہ خود بخود معرض وجود میں آگیا ہے۔ یہ کہنے والے یونان کے قدیم فلسفی ہوں یا عصر حاضر کے ملحد دانشور ہوں، مصر اور بابل کی ترقی یافتہ تمدنوں کے بانی ہوں یا وحشی قبائل، سب غلط کہتے ہیں۔ بنا دیا اس کائنات کا خالق ہے اور ہے بھی وہ وحدہٗ لاشریک۔ قل ہو اللہ احد۔

بعض قومیں ذات خداوندی کو تسلیم کرتی تھیں لیکن اس کی صفات کاملہ کا عرفان انہیں نصیب نہیں ہوا تھا، اس لیے اوہام و ظنون کی وادیوں میں صدیوں سے بھٹک رہی تھیں، ربانی آیات سے ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ کردیا اور انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر معرفت الٰہی کی روشنی تک پہنچا دیا۔

یہی مسئلہ توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ تمام انبیاء و رسل یہی سبق لوگوں کو ذہن نشین کرانے کے لیے تشریف فرما ہوئے خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کا مقصد وحید بھی یہی تھا۔

اس سورت کی چند مختصر آیات میں قدیم و جدید ہر قسم کی فکری گمراہیوں کا استیصال کردیا۔

فضیلت واہمیت : اس سورۂ پاک کی فضیلت و اہمیت اس کے مضمون سے عیاں ہے لیکن بطور تبرک زبان رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اس کی عظمت شان کا تذکرہ سنیے۔

۱۔ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعث رجلا علی سریۃ فکان یقرأ لاصحابہ فی صلوتہ ویختم بقل ھو اللہ احد۔ فلما رجعوا ذکروا ذلک للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال سلوہ لای شیئ یصنع ذلک فسألوہ فقال لانھا صفۃ الرحمن وانا احب ان اقرأ بھا فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخبروہ ان اللہ تعالیٰ یحبہ (بخاری۔ مسلم)

ترجمہ : حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک لشکر کا امیر بنا کر کسی مہم پر روانہ کیا۔

ان کا یہ معمول تھا کہ جب وہ جماعت کراتے ہر رکعت کی قرأت کے اختتام پر سورۂ اخلاص تلاوت کرتے۔ واپسی پر لشکریوں نے اس بات کا تذکرہ بارگاہِ رسالت میں کیا۔ حضور نے فرمایا تم اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کیا کرتا ہے۔ اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا: اس سورت میں خداوند رحمٰن کی صفت ہے اس لیے میں اس کی تلاوت کو محبوب رکھتا ہوں۔ نبی کریم نے فرمایا اسے بتادو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو محبوب رکھتا ہے۔

۲۔ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رجل من الانصار یؤمھم فی مسجد قباء فکان کلما افتتح سورۃ یقرأبھا لھم فی الصلوۃ مما یقرأ بہ افتتح بقل ھو اللہ احد حتی یفرغ منھا ثم کان یقرأ سورۃ اخری معھا۔ ۔۔۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فلان ما یمنعک ان تفعل ما یامرک بہ اصحابک وما حملک علی لزوم ھذہ السورۃ فی کل رکعۃ قال انی احبھا قال حبک ایاھا ادخلک الجنۃ (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک انصاری مسجدِ قبا میں انصار کی امامت کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ دستور تھا کہ وہ سورت پڑھنے سے پہلے سورۂ اخلاص کی تلاوت کرتے۔ ان کے مقتدیوں نے انہیں کہا کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں یا سورہ اخلاص پڑھا کیجیے یا کوئی دوسری سورت۔ انہوں نے کہا میں تو ایسا ہی کروں گا۔ اب آپ کی مرضی ہو تو جماعت کرالیا کرو اور اگر آپ کی مرضی نہ ہو تو کسی دوسرے کو اپنا امام مقرر کر لیجیے۔ ان کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے لوگ کسی دوسرے کو امام مقرر کرنا پسند نہ کرتے تھے چنانچہ اس کا تذکرہ حضور کی خدمتِ اقدس میں کیا گیا۔ حضور نے فرمایا تمہارے مقتدی جس طرح کہتے ہیں تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اس سورت سے بڑا پیار ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں داخل کردیا ہے۔

اگرچہ یہ سورت صرف چار آیات پر مشتمل ہے لیکن اپنی عظمتِ شان کے باعث اس کو ایک بار پڑھنے سے دس پاروں کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے۔

۱۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احشدوا فانی سأقرأ علیکم ثلث القرآن فحشد من حشد ثم خرج فقرأ قل ھو اللہ احد الخ ثم دخل ۔۔۔ فقال انی قلت سأقرأ علیکم ثلث القرآن الا وانھا تعدل ثلث القرآن۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روز صحابہ کو حکم دیا کہ اکٹھے ہو جاؤ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا چنانچہ لوگ جمع ہو گئے۔ حضور تشریف لائے۔ سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمائی اور حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے لوگ کہنے لگے حضور نے تو فرمایا تھا کہ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا۔ اور آپ صرف ایک سورت سنا کر تشریف لے گئے ہیں۔ حضور نے واپس آکر فرمایا کہ میں نے تمہیں یہی کہا تھا کہ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا۔ کان کھول کر سن لو یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

۲۔ عن ابی سعید قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاصحابہ ایعجز احدکم ان یقرأ ثلث القرآن فی لیلۃ

فشق ذٰلک علیہم قالوا اینا یطیق ذٰلک یا رسول اللہ فقال اللہ الواحد الصمد ثلث القرآن۔

ترجمہ: ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو فرمایا کیا تم ایک تہائی قرآن ہر رات تلاوت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے۔ فرمایا قل ھو اللہ احد، یہ قرآن کی ایک تہائی ہے۔

اس سورت کو قرآن کریم کی ایک تہائی کہنے کی کئی وجوہات علماء نے ذکر کی ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ قرآن میں تین چیزوں پر پوری توجہ صرف کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان، رسالت پر ایمان اور معادِ قیامت پر ایمان۔ اس سورت میں توحید کا ذکر کیا گیا ہے جو ان تین چیزوں میں سے ایک ہے اس لیے اسے قرآن کی ایک تہائی فرمایا گیا۔

اس بابرکت سورت کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں جب دامنِ طلب پھیلایا جاتا ہے وہ کریم اسے خالی واپس نہیں کرتا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ دخل مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المسجد فاذا رجل یصلی یدعو یقول اللّٰھم انی اسألک بانی اشھد ان لا الٰہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد۔ فقال والذی نفسی بیدہ لقد سألہ باسمہ الاعظم الذی اذا سئل بہ اعطی واذا دعی بہ اجاب۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں حضور کریم کی معیت میں مسجد میں داخل ہوا وہاں ایک شخص نماز پڑھ کر دعا مانگ رہا تھا اور عرض کر رہا تھا: اللّٰھم انی اسألک بانی اشھد ان لا الٰہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اس شخص نے اپنے رب سے اس کے اسمِ اعظم کے وسیلہ سے دعا مانگی ہے۔ جب بھی اس کے وسیلہ سے سوال کیا جاتا ہے وہ عطا فرماتا ہے اور جب بھی دعا کی جاتی ہے وہ قبول کرتا ہے۔

روی انہ دخل المسجد فسمع رجلا یدعو ویقول اسألک یا اللہ یا احد یا صمد یا من لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد فقال غُفِرَ لک غُفِرَ لک غُفِرَ لک ثلاث مرات (تفسیر کبیر)

ترجمہ: ایک دفعہ حضور مسجد میں تشریف لے گئے اور ایک شخص کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا۔ وہ عرض کر رہا تھا: اسألک یا اللہ یا احد یا صمد یا من لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد۔ یہ سن کر حضور نے تین مرتبہ فرمایا: اے شخص تجھے بخش دیا گیا، اے شخص تجھے بخش دیا گیا، اے شخص تجھے بخش دیا گیا۔

روی انہ کان جبریل علیہ السلام مع الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اذ اقبل ابوذر الغفاری۔ قال جبریل ھذا ابوذر قد اقبل وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام اوتعرفونہ قال ھو اشھر عندنا منہ عندکم۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام بماذا نال ھذہ الفضیلۃ قال لصغرہ فی نفسہ وکثرۃ قراءتہ قل ھو اللہ احد۔ (تفسیر کبیر)

ترجمہ: ایک دفعہ حضرت جبریل بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ ابوذر غفاری آ گئے۔ جبریل نے عرض کی یہ ابوذر ہیں جو آ رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کیا تم ملائکہ ابوذر کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ وہ یہاں سے زیادہ ہمارے

وہاں مشہور ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کس وجہ سے انہیں یہ فضیلت ملی ہے۔ انہوں نے عرض کی، ایک تو یہ اپنے آپ کو اپنے دل میں چھوٹا سمجھتے ہیں، دوسرا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی کثرت سے تلاوت کرتے ہیں۔

علامہ ابوعبداللہ الانصاری القرطبی اپنی تفسیر میں اس مقام پر ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ آپ بھی سنئیے اور اس پر عمل کیجیے: عن سهل بن سعد الساعدي قال شكى رجل الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الفقر وضيق المعيشة فقال له رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا دخلت البيت فسلم ان كان فيه احد وان لم يكن فيه احد فسلم علي واقرأ قل هو الله احد مرة واحدة ففعل الرجل فادر الله عليه الرزق حتى افاض على جيرانه۔

(القرطبی)

ترجمہ: سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں اپنے فقر اور تنگدستی کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں داخل ہو اگر وہاں کوئی موجود ہو تو اس کو سلام کہو اور اگر کوئی موجود نہ ہو تو مجھ پر سلام بھیجو اور پھر ایک مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھو۔ اس آدمی نے حسب ہدایت عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا وافر رزق عطا فرمایا کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو بھی مستفید کرنے لگا۔

قاضی عیاض شفا شریف میں ان مقامات کا ذکر کرتے ہوئے جہاں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ والسلام بھیجنا مستحب ہے رقمطراز ہیں:

وقال عمرو بن دينار في قوله فاذا دخلتم بيوتا فسلموا على انفسكم قال ان لم يكن في البيت احد فقل السلام على النبي ورحمة الله وبركاته۔

ترجمہ: عمرو بن دینار جو امام حدیث ہیں اور صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ضمن میں فاذا دخلتم (الایۃ) لکھتے ہیں جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے آپ پر سلام بھیجو۔ ابن دینار کہتے ہیں اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہو السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

علامہ علی قاری شرح شفا میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اى لان روحه عليه السلام حاضر في بيوت اهل الاسلام

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں حاضر ہوتی ہے۔ اس لیے حضور پر سلام عرض کرنا چاہیے۔ (شرح شفا۔ قاضی عیاض جلد ۲ صفحہ ۱۱۷)

اُٹھایا ہوا ہے اور دکھایا گیا ہے جو ان کے ذہنوں کی تنگ دامانی اور ان کے افکار کی عجیب و غریب سوالات کے پیکر میں ظاہر ہو رہی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر یہ سورۂ مبارکہ نازل کی اور اس کی چند آیتوں میں گمراہی کی آلودگی دور فرمائی کا قلع قمع کر دیا۔ ارشاد ہے: قُلْ اے حبیب کامل! سب سے بڑی سچائی کا اعلان تو اپنی زبان سے فرما تاکہ کسی کو مجالِ انکار نہ رہے۔

بسا اوقات کمال بھی حجاب بن جایا کرتا ہے۔ کمالات بھی بے شمار ہیں اور ان سے پیدا ہونے والے حجابات بھی اَن گنت ہیں۔ کہیں حسن، کہیں طاقت، کہیں علم، کہیں دولت، کہیں اقتدار و حکومت اور کہیں بیش فتوحات کے نقاب حق کے رخ زیبا کو مستور کر دیتے ہیں۔ ان حجابات کو وہی اٹھا سکتا ہے، ان نقابوں کو وہی الٹ سکتا ہے جو خود جملہ کمالات سے یوں متصف ہو کہ اس کی نظیر پیش نہ کی جا سکے۔ اے حبیب! ہم نے آپ کو تمام کمالات کا پیکر رعنا بنا کر بھیجا ہے۔ اٹھیے اور اپنی صدائے دلنواز سے تخت و پندار کے ان مجسموں کو ریزہ ریزہ کر دیجیے۔ فرعون نے ملک مصر کی حکمرانی سے اپنا دماغی توازن کھو دیا تھا اور خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ آپ کی یہ سلطانی جلالہٗ فرمائی ہے کہ تیری انگلی کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس بے مثال سلطانی کے باوجود اگر آپ کہیں گے کہ لا الٰہ الا اللہ تو کسی حکمران کی یہ مجال نہیں ہو گی کہ وہ اپنی خدائی کا اعلان کر سکے۔ ہم نے تجھے وہ شانِ رفیع عطا فرمائی ہے کہ سب نبی، سب رسول اس کی جلالتِ شان کو دیکھ کر ششدر ہیں۔ جب تو یہ کہے گا کہ لا الٰہ الا اللہ کہ میں باایں ہمہ کمال خدا نہیں، بلکہ بندہ ہوں تو کسی کو یہ حق نہ پہنچے گا کہ وہ کسی نبی یا رسول کو خدا یقین کرے۔ تیرے علم کا بحرِ بے پایاں کنار نکان و مایکون کو محیط ہے، تیری شناوری اسرار و معارف کی گہرائیوں تک پہنچی ہوئی ہے، اس علم بے پایاں کے باوجود اگر تو یہ کہے گا کہ میں خدا نہیں، بلکہ اس کا بندہ ہوں، اے حبیب تیری زبان سے لا الٰہ الا اللہ کا اعلان ہو گا تو کسی علامۂ دہر اور فاضل اجل کو یہ جرأت نہ ہو گی کہ اپنی خدائی کا وہم بھی کر سکے۔

آپ کے جدِ امجد میرے خلیل نے لوہے کی گرز سے اپنی قوم کے صنم کدے میں سجے ہوئے بتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اے فرزندِ خلیل! اٹھیے اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کی کاری ضرب سے اشراک و اکفر و تثلیث کے بتکدوں کو پاش پاش کر دیجیے تاکہ اس کے بعد کوئی سلیم الفطرت انسان یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکے کہ تیرے خدا کے علاوہ بھی کوئی اور خدا ہے، تیرے رب کے بغیر بھی اس جہان کا کوئی رب ہے۔ تیرے حق والے، شانوں والے، قوتوں والے، حکمت والے جہاں میں اور ہمہ دان پروردگار کے سوا کوئی اور بھی خدا ہے۔ تیرے لبوں سے حق کی صدا نکلے گی تو زمین کی وسعتیں، فضا کی پہنائیاں، آسمان کی رفعتیں، عرش کی بلندیاں اس صدائے حق سے گونجنے لگیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہ پورا ہو کر رہا۔ فطرت کی سنسان وادی سے اٹھنے والی یہ میٹھی آواز سارے جہان کی غوغا آرائیوں پر غالب آگئی۔ دین اسلام کا آفتاب کیا طلوع ہوا کہ مذاہب باطلہ کے چراغ بے نور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق، آدم کی اولاد کو اپنے خالق و مالک کا صحیح عرفان نصیب ہو گیا۔ حکم ہوا قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ یعنی آپ ان پوچھنے والوں کو بتا دیجیے کہ جس معبود کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں، جس کی جانب میں تمہیں لے جانا چاہتا ہوں، وہ تمہارے بنائے ہوئے بتوں کی طرح پتھر، لکڑی کا بنا ہوا نہیں ہے۔ وہ اللہ ہے جو احد ہے، جو یکتا ہے۔ اَحَدٌ، اس ایک کو کہتے ہیں جس کا دوسرا ہو نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ کمالات میں۔ اس اعلان کے ہوتے ہی سونے، چاندی، لوہے، تانبے، پتھر، لکڑی کے بنے ہوئے جو معبود صدیوں سے خدائی کی مسند پر بیٹھے کروفر سے براجمان تھے، منہ کے

ترجمہ: علماء کہتے ہیں کہ شرک کبھی عدد میں ہوتا ہے "احد" کہہ کر اس کی نفی فرمادی، کبھی مرتبہ و منصب میں ہوتا ہے "صمد"
کہہ کر اس کا ابطال کردیا، کبھی نسب میں ہوتا ہے "لم یلد ولم یولد" سے اس کا ابطال کردیا اور کبھی کوئی کام کرنے اور اثر اندازی میں ہوتا
ہے اس کی تردید "ولم یکن لہ کفوا احد" سے کردی۔ توحید کے اسی جامع مضمون کے باعث اس سورت کو سورت اخلاص کہا جاتا ہے۔

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل
شيء قدير، وأشهد هو الله أحد، الله الصمد، لم يلد ولم يولد ولم يكن له
كفوا أحد، وأشهد أن سيدنا ومولانا وحبيبنا وحبيب ربنا محمدا رسول الله. اللهم
صل من الصلوات أطيبها وسلم من التسليمات أزكاها وبارك من البركات أسناها على حبيبي
وشفيعي وقرة عيني وسرور قلبي عبدك ونبيك محمد وعلى آله الطيبين الطاهرين
وعلى أزواجه الطاهرات أمهات المؤمنين وعلى سائر الصحابة والتابعين وعلى أولياء
أمته الكاملين وعلى علماء شريعته الربانيين وعلينا معهم أجمعين. فاطر
السموات والأرض أنت ولي في الدنيا والآخرة توفني مسلما وألحقني بالصالحين
آمين بجاه طه ويس صلى الله عليه وسلم.

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ الفلق والنّاس

نام : پہلی سورت کا نام 'الفلق' اور دوسری کا 'الناس' ہے۔ دونوں سورتوں کا نزول بھی بیک وقت ہوا۔ مفہوم، معنی اور مقصد کے اعتبار سے بھی ان میں اس قدر اتصال ہے کہ انہیں الگ الگ کرنا بہت دشوار ہے۔ اس لیے انہیں معوذتین کے ایک نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان کے الگ الگ تعارف لکھنے کے بجائے ایک ہی تعارف پر اکتفا کروں گا۔

پہلی سورۃ 'الفلق' ایک رکوع، پانچ آیتوں، تیئیس کلموں اور چوہتر حروف پر مشتمل ہے اور دوسری سورت 'الناس' میں ایک رکوع، چھ آیات، بیس کلمے اور اناسی حروف ہیں۔

نزول : اس بات پر تو سب متفق ہیں کہ یہ دونوں سورتیں ایک ساتھ نازل ہوئیں لیکن کہاں نازل ہوئیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ حضرت حسن بصری، عطاء، عکرمہ اور جابر رضی اللہ عنہم کی یہ رائے ہے کہ ان کا نزول مکہ میں ہوا۔ حضرت ابن عباس کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن قتادہ، ابو صالح اور ابن عباس کے علاوہ علماء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔ بعض مفسرین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ لیکن احادیث مرفوعہ دوسرے قول کی تائید کرتی ہیں۔ اور مرفوع حدیث کے مقابلہ میں کسی کے قول کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے۔ ایک مرفوع حدیث جسے مسلم، ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ نے حضرت عقبہ بن عامر سے یوں روایت کیا ہے۔ عقبہ کہتے ہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا : الم تر آیات انزلت اللیلۃ لم یر مثلھن اعوذ برب الفلق، اعوذ برب الناس یعنی تمہیں خبر ہے اللہ تعالیٰ نے آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جن کی پہلے مثال نظر نہیں آتی۔ وہ اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس ہیں۔

عقبہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ان کو حضور کا یہ ارشاد کہ "آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثال پہلے نظر نہیں آتی"، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان سورتوں کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ دوسری حدیث جو اس قول کی تائید کرتی ہے وہ ہے جس میں ان کے شان نزول کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس حدیث کو ائمہ کبار بخاری، مسلم، بیہقی، ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ شراح حدیث میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی نے اپنے اسفار جلیلہ میں لکھا ہے کہ سات ہجری میں جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے جادو کیا، جس کی تفصیل آگے بیان ہو رہی ہے تو اس وقت اس جادو کے اثرات کو کالعدم کرنے کے لیے یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔ ان ائمہ حدیث کی تحقیق کے بعد اور حضرت عقبہ کی مرفوع روایت کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے ان سورتوں کے مکی ہونے پر اصرار کرنا اور

ان صریح روایات کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ "ان مواقع پر ان سورتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی جو پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں" بہرحال میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔ جہاں تک میری سمجھ اور تحقیق کا تعلق ہے میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔

چند مباحث: یہاں چند ایسے اُلجھے ہوئے مباحث ہیں۔ جن سے دامن بچا کر آگے نکل جانا کسی طرح درست نہیں۔ ان سورتوں کے تعارف کے ضمن میں ان مباحث کا تذکرہ اور ان سے جو شبہات جنم لیتے ہیں اُن کا ازالہ از بس ضروری ہے۔ اس لیے قارئین کرام سے ان مباحث کے تذکرہ کی اجازت طلب کرتا ہوں۔

بحث اول: کیا یہ دونوں سورتیں قرآن کریم کا جزو ہیں اور قرآن کریم کی دوسری سورتوں کی طرح ان کا جزوِ قرآن ہونا قطعی الثبوت ہے؟

یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ بعض ایسی روایات موجود ہیں، جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہیں قرآن کی سورتوں میں شمار نہیں کیا کرتے تھے اور جو مصحف انہوں نے مرتب کیا تھا۔ اس میں بھی یہ سورتیں موجود نہ تھیں۔ علامہ سیوطی نے صراحۃً لکھا ہے۔

اخرج احمد والبزار والطبرانی وابن مردویه من طرق صحیحة عن ابن مسعود انه کان یحک المعوذتین من المصحف ویقول لا تخلطوا القرآن بما لیس منه انهما لیستا من کتاب الله انما امر النبی صلی الله علیه وسلم ان یتعوذ بهما وکان ابن مسعود لا یقرء بهما (الدر المنثور)

ترجمہ: امام احمد، بزار، طبرانی، ابن مردویہ نے صحیح طریقوں سے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ وہ معوذتین کو مصحف سے محو کر دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے قرآن کے ساتھ ایسی چیزیں خلط ملط نہ کرو جو اس میں سے نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دو سورتوں کے ساتھ فقط پناہ مانگنے کا حکم دیا تھا نیز حضرت ابن مسعود ان سورتوں کی تلاوت نماز میں نہ کیا کرتے۔ (الدر المنثور)

اس میں تو کلام نہیں یہ سب اخبار آحاد ہیں۔ علماء اصولِ حدیث نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اخبار آحاد کی صحت کے لیے صرف راویوں کی عدالت اور قوتِ حافظہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخبار آحاد کا درایت کے معیار پر پورا اترنا بھی لازمی ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ روایت بداہتِ عقل کے خلاف نہ ہو۔ اگر اس قاعدہ کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ان روایات کو بنیاد بنا کر انکار کی عمارت استوار کرنا قرینِ دانشمندی نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے نہ تھے جنہیں ساری عمر میں ایک آدھ بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہو یا دنیاوی مصروفیتوں کے باعث بارگاہِ نبوت میں کبھی کبھی حاضری کی سعادت مل جاتی ہو اور کبھی نہ ملتی ہو۔ بلکہ آپ ان خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو ہمیشہ خدمتِ عالیہ میں حاضر باش رہا کرتے تھے۔ آپ کا شمار اصحاب صُفّہ میں تھا جو آٹھوں پہر مسجد نبوی میں پڑے رہتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت، خدمت میں حاضری، ارشاد و رسالت کو سننا، ان کو یاد رکھنا۔ قرآن کریم کی جو آیتیں نازل ہوتیں ان کو حفظ کرنا۔ ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں انہی چند باتوں میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ تقریباً ہر نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے۔ جب ابن عامر جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ایمان

اس نے سمجھے انہیں قرآن سورتوں کے بارے میں علم ہو کہ یہ قرآن کا حصہ ہیں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو ہجرت سے پہلے ہی دولت ایمان سے مشرف ہو چکے تھے اور شاذ و نادر ہی کبھی غیر حاضر ہوتے ہوں۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا ان سورتوں کو نماز میں تلاوت فرمایا۔ صدہا صحابہ نے اپنے کانوں سے اسے سنا۔ یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے ہمہ وقت حاضر باش ہر نماز حضور کی اقتداء میں پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ قرآن کی سورتیں ہیں یا نہیں؟ بڑی تعجب خیز بات ہے۔۔۔

اس لیے یہ روایات جو سب کی سب احاد ہیں، ان کی بناء پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خیال اور خیال بھی ایسا جس سے فقط ابن مسعود پر ہی اعتراض وارد نہیں ہوتا، بلکہ ایک ایسا دروازہ کھل جاتا ہے جس سے کفار و ملحدین کو حملہ قرآن کریم کے بارے میں زبان طعن دراز کرنے کی سند مل جاتی ہے۔ کم از کم میرے فہم سے یہ بات بالاتر ہے۔

یہ روایت جو ابن قتیبہ نے نقل کی ہے کہ عبداللہ ابن مسعود اپنے مصحف میں معوذتین کو نہ لکھا کرتے تھے کیونکہ وہ سنا کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دو سورتیں پڑھ کر سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کو دم فرماتے ہیں اور یہ دوسرے دموں کی طرح ایک دم ہی ہے۔ یہ بات بھی کسی طرح قابل تسلیم نہیں، کیونکہ قرآن کریم سراپا اعجاز ہے۔ جس کی مثال لانا کسی ایک فرد کسی انسانی جماعت بلکہ فصحاء و بلغاء کے کسی مجمع علمی سے بھی ممکن نہیں۔ اس میں اور دوسرے دموں میں کیوں کر التباس پیدا ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ابن مسعود جیسی شخصیت کو جو فصیح اللسان، لغت عرب کے ماہر اسالیب کلام اور انداز گفتگو کے عارف تھے۔ مزید برآں جسے افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت نے کندن بنا دیا تھا ان کا اس اشتباہ میں مبتلا ہونا ناممکن ہے۔ خود علامہ سیوطیؒ نے طبرانی سے ایک حدیث بیان کی ہے:

اخرج الطبرانی فی الاوسط بسند حسن عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد انزل علی آیات لم ینزل علی مثلهن المعوذتین۔ (الدر المنثور)

ترجمہ: طبرانی نے اوسط میں سند حسن سے حضرت ابن مسعود سے یہ ارشاد رسالت نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثل مجھ پر نازل نہیں ہوئی اور وہ معوذتین ہیں۔"

اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابن مسعود کو ان آیات کے نزول کے بارے میں آگاہ فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ کا یہی خیال ہو کہ یہ محض جھاڑ پھونک کے لیے چند کلمے نازل ہوئے ہیں اور قرآن کا جزو نہیں ہیں لیکن حضور کا یہ ارشاد سننے کے بعد اگر ان کے بارے میں انہیں کوئی شک تھا بھی تو وہ دور ہو گیا اور آپ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا۔

یہ الگ بات ہے کہ کسی کے دل میں صحابہ کو غلط کار ثابت کرنے کا اتنا زیادہ شوق ہو کہ وہ ان تمام واضح حقائق کو بھی بآسانی نظر انداز کر دینے کے لیے تیار ہو جس طرح صاحب تفہیم القرآن نے اس مقام پر اظہار خیال کیا ہے۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں یہ سورتیں مرقوم نہ تھیں، اس لیے وہ ان کو قرآن کا جزو نہیں سمجھتے تھے۔ تو عرض ہے کہ ان کے مصحف میں تو سورۃ فاتحہ بھی مرقوم نہ تھی۔ کیا اس کا آپ یہ مطلب لیں گے کہ وہ اسے بھی قرآن کی سورت شمار نہ کرتے تھے۔

جس کو وہ ہر نماز کی ہر رکعت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرأت فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ ان سورتوں کے نہ لکھنے کی معقول وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ بکثرت تلاوت کی جاتی تھیں اس لیے انہیں نوک برزبان تھیں انہیں قطعاً یہ وہم تک بھی نہ تھا کہ وہ انہیں فراموش ہو جائیں گی۔ یہ مصحف آپ نے اپنی سہولت کے لیے مرتب کیا تھا۔ ان سورتوں کے لکھنے کی انہوں نے ضرورت محسوس نہ کی اس لیے نہ لکھیں۔

مختلف کتب میں اس قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ ہم نہ ہی کے پاس نہ اتنی استعداد ہوتی ہے اور نہ اتنی فرصت کہ وہ ان روایات کی تحقیق کر سکے اس لیے ہم لوگ طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ان تمام اعتراضات اور شبہات کو دور کرنے کے لیے اس ایک اصول کو آپ خوب ذہن نشین کر لیں کہ قرآن کریم کس کو کہتے ہیں؟ قرآن کریم وہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا اور پھر بذریعہ تواتر نقل کیا۔ صحابہ سے تابعین نے اسی تواتر سے سنا۔ یوں ہی سلسلہ وار وہ ہم تک منقول ہوتا چلا آیا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کرام کے بالاتفاق حضرت زید ابن ثابت کے مدون کردہ نسخہ کے مطابق ایک نسخہ تیار کیا اور اس کی متعدد نقول اپنی نگرانی میں تیار کر کے مملکت اسلامیہ کے مختلف امراء کی طرف روانہ کیں تاکہ عرب و عجم میں اسی کے مطابق تلاوت کی جائے اور عمل کیا جائے۔ اس لیے قرآن کریم صرف اسی مصحف مبارک کا نام ہے۔ اس کے خلاف آپ کو جو روایت نظر آئے یا وہ سند کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہو گی یا وہ خبر واحد ہو گی یا کسی کا اپنا ذاتی قول ہو گا۔ الغرض کلام اللہ وہی ہے جو اس مصحف عثمانی کے مطابق ہے جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور اس وقت سے لیکر آج تک اس میں یک لفظ کی کمی بیشی ہوئی نہ کسی آیت میں تقدیم و تاخیر واقع ہوئی نہ کلمات کی ترتیب میں کوئی تغیر رونما ہوا۔

بحث دوم: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیا جادو کیا گیا؟ اور ذات اقدس واطہر پر اس کا اثر کیا ظاہر ہوا؟

اس کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرنے سے پہلے میں قارئین کرام کے سامنے ان تمام روایات کا خلاصہ پیش کروں گا جو مختلف کتب میں باختلاف الفاظ منقول ہیں۔ اس کے بعد ان اعتراضات کا ذکر کروں گا جو قدیم اور جدید محققین کی طرف سے وارد کیے گئے ہیں۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اہل سنت کے موقف کو بیان کروں گا۔

یثرب کے یہودیوں کو روز اول سے ہی جو طبعی عداوت اور حسد حضور کی ذات اقدس کے ساتھ تھا اس کی تفصیلات کئی مقامات پر آپ پڑھ چکے ہیں۔ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی شان کو بلند کرتا، فتوحات کے دروازے کھلتے جاتے ایسے ایسے ہی ان کی عداوت کے شعلے بھڑکنے لگتے۔ سنہ ۷ھ میں جب حدیبیہ سے حضور کریم واپس تشریف لائے تو خیبر کے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ کے ایک مشہور جادوگر لبید ابن الاعصم کے پاس آیا۔ بعض مورخین نے اسے یہودی کہا ہے لیکن یہ در حقیقت انصار کے ایک قبیلہ بنی زریق کا ایک فرد تھا۔ ممکن ہے اس نے یہودی مذہب اختیار کر لیا ہو۔ اس لیے اسے یہودی کہا گیا ہو۔ خیبر کے وفد نے آکر اس کے سامنے اپنی بپتا بیان کی اور کہا کہ مکہ کے اس قریشی نے یہاں آکر ہماری عزت خاک میں ملا دی ہے ہم نے سیاسی طور پر ان کو ناکام بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، سازشیں کیں، منصوبے بنائے، لشکر کشی کی لیکن ان کے خلاف جو کیا یا لیکن

ناکام رہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں جتنے ماہر جادوگر تھے انہوں نے بھی بڑے جتن کیے، بڑی زور آزمائی کی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ہمارے اس علاقہ میں تمہارے سحر کی دھوم مچی ہوئی ہے ہر طرف سے مایوس ہو کر ہم تیرے پاس آئے ہیں۔ اگر تو ہماری امداد کرے تو یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ انہوں نے اس کی خدمت میں بھاری نذرانہ بھی پیش کیا۔ چنانچہ اُس نے حامی بھر لی۔

ایک یہودی لڑکا حضور کی خدمت میں رہا کرتا تھا کسی طرح ورغلا کر اُس سے حضور کی کنگھی کا ایک ٹکڑا اور چند موئے مبارک حاصل کر لیے۔ اس نے اور اُس کی بیٹیوں نے جو اس فن میں اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے تھیں جادو کیا اور ان چیزوں کو زکھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر بنی زریق کے ایک کنوئیں کی تہہ میں ایک بھاری پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس کنوئیں کا نام "ذروان" یا "ذی اروان" بتایا جاتا ہے بعض نے اس کا نام "بیر اریس" بھی لکھا ہے۔

چھ ماہ گزرنے کے بعد معمولی معمولی اثر ظاہر ہونے لگا۔ آخری چالیس دن زیادہ تکلیف کے تھے۔ ان میں سے بھی آخری تین دن تکلیف اپنی نہایت کو پہنچ گئی۔ اس جادو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قسم کی تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ اس کے بارے میں بھی تصریحات موجود ہیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذوب ولا یدری ما وجعہ لیعنی حضور کی طبیعت گھٹنے لگی۔ نقاہت بڑھنے لگی لیکن بظاہر اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: حتی یخیل الیہ انہ فعل الشیء ولم یکن فعلہ (روح المعانی)

یعنی ایسا کام جو نہ کیا ہوتا۔ اس کے بارے میں حضور کو خیال ہوتا کہ کر لیا گیا ہے۔

کتب حدیث میں اس جادو کے اثرات کے بارے میں جتنی روایات ملتی ہیں۔ ان کا یہی نچوڑ ہے کہ جسمانی طور پر نقاہت و کمزوری محسوس ہوتی لیکن ایسی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی موجود نہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ فرائض نبوت کی ادائیگی میں کبھی بال برابر فرق آیا ہو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نماز کے ارکان میں تقدیم و تاخیر سرزد ہوئی ہو یا تلاوت قرآن کے وقت نسیان طاری ہو گیا ہو یا مملکت اسلامیہ کی توسیع اور استحکام یا اسلام کی تبلیغ میں کوئی معمولی سا رخنہ بھی پیدا ہوا ہو۔

جب تکلیف زیادہ بڑھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اسی رات حضور کو خواب میں حقیقت حال سے آگاہ فرما دیا گیا۔ چنانچہ حضور نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ اے عائشہ میں نے اپنے رب سے جس بات کے بارے میں دریافت کیا تھا میرے خدا نے مجھے اس کے متعلق بتا دیا ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا رات کو خواب میں دو آدمی میرے پاس آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کے نزدیک۔ (بعض روایات میں ہے کہ وہ جبرائیل اور میکائیل تھے) ایک نے دوسرے سے پوچھا "انہیں کیا تکلیف ہے" دوسرے نے جواب دیا "انہیں جادو کیا گیا ہے" پوچھا "کس نے کیا ہے؟" جواب ملا "لبید ابن الاعصم نے" پوچھا "کس چیز میں" بتایا "کنگھی کے ایک ٹکڑے کو اور چند بالوں کو زکھجور کے خوشہ کے پردے میں رکھ کر" پوچھا "کہاں رکھا ہے؟" بتایا "ذی اروان کے کنوئیں کی تہہ میں ایک پتھر کے نیچے" پوچھا "اب کیا کرنا چاہیے" بتایا "اس کنوئیں کا سارا پانی نکال دیا جائے پھر اس

پتھر کے نیچے سے ان چیزوں کو نکالا جائے ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوراً حضرت سیدنا علی، عمار ابن یاسر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو اس مقصد کے لیے اس کنوئیں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے پانی نکال کر اس کنوئیں کو خشک کر دیا۔ اتنے میں حضور خود بھی وہاں تشریف لے گئے پتھر کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے وہ غلاف نکلا، اسے کھولا تو اس کے اندر کنگھی کا ایک ٹکڑا، چند بال جو تانت کے ایک ٹکڑے میں بندھے ہوئے تھے اور اس تانت میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ اسی اثنا میں حضرت جبرائیل حاضر ہوئے اور یہ دو سورتیں پڑھ کر سنائیں اور عرض کیا کہ "آپ ان سورتوں کی ایک ایک آیت پڑھتے جائیں اور ایک ایک گرہ کھولتے جائیں اور ایک ایک سوئی نکالتے جائیں"۔ چنانچہ دونوں سورتوں کی گیارہ آیتیں پڑھی گئیں۔ ان کی تلاوت سے گیارہ گرہیں کھلیں اور ساری سوئیاں نکل گئیں۔ اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی اور جادو کا سارا اثر زائل ہو گیا۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اجازت ہو تو اس خبیث کا سر قلم کر دیا جائے۔ حضرت سید عالم نے ارشاد فرمایا:

اما انا فقد شفانی اللہ واکرہ ان اثیر علی الناس شرا۔

ترجمہ: "مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا بخش دی ہے میں اپنے لیے لوگوں میں فتنہ کی آگ بھڑکانا نہیں چاہتا"۔

سبحان اللہ رحمت للعالمین کی کیا شان ہے۔ اپنی ذات کے لیے اپنی جان کے دشمنوں سے بھی کبھی انتقام نہیں لیا۔ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ۔ صلی اللہ علیک یا مقیل العثرات۔ صلی اللہ علیک یا صفوح عن الزلات و بارک وسلم۔

اس واقعہ کا خلاصہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے۔ اب ذرا قدیم معتزلہ اور جدید عقلیت پسندوں کے اعتراضات کا مطالعہ فرمائیے۔ وہ ان تمام روایات کو ساقط الاعتبار، ناقابل اعتماد قرار دیتے ہوئے بیک قلم ان پر خط تنسیخ کھینچ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے، تو اس سے منصب نبوت کی توہین ہوتی ہے بلکہ ہر قسم کی وحی اور شریعت کے جملہ احکام پر سے وثوق اٹھ جاتا ہے کیونکہ اگر ان روایات کے مطابق مان لیا جائے کہ حضور پر جادو کا اثر ہو گیا تھا تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اثر سے کوئی آیت ذہن سے اتر گئی ہو قرآنی آیت کے بجائے کسی خود ساختہ جملہ کو آیت قرآنی فرض کر لیا گیا ہو، شریعت کا یہ قانون اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو بلکہ سحر کی فسوں کاری کا کرشمہ ہو نیز یہ روایات اس آیت کے بھی منافی ہیں۔ "واللہ یعصمک من الناس۔" کہ لوگوں کی شر انگیزیوں سے اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے۔ جب عصمت نبوت کی ذمہ داری خود اللہ رب العزت نے لی ہے تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ یہودیوں کے سحر کا حضور پر اثر ہو گیا ہو۔ عقل کے جدید اور قدیم پرستاروں کا نظریہ آپ نے پڑھ لیا۔ بات کا جس طرح انہوں نے بتنگڑ بنایا ہے اس کو بھی آپ نے دیکھ لیا۔

ان اعتراضات اور شکوک کے بارے میں اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک حیثیت نبوت اور دوسری حیثیت بشریت۔ عوارض بشری کا ورود ذات اقدس پر ہوتا رہتا تھا۔ بخار، درد، چوٹ لگنا، دندان مبارک کا شہید ہونا۔ طائف میں پنڈلیوں کا لہولہان ہونا اور احد میں جبین سعادت کا زخمی ہونا یہ سب واقعات

تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔ یہ لوگ بھی ان سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے اور ان عوارض سے حضور کی شانِ رسالت اور حیثیتِ نبوت پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہاں بھی جادو کا اثر حضور کی جسمانی صحت تک محدود تھا رسالت کا کوئی پہلو قطعاً اس سے متاثر نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا کہ اس جادو سے حضور کوئی آیت بھول جاتے یا الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر دیتے یا قرآن میں اپنی طرف سے کوئی جملہ بڑھا دیتے یا نماز کے ارکان میں ردّ و بدل ہو جاتا تو اسلام کے بدخواہ اتنا شور و غل مچاتے کہ الامان والحفیظ! ابطالِ رسالت کے لیے انہیں ایک ایسا مہلک ہتھیار دستیاب ہو جاتا کہ اس کے بعد انہیں دعوتِ اسلامی کو ناکام کرنے کے لیے مزید کسی ہتھیار کی ضرورت نہ رہتی لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب میں موجود نہیں۔ دشمنانِ اسلام نے آج تک جتنی کتب پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں لکھی ہیں اُن میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ درج نہیں۔ معلوم ہوا کہ لبید یہودی کے جادو کا اثر فقط اس حد تک ہوا کہ صحتِ گرامی متاثر ہوئی جس طرح علامہ سیوطی اور علامہ آلوسی کے حوالے نقل کیے جا چکے ہیں۔

رہی یہ بات کہ جادو کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟ جادو سے کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے یا فقط نظر بندی کے طور پر چیز ہوتی کچھ ہے اور دکھائی کچھ دیتی ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے لیکن اس سے لوگوں کا متاثر ہونا ایک یقینی چیز ہے۔ ساحرانِ فرعون کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فرمایا گیا ہے۔ نصِ قرآنی سے یہ چیز ثابت ہے کہ لوگ ان رسیوں کو سانپ خیال کرنے لگے۔ سانپوں کی طرح انہیں لہراتے ہوئے دیکھ کر وقتی طور پر موسیٰ علیہ السلام بھی خائف و ہراساں ہو گئے قرآن کریم کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

فاذا حبالهم وعصيهم يخيل اليه انها تسعى ۔ فاوجس في نفسه خيفة موسى ۔ قلنا لا تخف انك انت الاعلى ۔

ترجمہ: پس ان کی رسیاں اور سوٹیاں آپ کو یوں معلوم ہوتا کہ وہ دوڑ رہی ہیں، ان کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ ہم نے کہا اے موسیٰ! مت ڈرو۔ تم ہی سربلند رہو۔

انہیں کے بارے میں سورۂ طٰہٰ میں ہے: سحروا اعين الناس: یعنی ان جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا تھا۔

بحث ششم: جھاڑ پھونک کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

ایک بات پہلے ہی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ جھاڑ پھونک کا رواج ہر انسانی معاشرہ میں قدیم الزمنہ سے موجود ہے اس مقصد کے لیے جو منتر، طلسم یا نقوش اُن کے ہاں رائج پذیر تھے۔ اُن کی دیویاں، دیوتاؤں کے نام، شیطانی قوتوں سے استمداد، آسمانی کواکب و سیارات سے استغاثہ وغیرہ عام تھا۔ نیز وہ ان چیزوں کو موثر حقیقی اور فاعل مستقل یقین کرتے تھے۔

اسلام نے شرک کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر رکھ دیا۔ اُن کے اس عقیدہ کے بطلان کو طشت از بام کر دیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی دیوی، دیوتا، کوئی چاند تارا یا سورج موثر حقیقی ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ تو گمان ہی نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کسی ایسے منتر یا جھاڑ پھونک کی اجازت دے جس میں شرک یا شرکیہ عقائد کا شائبہ تک بھی پایا جاتا ہو۔ اس لیے ایسے تمام منتر، طلسم، نقوش

تعویذات وغیرہ اسلام میں قطعاً حرام اور ممنوع ہیں۔ جن احادیث میں دم کرنے، جھاڑ پھونک کرنے وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے ان تمام احادیث سے اسی قسم کے شرکیہ اعمال مراد ہیں لیکن ایسا دم یا تعویذ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم مبارک، کوئی آیت قرآنی یا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے نکلا ہوا کوئی جملہ ہو یا جس تعویذ یا دم میں شرکیہ بات نہ ہو اس کا کرنا جائز ہے۔ حضور خود بھی اپنے آپ کو دم فرمایا کرتے اور صحابہ کرام پر بھی دم کرتے اور حسنین کریمین کو تو خصوصی دم فرمایا کرتے۔ عہد رسالت میں اور اس کے بعد صحابہ کا بھی یہ معمول تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک پاکان امت کا بھی یہ دستور رہا ہے۔ آپ چند شواہد ملاحظہ فرمایئے!

سب سے پہلی دلیل قرآن و دو سورتوں کا نزول ہے اور ان کے پڑھنے کی برکت سے جادو کی تاثیر کا ختم ہو جانا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ ہر شب آرام کرنے سے پہلے آخری تینوں قل پڑھتے اپنے مبارک ہاتھوں پر دم فرماتے پھر اپنے سارے جسم پر انہیں پھیر لیتے۔ یہ معمول حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے۔ جو خود عینی شاہد ہیں۔ جن محدثین نے اس روایت کو اسناد صحیحہ سے نقل کیا ہے۔ ان میں امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، ابن ماجہ، ابوداؤد علیہم الرحمۃ جیسے اکابر ہیں۔

نیز امام بخاری، امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین کو یہ پڑھ کر دم فرمایا کرتے:

أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی نے ایک روز عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جب سے مسلمان ہوا ہوں مجھے شدید درد ہوتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جان لیوا ثابت ہوگا۔ حضور نے فرمایا: درد کی جگہ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھو، پھر تین بار بسم اللہ الخ اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہوئے درد کی جگہ پر ہاتھ رکھو۔ أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔

مسند امام احمد اور طحاوی میں طلق بن علی کی روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ کی موجودگی میں بچھو نے ڈنگ مارا۔ حضور نے مجھے دم فرمایا اور دست مبارک پھیرا۔

صحیح مسلم میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوتے تو دم کے لیے جبرئیل امین حاضر ہوئے پوچھا: جان عالم! کیا آپ بیمار ہو گئے؟ فرمایا ہاں۔ جبرئیل نے یہ پڑھ کر دم کیا:

بِاسْمِ اللَّهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اللَّهُ يَشْفِيكَ - بِاسْمِ اللَّهِ أَرْقِيكَ۔ (ترجمہ) میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو اذیت دے اور ہر نفس اور حاسد کی نظر سے۔ اللہ آپ کو شفا دے۔ میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں۔

مسند امام احمد میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں رونق افروز ہوئے میرے پاس شفاء نامی ایک خاتون بیٹھی تھی جو نملہ (ذباب) کا دم کیا کرتی تھی۔ حضور نے فرمایا شفاء یہ دم حفصہ کو بھی سکھا دو۔ خود شفاء بنت عبد اللہ کہتی ہیں کہ مجھے حضور نے فرمایا کہ تم نے حفصہ کو جس طرح لکھنا پڑھنا

سکھایا ہے ملہ کا دم بھی سکھا دو۔ (مسند امام احمد، ابوداؤد، نسائی)

صحیح مسلم میں عوف ابن مالک اشجعی کی یہ روایت مذکور ہے کہ ہم نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ اب اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: جو پڑھ کر تم دم کیا کرتے تھے وہ مجھے سناؤ۔ جھاڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جب تک اس میں شرک نہ ہو۔"

حضرت جابر ابن عبد اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرما دیا۔ پھر حضرت عمرو ابن حزم کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا جس سے ہم بچھو یا سانپ کے کاٹے کو دم کیا کرتے تھے مگر حضورؐ نے ان کاموں سے منع فرما دیا ہے۔ پھر انہوں نے وہ دم پڑھ کر سنایا۔ حضورؐ نے فرمایا: اس میں تو میں کوئی مضائقہ نہیں پاتا۔ تم میں سے جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ ضرور پہنچائے۔

(مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ)

میں نے کثیر التعداد احادیث میں سے صرف چند احادیث پیش کی ہیں۔ طالب حق کے لیے اس میں کفایت ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز اسی وقت نفع پہنچاتی جب اذن الٰہی ہو۔ اس کے علاوہ کوئی چیز بھی اثر نہیں کرتی۔ اگر جڑی بوٹیاں، گولیاں، اشربت، معجونیں اور ٹیکے اذنِ الٰہی سے صحت و عافیت کا سبب بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ آیاتِ قرآنی اور فرمودات رسالت اذنِ الٰہی سے کیوں مؤثر نہیں ہو سکتے۔ آخر میں ایک بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ کیا دم اور تعویذ پر نذرانہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کے لیے حضرت ابو سعید خدری کی اس روایت سے استدلال کافی ہے جو امام بخاری، امام مسلم، ترمذی اور دیگر کتب احادیث میں منقول ہے۔ اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہم پر اپنے چند صحابہ کو بھیجا جن میں حضرت ابو سعید خدری بھی تھے۔ ان کا گزر ایک بستی سے ہوا جہاں ایک عرب قبیلہ سکونت پذیر تھا۔ انہوں نے اس قبیلہ سے اپنے لیے کھانے کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے انہیں کوئی چیز دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے بغیر کچھ کھائے رات بسر کی۔ اسی اثنا میں قبیلہ کے سردار کو کسی زہریلے بچھو نے ڈنگ مار دیا۔ جب اس کی تکلیف حد سے زیادہ بڑھی تو وہ لوگ مسلمانوں کے پاس آئے اور آکر کہا کہ ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹا ہے۔ وہ درد سے تلملا رہا ہے۔ اگر تم لوگوں کے پاس کوئی دوا ہو یا کوئی دم کر سکتا ہو تو وہ آکر اسے دم کرے۔ حضرت ابو سعید نے کہا کہ ہمارے پاس اس کا علاج تو ہے لیکن تم نے بڑی بے مروتی کا سلوک کیا ہے ہمیں کھانا تک نہیں دیا اس لیے جب تک تم ہمیں کچھ معاوضہ دینا طے نہ کر لو اس وقت تک ہم اس کا علاج نہیں کریں گے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر ہمارے سردار کو آرام آگیا تو ہم تمہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دیں گے۔ حضرت ابو سعید گئے اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد اپنا لعاب دہن اس پر ملا۔ درد زائل ہو گیا اور ان کا سردار بالکل تندرست ہو گیا۔ قبیلے والوں نے وعدہ کے مطابق ریوڑ جس میں تیس بکریاں تھیں مسلمانوں کو دیا۔

جب حضرت ابوسعید وہ ریوڑ لے کر مسلمانوں کے پاس واپس آئے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک حضور نبی کریم سے مسئلہ دریافت نہ کر لیں اُس وقت تک ہمیں یہ بکریاں استعمال میں نہیں لانی چاہئیں۔ جب مہم سے فارغ ہونے کے بعد یہ حضرات مدینہ طیبہ واپس پہنچے تو سارا قصّہ عرض خدمت کیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ تمہیں یہ کس طرح پتہ چلا کہ یہ سورت پڑھ کر دم کیا جاتا ہے۔ بکریاں لے لو اور اس میں سے میرا حصّہ بھی نکالو۔

اس روایت کے بعد اس مسئلہ پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

وضوح ان سورتوں کی تشریح کے ضمن میں تمام چیزیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔ یہاں آپ اتنا ہی خیال رکھیں کہ بندہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اگر وہ حق کے لیے سرکشی باطل کے سامنے میدانِ جہاد میں قدم رکھتا ہے تو ایک ذات ایسی ہے جس کے دامن میں اُسے پناہ مل سکتی ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ کبھی ہراساں اور مایوس نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور ان کلماتِ طیبات سے اس کی بارگاہ میں پناہ مانگے۔ یہ عرض گزار رہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۱۵ اپریل ۱۹۷۷ء

کل مجھے اور میرے پانچ ساتھیوں کو رحیم بخش خاص مجسٹریٹ درجہ اوّل بھلوال نے چار ماہ قید باشقت کی سزا سنائی۔ الحمدللہ۔

اللّٰھمّ اعفُ بجاھِہٖ

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۃ الفلق مدنی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ

آپ عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں سپیدۂ صبح کے پروردگار کی ۱ ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا ۲ اور (خصوصاً) رات کی

۱ علامہ راغب عوذ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: العوذ الالتجاء الی الغیر والتعلق بہ کسی کی پناہ لینا اور اس کے ساتھ چمٹ جانا۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: عاذ بہ یعوذ عوذاً، لاذ بہ ولجأ الیہ واعتصم (لسان العرب) کسی کی پناہ لینا، کسی کا دامن مضبوطی سے پکڑ لینا۔

الفلق کا اصلی معنی تو چیرنا اور پھاڑنا ہے۔ اس آیت میں اس سے مراد صبح ہے جو رات کا سینہ چاک کر کے باہر نکلتی ہے۔ قرآن کریم کی یہ دو آخری سورتیں ہیں۔ انہیں معوذتین کہتے ہیں۔ اس کتاب مقدس میں انسان کا منشور حیات پیش کر دیا گیا۔ اس کی منزل متعین کر دی گئی جس کے بغیر اور کوئی منزل اس قابل نہیں کہ نوع انسانی کے کسی فرد یا کسی جماعت کی منزل بن سکے۔ یہی وہ بلند منزل ہے جس پر خیمہ زن ہونے کے لیے پرکشا ہونا اس معبود مالک کو زیب دیتا ہے۔ لیکن اس منزل کی راہ مشکلات سے اٹی ہوئی ہے۔ قدم قدم پر رکاوٹوں کے پہاڑ راستہ روکے کھڑے ہیں۔ کمین گاہوں میں اس کے دشمن اس کی تاک میں بیٹھے ہیں تاکہ جب موقع ملے وہ اس پر جھپٹ پڑیں۔ اس کی دشمن قوتیں ایسی بھی ہیں جو اس کی جسمانی صلاحیتوں کو فنا کرنے کے لیے پر تول رہی ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو اس کی متاع ایمان کو غارت کر دینا چاہتی ہیں۔ یہ مشت خاک بیک وقت ان تمام دشمنوں سے کیسے برسر پیکار ہو سکتا ہے اور کیونکر ان میں سے ہر ایک کو پچھاڑ سکتا ہے؟ اس لیے اس راہرو منزل شوق کو قرآن کریم ایک ایسی ہستی کی پناہ لینے کا درس دے رہا ہے جو سب سے اعلیٰ سب سے بالا اور سب سے اقویٰ اور سب پر غالب ہے۔ وہ تیرے ظاہری اور باطنی دشمنوں کو جانتا ہے۔ وہ تیرے جسمانی اور روحانی اعداء کو بھی پہچانتا ہے۔ تیرے خلاف ان کے کھلے منصوبوں اور خفیہ سازشوں سے اچھی طرح آگاہ ہے اور ان منصوبوں کو خاک میں ملانے اور ان کی سازشوں کو ناکام کرنے کی بھی پوری قوت رکھتا ہے۔ آؤ! اس کی پناہ لے لو، اس کے دامن کرم کو مضبوطی سے پکڑ لو، پھر بے خوف و خطر اپنی منزل کی طرف بڑھتے چلو۔ تم کس بلندی پر اپنا آشیانہ بناتے ہو، تمہارے عزم اور ہمت پر منحصر ہے۔ خارجی اور داخلی مزاحمتوں سے اب کہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

اس سورت میں ان امور کا ذکر کیا گیا جو انسان کی جسمانی نشوونما اور صحت و عافیت کے لیے خطرناک ہیں اور دوسری سورت میں

غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَ

تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے ۳ اور ان کے شر سے جو پھونکے مارتی ہیں گرہوں میں ۴ اور

ان خطرات کا ذکر کیا گیا جو اس کے ایمان والیقان کو اس سے چھین لینا چاہتے ہیں۔

اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا اور حضور کے واسطے سے ہر غلام بارگاہ رسالت کو حکم دیا کہ کہو میں پناہ لیتا ہوں تیرے پروردگار کی جس نے رات کی تاریکی کو صبح کے اجالے سے بدل دیا۔ رات کے سناٹے اور ویرانے کو دن کی رونقوں سے نواز دیا جس نے رات کی وحشتوں کو دن کی دلچسپیوں میں تبدیل کر دیا۔ جو نامساعد حالات کو یوں تبدیل کر کے سازگار بنا دیتا ہے وہ تیری بگڑی بھی بنا سکتا ہے۔ تیری امیدوں کی دنیا میں جو گھپ اندھیرا ہے اس کی نظر کرم سے وہ بھی کافور ہو سکتا ہے۔ اس کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہو کر فریاد تو کرو پھر دیکھو کیا ہوتا ہے؟

۲ میں ہر چیز کی اذیت رسانی اور شر انگیزی سے پناہ مانگتا ہوں۔ کیونکہ ہم نہ تمام چیزوں کو شمار کر سکتے ہیں اور نہ ہر چیز کی مضرتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اپنے ناقص علم کے باعث ہم ایک چیز کو اپنے لیے بڑا فائدہ مند خیال کرتے ہیں۔ درحقیقت وہی چیز ہمارے لیے مضر اور تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے تفصیلات کو چھوڑ دو اور یہ عرض کرو کہ جس چیز کا تو خالق ہے اس میں مضرت اور تکلیف کا جو پہلو ہے جسے تو خوب جانتا ہے اور جس کے دور کرنے پر تو قادر ہے، میں تجھ سے ہی اس کی پناہ مانگتا ہوں۔

۳ الغاسق: الليل المظلم۔ تاریک رات، شب دیجور۔ وقب: کسی چیز کا کسی چیز میں داخل ہو جانا۔ اس کے رگ و پے میں سما جانا۔

رات کی تاریکی کی شدت کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب اس کی ظلمت کائنات کی ہر چیز کو اپنے دامن میں لپیٹ لے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل جائے، ایسے عالم میں طبعاً خوف اور وحشت تک اور کرب انگیز ہو جاتا ہے۔ نیز رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر چور چوری کرتا ہے قاتل خونریزی کرتا ہے آبروئیں اور عصمتیں اسی کی اوٹ میں لوٹی جاتی ہیں۔ شر انگیز تو تنگ ہر قسم کی مزاحمت سے بے خوف ہو کر شر انگیزی کی حد کر دیتے ہیں اور جس کو لوٹنا ہوتا ہے وہ خود خواب غفلت میں بے سدھ پڑا ہوتا ہے۔ دشمن بے خبری میں اس کو اپنے شکنجے میں لے لیتا ہے۔ اسے اتنی فرصت بھی نہیں ملتی کہ وہ مدد کے لیے اپنے کسی دوست کو پکار سکے۔ اس لیے رات کی تاریکی کے شر سے بالخصوص پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

۴ نفاثات: نفاثہ کی جمع ہے۔ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ نفث کا معنی ہے قذف الريق القليل (قطرات) تھوڑی سی تھوک پھینکنا لیکن علامہ ابن منظور کہتے ہیں کہ تھوڑی سی تھوک پھینکنے کو التفل کہا جاتا ہے۔ نفث اس سے بھی نیچے کا درجہ ہے جو پھونک مارنے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ النفث اقل من التفل لان التفل لا يكون الا معه شیء من الريق والنفث شبيه النفخ۔ (لسان العرب)

مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

اور پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے ۵

عُقد: عقدہ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے گرہ۔ جادوگر جب جادو کرتے ہیں، تو وہ منتر اور طلسم پڑھ کر ایک دھاگے میں گرہ ڈالتے ہیں اور اس پر پھونک مارتے ہیں۔ جس طرح پاک کلام کے پاکیزہ اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح ابلیسی منتروں اور شیطانی طلسموں کے تکلیف دہ نتائج ہوتے ہیں۔ سحر سے کسی چیز کی حقیقت بدلتی ہے یا نہیں؟ یہ ایک الگ موضوع ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے انسان نفسیاتی طور پر ضرور متاثر ہوتا ہے۔ ہاروت و ماروت کے واقعہ میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ شیاطین لوگوں کو ایسا جادو سکھایا کرتے تھے، ما یفرقون بہ بین المرء و زوجہ کہ اچھا بھلا بستا بستا گھر اختلاف کی نذر ہو جاتا۔ میاں بیوی کی باہمی محبت و پیار، نفرت و عداوت سے بدل جاتا۔ ساحرانِ فرعون کے متعلق بھی قرآن کریم میں مذکور ہے کہ جب انہوں نے اپنے منتر پڑھ کر رسیوں پر پھونک ماری تو ہزار ہا لوگ جو وہاں دربار میں موجود تھے، ان سب کو یہی نظر آیا کہ وہ رسیاں سانپ بن گئی ہیں اور سانپ کی طرح لہرا رہی ہیں۔

کسی کو کیا خبر کہ کوئی خبیث الفطرت انسان اس کے لیے کیا کیا جادو کر رہا ہے اور چند ٹکوں کے عوض کس طرح اس کے درپئے آزار ہے۔ اس لیے اس چیز کو بھی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا کہ الٰہی جو بدبخت مجھے دکھ پہنچانے، میرے گھر والوں اور بال بچوں کی صحت کو برباد کرنے کے لیے ان ذلیل حرکتوں میں لگے ہوتے ہیں، میں تو ان کے شر سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اے میرے مولا! اے میرے نگہبان! مجھے اپنی پناہ میں لے لے اور ان کے شر سے مجھے بچا لے۔

جادوگری کا پیشہ اکثر و بیشتر عورتیں کیا کرتی تھیں، اس لیے نفاثات مؤنث کا صیغہ استعمال کیا۔

۵ حسد کی تشریح کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں: ان تتمنی ان تتحول الیہ نعمتہ و فضیلتہ او یسلبھما ھو (لسان العرب)۔ یعنی کسی کی خوشحالی اور عزت کو دیکھ کر جلنا اور یہ آرزو کرنا کہ کاش یہ دولت اس سے چھن کر مجھے مل جائے، اس عزت و فضیلت سے اس کے بجائے میں بہرہ ور ہوتا۔ ۔ ۔ اور اگر یہ چیزیں میرے نصیب میں نہیں، تو کم از کم اس سے چھین لی جائیں، اس کو بھی ان سے محروم کر دیا جائے۔

یہ جذبہ انسان کی کمینگی اور خبثِ طبع پر دلالت کرتا ہے۔ نیز یہ بات یہاں تک محدود نہیں رہتی، بسا اوقات یہ بڑے بڑے جور و ستم کا سبب بن جاتی ہے۔ جو انسان حسد کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا نہیں رہتا بلکہ ایسی تدبیریں سوچتا ہے، ایسی سازشیں کرتا ہے، اس قسم کے گٹھ جوڑ کرتا ہے جس سے وہ اپنی ناپاک آرزو کو پورا کر سکے۔ اس سے ایسی ایسی مذموم حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو شرفِ انسانی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ قابیل نے ہابیل کو حسد کی وجہ سے ہی قتل کیا تھا۔ ابوجہل اور دیگر اکابر قریش یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضور سچے نبی ہیں، محض حسد کی وجہ سے دینِ اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے۔

جس انسان پر اللہ تعالیٰ کا کوئی خصوصی کرم ہوتا ہے، اس کے بدخواہ اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، وہ اس کی عزت کرتا ہے، اس کی

دلجوئی کرتا ہے، جہاں تک بن پڑے اس کی خدمت سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس کے باوجود حاسدوں کے سینوں میں حسد کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ وہ بلاوجہ جلتے رہتے ہیں۔ انسان نہ تو خود ہر حاسد کو پہچان سکتا ہے اور نہ حاسدوں کے منصوبوں سے آگاہ ہو سکتا ہے اور اگر آگاہ ہو بھی جائے تو بسا اوقات ان کا تدارک کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ تم اپنے رب کریم کے دامنِ عاطفت میں پناہ لے لو۔ بے شک ان حاسدوں کی شر انگیزیوں سے وہی بچ سکتا ہے جسے اس کی پناہ حاصل ہو جائے۔

الٰہی! تیرا یہ زار و ناتواں، ضعیف و بے نوا بندہ تیرے دامنِ لطف و کرم میں پناہ طلب کرتا ہے۔ تیری پناہ کے بغیر اس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

اللّٰھم صل وسلم وبارك على سيدنا ومولانا محمد الحامد المحمود وعلى آله وصحبه ومن تبعه و احبه الى يوم الدين۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃُ الفلق والنّاس

نام : پہلی سورت کا نام "الفلق" اور دوسری کا "الناس" ہے۔ دونوں سورتوں کا نزول بھی بیک وقت ہوا مفہوم، معنی اور مقصد کے اعتبار سے بھی ان میں اس قدر اتصال ہے کہ انہیں الگ الگ کرنا بہت دشوار ہے۔ اس لیے انہیں معوذتین کے ایک نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان کے الگ الگ تعارف لکھنے کے بجائے ایک ہی تعارف پر اکتفا کروں گا۔

پہلی سورۃ "الفلق" ایک رکوع، پانچ آیتوں، تیئیس کلموں اور چوہتر حروف پر مشتمل ہے اور دوسری سورۃ الناس، میں ایک رکوع، چھ آیات، بیس کلمے اور اناسی حروف ہیں۔

نزول : اس بات پر تو سب متفق ہیں کہ یہ دونوں سورتیں ایک ساتھ نازل ہوئیں لیکن کہاں نازل ہوئیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ حضرت حسن بصری، عطاء، عکرمہ اور جابر رضی اللہ عنہم کی یہ رائے ہے کہ ان کا نزول مکہ میں ہوا۔ حضرت ابن عباس کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن قتادہ، ابو صالح اور ابن عباس کے علاوہ علماء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔ بعض مفسرین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے لیکن احادیث مرفوعہ دوسرے قول کی تائید کرتی ہیں۔ اس لیے مرفوع حدیث کے مقابلہ میں کسی کے قول کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے۔ ایک مرفوع حدیث جسے مسلم، ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ نے حضرت عقبہ بن عامر سے یوں روایت کیا ہے۔ عقبہ کہتے ہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا : الم ترا آیات انزلت اللیلۃ لم یر مثلھن اعوذ برب الفلق، اعوذ برب الناس یعنی تمہیں خبر ہے اللہ تعالیٰ نے آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جن کی پہلے مثال نظر نہیں آتی۔ وہ اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس ہیں۔

عقبہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ان کو حضور کا یہ ارشاد کہ "آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثال پہلے نظر نہیں آتی" یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان سورتوں کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ دوسری حدیث جو اس قول کی تائید کرتی ہے وہ ہے جس میں ان کے شان نزول کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس حدیث کو ائمہ کبار بغوی، نسفی، بیہقی، ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ شراح حدیث میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی نے اپنے اسفار جلیلہ میں لکھا ہے کہ سات ہجری میں جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے جادو کیا، جس کی تفصیل آگے بیان ہو رہی ہے، اس وقت اس جادو کے اثرات کو کالعدم کرنے کے لیے یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔ ان ائمہ حدیث کی تحقیق کے بعد اور حضرت عقبہ کی مرفوع روایت کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے ان سورتوں کے مدنی ہونے پر اصرار کرنا اور

ان صریح روایات کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ "ان مواقع پر ان سورتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی جو پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں" بہرحال میرے لیے ناقابل فہم ہے۔ جہاں تک میری سمجھ اور تحقیق کا تعلق ہے میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔

چند مباحث: یہاں چند ایسے الجھے ہوئے مباحث ہیں۔ جن سے دامن بچا کر آگے نکل جانا کسی طرح درست نہیں۔ ان سورتوں کے تعارف کے ضمن میں ان مباحث کا تذکرہ اور ان سے جو شبہات جنم لیتے ہیں ان کا ازالہ از بس ضروری ہے اس لیے قارئین کرام سے ان مباحث کے تذکرہ کی اجازت طلب کرتا ہوں۔

بحث اول: کیا یہ دونوں سورتیں قرآن کریم کا جزو ہیں اور قرآن کریم کی دوسری سورتوں کی طرح ان کا جزو قرآن ہونا قطعی الثبوت ہے؟

یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ بعض ایسی روایات موجود ہیں، جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہیں قرآن کی سورتیں شمار نہیں کیا کرتے تھے اور جو مصحف انہوں نے مرتب کیا تھا۔ اس میں بھی یہ سورتیں موجود نہ تھیں۔ علامہ سیوطی نے صراحۃً لکھا ہے۔

اخرج احمد والبزار والطبرانی وابن مردویه من طرق صحیحة عن ابن مسعود انه کان یحک المعوذتین من المصحف ویقول لا تخلطوا القرآن بما لیس منه انهما لیستا من کتاب الله انما امر النبی صلی الله علیه وسلم ان یتعوذ بهما وکان ابن مسعود لا یقرء بهما (الدر المنثور)

ترجمہ: امام احمد، بزار، طبرانی، ابن مردویہ نے صحیح طریقوں سے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ وہ معوذتین کو مصحف سے محو کر دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے قرآن کے ساتھ ایسی چیزیں خلط ملط نہ کرو جو اس میں سے نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ان دو سورتوں کے ساتھ فقط پناہ مانگنے کا حکم دیا تھا نیز حضرت ابن مسعود ان سورتوں کی تلاوت نماز میں نہ کیا کرتے۔ (الدر المنثور)

اس میں تو کلام نہیں یہ سب اخبار آحاد ہیں۔ علماء اصول حدیث نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اخبار آحاد کی صحت کے لیے صرف راویوں کی عدالت اور قوت حافظہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخبار آحاد کا درایت کے معیار پر پورا اترنا بھی لازمی ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ روایت بداہت عقل کے خلاف نہ ہو۔ اگر اس قاعدہ کو پیش نظر رکھا جائے تو ان روایات کو بنیاد بنا کر انکار کی عمارت استوار کرنا قرین دانشمندی نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے نہ تھے جنہیں ساری عمر میں ایک آدھ بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہو یا دنیاوی مصروفیتوں کے باعث بارگاہ نبوت میں کبھی کبھی حاضری کی سعادت مل جاتی ہو اور کبھی نہ ملتی ہو۔ بلکہ آپ ان خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو ہمیشہ خدمت عالیہ میں حاضر باش رہا کرتے تھے۔ آپ کا شمار اصحاب صفہ میں تھا جو آٹھوں پہر مسجد نبوی میں پڑے رہتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت، خدمت میں حاضری، ارشاد و رسالت کو سننا، ان کو یاد رکھنا۔ قرآن کریم کی جو آیتیں نازل ہوتیں ان کو حفظ کرنا۔ ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں انہی چند باتوں میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ تقریباً ہر نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے۔ عقبہ بن عامر جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ایمان

اسے ستے تھے انہیں قرآن کی سورتوں کے بارے میں علم ہو کہ یہ قرآن کا حصہ ہیں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو ہجرت سے پہلے ہی دولتِ ایمان سے مشرف ہو چکے تھے اور شاذ و نادر ہی کبھی غیر حاضر ہوتے ہوں۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا ان سورتوں کو نماز میں تلاوت فرمایا۔ صدہا صحابہ نے اپنے کانوں سے انہیں سنا۔ یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے ہمہ وقت حاضر باش، ہر نماز حضور کی اقتدا میں پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ قرآن کی سورتیں ہیں یا نہیں؟ بڑی تعجب خیز بات ہے۔۔۔

اس لیے یہ روایات جو سب کی سب آحاد ہیں، ان کی بناء پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خیال اور خیال بھی ایسا جس سے فقط ابن مسعود پر ہی اعتراض وارد نہیں ہوتا، بلکہ ایک ایسا دروازہ کھل جاتا ہے جس سے کفار و ملحدین کو حملہ قرآنِ کریم کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرنے کی سند مل جاتی ہے کم از کم میرے فہم سے یہ بات بالاتر ہے۔

یہ روایت جو ابن قتیبہ نے نقل کی ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود اپنے مصحف میں معوذتین کو نہ لکھا کرتے تھے کیونکہ یہ سنا کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دو سورتیں پڑھ کر سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کو دم فرماتے ہیں اور یہ دوسرے دموں کی طرح ایک دم ہی ہے۔ یہ بات بھی کسی طرح قابلِ تسلیم نہیں، کیونکہ قرآنِ کریم سراپا اعجاز ہے۔ جس کی مثال لانا کسی ایک فرد کسی انسانی جماعت بلکہ فصحاء و بلغاء کے کسی مجمع علمی سے بھی ممکن نہیں۔ اس میں اور دوسرے دموں میں کیوں کر التباس پیدا ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ابن مسعود جیسی شخصیت کو جو فصیح اللسان، لغتِ عرب کے ماہر اسالیبِ کلام اور اندازِ گفتگو کے عارف تھے۔ مزید برآں جسے افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت نے کندن بنا دیا تھا اُن کا اس اشتباہ میں مبتلا ہونا ناممکن ہے۔ خود علامہ سیوطیؒ نے طبرانی سے ایک حدیث بیان کی ہے :

اخرج الطبرانی فی الاوسط بسند حسن عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد انزل علی آیات لم ینزل علی مثلھن المعوذتین۔ (الدر المنثور)

ترجمہ: طبرانی نے اوسط میں سندِ حسن سے حضرت ابن مسعود سے یہ ارشادِ رسالت نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثل مجھ پر نازل نہیں ہوئی اور وہ معوذتین ہیں۔"

اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابن مسعود کو ان آیات کے نزول کے بارے میں آگاہ فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ کا یہی خیال ہو کہ یہ محض جھاڑ پھونک کے لیے چند کلمے نازل ہوئے ہیں اور قرآن کا جزو نہیں ہیں لیکن حضور کا یہ ارشاد سننے کے بعد اگر ان کے بارے میں انہیں کوئی شک تھا بھی تو وہ دور ہو گیا اور آپ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا۔

یہ الگ بات ہے کہ کسی کے دل میں صحابہ کو غلط کار ثابت کرنے کا اتنا زیادہ شوق ہو کہ وہ ان تمام واضح حقائق کو بھی بآسانی نظر انداز کرنے کے لیے تیار ہو جس طرح صاحب تفہیم القرآن نے اس مقام پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں یہ سورتیں مرقوم نہ تھیں، اس لیے وہ ان کو قرآن کا جزو نہیں سمجھتے تھے۔ تو عرض ہے کہ ان کے مصحف میں تو سورۃ فاتحہ بھی مرقوم نہ تھی۔ کیا اس کا آپ یہ مطلب لیں گے کہ وہ اسے بھی قرآن کی سورت شمار نہ کرتے تھے۔

جس کو وہ ہر نماز کی ہر رکعت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرأت فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ ان سورتوں کے نہ لکھنے کی معقول وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ بکثرت تلاوت کی جاتی تھیں، اس لیے انہیں نوکِ زبان تھیں۔ انہیں قطعاً یہ وہم تک بھی نہ تھا کہ وہ انہیں فراموش ہو جائیں گی۔ یہ مصحف آپ نے اپنی سہولت کے لیے مرتب کیا تھا۔ ان سورتوں کے لکھنے کی انہوں نے ضرورت محسوس نہ کی اس لیے نہ لکھیں۔

مختلف کتب میں اس قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ ہم تاریخ کے پاس نہ اتنی استعداد ہوتی ہے اور نہ اتنی فرصت کہ وہ ان روایات کی تحقیق کر سکے، اس لیے ہم لوگ طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ان تمام اعتراضات اور شبہات کو دُور کرنے کے لیے اس ایک اصول کو آپ خوب ذہن نشین کر لیں کہ قرآن کریم کس کو کہتے ہیں؟ قرآن کریم وہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا اور پھر بذریعہ تواتر نقل کیا۔ صحابہ سے تابعین نے اسی تواتر سے سنا یوں ہی سلسلہ وار وہ ہم تک منقول ہوتا چلا آیا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کرام کے بالاتفاق حضرت زید ابن ثابت کے مدون کردہ نسخہ کے مطابق ایک نسخہ تیار کیا اور اس کی متعدد نقول اپنی نگرانی میں تیار کر کے مملکتِ اسلامیہ کے مختلف امراء کی طرف روانہ کیں تاکہ عرب و عجم میں اسی کے مطابق تلاوت کی جائے اور عمل کیا جائے۔ اس لیے قرآن کریم صرف اسی مصحفِ مبارک کا نام ہے۔ اس کے خلاف آپ کو جو روایت نظر آئے یا وہ سند کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہو گی یا وہ خبرِ واحد ہو گی یا کسی کا اپنا ذاتی قول ہو گا۔ الغرض کلام اللہ وہی ہے جو اس مصحفِ عثمانی کے مطابق ہے جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور اس وقت سے لیکر آج تک اس میں یہ کسی لفظ کی کمی بیشی ہوئی نہ کسی آیت میں تقدیم و تاخیر، نہ کلمات کی ترتیب میں کوئی تغیر رونما ہوا۔

<u>بحثِ دوم</u>: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیا جادو کیا گیا؟ اور ذاتِ اقدس و اطہر پر اس کا اثر کیا ظاہر ہوا؟

اس کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرنے سے پہلے میں قارئین کرام کے سامنے اُن تمام روایات کا خلاصہ پیش کروں گا جو مختلف کتب میں باختلاف الفاظ منقول ہیں۔ اس کے بعد اُن اعتراضات کا ذکر کروں گا جو قدیم اور جدید معترضین نے وارد کیے ہیں۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اہلِ سنت کے موقف کو بیان کروں گا۔

"یثرب کے یہودیوں کو روزِ اوّل سے ہی بغض و عداوت اور حسد حضور کی ذاتِ اقدس کے ساتھ تھا اس کی تفصیلات کئی مقامات پر آپ پڑھ چکے ہیں۔ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی شان کو بلند کرتا، فتوحات کے دروازے کھلتے جاتے، ایسے ایسے ہی ان کی عداوت کے شعلے بھڑکنے لگتے۔ سن ۷ھ میں جب حدیبیہ سے حضور بخیریت واپس تشریف لائے تو خیبر کے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ کے ایک مشہور جادوگر لبید ابن اعصم کے پاس آیا۔ بعض مؤرخین نے اسے یہودی کہا ہے لیکن یہ در حقیقت انصار کے ایک قبیلہ بنی زریق کا ایک فرد تھا۔ ممکن ہے اس نے یہودی مذہب اختیار کر لیا ہو۔ اس لیے اسے یہودی کہا گیا ہو۔ خیبر کے وفد نے آکر اس کے سامنے اپنی بپتا بیان کی اور کہا کہ مکہ کے اس قریشی نے یہاں آکر ہماری عزت خاک میں ملا دی ہے ہم نے سیاسی طور پر ان کو ناکام بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، سازشیں کیں منصوبے بنائے، لشکر کشی کی، قبائل کو ان کے خلاف بھڑکایا لیکن

ناکام رہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں جتنے ماہر جادوگر تھے انہوں نے بھی بڑے جتن کیے، بڑی زور آزمائی کی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ہمارے اس علاقہ میں تمہارے سحر کی دھوم مچی ہوئی ہے ہر طرف سے مایوس ہو کر ہم تیرے پاس آئے ہیں۔ اگر تو ہماری امداد کرے تو یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ انہوں نے اس کی خدمت میں بھاری نذرانہ بھی پیش کیا۔ چنانچہ اس نے حامی بھر لی۔

ایک یہودی لڑکا حضور کی خدمت میں رہا کرتا تھا کسی طرح ورغلا کر اس سے حضور کی کنگھی کا ایک ٹکڑا اور چند موئے مبارک حاصل کر لیے۔ اس نے اور اس کی بیٹیوں نے جو اس فن میں اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے تھیں جادو کیا اور ان چیزوں کو نر کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر بنی زریق کے ایک کنوئیں کی تہہ میں ایک بھاری پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس کنوئیں کا نام "ذروان" یا "ذی اروان" بتایا جاتا ہے بعض نے اس کا نام "بیرادریس" بھی لکھا ہے۔

چھ ماہ گزرنے کے بعد معمولی معمولی اثر ظاہر ہونے لگا۔ آخری چالیس دن زیادہ تکلیف کے تھے۔ ان میں سے بھی آخری تین دن تکلیف اپنی نہایت کو پہنچ گئی۔ اس جادو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قسم کی تکلیف محسوس ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں بھی تصریحات موجود ہیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذوب ولا یدری ما وجعہ یعنی حضور کی طبیعت گھٹنے لگی۔ نقاہت بڑھنے لگی لیکن بظاہر اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: حتی یخیل الیہ انہ فعل الشیء ولم یکن فعلہ (روح المعانی)

یعنی ایسا کام جو نہ کیا ہوتا اس کے بارے میں حضور کو خیال ہوتا کہ کر لیا گیا ہے۔

کتب حدیث میں اس جادو کے اثرات کے بارے میں جتنی روایات ملتی ہیں۔ ان کا یہی نچوڑ ہے کہ جسمانی طور پر نقاہت و کمزوری محسوس ہوئی لیکن ایسی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی موجود نہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ فرائض نبوت کی ادائیگی میں کبھی بال برابر فرق آیا ہو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نماز کے ارکان میں تقدیم و تاخیر سرزد ہوئی ہو یا تلاوت قرآن کے وقت نسیان طاری ہو گیا ہو یا مملکت اسلامیہ کی توسیع اور استحکام یا اسلام کی تبلیغ میں کوئی معمولی سا رخنہ بھی پیدا ہوا ہو۔

جب تکلیف زیادہ بڑھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اسی رات حضور کو خواب میں حقیقت حال سے آگاہ فرما دیا گیا؛ چنانچہ حضور نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ اے عائشہ! میں نے اپنے رب سے جس بات کے بارے میں دریافت کیا تھا میرے خدا نے مجھے اس کے متعلق بتا دیا ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا بتا دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا رات کو خواب میں دو آدمی میرے پاس آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کے نزدیک۔ (بعض روایات میں ہے کہ وہ جبرائیل اور میکائیل تھے) ایک نے دوسرے سے پوچھا "انہیں کیا تکلیف ہے"۔ دوسرے نے جواب دیا "انہیں جادو کیا گیا ہے"۔ پوچھا "کس نے کیا ہے؟" جواب ملا "لبید بن اعصم نے"۔ پوچھا "کس چیز میں"۔ بتایا "کنگھی کے ایک ٹکڑے کو اور چند بالوں کو نر کھجور کے خوشہ کے پردے میں رکھ کر"۔ پوچھا "کہاں رکھا ہے؟" بتایا "ذی اروان کے کنوئیں کی تہہ میں ایک پتھر کے نیچے"۔ پوچھا "اب کیا کرنا چاہیے"۔ بتایا "اس کنوئیں کا سارا پانی نکال دیا جائے پھر اس

پتھر کے نیچے سے ان چیزوں کو نکالا جائے :

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوراً حضرت سیدنا علی، عمار ابن یاسر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو اس مقصد کے لیے اس کنوئیں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے پانی نکال کر اس کنوئیں کو خشک کر دیا۔ اتنے میں حضور خود بھی وہاں تشریف لے گئے پتھر کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے وہ غلاف نکلا۔ اسے کھولا تو اس کے اندر کنگھی کا ایک ٹکڑا، چند بال جو تانت کے ایک ٹکڑے میں بندھے ہوئے تھے اور اس تانت میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ اسی اثنا میں حضرت جبرائیل حاضر ہوئے اور یہ دو سورتیں پڑھ کر سنائیں اور عرض کیا کہ "آپ ان سورتوں کی ایک ایک آیت پڑھتے جائیں اور ایک ایک گرہ کھولتے جائیں اور ایک ایک سوئی نکالتے جائیں"۔ چنانچہ دونوں سورتوں کی گیارہ آیتیں پڑھی گئیں۔ ان کی تلاوت سے گیارہ گرہیں کھلیں اور ساری سوئیاں نکل گئیں۔ اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی اور جادو کا سارا اثر زائل ہو گیا۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اجازت ہو تو اس خبیث کا سر قلم کر دیا جائے۔ حضرت سید عالم نے ارشاد فرمایا:

اما انا فقد شفانی اللہ واکرہ ان اثیر علی الناس شراً۔

ترجمہ: "مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا بخش دی ہے میں اپنے لیے لوگوں میں فتنہ کی آگ بھڑکانا نہیں چاہتا"۔

سبحان اللہ رحمت للعالمین کی کیا شان ہے۔ اپنی ذات کے لیے اپنی جان کے دشمنوں سے بھی کبھی انتقام نہیں لیا۔ صلی اللہ علیک یارسول اللہ۔ صلی اللہ علیک یا مقیل العثرات۔ صلی اللہ علیک یا صفوحا عن الزلات و بارک وسلم۔

اس واقعہ کا خلاصہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے۔ اب ذرا قدیم معتزلہ اور جدید عقلیت پسندوں کے اعتراضات کا مطالعہ فرمایئے۔ وہ ان تمام روایات کو ساقط الاعتبار، ناقابل اعتماد قرار دیتے ہوئے بیک قلم ان پر خط تنسیخ کھینچ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے، تو اس سے منصب نبوت کی توہین ہوتی ہے بلکہ ہر قسم کی وحی اور شریعت کے جملہ احکام پر سے وثوق اٹھ جاتا ہے کیونکہ اگر ان روایات کے مطابق مان لیا جائے کہ حضور پر جادو کا اثر ہو گیا تھا تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اثر سے کوئی آیت ذہن سے فراموش ہو گئی ہو قرآنی آیت کے بجائے کسی خود ساختہ جملہ کو آیت قرآنی فرض کر لیا گیا ہو۔ شریعت کا یہ قانون اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو بلکہ سحر کی فسوں کاری کا کرشمہ ہو نیز یہ روایات اس آیت کے بھی منافی ہیں۔ "واللہ یعصمک من الناس"۔ "کہ لوگوں کی شرانگیزیوں سے اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے"۔ جب عصمت نبوت کی ذمہ داری خود اللہ رب العزت نے لی ہے تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ یہودیوں کے سحر کا حضور پر اثر ہو گیا۔ یہ عقل کے جدید اور قدیم پرستاروں کا نظریہ آپ نے پڑھ لیا۔ بات کا جس طرح انہوں نے بتنگڑ بنایا ہے اس کو بھی آپ نے دیکھ لیا۔

ان اعتراضات اور شکوک کے بارے میں اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک حیثیت نبوت اور دوسری حیثیت بشریت۔ عوارض بشری کا ورود ذات اقدس پر ہوتا رہتا تھا۔ بخار، درد، چوٹ لگنا، دندان مبارک کا شہید ہونا، طائف میں پنڈلیوں کا لہولہان ہونا اور احد میں جبین سعادت کا زخمی ہونا یہ سب واقعات

تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔ یہ لوگ بھی ان سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے اور ان عوارض سے حضور کی شان رسالت اور حیثیت نبوت پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہاں بھی جادو کا اثر حضور کی جسمانی صحت تک محدود تھا رسالت کا کوئی پہلو قطعاً اس سے متاثر نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا کہ اس جادو سے حضور کوئی آیت بھول جاتے یا الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر دیتے یا قرآن میں اپنی طرف سے کوئی جملہ بڑھا دیتے یا نماز کے ارکان میں ردو بدل ہو جاتا تو اسلام کے بدخواہ اتنا شور و غل مچاتے کہ الامان والحفیظ! ابطال رسالت کے لیے انہیں ایک ایسا مہلک ہتھیار دستیاب ہو جاتا کہ اس کے بعد انہیں دعوت اسلامی کو ناکام کرنے کے لیے مزید کسی ہتھیار کی ضرورت نہ رہتی لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب میں موجود نہیں۔ دشمنان اسلام نے آج تک جتنی کتابیں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں لکھی ہیں ان میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ درج نہیں۔ معلوم ہوا کہ لبید یہودی کے جادو کا اثر فقط اس حد تک ہوا کہ صحت گرامی متاثر ہوئی جس طرح علامہ سیوطی اور علامہ آلوسی کے حوالے نقل کیے جا چکے ہیں۔

رہی یہ بات کہ جادو کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟ جادو سے کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے یا فقط نظر بندی کے طور پر چیز ہوتی کچھ ہے اور دکھائی کچھ دیتی ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے لیکن اس سے لوگوں کا متاثر ہونا ایک یقینی چیز ہے۔ ساحران فرعون کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فرمایا گیا ہے۔ نص قرآنی سے یہ چیز ثابت ہے کہ لوگ ان رسیوں کو سانپ خیال کرنے لگے۔ سانپوں کی طرح انہیں لہراتے ہوئے دیکھ کر وقتی طور پر موسیٰ علیہ السلام بھی خائف و ہراساں ہو گئے قرآن کریم کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۔ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۔

ترجمہ: پس ان کی رسیاں اور سونٹیاں آپ کو یوں معلوم ہوتا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ ان کے دل میں خوف پیدا ہوا ہم نے کہا اے موسیٰ! مت ڈرو۔ تم ہی سر بلند ہو۔

انہیں کے بارے میں سورۂ طٰہٰ میں ہے: سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ: یعنی ان جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا تھا۔

بحث سوم: جھاڑ پھونک کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

ایک بات پہلے ہی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ جھاڑ پھونک کا رواج ہر انسانی معاشرہ میں قدیم از منہ سے موجود ہے اس مقصد کے لیے جو منتر، طلسم یا نقوش ان کے ہاں رواج پذیر تھے۔ ان کی دیویاں، دیوتاؤں کے نام، شیطانی قوتوں سے استمداد، آسمانی کواکب و سیارات سے استغاثہ وغیرہ عام تھا۔ نیز وہ ان چیزوں کو مؤثر حقیقی اور فاعل مستقل یقین کرتے تھے۔

اسلام نے شرک کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر رکھ دیا۔ ان کے اس عقیدہ کے بطلان کو اظہر من الشمس کر دیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی دیوی، دیوتا، کوئی چاند تارا یا سورج مؤثر حقیقی ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ تو گمان ہی نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کسی ایسے منتر یا جھاڑ پھونک کی اجازت دے جس میں شرک یا شرکیہ عقائد کا شائبہ تک بھی پایا جاتا ہو۔ اس لیے ایسے تمام منتر، طلسم، نقوش

تعویذات وغیرہ اسلام میں قطعاً حرام اور ممنوع ہیں۔ جن احادیث میں دم کرنے، جھاڑ پھونک کرنے وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے ان تمام احادیث سے اسی قسم کے شرکیہ اعمال مراد ہیں لیکن ایسا دم یا تعویذ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم مبارک، کوئی آیت قرآنی یا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے نکلا ہوا کوئی جملہ ہو یا جس عمل میں یا دم میں شرکیہ بات دخیل نہ ہو اس کا کرنا جائز ہے۔ حضور خود بھی اپنے آپ کو دم فرمایا کرتے اور صحابہ کرام پر بھی دم کرتے اور حسنین کریمین کو تو خصوصی دم فرمایا کرتے۔ عہدِ رسالت میں اور اس کے بعد صحابہ کا بھی یہ معمول تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک پاکانِ اُمت کا بھی یہ دستور ہے۔ آپ چند شواہد ملاحظہ فرمائیے!

سب سے پہلی دلیل قرآن و دو سورتوں کا نزول ہے اور ان کے پڑھنے کی برکت سے جادو کی تاثیر کا ختم ہو جانا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ ہر شب آرام کرنے سے پہلے آخری تینوں قُل پڑھتے، اپنے مبارک ہاتھوں پر دم فرماتے پھر اپنے سارے جسم پر انہیں پھیر لیتے۔ یہ معمول حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے۔ جو خود عینی شاہد ہیں۔ جن محدثین نے اس روایت کو اسناد صحیحہ سے نقل کیا ہے۔ ان میں امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، ابن ماجہ، ابوداؤد علیہم الرحمۃ جیسے اکابر ہیں۔

نیز امام بخاری، امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین کو یہ پڑھ کر دم فرمایا کرتے:

أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی نے ایک روز عرض کیا۔ یارسول اللہ! جب سے مسلمان ہوا ہوں مجھے شدید درد ہوتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جان لیوا ثابت ہوگا۔ حضور نے فرمایا: درد کی جگہ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھو، پھر تین بار بسم اللہ الخ اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہوئے درد کی جگہ پر ہاتھ رکھو۔ أَعُوذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔

مسند امام احمد اور طحاوی میں طلق بن علی کی روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ کی موجودگی میں بچھو نے ڈنگ مارا۔ حضور نے مجھے دم فرمایا اور دستِ مبارک پھیرا۔

صحیح مسلم میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے تو عیادت کے لیے جبرئیل امین حاضر ہوئے، پوچھا: جانِ عالم! کیا آپ بیمار ہو گئے؟ فرمایا ہاں۔ جبرئیل نے یہ پڑھ کر دم کیا:

بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيكَ۔ بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ۔ (ترجمہ) میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو اذیت دے اور ہر نفس اور حاسد کی نظر سے۔ اللہ آپ کو شفا دے۔ میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں۔

مسند امام احمد میں اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ میں رونق افروز ہوئے میرے پاس شفاء نامی ایک خاتون بیٹھی تھی جو نملہ (ذباب) کا دم کیا کرتی تھی۔ حضور نے فرمایا شفاء یہ دم حفصہ کو بھی سکھا دو۔ خود شفاء بنت عبد اللہ کہتی ہیں کہ مجھے حضور نے فرمایا کہ تم نے حفصہ کو جس طرح لکھنا پڑھنا

سکھایا ہے ہمیں کا دم بھی سکھا دو۔ (مسند امام احمد، ابوداؤد، نسائی)

صحیح مسلم میں عوف ابن مالک اشجعی کی یہ روایت مذکور ہے کہ ہم نے حضور کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ اب اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ حضور نے فرمایا: جو پڑھ کر تم دم کیا کرتے تھے وہ مجھے سناؤ۔ جھاڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جب تک اس میں شرک نہ ہو۔"

حضرت جابر ابن عبد اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرما دیا۔ پھر حضرت عمرو ابن حزم کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا جس سے ہم بچھو یا سانپ کے کاٹے کو دم کیا کرتے تھے مگر حضور نے ان کاموں سے منع فرما دیا ہے۔ پھر انہوں نے وہ دم پڑھ کر سنایا۔ حضور نے فرمایا: اس میں تو میں کوئی مضائقہ نہیں پاتا۔ تم میں سے جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ ضرور پہنچائے۔

(مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ)

میں نے کثیر التعداد احادیث میں سے صرف چند احادیث پیش کی ہیں۔ طالب حق کے لیے اس میں کفایت ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز اسی وقت نفع پہنچاتی جب اذنِ الٰہی ہو۔ اس کے علاوہ کوئی چیز بھی اثر نہیں کرتی۔ اگر جڑی بوٹیاں، گولیاں، شربت، معجونیں اور ٹیکے اذنِ الٰہی سے صحت و عافیت کا سبب بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ آیاتِ قرآنی اور فرموداتِ رسالت اذنِ الٰہی سے کیوں مؤثر نہیں ہو سکتے۔ آخر میں ایک بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ کیا دم اور تعویذ پر نذرانہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کے لیے حضرت ابو سعید خدری کی اس روایت سے استدلال کافی ہے جو امام بخاری، امام مسلم، ترمذی اور دیگر کتب احادیث میں منقول ہے۔ اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہم پر اپنے چند صحابہ کو بھیجا جن میں حضرت ابو سعید خدری بھی تھے۔ ان کا گزر ایک بستی سے ہوا جہاں ایک عرب قبیلہ سکونت پذیر تھا۔ انہوں نے اس قبیلہ سے اپنے لیے کھانے کا مطالبہ کیا، لیکن انہوں نے انہیں کوئی چیز دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے بغیر کچھ کھائے رات بسر کی۔ اسی اثنا میں قبیلہ کے سردار کو کسی زہریلے بچھو نے ڈنگ مار دیا۔ جب اس کی تکلیف حد سے زیادہ بڑھی تو وہ لوگ مسلمانوں کے پاس آئے اور آکر کہا ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹا ہے۔ وہ درد سے تلملا رہا ہے۔ اگر تم لوگوں کے پاس کوئی دوا ہو یا کوئی دم کر سکتا ہو تو وہ آکر اسے دم کرے۔ حضرت ابو سعید نے کہا کہ ہمارے پاس اس کا علاج تو ہے لیکن تم نے بڑی بے مروتی کا سلوک کیا ہے ہمیں کھانا تک نہیں دیا اس لیے جب تک تم ہمیں کچھ معاوضہ دینا طے نہ کرو اس وقت تک ہم اس کا علاج نہیں کریں گے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر ہمارے سردار کو آرام آگیا تو ہم تمہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دیں گے۔ حضرت ابو سعید گئے اور سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد اپنا لعاب دہن اس پر ملا۔ درد زائل ہو گیا اور ان کا سردار بالکل تندرست ہو گیا۔ قبیلے والوں نے وعدہ کے مطابق ریوڑ جس میں تیس بکریاں تھیں مسلمانوں کو دیا۔

جب حضرت ابو سعید وہ ریوڑ لے کر مسلمانوں کے پاس واپس آئے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک حضور نبی کریم سے مسئلہ دریافت نہ کر لیں اُس وقت تک ہمیں یہ بکریاں استعمال میں نہیں لانی چاہئیں جب مہم سے فارغ ہو کے یہ حضرات مدینہ طیبہ واپس پہنچے تو سارا قصہ عرض خدمت کیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سُن کر تبسم فرمایا۔ تمہیں یہ کس طرح پتہ چلا کہ یہ سورت پڑھ کر دم کیا جاتا ہے۔ بکریاں لے لو اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔

اس روایت کے بعد اس مسئلہ پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

وضوح ان سورتوں کی تشریح کے ضمن میں تمام چیزیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔ یہاں آپ اتنا ہی خیال رکھیں کہ بندہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اگر وہ حق کے لیے سر بکف باطل کے سامنے میدانِ جہاد میں قدم رکھتا ہے تو ایک ذات ایسی ہے جس کے دامن میں اُسے پناہ مل سکتی ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ کبھی ہراساں اور مایوس نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور ان کلماتِ طیبات سے اس کی بارگاہ میں پناہ کے لیے عرض گزار رہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۱۵۔ اپریل ۱۹۷۷ء

کل مجھے اور میرے پانچ ساتھیوں کو رحیم بخش خان مجسٹریٹ درجہ اول بھلوال نے چار ماہ قید بامشقت کی سزا سنائی۔ الحمد للہ۔

اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِہٖ

سُوْرَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ اٰيٰتٍ

سورہ الناس مدنی ہے اور اس میں چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳

(اے حبیب!) آپ عرض کیجیے میں پناہ لیتا ہوں سب انسانوں کے پروردگار کی، سب انسانوں کے بادشاہ کی، سب انسانوں کے معبود کی ۔ لہ

لہ اس سے پہلی سورت میں ان مضرتوں اور شرانگیزیوں سے پناہ طلب کی گئی تھی جو انسان کے ظاہری حالات اور جسمانی ضروریات کو متاثر کرتی ہیں، اس لیے جس کی پناہ لینے کی تلقین کی گئی اس کا تعارف صرف رب الفلق (صبح کا پروردگار) سے کرانے پر اکتفا کیا گیا۔ اب ایمان اور ایقان کو جو خطرات درپیش ہیں، ان کی روحانی دنیا پر جن یلغاروں اور یورشوں کا اندیشہ ہے ان سے پناہ لینے کی ہدایت کی جارہی ہے۔ متاع دین وایمان یقیناً جسم اور جسمانی نعمتوں سے کہیں اہم اور بیش قیمت ہے، اس لیے جس ذات پاک کے دامن عاطفت میں پناہ لینے کا حکم دیا جارہا ہے اس کا تفصیلی تعارف کرادیا گیا تاکہ ہر شخص اپنی ہمت اور ذہنی بالیدگی کے مطابق اس کی عظمت کا اعتراف کرسکے اور حسب حیثیت اسی جذب وشوق سے اس کی پناہ لے۔

عام آدمی کی نگاہ فقط ان نعمتوں تک محدود رہتی ہے جو اس کی ظاہری نشوونما میں ممد ومعاون ثابت ہوں۔ اگر اسے کھانا اچھا مل جائے، رہنے کے لیے آرام دہ مکان میسر آجائے، اس کی روزمرہ کی ضروریات آسانی بلکہ فراوانی سے پوری ہوتی رہیں تو وہ مطمئن اور مسرور رہتا ہے۔ معاشی حوائج کی سرحد سے آگے جھانکنے کی اس کو کبھی خواہش ہوتی ہے اور نہ اس میں ایسی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے رب الناس (لوگوں کا پروردگار) کے کلمات سے اللہ تعالیٰ کا تعارف کرایا کہ تمہیں ایسی ذات سے پناہ مانگنے کا حکم دیا جارہا ہے جو تمہاری جملہ ضروریات کا کفیل ہے، جس کی مہربانی سے تمہاری زندگی مجبوریوں اور مایوسیوں سے پاک ہوجائے گی تو وہ مطمئن ہوجاتے ہیں۔

لیکن تمام انسانوں کے حوصلے یہاں تک محدود نہیں ہوتے۔ بعض چاہتے ہیں کہ عدل وانصاف کی بالادستی ہو، کسی پر ظلم نہ کیا جائے، کسی کو اس کے جائز حقوق سے محروم نہ کیا جائے۔ اگر کوئی ظالم بننے کی کوشش کرے یا کسی کا حق غصب کرنے کا ارادہ کرے تو اس کی تمام وجاہتوں اور شوکتوں کو بالائے طاق رکھ کر انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ یہ کام ایک با اختیار سلطان اور طاقتور حاکم ہی انجام دے سکتا ہے، اس لیے ان لوگوں کو بتایا کہ جس کی پناہ لینے کا تمہیں درس دیا جارہا ہے، وہ صرف تمہاری معاشی ضروریات کا کفیل ہی نہیں بلکہ وہ بادشاہ اور فرمانروا بھی ہے، اس کا حکم ہر وقت، ہر جگہ، ہر چیز پر نافذ ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۪ۙ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ

بار بار وسوسہ ڈالنے والے، بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے ؎ جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے

کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ وہ عادل اور منصف ہے کسی پر جبر و تشدد اس کا شیوہ ہی نہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو ایسے عظیم سلطان کی آمد و رفت ملک الناس کے کلمات سے کرایا گیا تاکہ ان کا اضطراب دور ہو جائے۔

تیسرے اور اعلیٰ قسم کے وہ لوگ ہیں جو محض اس لیے اس سے محبت کا دم بھرتے ہیں، محض اس لیے اس کے دامن عاطفت کے سایہ کے طلب گار ہیں کہ وہ ان کا معبود ہے۔ وہ بھوک برداشت کر سکتے ہیں وہ محرومیوں پر راضی برضا رہ سکتے ہیں، وہ طاغوتی قوتوں کے ہر تیر ستم کے سامنے خوشی سے اپنا سینہ تان سکتے ہیں، ان کے ہونٹ حرف شکایت سے بھی آشنا نہیں ہوتے، وہ فقط اس لیے اس سے پیار کرتے ہیں کہ وہ معبود برحق ہے؛ وہ ان کا خداوند کریم ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے الٰہ الناس کے مبارک کلمے ذکر کیے گئے۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کو اس کی ان تینوں صفات کمالیہ سے پہچان لیتا ہے تو وہ اسی کی جناب میں فریاد کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار! اے ملکوت السمٰوات والارض کے حقیقی فرمانروا! اے ہر جگر سوختہ اور دل خستہ کے عشق و مستی کے مرکز! مجھے ہر قسم کے شیاطین کی چیرہ دستیوں سے بچا۔ ان کی وسوسہ اندازیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت عطا فرما اور اس نحیف و نزار بندے کی دستگیری کر اور اسے اس کی منزل تک پہنچا۔ جب یہ سعادت اسے حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی اولوالعزمی کی شان قابل دید ہوا کرتی ہے۔ حضرت ہاجرہ سے شیطان آ کر کہتا ہے، جانتی ہے ابراہیم تیرے لخت جگر کو آج ضلا دھلا کر اسے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے؟ ہاجرہ نے کہا، پاگل تو نہیں ہو گئے؟ کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کیا کرتا ہے؟ پھر وہ باپ جس کو پیرانہ سالی میں چاند سے حسین تر بچہ نصیب ہوا ہو؟ اس نے کہا اس کے خدا نے اسے حکم دیا ہے کہ اپنے بچے کو ذبح کر دے۔ یہ سن کر ہاجرہ نے بڑی بے نیازی سے کہا اگر میرے رب کا حکم ہے تو ایک اسماعیل کیا لاکھوں اسماعیل اس کی رضا کے لیے قربان کیے جا سکتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی حالت ہوتی ہے جنہیں رب کریم اپنی پناہ میں لے لیا کرتا ہے۔

؎ وسوسہ، حدیث نفس کو کہتے ہیں۔ وسواس، دل میں طرح طرح کے خیالات ڈالنے والا۔ خناس: پیچھے کھسک جانے والا، دبک جانے والا۔

جب کوئی شخص کسی کو اس کی افتاد طبع کے خلاف کسی کام پر اکساتا ہے تو اس کا پہلا ردعمل بڑا شدید ہوتا ہے۔ وہ بڑی حقارت سے اس خیال کو جھٹک دیتا ہے۔ پھر وسوسہ انداز اصرار نہیں کرتا بلکہ پیچھے کھسک جاتا ہے۔ بظاہر پسپائی اختیار کر کے پھر موقع ملنے پر وہی بات اس کے کانوں میں ڈالتا ہے۔ اگر وہ پھر بھی تیوری چڑھائے تو وہ دبک جاتا ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے آہستہ آہستہ اس کا ردعمل کمزور ہونے لگتا ہے؛ یہاں تک کہ وہ دن آ جاتا ہے کہ یہ شخص جس بات پر پہلی بار برافروختہ ہو گیا تھا، وہ خود لپک کر اس کی طرف بڑھتا ہے۔ شیطان کا یہی طریقہ ہے۔ وہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوششوں سے تھکتا نہیں؛ بلکہ لگاتار اپنی کوشش

صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾

لوگوں کے دلوں میں — خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں سے ۔

جاری رکھتا ہے کبھی حملہ کرتا ہے کبھی وقتی پسپائی اختیار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بڑے سے بڑے نیک انسان کو اگر اسے اپنے رب کی پناہ حاصل نہ ہو تو چاروں شانے چت گرا دیتا ہے۔ اس کی ان دونوں چالوں کو وسواس اور خناس کے الفاظ استعمال کر کے بیان کر دیا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب شیطان انسان کو ذکر الٰہی سے غافل پاتا ہے تو اس کے حملے شروع ہو جاتے ہیں لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور کسی کونے میں چھپ جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے کوئی چور نقب لگا رہا ہو اور کہیں سے روشنی نمودار ہو جائے تو وہ نقب لگانا بند کر دیتا ہے اور ایک بے جان پتھر کا روپ دھار لیتا ہے اور جب روشنی بجھ جاتی ہے تو پھر اپنا شغل شروع کر دیتا ہے۔

۳ے اس کی وسوسہ اندازی بڑے ماہرانہ اور عیارانہ انداز سے ہوتی ہے۔ چپکے سے وہ دلوں میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ وہاں کی پرسکون فضا میں تہلکہ برپا کر دیتا ہے۔ وسوسہ اندازی کا یہ دھندا جنوں اور انسانوں میں سے شریر نفوس دونوں کرتے ہیں۔ ایسے افراد کو قرآن کی اصطلاح میں شیاطین کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ بے شک بندے کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ ملے اس کی متاع حال و ایمان کا محفوظ رہنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

الٰہی! تیرا یہ عاجز بندہ جس کا علم بھی ناقص، فہم بھی نارسا، ہمت بھی پست اور قوت و طاقت بھی نہ ہونے کے برابر ہے اسے اپنی پناہ میں لے لے۔

میرا ایمان، میرا یقین، میرا ذوق، میرا شوق، تیرے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کی ایک ننھی سی ہونی شمع، سب تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ اپنی توفیق سے اپنی اس کتاب مقدس کی خدمت کی جو سعادت تو نے اس ذرہ ناچیز، بندہ بے کس کو ارزانی فرمائی ہے اس کو قبول فرما!

تیرے محبوب بندے حضرت غوث الاعظم سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے یہ دو شعر یہ روسیاہ بھی خدمت عالیہ میں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے۔

اٰیـد رکـنـی حـنـیـم وانـت ظـهـیـری	أأظـلـم فـی الـدنـیـا وانـت نـصـیـری
فـعـار عـلـی حـامـی الـحـمـٰی وهـو قـادر	اذا ضـاع فـی الـبـیـداء عـقـال بـعـیـری

الٰہی! اس ناچیز بندے پر رحم فرما۔ اسے نگاہِ لطف و کرم سے ہمیشہ نواز! اس کی خطاؤں کو بخش دے۔ اس کے ماں باپ کو بخش دے! ان کے درجات کو بلند فرما! اس کے اہل و عیال کو بخش دے۔ اس کے احباب گرامی کو بخش دے۔ دارالعلوم محمدیہ

غوثیہ کے اساتذہ، طلبہ اور اس کے معاونین کو بخش دے۔ ضیاء القرآن کو شرف قبول عطا فرما! اس کو اپنے بندوں کی ہدایت کا سبب بنا! اور مجھ خطاکار و روسیاہ کی بخشش کا سامان بنا!

الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم مالك يوم الدين اياك نعبد و اياك نستعين اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين آمين۔

اللهم صل على حبيبك الاكرم و نبيك المعظم ورسولك المحتشم حبيبي وقرة عيني وسروري على ملجائي وملاذي في الدارين سيدي وسيد الخلق محمد منبع الجود والكرم من الصلوات اطيبها ومن التسليمات ازكاها ومن البركات اسناها ومن التحيات اجملها وعلى آله الكرام واصحابه العظام و من احبه واتبعه الى يوم الدين۔ اللهم اجعلنا من احبائه ومن خدام دينه وانصار شريعته وارزقنا محبته واحشرنا في زمرته تحت لواء الحمد يا ارحم الراحمين۔

رب اوزعني ان اشكر نعمتك التي انعمت علي وعلى والدي وان اعمل صالحا ترضاه واصلح لي في ذريتي اني تبت اليك واني من المسلمين۔

فاطر السموات والارض انت ولي في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدي وحبيبي محمدا عبده ورسوله۔

سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم

لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔

اپنے کریم و رحیم اور عزیز و حکیم پروردگار پر توکل کرتے ہوئے یہ نحیف و ضعیف مسافر جس منزل کی طرف رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ بروز دوشنبہ (۲۹ فروری ۱۹۶۰ء) روانہ ہوا تھا اپنے کریم و رحیم اور عزیز و حکیم پروردگار کی توفیق سے آج بتاریخ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ بروز جمعرات (۲۳ اگست ۱۹۷۹ء) اس منزل پر اس ساعت سعید میں پہنچا ہے جب مؤذن عصر کی اذان میں

اشهد ان محمدا رسول الله

کا جاں پرور اور ایمان افروز اعلان کر رہا ہے۔ میں بھی اعلان کرتا ہوں:

اشهد ان لا اله الا الله

اشهد ان محمدا رسول الله

اللهم صل وسلم وبارك على طور التجليات الاحسانية ومهبط الانوار الرحمانية

عبدك وحبيبك محمد

وعلى اله واصحابه ومن احبه واتبعه الى يوم الدين

عبدك المسكين

محمد كرم شاه